تشریح الہدایۃ
شرح اردو
ہدایۃ
جلد ۳
مؤلف
مولانا ثمیر الدین قاسمی
(ابن الحاج عبد الصمد مالیزی نور اللہ مرقدہ)
مکتبۃ الارشد
0301-3725288.0313-8895104

تشریح الہدایہ

شرح اردو

ہدایہ

مؤلف

ثمیر الدین قاسمی

جلد ۳

ناشر

حافظ محمد ایوب برنچ کوئٹہ

۰۳۱۳۸۸۹۵۱۰۴

۰۳۰۱۳۷۲۵۲۸۸

نام کتاب .... تشریح الہدایہ شرح اردو ہدایہ

مؤلف .... مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبد الصمد بالیزئی نور اللہ مرقدہ)

(.....ملنے کے پتے.....)

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ	مکتبہ رشیدیہ شیش محل روڈ لاہور
مکتبہ العرفان کانسی روڈ کوئٹہ	اسلامی کتب خانہ لاہور
مکتبہ دار السلام کانسی روڈ کوئٹہ	دار الاخلاص پشاور
مکتبہ شمسیہ کانسی روڈ کوئٹہ	مکتبہ بیت العلم پشاور
مکتبہ دار العلم چمن	مکتبہ عثمانیہ پشاور
مکتبہ ندوہ اردو بازار کراچی	مکتبہ عمر فاروق پشاور
اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی	مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی	مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
زم زم پبلشرز کراچی	مکتبہ صدیقیہ مینگورہ سوات
مکتبہ امدادیہ ملتان	مکتبہ عباسیہ تیمر گرہ
مکتبہ العارفی فیصل آباد	مکتبہ الاحرار مردان
مکتبہ دیوبند کوہاٹ	مکتبہ ابن عباس تخت بھائی
برکی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان	مکتبہ الاحسان بنوں

رائے عالی حضرت استاذِ محترم مولانا عبدالودود صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

برادرِ عزیز مولانا نصیب اللہ زادہ اللہ علماً سے تعلق اس زمانے سے جب موصوف ابتدائی کتابیں اصول الشاشی وغیرہ مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن خانوزئی میں پڑھ رہے تھے، ہوا ہے۔

اب مولانا صاحب کی کتاب "تشریح الھدایۃ" کا نکاح سے متعلق حصہ تکمیل کے مراحل میں ہے اور انہوں نے دیگر محقق علماء کے ساتھ مجھے بھی اس کتاب پر تقریظ لکھنے کو کہا، میں نے بار بار معذرت کی کہ تقریظ تو وہ علماء کتابوں پر لکھیں جن کو ان علوم پر عبور حاصل ہو، بندہ اس پائے کا نہیں، مگر موصوف نے اصرار کیا، مجھے اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا ادراک اور احساس ہے، تاہم مولانا نصیب اللہ کی اس کتاب کے علاوہ دوسری درسی کتابوں کی شروحات کا میں نے اس سے پہلے مطالعہ کیا ہے اور میں نے "رُبَّ مُبَلَّغٍ أوعَى مِن سَامِعٍ" کا حقیقی اور صحیح مصداق پایا ہے۔

انشاء اللہ "تشریح الھدایۃ" نہ صرف طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوگی، بلکہ مدرسین ہدایہ کے لیے بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگی، بندہ دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطاء فرمائیں اور موصوف کو مزید بھی علمی و دینی خدمات کے مواقع فراہم کریں۔ والسلام

حضرت مولانا) عبدالودود عفی عنہ (دامت برکاتہم) جامعہ عربیہ تعلیم القرآن خانوزئی، ضلع پشین، بلوچستان، ۱۴ شعبان ۱۴۴۰ھ

بمطابق ۲۰ اپریل ۲۰۱۹ء

رائے عالی حضرت استاذِ محترم مولانامفتی محمدروزی خان صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم:

چونکہ علم فقہ کی کتابوں "ھدایہ" کی حیثیت جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے، اسی لیے پاک وہند کی تقریباً تمام تنظیما مدارس نے اس کتاب کو شامل نصاب کیا ہے، یہاں تک کہ صاحبِ ہدایہ" کے مذہب اور مسلک ومشرب سے شدید اختلاف اور بدتر تعصب رکھنے والے مکاتبِ فکر بھی اس کتاب کو اپنے نصابِ تعلیم میں شامل کئے بغیر نہیں رہ سکے۔

کتاب کی افادیت اور اہمیت کی وجہ سے مدرسین اور طلبہ پر شفقت اور احسان کرتے ہوئے علماءِ کرام نے اس کتاب کی ک شروحات تالیف فرمائی ہیں، جن کی بدولت اس کتاب سے افادہ اور استفادہ انتہائی آسان ہوا۔

برادرم عزیز مولانا نصب اللہ صاحب حفظہ اللہ کی "تشریح الهدایۃ" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، موصوف کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیگر عمومی صلاحیتوں سے مالامال فرمایا ہی ہے، لیکن میرے خیال میں ان کی درسی کتب کی شروحات کی تصنیفی اور تالیفی صلاحیتیں ان کو صوبہ بلوچستان میں دیگر تمام علماء سے ممتاز کردیتی ہیں، ان کی تالیف کردہ ہدایہ کی شرح "تشریح الهدایۃ" جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی بیّن دلیل اور ثبوت ہے۔

"تشریح الهدایۃ" کا اگرچہ میں بالاستیعاب مطالعہ نہیں کرسکا تاہم چیدہ چیدہ مقامات سے اس کا بغور مطالعہ کرکے ہر لحاظ سے اس کو مدرسین اور طلباء کے لیے مفید اور ہدایہ کی شروحات میں اہم اضافہ سمجھا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی تمام کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، آمین۔

والسلام

(حضرت مولانا) مفتی محمد روزی خان (صاحب دامت برکاتہم)، خطیب جامع مسجد ربانی ورئیس دارالافتاء ربانیہ، جی او آر کالونی کوئٹہ

رائے عالی حضرت استاذِ محترم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ، امّابعد:

برادرم مولانا نصیب اللہ صاحب بَارَکَ اللّٰہُ فِی عُمرِہٖ کی کتاب "تشریح الھدایۃ" کے چند مقامات کا بغور مطالعہ ہوا، جس حد تک مطالعہ ہوا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوں تو کمزور استعداد کے طلبہ بھی اس سے بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں، لیکن مضبوط استعداد کے طالب علم اس کے ذریعہ "الہدایہ" کو پڑھانے کی قدرت بھی حاصل کر سکتے ہیں، اور اپنی فقہی استعداد کو پروان چڑھا سکتے ہیں، حضراتِ اساتذہ کرام کے لیے بھی یہ بہترین تحفہ ہے۔

وہ اس شرح کے ذریعہ اپنے سبق کو پرکشش، دلنشین بنانے کے ساتھ طلبہ میں فقہی ذوق کے نشوونما کا سلسلہ قائم کر سکتے ہیں، ایک بڑی خوبی اس شرح کی یہ ہے کہ یہ بوجھل بالکل نہیں ہے، بلکہ ہلکے پھلکے انداز میں بہت سارے فوائد کو اس میں سمودیا گیا ہے، اور اس کی ایک خصوصیت جو طلبہ واساتذہ کو دیگر شروحاتِ ہدایہ سے بے پرواہ کرتی ہے وہ متن کی تحریر اور اس کی تشکیل اور اس کا سطر وار ترجمہ ہے۔

حضرت موصوف نے عبارت کی تشریح کے ساتھ ساتھ ہر مسئلہ کو فقہ کی مستند کتابوں کے حوالہ جات سے بھی مزین فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ اس کو قبول عام عطاء فرمائیں، اور اس سے فقہ کے طلبہ کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق بخشیں، اور مصنفِ ذی وقار سلمہ اللہ کے لیے مزید بھی علمی اور دینی خدمات کے لیے پیشقدمی اور ترقی کا ذریعہ بنائیں، فقط

(حضرت مولانا مفتی) عبدالقیوم عفی اللہ تعالیٰ عنہ (صاحب دامت برکاتہم) مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن خانوزئی، ضلع پشین، بلوچستان، ۶ ررجب المرجب: ۱۴۴۰ھ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كِتَابُ النِّكَاحِ

یہ کتاب احکام نکاح کے بیان میں ہے

"نِکَاح" لغت میں وطی سے عبارت ہے اور عقدِ نکاح کو مجازاً نکاح کہتے ہیں کیونکہ عقدِ نکاح وطی کا سبب ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نکاح وطی اور تزوّج میں مشترک ہے۔ اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے "هُوَ عَقْدٌ يَرِدُ عَلَى مِلْكِ الْمُتْعَةِ قَصْداً" یعنی نکاح وہ عقد ہے جو وارد ہوتا ہے مِلکِ متعہ پر قصداً۔ مِلکِ متعہ سے مراد عورت کے ساتھ وطی کرنے کی ملکیت ہے۔ "يَرِدُ عَلَى مِلْكِ الْمُتْعَةِ" بمعنی "يُفِيدُ مِلْكَ الْمُتْعَةِ" یا "يَثْبُتُ بِهِ مِلْكُ الْمُتْعَةِ"۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ نکاح اس عقد مخصوص کا نام ہے جو قصداً مِلکِ متعہ کے لئے مفید ہو۔ قصداً کی قید سے احتراز ہے اس مِلکِ متعہ سے جو ضمنی طور پر حاصل ہو مثلاً کسی نے باندی خرید لی تو اسے مِلکِ متعہ حاصل ہے مگر چونکہ یہاں مقصود مِلکِ رقبہ کا حصول ہے ضمناً مِلکِ متعہ بھی حاصل ہوئی لہٰذا اس کو نکاح نہیں کہتے ہیں کیونکہ یہ مِلکِ متعہ ضمناً حاصل ہوئی ہے۔

احکامِ نکاح کے بیان کو احکامِ عبادات سے اس لئے مؤخر کر دیا کہ نکاح کی نسبت عبادات کے ساتھ نسبۃ المرکب من البسیط ہے کیونکہ عبادات میں محض عبادت کا پہلو ہے جبکہ نکاح میں دو پہلو ہیں من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے اور مرکب بسیط سے مؤخر ہوتا ہے اس لئے احکام نکاح کو احکام عبادات سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ باقی نکاح من وجہ عبادت اس لئے کہ نکاح کے ساتھ مشغول ہونا محض عبادت کے لئے گوشہ نشینی سے افضل ہے کیونکہ بسببِ نکاح انسان زنا سے بچ جاتا ہے۔ اور نکاح من وجہ معاملہ اس لئے ہے کہ ایک طرف سے اگرچہ بضع ہے جو کہ مال نہیں مگر دوسری طرف یعنی عوضِ بضع مال ہے۔ اور اس میں ایجاب وقبول اور گواہی لازمی ہے۔

نکاح حالتِ اعتدال میں (بشرطیکہ مہر، نفقہ اور وطی پر قدرت رکھتا ہو) سنت مؤکدہ ہے، اور عند التوقان (یعنی غلبۂ شہوت کے وقت) واجب ہے اور اگر زنا کا یقین ہو یعنی بغیر نکاح کے زنا سے بچنا ممکن نہ ہو تو فرض ہے۔ اور اگر نکاح کرنے میں ظلم وجور کا یقین ہو، تو نکاح کرنا حرام ہے، اور اگر ظلم وجور کا غالب گمان ہو تو مکروہ تحریمی ہے؛ کیونکہ نکاح بہت سارے مصالح کے لئے مشروع ہوا ہے پس اگر ظلم وجور کا خوف ہو تو وہ مصالح تو ظاہر نہیں ہو سکیں گے اس لیے مکروہ ہے۔

فائدہ:- بہر حال نکاح فرض ہو، فرضِ کفایہ ہو، واجب ہو یا سنت، نفل عبادت کے ساتھ مشغول ہونے سے افضل ہے؛ کیونکہ غالب احوال میں سنتِ مؤکدہ ہے اور سنتِ مؤکدہ نوافل سے اولیٰ ہے، نیز ترکِ نکاح پر وعید وارد ہوئی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ

شرح ۱/۱۱۰، ابن ماجہ ۱۲:

تشریح الہدایہ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني
یعنی "نکاح میری سنت ہے جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں) جبکہ ترک نوافل پر کوئی وعید نہیں آئی ہے۔ امام شافعی
کے نزدیک نفلی عبادت نکاح سے افضل ہے؛ کیونکہ نکاح معاملات میں سے ہے حتی کہ کافر کا نکاح بھی صحیح ہے جبکہ نوافل عبادت
ہے اسے نوافل پڑھنا نکاح کرنے سے اولی ہے۔

الحكمة التشريعية: ان الله سبحانه وتعالى قد خلق الانسان ليعمر هذه الارض التى خلق كل ما فيها له بدليل قوله
تعالى ﴿خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ فاذا عرفت هذا عرفت ان بقاء الارض عامرة يستلزم وجود الانسان حتى تنتهى
مدة الدنيا، وهذا يستلزم التناسل وحفظ النوع الانسانى حتى لا يكون خلق الارض وما فيها عبثا فنتج من هذا ان
عمارة الكون متوقف على وجود الانسان ووجوده متوقف على وجود النكاح (حكمة التشريع)

[۱] قَالَ: النِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِي لِأَنَّ الصِّيغَةَ وَإِنْ كَانَتْ

فرمایا: نکاح منعقد ہوتا ہے ایجاب وقبول سے ایسے دو لفظوں کے ذریعہ جن سے تعبیر کیا جاتا ہے ماضی کو، کیونکہ صیغہ ماضی اگرچہ

لِلْإِخْبَارِ وَضْعًا فَقَدْ جُعِلَتْ لِلْإِنْشَاءِ شَرْعًا دَفْعًا لِلْحَاجَةِ [۲] وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظَيْنِ

خبر کے لیے ہے وضعاً مگر اسے قرار دیا گیا ہے انشاء کے لیے شرعاً ضرورت کو دور کرنے کے لیے۔ اور منعقد ہوتا ہے ایسے دو لفظوں سے

يُعَبَّرُ بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِي وَبِالْآخَرِ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ، مِثْلَ أَنْ يَقُولَ زَوِّجْنِي فَيَقُولَ زَوَّجْتُكَ لِأَنَّ هَذَا

کہ تعبیر کیا جاتا ہے ایک سے ماضی کو اور دوسرے سے مستقبل کو، مثلاً کوئی کہے "زَوِّجْنِي"۔ پس دوسرا کہے "زَوَّجْتُكَ" کیونکہ یہ

تَوْكِيلٌ بِالنِّكَاحِ وَالْوَاحِدُ يَتَوَلَّى طَرَفَيِ النِّكَاحِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

وکیل بنانا ہے نکاح کا، اور ایک شخص متولی ہو سکتا ہے نکاح کے طرفین کا جیسا کہ ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

خلاصہ: مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں انعقاد نکاح کا رکن اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور بتایا ہے کہ نکاح ایسے دو الفاظ سے
منعقد ہوتا ہے جن میں سے ایک سے ماضی کو اور دوسرے سے مضارع کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

تشریح: [۱] نکاح ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے؛ کیونکہ نکاح دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے، تو جس طرح دیگر
عقود کے لئے ایجاب اور قبول لازم ہیں اسی طرح نکاح کے لئے بھی لازم ہیں۔ ایجاب اس لفظ کو کہتے ہیں جو احد المتعاقدین سے

---

(۱) رواه ابن ماجه، باب ما جاء في فضل النكاح، رقم: ۱۸۴۶.

اولاً صادر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مخاطب پر اثبات یا نفی میں جواب کو واجب کرتا ہے یا اس لئے کہ جب اس کے ساتھ قبول متصل ہو جائے تو وجود عقد کو ثابت کرتا ہے۔ اور جو لفظ احد المتعاقدین سے ثانیاً صادر ہو وہ قبول کہلائے گا۔

بشرطیکہ ایجاب وقبول ایسے دو لفظوں کے ساتھ ہوں جن سے ماضی کو تعبیر کیا جاتا ہو مثلاً زوج کہے "زَوَّجْتُكِ" (میں تیرے ساتھ نکاح کر چکا) اور زوجہ جواب میں کہے "قَبِلْتُ" (میں نے قبول کیا)۔ سوال یہ ہے کہ نکاح تو از قبیل انشاء ہے تو اسے صیغہ ماضی سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ جواب: لغت میں ایسا لفظ موجود نہیں جو صراحۃً انشاء یعنی حدوث امر فی الحال پر دلالت کرے؛ کیونکہ ماضی تو گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اور مضارع جس طرح کہ حال پر دلالت کرتا ہے اسی طرح استقبال پر بھی دلالت کرتا ہے لہٰذا حال پر اس کی دلالت صریح نہ ہوگی تو صیغہ ماضی اگرچہ اخبار کیلئے وضع کیا گیا ہے مگر ضرورتِ نکاح کو پورا کرنے کیلئے شرعاً اسے انشاء کے معنی میں نقل کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ اسی طرح ایسے دو لفظوں سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک لفظ ماضی اور دوسرا مستقبل کے لئے وضع کیا گیا ہو مثلاً زوج کہے "زَوِّجْنِيْ اِبْنَتَكَ" (اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر) اور مخاطب کہے "زَوَّجْتُكَ" (میں نے تیرا نکاح کر دیا)۔ دراصل اس میں زوج کا قول "زَوِّجْنِيْ" ایجاب نہیں بلکہ اس سے مخاطب کو وکیل بنایا اور جب مخاطب نے "زَوَّجْتُكَ" کہا تو یہ ایجاب اور قبول دونوں کا قائم مقام ہے، اور باب نکاح میں شخص واحد طرفین کا متولی بن سکتا ہے یعنی ایک شخص متعاقدین کی طرف سے وکیل ہو کر دونوں کا نکاح کر سکتا ہے، جس کی تفصیل ہم "فصل فی الوکالۃ بالنکاح" میں ذکر کریں گے۔

ف:۔ تحریر کے ذریعہ بھی نکاح ہو سکتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ طرفین میں سے ایک کی جانب سے نکاح کی قبولیت کا زبانی اظہار ہو اور صرف ایک ہی طرف سے تحریر ہو۔ نیز قبولیت کا اظہار دو گواہوں کے سامنے کیا جائے اور وہ تحریر بھی ان گواہوں کو سنا دی جائے (جدید فقہی مسائل:۱/۲۸۰)

﴿۱﴾ وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيجِ وَالْهِبَةِ وَالتَّمْلِيكِ وَالصَّدَقَةِ ﴿۲﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَنْعَقِدُ إلَّا بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيجِ

اور منعقد ہوتا ہے لفظِ نکاح، تزویج، ہبہ، تملیک، اور صدقہ سے، اور فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ نے: منعقد نہیں ہوتا ہے مگر لفظ نکاح اور تزویج سے

لِأَنَّ التَّمْلِيكَ لَيْسَ حَقِيقَةً فِيهِ وَلَا مَجَازًا عَنْهُ لِأَنَّ التَّزْوِيجَ لِلتَّلْفِيقِ وَالنِّكَاحَ لِلضَّمِّ، وَلَا ضَمَّ

؛ کیونکہ تملیک نہ حقیقت ہے نکاح میں اور نہ مجاز ہے اس سے کیونکہ تزویج تلفیق کے لیے ہے اور نکاح ضم کے لیے ہے، اور نہ ضم ہے

وَلَا ازْدِوَاجَ بَيْنَ الْمَالِكِ وَالْمَمْلُوكَةِ أَصْلًا. ﴿۳﴾ وَلَنَا أَنَّ التَّمْلِيكَ سَبَبٌ لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ فِي مَحَلِّهَا بِوَاسِطَةِ مِلْكِ الرَّقَبَةِ

اور نہ ازدواج ہے مالک و مملوک کے درمیان بالکل، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تملیک سبب ہے ملکِ متعہ کا محل متعہ میں ملکِ رقبہ کے واسطے سے

وَهُوَ الثَّابِتُ بِالنِّكَاحِ وَالسَّبَبِيَّةُ طَرِيقُ الْمَجَازِ. {۳} وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْبَيْعِ هُوَ الصَّحِيحُ لِوُجُودِ طَرِيقِ الْمَجَازِ.

اور وہ ثابت ہے نکاح سے، اور سببیت طریق مجاز ہے، اور منعقد ہوتا ہے لفظِ بیع سے، یہی صحیح ہے، بوجہ موجود ہونے طریق مجاز کے،

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالاعبارت میں بتایا ہے کہ نکاح کن الفاظ سے منعقد ہو جاتا ہے، پھر امام شافعیؒ کا اختلاف مع دلیل ، پھر ہماری دلیل کو ذکر کیا ہے، پھر لفظِ بیع سے انعقادِ نکاح میں اختلاف اور قولِ صحیح کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} نکاح لفظِ نکاح سے منعقد ہو جاتا ہے مثلاً ایک کہے "اَنْكِحْنِيْ" دوسرا کہے "اَنْكَحْتُكَ" تو دونوں کا نکاح ہو جاتا ہے ،اسی طرح لفظِ تزویج سے منعقد ہو جاتا ہے مثلاً ایک کہے "زَوِّجْنِيْ" دوسرا کہے "زَوَّجْتُكَ" تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے بلکہ ان تمام الفاظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو الفاظ فی الحال تملیکِ عین کے لئے وضع ہوں مثلاً لفظِ ہبہ، تملیک اور صدقہ وغیرہ، مثلاً ایک کہے "وَهَبْتُ نَفْسِيْ مِنْكَ" اور دوسرا کہے "قَبِلْتُ" یا ایک کہے "مَلَّكْتُكَ نَفْسِيْ" اور دوسرا کہے "قَبِلْتُ" یا ایک کہے "بِعْتُ نَفْسِيْ مِنْكَ" اور دوسرا کہے "قَبِلْتُ" تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

{۲} امام شافعیؒ کے نزدیک صرف لفظِ نکاح اور تزویج سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ تملیک وغیرہ الفاظ کا نہ حقیقی معنی نکاح اور تزویج ہے اور نہ مجازی معنی نکاح اور تزویج ہے؛ اس لیے کہ تزویج کا حقیقی معنی دو چیزوں کو چمٹا کر ایک کرنا اور نکاح کا حقیقی معنی ضم اور ملانا ہے جبکہ تملیک وغیرہ الفاظ کے یہ معانی نہیں ہیں ورنہ تو تملیک اور نکاح دو مترادف الفاظ ہوتے۔ اور مجازاً اس لیے نہیں کہ تملیک کی صورت میں مالک و مملوک اور ہبہ کی صورت میں واہب و موہوب لہ میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ ان میں تباین ہے حالانکہ مجاز کے لیے معانی میں مخصوص مناسبت و مشاکلت کا ہونا ضروری ہے اس لیے یہ ان الفاظ کے مجازی معانی بھی نہیں، اور قاعدہ ہے کہ جو لفظ کسی معنی میں نہ حقیقت ہو اور نہ مجاز ہو اس سے وہ معنی منعقد نہیں ہوتا ہے۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ نکاح کے معنی میں علاقۂ سببیت کی وجہ سے مجازاً مستعمل ہیں؛ کیونکہ لفظِ تملیک، بیع، شراء اور صدقہ، ملکِ رقبہ کے واسطے سے محلِ متعہ (ایسی عورت جو ذی رحم محرم نہ ہو) میں ملکِ متعہ کا سبب ہے مثلاً کوئی شخص مذکورہ الفاظ سے باندی کے رقبہ کا مالک ہو جاتا ہے تو رقبہ کے ضمن میں متعہ (اس سے وطی کا فائدہ اٹھانے) کا بھی مالک ہو جاتا ہے اور نکاح سے بھی ملکِ متعہ ثابت ہوتا ہے یوں نکاح اور تملیک دونوں ملکِ متعہ کا سبب ہیں پس یہ احد السببین کا اطلاق کر کے سببِ آخر کو مراد لینا ہے اور سببیت مجاز کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے، لہٰذا تملیک وغیرہ الفاظ سے نکاح مراد لینا صحیح ہے۔

{۲}اور لفظِ بیع سے صحیح قول کے مطابق نکاح منعقد ہو جاتا ہے، جبکہ ابو بکر اعمشؒ کے نزدیک لفظِ بیع سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ لفظِ بیع تملیکِ مال کے ساتھ مخصوص ہے اور مملوک بالنکاح (بضع) مال نہیں۔ قولِ صحیح کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بھی طریق مجاز موجود ہے کیونکہ بیع ایسی ملک کا موجب ہے جو ملکِ متعہ کا سبب ہے مثلاً بائع نے باندی فروخت کر دی تو مشتری اس کی ذات کے ضمن میں متعہ کا بھی مالک ہو جاتا ہے یوں ثابت ہوا کہ بیع نکاح کی طرح ملکِ متعہ کا سبب ہے، پس یہ احدالسببین کا اطلاق کر کے سببِ آخر کو مراد لینا ہے، اس لیے صحیح ہے۔

{۱} وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْإِجَارَةِ فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ وَلَا بِلَفْظِ الْإِبَاحَةِ وَالْإِحْلَالِ وَالْإِعَارَةِ

اور نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے لفظِ اجارہ سے، قولِ صحیح میں، کیونکہ لفظِ اجارہ سبب نہیں ملکِ متعہ کا۔ اور نہ لفظِ اباحت، احلال اور اعارہ سے،

لِمَا قُلْنَا وَلَا بِلَفْظِ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهَا تُوجِبُ الْمِلْكَ مُضَافًا إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور نہ لفظِ وصیت سے؛ کیونکہ لفظِ وصیت واجب کرتا ہے ایسی ملک کو جو منسوب ہو موت کے بعد کی طرف۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں لفظِ اجارہ، اباحت، احلال اور اعارہ سے انعقادِ نکاح میں اختلاف اور قولِ صحیح کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} لفظِ اجارہ سے صحیح قول کے مطابق نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے مثلاً عورت اس طرح کہے کہ میں نے اپنا نفس تجھے کرایہ پر دیدیا تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ جبکہ امام کرخیؒ کے نزدیک منعقد ہو جاتا ہے، قولِ صحیح کی دلیل یہ ہے کہ اجارہ متعہ (وطی) کا سبب نہیں یعنی وطی کے لیے باندی کو کرایہ پر نہیں لیا جا سکتا ہے، پس علاقۂ سببیت نہ پائے جانے کی وجہ سے اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح لفظِ اباحت (مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے لیے مباح کر دیا)، احلال (مثلاً میں نے اپنے نفس کو تیرے لیے حلال کر دیا) اور اعارہ (مثلاً میں نے اپنا نفس تجھے عاریۃً دیدیا) سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے؛ وجہ وہی ہے جو اجارہ سے نکاح منعقد نہ ہونے کی ہے کہ اباحت، احلال اور اعارہ ملکِ متعہ کا سبب نہیں۔ اسی طرح لفظِ وصیت سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے مثلاً یوں کہے کہ میں نے تیرے لیے اپنے نفس کی وصیت کی؛ کیونکہ لفظِ وصیت اگرچہ موجب ملک ہے مگر ایسی ملک کا موجب ہے جو ملک موت کے بعد کی طرف منسوب ہو کر حاصل ہوتی ہے جبکہ نکاح موت کے بعد حاصل ہونے والی ملک سے منعقد نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ نکاح علت ہے فی الحال ملکِ متعہ کی۔

{۱}قَالَ وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا بِحُضُورِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ عَاقِلَيْنِ بَالِغَيْنِ مُسْلِمَيْنِ رَجُلَيْنِ أَوْ

فرمایا: اور منعقد نہیں ہوتا ہے مسلمانوں کا نکاح مگر دو ایسے گواہوں کی موجودگی میں کہ وہ دونوں حر، عاقل، بالغ، مسلمان، دو مرد یا

رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ عُدُولًا كَانُوا أَوْ غَيْرَ عُدُولٍ أَوْ مَحْدُودِينَ فِي الْقَذْفِ ﴿۲﴾ اِعْلَمْ أَنَّ الشَّهَادَةَ شَرْطٌ فِي بَابِ النِّكَاحِ
ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، خواہ عادل ہوں، یا غیر عادل، یا محدود فی القذف ہوں۔ جان لو: کہ شہادت شرط ہے باب نکاح میں

لِقَوْلِهِ ﷺ {لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُودٍ} وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ فِي اشْتِرَاطِ الْإِعْلَانِ دُونَ الشَّهَادَةِ.
کیونکہ حضور کا ارشاد ہے "نکاح نہیں ہوتا مگر گواہوں سے" اور یہ حدیث حجت ہے امام مالک پر اعلان کو شرط قرار دینے میں نہ کہ شہادت

﴿۳﴾ وَلَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ الْحُرِّيَّةِ فِيهَا لِأَنَّ الْعَبْدَ لَا شَهَادَةَ لَهُ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ ، وَلَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ الْعَقْلِ
اور ضروری ہے حریت کا اعتبار کرنا شہادت میں؛ کیونکہ غلام کے لیے شہادت نہیں، عدم ولایت کی وجہ سے، اور ضروری ہے عقل

وَالْبُلُوغِ ، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ بِدُونِهِمَا ، وَلَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ الْإِسْلَامِ فِي أَنْكِحَةِ الْمُسْلِمِينَ لِأَنَّهُ لَا شَهَادَةَ
اور بلوغ کا اعتبار کرنا؛ کیونکہ ولایت نہیں ان دو کے بغیر۔ اور ضروری ہے اسلام کا اعتبار کرنا مسلمانوں کے نکاح میں؛ کیونکہ شہادت نہیں

لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ، ﴿۴﴾ وَلَا يُشْتَرَطُ وَصْفُ الذُّكُورَةِ حَتَّى يَنْعَقِدَ بِحُضُورِ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ "وَفِيهِ
کافر کے لیے مسلمان کے خلاف، اور شرط نہیں ہے وصفِ ذکورت، حتی کہ منعقد ہوتا ہے ایک مرد دو عورتوں کی موجودگی میں، اور اس میں

خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَسَتَعْرِفُ فِي الشَّهَادَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿۵﴾ وَلَا تُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ حَتَّى يَنْعَقِدَ
اختلاف ہے امام شافعیؒ کا، اور عنقریب آپ جان لیں گے شہادات میں انشاء اللہ۔ اور شرط نہیں کی گئی ہے عدالت، حتی کہ منعقد ہو جاتا ہے

بِحَضْرَةِ الْفَاسِقَيْنِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ. لَهُ أَنَّ الشَّهَادَةَ مِنْ بَابِ الْكَرَامَةِ وَالْفَاسِقُ مِنْ أَهْلِ
دو فاسقوں کی موجودگی میں ہمارے نزدیک، خلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا، ان کی دلیل یہ ہے کہ شہادت بابِ کرامت سے ہے، اور فاسق اہلِ

الْإِهَانَةِ. وَلَنَا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْوِلَايَةِ فَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَمَّا
اہانت میں سے ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فاسق اہلِ ولایت میں سے ہے، پس وہ اہلِ شہادت میں سے ہوگا، اور یہ اس لیے کہ جب

لَمْ يُحْرَمِ الْوِلَايَةَ عَلَى نَفْسِهِ لِإِسْلَامِهِ لَا يُحْرَمُ عَلَى غَيْرِهِ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ،
محروم نہیں کیا گیا اپنے نفس پر ولایت سے اس کے اسلام کی وجہ سے، تو محروم نہیں کیا جائے گا غیر پر ولایت سے؛ کیونکہ وہ اس کی جنس سے

وَلِأَنَّهُ صَلَحَ مُقَلَّدًا فَيَصْلُحُ مُقَلِّدًا وَكَذَا شَاهِدًا. ﴿۶﴾ وَالْمَحْدُودُ فِي الْقَذْفِ
اور اس لیے کہ وہ صلاحیت رکھتا ہے قاضی بنانے کی، پس صلاحیت رکھتا ہے قاضی بننے کی، اور اسی طرح گواہ بن سکتا ہے، اور محدود فی القذف

مِنْ أَهْلِ الْوِلَايَةِ فَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ تَحَمُّلًا، وَإِنَّمَا الْفَائِتُ ثَمَرَةُ الْأَدَاءِ بِالنَّهْيِ
اہلِ ولایت میں سے ہے پس ہوگا اہلِ شہادت میں سے تحمل کی حد تک۔ اور بہر حال وہ فوت کرنے والا ہے ثمرہ شہادت بسبب نہی

لِجَرِيمَتِهِ فَلَا يُبَالِي بِفَوَاتِهِ كَمَا فِي شَهَادَةِ الْعُمْيَانِ وَابْنَيِ الْعَاقِدَيْنِ.

اس کے جرم کی وجہ سے، پس لحاظ نہیں کیا جائے گا ادا فوت ہونے کا جیسا کہ اندھوں کی گواہی میں اور عاقدین کے بیٹوں کی گواہی میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں نکاح کے لیے گواہوں کے اشتراط اور گواہوں کی صفات اور شرائط کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱}یعنی دو مسلمانوں کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے دو آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے، خواہ گواہ عادل ہوں یا غیر عادل ہوں، یا محدود فی القذف ہوں (جو شخص کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنی کی تہمت لگائے پھر گواہ نہ پیش کر سکنے کی وجہ سے اسے اسی (۸۰) کوڑے لگ جائے اس کو محدود فی القذف کہتے ہیں)۔

{۲}صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ بابِ نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَانِكَاحَ اِلَّابِشُهُودٍ"[1] (گواہوں کے بغیر نکاح نہیں)۔ امام مالکؒ کے نزدیک نکاح کے لیے اعلان کا ہونا شرط ہے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے، مگر مذکورہ بالا حدیث مبارکہ امام مالکؒ پر حجت ہے جس میں بغیر گواہوں کے نکاح کے انعقاد کی نفی کی ہے۔

{۳}اور گواہوں کا آزاد ہونا اس لئے ضروری ہے کہ شہادت بابِ ولایت سے ہے (ولایت کہتے ہیں "تَنفِيذُ القَولِ عَلى الغَيرِ شَاءَ الغَيرُ اَوْ اَبَى" (یعنی اپنا قول غیر پر نافذ کرنا خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے) اور غلام کو اپنی ذات پر ولایت کا حق حاصل نہیں تو غیر پر اس کو ولایت کیسے حاصل ہوگی، لہذا گواہ کا آزاد ہونا ضروری ہے۔ اور گواہوں کا عاقل اور بالغ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ عقل اور بلوغ کے بغیر بھی کسی کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہو سکتا، لہذا جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ شہادت کا بھی اہل نہ ہوگا۔ اور مسلمانوں کے نکاحوں میں گواہوں کے مسلمان ہونے کا اعتبار کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ کسی مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی معتبر نہیں اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا)[2] (اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ)، حالانکہ نکاح میں گواہ کا ہونا شرط ہے۔

ف:۔ ٹیلفون سیٹ کئی قسم کے ملتے ہیں مثلاً (۱) وہ ٹیلفون سیٹ جس سے صرف ایک آدمی آواز سن سکتا ہے۔ (۲) وہ ٹیلفون سیٹ جس کے ذریعہ بات کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ (۳) وہ ٹیلفون سیٹ جس کے ذریعہ بات چیت کرنے والوں کی آواز حاضرینِ مجلس بھی سن سکتے ہیں۔ اول الذکر میں نکاح منعقد نہ ہوگا اور اخیرین میں چونکہ شہادت کے تمام تقاضے پورے ہو سکتے ہیں

([1]) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: لم اره بهذا اللفظ وروى الترمذي... ان النبي ﷺ قال: البغايا اللاتي ينكحن انفسهن بغير بينة (الدراية تحت الهداية: ۲/۸)

([2]) النساء: ۱۴۱۔

لہذا نکاح درست ہے لما فی الہدایۃ: (ومنہا) سماع الشاہدین کلامہما معا فکذا فی فتح القدیر فلا ینعقد بشہادۃ نائمین إذا لم یسمعا کلام العاقدین الخ (ماخوذ از حقانیہ: ۴/۳۱۲، کذا فی خیر الفتاوی: ۴/۳۷۰)

{۴} پھر ہمارے نزدیک گواہوں میں وصفِ ذکورت شرط نہیں، لہذا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح صرف دو آزاد مردوں کی گواہی سے منعقد ہو جاتا ہے ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی گواہی سے منعقد نہیں ہوتا کیونکہ عورتوں کی گواہی ان کے نزدیک صرف اموال اور توابع اموال میں معتبر ہے، صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ فریقین کے دلائل "کتاب الشہادات" میں آپ جان لیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

{۵} یعنی گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں بلکہ اگر دونوں گواہ فاسق ہوں تو بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق گواہ نہیں بن سکتا ہے؛ کیونکہ گواہ ہونا کرامت اور اعزاز کے قبیل سے ہے جبکہ فاسق اعزاز کا مستحق نہیں بلکہ اہانت کا مستحق ہے لہذا اسے گواہ بنا کر اعزاز دینا درست نہیں۔

ہماری پہلی دلیل یہ ہے کہ فاسق کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے لہذا یہ اہل شہادت بھی ہے، اور اہل ولایت و اہل شہادت اس لیے ہے کہ فاسق کو مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنے نفس پر ولایت سے محروم نہیں کیا گیا ہے چنانچہ وہ اپنا نکاح کر سکتا ہے، تو دوسرے مسلمان پر بھی ولایت سے محروم نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ وہ بھی بواسطۂ ایمان اس کا ہم جنس ہے، پس جب اہل ولایت ہے تو اہل شہادت بھی ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ فاسق سلطان اور حاکم بن کر دوسرے کو قاضی بنا سکتا ہے، تو خود بھی قاضی بن سکتا ہے، اور جب قاضی بن سکتا ہے تو گواہ بھی بن سکتا ہے؛ کیونکہ قضا اور شہادت دونوں ایک ہی باب سے ہیں اس لیے کہ دونوں میں غیر پر حکم نافذ کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔

{۶} اسی طرح محدود فی القذف بھی گواہ بن سکتا ہے؛ کیونکہ وہ اپنے نفس پر ولایت کا اہل ہے اور جو اہل ولایت ہو وہ اہل شہادت بھی ہوگا۔ البتہ محدود فی القذف تحمل شہادت کر سکتا ہے یعنی گواہ بن سکتا ہے اور اس کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے عدالت میں گواہی دینے کی ضرورت پڑے تو گواہی نہیں دے سکتا ہے پس جرم اور گناہ سرزد ہونے کی وجہ سے فاسق فقط ثمرۂ ادا کو فوت کرنے والا ہے یعنی گواہی ادا نہیں کر سکتا ہے اس لیے کہ اس کی گواہی قبول کرنے سے باری تعالیٰ نے منع فرمایا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ)[1] (اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی، اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان)۔ مگر ان کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جائے گا باقی ادا فوت ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا جیسا کہ

([1]) النور: ۴۔

وو اندھوں کی موجودگی میں یا عاقدین کے بیٹوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ تحمل شہادت کر سکتے ہیں البتہ ثمرۂ ادا کو یہ لوگ فوت کرنے والے ہیں لہذا ضرورت پڑنے پر عدالت میں گواہی نہیں دے سکتے ہیں، یہی حال محدود فی القذف کا ہے اس لیے اس کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

ف:۔ دونوں گواہوں کا معاً متعاقدین کے کلام کو سننا اور سمجھنا ضروری ہے کمافی شرح التنویر(وَ)شُرِطَ (حُضُورُ) شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ)أَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ (مُكَلَّفَيْنِ سَامِعَيْنِ قَوْلَهُمَامَعًا)عَلَى الْأَصَحِّ(فَاهِمَيْنِ)أَنَّهُ نِكَاحٌ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ(ردالمحتار:۲/۲۹۷)

{۱}قَالَ وَإِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

فرمایا: اور اگر نکاح کیا مسلمان نے ذمیہ کے ساتھ دو ذمیوں کی گواہی سے تو جائز ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک،

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ : لَا يَجُوزُ لِأَنَّ السَّمَاعَ فِي النِّكَاحِ شَهَادَةٌ وَلَا شَهَادَةَ لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ

اور فرمایا امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ نے جائز نہیں؛ کیونکہ سماع نکاح میں شہادت ہے اور شہادت کا حق نہیں کافر کو مسلمان کے خلاف،

فَكَأَنَّهُمَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الْمُسْلِمِ .{۲}وَلَهُمَا أَنَّ الشَّهَادَةَ شُرِطَتْ فِي النِّكَاحِ عَلَى اعْتِبَارِ إثْبَاتِ الْمِلْكِ

پس گویا ان دونوں نے سنا نہیں ہے مسلمان کا کلام۔ اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت شرط کی گئی ہے نکاح میں ملک کو ثابت کرنے کے اعتبار پر،

لِوُرُودِهِ عَلَى مَحَلٍّ ذِي خَطَرٍ لَا عَلَى اعْتِبَارِ وُجُوبِ الْمَهْرِ إذْ لَا شَهَادَةَ تُشْتَرَطُ فِي لُزُومِ الْمَالِ

بوجہ اس کے وارد ہونے کے ذی عظمت محل پر، نہ کہ وجوب مہر کے اعتبار پر؛ کیونکہ شہادت شرط نہیں کی گئی ہے لزوم مال میں،

وَهُمَا شَاهِدَانِ عَلَيْهَا،{۳}بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الزَّوْجِ لِأَنَّ الْعَقْدَ يَنْعَقِدُ بِكَلَامَيْهِمَا

اور وہ دونوں گواہ ہیں عورت پر، برخلاف اس کے جب وہ دونوں نہ سنے زوج کا کلام؛ کیونکہ عقد منعقد ہوتا ہے ان دونوں کے کلام سے،

وَالشَّهَادَةُ شُرِطَتْ عَلَى الْعَقْدِ {۴}قَالَ: وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا بِأَنْ يُزَوِّجَ ابْنَتَهُ الصَّغِيرَةَ فَزَوَّجَهَا

اور شہادت شرط کی گئی ہے عقد پر۔ فرمایا: اور جو امر کرے کسی مرد کو کہ نکاح کردے اس کی نابالغ بیٹی کا، پس اس نے اس کا نکاح کر دیا

وَالْأَبُ حَاضِرٌ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَاحِدٍ سِوَاهُمَا جَازَ النِّكَاحُ لِأَنَّ الْأَبَ يُجْعَلُ مُبَاشِرًا لِلْعَقْدِ لِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ

اور باپ حاضر ہے ایک مرد کی گواہی سے ان دو کے علاوہ، تو جائز ہے نکاح؛ کیونکہ قرار دیا جائے گا باپ کو مباشر عقد کا اتحادِ مجلس کی وجہ سے،

وَيَكُونُ الْوَكِيلُ سَفِيرًا وَمُعَبِّرًا فَيَبْقَى الْمُزَوِّجُ شَاهِدًا وَإِنْ كَانَ الْأَبُ غَائِبًا لَمْ يَجُزْ لِأَنَّ الْمَجْلِسَ مُخْتَلِفٌ فَلَا يُمْكِنُ

اور ہوگا وکیل سفیر اور تعبیر کرنے والا، پس ہوگا نکاح کرنے والا گواہ۔ اور اگر باپ غائب تھا تو جائز نہیں؛ کیونکہ مجلس مختلف ہے پس ممکن نہیں

أَنْ تُجْعَلَ الْأَبُ مُبَاشِرًا، {۵}وَعَلَى هٰذَا إِذَا زَوَّجَ الْأَبُ ابْنَتَهُ الْبَالِغَةَ بِمَحْضَرِ شَاهِدٍ وَاحِدٍ

کہ قرار دیا جائے باپ کو مباشر۔ اور اسی پر بنا ہے کہ جب نکاح کردے باپ اپنی بالغ بیٹی کا ایک گواہ کی موجودگی میں،

إِنْ كَانَتْ حَاضِرَةً جَازَ ، وَإِنْ كَانَتْ غَائِبَةً لَمْ يَجُزْ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

اگر وہ حاضر ہو تو جائز ہے، اور اگر وہ غائب ہو تو جائز نہیں، واللہ اعلم۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ذمی عورت سے نکاح کے لیے ذمیوں کی گواہی کی صحت اور عدم صحت میں ائمہ کا اختلاف، فریقین کے دلائل، پھر نمبر 3 میں امام محمدؒ اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ پھر نمبر 4 و 5 میں صغیرہ کے نکاح کے گواہوں کی دو صورتیں ذکر کی ہیں۔

تشریح:۔ {۱} اگر مسلمان مرد نے ذمی عورت سے دو ذمیوں کی موجودگی میں نکاح کر لیا تو شیخینؒ کے نزدیک صحیح ہے یعنی نکاح منعقد ہو جائیگا۔ امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک ذمیوں کی گواہی سے مسلمان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ کیونکہ ذمی گواہوں کا نکاح میں زوجین کے ایجاب اور قبول کو سننا زوجین کے حق میں شہادت ہے اور قاعدہ ہے کہ کافر مسلمان کے خلاف گواہ نہیں بن سکتا، لہٰذا ذمی کا مسلمان کے کلام کو بطور شہادت سننا صحیح نہیں، پس گویا ذمی گواہوں نے فقط ذمیہ کے کلام کو سنا ہے مسلمان کے کلام کو سنا ہی نہیں ہے حالانکہ ایجاب اور قبول دونوں کا سننا واجب ہے۔

{۲} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں دو چیزیں ہیں ایک زوج کے لئے مِلکِ بُضع کا ثبوت ہے، اور ثانی زوجہ کے لئے زوج پر مہر کا وجوب ہے۔ ظاہر ہے کہ گواہ ایسی چیز پر ہوتے ہیں جو قابل احترام ہو اور بابِ نکاح میں قابل احترام بُضع ہے لزوم مال یعنی مہر قابل احترام نہیں، تو بابِ نکاح میں گواہ شوہر کے حق میں ہیں کیونکہ ذی عظمت محل (بُضع) پر وارد ہونے والی مِلک کو شوہر کے لیے ثابت کرنے کے اعتبار پر ہوتے ہیں نہ کہ عورت کے لئے مہر ثابت کرنے کے اعتبار پر؛ کیونکہ لزوم مال پر گواہ شرط نہیں، پس ثابت ہوا کہ ذمیوں کی گواہی ذمیہ زوجہ کے خلاف ہے، مسلمان زوج کے حق میں ہے، اور مسلمان کے حق میں کافر کی گواہی مقبول ہے اگرچہ مسلمان کے خلاف مقبول نہیں، حتی کہ اگر مسلمان مرد نے کسی وجہ سے نکاح کا انکار کیا تو ذمیوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ذمی کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر نہیں۔

{۳} باقی امام محمدؒ اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ گواہوں کا مسلمان مرد کا کلام سننے کو عدم سماع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عقدِ نکاح زوجین دونوں کے کلام سے منعقد ہوتا ہے، اور شہادت دونوں کے کلام سے منعقد ہونے والے عقد کے لیے شرط کی گئی ہے، پس اگر گواہوں نے مسلمان مرد کا کلام نہیں سنا تو وہ عقدِ نکاح پر گواہ نہ ہوئے، اس لیے اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔

ف:۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو مسلمان بادشاہ کی اجازت سے دارالاسلام میں قانونِ اسلام کا تابع ہو کر رہنے لگا ہو خواہ ہو، دہری ہو، یہودی ہو یا عیسائی ہو۔ مگر متن میں ذمیہ سے مراد یہودیہ یا عیسائیہ ہے کیونکہ مسلمان کا نکاح فقط کتابیہ سے، دیگر کفار سے جائز نہیں کمافی الشامیۃ: وَأَرَادَ بِالذِّمِّيَّةِ الْكِتَابِيَّةَ كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ قَالَ ح فَخَرَجَ غَيْرُ الْكِتَابِيَّةِ سَيَأْتِي فِي فَصْلِ الْمُحَرَّمَاتِ وَدَخَلَ الْحَرْبِيَّةُ الْكِتَابِيَّةُ ، وَإِنْ كُرِهَ نِكَاحُهَا فِي دَارِالْحَرْبِ كَمَا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ مُحَرَّمَاتِ شَرْحِ الْمُلْتَقَى (ردّالمحتار: ٢/٢٩٧)

فتویٰ:۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے کمافی شرح التنویر (كَمَا صَحَّ نِكَاحُ مُسْلِمٍ ذِمِّيَّةً عِنْدَ ذِمِّيَّيْنِ) وَلَوْ مُخَالِفَيْنِ لِدِينِهَا (ردّالمحتار: ٢/٢٩٧)

{۴} اگر کسی شخص نے اپنی صغیرہ بیٹی کے نکاح کا کسی مرد کو وکیل بنایا اور کہا کہ "میری اس صغیرہ بیٹی کا کسی سے کرلو" اب اس وکیل نے اس صغیرہ کا نکاح کیا اس وکیل اور صغیرہ کے باپ کے علاوہ ایک گواہ کی موجودگی میں، تو چونکہ صغیرہ کا بھی موجود ہے اس لیے یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ دو گواہ موجود ہیں اسلئے کہ باپ کو مباشر نکاح مان لیں گے کیونکہ مجلس ایک ہے اور وکیل کی عبارت باپ کی طرف منتقل ہوگی، لہٰذا اس ایک گواہ کے ساتھ نکاح کرنے والے وکیل کو دوسرا گواہ مان لیں گے کیونکہ نکاح میں حقوقِ نکاح موکل کی طرف لوٹتے ہیں وکیل تو فقط تعبیر کرنے والا اور سفیر محض ہوتا ہے لہٰذا دو گواہ پائے گئے اس لئے درست ہے۔ اور اگر صغیرہ کا باپ موجود نہ ہو تو نکاح صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں باپ کی مجلس عقدِ نکاح کی مجلس سے الگ ہے باپ کی عدمِ موجودگی میں باپ کو نکاح کی مباشرت کرنے والا شمار کرنا ممکن نہیں، اس لیے مباشر نکاح وکیل ہی ہے اور گواہی کے فقط ایک گواہ رہ گیا اور ایک گواہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

{۵} اسی طرح اگر باپ نے ایک گواہ کی موجودگی میں اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح کسی مرد سے کرلیا، تو اگر بالغہ لڑکی خود موجود ہو تو نکاح جائز ہوگا؛ کیونکہ لڑکی عقدِ نکاح کی مباشرت کرنے والی مان لیں گے اور اس ایک گواہ کے ساتھ دوسرا گواہ اس کا باپ ہو لہٰذا یہ نکاح درست ہوگا۔ اور اگر لڑکی غائب ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا؛ کیونکہ اختلافِ مجلس کے ساتھ لڑکی کو مباشرہ قرار دینا ممکن نہیں لہٰذا مباشر باپ ہی ہوگا، اس لیے گواہ فقط ایک شخص ہوگا اور ایک گواہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

فَصْلٌ فِي بَيَانِ الْمُحَرَّمَاتِ

یہ فصل محرمات کے بیان میں ہے

جوازِ نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ عورت ایسی نہ ہو کہ جس کے ساتھ مرد کے لیے نکاح کرنا جائز نہ ہو یعنی عورت مرد کی محرمات میں سے نہ ہو۔ اس شرط کی تفصیل کو شعب اور انواع حرمت کی کثرت کی وجہ سے مستقل فصل میں بیان فرمایا ہے۔

ف:۔ کسی عورت کا کسی مرد کے لئے حرام ہونے کے علماء نے دس اسباب بیان کئے ہیں (۱) حرمت بسببِ نسب جیسے ماں، بہن وغیرہ (۲) حرمت بسبب مصاہرت جیسے زوجہ کی ماں وغیرہ (۳) حرمت بسببِ رضاع جیسے رضاعی بہن، ماں وغیرہ (۴) حرمت بسببِ جمع بین الاختین (۵) حرمت بسببِ تعلق حق الغیر جیسے کسی کی منکوحہ اور معتدہ (۶) حرمت بسبب ادخال الامۃ علی الحرۃ یعنی نکاح میں آزاد عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا (۷) تین طلاقوں سے مطلقہ ہونا (۸) دین سماوی میں عدم موافقت کی وجہ سے حرمت جیسے مجوسیہ عورت (۹) منافی نکاح موجود ہونے کی وجہ سے حرمت جیسے اپنی باندی (۱۰) پہلے سے چار عورتوں کا نکاح میں ہونے کی وجہ سے حرمت۔

﴿۱﴾قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُمِّهِ وَلَا بِجَدَّاتِهِ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

فرمایا: حلال نہیں مرد کے لیے کہ نکاح کرے اپنی ماں کے ساتھ اور نہ اپنی جدات کے ساتھ مردوں کی جانب سے ہوں یا عورتوں کی جانب سے

لِقَوْلِهِ تَعَالَى { حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ } وَالْجَدَّاتُ أُمَّهَاتٌ ، إِذْ الْأُمُّ هِيَ الْأَصْلُ لُغَةً

؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں" اور جدات مائیں ہیں ؛ کیونکہ ماں اصل کو کہتے ہیں لغت میں

أَوْ ثَبَتَتْ حُرْمَتُهُنَّ بِالْإِجْمَاعِ ، ﴿۲﴾قَالَ وَلَا بِبِنْتِهِ لِمَا تَلَوْنَا وَلَا بِبِنْتِ وَلَدِهِ

یا ثابت ہو گی ان کی حرمت اجماع سے، فرمایا: اور نہ اپنی بیٹی سے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی، اور نہ اپنی اولاد کی بیٹی کے ساتھ

وَإِنْ سَفَلَتْ لِلْإِجْمَاعِ وَلَا بِأُخْتِهِ وَلَا بِبَنَاتِ أُخْتِهِ وَلَا بِبَنَاتِ أَخِيهِ وَلَا بِعَمَّتِهِ

اگرچہ نچلے درجہ کی ہوں اجماع کی وجہ سے۔ اور نہ اپنی بہن کے ساتھ، اور نہ بھانجیوں کے ساتھ، اور نہ بھتیجیوں سے، اور نہ اپنی پھوپھی سے

وَلَا بِخَالَتِهِ لِأَنَّ حُرْمَتَهُنَّ مَنْصُوصٌ عَلَيْهَا فِي هَذِهِ الْآيَةِ ، ﴿۳﴾ وَتَدْخُلُ فِيهَا الْعَمَّاتُ الْمُتَفَرِّقَاتُ

اور نہ اپنی خالہ سے؛ کیونکہ ان کی حرمت کی تصریح ہے اس آیت میں، اور داخل ہوں گی اس حرمت میں متفرق پھوپھیاں،

وَالْخَالَاتُ الْمُتَفَرِّقَاتُ وَبَنَاتُ الْإِخْوَةِ الْمُتَفَرِّقِينَ لِأَنَّ جِهَةَ الِاسْمِ عَامَّةٌ. ﴿۴﴾قَالَ وَلَا بِأُمِّ امْرَأَتِهِ الَّتِي دَخَلَ بِهَا

متفرق خالائیں، اور متفرق بھتیجیاں؛ کیونکہ جہتِ اسم عام ہے۔ فرمایا: اور نہ اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ دخول کیا ہو

أَوْ لَمْ يَدْخُلْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ } مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الدُّخُولِ ﴿۵﴾ وَلَا بِبِنْتِ امْرَأَتِهِ الَّتِي

یا نہ کیا ہو؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے " اور تمہاری بیویوں کی مائیں" بغیر قیدِ دخول کے۔ اور نہ اس بیوی کی بیٹی کے ساتھ

دَخَلَ بِهَا لِثُبُوتِ قَيْدِالدُّخُولِ بِالنَّصِّ﴿۶﴾ سَوَاءٌ كَانَتْ فِي حِجْرِهِ أَوْفِي حِجْرِغَيْرِهِ

جس کے ساتھ دخول کیا ہو؛ قیدِ دخول کے ثابت ہونے کی وجہ سے نص سے، برابر ہے کہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا غیر کی پرورش میں

لِأَنَّ ذِكْرَالْحِجْرِخَرَجَ مَخْرَجَ الْعَادَةِلَامَخْرَجَ الشَّرْطِ وَلِهَذَااكْتَفَى فِي مَوْضِعِ الْإِحْلَالِ بِنَفْيِ الدُّخُولِ

؛کیونکہ پرورش کا ذکر آیا ہے عادت کے طور پر نہ کہ شرط کے طور پر، اوراسی وجہ سے اکتفا کیا ہے حلال کرنے کے موقع پر نفی دخول پر

﴿۷﴾قَالَ وَلَابِامْرَأَةِ أَبِيهِ وَأَجْدَادِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَلَا تَنكِحُوا مَا

فرمایا: اور نہ اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ اور اجداد کی بیوی کے ساتھ؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور نکاح نہ کروان عورتوں کے ساتھ

نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ } وَلَا بِامْرَأَةِ ابْنِهِ وَبَنِي أَوْلَادِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى

جن سے نکاح کیا ہے تمہارے آباء نے"، اور اپنے بیٹے کی بیوی سے اور نہ اپنی اولاد کے بیٹوں کی بیوی سے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

{ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمْ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ }﴿۸﴾وَذِكْرُ الْأَصْلَابِ لِإِسْقَاطِ اعْتِبَارِ التَّبَنِّي

"اور عورتیں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں" اور اصلاب کا ذکر متبنّیٰ کے اعتبار کے اسقاط کے لیے ہے

لَا لِإِحْلَالِ حَلِيلَةِ الِابْنِ مِنَ الرَّضَاعَةِ

نہ کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کو حلال کرنے کے لیے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ان عورتوں کو بیان کیا ہے جن سے نکاح کرنا جائز نہیں، اور عدمِ جواز کی وجوہ تفصیل سے بیان کی ہیں۔

تشریح:۔ یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ ان عورتوں کو بیان فرماتے ہیں جن سے نکاح جائز نہیں۔ پھر محرمات دو قسم پر ہیں، نسبی اور سببی ۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے نسبی پھر سببی محرمات کو بیان فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ مرد کا اپنی ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور نہ اپنی جدات کے ساتھ خواہ رجال کی جانب ہوں یعنی دادی، دادی کی ماں وَإِن عَلَوْنَ، یا نساء کی جانب سے ہوں یعنی نانی، نانی کی ماں وَإِن عَلَوْنَ؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ الخ)[1] (یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں) جس میں امہات کی حرمت کی تصریح ہے، اور جدات بھی

([1])النساء:۲۳۔

امہات میں شامل ہیں؛کیونکہ لفظِ اُم لغت میں اصل کو کہتے ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے اصول تم پر حرام کیے گئے ہیں۔یا کہا جائے کہ جدات کی حرمت اجماع سے ثابت ہے،اس لیے جدات سے نکاح جائز نہیں۔

{۲}اسی طرح مرد کے لیے جائز نہیں کہ اپنی بیٹی سے نکاح کرے دلیل مذکورہ بالا آیت ہے۔اور اپنی اولاد کی اولاد(پوتیوں اور نواسیوں) سے بھی نکاح نہیں کر سکتا ہے؛کیونکہ ان کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔اسی طرح مرد کے لیے جائز نہیں کہ اپنی بہن(خواہ سگی ہو یا صرف باپ شریک ہو یا صرف ماں شریک ہو)اور بہن کی بیٹیوں اور اپنے بھائی کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرے،اسی طرح مرد اپنی پھوپھی اور اپنی خالہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا ہے؛کیونکہ باری تعالیٰ کے ارشاد(وَأَخَوَاتُكُم وَعَمّٰتُكُم وَخَالاتُكُم وَبَنَاتُ الأخِ وَبَنَاتُ الأُختِ)[1](یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں) میں ان کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت کی تصریح کی گئی ہے۔

{۳}پھر چونکہ آیتِ مذکورہ میں مطلقاً پھوپھیوں،خالاؤں اور بھانجیوں کا ذکر ہے لہٰذا مذکورہ حکم متفرق پھوپھیوں،خالاؤں اور بھانجیوں کو شامل ہوگا یعنی ہر ایک فریق کی حقیقی(ماں باپ شریک)،علاتی(فقط باپ شریک) اور اخیافی(فقط ماں شریک) تینوں قسمیں حرام ہیں؛کیونکہ اسم عمہ،خالہ اور بنات الاخوۃ عام ہے ہر ایک فریق کی تینوں قسموں کو شامل ہے۔مذکورہ بالا وہ محرمات ہیں جن کی حرمت نسبی ہے۔

{۴}یعنی مرد پر اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے برابر ہے کہ بیوی کے ساتھ صحبت بھی کر چکا ہے یا صرف عقدِ نکاح ہوا ہے صحبت نہیں کی ہے؛کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے(وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُم)(یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں)جس میں بیوی کے ساتھ دخول اور صحبت کا ذکر نہیں،لہٰذا دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بہر دو صورت بیوی کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

{۵}اسی طرح مرد پر اپنی بیوی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے بشرطیکہ بیوی کے ساتھ صحبت کر چکا ہو صرف عقدِ نکاح سے بیوی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا؛کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے(وَرَبَائِبُكُمُ اللّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِن نِّسَائِكُمُ اللّٰتِي دَخَلتُم بِهِنَّ فَإِن لَم تَكُونُوا دَخَلتُم بِهِنَّ فَلاجُنَاحَ عَلَيكُم)[2](یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری ربیبہ لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں تمہاری ایسی بیویوں سے جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ

([1])النساء:۲۳۔

([2])النساء:۲۳۔

ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں) جس کے آخری حصہ میں دخول کی قید نص سے ثابت ہے یعنی اگر تم نے ربیبہ کی ماں کے ساتھ صحبت نہ کی ہو صرف عقدِ نکاح کیا ہو تو ربیبہ کے ساتھ نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

{6} اس آیت مبارکہ میں ﴿فِي حُجُورِكُم﴾ (جو تمہاری پرورش میں ہیں) بطور شرط نہیں کہ اگر تمہاری ربیبہ تمہاری پرورش میں نہ ہو تو پھر اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا، بلکہ گود میں پرورش پانے کاذکر بطور عادت بیان ہوا ہے کہ عادت یہ ہے کہ ربیبہ اپنی ماں کے دوسرے خاوند کے یہاں پرورش پاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر میں جوان کے نکاح کے جواز کو بیان کیا ہے تو فقط قیدِ دخول کی نفی پر اکتفاکیا ہے یعنی ﴿فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾[1] تو اگر پرورش کی قید ملحوظ ہوتی تو اس موقع پر اس کی بھی نفی کی جاتی کہ "اگر تمہاری پرورش میں نہ ہو تو اس سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں" حالانکہ آیت کے آخر میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے۔

{7} یعنی مرد پر اپنے باپ یا دادا کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے خواہ باپ دادا نے دخول کیا ہو یا نہ؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم﴾[2] (یعنی نہ نکاح کرو ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ تمہارے آباء نے نکاح کیا ہو) لفظ "آباؤکم" اجداد کو بھی شامل ہے لہذا دادا، پردادا کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ نیز آیت شریف میں دخول کی شرط نہیں لہذا محض عقدِ نکاح کرنے سے بھی باپ دادا کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اپنے بیٹے اور پوتے کی بیوی سے نکاح حرام ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُم﴾[3] (یعنی تم پر حرام کی گئیں تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہیں)۔ آیت شریف میں لفظ "أَبْنَائِكُمْ" پوتوں پڑپوتوں کو بھی شامل ہے لہذا ان کی بیویوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

{8} اس آیت مبارکہ میں قیدِ اصلاب (جو تمہاری پشت سے ہیں) متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) کے اعتبار کو ساقط کرنے کے لئے ہے کہ متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے یہ مراد نہیں کہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حلال ہے کمافی الشامية: وَذِكْرُ الْأَصْلَابِ لِإِسْقَاطِ حَلِيلَةِ الِابْنِ الْمُتَبَنَّى لَا لِإِحْلَالِ حَلِيلَةِ الِابْنِ رَضَاعًا فَإِنَّهَا تَحْرُمُ كَالنَّسَبِ (ردّالمحتار:۲/۳۰۲)

{1} وَلَا بِأُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِأُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى{ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ

اور نہ رضاعی ماں کے ساتھ اور نہ رضاعی بہن کے ساتھ؛ کیونکہ باری تعالیٰ ارشاد ہے "اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے

وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ} وَلِقَوْلِهِ ﷺ {يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ} . {2} وَلَا يَجْمَعُ

اور تمہاری رضاعی بہنیں، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "حرام ہوتی ہیں رضاعت سے وہ جو حرام ہوتی ہیں نسب سے" اور جمع نہ کرے

---

[1] النساء:۲۳۔

[2] النساء:۲۲۔

[3] النساء:۲۳۔

بَيْنَ أُخْتَيْنِ نِكَاحًا وَلَا بِمِلْكِ يَمِينٍ وَطْئًا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ }وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْمَعَنَّ مَاءَهُ فِي رَحِمِ أُخْتَيْنِ }

دو بہنوں کو نکاح میں اور نہ ملکِ یمین میں وطی کر کے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور یہ کہ تم جمع کرو بہنوں کو" اور حضور کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ الخ

{3} فَإِنْ تَزَوَّجَ أُخْتَ أَمَةٍ لَهُ قَدْ وَطِئَهَا صَحَّ النِّكَاحُ لِصُدُورِهِ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إلَى مَحَلِّهِ وَ إِذَا جَازَ لَا يَطَأُ الْأَمَةَ وَإِنْ كَانَ لَمْ يَطَأْ الْمَنْكُوحَةَ لِأَنَّ الْمَنْكُوحَةَ مَوْطُوءَةٌ حُكْمًا، وَلَا يَطَأُ الْمَنْكُوحَةَ لِلْجَمْعِ إلَّا إذَا حَرَّمَ الْمَوْطُوءَةَ عَلَى نَفْسِهِ لِسَبَبٍ مِنَ الْأَسْبَابِ فَحِينَئِذٍ يَطَأُ الْمَنْكُوحَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ ،{4}وَيَطَأُ الْمَنْكُوحَةَ إنْ لَمْ يَكُنْ وَطِئَ الْمَمْلُوكَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ وَطْئًا إذِ الْمَرْقُوقَةُ لَيْسَتْ مَوْطُوءَةً حُكْمًا .

پس اگر نکاح کیا اپنی ایسی باندی کی بہن سے جس کے ساتھ اس نے وطی کی ہو تو صحیح ہے نکاح؛ بوجہ اس کے صدور کے اپنے اہل سے منسوب ہو کر اپنے محل کی طرف۔ اور جب جائز ہے تو وطی نہ کرے اگرچہ اس نے وطی نہ کی ہو منکوحہ کے ساتھ؛ کیونکہ منکوحہ موطوءہ ہے حکماً، اور وطی نہ کرے منکوحہ سے جمع کی وجہ سے، مگر جب حرام کر دے موطوءہ کو اپنے نفس پر کسی سبب سے، پس اس وقت وطی کر سکتا ہے منکوحہ سے عدم جمع کی وجہ سے، اور وطی کر سکتا ہے منکوحہ سے اگر وطی نہ کی ہو مملوکہ کے ساتھ بوجہ عدم جمع وطی کے لحاظ سے؛ کیونکہ مرقوقہ موطوءہ نہیں ہے حکماً۔

{5} فَإِنْ تَزَوَّجَ أُخْتَيْنِ فِي عُقْدَتَيْنِ وَلَايُدْرِي أَيَّتُهُمَاأُولَى فُرِّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا لِأَنَّ نِكَاحَ إحْدَاهُمَا بَاطِلٌ بِيَقِينٍ،وَلَا وَجْهَ إلَى التَّعْيِينِ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ وَلَا إلَى التَّنْفِيذِ مَعَ التَّجْهِيلِ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ أَوْ لِلضَّرَرِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيقُ

پس اگر نکاح کیا دو بہنوں سے دو عقدوں میں اور یہ معلوم نہ ہو کہ دونوں میں سے کونسی اول ہے تو تفریق کی جائے گی مرد اور دونوں بہنوں کے درمیان؛ کیونکہ نکاح ایک کا باطل ہے یقینی طور پر اور کوئی وجہ نہیں متعین کرنے کی عدم اولویت کی وجہ سے، اور نہ کوئی وجہ ہے نافذ کرنے کی جہالت کے ساتھ فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے، یا ضرر کی وجہ سے، پس متعین ہو گئی تفریق۔

{6} وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ لِأَنَّهُ وَجَبَ . لِلْأُولَى مِنْهُمَا ، وَانْعَدَمَتِ الْأَوْلَوِيَّةُ لِلْجَهْلِ بِالْأَوَّلِيَّةِ فَيُصْرَفُ إلَيْهِمَا،وَقِيلَ لَا بُدَّ مِنْ دَعْوَى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَاأَنَّهَا الْأُولَى أَوِ الِاصْطِلَاحِ لِجَهَالَةِ الْمُسْتَحِقَّةِ .

اور ان دونوں کے لیے نصف مہر ہے؛ کیونکہ واجب ہوا دونوں میں سے پہلی کے لیے، اور معدوم ہو گئی اولویت، اولیت کے اولیت کے مجہول ہونے کی وجہ سے؛ پس پھیر دیا جائے گا دونوں کی طرف، اور کہا گیا ہے کہ ضروری ہے ہر ایک کا دعویٰ

ان دونوں میں سے کہ یہ اول ہے یا صلح بوجہ مجہول ہونے مستحق کے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں رضاعی ماں اور بہن سے نکاح کرنے کا عدم جواز اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۲ میں جمع بین الاختین کی ممانعت اور دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر۳، ۴، ۵ میں جمع بین الاختین کی بعض صورتوں کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر۶ میں جمع کی ایک صورت میں مہر کی تفصیل اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} اپنی رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ[1]) (اور جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں تم پر حرام کی گئی ہیں) اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ[2]" (یعنی حرام ہوتی ہے بوجہ رضاعت کے جو حرام ہوتی ہے نسب سے) لہٰذا نسبی ماں اور بہن کی طرح رضاعی ماں اور بہن سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں۔

{۲} مرد پر دو نسبی یا رضاعی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یا ملکِ یمین کی جہت سے برائے وطی جمع کرنا حرام ہے یوں کہ دونوں بہنوں کے ساتھ نکاح کرلے یا ایک کے ساتھ نکاح کرلے اور دوسری باندی ہو اس کو برائے وطی خرید لے یا دونوں باندیاں ہوں کوئی ان کو برائے وطی خرید لے تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الأُخْتَيْنِ[3]) (یعنی تم پر حرام کیا گیا یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں میں) اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يَجْمَعَنَّ مَاءَهُ فِي رَحِمِ أُخْتَيْنِ[4]" (جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ ہرگز جمع نہ کرے اپنا پانی دو بہنوں کے رحم میں)۔ ملک یمین کی صورت میں "برائے وطی" کی قید اس لئے لگائی کہ وطی کے بغیر ملکِ یمین میں جمع بین الاختین حرام نہیں یعنی دو آپس میں بہن باندیوں کو خریدنا جائز ہے مگر دونوں کے ساتھ وطی نہیں کرسکتا ہے۔

{۳} پس اگر کسی نے اپنی موطوءہ باندی کی بہن سے نکاح کیا تو نکاح تو صحیح ہے؛ کیونکہ عقدِ نکاح اہلِ نکاح سے صادر ہوا اور محلِ نکاح کی طرف منسوب ہے؛ کیونکہ موطوءہ باندی کی بہن محلِ نکاح ہے؛ اس لئے نکاح صحیح ہے۔ لیکن اب اپنی باندی کے

([1]) النساء:۲۳۔

([2]) رواه مسلم فی كتاب الرضاع، باب تحريم ابنة الاخ من الرضاعة:۲/۱۰۷۱، رقم:۱۳

([3]) النساء:۲۳۔

([4]) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ میں نے نہیں پائی ہے البتہ فیروز الدیلمی کی روایت ہے: قال: قلت: يارسول الله، انی اسلمت وتحتی اختان، فقال: طلق ايتهما شئت (الدراية تحت الهداية:۲/۱۱)

ساتھ صحبت نہ کرے اگر چہ منکوحہ کے ساتھ وطی نہ کی ہو؛ کیونکہ منکوحہ حکم میں موطوءہ کے ہے اس لیے کہ نکاح کی وضع وطی کے لیے ہوئی ہے، اسی طرح منکوحہ کے ساتھ بھی وطی نہ کرے ،ورنہ وطیاً دو بہنوں کو جمع کرنا لازم آتا ہے جو کہ حرام ہے اگر چہ ایک بطورِ منکوحہ ہے اور دوسری بطورِ باندی ہے۔البتہ اگر موطوءہ باندی کو اسبابِ حرمت میں سے کسی بھی سبب سے اپنے اوپر حرام کر دیا مثلاً اس کو فروخت کر دیا یا آزاد کر دیا تو اب منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے؛ کیونکہ وطیاً دو بہنوں کو جمع کرنا لازم نہیں آتا ہے۔

{۴} اور اگر باندی کے ساتھ اس نے وطی نہ کی ہو تو پھر منکوحہ کے ساتھ وطی کرنا جائز ہوگا؛ کیونکہ مملوکہ باندی نہ حقیقۃً موطوءہ ہے اور نہ حکماً؛ کیونکہ مِلکِ یمین کی وضع وطی کے لیے نہیں بلکہ اس کے اور کئی اغراض ہیں جن میں وطی ہے، تو چونکہ اس صورت میں بھی وطیاً دو بہنوں کو جمع کرنا لازم نہیں آتا ہے اس لیے یہ صورت بھی جائز ہے۔

{۵} اگر کسی نے دو بہنوں سے علیحدہ علیحدہ نکاح کیا اور یہ یاد نہ رہا کہ ان میں سے پہلے کس سے نکاح کیا تھا تو قاضی اس مرد اور ان دونوں بہنوں میں تفریق کردے یعنی دونوں سے اس کا نکاح توڑوا دے؛ کیونکہ ان میں سے جس کا نکاح بعد میں ہوا اس کا نکاح یقیناً نہیں ہوا، مگر کسی ایک کو نکاح کے لیے متعین کرنا اور دوسرے کے نکاح کو ختم کرنا تو درست نہیں؛ کیونکہ دونوں میں سے جس کے نکاح کو برقرار رکھا جارہا ہے اس کی کوئی وجہ ترجیح و اولویت نہیں، لہٰذا یہ صورت درست نہیں۔اور دونوں میں سے کسی ایک غیر متعین مجہول کے نکاح کو نافذ کرنا بھی درست نہیں؛ کیونکہ نکاح سے مقصود وطی اور تناسل ہے اور یہ مقصود جب تک کہ کسی ایک کو متعین نہ کرے حاصل نہیں ہوتا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مرد کا نقصان یہ ہوگا کہ اس پر نفقہ لازم ہوگا جبکہ اس کا فائدہ کچھ نہیں، اور دونوں عورتوں کا ضرر یہ ہوگا کہ دونوں کے لیے ایک کا نفقہ ہوگا اور اس کے ہاں محبوس ہونے کی وجہ سے کسی اور شخص سے نکاح بھی نہیں کر سکتی ہیں، اس لیے متعین ہے کہ دونوں کو اس مرد سے الگ کیا جائے گا۔

{۶} پھر ان دونوں کو نصف مہر دیا جائیگا وہ آپس میں اس نصف مہر کو بانٹ دیں گی، اس طرح ہر ایک کو ایک چوتھائی مہر ملے گا، کیونکہ نصف مہر دونوں میں سے اسی کے لیے واجب ہوگا جس سے نکاح پہلے ہوا ہے، مگر چونکہ یہ معلوم نہیں کہ کس سے نکاح پہلے ہوا ہے، لہٰذا عدمِ اولویت کی وجہ سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے اس لیے دونوں نصف مہر میں شریک ہوں گی۔بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ہر ایک کا یہ دعویٰ کرنا ضروری ہے کہ "مجھ سے پہلے نکاح ہوا ہے" تا کہ مدعیہ کو اس کے دعویٰ کی بناء پر دیدیا جائے ،اور یا دونوں صلح کرلیں کہ ہم دونوں نصف مہر میں شریک ہیں؛ کیونکہ دونوں میں سے اصل مستحقہ مجہول ہے ظاہر ہے کہ جہالت کی صورت میں ہر ایک حصہ میں شبہ ہے کہ دوسری کا ہو اور مرد کو بھی جائز نہیں کہ مستحقہ کا حق دوسری کو دیدے، لہٰذا یا تو ہر ایک دعویٰ کرے یا دونوں صلح کرلیں۔

{۱} وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا أَوْ ابْنَةِ أَخِيهَا أَوْ ابْنَةِ أُخْتِهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
اور جمع نہ کی جائے گی عورت اور اس کی پھوپھی، یا اس کی خالہ، یا اس کی بھتیجی، یا اس کی بھانجی کو؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ لَاتُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَ لَا عَلَى خَالَتِهَا وَلَا عَلَى ابْنَةِ أَخِيهَا وَلَا عَلَى ابْنَةِ أُخْتِهَا } " وَهَذَامَشْهُورٌ
نکاح نہ کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ اس کی بھتیجی پر اور نہ اس کی بھانجی پر" اور یہ حدیث مشہور ہے،

يَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَى الْكِتَابِ بِمِثْلِهِ.{۲} وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ لَوْ كَانَتْ إِحْدَاهُمَا رَجُلًا
جائز ہے زیادتی کتاب اللہ پر اس جیسی حدیث سے۔اور جمع نہ کی جائے گی ایسی دو عورتوں کو کہ اگر ہوتی ان دونوں میں سے ایک مرد

لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْأُخْرَى لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا يُفْضِي إِلَى الْقَطِيعَةِ وَالْقَرَابَةُالْمُحَرِّمَةُ
تو جائز نہ ہوتا اس کے لیے کہ نکاح کرتا دوسری کے ساتھ؛ کیونکہ ان دونوں کو جمع کرنا پہنچا دیتا ہے قطع رحمی تک اور جو قرابت حرام کرنے والی ہے

لِلنِّكَاحِ مُحَرِّمَةٌ لِلْقَطْعِ، {۳}وَلَوْ كَانَتِ الْمَحْرَمِيَّةُ بَيْنَهُمَا بِسَبَبِ الرَّضَاعِ يَحْرُمُ
نکاح کو وہ حرام کرنے والی ہے قطع رحمی کو، اور اگر ہو محرمیت ان دونوں کے درمیان رضاع کی وجہ سے، تو بھی جمع کرنا حرام ہوگا

لِمَارَوَيْنَامِنْ قَبْلُ.{۴} وَلَابَأْسَ بِأَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ امْرَأَةٍوَبِنْتِ زَوْجٍ كَانَ لَهَامِنْ قَبْلُ
اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اس سے پہلے۔اور کوئی مضائقہ نہیں کہ جمع کرے عورت اور اس کے سابق شوہر کی بیٹی کو

لِأَنَّهُ لَا قَرَابَةَ بَيْنَهُمَا وَلَا رَضَاعَ.{۵}وَقَالَ زُفَرُ :لَايَجُوزُ لِأَنَّ ابْنَةَ الزَّوْجِ
کیونکہ قرابت نہیں ان دونوں کے درمیان اور نہ رضاع ہے۔اور فرمایا امام زفر رحمہ اللہ نے جائز نہیں؛ کیونکہ سابقہ زوج کی بیٹی

لَوْ قَدَّرْتَهَا ذَكَرًا لَا يَجُوزُ لَهُ التَّزَوُّجُ بِامْرَأَةِ أَبِيهِ.{۶}قُلْنَا : امْرَأَةُ الْأَبِ
اگر آپ فرض کرلیں اس کو مذکر، تو جائز نہیں اس کے لیے نکاح کرنا اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ۔ہم کہتے ہیں کہ باپ کی بیوی

لَوْ صَوَّرْتَهَا ذَكَرًاجَازَ لَهُ التَّزَوُّجُ بِهَذِهِ وَالشَّرْطُ أَنْ يُصَوَّرَ ذَلِكَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ.
اگر آپ فرض کرلیں مذکر، تو جائز ہے اس کے لیے نکاح کرنا اس لڑکی کے ساتھ،اور شرط یہ ہے کہ متصور ہو عدم جواز ہر جانب سے۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں اختین کے علاوہ دیگر ایسی عورتوں کا تذکرہ کیا ہے جن کو نکاح میں جمع کرنا صحیح نہیں، اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۲ میں اس بارے میں ایک ضابطہ اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۳ میں ایسی رضاعی رشتہ داروں کا تذکرہ کیا ہے جو مذکورہ ضابطہ کے تحت ان کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۴، ۵، ۶ کی مذکورہ صورتوں کے عدم جواز کی ایک شرط، اور اس میں امام زفرؒ کا اختلاف اور ان کی دلیل، پھر جمہور کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} مرد کے لیے جائز نہیں کہ عورت کو اس کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ نکاح میں جمع کر دے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "نکاح نہ کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ اس کی بھتیجی پر اور نہ اس کی بھانجی پر"[۱]۔ سوال یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے تمام محرمات کو بیان کیا ہے جن میں مذکورہ عورتیں نہیں ہیں اور آخر میں فرمایا ہے (وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَاءَ ذٰلِكُمْ[۲]) (اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا) جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورتیں جائز ہیں؟ صاحب ہدایہ" نے جواب دیا ہے کہ مذکورہ صورتوں کا حرام ہونا حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد سے ثابت ہوتا ہے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد خبر مشہور ہے اور خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

{۲} مصنف" نے قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ ہر ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ جن میں سے کسی ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے تو اس کیلئے دوسری سے نکاح کرنا جائز نہ ہو جیسے عورت اپنی پھوپھی یا خالہ وغیرہ کے ساتھ کیونکہ اگر عورت کو مذکر فرض کر لے تو دوسری اس کی پھوپھی ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہیں اور اگر پھوپھی کو مذکر فرض کیا جائے تو یہ عورت اس کی بھتیجی ہے جس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں؛ وجہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا قطع رحمی کا سبب بنے گا؛ کیونکہ وہ آپس میں سوتنیں ہو جائیں گی اور سوتنوں میں عموماً عداوت ہوتی ہے جس سے ان کے درمیان صلہ رحمی منقطع ہو جاتی ہے اور قطع رحمی حرام ہے اور قاعدہ ہے کہ جو حرام کا سبب ہو وہ بھی حرام ہوتا ہے، اور جو قرابت آپس میں نکاح کو حرام کرنے والی ہے وہی قرابت قطع رحمی کو بھی حرام کرنے والی ہے، لہٰذا جس طرح کہ قریبی رشتہ داروں (مثلاً بہن بھائی) کا آپس میں نکاح جائز نہیں اسی طرح آپس میں رشتہ دار عورتوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں کہ اس سے قطع رحمی لازم آتی ہے۔

{۳} اور جن صورتوں میں نسبی قرابت کی وجہ سے دو عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے ان صورتوں میں رضاعت کی وجہ سے بھی دو عورتوں کو جمع کرنا حرام ہوگا مثلاً رضاعی بھتیجی اور پھوپھی، یا رضاعی بھانجی اور خالہ کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہ ہوگا دلیل وہی روایت ہے جو ما قبل میں گذر چکی یعنی حضور ﷺ کا ارشاد "يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَايَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ" (یعنی حرام ہوتی ہے بوجہ رضاعت کے جو حرام ہوتی ہے نسب سے)۔

(۱) رواہ ابوداؤد، جلد:۱ص:۲۹۸، رقم:۲۰۶۵، طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

(۲) النساء:۲۴۔

{۴}البتہ یہ شرط یہ ہے کہ طرفین سے نکاح جائز نہ ہو ورنہ اگر ایک جانب سے جائز ہو تو ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز ہے یہی وجہ ہے کہ عورت اور اس کے سابقہ خاوند کی لڑکی کو جمع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ کیونکہ نہ دونوں میں باہمی قرابت ہے کہ دونوں کو جمع کرنے سے قطع رحمی لازم آئے اور نہ رضاعی رشتہ ہے لہٰذا دونوں کو جمع کرنا درست ہے۔

{۵}امام زفرؒ کے نزدیک مذکورہ صورت بھی جائز نہیں؛ کیونکہ شوہر کی بیٹی کو اگر مذکر فرض کیا جائے تو دوسری چونکہ اس کے باپ کی بیوی ہے اور باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں لہٰذا من وجہ دونوں کو جمع کرنے سے امتناع ثابت ہے پس احتیاط اسی میں ہے کہ ان کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہ ہو۔

{۶}جمہور کی دلیل یہ ہے کہ باپ کی بیوی کو اگر مرد فرض کیا جائے تو اس پر اس کے شوہر کی بیٹی حرام نہیں کیونکہ وہ اس عورت کی نسبت اجنبی شخص کی بیٹی ہے حالانکہ حرمتِ جمع کے لیے شرط یہ ہے کہ باہمی نکاح کا عدم جواز جانبین سے ہو؛ اس لیے کہ قطع رحمی تو جانبین سے رشتہ کی صورت میں لازم آتا ہے یکطرفہ رشتہ تو دامادی اور سسرالی رشتہ ہے جس سے قطع رحمی لازم نہیں آتا ہے۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ (وأحِلّ لكم مَاوَرَاءَ ذَالِكُم) ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کی بیٹی اور اس کی سابقہ بیوی کو نکاح میں جمع کیا تھا۔

فتویٰ:۔ فتویٰ جمہور کے قول پر ہے لمافی البحر: وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ أَيَّةً فُرِضَتْ؛ لِأَنَّهُ لَوْجَازَ نِكَاحُ إحْدَاهُمَا عَلَى تَقْدِيرِ مِثْلِ الْمَرْأَةِ وَبِنْتِ زَوْجِهَا أَوِامْرَأَةِ ابْنِهَا فَإِنَّهُ يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَقَدْ جَمَعَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ بَيْنَ زَوْجَةِ عَلِيٍّ وَبِنْتِهِ وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ(البحرالرائق:۳/۹۸)

{۱}قَالَ وَمَنْ زَنَى بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَبِنْتُهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : الزِّنَا لَا يُوجِبُ
فرمایا: اور جس نے زنا کیا کسی عورت کے ساتھ تو حرام ہو جائے گی اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے: زنا واجب نہیں کرتا ہے

حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ لِأَنَّهَا نِعْمَةٌ فَلَا تُنَالُ بِالْمَحْظُورِ .{۲}وَلَنَا أَنَّ الْوَطْءَ سَبَبُ الْجُزْئِيَّةِ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ
حرمتِ مصاہرت کو؛ کیونکہ وہ نعمت ہے، پس وہ حاصل نہ ہوگی ممنوع سے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی سبب ہے جزئیت کا بچے کے واسطے سے

حَتَّى يُضَافَ إلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَلًا فَتَصِيرُ أُصُولُهَا وَفُرُوعُهَا كَأُصُولِهِ وَفُرُوعِهِ
حتی کہ منسوب ہوتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کی طرف کامل طور پر، پس عورت کے اصول و فروع مرد کے اصول و فروع کی طرح ہو جائیں گے

وَكَذَلِكَ عَلَى الْعَكْسِ، وَالِاسْتِمْتَاعُ بِالْجُزْءِ حَرَامٌ{۳}إلَّافِي مَوْضِعِ الضَّرُورَةِ وَهِيَ الْمَوْطُوءَةُ{۴}وَالْوَطْءُ مُحَرِّمٌ
اور اسی طرح برعکس ہے، اور فائدہ اٹھانا جزء سے حرام ہے مگر ضرورت کی جگہ میں، اور وہ موطوءہ ہے، اور وطی حرام کرنے والی ہے

مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ سَبَبُ الْوَلَدِ لَا مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ زِنًا. ﴿۸﴾وَمَنْ مَسَّتْهُ امْرَأَةٌ بِشَهْوَةٍ حَرُمَتْ
اس حیثیت سے کہ وہ سبب ولد ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ زنا ہے۔ اور جس کو مس کیا عورت نے شہوت کے ساتھ تو حرام ہو جائے گی

عَلَيْهِ أُمُّهَا وَابْنَتُهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا تَحْرُمُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ مَسُّهُ امْرَأَةً بِشَهْوَةٍ
اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی، اور فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ نے حرام نہ ہوگی، اور اسی اختلاف پر ہے مرد کا مس کرنا عورت کو شہوت کے ساتھ

وَنَظَرُهُ إِلَى فَرْجِهَا وَنَظَرُهَا إِلَى ذَكَرِهِ عَنْ شَهْوَةٍ. لَهُ أَنَّ الْمَسَّ وَالنَّظَرَ
اور مرد کا دیکھنا عورت کی شرمگاہ کو، اور عورت کا دیکھنا مرد کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مس اور دیکھنا

لَيْسَا فِي مَعْنَى الدُّخُولِ، وَلِهَذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا فَسَادُ الصَّوْمِ وَالْإِحْرَامِ وَوُجُوبُ الِاغْتِسَالِ
نہیں ہیں دخول کے معنی میں، اسی وجہ سے متعلق نہیں ہوتا ہے ان دونوں کے ساتھ فسادِ صوم اور فسادِ احرام اور وجوب غسل،

فَلَا يَلْحَقَانِ بِهِ. ﴿۱﴾وَلَنَا أَنَّ الْمَسَّ وَالنَّظَرَ سَبَبٌ دَاعٍ إِلَى الْوَطْءِ
پس یہ دو ملحق نہ ہوں گے دخول کے ساتھ۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مس اور نظر ایسا سبب ہے جو داعی ہے وطی کا

فَيُقَامُ مُقَامَهُ فِي مَوْضِعِ الِاحْتِيَاطِ، ﴿۷﴾ثُمَّ الْمَسُّ بِشَهْوَةٍ أَنْ تَنْتَشِرَ الْآلَةُ أَوْ تَزْدَادَ انْتِشَارًا هُوَ الصَّحِيحُ،
پس اسے قائم مقام بنایا جائے گا وطی کا احتیاط کے موقع میں، پس مس شہوت کے ساتھ یہ ہے کہ منتشر ہو جائے آلہ، یا بڑھ جائے انتشار یہی صحیح ہے۔

وَالْمُعْتَبَرُ النَّظَرُ إِلَى الْفَرْجِ الدَّاخِلِ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ إِلَّا عِنْدَ اتِّكَائِهَا، ﴿۸﴾وَلَوْ مَسَّ فَأَنْزَلَ فَقَدْ قِيلَ
اور معتبر دیکھنا ہے فرج داخل کو، اور تحقق نہ ہوگا یہ مگر اس کا تکیہ لگا کر بیٹھنے کی صورت میں، اور اگر مس کیا پھر انزال ہو گیا تو کہا گیا ہے

إِنَّهُ يُوجِبُ الْحُرْمَةَ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يُوجِبُهَا لِأَنَّهُ بِالْإِنْزَالِ تَبَيَّنَ أَنَّهُ غَيْرُ مُفْضٍ
کہ یہ واجب کر دیتا ہے حرمت کو، اور صحیح یہ ہے کہ واجب نہیں کرتا ہے حرمت کو؛ کیونکہ انزال سے معلوم ہوا کہ یہ مفضی نہیں ہے

إِلَى الْوَطْءِ، وَعَلَى هَذَا إِتْيَانُ الْمَرْأَةِ فِي الدُّبُرِ.
وطی کی طرف، اور اسی اختلاف پر ہے عورت کے مقعد میں آنا۔

خلاصہ: مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مزنیہ کے اصول و فروع سے نکاح کرنے میں احناف ؒ اور شوافع ؒ کا اختلاف، اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر ۳ میں ایک اشکال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۴ میں شوافع ؒ کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں اجنبی کو شہوت سے مس کرنے کے حکم میں احناف ؒ اور شوافع ؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل کو ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۶ میں شوافع ؒ کی دلیل کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۷ میں شہوت سے مس کرنے کی وضاحت کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں شہوت سے مس کرنے کی ایک دو صورتوں کے حکم میں اختلاف اور قولِ صحیح کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو زانی پر مزنیہ کی ماں اور بیٹی یعنی اصول و فروع حرام ہو جائیں گے۔امام شافعیؒ کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرت (دامادی کے رشتہ کی وجہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس کو حرمتِ مصاہرت کہتے ہیں) ثابت نہیں ہوتی؛ کیونکہ زنا حرام ہے اور مصاہرت یعنی دامادی کا رشتہ ایک نعمت ہے اور ممنوع و حرام فعل حصولِ نعمت کا سبب نہیں ہو سکتا۔

{۲}ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی بواسطۂ ولد سبب ہے جزئیت کا یعنی وطی کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوتا ہے اور بچہ ماں کا بھی جزء ہوتا ہے باپ کا بھی جزء ہوتا ہے اسی لیے تو ماں اور باپ میں سے ہر ایک کی طرف مکمل طور پر منسوب کیا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد اور فلاں عورت کا بچہ ہے، اور بچے کے واسطے سے اس کے ماں باپ میں اتحاد اور جزئیت پیدا ہوتی ہے اور جب ماں باپ متحد ہوئے تو ماں کے اصول اور فروع باپ کے اصول اور فروع شمار ہوں گے اسی طرح اس کا عکس ہے یعنی باپ کے اصول اور فروع ماں کے اصول اور فروع شمار ہوں گے یوں ماں کے اصول و فروع باپ کے جزء قرار پائے اور باپ کے اصول و فروع ماں کے جزء قرار پائے اور اپنے جزء سے وطی کا فائدہ حاصل کرنا حرام ہے اس لیے زانی اور مزنیہ کا ایک دوسرے کے اصول و فروع سے نکاح کرکے وطی کا فائدہ حاصل کرنا جائز نہ ہوگا۔

{۳}مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بچہ کے واسطے سے جب واطی اور موطوءہ میں جزئیت ثابت ہوتی ہے تو ایک بچہ جننے کے بعد زوجین ایک دوسرے کے جزء ہو جائیں گے، لہٰذا اب زوج کے لیے زوجہ سے وطی کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے حالانکہ بچہ جننے کے بعد بھی بالاتفاق وطی جائز ہے؟صاحبِ ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ مذکورہ اصول کا تقاضا تو یہی ہے مگر ضرورت کا موقع اس سے مستثنیٰ ہے اور ضرورت کا موقع منکوحہ موطوءہ ہے؛ کیونکہ منکوحہ موطوءہ اگر ایک بچہ جننے سے شوہر پر حرام ہو جائے تو شوہر پر لازم ہوگا کہ اس کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرے، اور روز روز نیا نکاح کرنے میں حرج کا ہونا ظاہر ہے اور حرج شرعاً دور کیا گیا ہے اس لیے منکوحہ موطوءہ سے پوری زندگی وطی کرنا جائز ہے۔

{۴}امام شافعیؒ کو جواب دیا گیا ہے کہ وطی کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ وطی بچے کا سبب ہے اور دوسری یہ کہ وطی زنا ہے۔اور حرمتِ مصاہرت کا سبب وطی کی وہ حیثیت ہے جو بچے کا سبب ہے اور ذاتِ ولد میں کوئی معصیت نہیں، معصیت تو ماں باپ کا عمل ہے لہٰذا ولد کا سببِ حرمت ہونے میں کوئی قباحت نہیں، اسی طرح وطی میں مذکورہ حیثیت سے کوئی قباحت نہیں اور حرمتِ مصاہرت

کا سبب وطی اسی حیثیت سے ہے نہ کہ زنا کی حیثیت سے، لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ایک ممنوع عمل حصولِ نعمت کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔ کذا فی منحۃ الخالق علی ہامش البحرالرائق:۹۸/۳)

﴿۸﴾اگر کوئی عورت کسی مرد کو شہوت سے مَس کر دے یا مرد عورت کو شہوت سے مَس کر دے تو اس عورت کی ماں اور بیٹی یعنی اصول وفروع اس مرد پر حرام ہو جائیں گے اور مرد کے اصول وفروع اس عورت پر حرام ہو جائیں گے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مَس سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ مرد عورت کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھے اور عورت مرد کے ذکر کو شہوت سے دیکھے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مَس کرنا اور دیکھنا وطی کے معنی میں نہیں؛ کیونکہ جو احکام دخول کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں وہ مَس اور نظر کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے ہیں، مثلاً وطی سے روزہ اور احرام فاسد ہو جاتے ہیں اور غسل واجب ہو جاتا ہے مگر مَس اور نظر سے روزہ اور احرام فاسد نہیں ہوتے اور غسل واجب نہیں ہوتا، لہذا مَس اور نظر کو وطی کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ملحق ملحق بہ کے معنی میں نہیں۔

﴿۹﴾امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ مَس کرنا اور دیکھنا وطی کا سبب اور داعی ہے، پس مقام احتیاط کی وجہ سے دواعی وطی کو وطی کا قائم مقام قرار دے کر اس پر وطی کا حکم لگا دیا، لہذا جس طرح کہ وطی سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے اسی طرح شہوت کے ساتھ مَس کرنے اور دیکھنے سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی؛ کذا فی البحرالرائق: وَاللَّمْسُ وَالنَّظَرُ سَبَبٌ دَاعٍ اِلَى الْوَطْءِ فَيُقَامُ مَقَامَهُ فِي مَوْضِعِ الْاِحْتِيَاطِ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ(البحرالرائق:۹۸/۳)

﴿۷﴾صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ شہوت کے ساتھ مَس کرنا یہ ہے کہ مَس کرنے سے آلہ منتشر ہو جائے، اور اگر پہلے سے منتشر ہے تو انتشار بڑھ جائے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شہوت سے مَس کرنا یہ ہے کہ مرد کا دل عورت کی طرف مائل ہو کر جماع کی رغبت پیدا ہو جائے، صاحبِ ہدایہؒ نے اس قول سے احتراز کرتے ہوئے کہا کہ اول صحیح ہے۔ اور شہوت کے ساتھ دیکھنے میں معتبر یہ ہے کہ عورت کے فرجِ داخل کو شہوت سے دیکھ لے، ظاہر ہے کہ فرجِ داخل کو دیکھنا فقط اس صورت میں متحقق ہو جاتا ہے کہ عورت کسی چیز کو تکیہ لگا کر برہنہ بیٹھ جائے اور گھٹنوں کو کھڑا کر دے، اس کے علاوہ اگر وہ کھڑی ہے یا سیدھی بیٹھی ہے یا پاؤں پھیلا کر بیٹھی ہے تو اسے دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

﴿۸﴾اور اگر شہوت کے ساتھ مَس کرنے سے مرد کا انزال بھی ہو گیا، تو بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اب بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی؛ کیونکہ شہوت کے ساتھ مَس کرنا وطی کی طرف مفضی ہونے کی وجہ سے حرمتِ مصاہرت کا سبب تھا، ظاہر ہے کہ انزال کے بعد وطی کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اس لیے

اس صورت میں مَس کرنا مفضی الی الوطی نہیں، لہذا وطی کا قائم مقام ہو کر موجبِ حرمت بھی نہ ہو گا۔ اسی طرح کا اختلاف عورت کے مقعد میں وطی کرنے کی صورت میں بھی ہے کہ ہمارے نزدیک اگر اس صورت میں انزال ہوا تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔

{۱} وَإِذَا طَلَّقَ امْرَأَةً طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا

اور اگر طلاق دے عورت کو طلاق بائن یا رجعی تو جائز نہیں اس کے لیے کہ نکاح کرے اس کی بہن کے ساتھ یہاں تک کہ گذر جائے اس کی عدت

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ إِنْ كَانَتِ الْعِدَّةُ عَنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ أَوْثَلَاثٍ يَجُوزُلِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ بِالْكُلِّيَّةِإِعْمَالًا لِلْقَاطِعِ،

اور فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ اگر ہو عدت طلاق بائن سے یا تین طلاقوں سے تو جائز ہے بوجہ منقطع ہونے نکاح کے بالکلیہ عمل دیتے ہوئے قاطع کو۔

وَلِهَذَا لَوْوَطِئَهَا مَعَ الْعِلْمِ بِالْحُرْمَةِ يَجِبُ الْحَدُّ. {۲}وَلَنَا أَنَّ نِكَاحَ الْأُولَى قَائِمٌ لِبَقَاءِ

اور اسی وجہ سے اگر وطی کی اس کے ساتھ علم بالحرمۃ کے باوجود، تو واجب ہو گی حد۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح اول قائم ہے بوجہ باقی ہونے

بَعْضِ أَحْكَامِهِ كَالنَّفَقَةِ وَالْمَنْعِ وَالْفِرَاشِ{۳}وَالْقَاطِعُ تَأَخَّرَ عَمَلُهُ وَلِهَذَا بَقِيَ الْقَيْدُ ، وَالْحَدُّ

اس کے بعض احکام کے جیسے نفقہ، منع عن الخروج، اور فراش، اور قاطع کا عمل موخر ہو گیا، اسی وجہ سے باقی ہے قیدِ نکاح، اور حد

لَا يَجِبُ عَلَى إِشَارَةِ كِتَابِ الطَّلَاقِ ،وَعَلَى عِبَارَةِ كِتَابِ الْحُدُودِيَجِبُ لِأَنَّ الْمِلْكَ قَدْ زَالَ

واجب نہیں ہوتی ہے کتاب الطلاق کے اشارہ کے مطابق، اور کتاب الحدود کی صراحت کے مطابق واجب ہوتی ہے؛ کیونکہ ملک زائل ہو گئی

فِي حَقِّ الْحِلِّ فَيَتَحَقَّقُ الزِّنَا وَلَمْ يَرْتَفِعْ فِي حَقِّ مَا ذَكَرْنَا فَيَصِيرُ جَامِعًا.

حلال ہونے کے حق میں، پس متحقق ہو گا زنا، اور مرتفع نہیں ہوئی ان امور کے حق میں جن کو ہم نے ذکر کیا، پس ہو گا جمع کرنے والا۔

خلاصہ: مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حالتِ عدت میں معتدہ کی بہن سے جوازِ نکاح میں ائمہ کا اختلاف، فریقین کے دلائل، اور احناف کی طرف سے فریقِ مخالف کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح: {۱} اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاقِ رجعی دیدی تو جب تک کہ اس کی عدت (عدت عورت کے طلاق یا شوہر کی وفات پر سوگ کے زمانہ کو کہتے ہیں) نہ گذر جائے اس کی بہن سے اس شخص کا نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ ہر اس عورت کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہیں جس کو مطلقہ کے ساتھ جمع کرنا ممنوع ہو۔ امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک جو عورت طلاق بائن یا طلقاتِ ثلاثہ کی عدت گذار رہی ہو اس کی بہن سے طلاق دینے والے کا نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ کامل قاطعِ نکاح (طلاق بائن یا طلقاتِ ثلاث) کے پائے جانے کی وجہ سے نکاح بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مطلقہ بائنہ کے ساتھ وطی کرنے کو حرام سمجھتے ہوئے اس سے وطی کرنے کی

صورت میں واطی کو حد لگائی جائے گی، اور جب نکاح منقطع ہوا تو اس کی بہن سے نکاح کرنے سے جمع بین الاختین لازم نہیں آتا ہے اس لیے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

{٢} احناف کی دلیل یہ ہے کہ وطی کے سوادیگر احکام کے حق میں نکاحِ اول قائم ہے منقطع نہیں ہوا ہے مثلاً شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہے، اور اس کو گھر سے نکلنے سے منع کر سکتا ہے، اور مطلقہ کا اس کے لیے فراش (عورت کا زوج کے لیے اس طرح متعین ہونا کہ جو بھی بچہ پیدا ہو اس کا نسب اس سے ثابت ہو) ہونا، پس کہا جائے گا کہ نکاح من وجہ قائم ہے اور فروج میں احتیاط برتی جاتی ہے پس احتیاطاً اس کی بہن سے نکاح کو جائز قرار نہیں دیا جائے گا تاکہ جمع بین الاختین لازم نہ آئے۔

{٣} رہی یہ بات کہ قاطعِ نکاح سے نکاح بالکلیہ ختم ہو چکا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیدِ نکاح باقی رہنے کی وجہ سے قاطع کا عمل عدت گذرنے تک مؤخر ہو گیا ہے، لہٰذا طلاق سے نکاح بالکلیہ ختم نہیں ہوا ہے۔ اور وجوبِ حد کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو ہمیں تسلیم نہیں کہ مذکورہ صورت میں واطی پر حد واجب ہوگی جیسا کہ مبسوط کی "کتاب الطلاق" سے یہی اشارہ ملتا ہے وہاں لکھا ہے "اذا کان الطلاق بائناً فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها ؛لان حل المحلیةِ باقٍ" جس میں "حل المحلیةِ باقٍ" سے اشارہ ملتا ہے کہ حد واجب نہیں، اور جب حد واجب نہیں تو یہ کہنا کہ نکاح بالکلیہ منقطع ہو چکا ہے صحیح نہیں۔ اور اگر وجوبِ حد کو ہم تسلیم کرلیں جیسا کہ مبسوط کی "کتاب الحدود" میں وجوبِ حد کی تصریح موجود ہے اور یہی راجح بھی ہے؛ کیونکہ تصریح کو اشارہ پر ترجیح حاصل ہے، تو ہم جواب دیں گے کہ حلال ہونے کے حق میں بے شک مِلکِ نکاح زائل ہو گئی ہے لہٰذا اب اس سے وطی کرنا زنا شمار ہوگا اس لیے حد واجب ہوگی، جبکہ نفقہ اور سکنیٰ وغیرہ کے حق میں نکاح باقی ہے، پس کہا جائے گا کہ نکاح من وجہ باقی ہے اور من وجہ زائل ہو چکا ہے، اور احتیاطاً جہتِ بقاء کو دیکھتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح کو ناجائز قرار دیا جائے گا تاکہ جمع الاختین لازم نہ آئے۔

{١} وَلَایَتَزَوَّجُ الْمَوْلٰی أَمَتَهُ وَلَاالْمَرْأَةُعَبْدَهَا لِأَنَّ النِّكَاحَ مَاشُرِعَ إِلَّامُثْمِرًا ثَمَرَاتٍ

اور نکاح نہ کرے مولیٰ اپنی باندی سے اور نہ عورت اپنے غلام سے؛ کیونکہ نکاح مشروع نہیں ہوا ہے مگر مثمر ہو کر ایسے ثمرات کے ساتھ

مُشْتَرَكَةٍ بَيْنَ الْمُتَنَاكِحَيْنِ، وَالْمَمْلُوكِيَّةُ تُنَافِي الْمَالِكِيَّةَ فَيَمْتَنِعُ وُقُوعُ الثَّمَرَةِ عَلَى الشَّرِكَةِ.

جو مشترک ہوں نکاح کرنے والوں کے درمیان، اور مملوکیت منافی ہے مالکیت کے، پس ممتنع ہوگا حصول ثمرہ مشترک طور پر۔

{٢} وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْكِتَابِيَّاتِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى{ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ }أَيِ الْعَفَائِفُ.

اور جائز ہے نکاح میں لینا کتابیہ عورتیں؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور محصنہ عورتوں ۔ سے اہلِ کتاب میں سے" یعنی پاک دامن،

وَلَافَرْقَ بَيْنَ الْكِتَابِيَّةِ الْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ عَلَى مَانُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُإِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى{٣}وَلَايَجُوزُتَزْوِيجُ الْمَجُوسِيَّاتِ

اور فرق نہیں کتابیہ آزاد اور کتابیہ باندی میں جیسا کہ ہم بیان کریں گے اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور جائز نہیں نکاح میں لینا مجوسی عورتوں کو

لِقَوْلِهِ ﷺ { سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ }

کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: سلوک کرو ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سوائے نکاح کرنے کے ان کی عورتوں سے اور کھانے کے ان کے ذبائح کو۔

قَالَ وَلَا الْوَثَنِيَّاتِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ }

فرمایا: اور نہ بت پرست عورتوں کو؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں"

{۴} وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الصَّابِئَاتِ إنْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِدِينِ نَبِيٍّ وَيُقِرُّونَ بِكِتَابٍ لِأَنَّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

اور جائز ہے نکاح میں لینا صابیات کو اگر وہ ایمان رکھتے ہوں کسی نبی کے دین پر اور مانتے ہوں کتاب کو؛ کیونکہ یہ لوگ اہل کتاب میں سے ہیں،

وَإِنْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ تَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ لِأَنَّهُمْ مُشْرِكُونَ

اور اگر وہ عبادت کرتے ہوں ستاروں کی اور ان کے لیے کتاب نہ ہو، تو جائز نہیں ان کے ساتھ نکاح کرنا؛ کیونکہ وہ مشرک ہیں،

وَالْخِلَافُ الْمَنْقُولُ فِيهِ مَحْمُولٌ عَلَى اشْتِبَاهِ مَذْهَبِهِمْ ، فَكُلٌّ أَجَابَ عَلَى

اور جو اختلاف منقول ہے اس بارے میں وہ محمول ہے ان کے مذہب کے مشتبہ ہونے پر، پس ہر ایک نے جواب دیا اسی کے مطابق جو

وَقَعَ عِنْدَهُ ، وَعَلَى هَذَا حِلُّ ذَبِيحَتِهِمْ .

واقع ہوا ہے ان کے نزدیک اور اسی اختلاف پر ہے حلال ہونا ان کے ذبیحہ کا۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حالتِ عدت میں اپنی باندی اور اپنی مالکہ کے ساتھ نکاح کا عدم جواز اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۲ میں اہل کتاب کے ساتھ جوازِ نکاح اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۳ میں مجوسیہ اور بت پرست عورت کے ساتھ نکاح کا عدم جواز اور دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۴ میں صابیہ عورت کے ساتھ جوازِ نکاح اور صابی کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور وجہِ اختلاف ذکر کی ہے۔

تشریح: {۱} مولیٰ کا اپنی باندی کے ساتھ نکاح کرنا اور غلام کا اپنی مالکہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ نکاح ایسے منافع اور ثمرات کے لیے مشروع کیا گیا ہے جو میاں بیوی کے درمیان مشترک ہوتے ہیں، مثلاً مرد کو وطی اور دواعی وطی کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور عورت کو نفقہ اور سکنیٰ وغیرہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے، تو اگر غلام اپنی مالکہ سے نکاح کرے تو غلام ان حقوق کا مالک ہو جاتا ہے حالانکہ غلام مملوک ہے اور مالکیت و مملوکیت میں منافات ہے، لہٰذا دونوں کے مشترک منافع کا حصول ممتنع ہو جائے گا اس

لیے یہ نکاح صحیح نہیں۔ اور اگر باندی اپنے مالک سے نکاح کرلے تو باندی مذکورہ حقوق کی مالک ہوجانے کی بنا پر، باندی مملوک ہے اور مالکیت و مملوکیت میں منافات ہے، اس لیے یہ نکاح صحیح نہیں۔

{2} مسلمان کیلئے کتابی عورت (کتابی وہ ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتا ہو) کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب﴾[1] (یعنی حلال کی گئیں ہیں تمہارے لئے اہل کتاب میں سے محصنہ عورتیں) محصنہ عورتوں سے مراد پاک دامن ہیں۔ مگر یاد رہے کہ پاک دامن ہونا ان سے جوازِ نکاح کے لیے شرط نہیں، بلکہ یہ قید پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنے کے افضل ہونے کی ترغیب کے لیے ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ کتابیہ آزاد عورت اور باندی میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ چند سطروں کے بعد ہم بیان کریں گے انشاء اللہ۔

آج کل کے نصاریٰ کا حکم:۔ آج کل کے اہل کتاب کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں مذہبی حیثیت سے محض دہری و سائنس پرست ہیں ان کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۲۱۳)

ف:۔ کیا سنی لڑکی کا نکاح غیر سنی یعنی شیعہ مرد کے ساتھ ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ جواب: جو شخص کفریہ عقیدہ رکھتا ہو، مثلاً قرآن کریم میں کمی بیشی کا قائل ہو، یا حضرت عائشہ پر تہمت لگاتا ہو، یا حضرت علی کو صفاتِ الوہیت سے متصف مانتا ہو، یا یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ حضرت جبریل علیہ السلام غلطی سے آنحضرت ﷺ پر وحی لے آئے تھے، یا کسی اور ضرورتِ دین کا منکر ہو، ایسا شخص تو مسلمان ہی نہیں۔ اور اس سے کسی سنی عورت کا نکاح درست نہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، تین چار افراد کے سوا باقی پوری جماعتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو (نعوذ باللہ) کافر و منافق اور مرتد سمجھتے ہیں اور اپنے ائمہ کو انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل و برتر سمجھتے ہیں اس لیے وہ مسلمان نہیں، اور ان سے مسلمانوں کا رشتہ ناطہ جائز نہیں، شیعہ عقائد و نظریات کے لیے میری کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم" دیکھ لی جائے (آپ کے مسائل اور ان کا حل: 5/ 6S)

{3} مسلمان کا مجوسیہ (آتش پرست) عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ مجوس اہل کتاب میں سے نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ"[2] (یعنی مجوسیوں کے ساتھ

---

[1] المائدة: ۵۔

[2] علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے، البتہ مصنف ابن عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: قلت: غريب بهذا اللفظ، وروى عبد الرزاق، وابن أبي شيبة في "مصنفيهما" عن قيس بن مسلم عن الحسن بن محمد بن علي أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب إلى مجوس هجر يعرض عليهم الإسلام

اہل کتاب کا سا برتاؤ کرو سوائے ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں اور ان کا ذبیحہ کھانے میں)، لہٰذا مجوسی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا جائز نہیں، اور مجوسیوں کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں، ان دو حکموں کے علاوہ ان کو امن دینا اور ان سے جزیہ لینا وغیرہ امور جائز ہیں۔

اور مسلمان مرد کا وثنیہ (بت پرست) عورت سے بھی نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ [1]) (یعنی نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں)۔ شمس پرست اور نجوم پرست وغیرہ تمام کفریہ اور مشرکانہ عقائد رکھنے والوں کا بھی یہی حکم ہے لمافی الشامیة: وَفِي الْفَتْحِ : وَيَدْخُلُ فِي عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ عَبَدَةُ الشَّمْسِ وَالنُّجُومِ وَالصُّوَرِ الَّتِي اسْتَحْسَنُوهَا وَالْمُعَطِّلَةُ وَالزَّنَادِقَةُ وَالْبَاطِنِيَّةُ وَالْإِبَاحِيَّةُ . وَفِي شَرْحِ الْوَجِيزِ وَكُلُّ مَذْهَبٍ يَكْفُرُ بِهِ مُعْتَقِدُهُ.(ردّالمحتار: ٣١٣/٢)

ف: جو روافض قطعیاتِ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں وہ کافر ہیں مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت اور حضرت عائشہؓ پر تہمت کا قائل ہونا، جو قرآن کریم کی نص قطعی کے خلاف ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے غلطی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں اور صحبت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے منکر ہوں تو اس قسم کے گمراہ فرقہ کے لوگوں سے رشتۂ مناکحت سے احتراز واجتناب لازم ہے اور ایسے لوگوں کا حکم مرتد کی طرح اور مرتد کے ساتھ نکاح جائز نہیں کمافی الهندية :ويجب اكفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات فی الدنيا.........واحكامهم احكام المرتدين (الفتاوى الهندية:٢٦٤/٢)(حقانيه:٣٤٣/٤)

{٣} صابیہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اگر وہ کسی دین پر ایمان رکھتی ہو اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتی ہو؛ کیونکہ صابی لوگ اہل کتاب ہیں اور اہل کتاب سے نکاح جائز ہے۔ اور اگر وہ ستاروں کو پوجتی ہو اور ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ ہو تو پھر ان سے نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ یہ لوگ مشرک ہیں اور مشرکوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ صابیہ عورت سے نکاح کے جواز وعدم جواز میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جواز اور صاحبین رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں۔

در حقیقت یہ اختلاف صابی کی تعریف وتفسیر میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صابی وہ ہے جو زبور کو مانتا ہے اور ستاروں کی صرف تعظیم کرتا ہے تو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صابی وہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتا ہے اور کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتا ہے تو چونکہ یہ اہل کتاب نہیں بلکہ بت پرستوں کی طرح ہے لہٰذا اس سے

فَمَنْ أَسْلَمَ قُبِلَ مِنْهُ، وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ ضُرِبَتْ عَلَيْهِ الْجِزْيَةُ، غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ، وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ، انْتَهَى. ذَكَرَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي "النِّكَاحِ"، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي "كِتَابِ أَهْلِ

نکاح جائز نہیں۔ پس ان کے بارے میں یہ اختلاف ان کے مذہب کے اشتباہ پر مبنی ہے، ہر ایک امام نے اسی کے مطابق جواب دیا ہے جو کچھ اس کے نزدیک حق معلوم ہوا ہے امام صاحبؒ کے نزدیک ان کا جو حال ثابت ہوا ہے انہوں نے اسی کے مطابق جواب دیا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ان کا جو حال ثابت ہوا ہے انہوں نے اسی کے مطابق جواب دیا ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ واقعی ستاروں کی صرف تعظیم کرتے ہیں تو بالاتفاق صابیہ عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اگر ثابت ہو جائے وہ ستاروں کی عبادت کرتے ہیں بالاتفاق صابیہ عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں کذافی مجمع الانہر: وَاخْتُلِفَ فِي تَفْسِيرِهَا فَمَنْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ مِنَ النَّصَارَى يَقْرَءُونَ بِكِتَابٍ وَيُعَظِّمُونَ الْكَوَاكِبَ كَتَعْظِيمِ الْمُسْلِمِينَ الْكَعْبَةَ فَلَا خِلَافَ فِي صِحَّةِ النِّكَاحِ وَمَنْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ يَعْبُدُونَهَا كَعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ فَلَاخِلَافَ فِي عَدَمِ صِحَّتِهِ(مجمع الانہر: ۱/۴۸۳)۔ یہی اختلاف ان کے ذبیحہ میں بھی ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک حلال نہیں۔

{۱}قَالَ وَيَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ أَنْ يَتَزَوَّجَا فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ، وَتَزْوِيجُ الْوَلِيِّ الْمُحْرِمِ

فرمایا: اور جائز ہے محرم اور محرمہ کے لیے کہ نکاح کر لیں حالت احرام میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے جائز نہیں اور نکاح کرانا محرم ولی کا

وَلِيَّتَهُ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ . لَهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ { لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكَحُ } " وَلَنَا مَا

اپنی ولیہ کا اسی اختلاف پر ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "نہ نکاح کرے محرم اور نہ نکاح کرائے" اور ہماری دلیل وہ روایت ہے

رُوِيَ " . { أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ بِمَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ } " وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْوَطْءِ.

جو مروی ہے "کہ نبی نے نکاح کیا حضرت میمونہؓ سے حالانکہ آپ محرم تھے" اور جو روایت انہوں نے نقل کی ہے وہ محمول ہے وطی پر

{۲} وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْأَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كِتَابِيَّةً وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ لِلْحُرِّ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأَمَةٍ كِتَابِيَّةٍ

اور جائز ہے نکاح میں لینا باندی کو خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو، اور فرمایا امام شافعیؒ نے جائز نہیں حر کے لیے کہ نکاح کرے کتابیہ باندی سے

لِأَنَّ جَوَازَ نِكَاحِ الْإِمَاءِ ضَرُورِيٌّ عِنْدَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْرِيضِ الْجُزْءِ عَلَى الرِّقِّ، وَقَدِ انْدَفَعَتِ الضَّرُورَةُ بِالْمُسْلِمَةِ

کیونکہ باندی کے نکاح کا جواز ضرورۃً ہے ان کے نزدیک؛ کیونکہ اس میں پیش کرنا ہے جزء کو رقیت پر، اور پوری ہوگئی ہے ضرورت مسلمان باندی سے

{۳}وَلِهَذَا جَعَلَ طَوْلَ الْحُرَّةِ مَانِعًا مِنْهُ.{۴}وَعِنْدَنَا الْجَوَازُ مُطْلَقٌ لِإِطْلَاقِ الْمُقْتَضِي،

اور اسی وجہ سے قرار دیا ہے قدرت علی الحرہ کو مانع باندی کے نکاح سے۔ اور ہمارے نزدیک جواز مطلق ہے مقتضی کے مطلق ہونے کی وجہ سے

{۵}وَفِيهِ امْتِنَاعٌ عَنْ تَحْصِيلِ الْجُزْءِ الْحُرِّ لَا إِرْقَاقُهُ وَلَهُ أَنْ لَا يُحَصِّلَ الْأَصْلَ فَيَكُونُ لَهُ أَنْ لَا يُحَصِّلَ الْوَصْفَ.

اور اس میں امتناع ہے حر جزء حاصل کرنے سے، نہ کہ جزء کو غلام بنانا، اور اس کے لیے تو جائز ہے کہ حاصل نہ کرے اصل کو، تو اس کو اجازت ہوگی کہ حاصل نہ کرے وصف کو۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حالتِ عدت میں حالتِ احرام میں نکاح کے جواز میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل، اور شوافعؒ کا جواب ذکر کیا ہے۔ پھر کتابیہ باندی سے نکاح کے جواز میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل اور شوافعؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} جو مرد اور عورت حالتِ احرام میں ہوں (خواہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا یا دونوں کا ہو) ان کا نکاح کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک محرمہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح کوئی شخص حالتِ احرام میں کسی کا ولی بن کر اس کا نکاح کرائے تو ہمارے نزدیک جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے؛ امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لاَیَنْکِحُ المُحْرِمُ ولاَیُنْکِحُ[۱]" (نہ نکاح کرے محرم اور نہ دوسرے کا نکاح کرائے)۔

ہماری دلیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے "قَالَ: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحرِمٌ" (نبی ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے حالت احرام میں نکاح کیا)۔ امام شافعیؒ کو جواب دیا گیا ہے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث شریف میں نکاح سے مراد وطی ہے کہ محرم حالت احرام میں وطی نہ کرے اور محرمہ عورت وطی کرنے نہ دے، یہ اس لیے کہ نکاح کا حقیقی معنی وطی ہے اور مجازی معنی عقدِ نکاح ہے۔ اور یا حدیث شریف نہی تنزیہی پر محمول ہے یعنی محرم کے لئے نکاح کرنا یا کرانا مناسب نہیں۔

{۲} غیر کی باندی سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ باندی کے ساتھ نکاح کرنا ضرورۃً جائز قرار دیا گیا ہے؛ اس لیے کہ باندی سے نکاح کرنے سے اپنے جزء (بچے) کو رِق پر پیش کرنا ہے کیونکہ غیر کی باندی سے نکاح کر کے جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس غیر کا غلام ہوگا، لہٰذا باندی سے نکاح کرنا ضرورۃً جائز ہے اور جو چیز ضرورۃً ثابت ہو وہ بقدرِ ضرورت ثابت ہوتی ہے اور ضرورت ایک مسلمان باندی سے نکاح کر کے پوری ہو جاتی ہے لہٰذا کتابیہ سے نکاح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

{۳} یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے آزاد عورت سے نکاح کی قدرت کو باندی سے نکاح کرنے کے لیے مانع قرار دیا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ[۲]) (اور جو شخص تم میں پوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنی

آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے) جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر کسی کو آزاد عورت سے نکاح کی قدرت حاصل ہے تو اس کے لیے مسلمان باندی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

{4} ہماری دلیل یہ ہے کہ باندیوں سے نکاح کا جواز مطلق ہے؛ کیونکہ نکاح کا مقتضی یعنی باری تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ[1]﴾ (یعنی نکاح کرو ان سے جو عورتیں تم کو بھلی لگیں دو دو سے تین تین سے چار چار سے) اور ﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ[2]﴾ میں مطلق نساء سے نکاح کرنے کو عام رکھا گیا ہے خواہ آزاد عورت ہو یا باندی، مسلمان ہو یا کتابیہ۔

{5} رہا امام شافعیؒ کا استدلال کہ باندی سے نکاح کرنے میں اپنے جزء کو غلام بنانے پر پیش کرنا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ باندی سے نکاح میں آزاد جزء حاصل کرنے سے رُکنا پایا جاتا ہے نہ کہ اپنے جزء کو رقیق بنانا، دونوں میں فرق یہ ہے کہ رُکنا جزء کے وجود سے پہلے ہوتا ہے اور رقیق بنانا وجودِ جزء کے بعد ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہاں رُکنا پایا جاتا ہے نہ کہ جزء کو رقیق بنانا، حالانکہ شریعت نے تو اجازت دی ہے کہ اصل جزء ہی حاصل نہ کرے مثلاً عورت کی رضامندی سے عزل کر دے یا بانجھ عورت سے نکاح کر دے، تو وصفِ حریت حاصل نہ کرنے کی تو بطریقِ اولیٰ اجازت ہوگی۔

{1} وَلَا يَتَزَوَّجُ أَمَةً عَلَى حُرَّةٍ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ { لَا تُنْكَحُ الْأَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ} "وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ

اور نکاح نہ کرے باندی سے حرہ پر؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: نکاح نہ کیا جائے باندی سے حرہ پر، اور یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے

حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَجْوِيزِهِ ذَلِكَ لِلْعَبْدِ ، وَعَلَى مَالِكٍ فِي تَجْوِيزِهِ ذَلِكَ بِرِضَا الْحُرَّةِ ،

حجت ہے امام شافعی رحمہ اللہ پر ان کا جائز قرار دینے میں اس کو غلام کے لیے، اور امام مالکؒ پر ان کا جائز قرار دینے میں اس کو حرہ کی رضا سے۔

{2} وَلِأَنَّ لِلرِّقِّ أَثَرًا فِي تَنْصِيفِ النِّعْمَةِ عَلَى مَا نُقَرِّرُهُ فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ إنْ شَاءَ اللَّهُ فَيَثْبُتُ

اور اس لیے کہ رقیت کا اثر ہے تنصیفِ نعمت میں جیسا کہ ہم اس کو ثابت کریں گے کتاب الطلاق میں ان شاء اللہ، پس ثابت ہو جائے گا

بِهِ حِلُّ الْمَحَلِّيَّةِ فِي حَالَةِ الِانْفِرَادِ دُونَ حَالَةِ الِانْضِمَامِ {3} وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا لِقَوْلِهِ ﷺ

اس کی وجہ سے محل کا حلال ہونا حالتِ انفراد میں نہ کہ حالتِ انضمام میں۔ اور جائز ہے حرہ سے نکاح کرنا باندی پر؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{وَتُنْكَحُ الْحُرَّةُ عَلَى الْأَمَةِ } " وَلِأَنَّهَا مِنَ الْمُحَلَّلَاتِ فِي جَمِيعِ الْحَالَاتِ إذْ لَا مُنَصِّفَ فِي حَقِّهَا.

([1]) النساء:3۔

([2]) النساء:24۔

"اور نکاح کیا جائے حرہ سے باندی پر" اور اس لیے کہ حرہ محللات میں سے ہے تمام حالات میں؛ کیونکہ کوئی متنصف نہیں اس کے حق میں۔

{4} فَإِنْ تَزَوَّجَ أَمَةً عَلَى حُرَّةٍ فِي عِدَّةٍ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ أَوْ ثَلَاثٍ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَيَجُوزُ عِنْدَهُمَا

پس اگر نکاح کیا باندی سے حرہ پر عدت میں طلاق بائن کی یا تین طلاقوں کی، تو جائز نہیں امام صاحب ؒ کے نزدیک اور جائز ہے صاحبین کے نزدیک

لِأَنَّ هَذَا لَيْسَ بِتَزَوُّجٍ عَلَيْهَا وَهُوَ الْمُحَرَّمُ ، وَلِهَذَا لَوْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ عَلَيْهَا لَمْ يَحْنَثْ بِهَذَا.

؛ کیونکہ یہ نہیں ہے نکاح کرنا حرہ پر، اور وہی حرام ہے۔ اور اسی وجہ سے اگر قسم کھائی کہ نکاح نہیں کرے گا اس پر تو حانث نہ ہوگا اس سے۔

{5} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ نِكَاحَ الْحُرَّةِ بَاقٍ مِنْ وَجْهٍ لِبَقَاءِ بَعْضِ الْأَحْكَامِ فَيَبْقَى الْمَنْعُ احْتِيَاطًا،

اور امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرہ کا نکاح باقی ہے من وجہ، بوجہ باقی ہونے بعض احکام کے، پس باقی رہے گا منع احتیاطاً، برخلاف قسم کے

بِخِلَافِ الْيَمِينِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ أَنْ لَا يُدْخِلَ غَيْرَهَا فِي قَسْمِهَا .

کیونکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ داخل نہ کرے گا اس کے علاوہ کو اس کی باری میں۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حالتِ عدت میں آزاد عورت پر باندی کے ساتھ نکاح کرنے کا عدمِ جواز اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور غلام کے لیے مذکورہ صورت کے جواز میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، فریقین کے دلائل اور شوافعؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ پھر نمبر 3 میں باندی پر آزاد عورت سے نکاح کرنے کا جواز اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر 4 و 5 میں آزاد معتدہ کی عدت میں باندی کے ساتھ نکاح کرنے کے جواز میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر پہلے سے کسی کے نکاح میں آزاد عورت موجود ہو تو اس کے نکاح پر باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَا تُنْكَحُ الْأَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ"[1] (یعنی آزاد عورت کی موجودگی میں باندی کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے)۔ امام شافعیؒ کے نزدیک غلام کے لئے مذکورہ بالا صورت جائز ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھنا باندی سے نکاح کرنے کے لیے مانع ہے، ظاہر ہے کہ غلام کو یہ قدرت حاصل نہیں اس لیے اس کے لیے یہ صورت جائز ہے، مگر مذکورہ بالا روایت ان پر حجت ہے؛ کیونکہ اس میں آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں آزاد عورت کی رضامندی سے باندی سے نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ آزاد عورت خود اپنے حق کے اسقاط پر راضی ہے، مگر مذکورہ بالا حدیث امام مالکؒ پر بھی حجت ہے؛ کیونکہ اس میں عورت کی رضامندی اور عدمِ رضامندی میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔

([1]) نحوه في سنن الكبرى للبيهقي، جلد:7، ص:285، رقم:14004، باب لاتنكح الامة على حرة وتنكح الحرة على امة، طبع دار الكتب العلمية.

﴿۲﴾ احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ رقیت کو نعمتوں کی تنصیف میں دخل ہے جیسا کہ باب الطلاق میں ہم اس کو ثابت کریں گے انشاء اللہ، مطلب یہ کہ آزاد کو جو نعمت حاصل ہو غلام کو اس کا نصف حاصل ہوگا، پس یہاں آزاد عورت کو یہ نعمت حاصل ہے کہ اس سے حالتِ انفراد میں بھی نکاح جائز ہے اور حالتِ انضمام یعنی اس سے پہلے نکاح میں موجود باندی پر بھی اس سے نکاح کرنا جائز ہے ، جبکہ باندی کو نعمتِ نکاح کا محل ہو کر حلال ہونے کی فقط پہلی صورت حاصل ہے دوسری صورت یعنی جب پہلے سے آزاد عورت نکاح میں موجود ہو تو اس صورت میں باندی کو نعمتِ نکاح کا حق حاصل نہ ہوگا۔

﴿۳﴾ البتہ جس مرد کے نکاح میں پہلے سے باندی موجود ہو تو اس کا باندی پر آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "وَتُنْكَحُ الْحُرَّةُ عَلَى الْأَمَةِ" (یعنی حرہ کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے باندی کے ہوتے ہوئے)۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ آزاد عورت تمام حالات میں محللات میں سے ہے خواہ حالتِ انفراد میں ہو یا حالتِ انضمام میں، اور اس میں کوئی ایسا وصف بھی نہیں پایا جارہا ہے جو محلیت (عورت) کے حلال ہونے والی نعمت کی تنصیف کردے، لہٰذا ہر حال میں اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

﴿۴﴾ اگر کسی نے اپنی آزاد عورت کو طلاقِ بائن دے دی اور وہ عدت گذار رہی ہو تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں جب تک کہ آزاد عورت کی عدت نہ گذر جائے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد عورت طلاق بائن سے عدت گذار رہی ہو تو پھر دورانِ عدت باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ آزاد عورت قیدِ نکاح سے خارج ہو گئی اس لیے اس صورت میں آزاد عورت پر باندی سے نکاح کرنا نہیں پایا جارہا ہے، اور حرام یہی ہے کہ آزاد عورت نکاح میں موجود ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ "واللہ میں آزاد عورت پر باندی سے نکاح نہیں کروں گا" پھر آزاد کو طلاقِ بائن دے کر وہ عدت گذار رہی تھی کہ اس نے باندی سے نکاح کر دیا، تو یہ شخص حانث نہ ہوگا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرہ پر باندی سے نکاح کرنا نہیں ہے، اس لیے یہ صورت جائز ہے۔

﴿۵﴾ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ دورانِ عدت آزاد عورت کا نکاح من وجہ باقی ہے؛ کیونکہ نکاح کے بعض احکام یعنی نفقہ اور سکنیٰ وغیرہ باقی ہیں لہٰذا احتیاطاً کہا جائے گا کہ اس صورت میں "لَاتُنْكَحُ الْأَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ" والی ممانعت برقرار ہے۔ اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حالف کی قسم کہ " واللہ میں آزاد عورت پر باندی سے نکاح نہیں کروں گا" سے مقصود یہ ہے کہ میں آزاد عورت کی باری میں کسی دوسری عورت کو شریک نہیں کروں گا، ظاہر ہے کہ طلاقِ بائن دینے کے بعد اس کی باری کا حق ختم ہو جاتا ہے، پس دوسری عورت سے نکاح کرنے سے اس کی باری میں شریک کرنا نہیں پایا جارہا ہے اس لیے حانث نہ ہوگا

([1]) نحوہ فی سنن الدارقطنی: ۳۹/۴، رقم: ۱۱۲.

فتویٰ:۔احتیاطاً امام ابوحنیفہؒ کے قول میں ہے لمافی مجمع الانہر:(أَوْ فِي عِدَّتِهَا) يَعْنِي أَنَّ مَنْ أَبَانَ زَوْجَتَهُ الْحُرَّةَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ فِي عِدَّتِهَا أَمَةً عِنْدَ الْإِمَامِ ؛ لِأَنَّ النِّكَاحَ بَاقٍ فِي الْعِدَّةِ مِنْ وَجْهٍ فَالِاحْتِيَاطُ الْمَنْعُ كَمَا لَمْ يَجُزْ نِكَاحُ أُخْتِهَا فِي عِدَّتِهَا (مجمع الانہر:۱/۴۸۷)

{۱} وَلِلْحُرِّ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَرْبَعًا مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْإِمَاءِ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ

اور حر کے لیے جائز ہے کہ نکاح کرلے چار عورتوں سے آزاد اور باندیوں میں سے ،اور جائز نہیں اس کے لیے کہ نکاح کرلے ان سے زائد سے

لِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ } وَالتَّنْصِيصُ عَلَى الْعَدَدِ

کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "پس نکاح کرو ان سے جو بھلی لگیں تم کو عورتوں میں سے دودو، تین تین، چار چار" اور عدد کی تصریح

يَمْنَعُ الزِّيَادَةَ عَلَيْهِ .{۲}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَتَزَوَّجُ إلَّا أَمَةً وَاحِدَةً لِأَنَّهُ ضَرُورِيٌّ عِنْدَهُ

منع کرتی ہے اس پر زیادتی کو۔اور فرمایا امام شافعی ؒ نے نکاح نہ کرے مگر ایک باندی سے؛کیونکہ یہ ضرورۃً ثابت ہے ان کے نزدیک،

وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا تَلَوْنَا إذِ الْأَمَةُ الْمَنْكُوحَةُ يَنْتَظِمُهَا اسْمُ النِّسَاءِ كَمَا فِي الظِّهَارِ. {۳} وَلَا يَجُوزُ لِلْعَبْدِ

اور حجت ان پر وہ آیت ہے جو ہم نے تلاوت کی، کیونکہ منکوحہ باندی کو شامل ہے لفظِ نساء جیسا کہ ظہار میں ہے۔اور جائز نہیں غلام کے لیے

أَنْ يَتَزَوَّجَ أَكْثَرَ مِنَ اثْنَتَيْنِ وَقَالَ مَالِكٌ : يَجُوزُ لِأَنَّهُ فِي حَقِّ النِّكَاحِ بِمَنْزِلَةِ الْحُرِّ عِنْدَهُ حَتَّى

کہ نکاح کرے دو سے زیادہ سے ،اور فرمایا امام مالک ؒ نے جائز ہے؛ کیونکہ غلام حقِ نکاح میں بمنزلہ حر ہے ان کے نزدیک، حتیٰ کہ

مَلَكَهُ بِغَيْرِ إذْنِ الْمَوْلَى . {۴}وَلَنَا أَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ فَيَتَزَوَّجُ الْعَبْدُ اثْنَتَيْنِ وَالْحُرُّ أَرْبَعًا

وہ نکاح کا مالک ہو گا اجازتِ مولیٰ کے بغیر۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رقیت منصِّف ہے،پس نکاح کرے غلام دو سے اور آزاد چار سے

إظْهَارًا لِشَرَفِ الْحُرِّيَّةِ .{۵}قَالَ فَإِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ إحْدَى الْأَرْبَعِ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ

ظاہر کرتے ہوئے شرفِ حریت کو۔فرمایا:پس اگر طلاق دی آزاد نے چار میں سے ایک کو طلاقِ بائن تو جائز نہیں اس کے لیے کہ نکاح کرے

رَابِعَةً حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ نَظِيرُ نِكَاحِ الْأُخْتِ فِي عِدَّةِ الْأُخْتِ.

چوتھی سے یہاں تک کہ گذر جائے اس کی عدت،اور اس میں اختلاف ہے امام شافعیؒ کا اور یہ نظیر ہے بہن کے ساتھ نکاح کی بہن کی عدت میں

خلاصہ:۔مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں احنافؒ کے نزدیک آزاد مرد کے لیے چار عورتوں سے جوازِ نکاح ذکر کیا ہے خواہ وہ آزاد ہوں یا باندیاں،اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، پھر نمبر ۲ میں شوافعؒ کے نزدیک ایک سے زیادہ باندیوں سے نکاح کا عدمِ جواز اور اس کی دلیل ،اور ان کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ پھر نمبر ۳و۴ میں غلام کے لیے دو سے زیادہ نکاح کے جواز میں احنافؒ اور امام مالکؒ

کا اختلاف، ان کی دلیل، پھر ہماری دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ٥ میں یہ ذکر کیا ہے کہ آزاد مرد کی چار بیویوں میں سے اگر ایک عدت میں ہو تو ایک اور عورت سے نکاح کے جواز میں احناف اور شوافعؒ کا اختلاف، اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔

تشریح:۔ {۱} احناف کے نزدیک آزاد مرد بیک وقت چار عورتوں کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے خواہ چاروں آزاد ہوں یا چاروں باندیاں ہوں یا بعض آزاد اور بعض باندیاں ہوں، چار سے زائد عورتوں سے نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد (فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ[1]) (یعنی نکاح کرو ان سے جو عورتیں تم کو بھلی لگیں دو دو سے تین تین سے چار چار سے)یہ آیت بیانِ عدد میں صریح ہے اور عدد کی صراحت اس پر زیادتی کے لئے مانع ہے، لہٰذا چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہ ہو گا، اور آیتِ مبارکہ میں واؤ بمعنی أو ہے مطلب یہ ہے کہ ان تین اعداد میں سے چاہو تو دو کو اختیار کر لو یا تین کو یا چار لو، سب درست ہیں۔

{۲} امام شافعیؒ کے نزدیک باندی سے اگر نکاح کرنا چاہے تو صرف ایک باندی سے نکاح کر سکتا ہے ایک سے زائد سے نہیں؛ کیونکہ باندی سے نکاح ضرورۃً ثابت ہے، لہٰذا بقدرِ ضرورت نکاح جائز ہو گا اور ضرورت ایک باندی سے پوری ہو جاتی ہے اس لیے ایک سے زائد باندیوں سے نکاح جائز نہ ہو گا۔ مگر مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ ان پر حجت ہے؛ کیونکہ آیتِ مبارکہ میں لفظِ "النساء" مذکور ہے یہ لفظ جس طرح کہ آزاد عورت کو شامل ہے اسی طرح منکوحہ باندی کو بھی شامل ہے جیسا کہ کفارۂ ظہار کے موقع پر فرمایا (اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ[2]) (تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں) جس میں لفظِ "نساء" آزاد عورت اور باندی دونوں کو شامل ہے چنانچہ آزاد عورت سے ظہار کرنے کی صورت میں بھی کفارہ واجب ہو گا اور منکوحہ باندی سے ظہار کرنے کی صورت میں بھی کفارہ واجب ہو گا۔

{۳} امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کے لئے دو عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے زیادہ سے جائز نہیں۔ جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک غلام کے لئے بھی چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک نکاح کے حق میں غلام بمنزلۂ آزاد کے ہے اس لیے کہ نکاح آدمیت کے خواص میں سے ہے اور آدمیت میں غلام اور آزاد سب برابر ہیں، یہی وجہ ہے کہ غلام کو مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کا اختیار ہے۔

---

(۱) النساء:٣۔

(۲) المجادلۃ:٢۔

{4} ہماری دلیل یہ ہے کہ رقیت بالاتفاق نعتوں میں تنصیف کر دیتی ہے اور عورتوں کے ساتھ نکاح بھی اللہ تعالیٰ
طرف سے ایک نعمت ہے لہٰذا رقیت اس نعمت میں بھی تنصیف کر دے گی پس جب آزاد مرد کے لئے حریت کی شرافت کو ظاہر کر
کے لیے چار عورتوں کی اجازت ہے تو غلام کے لئے دو جائز ہوں گی۔

{5} پھر اگر آزاد مرد نے اپنی چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق بائن دیدی تو جب تک کہ اس مطلقہ کی عدت نہ گذرے
مرد کے لیے ایک اور عورت سے نکاح کرنا جائز نہ ہو گا۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایک اور عورت
نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ طلاق بائن کی وجہ سے چوتھی عورت کا نکاح ختم ہو چکا اس لیے اس نکاح سے وہ پانچ عورتوں کو جمع کرنے والا
ہو گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مطلقہ کا نکاح عدت گذرنے سے پہلے بعض احکام کے اعتبار سے باقی ہے، لہٰذا ایک اور عورت سے نکا
کرنا پانچ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا شمار ہو گا اس لیے جائز نہیں۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں یہ مسئلہ نظیر ہے ایک عورت کی عدت میں
اس کی بہن سے نکاح کرنے کی، جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

{1} قَالَ فَإِنْ تَزَوَّجَ حُبْلَى مِنْ زِنًا جَازَ النِّكَاحُ وَلَا يَطَؤُهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَ
فرمایا: پس اگر نکاح کیا زنا سے حاملہ عورت سے تو جائز ہے نکاح، اور اس سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ وضع حمل کر لے، اور یہ امام صاحبؒ

وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: النِّكَاحُ فَاسِدٌ وَإِنْ كَانَ الْحَمْلُ ثَابِتَ النَّسَبِ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ بِالْإِجْمَا
اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور فرمایا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح فاسد ہے، اور اگر ہو حمل ثابت النسب تو نکاح باطل ہے بالاجماع

لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الِامْتِنَاعَ فِي الْأَصْلِ لِحُرْمَةِ الْحَمْلِ، وَهَذَا الْحَمْلُ مُحْتَرَمٌ لِأَنَّهُ لَا جِنَايَةَ مِنْهُ
امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ امتناع اصل میں حرمتِ حمل کی وجہ سے، اور یہ حمل محترم ہے؛ کیونکہ کوئی جنایت نہیں حمل کی طرف سے

وَلِهَذَا لَمْ يَجُزْ إِسْقَاطُهُ. {2} وَلَهُمَا أَنَّهَا مِنَ الْمُحَلَّلَاتِ بِالنَّصِّ وَحُرْمَةُ الْوَطْءِ
اور اسی لیے جائز نہیں اس کا اس کو ساقط کرنا۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ محللات میں سے ہے نص سے ثابت ہے، اور حرمتِ وطی اس لیے ہے

كَيْ لَا يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ، وَالِامْتِنَاعُ فِي ثَابِتِ النَّسَبِ لِحَقِّ صَاحِبِ الْمَاءِ وَلَا حُرْمَةَ لِلزَّانِي
تاکہ سیراب نہ کرے اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کو، اور امتناع ثابت النسب میں صاحبِ حق کی وجہ سے ہے اور کوئی احترام نہیں زانی کا۔

{3} فَإِنْ تَزَوَّجَ حَامِلًا مِنَ السَّبْيِ فَالنِّكَاحُ فَاسِدٌ لِأَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ {4} وَإِنْ زَوَّجَ أُمَّ وَلَدِهِ
پس اگر نکاح کیا دار الحرب سے گرفتار شدہ حاملہ سے تو نکاح فاسد ہے؛ کیونکہ یہ حمل ثابت النسب ہے۔ اور اگر نکاح کیا اپنی ام ولدہ کا

وَهِيَ حَامِلٌ مِنْهُ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ لِأَنَّهَا فِرَاشٌ لِمَوْلَاهَا حَتَّى يَثْبُتَ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ

حالانکہ وہ حاملہ ہے مولی سے تو نکاح باطل ہے؛ کیونکہ وہ فراش ہے اپنے مولی کی حتی کہ ثابت ہو جائے گا نسب اس کے بچے کا مولی سے

مِنْ غَيْرِ دِعْوَةٍ،فَلَوْ صَحَّ النِّكَاحُ لَحَصَلَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْفِرَاشَيْنِ، {5} إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ مُتَأَكِّدٍ حَتَّى يَنْتَفِيَ الْوَلَدُ بِالنَّفْيِ

بغیر دعوی نسب کے۔ پس اگر صحیح ہو گیا نکاح تو حاصل ہو گا جمع کرنا دو فراشوں کو، مگر وہ غیر قوی ہے حتی کہ منفی ہو جائے گا ولد نفی کرنے سے

مِنْ غَيْرِ لِعَانٍ فَلَا يُعْتَبَرُ مَا لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الْحَمْلُ .{6} قَالَ وَمَنْ وَطِئَ جَارِيَتَهُ

بغیر لعان کے، پس معتبر نہ ہو گا جب تک کہ متصل نہ ہو جائے اس کے ساتھ حمل۔ فرمایا: اور جس نے وطی کی اپنی باندی سے

ثُمَّ زَوَّجَهَا جَازَ النِّكَاحُ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِفِرَاشٍ لِمَوْلَاهَا فَإِنَّهَا لَوْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ

پھر نکاح کر دیا اس کا تو جائز ہے نکاح؛ کیونکہ وہ فراش نہیں ہے اپنے مولی کے لیے، اس لیئے کہ وہ اگر جن لے بچہ تو ثابت نہ ہو گا اس کا نسب

مِنْ غَيْرِ دِعْوَةٍ إِلَّا أَنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَسْتَبْرِئَهَا صِيَانَةً لِمَائِهِ ،{7} وَإِذَا جَازَ النِّكَاحُ فَلِلزَّوْجِ

بغیر دعوی نسب کے، مگر اس پر ہے کہ استبراء کرائے اس کا محفوظ کرتے ہوئے اپنے پانی کو۔ اور جب جائز ہے نکاح تو شوہر کے لیے جائز ہے

أَنْ يَطَأَهَا قَبْلَ الِاسْتِبْرَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا أُحِبُّ لَهُ

کہ وطی کرلے اس سے استبراء سے پہلے، امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ اور فرمایا امام محمدؒ نے میں پسند نہیں کرتا اس کے لیے

أَنْ يَطَأَهَا حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا لِأَنَّهُ احْتَمَلَ الشَّغْلَ بِمَاءِ الْمَوْلَى فَوَجَبَ التَّنَزُّهُ كَمَا فِي الشِّرَاءِ.

کہ وطی کرلے اس سے یہاں تک کہ استبراء کرالے؛ کیونکہ احتمال ہے شغل کا مولی کے پانی کے ساتھ پس واجب ہے پاکی جیسا کہ شراء میں

وَلَهُمَا أَنَّ الْحُكْمَ بِجَوَازِ النِّكَاحِ أَمَارَةُ الْفَرَاغِ فَلَا يُؤْمَرُ بِالِاسْتِبْرَاءِ لَا اسْتِحْبَابًا وَلَا وُجُوبًا . بِخِلَافِ

اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جوازِ نکاح کا حکم کرنا علامت ہے فراغِ رحم کی پس حکم نہیں کیا جائے گا استبراء کا نہ استحباباً اور نہ وجوباً، برخلاف

الشِّرَاءِ لِأَنَّهُ يَجُوزُ مَعَ الشَّغْلِ .{8} وَكَذَا إِذَا رَأَى امْرَأَةً تَزْنِي فَتَزَوَّجَهَا حَلَّ

شراء کے؛ کیونکہ وہ جائز ہے شغل کے ساتھ۔ اور اسی طرح جب دیکھے عورت کو کہ وہ زنا کر رہی ہے پھر اس نے نکاح کیا اس سے تو حلال ہے

لَهُ أَنْ يَطَأَهَا قَبْلَ أَنْ يَسْتَبْرِئَهَا عِنْدَهُمَا ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا أُحِبُّ لَهُ

اس کے لیے کہ وطی کرلے اس سے اس کا استبراء کرانے سے پہلے شیخینؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ نے میں پسند نہیں کرتا اس کے لیے

أَنْ يَطَأَهَا مَا لَمْ يَسْتَبْرِئْهَا وَالْمَعْنَى مَا ذَكَرْنَا .

کہ وطی کرے اس سے جب تک کہ استبراء نہ کرالے اور وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کرلی۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حاملہ من الزنا سے جوازِ نکاح میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف، اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ پھر نمبر ۳ میں حاملہ قیدی عورت سے نکاح کا فاسد اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، پھر نمبر ۴ میں حاملہ ام ولدہ کا نکاح کرانے کا بطلان اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۵ میں ایک سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۶ میں اپنی باندی سے وطی کے بعد اور استبراء سے پہلے اس کا نکاح کرانے کا جواز اور دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۷ میں استبراء سے پہلے شوہر کے لیے اس باندی سے وطی کرنے کے جواز میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف، اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ پھر نمبر ۸ میں زانیہ کے ساتھ نکاح کرنے اور اس سے وطی کرنے کے جواز میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا یہی اختلاف اور فریقین کے دلائل کی طرف اشارہ ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جو زنا سے حاملہ ہو تو طرفینؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے البتہ وضع حمل سے پہلے اس کے ساتھ وطی نہ کرے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاملہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا فاسد ہے۔ اور اگر حمل ثابت النسب ہو مثلاً حاملہ معتدۃ الغیر ہے تو اس صورت میں نکاح بالاتفاق باطل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل (یعنی حمل ثابت النسب) میں حمل کے احترام کی وجہ سے نکاح ممتنع اور ناجائز ہے، اور اس صورت (یعنی کہ حمل زنا سے ہو) میں بھی حمل محترم ہے کیونکہ حمل نے تو کوئی جنایت نہیں کی ہے جنایت تو زانی اور مزنیہ کی طرف سے ہے، یہی وجہ ہے کہ حمل ثابت النسب کی طرح حمل من الزنا کو بھی ساقط کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا حاملہ من الزانی سے بھی نکاح جائز نہیں۔

{۲} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے ارشاد ﴿أُحِلَّ لَكُم مَا وَرَاءَ ذَالِكُمْ﴾[1] سے اس کا حلال ہونا ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ حاملہ من الزنا کا ذکر محرمات میں نہیں کیا گیا ہے اور محرمات کے علاوہ کو مذکورہ آیتِ مبارکہ میں حلال قرار دیا ہے لہٰذا حاملہ من الزنا سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البتہ طرفینؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد وطی کرنا حرام ہے یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے؛ تاکہ غیر کی کھیتی کو سیراب کرنا لازم نہ آئے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مَن كَانَ يُؤمِنُ بِاللهِ وَاليَومِ الآخِرِ فَلَا يَسقِي مَاءَهُ زَرعَ غَيرِهِ"[2] (یعنی جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے) یعنی

([1]) النساء:۲۴۔

([2]) علامہ زیلعی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مضمون مسلم شریف "باب الرضاع" میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں موجود ہے: عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَىَّ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فَقُلْتُ لَهُ هَلْ لَكَ فِى أُخْتِى بِنْتِ أَبِى سُفْيَانَ فَقَالَ « أَفْعَلُ مَاذَا ». قُلْتُ تَنْكِحُهَا. قَالَ « أَوَتُحِبِّينَ ذَلِكِ ». قُلْتُ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِى فِى الْخَيْرِ أُخْتِى. قَالَ « فَإِنَّهَا لاَ تَحِلُّ لِى ». قُلْتُ فَإِنِّى أُخْبِرْتُ أَنَّكَ تَخْطُبُ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِى سَلَمَةَ. قَالَ « بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ ». قُلْتُ نَعَمْ. قَالَ « لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِى فِى حَجْرِى مَا حَلَّتْ لِى إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِى مِنَ الرَّضَاعَةِ أَرْضَعَتْنِى وَأَبَاهَا ثُوَيْبَةُ فَلاَ تَعْرِضْنَ عَلَىَّ بَنَاتِكُنَّ وَلاَ أَخَوَاتِكُنَّ ». (نصب الرایۃ:۲۱۵/۳)

کسی دوسرے کی حاملہ سے وطی نہ کرے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ولد ثابت النسب کی صورت میں فسادِ نکاح احترامِ حمل کی وجہ سے ہے بلکہ صاحبِ ماء کی وجہ سے ہے اور صاحبِ ماء یہاں زانی ہے جو قابلِ احترام نہیں۔

فتویٰ:۔ طرفینؒ کا قول راجح ہے لمافی الهندية:وقال ابوحنيفة ومحمد يجوز ان يتزوج امرأة حاملاً من الزنا ولا يطؤها حتى تضع وقال ابويوسف لايصحّ والفتوى على قولهما كذا في المحيط(هندية:۱/۲۸۰).

ف:۔ یہ یاد رہے کہ مذکورہ بالا اختلاف غیر زانی کے حق میں ہے، زانی کے حق میں نہیں، پس اگر زانی اپنی مزنیہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو بالاتفاق یہ نکاح صحیح ہے اور وطی بھی کر سکتا ہے لمافی البحرالرائق: أَمَّا تَزَوُّجُ الزَّانِي لَهَا فَجَائِزٌ اتِّفَاقًا وَتَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ عِنْدَ الْكُلِّ وَيَحِلُّ وَطْؤُهَا عِنْدَ الْكُلِّ كَمَا فِي النِّهَايَةِ (البحرالرائق:۳/۱۰۶)

{۳} اگر کسی نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو دارالحرب سے گرفتار کر کے لائی گئی ہو اور وہ حاملہ ہو تو یہ نکاح فاسد ہو گا؛ کیونکہ اس کے حربی شوہر سے اس کے بچے کا نسب ثابت ہے، اور ثابت النسب بچے کی ماں سے نکاح کرنا فاسد ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ بابِ نکاح میں فاسد اور باطل میں کوئی فرق نہیں، البتہ بیع میں دونوں میں فرق کیا گیا ہے۔

{۴} اگر کسی شخص کی ام ولد حاملہ ہو خود مولیٰ کے پانی سے، پھر مولیٰ نے اس ام ولد کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کر دیا تو یہ نکاح باطل ہو گا؛ کیونکہ یہ ام ولد اپنے مولیٰ کے لیے فراش (مولیٰ کے پانی کے لیے متعین ہونا) ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بچے کا نسب مولیٰ کے دعوی کے بغیر مولیٰ سے ثابت ہوتا ہے تو اگر دوسرے شخص سے اس کا نکاح صحیح ہو جائے تو جمع بین الفراشین لازم آئے گا کہ مولیٰ کے لیے ام ولد ہونے کی وجہ سے اور شوہر کے لیے نکاح کی وجہ سے فراش ثابت ہو گا، اور جمع بین الفراشین باطل ہے؛ کیونکہ اس سے نسب میں اختلاط اور اشتباہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے یہ نکاح باطل ہو گا۔

{۵} سوال یہ ہے کہ ام ولد اگر مولیٰ کا فراش ہے تو حاملہ نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کا نکاح صحیح نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ جمع بین الفراشین لازم آئے گا حالانکہ حاملہ نہ ہونے کی صورت میں نکاح صحیح ہے؟ جواب یہ ہے کہ ام ولد مولیٰ کے لیے فراش تو ہے مگر یہ فراش مؤکد نہیں ضعیف ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اس کے بچے کے نسب کی نفی کی تو بغیر لعان کے اس کا نسب منتفی ہو جائے گا، جبکہ آزاد عورت کے بچے کا نسب لعان کے بغیر منتفی نہیں ہوتا ہے، پس اس فرق کی وجہ سے ام ولد کا فراش ہونا معتبر نہ ہو گا مگر یہ کہ اس کے ساتھ حمل متصل ہو، اس لیے حاملہ نہ ہونے کی صورت میں اس کا نکاح صحیح ہو گا۔

{۶} اگر کسی نے اپنی باندی سے وطی کی پھر کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیا تو استبراءِ رحم سے پہلے اس کا نکاح جائز ہے؛ کیونکہ باندی مولیٰ کے لیے فراش معتبر نہیں یعنی فراشِ ضعیف ہے یہی وجہ ہے کہ اگر باندی بچہ جن لے تو جب تک کہ مولیٰ اس

کے بچے کے نسب کا دعوی نہ کرے اس بچے کا نسب مولیٰ سے ثابت نہ ہوگا پس صحتِ نکاح سے مانع فراشِ معتبر اور مؤکد کا ہونا تھا جب باندی کا مولیٰ کے لئے فراش ہونا ضعیف قرار پایا تو صحتِ نکاح کے لئے کوئی مانع نہیں۔
البتہ نکاح سے پہلے قول صحیح کے مطابق استبراء کرانا خود مولیٰ پر واجب ہے تاکہ خود مولیٰ کا پانی محفوظ ہوسکے کما فی الشامیة (قَوْلُهُ :بَلْ سَيِّدُهَا) أَيْ بَلْ يَسْتَبْرِئُهَا سَيِّدُهَا وُجُوبًا فِي الصَّحِيحِ ، وَإِلَيْهِ مَالَ السَّرَخْسِيُّ (ردّالمحتار: ۲/۳۱۷)
ف:۔ استبراء کا لغوی معنی ہے: پاکی طلب کرنا۔ اور اصطلاحی معنی ہے: جب باندی میں نئی ملکیت پیدا ہو تو ایک حیض کے ذریعہ رحم کی صفائی معلوم کرنا۔ یعنی جب کوئی شخص کسی باندی کا مالک ہو، خواہ جنگ میں گرفتار شدہ عورت حصہ میں آئے، یا باندی کو خریدے یا بخشش میں ملے: تو آقا پر واجب ہے کہ ایک حیض آنے تک، اور حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس سے صحبت نہ کرے (رحمۃ اللہ الواسعۃ: جلد ۵، صفحہ ۱۷۹)
﴿۷﴾ اور جب نکاح جائز ہوا، تو شیخین ؒ کے نزدیک شوہر کے لئے استبراء سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرنا درست ہے، جبکہ امام محمد ؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک استبراء سے پہلے جماع پسندیدہ نہیں یعنی استبراء واجب ہے؛ کیونکہ مولیٰ کے پانی کے ساتھ باندی کے رحم کا مشغول ہونے کا احتمال ہے اس لیے استبراء ضروری ہے جیسا کہ کوئی باندی خرید لے تو مشتری کے لیے استبراء سے پہلے وطی کرنا درست نہیں بلکہ استبراء واجب ہوگا۔
شیخین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کا جوازِ نکاح کا حکم کرنا رحم کے فارغ ہونے کی علامت ہے کیونکہ نکاح اسی وقت مشروع کیا گیا ہے کہ رحم فارغ ہو اور جب رحم کا فارغ ہونا ثابت ہوا تو استبراء کا نہ استحباباً حکم دیا جائے گا اور نہ وجوباً۔ امام محمد ؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ باندی خریدنا تو اس صورت میں بھی جائز ہے کہ اس کا رحم حمل کے ساتھ مشغول ہو، لہٰذا خریدنا رحم کے پاک ہونے کی علامت نہیں، جبکہ رحم کے مشغول ہونے کے ساتھ نکاح جائز نہیں، لہٰذا جوازِ نکاح رحم کے فارغ ہونے کی علامت ہے پس دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ سے ایک دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ امام محمد ؒ کا قول اقرب الی الاحتیاط ہے وَاخْتَارَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ قَوْلَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ أَحْوَطُ . (فتح القدیر: ۳/۱۴۹)
﴿۸﴾ اسی طرح اگر کسی نے عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا پھر اس سے نکاح کیا، تو شیخین ؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے اور اس شخص کے لئے استبراء سے پہلے اس عورت کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔ جبکہ امام محمد ؒ فرماتے ہیں مجھے یہ پسند نہیں یعنی استبراء واجب ہے۔ فریقین کے وہی دلائل ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے۔

{۱}قَالَ وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ بَاطِلٌ وَهُوَ أَنْ يَقُولَ لِامْرَأَةٍ أَتَمَتَّعُ بِكِ كَذَا مُدَّةً بِكَذَا مِنَ الْمَالِ{۲}وَقَالَ

فرمایا: اور نکاح متعہ باطل ہے اور وہ یہ ہے کہ کہہ دے عورت سے کہ میں نفع اٹھاؤں گا تجھ سے اتنی مدت اتنے مال کے عوض۔ اور فرمایا

مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : هُوَ جَائِزٌ لِأَنَّهُ كَانَ مُبَاحًا فَيَبْقَى إِلَى أَنْ يَظْهَرَ نَاسِخُهُ .{۳}قُلْنَا:ثَبَتَ

امام مالکؒ نے نکاح متعہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ مباح تھا تو اباحت پر باقی رہے گا یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے اس کا ناسخ۔ ہم کہتے ہیں کہ ثابت ہوا

النَّسْخُ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَابْنُ عَبَّاسٍ صَحَّ رُجُوعُهُ إِلَى قَوْلِهِمْ فَتَقَرَّرَ الْإِجْمَاعُ.{۴} وَالنِّكَاحُ الْمُؤَقَّتُ

نسخ اجماع صحابہ سے اور حضرت ابن عباس سے ثابت ہے ان کا رجوع کرنا صحابہ کے قول کی طرف پس ثابت ہوا اجماع، اور نکاح موقت

بَاطِلٌ مِثْلُ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ إِلَى عَشَرَةِ أَيَّامٍ.وَقَالَ زُفَرُرَحِمَهُ اللَّهُ:هُوَصَحِيحٌ لَازِمٌ

باطل ہے۔ جیسے نکاح کرلے عورت سے دو گواہوں کی گواہی سے دس دن تک۔ اور فرمایا امام زفر رحمۃ اللہ نے کہ نکاح موقت صحیح ہے لازم ہے

لِأَنَّ النِّكَاحَ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ {۵}وَلَنَاأَنَّهُ أَتَى بِمَعْنَى الْمُتْعَةِ وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَعَانِي،

؛ کیونکہ باطل نہیں ہوتا ہے شروطِ فاسدہ سے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ادا کیا متعہ کا معنی اور اعتبار عقود میں معانی کا ہے،

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا طَالَتْ مُدَّةُ التَّأْقِيتِ أَوْ قَصُرَتْ لِأَنَّ التَّأْقِيتَ هُوَ الْمُعَيِّنُ لِجِهَةِ الْمُتْعَةِ وَقَدْ وُجِدَ

اور فرق نہیں ہے کہ مدتِ توقیت طویل ہو یا کم ہو؛ کیونکہ توقیت ہی متعین کرنے والی ہے جہتِ متعہ کو اور وہ پائی گئی۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں نکاح متعہ کے جواز و عدمِ جواز میں ائمہ اختلاف، اور فریقین کے دلائل اور امام مالکؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ پھر نمبر ۴و۵ میں نکاحِ موقت کے بطلان میں ائمہ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔

تشریح:۔{۱} نکاح متعہ باتفاق الائمہ باطل ہے۔ نکاح متعہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے کہہ دے کہ "میں تجھ سے اتنی مدت اتنے مال کے عوض نفع اٹھاؤنگا" اور عورت اسے قبول کرلے۔ عقدِ متعہ میں نہ لفظِ نکاح کا ذکر ہوتا ہے اور نہ گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ نکاح متعہ کے بطلان پر امت کا اجماع ہے۔ متعہ شروع میں حلال تھا خیبر کے دن نبی ﷺ نے گھریلو گدھوں کے گوشت اور متعہ کو حرام کیا پھر فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لئے حلال کیا گیا اس کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا[1]۔

{۲} امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نکاح متعہ جائز ہے؛ کیونکہ نکاح متعہ شروع میں جائز تھا لہذا جب تک کہ جواز کو منسوخ کرنے والی کوئی دلیل نہ پائی جائے جواز باقی رہے گا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ شاید یہ امام مالکؒ سے کوئی روایت ہو، ورنہ ان کے مذہب کی کسی

([1])نصب الرایۃ:۳/۲۲۵۔

کتاب میں جوازِ متعہ مروی نہیں ہے بلکہ امام مالکؒ نے اپنی موطا میں حضرت علیؓ سے ممانعت والی روایت نقل کی ہے اور امام مالکؒ کی عادت یہ ہے کہ وہ اسی روایت کو نقل کرتے ہیں جس پر ان کا عمل ہوتا ہے۔

{3} ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ نکاح متعہ کا منسوخ ہونا صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہے، البتہ مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کو حلال سمجھتے تھے اہل یمن نے بھی اس میں آپؓ کی متابعت کی، آج کل امت میں سے صرف اہل تشیع اس کے قائل ہیں۔ جمہور امت متعہ کو حرام سمجھتی ہے؛ کیونکہ حضرت علیؓ اور اکثر صحابہ کرامؓ متعہ کے حلال ہونے سے انکار کرتے تھے حضرت سبرۃ الجہنیؓ کی حدیث ہے "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- نَهَى عَنِ الْمُتْعَةِ وَقَالَ « أَلاَ إِنَّهَا حَرَامٌ مِنْ يَوْمِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كَانَ أَعْطَى شَيْئًا فَلاَ يَأْخُذْهُ[1]" (سبرۃ الجہنیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ: خبردار! بے شک متعہ آج کے اس دن سے قیامت کے روز تک حرام ہے، اور جس نے متعہ کے عوض عورتوں کو کچھ دے دیا ہو وہ واپس نہ لے)۔ نیز مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بھی بعد میں اپنے فتوے سے رُک گئے تھے؛ کیونکہ حضرت علیؓ نے منع فرمایا، چنانچہ مروی ہے "عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُلَيِّنُ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَقَالَ مَهْلاً يَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- نَهَى عَنْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الإِنْسِيَّةِ.[2]" (حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا کہ وہ متعہ کے بارے میں نرمی اختیار کرتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا: اے ابن عباسؓ! اس فتوی سے رُک جاؤ؛ کیونکہ حضور ﷺ نے غزوۂ خیبر کے روز متعہ سے اور شہری گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا ہے) لہٰذا حرمتِ متعہ پر امت کا اجماع ثابت ہے۔

{4} اسی طرح نکاح موقت بھی باطل ہے۔ نکاح موقت کی صورت اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ باقاعدہ گواہوں کے سامنے نکاح کر دے مگر نکاح ابدی نہ ہو بلکہ محدود مدت کیلئے ہو مثلاً دس دن یا ایک مہینے کیلئے ہو۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح موقت صحیح ابدی اور لازم ہے؛ کیونکہ نکاح شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شرطِ فاسد باطل ہوجاتی ہے وجہ یہ ہے کہ شرطِ فاسد سے ربا لازم آتا ہے حالانکہ نکاح میں ربا کا وجود نہیں۔

فتویٰ:۔ امام زفرؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّالمحتار: ثُمَّ رَجَّحَ قَوْلَ زُفَرَ بِصِحَّةِ الْمُؤَقَّتِ عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ يَنْعَقِدُ مُؤَبَّدًا وَيَلْغُو التَّوْقِيتُ ؛ لِأَنَّ غَايَةَ الْأَمْرِ أَنَّ الْمُؤَقَّتَ مُتْعَةٌ وَهُوَ مَنْسُوخٌ ،لكِنِ الْمَنْسُوخُ مَعْنَاهَا الَّذِي كَانَتْ الشَّرِيعَةُ عَلَيْهِ وَهُوَ أَنْ يَنْتَهِيَ الْعَقْدُ فِيهِ بِانْتِهَاءِ الْمُدَّةِ ، فَإِلْغَاءُ شَرْطِ التَّوْقِيتِ أَثَرُ النَّسْخِ (ردّالمحتار:۳/۳۱۸)

---

(1) مسلم شریف ،جلد2،ص:521،رقم:3430،باب نکاح المتعۃ وبیان انہ ابیح ثم نسخ ثم ابیح ثم نسخ،طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
(2) مسلم شریف ،باب نکاح المتعۃ وبیان انہ ابیح ثم نسخ ثم ابیح ثم نسخ۔

{۵}ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح موقت میں بھی متعہ کا معنی پایا جاتا ہے؛ کیونکہ نکاح موقت کا مطلب بھی یہی ہے کہ کچھ دن نفع اٹھاؤں گا اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا متعہ کی طرح نکاح موقت بھی باطل ہے۔ پھر عام ہے کہ نکاح موقت میں طویل مدت کو ذکر کرے یا مختصر کو بہر دو صورت نکاح باطل ہوگا کیونکہ محدود وقت ذکر کرنا ہی جہتِ متعہ کو متعین کرنے والا ہے، اور وقت کی تحدید پائی جاتی ہے خواہ طویل مدت ذکر کرے یا مختصر۔

{۱} وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِي عُقْدَةٍ وَاحِدَةٍ وَإِحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ

اور جس نے نکاح کیا دو عورتوں سے ایک عقد میں اور ایک ان دونوں میں سے حلال نہیں ہے اس کے لیے اس کا نکاح، صحیح ہے نکاح

الَّتِي يَحِلُّ نِكَاحُهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْأُخْرَى لِأَنَّ الْمُبْطِلَ فِي إِحْدَاهُمَا ، بِخِلَافِ مَا إِذَا جَمَعَ

اس کا جس کا نکاح حلال ہے، اور باطل ہے دوسری کا نکاح؛ کیونکہ مبطل ان دونوں میں سے ایک میں ہے، بر خلاف اس کے جب کوئی جمع کرے

بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ فِي الْبَيْعِ لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ، وَقَبُولُ الْعَقْدِ فِي الْحُرِّ شَرْطٌ فِيهِ، {۲} ثُمَّ جَمِيعُ الْمُسَمَّى

حر اور غلام کو بیع میں؛ کیونکہ بیع باطل ہو جاتی ہے شروطِ فاسدہ سے اور عقد قبول کرنا حر میں شرط ہے اس عقد میں، پھر کل مسمّٰی

لِلَّتِي يَحِلُّ نِكَاحُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَعِنْدَهُمَا يُقْسَمُ عَلَى مَهْرِ مِثْلَيْهِمَا وَهِيَ

اس کے لیے ہے جس کا حلال ہے نکاح امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک تقسیم کیا جائے گا ان دونوں کے مہر مثل پر، اور یہ

مَسْأَلَةُ الْأَصْلِ . {۳} وَمَنْ ادَّعَتْ عَلَيْهِ امْرَأَةٌ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا وَأَقَامَتْ بَيِّنَةً فَجَعَلَهَا

مسئلہ مبسوط کا ہے۔ اور جس پر دعوی کیا عورت نے کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے اور قائم کر دئے اس پر گواہ، پس قرار دیا اس عورت کو

الْقَاضِي امْرَأَتَهُ وَلَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا وَسِعَهَا الْمُقَامُ مَعَهُ وَأَنْ

قاضی نے اس کی بیوی حالانکہ اس نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا تو گنجائش ہے اس عورت کے لیے قیام کی اس مرد کے ساتھ اور یہ کہ

تَدَعَهُ يُجَامِعُهَا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلًا ، {۴} وَفِي قَوْلِهِ الْآخِرِ

چھوڑ دے اس کو کہ وہ جماع کرے اس سے اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول اول ہے اور دوسرے قول میں

وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ لَا يَسَعُهُ أَنْ يَطَأَهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ الْقَاضِيَ أَخْطَأَ الْحُجَّةَ

اور وہی امام محمدؒ کا قول ہے کہ مرد کے لیے گنجائش نہیں کہ وطی کرے اس سے، اور یہی قول ہے امام شافعیؒ کا؛ کیونکہ قاضی نے غلطی کی حجت میں

إِذِ الشُّهُودُ كَذَبَةٌ فَصَارَ كَمَا إِذَا ظَهَرَ أَنَّهُمْ عَبِيدٌ أَوْ كُفَّارٌ {۵} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الشُّهُودَ صَدَقَةٌ

اس لیے کہ گواہ جھوٹے ہیں، پس ہو گیا جیسا کہ جب ظاہر ہو جائے کہ گواہ غلام ہیں یا کفار ہیں۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ گواہ سچے ہیں

عِنْدَهُ وَهُوَ الْحُجَّةُ لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ عَلَى حَقِيقَةِ الصِّدْقِ ، بِخِلَافِ الْكُفْرِ وَالرِّقِّ لِأَنَّ الْوُقُوفَ

قاضی کے نزدیک اور یہی حجت ہے بوجہ متعذر ہونے حقیقتِ صدق پر مطلع ہونے کے، برخلافِ کفر اور رقیت کے کیونکہ مطلع ہونا

عَلَيْهِمَا مُتَيَسِّرٌ ، {6} وَإِذَا ابْتَنَى الْقَضَاءُ عَلَى الْحُجَّةِ وَأَمْكَنَ تَنْفِيذُهُ بَاطِنًا بِتَقْدِيمِ النِّكَاحِ نُفِّذَ قَطْعًا

ان دونوں پر آسان ہے اور جب بناء ہو قضا حجت پر اور ممکن ہو اس کو نافذ کرنا باطناً مقدم مان کر نکاح کو تو نافذ مانا جائے گا قطع کرنے کے لیے

لِلْمُنَازَعَةِ ، {7} بِخِلَافِ الْأَمْلَاكِ الْمُرْسَلَةِ لِأَنَّ فِي الْأَسْبَابِ تَزَاحُمًا فَلَا إِمْكَانَ. واللهُ أعلم

جھگڑے کو، برخلاف املاکِ مرسلہ کے؛ کیونکہ اسباب میں مزاحمت ہے پس کوئی امکان نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ایک حلال اور ایک حرام عورت سے ایک عقد میں نکاح کرنے کی ایک صورت اور اس کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر 2 میں مذکورہ صورت میں مہر کے بارے میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ پھر نمبر 3 و 4 و 5 میں عورت کا کسی مرد پر زوجیت کا جھوٹا دعوی کرنے میں شیخین ؒ اور امام محمد ؒ کا اختلاف، اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں، اور نمبر 6 میں ایک سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر 7 میں املاکِ مرسلہ میں مذکورہ صورت پیش آنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی مرد نے عقدِ واحد میں دو عورتوں سے نکاح کیا، اور ان دونوں میں سے ایک اس کے لیے حلال ہے اور دوسری اس کے لئے حلال نہیں بوجہ اس کے کہ وہ اس کی محرمہ ہے یا مشرکہ ہے یا کسی دوسرے شوہر کی بیوی ہے تو جو حلال ہے اس کا نکاح درست ہے اور جو حرام ہے اس کا نکاح باطل ہے؛ کیونکہ بطلان بقدرِ مبطل ہوتا ہے یہاں وجہ بطلان صرف ایک میں ہے لہٰذا دوسری کا نکاح درست ہے۔ بیع کا حکم نکاح کے برخلاف ہے مثلاً ایک عقد میں آزاد اور غلام دونوں کو جمع کیا تو ان دونوں میں بیع باطل ہوگی؛ کیونکہ بیع شروطِ فاسدہ سے باطل ہو جاتی ہے اور یہاں شرطِ فاسد اس طرح پائی جاتی ہے کہ غلام میں بیع کو قبول کرنے کے لیے آزاد میں بیع کو قبول کرنے کو شرط قرار دیا ہے حالانکہ آزاد محل بیع نہیں اس لیے یہ شرط فاسد ہے اور شرطِ فاسد کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اور نکاح میں بے شک حلال عورت کے عقدِ نکاح کے لیے محرمہ کے عقدِ نکاح کو شرط قرار دیا ہے اور یہ شرطِ فاسد ہے مگر نکاح چونکہ شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ خود شرطِ فاسد باطل ہو جاتی ہے اس لیے حلال عورت کا نکاح صحیح اور محرمہ کا باطل ہوگا۔

{2} پھر امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک تمام مقرر شدہ مہر اس عورت کے لئے ہے جس کا نکاح صحیح ہے؛ کیونکہ محرمہ (جو عورت اس پر حرام ہے) محللہ (جو عورت اس کے لیے حلال ہے) کی مزاحم نہیں بن سکتی ہے لہٰذا کل مہر محللہ کے لئے ہوگا۔ اور صاحبین ؒ کے نزدیک مقرر شدہ مہر کو دونوں کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائیگا؛ کیونکہ مقرر شدہ مہر کو دونوں کے بضع کے مقابل

مقابل بنایا ہے لہذا دونوں پر تقسیم کیا جائیگا، پھر جس کا نکاح صحیح ہوا اس کا مہر لازم ہے اور جس کا نکاح صحیح نہیں اس کا مہر لازم نہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں یہ مسئلہ مبسوط میں مذکور ہے۔

فتویٰ:۔ فتوی امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے لمافی الهندية: والمسمّٰى كلهُ للمحللة قال فى المبسوط وهُو الاصح على قول ابى حنيفة كذا فى فتح القدير (هنديه:۱/۲۷۹)،وقال ابن نجيم المصرى: فترجح قولهُ على قولهما(البحرالرائق:۳/۱۰۷)

{۳}اگر کسی عورت نے کسی مرد پر جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ یہ میرا شوہر ہے شوہر نے اس کا انکار کیا جبکہ حقیقت میں بھی اس مرد نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا ہے پھر اس پر عورت نے جھوٹے گواہوں کی جھوٹی گواہی پیش کر دی قاضی نے اس ظاہری شہادت پر عورت کے حق میں فیصلہ دیدیا یعنی دونوں کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا مدعیٰ علیہ مرد کو اس کا شوہر قرار دیا، تو عورت کے لیے اس مرد کے ساتھ رہنے اور اس کو اس کے ساتھ جماع کرنے کے لیے چھوڑ دینے کی گنجائش ہے، یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے کہ یہ نکاح ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کا اول قول ہے۔

{۴}امام محمدؒ کے نزدیک ظاہراً نافذ ہے باطناً نافذ نہیں یعنی عورت کے لیے گنجائش اور جواز نہیں کہ مرد اس کے ساتھ وطی کر لے، امام ابو یوسفؒ کا بھی آخری قول یہی ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے؛ کیونکہ گواہ جھوٹے ہیں قاضی نے غیر حجت کو حجت قرار دے کر حجت میں غلطی کی ہے اور خطاء فی الحجۃ باطنی نفاذ کے لئے مانع ہے، پس یہ ایسا ہے جیسے نکاح پر گواہی دینے کے بعد ظاہر ہو جائے کہ گواہ غلام ہیں یا کافر ہیں تو یہ نکاح باطناً نافذ نہ ہوگا، یہی حکم مذکورہ صورت کا بھی ہے، لہذا ظاہری طور پر نافذ ہونے کی وجہ سے شوہر پر نفقہ وغیرہ واجب ہوں گے مگر باطنی طور پر نافذ نہ ہونے کی وجہ سے مرد اور عورت کے لیے وطی جائز نہ ہوگی۔

{۵}امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر حال کو دیکھ کر گواہ قاضی کے نزدیک صادق ہیں اور گواہوں کا صادق ہونا ہی حجت ہے؛ کیونکہ قاضی کے لیے حقیقتِ صدق پر مطلع ہونا متعذر ہے اس لیے کہ حقیقتِ صدق پر مطلع ہونا امر باطنی ہے لہذا حکم قاضی اسی پر مبنی ہوگا کہ گواہ اس کے نزدیک سچے ہوں۔ برخلاف اس کے کہ گواہ غلام یا کافر نکلے؛ کیونکہ کفار اور غلاموں کو ان کی مخصوص علامتوں سے پہچانا جا سکتا ہے پس دونوں صورتوں میں اس فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

{۶}مگر سوال یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ تو سابق میں ثابت شدہ چیز کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ غیر ثابت کو ثابت کرنے کے لیے، جبکہ یہاں تو نکاح کو قاضی کی قضاء سے ثابت کیا جا رہا ہے؟ صاحب ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ چونکہ قاضی کی قضاء حجت پر مبنی ہے اور قضاء کی تنفیذ باطناً اس طرح ممکن ہے کہ نکاح کو قضاء پر اقتضاءً مقدم مان لیں گے گویا قاضی نے کہا کہ "میں نے تیرا اس

مرد سے نکاح کر دیا پھر تم دونوں کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا" یوں قاضی کی قضاء ثابت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوگی نہ کہ غیر ثابت کو ثابت کرنے کے لیے، پس دونوں کے درمیان نکاح کو قطعِ منازعہ کے لیے نافذ مانا جائے گا۔

فتوی:۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے صاحبینؒ کے قول پر فتوی دیا ہے اور صاحبِ فتح القدیر نے امام صاحبؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کما فی البحرالرائق: وَذَكَرَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ أَعْنِي عَدَمَ النَّفَاذِ بَاطِنًا فِيمَا ذَكَرَ ، وَفِي فَتْحِ الْقَدِيرِ وَالنِّهَايَةِ : وَقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ أَوْجَهُ ،(البحرالرائق:۳/۱۰۹)

﴿۷﴾ اور اگر مذکورہ صورت املاکِ مرسلہ میں پیش آئی، مثلاً ایک شخص نے کسی باندی کے مالک ہونے کا دعوی کر کے سببِ مِلک نہیں بتایا اور مِلک پر جھوٹے گواہ پیش کئے، اور قاضی نے اس جھوٹی گواہی پر اس کے مالک ہونے کا فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہ ہوگا؛ اس لیے اس باندی سے اس کا وطی کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ سببِ مِلک مذکور نہیں، اور ایک چیز میں ملکیت کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں مثلاً خرید، ارث، ہبہ اور صدقہ وغیرہ، اور اسباب ایک دوسرے کے مزاحم اور مخالف ہیں تو قاضی کے فیصلے سے کسی ایک سبب کو متعین کرنے سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اس لیے قاضی کا فیصلہ باطناً نافذ ہونا ممکن نہیں۔

ف:۔ املاکِ مقیدہ وہ ہیں جن میں سببِ مِلک مذکور ہو مثلاً ایک شخص کہے کہ میں اس چیز کا مالک ہوں اس لیے کہ میں نے اسے خریدا ہے یا مجھے ہبہ میں ملا ہے، اور املاکِ مرسلہ وہ ہیں جن میں سببِ مِلک مذکور نہ ہو مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں اس چیز کا مالک ہوں، مگر یہ نہ بتائے کہ یہ چیز میری مِلک میں کس طرح آئی۔ پھر ظاہری نفاذ یہ ہے کہ حکمِ نکاح نافذ ہو یعنی عورت کے لئے نفقہ، قسم وغیرہ واجب ہوں، اور باطنی نفاذ یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اس عورت سے وطی کرنا فی مابینہ وبین اللہ جائز ہوگا۔

باب فی الاولیاء والاکفاء

یہ باب اولیاء اور اکفاء کے بیان میں ہے

"اولیاء" جمع ہے "ولی" کی، ولی لغت میں ضد ہے عدو کی، اور عرف میں عارف باللہ کو کہتے ہیں اور شریعت میں عاقل بالغ وارث کو کہتے ہیں۔ اور ولی ماخوذ ہے "ولایت" سے، ولایت "تَنْفِيْذُ الامرِ عَلَى الغَيْرِ شَاءَ اَوْ اَبىٰ" (یعنی غیر پر حکم نافذ کرنا خواہ وہ چاہے یا انکار کرے) کو کہتے ہیں، اور "اکفاء" جمع ہے "کفو" کی، بمعنی نظیر وہمسر۔

مصنفؒ محرمات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب اولیاء اور اکفاء کے احکام بیان فرماتے ہیں دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح کہ عورت کا محللہ ہونا جوازِ نکاح کے لئے شرط ہے اسی طرح بعض ائمہ کے نزدیک جوازِ نکاح کے لئے ولی اور کفو کا ہونا بھی شرط

ہے فرق اتنا ہے کہ عورت کا محلّہ ہونا جواز نکاح کے لئے بالاتفاق شرط ہے جبکہ ولی اور کفو کا جواز نکاح کے لئے شرط ہونا مختلف فیہ ہے اس لئے اسے مؤخر کر دیا۔

{1} وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْعَاقِلَةِ الْبَالِغَةِ بِرِضَاهَا وَإِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور منعقد ہوتا ہے نکاح حرہ، عاقلہ، بالغہ کا اس کی رضا سے، اگرچہ عقد نہ کیا ہو اس پر ولی نے، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ (فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ (لِأَنَّهُ لَا يَنْعَقِدُ إِلَّا بِوَلِيٍّ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ

اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک ظاہر روایت میں، اور امام ابو یوسف ؒ سے مروی ہے کہ منعقد نہیں ہوتا ہے بغیر ولی کے، اور امام محمد ؒ کے نزدیک

يَنْعَقِدُ مَوْقُوفًا وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رحمہما اللہ لَا يَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِعِبَارَةِ النِّسَاءِ أَصْلًا {2} لِأَنَّ النِّكَاحَ يُرَادُ

منعقد ہوگا موقوف ہو کر، اور فرمایا امام مالک ؒ اور امام شافعی ؒ نے منعقد نہیں ہوتا ہے نکاح عورتوں کی عبارت سے بالکل؛ کیونکہ نکاح سے مقصود

لِمَقَاصِدِهِ وَالتَّفْوِيضُ إِلَيْهِنَّ مُخِلٌّ بِهَا، إِلَّا أَنَّ مُحَمَّدًا يَقُولُ: يَرْتَفِعُ الْخَلَلُ بِإِجَازَةِ الْوَلِيِّ. {3} وَوَجْهُ الْجَوَازِ

اس کے مقاصد ہیں، اور سپرد کرنا ان کو مخل ہے مقاصد میں، مگر امام محمد ؒ فرماتے ہیں رفع ہوتا ہے خلل اجازت ولی سے، اور وجہ جواز یہ ہے

أَنَّهَا تَصَرَّفَتْ فِي خَالِصِ حَقِّهَا وَهِيَ مِنْ أَهْلِهِ لِكَوْنِهَا عَاقِلَةً مُمَيِّزَةً وَلِهَذَا كَانَ لَهَا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ

کہ اس نے تصرف کیا اپنے خالص حق میں اور وہ تصرف کا اہل ہے کیونکہ وہ عاقلہ ممیزہ ہے اور اسی لیے اس کو اختیار ہے تصرف کا مال میں،

وَلَهَا اخْتِيَارُ الْأَزْوَاجِ ، وَإِنَّمَا يُطَالَبُ الْوَلِيُّ بِالتَّزْوِيجِ كَيْ لَا تُنْسَبَ إِلَى الْوَقَاحَةِ،

اور اس کو اختیار ہے شوہر پسند کرنے کا، اور بہر حال مطالبہ کیا جاتا ہے ولی سے نکاح کر دینے کا تاکہ منسوب نہ کی جائے بے حیائی کی طرف،

{4} ثُمَّ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْكُفْءِ وَغَيْرِ الْكُفْءِ وَلَكِنْ لِلْوَلِيِّ الِاعْتِرَاضُ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ.

پھر ظاہر الروایۃ میں کوئی فرق نہیں کفو اور غیر کفو میں، لیکن ولی کو حق ہے اعتراض کا غیر کفو میں،

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رحمہما اللہ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ لِأَنَّ كَمْ مِنْ وَاقِعٍ لَا يُرْفَعُ.

اور امام ابو حنیفہ ؒ اور امام ابو یوسف ؒ سے مروی ہے کہ جائز نہیں غیر کفو میں؛ کیونکہ بہت سے واقعات مرافعہ نہیں ہوتے،

وَيُرْوَى رُجُوعُ مُحَمَّدٍ إِلَى قَوْلِهِمَا

اور مروی ہے رجوع امام محمد ؒ کا شیخین ؒ کے قول کی طرف۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں آزاد عاقلہ، بالغہ عورت کا اپنا نکاح خود کرنے کے جواز میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے، اور نمبر 2 میں امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ اور امام محمد ؒ کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر 3 میں شیخین ؒ کی دلیل اور ایک سوال کا جواب

ذکر کیا ہے۔ پھر نمبر ۴ میں شیخین ؒ سے کفو اور غیر کفو میں نکاح کرنے کے بارے میں ظاہر الروایت اور نوادر کی روایت اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کی ظاہر روایت کے مطابق آزاد، عاقلہ اور بالغہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے ولی کے انعقاد و اجازت کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے خواہ عقد عورت خود کرلے یا وکیل سے کرائے خواہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ولی کی عبارت اور عقد کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے خواہ ولی مرد ہو یا عورت ہو۔ امام محمدؒ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے مگر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح کرنا جائز نہیں، ان کے نزدیک عورتوں کی عبارت سے نکاح مطلقاً منعقد نہیں ہوتا ہے۔

{۲} امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سے مقصود مقاصدِ نکاح ہوتے ہیں پس انعقادِ نکاح عورتوں کے سپرد کرنے سے مقاصدِ نکاح میں خلل آتا ہے؛ کیونکہ وہ ناقصات العقل اور سیئات الاختیار ہیں اس لیے مقاصد کے بجائے غیر مقاصد میں لگ جائیں گی، لہٰذا عورتوں کو انعقادِ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دلیل یہی صحیح ہے البتہ ولی کی اجازت پر موقوف کرنے سے متوقع خلل رفع ہو سکتا ہے یوں کہ اگر ولی نے مناسب سمجھا تو اجازت دے ورنہ رد کردے، اس لیے ہم نے ولی کی اجازت پر موقوف قرار دیا۔

{۳} شیخینؒ نے جو جواز کا قول کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت خالص اپنے حق میں تصرف کرتی ہے اور وہ تصرف کی اہل ہے؛ کیونکہ وہ عاقلہ اور خیر و شر میں تمیز کرنے والی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے اس لیے اسے یہ بھی اختیار ہوگا کہ وہ کہے کہ یہ شوہر مجھے پسند ہے اور یہ پسند نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ پھر عرف میں عورت کے نکاح کا مطالبہ اس کے ولی سے کیوں کیا جاتا ہے؟ صاحبِ ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ یہ اس لیے تاکہ بذاتِ خود نکاح کرنے سے عورت کو بے شرمی و بے حیائی کی طرف منسوب نہ کیا جائے کیونکہ عورتیں مردوں کی مجلس میں اپنے نکاح کے تذکرے سے شرماتی ہیں پس اگر وہ ایسا کرے گی تو لوگ اسے بے حیا قرار دیں گے۔

{۴} پھر ظاہر الروایت میں کفو اور غیر کفو میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے یعنی عورت خواہ کفو میں نکاح کرے یا غیر کفو میں بہر دو صورت نکاح جائز ہے، البتہ غیر کفو میں عورت کے اولیاء کو اعتراض (یعنی فسخِ نکاح) کا حق حاصل ہوگا تاکہ عار کی صورت میں اولیاء اپنے آپ سے عار کا ضرر دور کردیں۔ اور شیخینؒ سے نوادر کی روایت میں منقول ہے کہ غیر کفو میں جائز نہیں؛ کیونکہ بہت سے

واقعات ایسے ہیں کہ وقوع کے بعد کوئی اس کو رفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا یا تو ولی میں مرافعہ کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے اور یا قاضی عادل نہیں ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ جو بھی واقعہ ایسا ہو اس کے ایقاع میں احتیاط کی جاتی ہے، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہ ہو، یہی قول مفتی بہ ہے لمافی الدّرالمختار: (وَيُفْتَى) فِي غَيْرِ الْكُفْءِ (بِعَدَمِ جَوَازِهِ أَصْلًا) وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى (لِفَسَادِ الزَّمَانِ) (الدرالمختار علی هامش ردّالمحتار: ۳۲۲/۳)۔ لیکن مروی ہے کہ امام محمدؒ نے بھی شیخینؒ کے قول کی طرف رجوع فرمایا ہے (کذافی البحرالرائق: ۱۱۰/۳)

{۱} وَلَا يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ إجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ عَلَى النِّكَاحِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. لَهُ الِاعْتِبَارُ بِالصَّغِيرَةِ وَهَذَا لِأَنَّهَا

اور جائز نہیں ولی کے لیے مجبور کرنا باکرہ بالغہ کو نکاح پر، اختلاف ہے امام شافعیؒ کا، ان کی دلیل صغیرہ پر قیاس کرنا ہے، اور یہ اس لیے کہ وہ

جَاهِلَةٌ بِأَمْرِ النِّكَاحِ لِعَدَمِ التَّجْرِبَةِ وَلِهَذَا يَقْبِضُ الْأَبُ صَدَاقَهَا بِغَيْرِ أَمْرِهَا. {۲} وَلَنَا

جاہل ہے امر نکاح سے عدم تجربہ کی وجہ سے، اور اسی وجہ سے قبضہ کرے گا باپ اس کے مہر پر اس کے امر کے بغیر، اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّهَا حُرَّةٌ مُخَاطَبَةٌ فَلَا يَكُونُ لِلْغَيْرِ عَلَيْهَا وِلَايَةٌ، وَالْوِلَايَةُ عَلَى الصَّغِيرَةِ لِقُصُورِ عَقْلِهَا

کہ وہ آزاد، حکم شرع کی مخاطبہ ہے پس نہ ہوگی غیر کے لیے اس پر ولایت، اور صغیرہ پر ولایت اس کی عقل کے نقصان کی وجہ سے ہے

وَقَدْ كَمُلَ بِالْبُلُوغِ بِدَلِيلِ تَوَجُّهِ الْخِطَابِ فَصَارَ كَالْغُلَامِ وَكَالتَّصَرُّفِ فِي الْمَالِ،

اور وہ کامل ہوگئی بلوغ سے خطاب باری تعالیٰ کے متوجہ ہونے کی دلیل سے پس وہ ہوگئی لڑکے کی طرح اور تصرف فی المال کی طرح،

{۳} وَإِنَّمَا يَمْلِكُ الْأَبُ قَبْضَ الصَّدَاقِ بِرِضَاهَا دَلَالَةً وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ مَعَ نَهْيِهَا. {۴} قَالَ فَإِذَا

اور مالک ہوتا ہے باپ مہر پر قبضہ کا اس کی رضا سے دلالۃً، اسی وجہ سے وہ مالک نہیں ہوتا اس کے منع کر دینے کے ساتھ۔ فرمایا: پس جب

اسْتَأْذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ أَوْ ضَحِكَتْ فَهُوَ إذْنٌ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {الْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ

اجازت لے باکرہ بالغہ سے ولی، پس وہ خاموش ہوگئی یا ہنس پڑی تو یہ اجازت ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے باکرہ اجازت لی جاتی ہے

فِي نَفْسِهَا فَإِنْ سَكَتَتْ فَقَدْ رَضِيَتْ} وَلِأَنَّ جَنْبَةَ الرِّضَا فِيهِ رَاجِحَةٌ، لِأَنَّهَا تَسْتَحْيِي

اس کی ذات کے بارے میں پس اگر وہ خاموش ہوگئی تو وہ راضی ہے، اور اس کے لیے کہ جانب رضا اس میں راجح ہے؛ کیونکہ وہ شرماتی ہے

عَنْ إظْهَارِ الرَّغْبَةِ لَا عَنِ الرَّدِّ، وَالضَّحِكُ أَدَلُّ عَلَى الرِّضَا مِنَ السُّكُوتِ، {۵} بِخِلَافِ مَا إذَا بَكَتْ لِأَنَّهُ دَلِيلُ

اظہار رغبت سے نہ کہ ردّ سے، اور ہنسنا زیادہ دلالت کرتا ہے رضا پر خاموش رہنے سے، بر خلاف اس کے جب وہ رونے لگی؛ کیونکہ یہ دلیل ہے

السُّخْطِ وَالْكَرَاهَةِ. وَقِيلَ إذَا ضَحِكَتْ كَالْمُسْتَهْزِئَةِ بِمَا سَمِعَتْ لَا يَكُونُ رِضًا،

ناخوشی اور ناگواری کی۔ اور کہا گیا ہے کہ جب وہ ہنسے اس طرح جیسے وہ استہزاء کرنے والی ہے سنی ہوئی بات کا تو یہ ضحک نہ ہوگا رضامندی،

وَإِذَابَكَتْ بِلَاصَوْتٍ لَمْ يَكُنْ رَدًّا.﴿٦﴾قَالَ وَإِنْ فَعَلَ هَذَاغَيْرُوَلِيٍّ يَعْنِي اسْتَأْمَرَغَيْرُالْوَلِيِّ أَوْوَلِيٌّ غَيْرُهُ أَوْلَى

اور جب وہ روئے بلا آواز تو یہ نہ ہوگا رد۔ فرمایا: اور اگر کیا یہ غیر ولی نے یعنی اجازت مانگی غیر ولی نے یا ایسے ولی نے کہ دوسرا زیادہ قریب ہے

مِنْهُ لَمْ يَكُنْ رِضًاحَتَّى تَتَكَلَّمَ بِهِ لِأَنَّ هَذَا السُّكُوتَ لِقِلَّةِ الِالْتِفَاتِ إلَى كَلَامِهِ

اس سے تو نہ ہوگی رضامندی یہاں تک کہ کلام کرے رضامندی کا؛ کیونکہ یہ سکوت قلتِ التفات کی وجہ سے ہے اس کے کلام کی طرف

فَلَمْ يَقَعْ دَلَالَةً عَلَى الرِّضَا ، وَلَوْ وَقَعَ فَهُوَ مُحْتَمَلٌ ، وَالِاكْتِفَاءُ بِمِثْلِهِ لِلْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ

پس نہ ہوگا یہ دلیل رضامندی کی، اور اگر واقع ہوا تو وہ محتمل ہے، اور اکتفا اس جیسی پر ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت نہیں

فِي حَقِّ غَيْرِ الْأَوْلِيَاءِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ الْمُسْتَأْمِرُ رَسُولَ الْوَلِيِّ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَهُ،

غیر اولیاء کے حق میں، برخلاف اس کے جب اجازت لینے والا قاصد ہو ولی کا؛ کیونکہ قاصد ولی کا قائم مقام ہوتا ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں عاقلہ، بالغہ عورت کو نکاح پر مجبور کرنے کے جواز میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ پھر نمبر ۴و۵و۶ میں عورت کی طرف سے اجازتِ نکاح کی مختلف صورتوں کا حکم اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔﴿۱﴾ولی کیلئے یہ جائز نہیں کہ بالغہ اور عاقلہ عورت کو نکاح پر مجبور کردے خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ولی بالغہ باکرہ کو نکاح کرنے پر مجبور کرسکتا ہے، وہ بالغہ باکرہ کو صغیرہ باکرہ پر قیاس کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ باکرہ کی مردوں کے ساتھ ممارست نہیں ہوتی ہے پس عدمِ تجربہ کی وجہ سے امورِ نکاح سے ناواقف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا باپ اس کے حکم کے بغیر اس کے مہر پر قبضہ کرسکتا ہے، لہٰذا ولی اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح بھی کرسکتا ہے۔

﴿۲﴾ہماری دلیل یہ ہے کہ بالغہ باکرہ آزاد ہے اور آزاد پر کسی کو زبردستی کا تصرف حاصل نہیں ہوتا ہے لہٰذا بالغہ باکرہ پر بھی ولی کو ولایتِ اجبار حاصل نہ ہوگی۔ باقی صغیرہ پر بالغہ کو قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ صغیرہ پر تو ولایتِ اجبار اس کے قصورِ عقل کی وجہ سے ہے اور عقل بلوغ کی وجہ سے مکمل ہوجاتی ہے اس لیے بالغہ پر کسی کو ولایتِ اجبار حاصل نہ ہوگی، اور بلوغ سے عقل کے کامل ہونے کی دلیل باری تعالیٰ کے خطاب کا متوجہ ہونا ہے یعنی لڑکی بلوغ سے پہلے باری تعالیٰ کے خطاب (احکامِ شرع) کی مکلف نہیں ہوتی ہے اور بالغہ ہوتے ہی مکلف ہوجاتی ہے تو یہ علامت ہے کہ بلوغ سے اس کی عقل مکمل ہوجاتی ہے، پس بالغہ لڑکی بالغ لڑکے کی طرح ہے یعنی جیسا کہ بالغ لڑکے پر کسی کو ولایتِ اجبار حاصل نہیں اسی طرح بالغہ لڑکی پر بھی کسی کو ولایتِ اجبار حاصل نہ ہوگی، اور جس طرح کہ بالغہ لڑکی اپنے مال میں تصرف کرنے کی مختار ہوتی ہے اسی طرح اپنے نفس میں تصرف کرنے کی بھی مختار ہوگی۔

﴿۳﴾باقی باپ کا صغیرہ کے مہر پر اس کے حکم کے بغیر قبضہ کر سکنے کی وجہ یہ ہے کہ باپ کے قبضہ کرنے اور لڑکی کے خاموش ہو جانے سے دلالۃ اور ظاہر حال کے اعتبار سے اس کی رضامندی ثابت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر لڑکی نے باپ کو اپنے مہر پر قبضہ کرنے سے منع کر دیا تو وہ مہر پر قبضہ کا مالک نہ ہوگا؛ کیونکہ دلالۃ ثابت صریح مخالف سے باطل ہو جاتا ہے۔

ف:۔ولایت کی دو قسمیں ہیں، ولایتِ ندب، ولایتِ اجبار۔ ولایتِ ندب عاقلہ، بالغہ پر ہوتی ہے خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اور ولایتِ اجبار صغیرہ پر ہوتی ہے خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ پس ہمارے نزدیک ولایتِ اجبار کا مدار صغر پر ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک باکرہ ہونے پر ہے لہذا ہمارے نزدیک باکرہ بالغہ پر ولی کو حقِ اجبار حاصل نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ولی کو حقِ اجبار حاصل ہے۔

﴿۴﴾اگر ولی نے بالغہ باکرہ عورت سے اس کے نکاح کرانے کی اجازت مانگی تو وہ خاموش ہو گئی یا ہنس پڑی تو یہ خاموش رہنا یا ہنسنا اس کی طرف سے اجازت ہو گی بشرطیکہ ہنسی استہزاءً نہ ہو؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا، فَإِنْ سَكَتَتْ فَقَدْ رَضِيَتْ[۱]" (باکرہ سے اس کی ذات کے بارے میں رائے لی جائے پس اگر وہ چپ رہی تو یہ رضامندی ہے)۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ باکرہ عورت نکاح میں رغبت کا اظہار کرنے سے شرماتی ہے مگر انکار کرنے سے نہیں شرماتی پس اگر وہ ناراض ہوتی تو صاف انکار کر دیتی، لہذا خاموشی یا ہنسی سے جانبِ رضا کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، اس لیے سکوت اور ہنسی اس کی طرف سے رضامندی شمار ہو گی۔

سوال یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں سکوت کا ذکر ہے، ہنسی کا ذکر نہیں پھر ہنسی رضا کی دلیل کیونکر ہو گی؟ جواب یہ ہے کہ ہنسی سکوت کی بنسبت رضامندی پر زیادہ دلالت کرتی ہے؛ کیونکہ ہنسی کی دلالت فعلی ہے اور فعلی دلالت لفظی دلالت سے زیادہ قوی ہوتی ہے، اس لیے ہم نے کہا ہے کہ ہنسی رضامندی کی دلیل ہے۔

﴿۵﴾بخلافِ باکرہ کے رونے کے کہ وہ رضامندی کی دلیل نہیں؛ کیونکہ رونا ناگواری اور ناپسندیدگی کی دلیل ہے رضا کی دلیل نہیں۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر باکرہ سنی ہوئی بات پر استہزاء کے انداز پر ہنس پڑی تو یہ اس کی رضامندی شمار نہ ہو گی۔ اور اگر بلا آواز رو پڑی تو یہ رد کی دلیل نہیں بلکہ رضامندی ہے اس لیے کہ بلا آواز رونا نکاح پر عدم رضا کی علامت نہیں بلکہ اپنوں سے جدائی پر حزن کی علامت ہے یہی قول مفتی بہ ہے لمافی البحر: وَالصَّحِيحُ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى أَنَّهَا إِنْ بَكَتْ بِلَا صَوْتٍ فَهُوَ

(۱) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے، البتہ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ وَالثَّيِّبُ تُشَاوَرُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحِي قَالَ سُكُوتُهَا رِضَاهَا (مسند احمد، جلد ۱۲، ص: ۳۳، رقم: ۷۱۳۱، طبع مکتبۃ مؤسسۃ الرسالۃ)۔

إِذْنٌ ؛ لِأَنَّهُ حُزْنٌ عَلَى مُفَارَقَةِ أَهْلِهَا وَإِنْ كَانَ بِصَوْتٍ فَلَيْسَ بِإِذْنٍ ؛ لِأَنَّهُ دَلِيلُ السَّخَطِ وَالْكَرَاهَةِ غَالِبًا
(البحرالرائق:۳/۱۱۳)

{۶}اور اگر بالغہ باکرہ سے ولی کے علاوہ کسی اور نے اجازت طلب کی یا اقرب ولی کے ہوتے ہوئے ابعد نے اجازت طلب کی ،تو اس کی خاموشی اور ہنسی رضامندی شمار نہ ہوگی، بلکہ اظہارِ رضامندی کے لیے زبان سے کلام کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ سکوت غیر ولی کے کلام کی طرف قلتِ التفات کی وجہ سے ہے لہذا یہ دلیلِ رضا نہ ہوگی۔ اور اگر سکوت دلیلِ رضا واقع بھی ہو جائے تو سکوت رضا اور رد دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہذا متعین طور پر رضا کی دلیل نہیں۔ البتہ ضرورت کے موقع پر اس طرح کے محتمل رضا اور رد سکوت پر اکتفاء کیا جائے گا اور ضرورت ولی کے حق میں ہے کیونکہ باکرہ ایسے موقع پر بولتی نہیں ہے تو اگر اس کے سکوت کو رضا نہ قرار دیا جائے تو اس کے مصالح فوت ہو جائیں گے، جبکہ غیر ولی کے حق میں کوئی حاجت وضرورت نہیں کیونکہ باکرہ بالغہ اغیار کے سامنے کلام کرنے سے نہیں شرماتی، لہذا غیر ولی کے اجازت طلب کرنے پر سکوت اختیار کرنا رضامندی کی دلیل نہیں۔ بخلاف اس کے کہ اجازت طلب کرنے والا ولی کا کوئی قاصد ہو تو بھی اس باکرہ بالغہ کا اظہارِ رضامندی کے لیے کلام کرنا ضروری نہیں؛ کیونکہ قاصد ولا کا قائم مقام ہے، لہذا جو حکم ولی کا ہے وہی حکم قاصد کا بھی ہوگا۔

{۱}وَيُعْتَبَرُ فِي الِاسْتِئْمَارِ تَسْمِيَةُ الزَّوْجِ عَلَى وَجْهٍ تَقَعُ بِهِ الْمَعْرِفَةُ لِتَظْهَرَ رَغْبَتُهَا فِيهِ
اور اعتبار کیا جائے گا اجازت لینے میں شوہر کا نام اس طرح ذکر کرنا کہ واقع ہو جائے اس سے شناخت تا کہ ظاہر ہو جائے اس کی رغبت اس میں

مِنْ رَغْبَتِهَا عَنْهُ وَلَا تُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْمَهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ النِّكَاحَ صَحِيحٌ بِدُونِهِ ،{۲}وَلَوْ زَوَّجَهَا
اس کی اس سے بے رغبتی سے، اور شرط نہیں مہر کا ذکر کرنا یہی صحیح ہے؛ کیونکہ نکاح صحیح ہے اس کے بغیر، اور اگر نکاح کر دیا بالغہ باکرہ کا

فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ وَجْهَ الدَّلَالَةِ فِي السُّكُوتِ لَا يَخْتَلِفُ،
پھر پہنچی اس کو خبر اور وہ خاموش ہو گئی تو اس کا حکم اس تفصیل پر ہے جو ہم نے ذکر کیا؛ کیونکہ وجہ دلالت سکوت میں مختلف نہیں ہوتی،

ثُمَّ الْمُخْبِرُ إِنْ كَانَ فُضُولِيًّا يُشْتَرَطُ فِيهِ الْعَدَدُ أَوِ الْعَدَالَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ{۳}خِلَافًا لَهُمَا، وَلَوْ كَانَ رَسُولًا لَا يُشْتَرَطُ
پھر مخبر اگر ہو فضولی تو شرط ہے اس میں عدد یا عدالت امام صاحبؒ کے نزدیک، اختلاف ہے صاحبین رحمہما اللہ کا، اور اگر ہو وہ قاصد تو شرط نہیں

إِجْمَاعًا وَلَهُ نَظَائِرُ{۴} وَلَوِ اسْتَأْذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِضَاهَا بِالْقَوْلِ لِقَوْلِهِ ﷺ { الثَّيِّبُ
بالاتفاق اور اس کے نظائر ہیں۔ اور اگر اجازت لی ثیبہ سے تو ضروری ہے اس کی رضا قول کے ساتھ؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ثیبہ سے

تُشَاوَرُ } وَلِأَنَّ النُّطْقَ لَا يُعَدُّ عَيْبًا مِنْهَا وَقَلَّ الْحَيَاءُ بِالْمُمَارَسَةِ فَلَا مَانِعَ مِنَ النُّطْقِ

مشورہ طلب کیا جائے" اور اس لیے کہ بولنا شمار نہیں ہوتا ہے عیب ثیبہ سے، اور کم ہو گئی حیاء ممارست کی وجہ سے پس کوئی مانع نہیں تکلم سے

فِي حَقِّهَا﴿۵﴾ وَإِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ أَوْحَيْضَةٍأَوْجِرَاحَةٍأَوْ تَعْنِيسٍ فَهِيَ فِي حُكْمِ الْأَبْكَارِ لِأَنَّهَا

اس کے حق میں۔اور جب زائل ہو جائے بکارت کودنے سے یا حیض سے یا زخم سے یا درازی عمر سے تو وہ باکرہ کے حکم میں ہے؛ کیونکہ وہ

بِكْرٌ حَقِيقَةً لِأَنَّ مُصِيبَهَا أَوَّلُ مُصِيبٍ لَهَا وَمِنْهُ الْبَاكُورَةُ وَالْبُكْرَةُ وَلِأَنَّهَا تَسْتَحْيِي

باکرہ ہے حقیقۃً اس لیے کہ اس کے پاس پہنچنے والا اول پہنچنے والا ہے اس کو، اور اسی سے باکورۃ اور بکرۃ ہے، اور اس لیے کہ وہ شرماتی ہے

لِعَدَمِ الْمُمَارَسَةِ﴿۶﴾وَلَوْزَالَتْ بَكَارَتُهَابِزِنًافَهِيَ كَذَلِكَ عِنْدَأَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ

عدم ممارست کی وجہ سے۔اور اگر زائل ہو گئی اس کی بکارت زنا کی وجہ سے تو وہ اسی طرح ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ

وَالشَّافِعِيُّ: لَايُكْتَفَى بِسُكُوتِهَا لِأَنَّهَا ثَيِّبٌ حَقِيقَةً لِأَنَّ مُصِيبَهَا عَائِدٌ إِلَيْهَا

اور امام شافعیؒ نے کہ اکتفا نہیں کیا جائے گا اس کے سکوت پر؛ کیونکہ وہ ثیبہ ہے حقیقۃً اس لیے کہ اس کو پہنچنے والا عائد ہے اس کی طرف

وَمِنْهُ الْمَثُوبَةُ وَالْمَثَابَةُ وَالتَّثْوِيبُ،﴿۷﴾وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ النَّاسَ عَرَفُوهَا بِكْرًا فَيُعَيِّبُونَهَا بِالنُّطْقِ

اور اسی سے مثوبۃ، مثابۃ اور تثویب ہے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لوگ اس کو سمجھتے ہیں باکرہ پس معیوب سمجھیں گے اس کو تکلم سے

فَتَمْتَنِعُ عَنْهُ فَيُكْتَفَى بِسُكُوتِهَا كَيْ لَا تَتَعَطَّلَ عَلَيْهَا مَصَالِحُهَا ،بِخِلَافِ مَا إِذَا

اس لیے وہ رُک جائے گی تکلم سے، پس اکتفا کیا جائے گا اس کے سکوت پر تا کہ معطل نہ ہو جائے اس پر اس کے مصالح برخلاف اس کے جب

وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ أَوْ بِنِكَاحٍ فَاسِدٍلِأَنَّ الشَّرْعَ أَظْهَرَهُ حَيْثُ عَلَّقَ بِهِ أَحْكَامًا ، أَمَّا الزِّنَا

اس سے وطی کی گئی ہو شبہہ سے یا نکاح فاسد سے کیونکہ شریعت نے ظاہر کیا ہے اس کو چنانچہ معلق کر دیے ہیں اس کے ساتھ احکام، بہر حال زنا

فَقَدْ نُدِبَ إِلَى سَتْرِهِ ، حَتَّى لَوِاشْتَهَرَ حَالُهَا لَا يُكْتَفَى بِسُكُوتِهَا

تو ترغیب دی گئی ہے اس کے چھپانے کی حتی کہ اگر مشہور ہو جائے اس کا حال تو اکتفا نہیں کیا جائے گا اس کے سکوت پر۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بالغہ باکرہ سے اجازت لیتے وقت شوہر کا تعارف کا وجوب اور تفصیل ذکر کی ہے۔اور باکرہ بالغہ کو نکاح کی خبر پہنچنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نکاح کرنے والا اگر فضولی یا قاصد ہو تو اس کی شرط میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔پھر نمبر ۴ تا ۷ میں ثیبہ اور باکرہ کی مختلف صورتوں میں اجازتِ نکاح کا حکم اور ہر ایک کی دلیل اور بعض صورتوں میں ائمہ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} بالغہ باکرہ سے اجازت لیتے وقت شوہر کا تعارف ضروری ہے اور تعارف میں اس کا نام اس طرح ذکر کرے کہ جس سے اس کی معرفت حاصل ہو تا کہ یہ معلوم ہو کہ باکرہ بالغہ اس شوہر میں رغبت رکھتی ہے یا بے رغبتی، البتہ صحیح قول کے مطابق اجازت لیتے وقت مہر کا ذکر ضروری نہیں؛ کیونکہ مہر ذکر کئے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے؛ کیونکہ تعیینِ مہر ضروریاتِ نکاح میں سے نہیں، جبکہ بعض متاخرین کے نزدیک ذکرِ مہر بھی ضروری ہے؛ کیونکہ مہر کی قلت و کثرت سے بھی اس کی رغبت مختلف ہو سکتی ہے، مگر قولِ اول صحیح ہے لمافی فتح القدیر:(قَوْلُهُ وَلَا يُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْمَهْرِ)أَيْ فِي كَوْنِ السُّكُوتِ رِضًا،وَقِيلَ يُشْتَرَطُ لِاخْتِلَافِ الرَّغْبَةِ بِاخْتِلَافِ الصَّدَاقِ قِلَّةً وَكَثْرَةً،وَالصَّحِيحُ الْأَوَّلُ؛لِأَنَّ النِّكَاحَ صِحَّةٌ بِدُونِهِ(فتح القدیر:۲۶۶/۳)۔

{۲} اور اگر ولی نے باکرہ بالغہ کا نکاح کر دیا پھر اس کو نکاح کی یہ خبر پہنچی اور اس نے خاموشی اختیار کی تو اس میں وہی تفصیل ہے جو گذر چکی یعنی مخبر اگر ولی یا قاصدِ ولی ہو تو سکوت اور ضحک بشرطِ معرفتِ زوج رضا ہے اور بکاء رضا نہیں، اور اگر مخبر غیر ولی ہو یا بالغ بعد ہو تو زبان سے رضامندی کا اظہار ضروری ہے؛ کیونکہ سکوت اور ضحک کی صورت میں رضامندی پر دلالت مختلف نہیں ہوتی ہے خواہ عقد سے پہلے ہو یا بعد میں۔ پھر مخبر اگر ولی یا قاصد نہ ہو بلکہ فضولی (جو نہ اصیل ہو اور نہ وکیل ہو) شخص ہو، تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس میں عدد یا عدالت ضروری ہے یعنی کم از کم دو ہوں یا اگر ایک ہو تو وہ عادل ہو۔

{۳} صاحبینؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک عدد یا عدالت شرط نہیں، اور اگر مخبر ولی کا قاصد ہو تو بالاتفاق اس میں عدد یا عدالت شرط نہیں؛ کیونکہ قاصد ولی کا قائم مقام ہے اور ولی میں عدد یا عدالت شرط نہیں تو اس کے قائم مقام میں بھی شرط نہ ہوگی۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی بہت سی نظیریں ہیں مثلاً ایک شخص نے اپنے وکیل کو معزول کر دیا، معزولی کی یہ خبر کسی فضولی شخص نے وکیل کو پہنچائی، تو امام صاحبؒ کے نزدیک عدد یا عدالت شرط ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک شرط نہیں، تفصیل "کتاب القضاء" کے مسائل شتیٰ میں آئے گی۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی القول الراجح:القول الراجح هُوقول الامام ابی حنیفة: قال العلامة فخر الدین قاضیخان: فان اخبرها فضولی لابد من العدد او العدالة(القول الراجح:۲۵۳/۱)

{۴} اگر ولی نے ثیبہ بالغہ عورت سے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کی تو اس کی طرف سے رضامندی کا اظہار زبان سے ضروری ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "الثَّيِّبُ تُشَاوَرُ"[۱] (ثیبہ سے مشورہ طلب کیا جائے) جس میں لفظ "تُشَاوَرُ"

(۱) حوالہ گذر چکا۔

بابِ مفاعلہ سے ہے جو طرفین سے تکلم کے ذریعہ رائے طلب کرنے اور رائے دینے کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا ولی کی طرح ثیبہ کا بھی بولنا ضروری ہے۔اور عقلی وجہ یہ ہے کہ ثیبہ اب امورِ نکاح میں تجربہ رکھتی ہے اور مردوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے اس کی حیاء بھی کم ہوگئی ہے لہٰذا اس کے حق میں تکلم کرکے اظہارِ رضامندی عیب شمار نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کے حق میں تکلم سے کوئی مانع نہیں۔

{5} اگر کسی لڑکی کی بکارت زائل ہوگئی کودنے کی وجہ سے یا توتِ حیض کی وجہ سے یا کسی زخم کی وجہ سے یا کثرت عمر کی وجہ سے، تو ان سب صورتوں میں یہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہوگی یعنی بوقتِ استیذان اس کا سکوت اجازت شمار ہوگا؛ کیونکہ یہ عورت حقیقۃً باکرہ ہے اس لئے کہ اس سے جماع کرنے والا پہلی مرتبہ جماع کرنے والا ہوگا اور باکرہ وہی ہے جس سے اب تک کسی نے وطی نہ کی ہو اور اب اس سے وطی کرنے والا پہلا وطی کرنے والا ہوگا۔لفظِ باکرہ میں اولیت کا معنی پایا جاتا ہے اسی سے لفظِ "باکورۃ" بمعنی پہلا پھل، اور "بکرۃ" بمعنی اول صبح ہے تو باکرہ بھی وہی ہوگی جس کو پہنچنے والا پہلا پہنچنے والا ہو۔دوسری دلیل یہ ہے کہ ایسی عورت کا مردوں کے ساتھ ممارست اور اختلاط نہیں رہا ہے اس لیے وہ شرم اور حیاء کی وجہ سے زبان سے اظہارِ رضامندی نہیں کرتی ہے لہٰذا اس کا وہی حکم ہوگا جو محفوظ البکارۃ باکرہ کا ہے۔

{6} اور اگر باکرہ کی بکارت زنا سے زائل ہوگئی تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی باکرہ کے حکم میں ہے۔امام شافعیؒ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ عورت ثیبہ کے حکم میں ہے اس لیے اس کے سکوت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ حقیقت میں ثیبہ ہے اس لیے کہ اس سے جماع کرنے والا پہلی مرتبہ اس کو پہنچنے والا نہیں بلکہ جو عمل (جماع) اس سے پہلے ان کے ساتھ ہو چکا ہے یہ اس عمل کا اعادہ کرنے والا ہے لہٰذا یہ عورت باکرہ نہیں ثیبہ ہے۔اور ث،ی،ب کے مادہ میں عود کا معنی پایا جاتا ہے اسی سے "مَثُوبَۃ" بمعنی ثواب ہے جس کی طرف آخرت میں بندہ لوٹ کر جاتا ہے، اور اسی سے "مَثَابَۃ" بمعنی بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ ہے، اور اسی سے "تَثوِیب" بمعنی خبر دینے کے بعد دوبارہ خبر دینا ہے۔

{7} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لوگ اس کو باکرہ سمجھتے ہیں تو اگر وہ نکاح کے بارے میں کلام کرے گی تو لوگ اس کو معیوب قرار دینگے اس لیے وہ کلام کرنے سے رکے گی لہٰذا اسکے سکوت پر اکتفاء کیا جائیگا تاکہ اس پر اس کے مصالح معطل ہوکر نہ رہ جائیں؛ کیونکہ لوگ اس کو ثیبہ سمجھ کر اس سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھیں گے۔

البتہ اگر باکرہ سے وطی بشبہ کی گئی یا نکاح فاسد سے وطی کی گئی، تو یہ بالاتفاق ثیبہ شمار ہوگی؛ کیونکہ شریعت نے اس کے ثیبہ ہونے کو اس طرح ظاہر کر دیا کہ اس پر ثیبہ کے احکام کو معلق کر دیا چنانچہ اس پر شرعاً عدت واجب ہوگی اور اس کے بچے کا نسب ثابت ہوگا۔رہا زنا تو اس میں تو شریعت نے ستر پوشی کو مستحب قرار دیا ہے، اسے ظاہر کرنے کو نہیں کہا ہے حتی کہ اگر اس کا حال

مشہور ہوگیا یوں کہ اس کے زنا پر چار گواہ قائم ہوگئے اور اس پر حد قائم کی گئی تو پھر یہ بھی ثیبہ کے حکم میں ہوگی اور اس کے سکوت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ زبان سے رضامندی کا اظہار ضروری ہوگا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہ کا قول راجح ہے لما فی القدیر: وَالأَوْلَى أَنَّ الْفَرْضَ أَنَّ الزِّنَا غَيْرُ مَشْهُورٍ، فَفِي إِلْزَامِهَا النُّطْقَ دَلِيلُ الْمَنْعِ مِنْ إِشَاعَةِ الْفَاحِشَةِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ، وَالْمَنْعُ يُقَدَّمُ عِنْدَ التَّعَارُضِ فَيُعْمَلُ دَلِيلُ نُطْقِ الثَّيِّبِ فِيمَا وَرَاءَ ذَلِكَ ،(فتح القدیر:۳/۱۷۰)

﴿۱﴾وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَقَالَتْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَقَالَ

اور جب کہے شوہر کہ پہنچ گئی تجھے نکاح کی خبر پس تو خاموش ہوگئی، اور اس نے کہا میں نے رد کر دی تو قول عورت کا معتبر ہے، اور فرمایا

زُفَرُ: الْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ السُّكُوتَ أَصْلٌ وَالرَّدَّ عَارِضٌ،﴿۲﴾فَصَارَ كَالْمَشْرُوطِ لَهُ الْخِيَارُ إِذَا ادَّعَى الرَّدَّ

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہ قول مرد کا معتبر ہے کیونکہ سکوت اصل ہے اور رد عارض ہے۔ پس ہو گیا جیسے مشروط لہ الخیار جب دعویٰ کرے رد کا

بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ،﴿۳﴾وَنَحْنُ نَقُولُ إِنَّهُ يَدَّعِي لُزُومَ الْعَقْدِ وَتَمَلُّكَ الْبُضْعِ وَالْمَرْأَةُ تَدْفَعُهُ

مدت گذرنے کے بعد، اور ہم کہتے ہیں کہ شوہر دعویٰ کرتا ہے لزوم عقد کا اور بضع کے مالک ہونے کا اور عورت دفع کرتی ہے اس کو

فَكَانَتْ مُنْكِرَةً، كَالْمُودَعِ إِذَا ادَّعَى رَدَّ الْوَدِيعَةِ،﴿۴﴾بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْخِيَارِ لِأَنَّ اللُّزُومَ قَدْ ظَهَرَ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ

پس عورت منکرہ ہے جیسا کہ مودَع جب دعویٰ کرے ردِ ودیعت کا، برخلاف مسئلہ خیار کے؛ کیونکہ لزوم ظاہر ہو گیا مدت گذر جانے سے

﴿۵﴾وَإِنْ أَقَامَ الزَّوْجُ الْبَيِّنَةَ عَلَى سُكُوتِهَا ثَبَتَ النِّكَاحُ لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ بِالْحُجَّةِ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ

اور اگر قائم کئے زوج نے گواہ اُس کے سکوت پر تو ثابت ہو جائے گا نکاح؛ کیونکہ اس نے منور کیا اپنا دعویٰ دلیل سے، اور اگر نہ ہوں

لَهُ بَيِّنَةٌ فَلَا يَمِينَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الِاسْتِحْلَافِ فِي الْأَشْيَاءِ السِّتَّةِ

زوج کے لیے گواہ تو قسم نہیں اس پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور یہ مسئلہ چھ چیزوں میں قسم لینے میں سے ہے

وَسَتَأْتِيكَ فِي الدَّعْوَى إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

اور اس کی تفصیل عنقریب آئے گی کتاب الدعویٰ میں انشاء اللہ تعالیٰ۔

خلاصہ:۔ مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں وقوعِ نکاح میں مرد اور عورت کے اختلاف کی صورت میں قولِ معتبر میں ائمہ کا اختلاف، فریقین کے دلائل، اور امام زفر کے مسلک کی نظیر، پھر احناف کی دلیل اور امام زفر کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ پھر مذکورہ صورت میں مرد کا گواہ پیش کرنے کا حکم، اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں عورت پر قسم آنے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱}کسی شخص نے کسی باکرہ عورت سے کہا کہ "تجھے جب یہ خبر پہنچی تھی کہ تیرا نکاح میرے ساتھ ہو چکا ہے تو تو خاموش ہو گئی تھی" لہذا میرا ساتھ تیرا نکاح ہو گیا ہے۔ عورت نے کہا "نہیں بلکہ اطلاع ملتے ہی میں نے رد کیا تھا" لہذا نکاح نہیں ہوا ہے۔ تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ قول مرد کا معتبر ہے؛ کیونکہ مرد کے قول کے بعد عورت کے دو حال ہیں، خاموش رہنا، مرد کے قول کو رد کرنا، ان دونوں میں سے خاموشی اصل ہے اس لیے کہ خاموشی عدم کلام کو کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ عدم اصل ہے اور رد کرنا عارض ہے، اور اصل کے خلاف قول کرنے والا مدعی کہلاتا ہے اور اصل کے موافق قول کرنے والا مدعی علیہ کہلاتا ہے ،تو عورت کا قول چونکہ اصل کے خلاف ہے اس لیے وہ مدعیہ ہے اور مرد کا قول اصل کے موافق ہے اس لیے وہ مدعیٰ علیہ ہے ،اور قاعدہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے ،لہذا مذکورہ صورت میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔

{۲}اور یہ ایسا ہے جیسے ایک شخص نے گھوڑا خریدا اور بائع نے اپنے لیے تین دن کا خیار لیا، پھر تین دن گذر جانے کے بعد مشتری کہتا ہے تو نے تین دن کے بعد خاموشی اختیار کی تھی اور بائع کہتا ہے کہ میں نے بیع کو رد کر دیا تھا اور بائع کے پاس گواہ نہیں ،تو مشتری کا قول چونکہ اصل کے موافق ہے؛ کیونکہ وہ سکوت کا دعوی کر رہا ہے اور سکوت اصل ہے اس لیے وہ مدعی علیہ ہے اور قول مدعی علیہ کا معتبر ہوتا ہے اس لیے مذکورہ صورت میں مشتری کا قول معتبر ہوگا اور بیع لازم ہو گی، اسی طرح متن کے مسئلہ میں بھی سکوت اصل ہے اور سکوت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔

{۳}ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد عقدِ نکاح کے لزوم اور عورت کے بضع کے مالک ہونے کا مدعی ہے ،اور عورت لزوم عقد کو دفع کر رہی ہے پس عورت منکرہ اور مدعیٰ علیہا ہے اور مرد مدعی ہے اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے، اور ایسی صورت میں مدعی علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے لہذا قول عورت ہی کا معتبر ہوگا۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ مودَع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہو) کہے کہ میں نے ودیعت واپس کر دی تھی اور مودِع (جس نے مودَع کے پاس امانت رکھی ہو) کہتا ہے کہ تو نے ودیعت واپس نہیں کی ہے، تو اس صورت میں مودَع کا قول معتبر ہوگا؛ کیونکہ وہ اصل (ذمہ کے فارغ ہونے کا) مدعی ہے اور جس کا قول اصل کے موافق ہو وہ مدعی علیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے اس لیے اس صورت میں مودَع کا قول معتبر ہوگا۔

{4} اور امام زفرؒ نے بیع میں خیارِ شرط کی صورت میں عقدِ بیع کے لزوم سے جو استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں بیع اس لیے لازم نہیں ہوئی ہے کہ سکوت کے مدعی کا قول معتبر قرار دیا گیا ہے، بلکہ مدتِ خیار گذر جانے کی وجہ سے بیع کا لزوم ظاہر ہو گیا اور لزومِ بیع کے بعد اسے رد کرنا ممکن نہیں۔

{5} اور اگر متن کے مسئلہ میں شوہر نے عورت کی خاموشی پر بیّنہ کو پیش کیا تو نکاح ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ مدعی نے اپنے دعوی کو حجت سے منور کر دیا، اور اگر شوہر کے پاس گواہ نہ ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں آئے گی جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک عورت پر قسم ہے، اور یہ ان چھ چیزوں میں سے ایک ہے جن میں مدعی علیہ پر امام صاحبؒ کے نزدیک یمین نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہ پر یمین ہے اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں "نکاح، رجعت، ایلاء میں رجوع، استیلاد، رِق اور وَلاء" جس کی تفصیل "کتاب الدعوی" کے "باب الیمین" میں آئے گی۔

فتوی:۔ فتوی صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے کمافی شرح التنویر (فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا) بِ يَمِينِهَا عَلَى الْمُفْتَى بِهِ۔ قال ابن عابدین(قَوْلُهُ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ)وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَعِنْدَهُ لَا يَمِينَ عَلَيْهَا كَمَا سَيَأْتِي فِي الدَّعْوَى فِي الْأَشْيَاءِ السِّتَّةِ الخ (ردّالمحتار: ۲/۳۲۸)

{1} وَيَجُوزُ نِكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيرَةُ أَوْ ثَيِّبًا. وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ وَمَالِكٌ

اور جائز ہے نکاح صغیر اور صغیرہ کا جب نکاح کر لے ان دونوں کا ولی، خواہ باکرہ ہو صغیرہ یا ثیبہ ہو، اور ولی وہ ہے جو عصبہ ہو، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

يُخَالِفُنَا فِي غَيْرِ الْأَبِ، وَالشَّافِعِيُّ فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ، وَفِي الثَّيِّبِ الصَّغِيرَةِ أَيْضًا. {2} وَجْهُ قَوْلِ مَالِكٍ أَنَّ الْوِلَايَةَ

ہمارے مخالف ہیں غیر اب میں، اور امام شافعیؒ غیر اب اور جد میں اور ثیبہ صغیرہ میں بھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ولایت

عَلَى الْحُرَّةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ هُنَا لِانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ ، إِلَّا أَنَّ وِلَايَةَ الْأَبِ ثَبَتَتْ نَصًّا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ

حرہ پر حاجت کی وجہ سے ہے اور کوئی حاجت نہیں یہاں شہوت نہ ہونے کی وجہ سے، البتہ باپ کی ولایت ثابت ہے نص سے خلافِ قیاس

وَالْجَدُّ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ. {3} قُلْنَا: لَا بَلْ هُوَ مُوَافِقٌ لِلْقِيَاسِ لِأَنَّ النِّكَاحَ

اور جد باپ کے معنی میں نہیں پس ملحق نہیں کیا جائے گا باپ کے ساتھ۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ وہ موافق قیاس ہے؛ کیونکہ نکاح

يَتَضَمَّنُ الْمَصَالِحَ وَلَا تَتَوَفَّرُ إِلَّا بَيْنَ الْمُتَكَافِئَيْنِ عَادَةً وَلَا يَتَّفِقُ الْكُفْءُ فِي كُلِّ زَمَانٍ

متضمن ہوتا ہے مصالح کو اور پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکتے مگر دو ہمسروں کے درمیان عادۃً، اور میسر نہیں ہوتا ہے کفو ہر زمانے میں

فَأَثْبَتْنَا الْوِلَايَةَ فِي حَالَةِ الصِّغَرِ إِحْرَازًا لِلْكُفْءِ . {4} وَجْهُ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ أَنَّ النَّظَرَ لَا يَتِمُّ

پس ہم نے ثابت کی ولایت حالتِ صغر میں کفو کو محفوظ کرنے کے لیے اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نظر تام نہیں ہوتی ہے

بِالتَّفْوِيضِ إِلَى غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ لِقُصُورِ شَفَقَتِهِ وَبُعْدِ قَرَابَتِهِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِي الْمَالِ

باپ اور دادا کے علاوہ کو سپرد کرنے سے نقصانِ شفقت اور بعدِ قرابت کی وجہ سے، اور اسی وجہ سے مالک نہیں ہوتا ہے مال میں تصرف کا

مَعَ أَنَّهُ أَدْنَى رُتْبَةً ، فَلِأَنْ لَا يَمْلِكَ التَّصَرُّفَ فِي النَّفْسِ وَإِنَّهُ أَعْلَى وَأَوْلَى. {5} وَلَنَا أَنَّ الْقَرَابَةَ

باوجود کہ مال رتبہ میں ادنیٰ ہے، پس مالک نہ ہو گا نفس میں تصرف کا حالانکہ وہ اعلیٰ ہے اور اولیٰ۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قرابت

دَاعِيَةٌ إِلَى النَّظَرِ كَمَا فِي الْأَبِ وَالْجَدِّ ، وَمَا فِيهِ مِنَ الْقُصُورِ أَظْهَرْنَاهُ فِي سَلْبِ وِلَايَةِ الْإِلْزَامِ،

داعی الی النظر ہے جیسا کہ باپ اور دادا میں، اور جو کچھ اس میں نقصان ہے ہم نے ظاہر کر دیا اس کو ولایتِ الزام کو سلب کر کے،

{6} بِخِلَافِ التَّصَرُّفِ فِي الْمَالِ فَإِنَّهُ يَتَكَرَّرُ فَلَا [illegible] تَدَارُكُ الْخَلَلِ فَلَا تُفِيدُ الْوِلَايَةُ إِلَّا مُلْزِمَةً

بر خلافِ مال میں تصرف کرنے کے؛ کیونکہ وہ مکرر ہوتا ہے پس ممکن نہیں خلل کا تدارک، پس مفید نہیں ولایت مگر ولایتِ الزام،

وَمَعَ الْقُصُورِ لَا تَثْبُتُ وِلَايَةُ الْإِلْزَامِ . {7} وَجْهُ قَوْلِهِ فِي الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ أَنَّ الثِّيَابَةَ سَبَبٌ

اور نقصان کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی ہے ولایتِ الزام، اور وجہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے قول کی دوسرے مسئلہ میں یہ ہے کہ ثیبہ ہونا سبب ہے

لِحُدُوثِ الرَّأْيِ لِوُجُودِ الْمُمَارَسَةِ ، فَأَدَرْنَا الْحُكْمَ عَلَيْهَا تَيْسِيرًا . {8} وَلَنَا مَا

رائے کے پیدا ہونے کا ممارست کے پائے جانے کی وجہ سے، پس ہم نے دائر کر دیا حکم ثیوبت پر آسانی کے پیش نظر۔ اور ہماری دلیل وہ ہے

ذَكَرْنَا مِنْ تَحَقُّقِ الْحَاجَةِ وَوُفُورِ الشَّفَقَةِ، وَلَا مُمَارَسَةَ تُحْدِثُ الرَّأْيَ بِدُونِ الشَّهْوَةِ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الصِّغَرِ،

جو ہم نے ذکر کی یعنی حاجت کا متحقق ہونا اور شفقت کا کامل ہونا اور ممارست پیدا نہیں کرتی ہے رائے کو بغیر شہوت کے پس دائر ہو گا حکم صغر پر

ثُمَّ الَّذِي يُؤَيِّدُ كَلَامَنَا فِيمَا تَقَدَّمَ قَوْلُهُ ﷺ { النِّكَاحُ إِلَى الْعَصَبَاتِ } مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَالتَّرْتِيبُ

پھر وہ بات جو ہمارے کلام کی تائید کرتی ہے ماقبل میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کہ نکاح عصبات کے سپرد ہے" بغیر فرق کے، اور ترتیب

فِي الْعَصَبَاتِ فِي وِلَايَةِ النِّكَاحِ كَالتَّرْتِيبِ فِي الْإِرْثِ وَالْأَبْعَدُ مَحْجُوبٌ بِالْأَقْرَبِ.

عصبات میں ولایتِ نکاح میں جیسے ترتیب میراث میں ہے اور ابعد محجوب ہوتا ہے اقرب سے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں یہ بتایا ہے کہ نکاح کرانے کی ولایت کا حق کن کو ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ پھر ثیبہ صغیرہ پر ولایتِ انکاح کے ثبوت میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ پھر پہلے مسئلے کے بارے میں ائمہ کے دلائل ذکر کئے ہیں، اور نمبر 6 میں امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر 7 و 8 میں دوسرے مسئلے کے بارے میں ائمہ کے دلائل ذکر کئے ہیں، اور ولایت الی العصبات کی تائید حدیث شریف سے پیش کی ہے اور عصبات کی ترتیب بیان کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اس عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں، ایک یہ کہ ولایت کا حق کس کو حاصل ہوگا؟ اور دوسرا یہ کہ ولایت کس پر ہوگی ۔ پس ہمارے نزدیک ولایت کا حق ہر ولی کو حاصل ہے یعنی ولی کے لئے چھوٹے بچے اور بچی کا نکاح کرنا جائز ہے خواہ صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ ،اور بابِ نکاح میں اولیاء کی وہی ترتیب ہے جو بابِ وراثت میں عصبات کی ترتیب ہے سب سے پہلا حقدار بیٹا ہے پھر پوتا پھر پڑپوتا الخ ہے اور اگر بیٹا وغیرہ نہ ہوں تو پھر باپ پھر دادا پر دادا الخ۔ امام مالکؒ کا باپ کے علاوہ میں ہمارے ساتھ اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک باپ کو تو ولایتِ انکاح (نکاح کرانے کی ولایت) حاصل ہے دیگر اولیاء کو حاصل نہیں۔ اور امام شافعیؒ کا باپ اور دادا کے علاوہ میں اختلاف ہے۔

اور دوسرے مسئلہ میں ثیبہ صغیرہ میں ان کا ہمارے ساتھ اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک ثیبہ صغیرہ پر ولایتِ انکاح کی کو حاصل نہیں ہے اور ہمارے نزدیک ثیبہ صغیرہ پر بھی اولیاء کو حق ولایت حاصل ہے۔

{۲} امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ آزاد پر غیر کی ولایت حاجت اور ضرورت کی وجہ سے ہوتی ہے، جبکہ صغیر اور صغیرہ کو غیر کی ولایت کی کوئی حاجت نہیں؛ کیونکہ ان میں شہوت نہیں ہوتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پھر ان پر آپ کے نزدیک باپ کو کیوں ولایت حاصل ہے ؟ جواب: باپ کو ان پر ولایت خلافِ قیاس نص سے ثابت ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی چھ سالہ بچی (حضرت عائشہؓ) کا نکاح حضور ﷺ سے کیا اور حضور ﷺ نے اسے صحیح قرار دیا، معلوم ہوا کہ باپ کو ولایت حاصل ہے، اور دادا چونکہ باپ کے معنیٰ میں نہیں ؛کیونکہ دادا میں باپ کی بنسبت شفقت کم ہے اس لیے اسے باپ کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

{۳} ہم کہتے ہیں کہ ثبوتِ ولایت خلافِ قیاس نہیں بلکہ قیاس کے موافق ہے؛ کیونکہ حاجتِ نکاح شہوت میں منحصر نہیں بلکہ نکاح کئی اور مصالح کو متضمن ہوتا ہے جیسے تناسل، ازدواج اور شہوت وغیرہ اور یہ مصالح پورے طور پر عادۃً فقط ان دو میاں بیوی میں حاصل ہوسکتے ہیں جو ایک دوسرے کا کفو ہو اور ظاہر ہے کہ کفو کا ہر زمانے میں ملنا ضروری نہیں، لہذا ہم نے حالتِ صغر میں ولایت ہر اس شخص کے لیے ثابت کی جس سے کفو کی حفاظت ہوسکے خواہ باپ دادا ہوں یا دیگر عصبات؛ کیونکہ زمانہ بلوغ کا انتظار کرنے میں کفو فوت ہوسکتا ہے، جس میں اس کا ضرر ظاہر ہے، اور قاعدہ ہے کہ جو حاجت اور ضرورت کی بنیاد پر ثابت ہو وہ قیاس کے موافق ہے خلافِ قیاس نہیں، اس لیے حق ولایت باپ سے دیگر عصبات کی طرف بھی متعدی ہوگا۔

{۴} امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت کا دارومدار شفقت پر ہے اور باپ اور دادا کے علاوہ کو سپرد کرنے میں شفقت تام نہیں؛ کیونکہ ان دو کے علاوہ میں نقصانِ شفقت بھی ہے اور بُعدِ قرابت بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کو صغیر اور صغیرہ کے مال میں تصرف کا اختیار نہیں حالانکہ مال کا درجہ نفس کے درجہ سے کم ہے؛ کیونکہ مال نفس کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا نفس جو اعلیٰ ہے اس میں تصرف کا اختیار باپ دادا کے علاوہ کو بطریقۂ اولیٰ نہ ہوگا۔

{۵} ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ولایت شفقتی ہے اور شفقت ہر ولی میں موجود ہے کیونکہ سببِ شفقت یعنی قرابت موجود ہے جیسا کہ باپ دادا میں سببِ شفقت (قرابت) کی وجہ سے شفقت موجود ہے، البتہ باپ دادا اور دیگر عصبات میں مقدارِ شفقت میں فرق ہے کہ باپ دادا میں شفقت زیادہ ہے اور دیگر عصبات میں کم ہے، تو ہم نے اس فرق کو اس طرح ظاہر کر دیا کہ باپ دادا کو ولایتِ اجبار اور ولایتِ الزام دونوں دی ہیں اور دیگر عصبات کو ولایتِ اجبار دی ہے اور ولایتِ الزام سلب کر دی ہے یعنی دیگر عصبات کا کیا ہوا نکاح بلوغ کے بعد صغیر و صغیرہ پر لازم نہیں ہوگا بلکہ خیارِ بلوغ کی وجہ سے وہ اس کو رد کر سکتا ہے، جبکہ باپ دادا کا کیا ہوا نکاح صغیر و صغیرہ پر لازم بھی ہوتا ہے بلوغ کے بعد ان کو خیارِ رد حاصل نہیں ہوتا۔

{۶} اور امام شافعیؒ کا تصرفِ مال پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ مال میں تصرف کرنے میں تکرار ہوتا ہے مثلاً صغیر کے ولی نے اس کی کوئی چیز فروخت کر دی تو مشتری اس کو تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے گا اور وہ چوتھے کے ہاتھ فروخت کر دے گا، پتہ نہیں صغیر کے بلوغ تک وہ کہاں تک جائے گی، تو اگر اس تصرف میں ولی سے کچھ کوتاہی ہوئی ہو تو اس کوتاہی اور خلل کا تدارک ممکن نہیں، جبکہ نکاح میں واقع خلل کا تدارک خیارِ بلوغ کے ذریعہ ممکن ہے، اس لیے تصرف فی المال میں ولایتِ الزام ہی مفید ہو سکتی ہے کہ پھر اسے فسخ کا اختیار کسی کو نہ ہو، اور باپ دادا کے علاوہ میں قصورِ شفقت کی وجہ سے ہم نے ولایتِ الزام ان سے سلب کر دی، اس لیے ان کو مال میں تصرف کی ولایت ہی حاصل نہ ہوگی۔

{۷} اور دوسرے مسئلہ میں امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ثیبہ ہونا رائے کے پیدا ہونے کا سبب ہے یعنی مرد کے ساتھ تعلق کی وجہ سے مصالحِ نکاح کے بارے میں اس کی اپنی رائے پیدا ہو جاتی ہے اب وہ اپنے نفع اور نقصان کو سمجھتی ہے، لہٰذا اسے ولی کی حاجت وضرورت نہیں، تو حکم (ولایت اور عدمِ ولایت) کا سبب حدوثِ رائے ہے مگر وہ امرِ خفی ہے اس لیے ہم نے حدوثِ رائے کے سبب (ثیبہ ہونے) پر حکم کو دائر کر دیا کہ ثیبہ پر باپ دادا کو حقِ ولایت حاصل نہیں اور باکرہ پر حاصل ہے۔

ہوگی، رہی یہ بات کہ مرد کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس کی رائے پیدا ہو جاتی ہے تو ہمیں یہ تسلیم نہیں؛ کیونکہ بغیر شہوت کے تعلق اور ممارست رائے پیدا نہیں کرتی ہے، لہذا حکم (ولایت اور عدم ولایت) صغر پر دائر ہوگا یعنی صغر ہے تو ولایت ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ باقی سابق میں جو ہم نے کہا کہ حق ولایت عصبات کو حاصل ہے اس کی تائید حضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے "النِّكَاحُ إِلَى الْعَصَبَاتِ"[1] (نکاح عصبات کو سپرد ہے) جس میں باپ دادا اور دیگر عصبات میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، لہذا باپ دادا کے علاوہ دیگر عصبات کو بھی حق ولایت حاصل ہوگا۔ پھر ولایتِ نکاح کے سلسلے میں عصبات میں وہی ترتیب ہوگی جو باب وراثت میں ہوتی ہے کہ سب سے پہلا حقدار بیٹا ہے پھر پوتا پھر پڑپوتا الخ ہے اور اگر بیٹا وغیرہ نہ ہوں تو پھر باپ پھر دادا پردادا الخ۔ اور ولی اقرب (جیسے بھائی) کے ہوتے ہوئے ولی ابعد (جیسے چچا) حق ولایت سے محروم ہوگا۔

{۸} ہماری دلیل یہ ہے کہ صغیر وصغیرہ میں حاجت بھی موجود ہے اور باپ دادا میں شفقت بھی کامل ہے، لہذا ولایت ثابت

{۱} قَالَ فَإِنْ زَوَّجَهُمَا الْأَبُ وَالْجَدُّ يَعْنِي الصَّغِيرَ وَالصَّغِيرَةَ فَلَاخِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ بُلُوغِهِمَا لِأَنَّهُمَا كَامِلَا الرَّأْيِ وَافِرَا الشَّفَقَةِ فَيَلْزَمُ الْعَقْدُ بِمُبَاشَرَتِهِمَا كَمَا إِذَا بَاشَرَا بِرِضَاهُمَا بَعْدَ الْبُلُوغِ {۲} وَإِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْأَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ إِذَا بَلَغَ، إِنْ شَاءَ أَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ، وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رحمهما الله. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا خِيَارَ لَهُمَا اعْتِبَارًا بِالْأَبِ وَالْجَدِّ. وَلَهُمَا أَنَّ قَرَابَةَ الْأَخِ نَاقِصَةٌ وَالنُّقْصَانُ يُشْعِرُ بِقُصُورِ الشَّفَقَةِ فَيَتَطَرَّقُ الْخَلَلُ إِلَى الْمَقَاصِدِ عَسَى وَالتَّدَارُكُ مُمْكِنٌ بِخِيَارِ الْإِدْرَاكِ، {۳} وَإِطْلَاقُ الْجَوَابِ

فرمایا: پس اگر نکاح کیا ان کا باپ اور دادا نے یعنی صغیر اور صغیرہ کا تو اختیار نہیں ان دونوں کو ان کے بلوغ کے بعد؛ کیونکہ یہ دونوں کامل رائے اور بھرپور شفقت والے ہیں پس لازم ہوگا عقد ان دونوں کی مباشرت سے جیسا کہ جب یہ دونوں عقد کی مباشرت کریں ان دو کی رضا سے بلوغ کے بعد۔ اور اگر نکاح کیا ان دونوں کا باپ اور دادا کے علاوہ نے تو ہر ایک کے لیے ان دونوں میں سے اختیار ہے جب بالغ ہو جائے، اگر چاہے تو قائم رہے نکاح پر اور اگر چاہے تو فسخ کر دے، اور یہ امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسف نے کہ اختیار نہیں ان دونوں کو قیاس کرتے ہوئے باپ اور دادا پر، اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قرابتِ اخ ناقص ہے اور نقصان خبر دیتا ہے قصورِ شفقت کی، پس داخل ہونا خلل کا مقاصد میں ممکن ہے، اور تدارک ممکن ہے خیارِ بلوغ سے، اور اطلاق حکم

([1]) علامہ بدرالدین عینی نے اس حدیث پر اس طرح تبصرہ فرمایا ہے: ذكر هذا الحديث شمس الائمة السرخسي وسبط ابن الجوزي، ولم يخرجه احد من الجماعة ولم يثبت مع ان الائمة الاربعة اتفقوا على العمل به في حق البالغة، وقال السرواجي: روى عن علي موقوفاً ومرفوعاً "الانكاح الى العصبات" ويروى "النكاح الى العصبات" (البناية، جلد: ٤، ص: ٦٠٠)

فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ يَتَنَاوَلُ الْأُمَّ ، وَالْقَاضِي هُوَ الصَّحِيحُ مِنَ الرِّوَايَةِ لِقُصُورِ الرَّأْيِ فِي أَحَدِهِمَا

باپ اور دادا کے علاوہ میں شامل ہوگا ماں اور قاضی کو، یہی صحیح روایت ہے بوجہ نقصان رائے کے ان دونوں میں سے ایک میں

وَنُقْصَانِ الشَّفَقَةِ فِي الْآخَرِ فَيَتَخَيَّرُ. {۴}قَالَ وَيُشْتَرَطُ فِيهِ الْقَضَاءُ بِخِلَافِ خِيَارِ الْعِتْقِ لِأَنَّ

اور نقصان شفقت کے دوسرے میں، پس اختیار رہے گا۔ فرمایا: اور شرط کی گئی خیار بلوغ میں قضاء قاضی کی، برخلاف خیارِ عتق کے؛ کیونکہ

الْفَسْخَ هَاهُنَا لِدَفْعِ ضَرَرٍ خَفِيٍّ وَهُوَ تَمَكُّنُ الْخَلَلِ وَلِهَذَا يَشْمَلُ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى فَجُعِلَ إِلْزَامًا

فسخ یہاں ضررِ خفی کو دور کرنے کے لیے ہے اور وہ خلل کا قرار پکڑنا ہے، اور اسی وجہ سے شامل ہوگا مذکر اور مؤنث کو پس قرار دیا گیا الزام

فِي حَقِّ الْآخَرِ فَيُفْتَقَرُ إِلَى الْقَضَاءِ. {۵}وَخِيَارُ الْعِتْقِ لِدَفْعِ ضَرَرٍ جَلِيٍّ وَهُوَ زِيَادَةُ الْمِلْكِ عَلَيْهَا

دوسرے کے حق میں اس لیے محتاج ہوگا قضاء کا، اور خیارِ عتق ضررِ جلی کو دور کرنے کے لیے ہے اور وہ زیادتی ہے ملک کی باندی پر،

وَلِهَذَا يَخْتَصُّ بِالْأُنْثَى فَاعْتُبِرَ دَفْعًا وَالدَّفْعُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى الْقَضَاءِ ثُمَّ عِنْدَهُمَا إِذَا

اسی وجہ سے مختص ہوگا مؤنث کے ساتھ پس اعتبار کیا جائے گا دفع اور دفع محتاج نہیں ہوتا ہے قضاء کا، پھر طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک جب

بَلَغَتِ الصَّغِيرَةُ وَقَدْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ فَسَكَتَتْ فَهُوَ رِضًا، {۶} وَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ فَلَهَا الْخِيَارُ حَتَّى

بالغ ہو جائے صغیرہ اور وہ واقف ہو نکاح سے پس وہ خاموش ہوگئی تو یہ رضا ہے، اور اگر وہ واقف نہ ہو نکاح سے تو اس کو اختیار ہے یہاں تک کہ

تَعْلَمَ فَتَسْكُتَ شَرَطَ الْعِلْمَ بِأَصْلِ النِّكَاحِ لِأَنَّهَا لَا تَتَمَكَّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ إِلَّا بِهِ، {۷}وَالْوَلِيُّ يَنْفَرِدُ

وہ واقف ہو جائے اور خاموش ہو جائے، شرط قرار دیا اصل نکاح کا علم؛ کیونکہ وہ قادر نہیں تصرف پر مگر علم سے، اور ولی متفرد ہو سکتا ہے

بِهِ فَعُذِرَتْ بِالْجَهْلِ، وَلَمْ يُشْتَرَطِ الْعِلْمُ بِالْخِيَارِ لِأَنَّهَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَةِ أَحْكَامِ الشَّرْعِ

نکاح کرنے میں پس معذور ہوگی جہل کی وجہ سے، اور شرط نہیں کی گئی علم بالخیار کی؛ کیونکہ وہ فارغ ہوتی ہے احکام شرع کی معرفت کے لیے

وَالدَّارُ دَارُ الْعِلْمِ فَلَمْ تُعْذَرْ بِالْجَهْلِ، {۸}بِخِلَافِ الْمُعْتَقَةِ لِأَنَّ الْأَمَةَ لَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَتِهَا

اور دار الاسلام دار العلم ہے پس معذور نہ ہوگی جہالت کی وجہ سے، برخلافِ معتقہ کے؛ کیونکہ باندی فارغ نہیں ہوتی معرفتِ احکام کے لیے

فَتُعْذَرُ بِالْجَهْلِ بِثُبُوتِ الْخِيَارِ

پس معذور ہوگی ثبوتِ خیار سے جہالت کی وجہ سے۔

خلاصہ: مصنف رحمۃ اللہ نے مذکورہ بالا عبارت میں باپ یا دادا کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ حاصل نہ ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۲ میں دیگر اولیاء کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ حاصل میں طرفین رحمہما اللہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل کو ذکر کیا ہے۔ پھر نمبر ۳ میں بتایا ہے کہ باپ، دادا کے علاوہ دیگر رشتہ داروں میں ماں اور قاضی بھی شامل ہیں اور اس کی وجہ ذکر کی

ہے۔اور نمبر ۴ میں بتایا ہے کہ خیارِ بلوغ سے فسخِ نکاح قاضی کے حکم سے ہوگا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۵ میں بتایا ہے کہ خیارِ عتق میں قاضی کی قضاء ضروری نہیں، اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۶ و ۷ میں بتایا ہے کہ خیارِ بلوغ کے لیے نابالغ کو نکاح کا علم ضروری ہے اور اس کی وجہ ذکر کی ہے مگر علم بالخیار شرط نہیں اور اس کی وجہ ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ میں باندی کے لیے علم بالخیار شرط قرار دیا ہے اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر باپ اور دادا میں سے کسی ایک نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح کیا تو ان کے بالغ ہونے پر ان کو خیارِ بلوغ حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ باپ اور دادا کی رائے کامل اور شفقت بھرپور ہے لہٰذا ان کا کیا ہوا عقد لازم ہوگا جیسا کہ صغیر اور صغیرہ کے بالغ ہونے کے بعد ان کی رضامندی سے باپ یا دادا ان کا نکاح کر دے تو وہ نکاح لازم ہوگا اسے فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

{۲}اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کرایا ہو تو اگرچہ مہرِ مثل اور کفوہی میں کرایا ہو پھر بھی بعد از بلوغ طرفینؒ کے نزدیک صغیر اور صغیرہ کو خیارِ بلوغ حاصل ہے، چاہے تو نکاح کو برقرار رکھے اور چاہے تو فسخ کردے۔امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں؛ وہ دیگر اولیاء کو باپ اور دادا پر قیاس کرتے ہیں۔طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بھائی کی قرابت ناقص ہے اور جب قرابت ناقص ہے تو اس میں شفقت بھی ناقص ہوگی، اور نقصانِ شفقت کی وجہ سے مقاصدِ نکاح میں خلل کا واقع ہونا ممکن ہے اور خلل کا تدارک خیارِ بلوغ سے ممکن ہے اس لئے ان کو خیارِ بلوغ حاصل ہے۔

ف:۔اَخ کی تخصیص سے اشارہ مقصود ہے کہ دیگر اولیاء کا صغیر کا نکاح کرنے کی صورت میں بطریقہ اولیٰ اس کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا؛ کیونکہ جد کے بعد سب سے زیادہ قریب اَخ ہے۔اور لفظِ "عسی" یہاں بغیر اسم و خبر کے ذکر ہے تقدیری عبارت ہے "ÚÓی ÊØÑÞ ÇáãÞÇÕÏ ÇáÎáá"۔

فتویٰ:۔طرفینؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار:(وَإِنْ كَانَ مِنْ كُفْءٍ وَبِمَهْرِ الْمِثْلِ صَحَّ وَ) لَكِنْ (لَهُمَا) أَيْ لِصَغِيرٍ وَصَغِيرَةٍ وَمُلْحَقٍ بِهِمَا (خِيَارُ الْفَسْخِ) وَلَوْ بَعْدَ الدُّخُولِ (الدّرالمختار علی هامش ردّالمحتار:۲/۳۳۲)

{۳}امام قدوریؒ نے جو مطلق کہا ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ کے نکاح کرانے کی صورت میں صغیر کو خیارِ بلوغ حاصل ہے تو یہ ماں اور قاضی کو بھی شامل ہے، یعنی ماں یا قاضی نے اگر صغیر کا نکاح کیا تو بھی اس کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا یہی صحیح ہے، اگرچہ امام صاحبؒ سے ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ قاضی نے اگر یتیم کا نکاح کیا ہو تو اس کو خیارِ بلوغ حاصل نہ ہوگا، مگر یہ قول صحیح نہیں۔قولِ صحیح کی وجہ یہ ہے کہ ان دو میں سے ماں کی رائے ناقص ہے اور قاضی میں شفقت ناقص ہے، اس لیے بچے کو خیارِ بلوغ حاصل

ہوگا۔ قولِ صحیح مفتی بہ ہے لمافی الشامیة: (قَوْلُهُ وَلَوْ الْأُمَّ أَوِ الْقَاضِيَ)هُوَ الْأَصَحُّ لِأَنَّ وِلَايَتَهُمَا مُتَأَخِّرَةٌ عَنْ وِلَايَةِ الْأَخِ وَالْعَمِّ ، فَإِذَا ثَبَتَ الْخِيَارُ فِي الْحَاجِبِ فَفِي الْمَحْجُوبِ أَوْلَى بَحْرٌ . (ردّالمحتار:۲/۳۳۱)

{۴} پھر خیار بلوغ کی وجہ سے اگر نکاح فسخ کرنے کا ارادہ کیا تو اس میں قاضی کی قضاء شرط ہے یعنی صغیرین میں سے کسی ایک کا "فسختُ النکاحَ" کہنا کافی نہیں بلکہ قاضی کی کچہری میں مقدمہ پیش کرے پھر قاضی فسخ نکاح کا حکم دے تو نکاح فسخ ہوجائیگا؛ کیونکہ خیارِ بلوغ میں فسخ نکاح ضررِ خفی کو دفع کرنے کے لیے ہوتا ہے اور ضررِ خفی خلل کا متمکن ہونا ہے اسی وجہ سے یہ مذکر ومؤنث دونوں کو شامل ہے، لہٰذا اسے غیر یعنی ولی پر الزام قرار دیا جائے گا گویا صغیر اپنے ولی پر الزام لگارہا ہے کہ اس نے میرا نکاح مناسب جگہ نہیں کیا ہے اور الزام کی ولایت قاضی کو حاصل ہے اس لیے فسخ نکاح قضاءِ قاضی کے ساتھ مشروط ہوگا۔

{۵} بخلاف خیارِ عتق کے کہ وہ قضاءِ قاضی کے ساتھ مشروط نہیں؛ کیونکہ خیارِ عتق ضررِ جلی کو دفع کرنے کے لیے ہے اور وہ باندی پر شوہر کی مِلک کی زیادتی ہے یعنی باندی جب تک کہ آزاد نہیں ہوئی تھی اس کا شوہر دو طلاقوں کا مالک تھا اور جب وہ آزاد ہوگئی تو اب شوہر تین طلاقوں کا مالک ہوجائے گا گویا آزادی کی وجہ سے اس پر شوہر کی مِلک کا اضافہ ہوگیا اور چونکہ یہ اضافہ فقط باندی پر ہوتا ہے غلام پر نہیں ہوتا ہے اس لیے خیارِ عتق مؤنث کے ساتھ خاص ہے غلام کو حاصل نہیں، اور جب خیارِ عتق میں کسی پر الزام نہیں بلکہ اپنے آپ سے ضرر دفع کرنا ہے تو اسے محض دفعِ ضرر قرار دیا جائے گا اور دفعِ ضرر قضاءِ قاضی کو محتاج نہیں؛ کیونکہ دفعِ ضرر کا ہر ایک کو اختیار حاصل ہے۔

{۶} یہ ماقبل پر تفریع ہے یعنی طرفینؒ کے نزدیک اگر صغیرہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ اس کا نکاح فلاں سے ہوچکا ہے، اب وہ بالغ ہونے کے بعد خاموش ہوگئی تو یہ خاموشی اس کی طرف سے رضامندی شمار ہوگی، اور اگر اس کو پہلے سے نکاح کا علم نہیں تھا، اسی حال میں وہ بالغ ہوگئی تو اس کو نکاح کا علم ہوجانے کے وقت خیار حاصل ہوگا، اور اگر نکاح کا علم حاصل ہوجانے کے بعد اس نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس کی طرف سے رضامندی شمار ہوگی۔

{۷} حاصل یہ کہ اصل نکاح کے علم کو شرط قرار دیا ہے؛ کیونکہ ولی صغیرہ سے مشورہ کئے بغیر تنہا اس کا نکاح کرسکتا ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ صغیرہ کو نکاح کا علم نہ ہو، اور صغیرہ خیارِ بلوغ کے تحت اسی وقت تصرف پر قادر ہوگی کہ اسے یہ تو معلوم ہو کہ میرا نکاح ہوچکا ہے اس کے بغیر وہ خیار استعمال کرنے پر قادر ہی نہیں، اس لیے اصل نکاح سے بے خبر ہونے کی صورت میں اسے معذور قرار دیا گیا ہے۔

مگر علم بالخیار کی شرط نہیں لگائی ہے یعنی اگر صغیرہ کو یہ تو معلوم ہو کہ میرا نکاح فلاں سے ہو چکا ہے مگر یہ معلوم نہ ہو کہ مجھے خیارِ بلوغ حاصل ہے اور وہ خاموش رہی تو اس کا خیار ختم ہو جائے گا اور جہالت کی وجہ سے اسے معذور نہیں قرار دیا جائے گا؛ کیونکہ صغیرہ آزاد ہے اس لیے وہ احکامِ شریعت جاننے کے لیے فارغ ہے اور دار الاسلام دار العلم ہے، اب بھی اگر وہ اس حکم سے بے خبر رہے تو اس بے خبری کی وجہ سے اسے معذور نہیں قرار دیا جائے گا۔

{۸} اس کے بر خلافِ اگر باندی آزاد کر دی گئی اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ مجھے آزادی کی وجہ سے خیار حاصل ہوتا ہے اور اس کی یہ بے خبری اس کے لیے عذر شمار ہو گی لہٰذا اگر وہ خاموش رہی تو اس کا خیار ساقط نہ ہو گا؛ کیونکہ باندی اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے احکامِ شریعت کی معرفت کے لیے فارغ نہیں ہوتی ہے اس لیے خیارِ عتق کے اس کے لیے ثابت ہونے سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اسے معذور قرار دیا گیا ہے۔

{۱} ثُمَّ خِيَارُ الْبِكْرِ يَبْطُلُ بِالسُّكُوتِ ، وَلَا يَبْطُلُ خِيَارُ الْغُلَامِ مَا لَمْ يَقُلْ رَضِيتُ أَوْ يَجِيءُ مِنْهُ مَا يُعْلَمُ أَنَّهُ رِضًا ،وَكَذَلِكَ الْجَارِيَةُ إذَا دَخَلَ بِهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الْبُلُوغِ

پھر باکرہ کا خیار باطل ہوتا ہے سکوت سے، اور باطل نہیں ہوتا ہے لڑکے کا خیار جب تک کہ نہ کہے کہ میں راضی ہوں یا نہ آئے اس کی طرف سے ایسی بات جس سے معلوم ہو کہ یہ رضا ہے، اسی طرح لڑکی ہے جب دخول کرے اس کے ساتھ شوہر بلوغ سے پہلے

{۲} اعْتِبَارًا لِهَذِهِ الْحَالَةِ بِحَالَةِ ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ ،{۳} وَخِيَارُ الْبُلُوغِ فِي حَقِّ الْبِكْرِ لَا يَمْتَدُّ إلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ

قیاس کرتے ہوئے اس حالت کو ابتداءِ نکاح کی حالت پر۔ اور خیارِ بلوغ باکرہ کے حق میں ممتد نہیں ہوتا ہے مجلس کے آخر تک،

{۴} وَلَا يَبْطُلُ بِالْقِيَامِ فِي حَقِّ الثَّيِّبِ وَالْغُلَامِ لِأَنَّهُ مَا ثَبَتَ بِإِثْبَاتِ الزَّوْجِ بَلْ لِتَوَهُّمِ الْخَلَلِ

اور باطل نہیں ہوتا قیام سے ثیبہ اور لڑکے کے حق میں؛ کیونکہ خیارِ بلوغ ثابت نہیں ہوا ہے زوج کے اثبات سے بلکہ توہم خلل کی وجہ سے ہے

فَإِنَّمَا يَبْطُلُ بِالرِّضَا غَيْرَ أَنَّ سُكُوتَ الْبِكْرِ رِضًا ،{۵} بِخِلَافِ خِيَارِ الْعِتْقِ لِأَنَّهُ ثَبَتَ بِإِثْبَاتِ الْمَوْلَى

چنانچہ باطل ہوتا ہے رضا سے، مگر باکرہ کا سکوت رضامندی ہے، بر خلافِ خیارِ عتق کے؛ کیونکہ ثابت ہوا ہے مولیٰ کے ثابت کرنے سے

وَهُوَ الْإِعْتَاقُ فَيُعْتَبَرُ فِيهِ الْمَجْلِسُ كَمَا فِي خِيَارِ الْمُخَيَّرَةِ ،{۶} ثُمَّ الْفُرْقَةُ بِخِيَارِ الْبُلُوغِ لَيْسَتْ بِطَلَاقٍ لِأَنَّهُ يَصِحُّ

اور وہ آزاد کرنا ہے پس معتبر ہو گی اس میں مجلس جیسا کہ خیارِ مخیَّرہ میں، پھر فرقت خیارِ بلوغ کی وجہ سے طلاق نہیں ہے؛ کیونکہ صحیح ہے

مِنَ الْأُنْثَى وَلَا طَلَاقَ إلَيْهَا ، وَكَذَا بِخِيَارِ الْعِتْقِ لِمَا بَيَّنَّا

عورت کی طرف سے حالانکہ اختیارِ طلاق نہیں ہے عورت کو، اور ایسے ہی خیارِ عتق کی وجہ سے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی

بِخِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ لِأَنَّ الزَّوْجَ هُوَ الَّذِي مَلَّكَهَا وَهُوَ مَالِكٌ لِلطَّلَاقِ وَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَاقَبْلَ الْبُلُوغِ

برخلاف مخیرہ کے؛ کیونکہ زوج ہی نے اس کو مالک بنایا ہے، اور وہ مالک ہے طلاق کا۔ اور اگر مر گیا دونوں میں سے ایک بلوغ سے پہلے

وَرِثَهُ الْآخَرُ ﴿۷﴾وَكَذَاإِذَامَاتَ بَعْدَالْبُلُوغِ قَبْلَ التَّفْرِيقِ لِأَنَّ أَصْلَ الْعَقْدِ صَحِيحٌ وَالْمِلْكُ ثَابِتٌ بِهِ

تو وارث ہو گا اس کا دوسرا، اور اسی طرح جب مر جائے بلوغ کے بعد تفریق سے پہلے؛ کیونکہ اصل عقد صحیح ہے اور ملک ثابت ہے اس کی وجہ سے

وَقَدْ انْتَهَى بِالْمَوْتِ ،﴿۸﴾بِخِلَافِ مُبَاشَرَةِ الْفُضُولِيِّ إِذَا مَاتَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ لِأَنَّ النِّكَاحَ ثَمَّةَ

اور وہ انتہاء کو پہنچ گئی موت کی وجہ سے، برخلاف مباشرتِ فضولی کے جب مر جائے زوجین میں سے ایک اجازت سے پہلے کیونکہ نکاح وہاں

مَوْقُوفٌ فَيَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَهَاهُنَا نَافِذٌ فَيَتَقَرَّرُ بِهِ .

موقوف ہے پس باطل ہو جائے گا موت کی وجہ سے اور یہاں نافذ ہے پس ثابت ہو گا موت کی وجہ سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں یہ بتایا ہے کہ لڑکی کا خیارِ بلوغ خاموشی سے فسخ ہوتا ہے اور لڑکے زبان سے رضا کا اظہار ضروری ہے، اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳و۴ میں بتایا ہے کہ باکرہ کو خبر مل جانے پر خاموشی اختیار کرتے ہی اس کا خیار ختم ہو جاتا ہے جبکہ ثیبہ اور لڑکے کا خیار فقط خاموشی سے ختم نہیں ہوتا ہے، اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں بتایا ہے کہ خیارِ عتق مجلس پر موقوف ہوتا ہے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۶ میں بتایا ہے کہ خیارِ بلوغ سے نکاح ختم کرنا فسخ نکاح ہے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، جبکہ مخیّرہ کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ اور نمبر ۷ میں ایک صورت میں صغیرین کا ایک دوسرے کا وارث ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ میں فضولی کا نکاح کرانے کی صورت میں زوجین کا ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔﴿۱﴾ یہ ما قبل پر تفریع ہے، یعنی اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کرایا تو چونکہ اب بالغ ہونے پر ان کو خیارِ فسخ حاصل ہے مگر ہوا یہ کہ لڑکی بالغ ہو کر خاموش ہو گئی باوجودیکہ اس کو نکاح کا علم بھی ہے تو لڑکی کی خاموشی سے اس کا خیارِ فسخ باطل ہو جاتا ہے۔ اور لڑکے کا خیارِ بلوغ صرف سکوت سے باطل نہیں ہو گا جب تک کہ زبان سے رضامندی کا اظہار نہ کرے مثلاً یوں کہے، "رَضِيتُ بِالنِّكَاحِ" یا اس سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ اس نکاح پر راضی ہے مثلاً اس عورت کا بوسہ لے لے یا اس کے ساتھ وطی کر لے یا اس کو اس کا مہر ونفقہ سپرد کر دے۔ اسی طرح اگر جاریہ ثیبہ سے شوہر نے بالغ ہونے سے پہلے جماع کیا تو اس کا سکوت رضا شمار نہ ہو گا بلکہ یا تو زبان سے رضامندی کا اظہار کرے یا اس سے ایسی بات ظاہر ہو جائے جس سے معلوم ہو کہ وہ اس نکاح پر راضی ہے۔

{۲} مجموعہ کی دلیل یہ ہے کہ حالتِ ثبوتِ خیار کو ابتداءِ نکاح پر قیاس کیا جائے گا یعنی جب ولی بالغہ باکرہ کا نکاح ابتدا کر دے اور وہ اس پر خاموش ہو جائے تو یہ خاموشی اجازت سمجھی جاتی ہے تو خیارِ فسخ کی صورت میں بھی اس کی خاموشی اجازت جائیگی۔ اور ابتداءِ نکاح میں لڑکے کا خاموش ہونا کافی نہیں بلکہ اظہارِ رضا ضروری ہے تو خیارِ فسخ کی صورت میں بھی اس کی خاموشی کا نہیں بلکہ اظہارِ رضا ضروری ہے، اسی طرح ثیّبہ لڑکی کی ابتداءِ نکاح کے وقت خاموشی کافی نہیں بلکہ اظہارِ رضا ضروری ہے تو خیار صورت میں بھی اس کی خاموشی کافی نہ ہوگی بلکہ اظہارِ رضامندی ضروری ہے۔

{۳} یہ دوسری تفریع ہے یعنی خیارِ بلوغ باکرہ کے حق میں آخرِ مجلس تک ممتد نہ ہوگا یعنی اگر پہلے سے اس کو نکاح کی خبر تو جس مجلس میں وہ بالغ ہوگئی اسی مجلس میں اس نے خاموشی اختیار کی تو خاموشی اختیار کرتے ہی اس کا خیار ختم ہو جاتا ہے، اور یا پہلے سے ہو چکی تھی مگر نکاح کی خبر اس کو نہ تھی اب یہ خبر اس کو پہنچی اور اس نے خاموشی اختیار کی تو خاموشی اختیار کرتے ہی کا خیار ختم ہو جاتا ہے۔

{۴} لڑکے اور ثیّبہ لڑکی کا خیارِ بلوغ محض کھڑے ہونے سے ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ ماوراء مجلس تک ممتد رہے گا، خامو لڑکی کا خیار ختم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خیارِ بلوغ اس کے لیے شوہر کے ثابت کرنے سے ثابت نہیں ہوا ہے لہذا مجلس پر مقصور ہوگا؛ کیونکہ شوہر کی جانب سے مفوَّض امر ہی مجلس پر مقصور ہوتا ہے۔ اور دونوں (ثیّبہ لڑکی اور لڑکے) کے خیار کے بارے میں وجہ یہ ہے کہ توہم خلل کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے عدمِ رضا کی بنا پر ان کو خیارِ بلوغ کا حق دیا گیا ہے اور جو چیز عدمِ رضا سے ثابت ہو رضا سے باطل ہو جاتی ہے منافی کے پائے جانے کی وجہ سے کیونکہ شئ منافی کے ساتھ باقی نہیں رہتی، البتہ باکرہ کا سکوت چو رضا شمار ہوتا ہے اس لیے خاموش ہونے سے اس کا خیار باطل ہو جاتا ہے، اور ثیّبہ اور لڑکے کا سکوت رضا شمار نہیں ہوتا اس لیے ا مجلس تک اس کا خیار باقی رہے گا۔

{۵} بخلاف خیارِ عتق کے کہ وہ مجلس پر مقصور ہوتا ہے؛ کیونکہ خیارِ عتق مولیٰ کے ثابت کرنے سے ثابت ہوتا ہے ا مولیٰ کا اس کو آزاد کرنا ہے لہذا اس میں مجلس کا اعتبار ہوگا؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو خیار غیر کے ثابت کرنے سے ثابت ہو وہ پر مقصور رہے گا لہذا خیارِ عتق مجلس کے آخر تک رہے گا، جیسا کہ خیارِ مخیَّرہ یعنی جس عورت کو شوہر نے کہا "تو اپنے نفس کو اختیار کر" تو عورت کے لیے یہ خیار چونکہ شوہر کے ثابت کرنے سے ثابت ہوا ہے اس لیے عورت کو مجلس کے آخر تک اختیار ہوگا کہ نکا ختم کر دے یا برقرار رکھے۔

{۶} پھر خیارِ بلوغ کی وجہ سے اگر صاحبِ خیار نے نکاح کو ختم کر دیا تو زوجین میں یہ تفریق طلاق شمار نہ ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگی؛ کیونکہ طلاق فقط مرد کی طرف سے ہوتی ہے جبکہ یہ فرقت عورت کی طرف سے بھی آسکتی ہے کہ عورت صغیرہ ہو اور بالغہ ہونے پر خیارِ بلوغ کے تحت اس نے نکاح کو ختم کر دیا، حالانکہ عورت کو طلاق کا حق حاصل نہیں، لہٰذا یہ فرقت طلاق نہیں ہوسکتی ہے۔ اسی طرح خیارِ عتق کی وجہ سے جو فرقت واقع ہوتی ہے وہ بھی طلاق نہ ہوگی؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ عتق کی صورت میں بھی عورت کی طرف سے فرقت آسکتی ہے مثلاً مولیٰ اپنی باندی کو آزاد کر دے تو وہ خیارِ عتق کے تحت اپنا نکاح ختم کر سکتی ہے، تو چونکہ یہ فرقت عورت کی طرف سے بھی آتی ہے اس لیے یہ طلاق نہ ہوگی۔

برخلافِ مخیّرہ کے کہ وہ اگر اپنے نفس کو اختیار کرتے ہوئے نکاح کو ختم کر دے تو یہ فرقت طلاق شمار ہوگی؛ کیونکہ شوہر ہی نے اختیار دے کر بیوی کو طلاق کی مالکہ بنا دیا ہے اور شوہر طلاق کا مالک ہے تو گویا شوہر نے طلاق دی ہے نہ کہ بیوی نے، لہٰذا یہ فرقت طلاق شمار ہوگی۔

{۷} صغیرین کا نکاح اب اور جد کے سوا دیگر اولیاء میں سے کسی نے کیا تھا تو اس صورت میں ان کو چونکہ بلوغ کے وقت خیارِ فسخ حاصل ہے لیکن اگر بلوغ سے پہلے یا بلوغ کے بعد قاضی کا ان کے درمیان تفریق کرنے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک مر گیا تو دوسرا اس کا وارث ہوگا؛ کیونکہ اصل عقد صحیح ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی کی تفریق سے پہلے ان کا وطی کرنا جائز ہے لہٰذا اس نکاح سے مِلکِ بضع ثابت ہے اور یہ مِلک کسی ایک کی موت کی وجہ سے انتہاء کو پہنچ جاتی ہے اور جو چیز انتہاء کو پہنچ جائے وہ مستحکم ہو جاتی ہے زائل نہیں ہوتی ہے اس لیے ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔

{۸} برخلافِ اس کے کہ اگر نکاح کسی فضولی شخص نے مرد اور عورت کی اجازت کے بغیر کر دیا ہو اور اجازت دینے سے پہلے احد الزوجین مر گیا تو دوسرا اس کا وارث نہ ہوگا؛ کیونکہ فضولی کا نکاح زوجین کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اس پر احکام مرتب نہیں ہوتے ہیں لہٰذا احد الزوجین کی موت سے یہ نکاح باطل ہو جاتا ہے اس لیے دوسرا اس کا وارث نہ ہوگا، جبکہ متن کے مسئلہ میں نکاح نافذ ہے لہٰذا کسی ایک کی موت سے نکاح متقرر اور مستحکم ہو جاتا ہے اس لیے ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔

{۱} قَالَ وَلَا وِلَايَةَ لِعَبْدٍ وَلَا صَغِيرٍ وَلَا مَجْنُونٍ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَأَوْلَى أَنْ لَاتَثْبُتَ

فرمایا: اور ولایت نہیں ہے غلام، صغیر اور مجنون کے لیے؛ کیونکہ ان کو ولایت حاصل نہیں اپنے نفسوں پر پس بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہوگی

عَلَى غَيْرِهِمْ وَلِأَنَّ هٰذِهِ وِلَايَةٌ نَظَرِيَّةٌ وَلَانَظَرَ فِي التَّفْوِيضِ إِلَى هٰؤُلَاءِ {۲} وَلَا وِلَايَةَ لِكَافِرٍ عَلَى مُسْلِمٍ

اپنے غیر پر، اور اس لیے کہ یہ ولایت نظری ہے اور کوئی شفقت نہیں سپرد کرنے میں ان کو اور ولایت نہیں کافر کے لیے مسلمان پر؛

سَبِيلًا } وَلِهَذَا لَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مؤمنوں پر کوئی راہ" اور اسی وجہ سے قبول نہیں کی جائے گی

شَهَادَتُهُ عَلَيْهِ وَلَا يَتَوَارَثَانِ ، أَمَّا الْكَافِرُ فَتَثْبُتُ لَهُ وِلَايَةُ الْإِنْكَاحِ عَلَى وَلَدِهِ

اس کی گواہی مسلمان پر اور ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، رہا کافر تو ثابت ہے اس کے لیے نکاح کرنے کی ولایت اپنے کافر بیٹے پر

لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ } وَلِهَذَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ

کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور وہ لوگ جو کافر ہیں بعض بعض کے ولی ہیں" اور اسی لیے قبول کی جائے گی کافر کی گواہی کافر کے خلاف

وَيَجْرِي بَيْنَهُمَا التَّوَارُثُ {۳} وَلِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْأَقَارِبِ وِلَايَةُ التَّزْوِيجِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور جاری ہوتی ہے دونوں میں وراثت اور عصبات کے علاوہ اقارب کو ولایت حاصل ہے نکاح کرانے کی امام صاحبؒ کے نزدیک، معنی یہ ہے

عِنْدَ عَدَمِ الْعَصَبَاتِ ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا تَثْبُتُ وَهُوَ الْقِيَاسُ، وَهُوَ

کہ عصبات نہ ہونے کی صورت میں اور یہ استحسان ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ ثابت نہ ہوگی، اور یہی قیاس ہے اور یہی ایک روایت ہے

عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ فِي ذَلِكَ مُضْطَرِبٌ وَالْأَشْهَرُ أَنَّهُ مَعَ مُحَمَّدٍ . {۴} لَهُمَا

امام صاحبؒ سے، اور قول امام ابو یوسفؒ کا اس بارے میں مضطرب ہے، اور مشہور یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، صاحبینؒ کی دلیل وہ ہے

رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْوِلَايَةَ إِنَّمَا ثَبَتَتْ صَوْنًا لِلْقَرَابَةِ عَنْ نِسْبَةِ غَيْرِ الْكُفْءِ

جو ہم نے روایت کی، اور اس لیے کہ ولایت ثابت ہوتی ہے قرابت کی حفاظت کے لیے غیر کفو کی نسبت سے اس کی طرف،

وَإِلَى الْعَصَبَاتِ الصِّيَانَةُ . {۵} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْوِلَايَةَ نَظَرِيَّةٌ وَالنَّظَرُ يَتَحَقَّقُ

اور عصبات کو سپرد کرنے میں حفاظت ہے، اور امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت نظری ہے اور نظر متحقق ہوتی ہے

بِالتَّفْوِيضِ إِلَى مَنْ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِالْقَرَابَةِ الْبَاعِثَةِ عَلَى الشَّفَقَةِ {۶} وَمَنْ لَا وَلِيَّ لَهَا يَعْنِي الْعَصَبَةَ

اس شخص کو سپرد کرنے میں جو مختص ہو ایسی قرابت کے ساتھ جو قرابت ابھارتی ہو شفقت پر، اور جس عورت کا ولی نہ ہو یعنی عصبہ

مِنْ جِهَةِ الْقَرَابَةِ إِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِي أَعْتَقَهَا جَازَ لِأَنَّهُ آخِرُ الْعَصَبَاتِ، وَإِذَا

جہت قرابت سے، جب اس کا نکاح کرے اس کا وہ مولیٰ جس نے اس کو آزاد کیا ہے تو جائز ہے؛ کیونکہ وہ آخری عصبہ ہے، اور جب

عُدِمَ الْأَوْلِيَاءُ فَالْوِلَايَةُ إِلَى الْإِمَامِ وَالْحَاكِمِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ { السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ }

معدوم ہو جائیں اولیاء تو ولایت امام اور حاکم کے لیے ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "سلطان ولی ہے اس کا جس کا ولی نہ ہو"

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بتایا ہے کہ غلام، نابالغ اور مجنون کو ولایت حاصل نہیں اور اس کی وجہ ذکر کی ہے، اور کافر کی ولایت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳و۴و۵ میں عصبات کے علاوہ رشتہ داروں کی ولایت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر ۶ میں ایک صورت میں مولیٰ کا صغیرہ کا نکاح کرانے کا جواز اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} غلام، نابالغ اور مجنون میں سے کسی کو حقِ ولایت حاصل نہیں یعنی یہ کسی کے ولی نہیں بن سکتے ہیں؛ کیونکہ ان کو اپنے اوپر حقِ ولایت (ولایتِ قاصرہ) حاصل نہیں تو دوسرے پر تو بدرجہ اولیٰ انکو حقِ ولایت (ولایتِ متعدیہ) حاصل نہ ہوگا اس لئے کہ ولایتِ متعدیہ، ولایتِ قاصرہ کی فرع ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس ولایت کا مدار شفقت پر ہے جبکہ ان تینوں کو سپرد کرنے میں کوئی شفقت نہیں؛ اس لیے کہ بچہ اور مجنون کفو حاصل کرنے سے عاجز ہیں، اسی طرح غلام بھی ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے کفو حاصل کرنے سے عاجز ہے۔

{۲} اور کافر کو مسلمان عورت پر حقِ ولایت حاصل نہیں؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَن يَّجعَلَ اللّٰهُ لِلكافِرِينَ عَلَى المُؤمِنِينَ سَبِيلاً[1]) (ہرگز نہیں بنائیگا اللہ تعالیٰ کافر کیلئے مسلمان پر کوئی راہ)، راہ اور سبیل سے مراد یہاں تصرفِ شرعی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے، اور مسلمان و کافر میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوسکتا۔ البتہ کافر کو اپنے کافر بیٹے کا نکاح کرانے کی ولایت حاصل ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَالَّذِينَ كَفَرُوا بعضُهُم اَولِيَاءُ بَعْضٍ[2]) (یعنی کفار بعض بعض کے ولی ہیں) یہی وجہ ہے کہ کافر کی گواہی کافر کے خلاف قبول کی جاتی ہے اور دو کافروں میں وراثت جاری ہوگی یعنی ایک کافر دوسرے کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔

{۳} امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عصبات کے علاوہ دیگر رشتہ داروں (مثلاً ماموں، خالہ، پھوپھی) کو بھی استحساناً صغیرہ کا نکاح کرانے کی ولایت حاصل ہے، مطلب یہ ہے کہ عصبات کی عدم موجودگی میں دیگر رشتہ داروں کو یہ حق حاصل ہے، جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک عصبات نہ ہونے کی صورت میں ولایت دوسرے رشتہ داروں کے لئے ثابت نہ ہوگی، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے، اور یہی

([1]) النساء:۱۴۱۔

([2]) الانفال:۷۳۔

ایک روایت امام صاحبؒ سے ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا قول اس بارے میں مضطرب ہے؛ کیونکہ کتاب النکاح میں امام صاحبؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور وَلاء میں امام محمدؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور مشہور یہ ہے کہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔

{۴} صاحبینؒ کی دلیل پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْإِنْكَاحُ إِلَى الْعَصَبَاتِ"[1] (یعنی نکاح عصبات کے سپرد ہے) "اَلْإِنْكَاحُ" اور "اَلْعَصَبَاتِ" کا الف لام جنس کا ہے یعنی جنس نکاح جنس عصبات کے سپرد ہے عصبات کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ولایت قرابت کی حفاظت کے لیے ہے تاکہ غیر کفو کو اس کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور یہ حفاظت فقط عصبات کے سپرد ہے؛ کیونکہ عصبات ہی غیر کفو سے عار محسوس کرتے ہیں، لہٰذا ولایت کا حق بھی صرف عصبات کو ہوگا غیر کو نہ ہوگا۔

{۵} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور شفقت ہر اس شخص میں موجود ہوتی ہے جس میں ایسی قرابت ہو جو باعثِ شفقت ہو اور قرابت مطلقاً باعثِ شفقت ہے، پس جس میں قرابت باعثِ شفقت ہو اس کو ولایت حاصل ہوگی خواہ وہ عصبہ ہو یا غیر عصبہ، لہٰذا عصبات میں منحصر ماننا درست نہیں۔ باقی حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ عصبات کی موجودگی میں ولایت ان کو سپرد ہے دوسروں کو دخل نہیں، یہ مطلب نہیں کہ عصبات کی عدم موجودگی میں بھی دوسروں کو دخل نہیں۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما في الشامية: (قَوْلُهُ فَالْوِلَايَةُ لِلْأُمِّ إلَخْ) أَيْ عِنْدَ الْإِمَامِ وَمَعَهُ أَبُو يُوسُفَ فِي الْأَصَحِّ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَيْسَ لِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ وِلَايَةٌ وَإِنَّمَا هِيَ لِلْحَاكِمِ وَالْأَوَّلُ الِاسْتِحْسَانُ ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ إلَّا فِي مَسَائِلَ لَيْسَتْ هَذِهِ مِنْهَا فَمَا قِيلَ مِنْ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى الثَّانِي غَرِيبٌ لِمُخَالَفَتِهِ الْمُتُونَ الْمَوْضُوعَةَ لِبَيَانِ الْفَتْوَى مِنَ الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ (ردّالمحتار: ۲/۳۳۹)

{۶} اور اگر کسی بچی کا ولی نہ ہو یعنی قرابت کی جہت سے کوئی عصبہ رشتہ دار نہ ہو، اور اس کا نکاح اس کے اس مولیٰ (مالک) نے کر دیا جس نے اس کو آزاد کر دیا ہو تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ آزاد کرنے والا مولیٰ عصبات میں سے آخری عصبہ ہے اس لیے اس کو نکاح کرانے کی ولایت حاصل ہے۔ اور اگر کسی بچی کے نہ نسبی اولیاء ہوں اور نہ سببی (کسی کے آزاد کرنے والے کو عصبہ سببی یا مولی العتاقہ کہتے ہیں)، تو پھر حق ولایت امام (خلیفہ) اور حاکم (نائبِ خلیفہ) کو حاصل ہوگا؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَلسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ"[2] (یعنی امام ولی ہے ہر اس شخص کا جس کا ولی نہیں)۔

([1]) حوالہ گذر چکا۔
([2]) رواه ابوداؤد، جلد:۱، ص:۳۰۱، برقم:۲۰۸۳، ط مكتبة رحمانيه لاهور.

{۱} وَإِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْأَقْرَبُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً. جَازَ لِمَنْ هُوَ أَبْعَدُ مِنْهُ أَنْ يُزَوِّجَ وَقَالَ زُفَرُ
اور جب غائب ہو جائے اقرب ولی غیبتِ منقطعہ کے طور پر تو جائز ہے اس کے لیے جو ابعد ہو اس سے کہ نکاح کرائے، اور فرمایا امام زفرؒ نے
لَا يَجُوزُ لِأَنَّ وِلَايَةَ الْأَقْرَبِ قَائِمَةٌ لِأَنَّهَا ثَبَتَتْ حَقًّا لَهُ صِيَانَةً لِلْقَرَابَةِ فَلَاتَبْطُلُ
کہ جائز نہیں؛ کیونکہ اقرب کی ولایت قائم ہے کیونکہ وہ ثابت ہوتی ہے بطورِ حق اس کے لیے قرابت کی حفاظت کے لیے پس باطل نہ ہوگی
بِغَيْبَتِهِ، وَلِهَذَا لَوْ زَوَّجَهَا حَيْثُ هُوَ جَازَ ، وَلَا وِلَايَةَ لِلْأَبْعَدِ مَعَ وِلَايَتِهِ.
اس کی غیبت سے، اسی لیے اگر اس نے اس کا نکاح کر لیا جہاں وہ ہے تو جائز ہے اور ولایت کا حق نہیں ابعد کو اقرب کی ولایت کے ساتھ
{۲}وَلَنَا أَنَّ هَذِهِ وِلَايَةٌ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ التَّفْوِيضُ إِلَى مَنْ لَا يُنْتَفَعُ بِرَأْيِهِ
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ولایت شفقتی ہے اور کوئی شفقت نہیں سپرد کرنا ایسے شخص کو جو فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہو اس کی رائے سے
فَفَوَّضْنَاهُ إِلَى الْأَبْعَدِ وَهُوَ مُقَدَّمٌ عَلَى السُّلْطَانِ كَمَا إِذَامَاتَ الْأَقْرَبُ،{۳}وَلَوْ زَوَّجَهَا حَيْثُ هُوَ
پس ہم نے سپرد کر دی ابعد کو اور وہ مقدم ہے سلطان پر جیسا کہ جب ولی اقرب مرجائے، اور اگر اس نے اس کا نکاح کیا جہاں وہ ہے
فِيهِ مَنْعٌ وَبَعْدَ التَّسْلِيمِ نَقُولُ لِلْأَبْعَدِ بُعْدُ الْقَرَابَةِ وَقُرْبُ التَّدْبِيرِ وَلِلْأَقْرَبِ عَكْسُهُ
تو منع کیا جائے گا، اور تسلیم کر لینے کے بعد ہم کہتے ہیں ابعد کے لیے بعدِ قرابت ہے اور قربِ تدبیر ہے اور اقرب کے لیے اس کا عکس ہے
فَنُزِّلَا مَنْزِلَةَ وَلِيَّيْنِ مُتَسَاوِيَيْنِ فَأَيُّهُمَا عَقَدَ نَفَذَ وَلَا يُرَدُّ{۴} وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ
پس دونوں کو اتار دیا جائے گا درجہ میں دو متساوی ولیوں کے پس جس نے عقد کیا وہ نافذ ہوگا اور رد نہیں کیا جائے گا، اور غیبتِ منقطعہ یہ ہے
أَنْ يَكُونَ فِي بَلَدٍلَاتَصِلُ إِلَيْهَاالْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِإِلَّا مَرَّةًوَاحِدَةً وَهُوَاخْتِيَارُالْقُدُورِيِّ .وَقِيلَ أَدْنَى مُدَّةِ السَّفَرِ
کہ ہو ایسے شہر میں کہ نہ پہنچتے ہوں اس کو قافلے سال میں مگر ایک بار، اور یہ امام قدوریؒ کا مختار قول ہے، اور کہا گیا ہے ادنیٰ مدتِ سفر ہے
لِأَنَّهُ لَا نِهَايَةَ لِأَقْصَاهُ وَهُوَ اخْتِيَارُ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ . وَقِيلَ : إِذَا كَانَ بِحَالٍ يَفُوتُ الْكُفْءُ بِاسْتِطْلَاعِ
کیونکہ کوئی انتہاء نہیں منتہاء سفر کی اور وہ مختار ہے بعض متاخرین کا، اور کہا گیا ہے کہ جب ہو ایسے حال میں کہ فوت ہوتا ہو کفو اطلاع پانے سے
رَأْيِهِ ، وَهَذَا أَقْرَبُ إِلَى الْفِقْهِ لِأَنَّهُ لَا نَظَرَ فِي إِبْقَاءِ وِلَايَتِهِ حِينَئِذٍ{۵} وَإِذَا اجْتَمَعَ
اس کی رائے پر، اور یہ زیادہ قریب ہے فقہ کو؛ کیونکہ کوئی شفقت نہیں اس کی ولایت کو برقرار رکھنے میں اس وقت۔ اور جب جمع ہو جائیں
فِي الْمَجْنُونَةِ أَبُوهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِي نِكَاحِهَا ابْنُهَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ
مجنونہ میں اس کا باپ اور اس کا بیٹا تو ولی اس کا نکاح کرنے میں اس کا بیٹا ہے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں، اور فرمایا امام محمدؒ نے
أَبُوهَا) لِأَنَّهُ أَوْفَرُ شَفَقَةً مِنَ الِابْنِ .وَلَهُمَا أَنَّ الِابْنَ هُوَ الْمُقَدَّمُ فِي الْعُصُوبَةِ ، وَهَذِهِ الْوِلَايَةُ مَبْنِيَّةٌ

کہ ولی اس کا باپ ہے؛ کیونکہ وہ کامل الشفقۃ ہے بیٹے سے، اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بیٹا مقدم ہے عصبہ ہونے میں اور یہ ولایت جنی ہے

عَلَيْهَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ الشَّفَقَةِ كَأَبِي الْأُمِّ مَعَ بَعْضِ الْعَصَبَاتِ. والله أعلم

عصوبت پر، اور اعتبار نہیں زیادتی شفقت کا جیسے ماں کا باپ دیگر عصبات کے ساتھ، واللہ اعلم۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ولی اقرب کے غائب ہونے کی صورت میں ابعد کا نکاح کرانے میں امام صاحبؒ اور زفرؒ کا اختلاف، فریقین کے دلائل اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۴ میں غیبتِ منقطعہ کی وضاحت کی اور نمبر ۵ میں مجنونہ کے ولی کے بارے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور امام محمدؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نابالغ کا ولیٔ اقرب (مثلاً باپ) غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو، تو ولیٔ ابعد (مثلاً دادا) کے لیے جائز ہے کہ صغیر اور صغیرہ کا نکاح کرائے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ابعد کے لیے جائز نہیں کہ اس کا نکاح کرائے؛ کیونکہ اقرب کی ولایت قائم اور موجود ہے کیونکہ اقرب کے لیے ولایت بطورِ حق ثابت ہے تاکہ اپنی قرابت کو غیر کفو کی طرف منسوب ہونے سے محفوظ رکھے، اور کسی شخص کے ساتھ قائم حق اس کے غائب ہونے سے باطل نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں ہے وہیں رہتے ہوئے اس نے صغیرہ کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح درست ہے، اور جب اقرب کی ولایت موجود اور باقی ہے تو ابعد کو حق ولایت حاصل نہ ہوگا۔

{۲} ہماری دلیل یہ ہے کہ اس ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور جس شخص کی رائے سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو امورِ نکاح اس کے سپرد کرنے میں کوئی شفقت نہیں اس لئے ہم نے یہ ولایت ولی ابعد کے سپرد کر دی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ولی ابعد امام المسلمین سے مقدم ہے جیسا کہ جب ولی اقرب مر جائے تو ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے امام کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ولی اقرب غائب ہونے کی صورت میں ولایتِ نکاح امام المسلمین کو حاصل ہوگی، مگر ہمارے نزدیک ولی ابعد امام المسلمین سے مقدم ہے۔

{۳} امام زفرؒ نے اپنے مدعیٰ پر جو شاہد پیش کیا تھا کہ "ولی اقرب جہاں ہے وہیں اگر اس نے نکاح کر دیا تو صحیح ہے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی اقرب کی ولایت قائم ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہمیں تسلیم نہیں بلکہ وہاں اگر اس نے صغیرہ کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح درست نہ ہوگا، اور جب اس صورت میں ہمارا اتفاق نہیں تو یہ آپ کے مدعیٰ پر شاہد بھی نہیں بن سکتی ہے۔ اور اگر تسلیم کرلیں کہ ولی اقرب کا حالت غیبت میں کیا ہوا نکاح درست ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی اقرب و ابعد میں سے ہر ایک میں ایک خوبی اور ایک خرابی ہے، ولی ابعد میں خرابی بُعدِ قرابت اور خوبی قربِ تدبیر ہے اور ولی اقرب میں اس کے برعکس ہے یعنی خوبی قرب

قرابت اور خرابی بُعدِ تدبیر ہے پس ان دونوں کو دو متساوی ولیوں کے درجہ میں اتار دیا جیسے دو بھائی، اور متساوی ولیوں میں سے جو بھی نکاح کر دے وہ صحیح ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں جو بھی عقدِ نکاح کر دے وہ نافذ ہو گا رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

{۴} مصنف نے غیبتِ منقطعہ کی تعریف کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں، امام قدوری کا مختار قول یہ ہے کہ ولی کسی ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ جاتے ہوں۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ادنیٰ مدت سفر یعنی تین دن کی مسافت پر چلا گیا ہو تو یہ غیبتِ منقطعہ ہے؛ وجہ یہ ہے کہ منتہاءِ سفر کی کوئی انتہا نہیں ہے اور قاعدہ ہے کہ جس کے منتہیٰ کی کوئی انتہا نہ ہو اس کا ادنیٰ معتبر ہوتا ہے، لہٰذا غیبتِ منقطعہ کے لیے ادنیٰ مدتِ سفر معتبر ہوگی یہ قولِ بعض متاخرین کا پسند کردہ ہے۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر ولی ایسی جگہ چلا گیا کہ اگر اسکی رائے معلوم کی جائے تو کفو فوت ہو جائیگا تو سمجھا جائیگا کہ یہ غائب بغیبتِ منقطعہ ہے اور یہ آخری قول فقہ اور علم کے زیادہ قریب ہے کیونکہ کفو فوت ہونے کے باوجود ولایت کو باقی رکھنے میں کوئی شفقت نہیں، اور ولایت شفقتی ہے جب اس میں شفقت نہیں تو ابعد کو سپرد کیا جائے گا۔

فتویٰ:۔ فتویٰ اسی آخری قول پر ہے کمافی الشامية:(قَوْلُهُ مَسَافَةَ الْقَصْرِ إلَخْ) اُخْتُلِفَ فِي حَدِّ الْغَيْبَةِ فَاخْتَارَ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلْكَنْزِ أَنَّهَا مَسَافَةُ الْقَصْرِ وَنَسَبَهُ فِي الْهِدَايَةِ لِبَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ وَالزَّيْلَعِيُّ لِأَكْثَرِهِمْ قَالَ:وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى.اهـ.وَقَالَ فِي الذَّخِيرَةِ الْأَصَحُّ أَنَّهُ إذَا كَانَ فِي مَوْضِعٍ لَوْ انْتَظَرَ حُضُورَهُ أَوِاسْتِطْلَاعَ رَأْيِهِ فَاتَ الْكُفْءُ الَّذِي حَضَرَ فَالْغَيْبَةُ مُنْقَطِعَةٌ وَإِلَيْهِ أَشَارَ فِي الْكِتَابِ.اهـ.وَفِي الْبَحْرِ عَنْ الْمُجْتَبَى وَالْمَبْسُوطِ : أَنَّهُ الْأَصَحُّ وَفِي النِّهَايَةِ وَاخْتَارَهُ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْفَضْلِ،وَفِي الْهِدَايَةِأَنَّهُ أَقْرَبُ إلَى الْفِقْهِ.وَفِي الْفَتْحِ أَنَّهُ الْأَشْبَهُ بِالْفِقْهِ وَأَنَّهُ لَاتَعَارُضَ بَيْنَ أَكْثَرِالْمُتَأَخِّرِينَ وَأَكْثَرِ الْمَشَايِخِ أيْ لِأَنَّ الْمُرَادَمِنَ الْمَشَايِخِ الْمُتَقَدِّمُونَ وَفِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى عَنِ الْحَقَائِقِ أَنَّهُ أَصَحُّ الْأَقَاوِيلِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى .(ردّالمحتار:۳۴۲/۲)

{۵} صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی مجنونہ عورت کا باپ بھی ہے اور سابقہ شوہر سے بیٹا بھی، تو شیخین کے نزدیک حقِ ولایت بیٹے کو حاصل ہے اور امام محمد کے نزدیک باپ کو حاصل ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اس ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور شفقت باپ میں بیٹے کی بنسبت زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ باپ کو مال اور نفس دونوں کے بارے میں ولایت حاصل ہے جبکہ بیٹے کو ولایتِ مالی حاصل نہیں لہٰذا ولایتِ نکاح کا حق باپ کو ہوگا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عصبہ ہونے میں بیٹا، باپ سے مقدم ہے اور یہ ولایت عصوبت پر مبنی ہے؛ کیونکہ پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے "الانکاح الیٰ العصبات" (یعنی نکاح عصبات کے سپرد ہے) لہٰذا اس ولایت کا حق بیٹے

کو ہوگا۔ اور امام محمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اصل شفقت معتبر ہے زیادتی شفقت معتبر نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کسی صغیرہ کا نانا اور اس کے چچا کا پوتا جمع ہو جائیں تو ولایت چچا کے پوتے کو حاصل ہوگی، حالانکہ شفقت نانا کی زیادہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتویٰ:۔ لیکن افضل و بہتر یہ ہے کہ باپ بیٹے کو نکاح کرنے کا امر کردے تاکہ بلا خلاف جائز ہو لمافی الدالمختار: (وَوَلِيُّ الْمَجْنُونَةِ) وَالْمَجْنُونِ وَلَوْ عَارِضًا (فِي النِّكَاحِ) أَمَّا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ فَلِلْأَبِ اتِّفَاقًا (ابْنُهَا) وَإِنْ سَفَلَ (دُونَ أَبِيهَا) كَمَا مَرَّ، وَالْأَوْلَى أَنْ يَأْمُرَ الْأَبُ بِهِ لِيَصِحَّ اتِّفَاقًا (الدّرالمختارعلى هامش ردّالمختار:۲/۳۴۳)

فَصْلٌ فِي الْكَفَاءَةِ

یہ فصل کفاءت کے بیان میں ہے

کفو بمعنی نظیر و ہمسر۔ بابِ نکاح میں کفاءت (رجل کا عورت کے ساتھ اسلام، نسب، تقویٰ، حریت اور مال و حرفت میں مساوی ہونے کو کفاءۃ کہتے ہیں) معتبر ہے۔ اگر عورت اپنا نکاح خود کرتی ہے تو اس کے ولی پر نکاح کو لازم کرنے کے لئے نکاح کا کفو میں ہونا شرط ہے ورنہ ولی کو حقِ فسخ حاصل ہوگا، لہٰذا مسئلہ کفاءت وجودِ ولی کی فرع ہے اس لئے پہلے اولیاء کے احکام کو بیان فرمایا پھر کفاءت کے احکام کو بیان فرماتے ہیں۔

اور کفاءت مرد کی طرف سے معتبر ہے کیونکہ شریف عورت کو خسیس کا فراش (عورت کا زوج کے لیے اس طرح متعین ہونا کہ جو بھی بچہ پیدا ہو اس کا نسب اس سے ثابت ہو) ہونا ناگوار ہوتا ہے لہٰذا کفاءت ضروری ہے۔ عورت کی طرف سے معتبر نہیں کیونکہ مرد کیلئے دناءۃِ فراش باعثِ عار نہیں۔

﴿۱﴾ الْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ قَالَ {أَلَا لَا يُزَوِّجُ النِّسَاءَ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ ، وَلَا يُزَوَّجْنَ إِلَّا مِنَ الْأَكْفَاءِ} وَلِأَنَّ

کفاءۃ نکاح میں معتبر ہے فرمایا حضور ﷺ نے "خبردار نہ نکاح کرے عورتوں کا مگر اولیاء اور نہ نکاح کریں مگر ہمسروں سے" اور اس لیے

انْتِظَامَ الْمَصَالِحِ بَيْنَ الْمُتَكَافِئَيْنِ عَادَةً، لِأَنَّ الشَّرِيفَةَ تَأْبَى أَنْ تَكُونَ مُسْتَفْرَشَةً لِلْخَسِيسِ فَلَابُدَّ

کہ انتظام مصالح کا دو ہمسروں کے درمیان ہوتا ہے عادۃً؛ کیونکہ انکار کرے گی شریف عورت فراش بننے سے کمینہ کے لیے پس ضروری ہے

مِنْ اعْتِبَارِهَا ، بِخِلَافِ جَانِبِهَا ؛ لِأَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا تَغِيظُهُ دَنَاءَةُ الْفِرَاشِ

کفاءت کا اعتبار، بر خلافِ عورت کی جانب کے؛ کیونکہ زوج فراش بنانے والا ہے پس غضبناک نہیں کرے گا اس کو فراش کا کمینہ ہونا۔

﴿۲﴾ وَإِذَا زَوَّجَتْ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ فَلِلْأَوْلِيَاءِ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَهُمَا دَفْعًا لِضَرَرِ الْعَارِ عَنْ أَنْفُسِهِمْ

اور جب نکاح کرے عورت اپنا غیر کفو میں تو اولیاء کو اختیار ہے کہ تفریق کردیں ان دونوں کے درمیان ضررِ عار کو دفع کرنے کے لیے اپنے اوپر سے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں نکاح میں کفاءت کا معتبر ہونا اور اس کے دو دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر ۲ میں غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں اولیاء کو خیار تفریق اور اس کی دلیل، اور ایک غیر ظاہر الروایت کو ذکر کیا ہے۔

تشریح: {۱} نکاح میں کفاءت اور برابری معتبر ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَلَا لَا يُزَوِّجُ النِّسَاءَ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ ، وَلَايُزَوَّجْنَ إِلَّا مِنَ الْأَكْفَاءِ"(1) (خبردار! عورتوں کا نکاح نہ کریں مگر اولیاء، اور نہ نکاح کریں مگر ہمسروں سے)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح چند مصالح کے لیے مشروع کیا گیا ہے اور ان مصالح کا انتظام عادۃً دو ہمسروں میں ہو سکتا ہے غیر ہمسروں میں نہیں ہو سکتا ہے ؛کیونکہ شریف خاندان کی عورت گوارا نہیں کرے گی کہ وہ کسی کمینہ خاندان کے مرد کے لیے فراش بنے، لہٰذا شوہر کی جانب سے برابری کا اعتبار ضروری ہے، برخلاف عورت کی جانب کے یعنی عورت کی جانب سے کفاءت ضروری نہیں؛ کیونکہ شوہر فراش نہیں بلکہ بیوی کو فراش بنانے والا ہے، لہٰذا فراش کا خسیس ہونا اس کو غضبناک نہیں بنائے گا یعنی اسے ناگوار نہ ہوگا اس لیے مصالح نکاح میں خلل بھی نہیں آئے گا۔

{۲} اگر کوئی عورت اپنا نکاح از خود غیر کفو میں کرلے تو یہ چونکہ اس کے اولیاء کیلئے باعث عار ہے لہٰذا اولیاء کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے درمیان قاضی کے فیصلے سے تفریق کردے تاکہ اولیاء سے عار دفع ہو۔ یہ ظاہر مذہب ہے، جبکہ روایتِ حسنؒ میں یہ ہے کہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا ہے، چونکہ دونوں قول مفتی بہ ہیں لہٰذا دونوں پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے تاہم احتیاط روایتِ حسنؒ میں ہے لمافی الشامیۃ: (قَوْلُهُ لِلُزُومِهِ أَوْلِصِحَّتِهِ) الْأَوَّلُ بِنَاءً عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَالثَّانِي عَلَى رِوَايَةِ الْحَسَنِ وَقَدَّمْنَا أَوَّلَ الْبَابِ السَّابِقِ اخْتِلَافَ الْإِفْتَاءِ فِيهِمَا، وَأَنَّ رِوَايَةَ الْحَسَنِ أَحْوَطُ (ردالمحتار: ۲/ ۳۴۴)

اغواشدہ لڑکی سے نکاح کاحکم: دوسرے ائمہ کے نزدیک تو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں۔ اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفو میں تو ہو جاتا ہے اور غیر کفو میں دو روایتیں ہیں، فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح نہیں ہوتا اس لیے اغواشدہ لڑکیاں جو غیر کفو میں والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیتی ہیں، چاروں فقہائے امت کے مفتی بہ قول کے مطابق ان کا نکاح فاسد ہے۔ (آپ مسائل اور ان کا حل: ج۵، ص: ۵۰)

{۱} ثُمَّ الْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ فِي النَّسَبِ؛ لِأَنَّهُ يَقَعُ بِهِ التَّفَاخُرُ فَقُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ، وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ

پھر کفاءت معتبر ہے نسب میں؛ کیونکہ اس کے ساتھ واقع ہوتا ہے باہم فخر، پس قریش بعض کفو ہیں بعض کا اور عرب بعض کفو ہیں بعض کا؛

---

(1) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہیں پائی جارہی ہے البتہ اس کا مفہوم ان الفاظ کے ساتھ سنن الکبریٰ للبیہقی میں مروی ہے: قال رسول الله :لاتنكحوا النساء الاالاكفاء ولايزوجهن الاالاولياء ولامهردون عشرة دراہم (سنن الكبرىٰ للبيهقی: جلد۷، ص: ۲۱۵، رقم: ۱۳۷۶۰، ط دار الكتب العلمية.

وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ{قُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ بَطْنٌ بِبَطْنٍ،وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ قَبِيلَةٌ بِقَبِيلَةٍ

اور اصل اس بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے "قریش بعض کفو ہیں بعض کا بطن بطن کا اور عرب بعض کفو ہیں بعض کا قبیلہ قبیلہ کا

وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ رَجُلٌ بِرَجُلٍ }وَلَايُعْتَبَرُالتَّفَاضُلُ فِيمَابَيْنَ قُرَيْشٍ لِمَارَوَيْنَا

اور عجمی بعض کفو ہیں بعض کا ایک مرد دوسرے مرد کا" اور اعتبار نہیں فضیلت کا قریش کے درمیان اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی

{۲}وَعَنْ مُحَمَّدٍكَذَلِكَ إلَّاأَنْ يَكُونَ نَسَبًامَشْهُورًاكَأَهْلِ بَيْتِ الْخِلَافَةِ، كَأَنَّهُ قَالَ تَعْظِيمًالِلْخِلَافَةِوَتَسْكِينًالِلْفِتْنَةِ

اورامام محمدؒ سے اسی طرح مروی ہے الّایہ کہ ہو نسب مشہور جیسے خاندان خلافت، گویاامام محمدؒ نے کہا تعظیم خلافت اور فتنہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے

{۳}وَبَنُو بَاهِلَةَ لَيْسُوا بِأَكْفَاءَ لِعَامَّةِ الْعَرَبِ ؛ لِأَنَّهُمْ مَعْرُوفُونَ بِالْخَسَاسَةِ.{۴}وَأَمَّا الْمَوَالِي فَمَنْ كَانَ لَهُ

اور بنو باہلہ نہیں ہیں کفو عام عرب کے لیے؛ کیونکہ وہ معروف ہیں کمینگی کے ساتھ، اور بہر حال اعاجم تو جس کے لیے ہوں

أَبَوَانِ فِي الْإِسْلَامِ فَصَاعِدًافَهُوَمِنَ الْأَكْفَاءِ يَعْنِي لِمَنْ لَهُ آبَاءٌ فِيهِ.وَمَنْ أَسْلَمَ بِنَفْسِهِ أَوْلَهُ

دو باپ اسلام میں یا زیادہ تو وہ اکفاء میں سے ہے یعنی اس شخص کے لیے جس کے آباء اسلام میں ہوں، اور جس نے اسلام لایا خود یا اس کا

أَبٌ وَاحِدٌفِي الْإِسْلَامِ لَا يَكُونُ كُفُئًا لِمَنْ لَهُ أَبَوَانِ فِي الْإِسْلَامِ لِأَنَّ تَمَامَ النَّسَبِ بِالْأَبِ وَالْجَدِّ

ایک باپ ہو اسلام میں وہ نہ ہو گا کفو اس کے لیے جس کے دو باپ اسلام میں ہوں؛ کیونکہ اتمام نسب باپ اور دادا سے ہوتا ہے،

{۵}وَأَبُو يُوسُفَ أَلْحَقَ الْوَاحِدَ بِالْمُثَنَّى كَمَاهُوَمَذْهَبُهُ فِي التَّعْرِيفِ. {۶}وَمَنْ أَسْلَمَ بِنَفْسِهِ لَايَكُونُ

اور امام ابویوسفؒ نے ملحق کر دیا ہے ایک کو دو کے ساتھ جیسا کہ وہ اس کا مذہب ہے تعریف میں، اور جس نے اسلام لایا خود تو وہ نہ ہو گا

كُفُئًالِمَنْ لَهُ أَبٌ وَاحِدٌفِي الْإِسْلَامِ لِأَنَّ التَّفَاخُرَ فِيمَا بَيْنَ الْمَوَالِي بِالْإِسْلَامِ .{۷}وَالْكَفَاءَةُ فِي الْحُرِّيَّةِ

کفو اس کا جس کا ایک باپ ہو اسلام میں؛ کیونکہ تفاخر اعاجم کے درمیان اسلام سے ہوتا ہے۔ اور کفاءت حریت میں

نَظِيرُهَا فِي الْإِسْلَامِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا ؛ لِأَنَّ الرِّقَّ أَثَرُ الْكُفْرِ وَفِيهِ مَعْنَى الذُّلِّ

نظیر ہے کفاءت فی الاسلام کی ان تمام صورتوں میں جو ہم ذکر کر چکے؛ کیونکہ رقیت اثر ہے کفر کا اور اس میں ذلت کا معنی ہے

فَيُعْتَبَرُ فِي حُكْمِ الْكَفَاءَةِ

پس اعتبار کیا جائے گا اس کا حکم کفاءۃ میں۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں نسب میں کفاءت معتبر ہونے کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور نمبر ۴و۵و۶ میں اسلام میں کفاءت معتبر ہونے کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں آزادی میں کفاءت معتبر ہونے کی تفصیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} جن چیزوں میں کفاءت اور برابری معتبر ہے ان میں سے مصنف رحمۃ اللہ نے چھ چیزوں کو ذکر کیا ہے۔ان میں سے ایک نسب ہے یعنی نسب میں کفاءۃ اور برابری ہے؛ کیونکہ لوگ آپس میں نسب کے ساتھ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔پس قریش آپس میں بعض دوسرے بعض کے کفو ہیں، اور قریش کے سوا باقی عرب آپس میں بعض دیگر بعض کے کفو ہیں اور باقی عرب قریش کے کفو نہیں؛اس بارے میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "قُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ بَطْنٌ بِبَطْنٍ،وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ قَبِيلَةٌ بِقَبِيلَةٍ،وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ رَجُلٌ بِرَجُلٍ"[1] (قریش آپس میں ایک دوسرے کا کفو ہیں،ایک گروہ دوسرے گروہ کا،اور عرب آپس میں ایک دوسرے کا کفو ہیں،ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا،اور اعاجم آپس میں ایک دوسرے کا کفو ہیں ،ایک مرد دوسرے مرد کا)۔اور خود قریش کے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت معتبر نہیں مذکورہ بالاروایت کی وجہ سے،لہٰذا ہر قریشی دوسرے قریشی کا کفو ہے۔

{۲} امام محمدؒ سے روایت ہے کہ قریش میں اگر کوئی مشہور خاندان ہو مثلاً خاندانِ خلافت والے،تو ان کی لڑکی دوسرے قریش کی کفو نہیں ہے۔صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے خاندانِ مشہور کا جو استثناء کیا ہے یہ اصل کفاءت سے انکار کے لیے نہیں،بلکہ خاندانِ خلافت کی تعظیم کے لیے اور فتنہ کو فرو کرنے کے لیے ہے؛ کیونکہ اگر کوئی مفتی برابری کا فتوی دے گا تو ان کی طرف سے فتنہ اور آزمائش میں مبتلا ہو جائے گا۔

{۳} اور عربوں میں ایک خاندان بنوباہلہ کا ہے یہ خاندان عام عربوں کا کفو نہیں؛ کیونکہ یہ لوگ دناءت اور کمینگی کے ساتھ معروف ہیں،ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ لوگ مردار کی ہڈیوں کو جوش دے کر چکنائی حاصل کرتے ہیں،پس اپنی اس خساست کی وجہ سے یہ لوگ عام عربوں کا کفو نہیں۔علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول قابل اعتراض ہے؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالاحدیث میں ان کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ قبائل عرب اور ان کے اخلاق سے واقف تھے،اور تمام بنوباہلہ اس طرح نہیں،اس لیے کہ ان میں تو مشہور فاتح قتیبہ بن مسلم باہلی بھی ہیں:وَلَايَخلُومِنْ نَظَرٍ، فَإِنَّ النَّصَّ لَمْ يُفَصِّلْ مَعَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَعْلَمَ بِقَبَائِلِ الْعَرَبِ وَأَخْلَاقِهِمْ وَقَدْ أَطْلَقَ، وَلَيْسَ كُلُّ بَاهِلِيٍّ كَذَلِكَ بَلْ فِيهِمْ الْأَجْوَادُ، وَكَوْنُ فَصِيلَةٍ مِنْهُمْ أَوْبَطْنٍ صَعَالِيكَ فَعلُوْذَلِكَ لَايَسْرِي فِي حَقِّ الْكُلِّ(فتح القدیر:۳/ ۱۹۰)۔

---

(۱) یہ حدیث الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ سنن الکبریٰ للبیہقی میں مروی ہے(السنن الكبرىٰ للبيهقي:جلد۷،ص:۲۱۷،رقم:۱۳۷۶۹)

ف:۔ تمام انسانوں میں سب سے افضل بنوہاشم ہیں پھر قریش پھر عرب ہیں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "إِنَّ اللّٰهَ اختار من
النَّاسِ الْعَرَبَ وَمِنَ الْعربِ قُرَيْشًا وَاخْتارَ مِنهُمْ بَنِی هَاشم وَاخْتارَنِیْ مِنْ بَنِی هَاشِمٍ"۔ نظر بن کنانہ کی اولاد کو قریش کہتے
ہیں اور ہاشم بن عبد مناف کی اولاد کو ہاشمی کہتے ہیں اور عرب وہ ہیں جن کو نظر بن کنانہ سے اوپر کوئی اب جامع ہو ان کے علاوہ کو عجمی کہتے
ہیں۔

{۴} جن چیزوں میں کفاءت معتبر ہے ان میں سے دوسری چیز اسلام ہے یعنی عجمیوں میں اسلام میں کفاءت معتبر ہے، پس
جس کے فقط باپ اور دادا مسلمان ہوں یا اوپر کے اجداد بھی مسلمان ہوں تو یہ کفو ہوگا ہر اس مسلمان کا جس کے بہت سے اجداد مسلمان
ہوں۔ اور جو شخص بذاتِ خود مسلمان ہو باپ دادا اس کے مسلمان نہ ہوں، یا فقط باپ اس کا مسلمان ہو داداؤں میں کوئی مسلمان نہ
ہو تو وہ کفو نہ ہوگا اس کا جس کا باپ اور دادا دونوں مسلمان ہوں؛ کیونکہ نسب کی تکمیل باپ اور دادا سے ہوتی ہے یعنی بندہ جب اپنا تعارف
کرتا ہے تو باپ اور دادا کو ذکر کرتا ہے، لہٰذا جس کا باپ اور دادا مسلمان ہوں وہ اس کا کفو ہوگا جس کا اس سے زیادہ اجداد مسلمان ہوں۔

{۵} امام ابو یوسفؒ نے ایک کو دو کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی جس کا فقط باپ مسلمان ہو تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اس کا باپ
اور دادا دونوں مسلمان ہوں؛ جیسا کہ تعریف میں ان کا مذہب یہی ہے یعنی شہادت وغیرہ میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گواہ کی تعریف
اس کے اور اس کے باپ کے نام سے پوری ہو جاتی ہے دادا کا نام ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، جبکہ طرفینؒ کے نزدیک دادا کا نام
ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔

فتویٰ:۔ بعض حضرات نے کہا کہ طرفینؒ کا قول ایسے موقع کے لیے ہے جہاں دادا کا کافر ہونا عیب شمار ہوتا ہو اور امام ابو یوسفؒ کا قول
وہاں کے لیے ہے جہاں دادا کا کفر عیب شمار نہ ہوتا ہو لما فی فتح القدیر: وَأَلْحَقَ أَبُو يُوسُفَ الْوَاحِدَ بِالْمُثَنَّى كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ
فِي التَّعْرِيفِ) أَيْ فِي الشَّهَادَاتِ وَالدَّعَاوَى، قِيلَ كَأَنَّ أَبَايُوسُفَ إِنَّمَا قَالَ ذٰلِكَ فِي مَوْضِعٍ لَايُعَدُّ كُفْرُ الْجَدِّ عَيْبًا
بَعْدَ أَنْ كَانَ الْأَبُ مُسْلِمًا، وَهُمَا قَالَاهُ فِي مَوْضِعٍ يُعَدُّ عَيْبًا.(فتح القدیر: ۱۹۱/۲)

{۶} اور اگر کوئی شخص بنفسہ مسلمان ہو اور دوسرا ایسا ہو جس کا باپ بھی مسلمان ہو، تو پہلا دوسرے کا کفوء نہیں ہوگا؛ کیونکہ
عجمی لوگ اسلام کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں تو جس کا باپ بھی مسلمان ہو اس کو ایک گونہ زائد ذریعہ فخر حاصل ہے اس
پر جس کا باپ مسلمان نہ ہو۔

{۷} جن چیزوں میں کفاءت معتبر ہے ان میں سے تیسری چیز آزادی ہے یعنی آزاد ہونے میں کفاءت معتبر ہے، اور آزادی
میں کفاءت کا حکم ایسا ہے جیسا کہ اسلام میں ان تمام تفصیلات کے ساتھ جو ہم ذکر کر چکے مثلاً جس کا باپ اور دادا آزاد ہوں وہ اس شخص

کا کفو ہوگا جس کے بہت سارے آباء آزاد ہوں، اور جس کا فقط باپ آزاد ہو طرفینؒ کے نزدیک وہ اس کا کفو نہیں جس کا باپ اور دادا دونوں آزاد ہوں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے الخ وجہ یہ ہے کہ غلام ہونا کفر کا اثر ہے جس میں ذلت کا معنی پایا جاتا ہے اور حریت اسلام کا اثر ہے جس میں عزت کا معنی پایا جاتا ہے، لہذا کفاءت کے حکم میں آزادی کا اعتبار ہوگا۔

{۱}قَالَ وَ تُعْتَبَرُ أَيْضًا فِي الدِّينِ أَيْ الدِّيَانَةِ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَ أَبِي يُوسُفَ رحمهما الله هُوَ الصَّحِيحُ ؛لِأَنَّهُ

فرمایا: اور اعتبار کیا جائے گا کفاءۃ کا دین میں بھی یعنی دیانت میں، اور یہ قول امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے یہی صحیح ہے؛ کیونکہ دیانت

مِنْ أَعْلَى الْمَفَاخِرِ،وَالْمَرْأَةُ تُعَيَّرُ بِفِسْقِ الزَّوْجِ فَوْقَ مَا تُعَيَّرُ بِضَعَةِ نَسَبِهِ .{۲}وَقَالَ مُحَمَّدٌ:

اعلیٰ مفاخر میں سے ہے اور عورت عار دلائی جاتی ہے فسق زوج پر زیادہ اس سے جو عار دلائی جاتی ہے گھٹیا نسب پر، اور فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے

لَا تُعْتَبَرُ ؛ لِأَنَّهُ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ فَلَا تُبْتَنَى عَلَيْهِ أَحْكَامُ الدُّنْيَا إلَّا إذَا كَانَ

دیانت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ دیانت امورِ آخرت میں سے ہے پس بنا نہ ہوں گے اس پر احکام دنیا مگر یہ کہ

يُصْفَعُ وَيُسْخَرُ مِنْهُ أَوْ يَخْرُجُ إلَى الْأَسْوَاقِ سَكْرَانَ وَيَلْعَبُ بِهِ الصِّبْيَانُ؛لِأَنَّهُ مُسْتَخَفٌّ

اس کو طمانچہ مارا جاتا ہو اور مذاق اُڑایا جاتا ہو اس کا یا نکلے بازاروں کی طرف حالتِ نشہ میں اور کھیلتے ہوں اس سے بچے؛ کیونکہ وہ حقیر ہوگا

بِهِ.{۳}قَالَ وَتُعْتَبَرُفِي الْمَالِ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ مَالِكًا لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَهَذَا هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ

اس کی وجہ سے۔ فرمایا: اور اعتبار کیا جائے گا مال میں اور وہ یہ ہے کہ ہو وہ مالک مہر اور نفقہ کا، اور یہی معتبر ہے ظاہر الروایۃ میں

حَتَّى إنَّ مَنْ لَايَمْلِكُهُمَاأَوْلَايَمْلِكُ أَحَدَهُمَالَايَكُونُ كُفُئًا؛ لِأَنَّ الْمَهْرَ بَدَلُ الْبُضْعِ فَلَا بُدَّ مِنْ إيفَائِهِ وَبِالنَّفَقَةِ

حتی کہ جو شخص مالک نہ ہو ان دونوں کا یا مالک نہ ہو کسی ایک کا وہ نہ ہوگا کفو؛ کیونکہ مہر بدلِ بضع ہے پس ضروری ہے اس کی ادائیگی اور نفقہ سے

قِوَامُ الِازْدِوَاجِ وَدَوَامُهُ .وَالْمُرَادُ بِالْمَهْرِ قَدْرُ مَا تَعَارَفُوا تَعْجِيلَهُ ؛ لِأَنَّ مَا وَرَاءَهُ مُؤَجَّلٌ عُرْفًا.

قیام ہے رشتہ ازدواج کا اور دوام ہے اس کا۔ اور مراد مہر سے اتنی مقدار ہے کہ متعارف ہو جس کی تعجیل؛ کیونکہ اس کے علاوہ مؤجل ہے عرفاً

{۴}وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ اعْتَبَرَ الْقُدْرَةَ عَلَى النَّفَقَةِ دُونَ الْمَهْرِ؛لِأَنَّهُ تَجْرِي الْمُسَاهَلَةُ فِي الْمَهْرِ وَيُعَدُّ

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے اعتبار کیا ہے قدرت علی النفقہ کا نہ کہ مہر کا؛ کیونکہ جاری ہے مساہلت مہر میں اور شمار کیا جاتا ہے

الْمَرْءُ قَادِرًا عَلَيْهِ بِيَسَارِأَبِيهِ.{۵}فَأَمَّاالْكَفَاءَةُفِي الْغِنَى فَمُعْتَبَرَةٌفِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَوَمُحَمَّدٍرَحِمَهُمَااللَّهُ حَتَّى

مرد کو قادر مہر پر اس کے باپ کے مالدار ہونے سے، بہر حال کفاءۃ غنیٰ میں معتبر ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں حتی کہ

إنَّ الْفَائِقَةَفِي الْيَسَارِلَايُكَافِئُهَا الْقَادِرُ عَلَى الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ ؛ لِأَنَّ النَّاسَ يَتَفَاخَرُونَ بِالْغِنَى وَيَتَعَيَّرُونَ بِالْفَقْرِ.

اعلیٰ درجہ کی مالدار عورت کا کفو نہ ہوگا مہر اور نفقہ پر قادر شخص؛ کیونکہ لوگ فخر کرتے ہیں غنیٰ پر اور عار محسوس کرتے ہیں فقر سے۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يُعْتَبَرُ ؛ لِأَنَّهُ لَا ثَبَاتَ لَهُ إِذْ الْمَالُ غَادٍ وَرَائِحٌ

اور فرمایا امام ابویوسفؒ نے کہ مال میں اعتبار نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ قرار نہیں مال کے لیے اس لیے کہ مال صبح آنے والا اور شام کو جانے والا ہے

﴿٦﴾ وَتُعْتَبَرُ فِي الصَّنَائِعِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رحمہما اللہ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي ذَلِكَ رِوَايَتَانِ

اور کفاءۃ معتبر ہے پیشوں میں اور یہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے اور امام صاحبؒ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں، اور مروی ہے

أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا تُعْتَبَرُ إِلَّا أَنْ تَفْحُشَ كَالْحَجَّامِ وَالْحَائِكِ وَالدَّبَّاغِ. وَجْهُ الِاعْتِبَارِ أَنَّ النَّاسَ يَتَفَاخَرُونَ

امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ معتبر نہیں الا یہ کہ پیشہ فاحش ہو جیسے حجام اور جولاہا اور چمڑہ رنگنے والا، وجہ اعتبار یہ ہے کہ لوگ فخر کرتے ہیں

بِشَرَفِ الْحِرَفِ وَيَتَعَيَّرُونَ بِدَنَاءَتِهَا. وَجْهُ الْقَوْلِ الْآخَرِ أَنَّ الْحِرْفَةَ لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ، وَيُمْكِنُ التَّحَوُّلُ

عمدہ پیشوں سے اور عار محسوس کرتے ہیں گھٹیا پیشہ سے، اور دوسرے قول کی وجہ یہ کہ پیشہ لازم نہیں، اور ممکن ہے پھرنا

عَنِ الْخَسِيسَةِ إِلَى النَّفِيسَةِ مِنْهَا

گھٹیا سے اعلیٰ کی طرف پیشوں میں سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں دین میں کفاءت معتبر ہونے میں ائمہ کا اختلاف اور دلائل ذکر کئے ہیں نمبر ۳و۴ میں مال میں کفاءت معتبر ہونے کا ذکر کیا ہے، اور نمبر ۵ میں غنیٰ میں کفاءت معتبر ہونے میں طرفینؒ اور امام ابویوسفؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں صنعت میں اعتبارِ کفاءت کے بارے میں ائمہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ جن چیزوں میں کفاءت معتبر ہے ان میں سے چوتھی چیز دین ہے یعنی شیخینؒ کے نزدیک دین میں بھی کفاءت معتبر ہے، اور دین سے مراد تقویٰ اور دیانت ہے مطلق دین مراد نہیں؛ کیونکہ مطلق دین تو نکاحِ مسلمہ کے جواز کے لیے شرط ہے، فاسق مرد صالح عورت یا بنت صالح کا کفو نہیں ہے؛ وجہ یہ ہے کہ دیانت اور تقویٰ اعلیٰ مفاخر میں سے ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ[۱]) (بیشک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لوگ عورت کو اس کے شوہر کے نسب کے گھٹیا ہونے پر جس قدر عار دلاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ شوہر کے فاسق ہونے پر عار دلائیں گے، لہٰذا کفو میں دیانت کا اعتبار ضروری ہے۔ "هُوَ الصَّحِيحُ" کا مطلب یہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق امام صاحبؒ امام ابویوسفؒ کے ساتھ ہیں، جبکہ ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، مگر اول صحیح ہے۔

---

۱) الحجرات:۱۳۔

{۲} امام محمدؒ کے نزدیک دیانت میں کفاءت معتبر نہیں؛ کیونکہ دیانت امورِ آخرت میں سے ہے لہٰذا احکام دنیا اس پر موقوف نہیں ہونگے؛ البتہ اگر وہ اس درجہ کا فاسق ہو کہ جو چاہے اس کو طمانچہ مارے اور بر سر بازار لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہوں یا نشے کی حالت میں وہ بازار کی طرف نکلتا ہو اور بچے اس کے ساتھ کھیلتے ہوں تو یہ اپنے اس عمل کی وجہ سے انتہائی حقیر ہے لہٰذا یہ کسی نیک عورت کا کفو نہیں۔

فتویٰ:۔ شیخینؒ کا قول راجح ہے لمافی البحرالرائق: فَالْإِفْتَاءُ بِمَا فِي الْمُتُونِ أَوْلَى فَلَا يَكُونُ الْفَاسِقُ كُفُؤًا لِلصَّالِحَةِ بِنْتِ الصَّالِحِينَ سَوَاءٌ كَانَ مُعْلِنًا بِالْفِسْقِ أَوْ لَا كَمَا فِي الذَّخِيرَةِ(البحرالرائق:۳/۱۳۲)

{۳} جن چیزوں میں کفاءت معتبر ہے ان میں سے پانچویں چیز مال ہے یعنی زوجین میں مال کے اعتبار سے بھی کفاءت معتبر ہے۔ مال سے مراد یہ ہے کہ شوہر نفقہ اور مہر ادا کر دینے پر قادر ہو، ظاہر الروایت میں مال میں کفاءت معتبر ہے حتی کہ اگر کوئی مرد مہر اور نفقہ دونوں یا کسی ایک کا مالک نہ ہو تو وہ کسی عورت کا کفو نہ ہو گا اگرچہ عورت خود بھی فقیر ہو؛ کیونکہ مہر بضع کا عوض اور بدل ہے اور ہر عوض وبدل کو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اس کا سپرد کرنا ضروری ہے۔ اور نفقہ پر تو رشتہ ازدواج کا قیام ودوام ہے یعنی نفقہ سے یہ رشتہ قائم اور دائم رہتا ہے اور جس چیز سے عقد کا قوام اور دوام ہو وہ چیز عقد میں معتبر ہوتی ہے اس لیے نفقہ دینے پر قادر ہونا ضروری ہے۔

اور مہر سے مراد وہ مقدار ہے جس کی تعجیل متعارف ہو جس کو مہر معجّل کہتے ہیں؛ کیونکہ معجّل کے علاوہ مہر تو عرفاً مؤجل ہوتا ہے جس کا فی الحال مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا کفاءت میں اس کا اعتبار نہیں۔

{۴} امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ کفاءت میں نفقہ کا اعتبار کرتے ہیں مہر کا اعتبار نہیں کرتے ہیں؛ کیونکہ مہر کے بارے میں لوگ نرمی اور مساہلت سے کام لیتے ہیں اور جس چیز کے بارے میں تساہل سے کام لیا جاتا ہو وہ کفاءۃ میں معتبر نہیں، نیز انسان اپنے باپ کے مالدار ہونے سے غنی شمار ہوتا ہے؛ کیونکہ باپ عموماً اپنی اولاد کا مہر برداشت کرتا ہے مگر اس کا نفقہ برداشت نہیں کرتا ہے، اور قادر بقدرۃ الغیر بنفسہ قادر شمار ہوتا ہے۔

{۵} اس کے علاوہ غناء میں طرفینؒ کے نزدیک کفاءت معتبر ہے حتی کہ فقط مہر اور نفقہ پر قادر شخص اعلیٰ درجہ کی مالدار عورت کا کفو نہ ہو گا؛ کیونکہ لوگ مالداری پر فخر کرتے ہیں اور تنگدستی سے عار محسوس کرتے ہیں، لہٰذا کفو میں اس کا اعتبار ہو گا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ غناء میں کفاءت معتبر نہیں؛ کیونکہ غناء ایسی چیز ہے جس کے لیے ٹھہراؤ نہیں، اس لیے کہ مال صبح آتا ہے بندہ غنی ہو جاتا ہے اور شام کو چلا جاتا ہے بندہ پھر فقیر بن جاتا ہے، لہٰذا کفاءت میں ایسی بے ثبات چیز کا اعتبار نہ ہو گا۔

فتوی:۔ طرفینؒ کا مذکورہ بالا قول غیر ظاہر الروایۃ ہے صحیح یہ ہے کہ غناء میں مساوات ضروری نہیں لمافی فتح القدیر: لکن صَرَّحَ السَّرَخْسِيُّ فِي مَبْسُوطِهِ وَصَاحِبُ الذَّخِيرَةِ بِأَنَّ الأَصَحَّ أَنَّ ذَلِكَ لَايُعْتَبَرُ؛ لِأَنَّ كَثْرَةَ الْمَالِ مَذْمُومَةٌ. وفي شَرْحِ الْكَنْزِ: لَا مُعْتَبَرَ بِالْمُسَاوَاةِ فِي الغِنَى هُوَ الصَّحِيحُ .(فتح القدیر:۳/۱۹۳)

{۶} جن چیزوں میں کفاءت معتبر ہے ان میں سے چھٹی چیز صنعت ہے یعنی صاحبینؒ کے نزدیک پیشوں میں بھی کفاءت معتبر ہے۔ اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں دوروایتیں منقول ہیں۔ امام یوسفؒ سے بھی ایک روایت اس طرح ہے کہ پیشوں میں کفاءت معتبر نہیں الاّ یہ کہ پیشہ انتہائی گھٹیا ہو جیسے حجام کا پیشہ، جولاہہ (کپڑا بننے والا) یا دباغت کا پیشہ تو اس میں کفاءت معتبر ہو گی۔ اور کفاءت کے معتبر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ لوگ عمدہ پیشوں پر فخر کرتے ہیں اور گھٹیا پیشوں پر عار اور شرم محسوس کرتے ہیں اور جس کام پر لوگ فخر کرتے ہوں وہ کفاءت میں معتبر ہوتا ہے۔ اور دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ کوئی پیشہ بھی لازم نہیں ہے؛ کیونکہ خسیس پیشہ سے اعلیٰ پیشہ کی طرف منتقل ہونا ممکن ہے، پس جو چیز لازم نہیں اس کا اعتبار بھی نہ ہو گا۔ اور شرح الطحاوی میں مذکور ہے کہ متقارب پیشوں کے ارباب آپس میں کفو ہیں اور متباعد پیشوں کے ارباب آپس میں کفو نہیں۔

فتوی:۔ فتوی اس پر ہے کہ متقارب پیشوں والے آپس میں کفو ہیں اور متباعد پیشوں کے ارباب آپس میں کفو نہیں لمافی الشامیۃ: لَكِنَّ أَفْرَادَ كُلٍّ مِنْهَا كُفْءٌ لِجِنْسِهَا وَبِهِ يُفْتِي زَاهِدِيٌّ اهـ أَيْ أَنَّ الْحِرَفَ إِذَا تَبَاعَدَتْ لَا يَكُونُ أَفْرَادُ إِحْدَاهَا كُفْئًا لِأَفْرَادِ الْأُخْرَى، بَلْ أَفْرَادُكُلٍّ وَاحِدَةٍ أَكْفَاءٌ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، وَأَفَادَ كَمَا فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ لَايَلْزَمُ اتِّحَادُهُمَا فِي الْحِرْفَةِ بَلْ التَّقَارُبُ كَافٍ فَالْحَائِكُ كُفْءٌ لِحَجَّامٍ وَالدَّبَّاغُ كُفْءٌ لِكَنَّاسٍ وَالصَّفَّارُ كُفْءٌ لِحَدَّادٍ وَالْعَطَّارُ كُفْءٌ لِبَزَّازٍ قَالَ الْحَلْوَانِيُّ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى.(ردّالمحتار:۲/۳۴۹)

{۱} قَالَ وَإِذَاتَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ وَنَقَصَتْ عَنْ مَهْرِمِثْلِهَا فَلِلْأَوْلِيَاءِ الِاعْتِرَاضُ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حَتَّى

فرمایا: اور جب نکاح کرے عورت اور کم کردے اپنے مہر مثل سے تو اولیاء کو اعتراض کا حق ہے عورت پر امام صاحبؒ کے نزدیک یہاں تک کہ

يُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا أَوْ يُفَارِقَهَا وَقَالَا : لَيْسَ لَهُمْ ذَلِكَ . وَهَذَا الْوَضْعُ إِنَّمَا يَصِحُّ

پورا کردے اس کا مہر مثل یا جدا کردے اس کو۔ اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ نہیں ہے ان کے لیے یہ حق۔ اور مسئلہ کی یہ وضع صحیح ہو گی

عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍعَلَى اعْتِبَارِقَوْلِهِ الْمَرْجُوعِ إِلَيْهِ فِي النِّكَاحِ بِغَيْرِ الْوَلِيِّ،وَقَدْصَحَّ ذَلِكَ وَهَذِهِ شَهَادَةٌ صَادِقَةٌ عَلَيْهِ

امام محمدؒ کے قول پر ان کے مرجوع الیہ قول کے اعتبار پر نکاح بغیر الولی میں اور صحیح ہے ان کا یہ رجوع، اور یہ شہادتِ صادقہ ہے رجوع پر

{۲} لَهُمَا أَنَّ مَا زَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ حَقُّهَا وَمَنْ أَسْقَطَ حَقَّهُ لَايُعْتَرَضُ عَلَيْهِ كَمَا بَعْدَ التَّسْمِيَةِ

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو بڑھ جائے دس درہم پر وہ عورت کا حق ہے اور جو ساقط کردے اپنا حق اعتراض نہ ہو گا اس پر جیسا کہ تسمیہ کے بعد

{۳}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَوْلِيَاءَ يَفْتَخِرُونَ بِغَلَاءِ الْمَهْرِ وَيَتَعَيَّرُونَ بِنُقْصَانِهِ فَأَشْبَهَ الْكَفَاءَةَ ، بِخِلَافِ الْإِبْرَاءِ بَعْدَ التَّسْمِيَةِ ، لِأَنَّهُ لَا يَتَعَيَّرُ بِهِ .{۴} وَإِذَا زَوَّجَ الْأَبُ بِنْتَه الصَّغِيرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَهْرِهَاأَوِابْنَهُ الصَّغِيرَوَزَادَفِي مَهْرِامْرَأَتِهِ جَازَ ذَلِكَ عَلَيْهِمَا ، وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ لِغَيْرِالْأَبِ وَالْجَدِّ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا : لَا يَجُوزُ الْحَطُّ وَالزِّيَادَةُ إِلَّا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ

اور امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء فخر کرتے ہیں مہر کے گراں ہونے پر اور عار محسوس کرتے ہیں مہر کے کم ہونے پر پس مشابہ ہوگا کفاءت کا، بخلاف بری کر دینے کے تسمیہ کے بعد؛ کیونکہ عار نہیں محسوس کیا جاتا اس سے اور جب نکاح کردے باپ اپنی نابالغہ بیٹی کا اور کم کردے اس کا مہر یا اپنے نابالغ بیٹے کا اور بڑھادے اس کی بیوی کا مہر تو یہ جائز ہے ان دونوں پر، اور جائز نہیں یہ باپ اور دادا کے علاوہ کے لیے اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا صاحبین رحمہما اللہ نے کہ جائز نہیں کم کرنا اور بڑھانا مگر اتنے میں جتنے میں دھوکہ کھاتے ہوں لوگ

{۵}وَمَعْنَى هَذَا الْكَلَامِ أَنَّهُ لَايَجُوزُ الْعَقْدُ عِنْدَهُمَا؛ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ مُقَيَّدَةٌ بِشَرْطِ النَّظَرِ فَعِنْدَ فَوَاتِهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْحَطَّ عَنْ مَهْرِالْمِثْلِ لَيْسَ مِنَ النَّظَرِفِي شَيْءٍ كَمَافِي الْبَيْعِ،وَلِهَذَالَايَمْلِكُ ذَلِكَ غَيْرُهُمَا. {٦}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِ النَّظَرِوَهُوَقُرْبُ الْقَرَابَةِ.{۷}وَفِي النِّكَاحِ مَقَاصِدُ تَرْبُوعَلَى الْمَهْرِ.أَمَّا الْمَالِيَّةُ فَهِيَ الْمَقْصُودُ فِي التَّصَرُّفِ الْمَالِيِّ وَالدَّلِيلُ عَدِمْنَاهُ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا.

اور معنی اس کلام کا یہ ہے کہ جائز نہیں عقد صاحبینؒ کے نزدیک؛ کیونکہ ولایت مقید ہے شرطِ شفقت کے ساتھ پس شفقت فوت ہونے کے وقت باطل ہوگا عقد، اور یہ اس لیے کہ کم کرنا مہر مثل سے نہیں ہے کچھ بھی شفقت جیسا کہ بیع میں، اور اسی وجہ سے مالک نہیں اس کا باپ اور دادا کا غیر، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ حکم دائر ہے دلیلِ شفقت پر اور وہ قربِ قرابت ہے، اور نکاح میں کچھ مقاصد ہیں جو بڑھ کر ہیں مہر سے، بہرحال مالیت تو وہ مقصود ہے تصرفِ مالی میں اور دلیلِ شفقت کو ہم نے معدوم پایا ان دو کے علاوہ میں۔

{۸} وَمَنْ زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ عَبْدًا أَوْ زَوَّجَ ابْنَهُ وَهُوَ صَغِيرٌ أَمَةً فَهُوَ جَائِزٌ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ أَيْضًا ؛لِأَنَّ الْإِعْرَاضَ عَنِ الْكَفَاءَةِ لِمَصْلَحَةٍ تَفُوقُهَا وَعِنْدَهُمَا هُوَ ضَرَرٌ ظَاهِرٌ لِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ فَلَا يَجُوزُ . والله أعلم

اور جو شخص نکاح کردے اپنی نابالغ بیٹی کا غلام سے یا نکاح کردے اپنے بیٹے کا حالانکہ وہ نابالغ ہے باندی سے تو یہ جائز ہے، فرمایا صاحب ہدایہؒ نے اور یہ بھی امام صاحبؒ کے نزدیک ہے؛ کیونکہ اعراض کفاءۃ سے کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے ہے جو کفاءۃ سے بڑھ کر ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ ضررِ ظاہر ہے عدم کفاءۃ کی وجہ سے، پس جائز نہیں، واللہ اعلم۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں کسی عورت کا کم مہر مقرر کرنے پر اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہونے میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف اور فریقین کے دلائل کو ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۴ و ۵ و ۶ و ۷ اور میں صغیرہ کا مہر بہت کم اور صغیر کا مہر بہت زیادہ مقرر کرنے کے حکم میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف، فریقین کے دلائل اور صاحبین ؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۸ میں باپ کا صغیرہ کا نکاح غلام سے کرنے اور صغیر کا نکاح باندی سے کرنے کے حکم میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی بالغہ عورت نے اپنا نکاح کیا اور مہر مثل سے مہر کم مقرر کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اولیاء کو اس پر حق اعتراض حاصل ہے یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر مثل پورا کر دے یا ان کے درمیان قاضی کے فیصلے سے تفریق کر دے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں۔

صاحب ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی یہ صورت امام محمد ؒ کے مرجوع الیہ قول (کہ نکاح بغیر الولی صحیح ہے) کے اعتبار پر صحیح ہو سکتی ہے اور آپ ؒ کا اس قول کی طرف رجوع صحیح ثابت ہے، پہلے آپ کا مذہب یہ تھا کہ نکاح بغیر الولی منعقد نہیں ہوتا ہے بلکہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اب فرماتے ہیں کہ نکاح بغیر الولی کی مذکورہ صورت میں اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک نکاح بغیر الولی منعقد ہو جاتا ہے اور اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں ہے، لہذا مسئلہ کی یہ صورت امام محمد ؒ کے سابقہ قول سے رجوع پر سچی گواہی ہے۔

{۲} صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ دس درہم تک مہر تو شریعت کا حق ہے اور اس سے زائد عورت کا حق ہے پس عورت نے اپنے مہر میں کمی کر کے اپنا حق ساقط کیا ہے اور جو شخص اپنا حق ساقط کر دے اس پر کوئی اعتراض نہیں، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ عورت اپنا پورا مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں سے کچھ ساقط کر دے تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں، لہذا مذکورہ صورت میں بھی اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہ ہوگا۔

{۳} امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء اپنی خاندانی عورتوں کے گران مہروں پر فخر کرتے ہیں اور کم مہروں پر عار محسوس کرتے ہیں پس مہر میں کمی عدم کفو کے مشابہ ہے، تو جیسا کہ غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے اسی طرح مہر کی کمی کی صورت میں بھی اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔ باقی صاحبین ؒ کا اس صورت کو پورا مہر مقرر کرنے کے

کرنے پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ پورے مہر میں سے عورت کا کچھ ساقط کرنے سے اولیاء عار نہیں محسوس بعد کچھ حصہ ساقط کرتے ہیں) جبکہ مذکورہ صورت میں اولیاء عار محسوس کرتے ہیں لہٰذا دونوں صورتوں میں فرق ہے اس لیے یہ قیاس درست نہیں۔

فتویٰ:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے كمافي الشامية:(قَوْلُهُ دَفْعًا لِلْعَارِ)أَشَارَ إلَى الْجَوَابِ عَنْ قَوْلِهِمَا لَيْسَ لِلْوَلِيِّ الِاعْتِرَاضُ .لِأَنَّ مَا زَادَ عَلَى عَشَرَةِ دَرَاهِمَ حَقُّهَا وَمَنْ أَسْقَطَ حَقَّهُ لَا يُعْتَرَضُ عَلَيْهِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَوْلِيَاءَ يَفْتَخِرُونَ بِغَلَاءِ الْمَهْرِ وَيَتَعَيَّرُونَ بِنُقْصَانِهَا فَأَشْبَهَ الْكَفَاءَةَ بَحْرٌ وَالْمُتُونُ عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ .(ردّالمحتار:۲/۳۵۲).

{۴}اگر باپ یا دادا نے صغیرہ کا نکاح کر دیا اور اس کا مہر انتہائی کم مقرر کیا، یا نابالغ لڑکے کا نکاح کیا اور اس کی بیوی کا مہر بہت زیادہ مقرر کیا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ نکاح دونوں پر نافذ ہوگا۔ البتہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کا اس طرح کیا ہوا نکاح نافذ نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک مہر میں بہت زیادہ کمی اور زیادتی جائز نہیں، البتہ اتنی مقدار کی بیشی سے جائز ہے جتنی مقدار میں عام طور پر لوگ دھوکہ کھاتے ہوں۔

{۵}صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کے قول "لایجوز" کا یہ مطلب نہیں" کہ نکاح تو ہو گیا البتہ یہ مہر درست نہیں بلکہ اسے مہر مثل کی طرف لوٹا دیا جائے گا" بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ نکاح ہی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ نکاح کرانے کی ولایت شفقت کے ساتھ مشروط ہے تو اگر کہیں شفقت نہ رہے تو ولایت بھی نہیں رہے گی اور بغیر ولایت کیا ہوا نکاح باطل ہوگا، اور مذکورہ صورت میں مہر میں کمی بیشی کی ہے اور مہر کو مہرِ مثل سے کم کرنے یا بڑھانے میں کوئی شفقت نہیں، اس لیے یہ نکاح ہی جائز نہیں ہے جیسا کہ صغیر یا صغیرہ کی کوئی چیز ثمن مثل سے بہت زیادہ کم قیمت کے ساتھ فروخت کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے، لہٰذا یہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ایسا نکاح اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا تو بالاتفاق جائز نہیں، تو باپ یا دادا کا کیا ہوا یہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

{۶}امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ شفقت اور عدم شفقت دونوں باطنی چیزیں ہیں جن پر حکم لگانا محال ہے، پس ان کی دلیل پر حکم لگایا جائے گا، اور دلیلِ شفقت قربِ قرابت ہے، تو باپ اور دادا میں دلیلِ شفقت (قربِ قرابت) موجود ہے اور دیگر اولیاء میں دلیلِ شفقت موجود نہیں، اس لیے باپ یا دادا کا غبن فاحش کے ساتھ کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور دیگر اولیاء کا صحیح نہ ہوگا۔

{۷}باقی صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ مہر مثل سے کمی بیشی میں کوئی شفقت نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح میں فقط مہر مطلوب نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں اور بھی مقاصد ہیں جو مہر سے بڑھ کر ہوتے ہیں مثلاً لڑکے یا لڑکی کا سمجھدار، شریف اور دیندار ہونا، تو کبھی ان کمالات کے پیش نظر مہر میں کمی بیشی کی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ عدم شفقت نہیں بلکہ عین شفقت ہے۔ اور صاحبینؒ کا نکاح کو عقدِ بیع پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ بیع میں مال ہی مقصود ہوتا ہے [illegible] لہٰذا مال میں کمی بیشی [illegible]

نہیں؛ اس لیے ایسی بیع جائز نہیں، جبکہ نکاح میں اور بھی مقاصد ہوتے ہیں۔ تو شفقت اور عدم شفقت چونکہ باطنی امور ہیں جن کی دلیل
(قربِ قرابت) باپ اور دادا میں موجود ہے اور دیگر اولیاء میں موجود نہیں، اس لیے دیگر اولیاء کا غبنِ فاحش کے ساتھ کیا ہوا نکاح
جائز نہ ہوگا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الهندية: ولوزوّج ولده الصغيرَ من غيرکفوء بأن زوّج ابنه امة او بنته عبدًا
اوزوّج بغبن فاحش بأن زوّج البنت ونقص من مهرها او زوّج ابنه وزاد على مهر امرأته يجوز عند ابی حنيفة كذا
فی التبیین وعنده ما لاتجوز.............والصحيح قول ابی حنيفة كذا فی المضمرات(هندية: ۲۹۴/۱)

ف:۔ بیع الاختیار باپ نے صغیرہ کا نکاح مہر مثل سے کفو میں کیا ہو، مگر اس میں باپ کی طمع اور ذاتی غرض کی وجہ سے صغیرہ پر عدم
النظر ظاہر اور متیقن ہو، مثلاً عمر میں بہت زیادہ تفاوت ہو یا زوج دائم المرض یا معتوہ یا اپاہج وغیرہ ہو، تو یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ بعض
علاقوں میں یہ ظلم عام ہے، اس لئے اہل فتویٰ پر اس طرف خاص توجہ کرنا لازم ہے، بندہ اب تک اس پر جس قدر غور کر سکا اس
کا حاصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں غلبۂ فسق کی وجہ سے صورتِ مذکورہ کے اکثر واقعات کا حل تو یوں نکل آتا ہے کہ بیع الاختیار باپ کی
تزویج بالفاسق باطل ہے، رہا شاذ و نادر کوئی ایسا واقعہ کہ زوج فاسق نہ ہو تو صرف امور مذکورہ کی بناء پر ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ سو فقہ حنفی
میں تو اس کا صریح حکم نظر سے نہیں گذرا، البتہ فقہ شافعی کی کتاب شرح المہذب لمحمد نجیب المطیعی میں یہ عبارت ہے "قال الصمیری
ولایزوّج ابه الصغير بعجوز هرمة ولابمقطوعة اليدين والرّجلين ولاعمياء ولازمنة ولايهودية ولانصرانية ولايزوّج ابنته
الصغيرة بشيخ هرم ولابمقطوع اليدين والرّجلين الاباعمیٰ ولابزمن ولابفقير وهی غنية، فان فعل ذالک
فسخ، وعندی انها تحتمل وجهاً آخر انه لايكون له الفسخ بانه ليس باعظم ممن زوّج ابنته الصغيرة بمجذوم
اوابرص" (شرح المهذب ۳۵۴/۱۵)۔ اس سے ثابت ہوا کہ شوافع کے ہاں امور بالا میں کفاءت کے اعتبار کی روایت ہے، احناف
کی بھی کچھ عبارات سے اس مسئلہ کے لئے روشنی پڑتی ہے.............شامیہ اور دیگر کتب کی بہت سی عبارتوں
سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشائخ نے کفاءت کو امور مرویہ عن الائمہ میں منحصر نہیں سمجھا، بلکہ زمانہ کے حالات و عرف کے لحاظ سے اس
میں مزید غور و فکر کی گنجائش ہے، بناءً علیہ بندہ کی رائے یہ ہے کہ عدم تناسبِ عمر وغیرہ امور مذکورہ میں بطلانِ نکاح کا فتویٰ تو نہ
دیا جائے، اس لئے کہ ان میں ضرر کے وجود و عدم اور شدت و خفت کا فیصلہ اہل الرائی کے غور و فکر کا محتاج ہے، لہٰذا لڑکی کو خیارِ بلوغ
دیا جائے، اور وہ خیارِ بلوغ کے شرائط معہودہ کے مطابق عدالت میں مقدمہ پیش کرے، حاکم اہل الرائی سے حالات کی تحقیق
کر کے مناسب سمجھے تو نکاح فسخ کر دے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم (احسن الفتاویٰ: ۱۲۳/۵)

{۸}اور اگر باپ نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح غلام سے کر دیا، یا اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح باندی سے کر دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک نکاح بھی جائز ہو گا؛ کیونکہ باپ کی شفقت کامل ہے لہذا انہوں نے جو کفوء سے اعراض کیا ہے تو یہ کفوء سے بڑھ کر کسی اور مصلحت کے لیے کیا ہے، لہذا یہ نکاح جائز ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ غیر کفوء میں ہونے کی وجہ سے اس میں ضرر ظاہر ہے اس لیے یہ نکاح جائز نہیں۔ امام صاحبؒ کا قول راجح ہے جیسا کہ گذر چکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلٌ فِي الْوَكَالَةِ بِالنِّكَاحِ وَغَيْرِهَا

یہ فصل نکاح کی وکالت اور غیر وکالت کے بیان میں ہے

چونکہ وکالت بھی ایک طرح کی ولایت ہے کیونکہ جس طرح ولی کا تصرف مولّٰی علیہ پر نافذ ہوتا ہے اسی طرح وکیل کا تصرف بھی موکل پر نافذ ہوتا ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ولایت اور کفاءت کے بعد وکالت فی النکاح کو ذکر فرمایا ہے۔

{۱}وَيَجُوزُ لِابْنِ الْعَمِّ أَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ مِنْ نَفْسِهِ وَقَالَ زُفَرُ : لَا يَجُوزُ{۲} وَإِنْ أَذِنَتِ الْمَرْأَةُ لِلرَّجُلِ

اور جائز ہے چچا زاد کے لیے کہ نکاح کرے اپنے چچا کی بیٹی کا اپنے سے، اور فرمایا امام زفرؒ نے جائز نہیں، اور اگر اجازت دے عورت مرد کو

أَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ جَازَ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ : لَا يَجُوزُ.

کہ نکاح کر دے اس کا اپنے سے پس اس نے عقد کیا دو گواہوں کی موجودگی میں تو جائز ہے، اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہ جائز نہیں

لَهُمَا أَنَّ الْوَاحِدَ لَا يُتَصَوَّرُ أَنْ يَكُونَ مُمَلِّكًا وَمُتَمَلِّكًا كَمَا فِي الْبَيْعِ ،{۳}إِلَّا أَنَّ الشَّافِعِيَّ

کہ جائز نہیں، ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ ایک سے متصور نہیں کہ وہ ہو مالک بنانے والا اور مالک بننے والا جیسا کہ بیع میں، مگر امام شافعیؒ

يَقُولُ فِي الْوَلِيِّ ضَرُورَةً ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَلَّاهُ سِوَاهُ ، وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّ الْوَكِيلِ .{۴}وَلَنَا

فرماتے ہیں کہ ولی میں ضرورت ہے؛ کیونکہ کوئی ولی نہیں بنتا اس کے علاوہ، اور کوئی ضرورت نہیں وکیل کے حق میں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّ الْوَكِيلَ فِي النِّكَاحِ سَفِيرٌ وَمُعَبِّرٌ، وَالتَّمَانُعُ فِي الْحُقُوقِ دُونَ التَّعْبِيرِ وَلَا تَرْجِعُ الْحُقُوقُ إِلَيْهِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ؛

کہ وکیل نکاح میں سفیر اور معبر ہے، اور منافات حقوق میں ہے نہ کہ تعبیر میں، اور نہیں لوٹتے حقوق اس کی طرف، بخلاف بیع کے؛

لِأَنَّهُ مُبَاشِرٌ حَتَّى رَجَعَتِ الْحُقُوقُ إِلَيْهِ ،{۵}وَإِذَا تَوَلَّى طَرَفَيْهِ فَقَوْلُهُ زَوَّجْتُ يَتَضَمَّنُ

کیونکہ وہ مباشر ہے حتی کہ لوٹتے ہیں حقوق اس کی طرف، اور جب متولی بنے نکاح کی دونوں طرفوں کا تو اس کا قول "زَوَّجْتُ" متضمن ہو گا

الشَّطْرَيْنِ فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى الْقَبُولِ .{۶}قَالَ وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ فَإِنْ

دونوں طرفوں کو پس محتاج نہ ہو گا قبول کو۔ فرمایا: اور نکاح کرنا غلام اور باندی کا اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر موقوف ہے، پس اگر

أَجَازَهُ الْمَوْلَى جَازَ ، وَإِنْ رَدَّهُ بَطَلَ ، وَكَذَلِكَ لَوْ زَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ

جائز قرار دیا اس کو مولیٰ نے تو جائز ہے، اور اگر رد کر دیا تو باطل ہے، اور اسی طرح ... نکاح کیا مرد نے عورت سے اس کی رضا کے بغیر یا

رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ وهٰذا عِنْدَنَا فَإِنَّ كُلَّ عَقْدٍ صَدَرَ مِنَ الْفُضُولِيِّ

ایک مرد نے دوسرے کا نکاح کیا اس کی رضا کے بغیر، اور یہ ہمارے نزدیک ہے؛ کیونکہ جو بھی عقد کہ صادر ہو فضولی سے

وله مُجِيزٌ اِنْعَقَدَ مَوْقُوفًا عَلَى الْإِجَازَةِ. ﴿۷﴾وقال الشَّافِعِيُّ: تَصَرُّفَاتُ الْفُضُولِيِّ كُلُّهَا بَاطِلَةٌ

اور حال یہ کہ اس کے لیے مجیز ہے تو منعقد ہوگا موقوف ہو کر اجازت پر۔ اور فرمایا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ فضولی کے تصرفات تمام باطل ہیں

لِأَنَّ الْعَقْدَ وُضِعَ لِحُكْمِهِ، وَالْفُضُولِيُّ لَا يَقْدِرُ عَلَى إِثْبَاتِ الْحُكْمِ فَيَلْغُو. ﴿۸﴾وَلَنَا أَنَّ رُكْنَ التَّصَرُّفِ

کیونکہ عقد وضع کیا گیا ہے حکم عقد کے لیے اور فضولی قادر نہیں اثباتِ حکم پر پس لغو ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رکن تصرف

صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إِلَى مَحَلِّهِ ، وَلَا ضَرَرَ فِي انْعِقَادِهِ فَيَنْعَقِدُ مَوْقُوفًا حَتَّى

صادر ہوا ہے اہل تصرف سے مضاف ہو کر اس کے محل کی طرف، اور کوئی ضرر نہیں اس کے انعقاد میں پس منعقد ہوگا موقوف ہو کر حتی کہ

إِذَا رَأَى الْمَصْلَحَةَ فِيهِ يُنَفِّذُهُ ، وَقَدْ يَتَرَاخَى حُكْمُ الْعَقْدِ عَنِ الْعَقْدِ

اگر دیکھی مصلحت اس میں تو نافذ کر دے اس کو، اور کبھی مؤخر ہوتا ہے حکم عقد عقد سے۔

خلاصہ: مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں چچازاد ولی کا اپنا نکاح چچازادی سے کرنے کا حکم ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۲ تا ۵ میں عورت کا کسی کو اپنے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنانے اور اس کا گواہوں کے سامنے نکاح کرنے کے حکم میں احناف اور شوافع کا اختلاف اور فریقین کے دلائل کو ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۶ تا ۸ میں غلام اور باندی کے نکاح کا حکم بیان کیا ہے، اور فضولی شخص کا نکاح کرانے کے حکم میں احناف اور شوافع کا اختلاف اور فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں اور امام شافعی کی دلیل کا جواب دیا ہے۔

تشریح: ﴿۱﴾صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر لڑکی کا ولی اس کے چچا کا بیٹا ہو بشرطیکہ لڑکی نابالغ ہو، اور اس چچازاد کے سوا اس کا کوئی اور اقرب ولی نہ ہو تو اس چچازاد کا اس لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرنا جائز ہے مثلاً گواہوں سے کہے "کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اپنا نکاح فلاں لڑکی سے کر دیا جو فلاں بن فلاں کی بیٹی ہے" اس صورت میں چچازاد اپنی طرف سے اصیل اور دوسری طرف سے ولی ہوگا لہٰذا اس کی عبارت ایجاب اور قبول دونوں کے قائم مقام ہوگی۔ امام زفرؒ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں ہے، اور امام شافعیؒ اس صورت کے جواز کے قائل ہیں۔

﴿۲﴾اگر کسی عورت نے کسی مرد کو اپنے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنایا اس نے گواہوں کے سامنے موکلہ کا اپنے ساتھ نکاح کر دیا مثلاً کہا "کہ تم گواہ رہو میں نے اپنا نکاح فلاں لڑکی سے کر دیا جو فلاں بن فلاں کی بیٹی ہے" تو یہ بھی جائز ہے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ

...نزدیک جائز نہیں: ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص ایک چیز کا بیک وقت مملِّک اور متملک (یعنی مالک بنانے والا اور ملک ...مل کرنے والا) نہیں بن سکتا جیسا کہ بیع میں ایک شخص بائع اور مشتری کا وکیل بن کر عقدِ بیع نہیں کر سکتا ہے، اور مذکورہ صورت میں ...مالک بننے والا اور عورت کو مالک بنانے والا ہے اس لیے یہ جائز نہیں۔

{۳} مگر گذشتہ صورت میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ چچازاد کے علاوہ اس لڑکی کا کوئی اور ولی نہیں اس لیے وہاں ...ورت کی وجہ سے ایک شخص کا بیک وقت مملِّک اور متملک ہونا جائز قرار دیا، جبکہ وکیل کی صورت میں کوئی ضرورت نہیں؛ کیونکہ ...کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو وکیل بنایا جا سکتا ہے اس لیے یہ دوسری صورت جائز نہیں۔

{۴} ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل محض تعبیر کرنے والا اور ترجمان ہوتا ہے اور مملِّک اور متملک میں منافات حقوق ...ہے تعبیر میں نہیں یعنی حقوق میں ایک شخص مالک کرنے والا اور مالک بننے والا نہیں ہو سکتا ہے مثلاً مبیع کا اعطاء اور اخذ، اور عیب کی ...سے واپس کرنا اور لینا ایک شخص سے نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اس میں منافات ہے، تعبیر میں کوئی منافات نہیں کہ ایک شخص عورت کی ...ف سے مالک بنانے کے الفاظ کہتا ہے اور اپنی طرف سے مالک بننے کے الفاظ کہتا ہے لہٰذا تعبیر ایک شخص کر سکتا ہے۔ باقی حقوق میں ...بے شک منافات ہے مگر حقوق نکاح وکیل کی طرف نہیں لوٹتے ہیں بلکہ موکل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مثلاً عورت مہر کا مطالبہ وکیل ...سے نہیں کر سکتی ہے بلکہ موکل سے کرے گی، لہٰذا ایک شخص حقوق میں مملِّک و متملک نہیں اس لیے یہ جائز ہے۔ برخلافِ بیع کے کہ ...بیع میں وکیل مباشر اور عقد کرنے والا ہے حتی کہ بیع کے حقوق کا تعلق وکیل سے ہوتا ہے موکل سے نہیں ہوتا ہے مثلاً اگر وکیل ...مشتری ہے تو ثمن کا مطالبہ وکیل سے ہو گا نہ کہ موکل سے، لہٰذا بیع میں ایک شخص (وکیل) مالک بنانے والا اور مالک بننے والا ہے جس میں ...منافات ہے اس لیے جائز نہیں۔

{۵} اور جب یہ ثابت ہوا کہ بابِ نکاح میں ایک شخص دونوں جانب کا متولی ہو سکتا ہے تو مرد کا قول "زَوَّجْتُ" ایجاب ...اور قبول دونوں کو شامل ہو گا یعنی یہ لفظ ایجاب بھی ہے اور قبول بھی ہے؛ کیونکہ اس سے قبول ضمناً مفہوم ہوتا ہے لہٰذا قبول کے لیے ...دوسرا تکلم کی ضرورت نہیں۔

{۶} غلام اور باندی کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر موقوف رہے گا اگر مولیٰ نے اجازت دیدی تو نکاح صحیح ہو جائے ...گا اور اگر مولیٰ نے رد کر دیا تو باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی عورت سے اس کی رضا کے بغیر نکاح کیا تو یہ نکاح اس ...عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا یا عورت نے کسی مرد سے اس کی رضا کے بغیر نکاح کیا تو یہ نکاح اس مرد کی اجازت پر موقوف ...رہے گا، یہ تفصیل ہمارے نزدیک ہے؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو بھی عقد کسی فضولی شخص (فضولی بمعنی مالایعنی میں مشغول ہونے

والا۔ فقہاء کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو اپنے لیے اہلیت کے بغیر یا غیر کے لیے ولایت اور وکالت کے بغیر تصرف کرے اور صادر ہو جائے اور اس کا کوئی اجازت دینے والا ہو تو یہ "عقد اس مجیز کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر اس نے اجازت دی تو منعقد ہوگا ورنہ باطل ہوگا۔

{۷} امام شافعیؒ فرماتے ہیں فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں؛ کیونکہ عقد وضع کیا گیا ہے حکم عقد کے لیے اور فضولی حکم عقد ثابت کرنے پر قادر نہیں کیونکہ فضولی سے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ عقد کا ثمرہ خود مرتب کرے بلکہ یہ تو شوہر اور بیوی کے اختیار میں ہے؛ اس لیے اس کا کلام لغو ہوگا۔

{۸} ہماری دلیل یہ ہے کہ رکنِ تصرف (ایجاب اور قبول) صادر ہوا ہے اہلِ تصرف (آزاد، عاقل اور بالغ) سے اور منسوب ہے محلِ عقد کی طرف یعنی بنو آدم میں سے ایسی عورت کی طرف جو محرمات میں سے نہیں ہے، اور اس کے انعقاد میں کوئی نقصان بھی نہیں، لہٰذا یہ عقد موقوفاً منعقد ہو جائے گا اگر مرد و عورت نے مناسب سمجھا تو اسے نافذ کر دے ورنہ رد کر دے۔

باقی امام شافعیؒ کا یہ کہا کہ فضولی حکم عقد پر قادر نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ عقد حکم عقد کے لیے وضع کیا گیا ہے اور فضولی حکم عقد پر قادر نہیں، مگر یہاں حکم عقد معدوم نہیں بلکہ اجازتِ زوجین تک مؤخر ہو گیا ہے اور حکم عقد، عقد سے مؤخر ہو سکتا ہے جیسا کہ بیع بشرط الخیار میں لزوم عقد خیار ساقط ہونے تک مؤخر ہوتا ہے۔

{۱} وَمَنْ قَالَ اشْهَدُوا أَنِّي قَدْ تَزَوَّجْت فُلَانَةَ فَبَلَغَهَا فَأَجَازَتْ فَهُوَ بَاطِلٌ ، وَإِنْ قَالَ آخَرُ اشْهَدُوا أَنِّي قَدْ زَوَّجْتُهَا مِنْهُ فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَأَجَازَتْ جَازَ، وَكَذَلِكَ إنْ كَانَتْ الْمَرْأَةُ هِيَ الَّتِي قَالَتْ جَمِيعَ ذَلِكَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، {۲} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا غَائِبًا فَبَلَغَهُ فَأَجَازَهُ جَازَ . {۳} وَحَاصِلُ الْخِلَافِ أَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَصْلُحُ فُضُولِيًّا مِنْ الْجَانِبَيْنِ أَوْ فُضُولِيًّا مِنْ جَانِبٍ وَأَصِيلًا مِنْ جَانِبٍ عِنْدَهُمَا خِلَافًا

اور جس نے کہا کہ گواہ رہو میں نے نکاح کر لیا فلاں عورت سے، پس یہ خبر پہنچی اس کو اور اس نے جائز قرار دیا تو یہ باطل ہے، اور اگر کہا دوسرے نے گواہ رہو کہ میں نے نکاح کر لیا اس عورت کا فلاں مرد سے پس پہنچی عورت کو یہ خبر اور اس نے جائز قرار دیدیا تو جائز ہے، اور اسی طرح اگر ہو عورت وہ جس نے یہ سب کہا، اور یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے جب عورت اپنا نکاح کر لے غائب سے پس پہنچ گئی یہ خبر اس کو اور اس نے جائز رکھا اس کو تو جائز ہے، اور حاصل اس اختلاف کا یہ ہے کہ ایک صلاحیت نہیں رکھتا ہے فضولی ہونے کا جانبین سے یا فضولی ہو ایک جانب اور اصیل ہو دوسری جانب سے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، اختلاف ہے

{۴}وَلَوْ جَرَى الْعَقْدُ بَيْنَ الْفُضُولِيَّيْنِ أَوْ بَيْنَ الْفُضُولِيِّ وَالْأَصِيلِ جَازَ بِالْإِجْمَاعِ {۵}هُوَ يَقُولُ لَوْكَانَ مَأْمُورًا مِنَ الْجَانِبَيْنِ يَنْفُذُ، فَإِذَاكَانَ فُضُولِيًّا يَتَوَقَّفُ وَصَارَ كَالْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ وَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ.

اور اگر جاری ہوا عقد دو فضولیوں کے درمیان یا ایک فضولی اور ایک اصیل کے درمیان تو جائز ہے بالاجماع، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اگر ہوتا وہ مامور جانبین سے تو نافذ ہوتا پس جب وہ فضولی ہے تو موقوف ہوگا اور ہو جائے گا خلع، طلاق اور اعتاق علی مال کی طرح

{۶}وَلَهُمَا أَنَّ الْمَوْجُودَ شَطْرُ الْعَقْدِ ؛ لِأَنَّهُ شَطْرٌ حَالَةَ الْحَضْرَةِ فَكَذَا عِنْدَ الْغَيْبَةِ ، وَشَطْرُ الْعَقْدِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى مَاوَرَاءَ الْمَجْلِسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ، {۷}بِخِلَافِ الْمَأْمُورِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ؛ لِأَنَّهُ يَنْتَقِلُ كَلَامُهُ إِلَى الْعَاقِدَيْنِ،

اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ موجود جزءِ عقد ہے؛ کیونکہ یہ جزء ہے موجودگی کی حالت میں پس ایسا ہی عدم موجودگی کی حالت میں، اور جزءِ عقد موقوف نہیں ہوتا ما بعد مجلس پر جیسا کہ بیع میں، بخلاف مامور من الجانبین کے؛ کیونکہ منتقل ہوتا ہے اس کا کلام عاقدین کی طرف،

وَمَاجَرَى بَيْنَ الْفُضُولِيَّيْنِ عَقْدٌ تَامٌّ ،{۸}وَكَذَا الْخُلْعُ وَأُخْتَاهُ ؛ لِأَنَّهُ تَصَرُّفُ يَمِينٍ مِنْ جَانِبِهِ حَتَّى يَلْزَمَ فَيَتِمَّ بِهِ

اور جو جاری ہو دو فضولیوں کے درمیان وہ عقدِ تام ہے، اور اسی طرح خلع اور اس کی دو نظیریں ہیں؛ کیونکہ یہ تصرفِ یمین ہے اس کی جانب سے حتی کہ لازم ہوگا تو تام ہو جائے گا اسی سے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بتایا ہے کہ عقدِ نکاح کا نصف حصہ یعنی ایجاب مجلس سے غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا اور اس کی مختلف صورتوں کا حکم اور اس میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف اور اختلاف کا حاصل ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۴ ایک مجلس میں دو فضولیوں یا ایک فضولی اور ایک اصیل کے کئے ہوئے عقد کا حکم بیان کیا ہے، اور نمبر ۵ میں سابقہ مسئلہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل اور نمبر ۶ میں طرفینؒ کی دلیل اور نمبر ۷ میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۸ میں خلع بعوضِ مال طلاق اور بعوضِ مال عتاق کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} عقدِ نکاح کا نصف حصہ یعنی ایجاب اس شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا ہے جو مجلس سے غائب ہو مثلاً ایک شخص نے دو گواہوں سے کہا کہ "تم گواہ رہو کہ میں نے فلاں غائب عورت سے نکاح کر لیا" پھر یہ خبر اس عورت کو پہنچی تو اگر اس نے اس نکاح کی اجازت دیدی تو یہ باطل ہے۔ اور اگر اسی مجلس میں ایک اور شخص نے ان گواہوں سے کہا کہ "تم گواہ رہو کہ میں نے اس غائب عورت کا نکاح اس مرد سے کر لیا" پھر یہ خبر اس عورت کو پہنچی اور اس نے اس کی اجازت دیدی تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔ اور یہی حکم ہے اگر یہ کلام عورت نے کہا ہو یعنی پہلی صورت میں نکاح باطل اور دوسری صورت میں جائز ہوگا۔ دونوں صورتوں میں

فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں مجلس ایجاب میں قبول کرنے والا نہیں اور ایجاب مابعد مجلس تک باقی نہیں رہتا ہے اس لیے ایجاب باطل ہوا، اور بعد میں عورت کا اجازت دینا فقط قبول ہے اور فقط قبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور دوسری صورت میں مجلس ایجاب میں ایک فضولی شخص نے عورت کی طرف سے قبول کرلیا اور فضولی کا قبول کرنا عورت کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر اس نے اجازت دی تو نکاح منعقد ہو جائے گا ورنہ نہیں، اور مذکورہ صورت میں چونکہ عورت نے بعد میں اجازت دیدی اس لیے نکاح منعقد ہو گیا۔ مذکورہ بالا تفصیل طرفینؒ کے نزدیک ہے۔

{٢} امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ چاروں صورتیں جائز ہیں یعنی جب مرد کسی غائب عورت سے نکاح کرلے خواہ اسی مجلس میں کوئی دوسرا شخص اس غائب عورت کی طرف سے نکاح قبول کرلے یا نہ، دونوں صورتیں جائز ہیں، اسی طرح اگر عورت نے کسی غائب مرد سے نکاح کرلیا خواہ اسی مجلس میں کوئی دوسرا شخص اس غائب کی طرف سے نکاح قبول کرلے یا نہ، دونوں صورتوں میں نکاح جائز ہے۔

{٣} اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ طرفینؒ کے نزدیک ایک شخص دونوں جانب سے فضولی نہیں ہو سکتا مثلاً تنہا ایک شخص مرد اور عورت دونوں کی طرف سے فضولی بن کر نکاح کا ایجاب اور قبول کردے تو یہ جائز نہیں، اسی طرح ایک جانب سے اصیل اور دوسری جانب سے فضولی بن کر نکاح کرلے یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ پہلی صورت میں مرد اپنی طرف سے اصیل اور عورت کی طرف سے فضولی ہے، اور چوتھی صورت میں عورت اپنی طرف سے اصیل اور مرد کی طرف سے فضولی ہے تو یہ جائز نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک شخص دونوں جانب سے بھی فضولی ہو سکتا ہے اور ایک جانب سے بھی، اس لیے ان کے نزدیک مذکورہ تمام صورتیں جائز ہیں۔

{٤} اور اگر عقد کا ایجاب اور قبول ایک مجلس میں گواہوں کے سامنے دو فضولیوں (ایک فضولی مرد کی طرف سے اور دوسرا عورت کی طرف سے ہو) کے درمیان ہوا یا ایسا ہی ایک فضولی اور ایک اصیل کے درمیان ہوا، تو یہ دو صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

{٥} سابقہ مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک شخص دونوں جانب سے وکیل ہوتا تو اس ایک کے ایجاب اور قبول سے نکاح منعقد ہو جاتا، تو فضولی کی صورت میں بھی نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ مرد اور عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا، پس یہ ایسا ہے جیسے خلع اور مال پر طلاق یا مال پر عتاق، مثلاً مرد نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو اتنے مال کے عوض خلع دیا، اور مجلس میں قبول کرنے والا کوئی نہیں، بعد میں یہ خبر اس کی بیوی کو پہنچی اور اس نے اس کو قبول کیا تو بالاتفاق خلع ہوگا، اسی طرح اگر مرد نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو اتنے مال پر طلاق دی یا میں نے اپنے غلام کو اتنے مال پر آزاد کیا ہے یہاں مجلس میں اس ایجاب کو کسی نے قبول نہیں

کیا بعد میں عورت اور غلام کو یہ خبر پہنچی اس نے اس کو قبول کیا تو یہ دو صورتیں بھی بالاتفاق جائز ہیں، حالانکہ ان سب (خلع، طلاق اور عتاق) میں بھی نکاح کی طرح ایجاب کے لیے قبول کی ضرورت ہے جب یہ صورتیں جائز ہیں تو نکاح بھی جائز ہوگا۔

{۶}طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرد کا یہ کہنا کہ "تم گواہ رہو کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا" یہ عقد کا ایک جزء ہے یعنی فقط ایجاب ہے؛ کیونکہ اگر مرد اور عورت دونوں مجلس میں حاضر ہوں تب بھی مرد کا اتنا کلام عقد کا فقط ایک جزء (ایجاب) ہوگا اور جب ایک حاضر دوسرا غائب ہے تو بھی یہ کلام عقد کا ایک جزء ہوگا، اور قاعدہ ہے کہ عقد کا ایک جزء ماوراء مجلس پر موقوف نہیں ہوتا ہے اس لیے عقد کا یہ جزء (ایجاب) باطل ہوا، اور بعد میں عورت کا قبول کرنا چونکہ پورا عقد نہیں بلکہ جزء عقد ہے اس لیے وہ بھی باطل ہوگا، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ عقدِ بیع میں اگر کسی نے کہا کہ "میں نے اپنا غلام فلاں کے ہاتھ فروخت کیا" مگر اس مجلس میں کسی نے اس کو قبول نہیں کیا تو یہ عقد باطل ہوگا؛ کیونکہ مجلس میں عقدِ بیع کا فقط ایک جزء پایا گیا جو مابعدِ مجلس پر موقوف نہیں ہوتا ہے اس لیے باطل ہوا، اسی طرح عقدِ نکاح کا جزء بھی مابعد مجلس پر موقوف نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہوگا۔

{۷}اور امام ابو یوسفؒ کا جانبین سے فضولی ہونے کی صورت کو جانبین سے وکیل ہونے کی صورت پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ وکیل جانبین سے مامور ہوتا ہے اس لیے عقد کے دوران وکیل کا کلام عاقدین کی طرف منتقل ہوتا ہے تو وکیل کا ایجاب اور قبول عاقدین میں سے ایک کی طرف سے ایجاب ہے اور دوسرے کی طرف سے قبول ہے لہٰذا یہ معنیً دو آدمیوں کے درمیان عقد شمار ہوگا اس لیے یہ عقد تام ہے، جبکہ فضولی جانبین سے مامور نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کا کلام دو آدمیوں کا کلام شمار نہ ہونے کی وجہ سے عقد تام نہ ہوگا۔

{۸}اسی طرح خلع، مال کے عوض طلاق اور مال کے عوض عتاق تینوں میں بھی عقد تام ہے، مثلاً شوہر نے کہا کہ میں نے اپنی فلاں بیوی کو ہزار درہم پر خلع دیا اور اس مجلس میں کسی نے اس کو قبول نہیں کیا، تو بھی یہ عقد تام ہے، مگر اس لیے نہیں کہ شوہر اپنی طرف سے اصیل اور عورت کی طرف سے فضولی ہے بلکہ اس لیے کہ خلع شوہر کی طرف سے تصرفِ یمین ہے؛ کیونکہ اس نے ہزار کے عوض خلع کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کر دیا اور تعلیق شرعاً یمین ہے اور یمین فقط حالف سے تام ہوتی ہے اسی لیے اب یہ مرد پر لازم ہے پس اگر وہ عورت کے قبول کرنے سے پہلے رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کر سکتا ہے، لہٰذا یہ عقد فقط مرد سے تام ہوتا ہے مرد کو عورت کی طرف سے فضولی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، یہی حال طلاق علی مال اور عتاق علی مال کا ہے، لہٰذا امام ابو یوسفؒ کا نکاح کی مذکورہ بالا صورت کو ان عقود پر قیاس کرنا درست نہیں۔

فتوی:۔ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لمافی البحرالرائق: حَتَّى لَوْ قَالَ زَوَّجْت فُلَانًا وَقَبِلْت عَنْهُ لَمْ يَتَوَقَّفْ عَلَى قَوْلِهِمَا وَهُوَ الْحَقُّ خِلَافًا لِمَا ذُكِرَ فِي الْحَوَاشِي لِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْمَذْهَبِ فِي نَقْلِ قَوْلِهِمَا (البحرالرائق: ۳/۱۳۹)

{۱} وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُزَوِّجَهُ امْرَأَةً فَزَوَّجَهُ اثْنَتَيْنِ فِي عُقْدَةٍ لَمْ تَلْزَمْهُ وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا؛ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إلَى تَنْفِيذِهِمَا لِلْمُخَالَفَةِ وَلَا إلَى التَّنْفِيذِ فِي إحْدَاهُمَا غَيْرَ عَيْنٍ لِلْجَهَالَةِ وَلَا إلَى التَّعْيِينِ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيقُ {۲} وَمَنْ أَمَرَهُ أَمِيرٌ بِأَنْ يُزَوِّجَهُ امْرَأَةً فَزَوَّجَهُ أَمَةً لِغَيْرِهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رُجُوعًا إلَى إطْلَاقِ اللَّفْظِ وَعَدَمِ التُّهْمَةِ وَقَالَا: لَا يَجُوزُ إلَّا أَنْ يُزَوِّجَهُ كُفُئًا؛ لِأَنَّ الْمُطْلَقَ يَنْصَرِفُ إلَى الْمُتَعَارَفِ وَهُوَ التَّزَوُّجُ بِالْأَكْفَاءِ. {۳} قُلْنَا الْعُرْفُ مُشْتَرَكٌ أَوْ هُوَ عُرْفٌ عَمَلِيٌّ فَلَا يَصْلُحُ مُقَيِّدًا. {۴} وَذَكَرَ فِي الْوَكَالَةِ أَنَّ اعْتِبَارَ الْكَفَاءَةِ فِي هَذَا اسْتِحْسَانٌ عِنْدَهُمَا؛ لِأَنَّ كُلَّ أَحَدٍ لَا يَعْجِزُ عَنِ التَّزَوُّجِ بِمُطْلَقِ الزَّوْجِ فَكَانَتِ الِاسْتِعَانَةُ فِي التَّزَوُّجِ بِالْكُفْءِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

اور جس نے حکم کیا کسی مرد کو کہ وہ اس کا نکاح کر دے کسی عورت سے، پس اس نے اس کا نکاح کیا دو عورتوں سے ایک عقد میں تو لازم نہ ہوگا اس کو ایک بھی ان دونوں میں سے؛ کیونکہ کوئی وجہ نہیں دونوں کو نافذ کرنے کی مخالفت کی وجہ سے اور نہ نافذ کرنے کی ایک غیر معین میں جہالت کی وجہ سے اور نہ تعیین کی عدم اولویت کی وجہ سے پس متعین ہوگئی تفریق، اور جس کو حکم کیا امیر نے کہ اس کا نکاح کر دے کسی عورت سے پس اس نے نکاح کر دیا اس کا باندی سے دوسرے کی تو جائز ہے امام صاحبؒ کے نزدیک رجوع کرتے ہوئے اطلاق لفظ کی طرف اور عدم تہمت کی وجہ سے۔ اور فرمایا صاحبینؒ نے جائز نہیں مگر یہ کہ نکاح کر دے اس کا کفو میں؛ کیونکہ مطلق لوٹتا ہے متعارف کی طرف اور وہ نکاح کرنا ہے کفو میں۔ ہم کہتے ہیں عرف مشترک ہے یا وہ عرف عملی ہے پس یہ صلاحیت نہیں رکھتا ہے مقید بننے کا، اور ذکر کیا گیا ہے کتاب الوکالت میں کہ اعتبار کرنا کفاءۃ کا اس میں استحسان ہے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک؛ کیونکہ کوئی شخص بھی عاجز نہیں نکاح کرنے سے مطلق عورت سے پس ہوگی استعانت کفو میں نکاح کرنے میں، واللہ اعلم۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورۂ بالا عبارت میں نکاح کے وکیل کی ایک صورت کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور دوسری صورت کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، فریقین کے دلائل اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب، پھر مبسوط کے حوالے سے ان کی دلیل کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا" کہ میرا ایک عورت سے نکاح کر دو" وکیل نے عقدِ واحد میں دو عورتوں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا، تو یہ موکل کے امر کی مخالفت کرنے والا شمار ہوگا، لہذا ان دونوں میں سے کسی ایک کا نکاح بھی موکل پر لازم نہ ہوگا؛ کیونکہ دونوں کے نکاح کو لازم کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ اس سے موکل کے امر کی مخالفت لازم آتی ہے، اور کسی ایک غیر معین کا نکاح لازم کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں؛ کیونکہ اس صورت میں جہالت ہے اور مجہولہ سے نکاح کر لینے کا کوئی فائدہ نہیں، اور اگر کسی ایک کو متعین کر دے تو اس کی بھی کوئی وجہ نہیں؛ کیونکہ دونوں میں سے کسی ایک کو اولویت حاصل نہیں، اور وجہِ اولویت کے بغیر ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی، لہذا دونوں عورتوں اور مرد میں تفریق کرنا ہی متعین ہے۔

{۲}حاکم نے کسی شخص کو حکم کیا" کہ میرا نکاح کسی عورت سے کر دو" اس نے اپنے غیر کی باندی سے اس کا نکاح کر دیا، تو امام صاحب ؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے؛ کیونکہ حاکم نے لفظِ امر اۃ مطلق ذکر کیا تھا جو آزاد اور باندی دونوں کو شامل ہے اور اس نے اپنی باندی کے بجائے غیر کی باندی سے نکاح کر دیا ہے لہذا اس پر کوئی تہمت بھی نہیں اس لیے یہ نکاح جائز ہے۔ اور صاحبین ؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں، مگر یہ کہ کفو میں کر دے، تو پھر جائز ہوگا؛ کیونکہ حاکم نے مطلق امر اۃ سے نکاح کرنے کا وکیل بنایا ہے اور مطلق متعارف کی طرف لوٹتا ہے اور متعارف کفو میں نکاح کرنا ہے نہ کہ غیر کفو میں، جبکہ باندی سے نکاح کرنا غیر کفو میں ہے اس لیے جائز نہیں۔

{۳}ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ عرف مشترک ہے یعنی لوگ جس طرح کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرتے ہیں اسی طرح باندیوں سے بھی نکاح کرتے ہیں، لہذا فقط آزاد عورتوں سے نکاح کرنا متعارف نہیں۔ اور اگر تسلیم کیا جائے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنا متعارف ہے تو یہ عرفِ عملی ہے یعنی لوگ عملاً آزاد عورتوں سے نکاح کرتے ہیں عرفِ لفظی نہیں، اور عرفِ عملی لفظِ امر اۃ کے اطلاق (آزاد اور باندی دونوں کے لیے استعمال ہونے) کو آزاد عورت کے ساتھ مقید نہیں کر سکتا ہے بلکہ اب بھی یہ لفظ آزاد اور باندی دونوں کو شامل ہوگا۔

{۴}صاحبِ ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط کی "کِتَابُ الْوَكَالَةِ" میں ذکر کیا ہے کہ کفاءت کا اعتبار اس صورت میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک استحساناً ہے، وجہ استحسان یہ ہے کہ مطلق عورت سے نکاح کرنے پر ہر شخص قادر ہے کوئی بھی عاجز نہیں خواہ حاکم ہو یا غیر حاکم، پس یہاں جو حاکم نے غیر سے مدد طلب کی ہے تو یہ مطلق عورت سے نکاح کرنے میں طلبِ مدد نہیں

بلکہ کفو میں نکاح کرانے میں مدد طلب کی ہے، پھر جب وکیل نے باندی سے اس کا نکاح کر دیا، تو غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے خلاف توکیل ہے اس لیے جائز نہیں۔

فتویٰ:۔صاحبینؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار:(أَمَرَهُ بِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ فَزَوَّجَهُ أَمَةً جَازَ وَقَالَا: لَا يَصِحُّ) وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ مُلْتَقَى تَبَعًا لِلْهِدَايَةِ وَفِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ قَوْلُهُمَا أَحْسَنُ لِلْفَتْوَى وَاخْتَارَهُ أَبُو اللَّيْثِ،وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (الدّرالمختارعلی هامش ردّالمحتار:۲/۳۵۲)

بَابُ الْمَهْرِ

یہ باب مہر کے بیان میں ہے

مصنفؒ رکنِ نکاح، شرطِ نکاح اور بمعنی الشرط(یعنی کفاءت) کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب مہر کے احکام کو بیان فرماتے ہیں؛ کیونکہ مہر کا واجب کرنے والا عقدِ نکاح ہے پس مہر عقدِ نکاح کا حکم ہوا اور حکم شیٔ، شیٔ کے بعد ہوتا ہے۔اور مہر اس مال کو کہتے ہیں جس کا عورت عقدِ نکاح یا وطی بشبہہ کی وجہ سے مستحق ہوتی ہے۔مہر کو صداق، نحلہ، اجر، فریضہ، علیقہ اور عقر بھی کہتے ہیں۔یہ کافی طویل باب ہے، اور بعض باریک جزئیات واختلافات پر مشتمل ہے۔

﴿۱﴾ وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ فِيهِ مَهْرًا ؛لِأَنَّ النِّكَاحَ عَقْدُ انْضِمَامٍ وَازْدِوَاجٍ لُغَةً فَيَتِمُّ بِالزَّوْجَيْنِ،ثُمَّ

اور صحیح ہے نکاح اگرچہ مقرر نہ کیا گیا ہو اس میں مہر؛ کیونکہ نکاح عقدِ انضمام وازدواج ہے لغت میں پس تام ہوگا زوجین سے، پھر

الْمَهْرُوَاجِبٌ شَرْعًا إِبَانَةً لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِهِ لِصِحَّةِ النِّكَاحِ ،﴿۲﴾وَكَذَا إِذَا تَزَوَّجَهَا

مہر واجب ہے شرعاً ظاہر کرتے ہوئے شرفِ محل کو پس احتیاج نہیں ذکرِ مہر کی صحتِ نکاح کے لیے، اور اسی طرح جب نکاح کرے عورت سے

بِشَرْطِ أَنْ لَا مَهْرَلَهَا لِمَا بَيَّنَّا ، وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ ﴿۳﴾ وَأَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ

اس شرط پر کہ مہر نہیں اس کے لیے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور اس میں اختلاف ہے امام مالکؒ کا۔اور کم از کم مہر دس درہم ہے

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :مَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ ثَمَنًافِي الْبَيْعِ جَازَا أَنْ يَكُونَ مَهْراً لَهَا،لِأَنَّهُ حَقُّهَا فَيَكُونُ التَّقْدِيرُ

اور فرمایاامام شافعیؒ نے جو جائز ہے کہ ہو ثمن بیع میں جائز ہے کہ ہو مہر عورت کے لیے؛ کیونکہ مہر عورت کا حق ہے پس ہوگا مقرر کرنے کا اختیار

إِلَيْهَا وَلَنَاقَوْلُهُ ﷺ{وَلَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ } وَلِأَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ وُجُوبًا إِظْهَارًا

عورت کو، اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مہر کم نہیں ہے دس درہم سے" اور اس لیے کہ یہ شریعت کا وجوبی حق ہے ظاہر کرتے ہوئے

لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَيَتَقَدَّرُ بِمَالَهُ خَطَرٌ وَهُوَ الْعَشَرَةُاسْتِدْلَالًا بِنِصَابِ السَّرِقَةِ﴿۴﴾ وَلَوْ سَمَّى أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ

شرفِ محل کو پس مقرر ہوگا وہ جس کے لیے کوئی عظمت ہو اور وہ دس ہے استدلال کرتے ہوئے نصابِ سرقہ سے، اور اگر مقرر کیا کم دس سے

فَلَهَا الْعَشَرَةُ عِنْدَنَا .وَقَالَ زُفَرُ : لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ ؛ لِأَنَّ تَسْمِيَةَ مَا

عورت کے لیے دس درہم ہوں گے ہمارے نزدیک۔ اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ عورت کے لیے مہر مثل ہو گا؛ کیونکہ مقرر کرنا وہ چیز

لَا يَصْلُحُ مَهْرًا كَانْعِدَامِهِ{۵}وَلَنَا أَنَّ فَسَادَ هَذِهِ التَّسْمِيَةِ لِحَقِّ الشَّرْعِ وَقَدْ صَارَ

جو صلاحیت نہیں رکھتی ہے مہر بننے کی عدم تقرر کی طرح ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد اس تقرر کا حق شرع کی وجہ سے ہے اور وہ ہو گیا

مَقْضِيًّا بِالْعَشَرَةِ ، فَأَمَّا مَا يَرْجِعُ إلَى حَقِّهَافَقَدْ رَضِيَتْ بِالْعَشَرَةِ لِرِضَاهَا بِمَا دُونَهَا،

پورا دس سے، بہر حال وہ جو لوٹتا ہے عورت کے حق کی طرف تو وہ تو راضی ہو گئی دس پر بوجہ اس کے راضی ہونے کے اس سے کم پر

وَلَا مُعْتَبَرَ بِعَدَمِ التَّسْمِيَةِ ؛ لِأَنَّهَا قَدْ تَرْضَى بِالتَّمْلِيكِ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ تَكَرُّمًا ، وَلَا تَرْضَى فِيهِ

اور اعتبار نہیں عدم تسمیہ کا: کیونکہ عورت کبھی راضی ہوتی ہے مالک بنانے پر بغیر عوض کے شرافت کی وجہ، اور راضی نہیں ہوتی ہے اس میں

بِالْعِوَضِ الْيَسِيرِ .{۶}وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَاتَجِبُ خَمْسَةٌ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ،

معمولی عوض پر، اور اگر طلاق دی عورت کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے تو واجب ہوں گے پانچ درہم ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک،

وَعِنْدَهُ تَجِبُ الْمُتْعَةُ كَمَا إذَا لَمْ يُسَمِّ شَيْئًا

اور امام زفرؒ کے نزدیک واجب ہو گا متعہ جیسا کہ جب مقرر نہ کرے کچھ۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بلا مہر نکاح کی صحت اور دلیل، اور بشرطِ عدم مہر نکاح کی صحت میں احنافؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۳ میں کم از کم مہر میں ائمہ کا اختلاف اور دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر۴و۵ میں دس درہم سے کم مہر مقرر کرنے میں ہمارے اور امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر۶ میں دخول سے پہلے طلاق دینے کے حکم میں ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} نکاح میں اگر مہر مقرر کر دے تو یہ نکاح صحیح ہے اور اگر مہر مقرر کرنے کے بغیر نکاح کیا تو یہ بھی صحیح ہے؛ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ (فَانكِحُوا مَاطَابَ الخ) میں نکاح کا ذکر ہے اور لغت میں نکاح انضمام اور جفت ہونے کو کہتے ہیں اور یہ معنی متناکحین سے پورا ہو جاتا ہے مال کا تقاضا نہیں کرتا ہے، تو اگر ذکرِ مہر کو شرط قرار دیا جائے تو نص پر زیادتی لازم آئیگی جو کہ درست نہیں۔ سوال یہ ہے کہ مہر شرعاً واجب ہے تو اس سے سکوت کے ساتھ نکاح کیسا صحیح ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ مہر بے شک شرعاً واجب ہے لیکن یہ وجوب صحتِ نکاح کیلئے نہیں بلکہ شرافت محل (یعنی شرافتِ بضع) کو ظاہر کرنے کیلئے ہے پس مہر حکم ہے نکاح کا اور شئی کا حکم شئی کے بعد بغیر ذکر کے آتا ہے جیسے بیع کے بعد ملک بغیر ذکر کے آتی ہے، لہٰذا صحت نکاح کیلئے ذکرِ مہر کی کوئی ضرورت نہیں۔

{۲}اسی طرح جب عورت سے نکاح اس شرط پر کیا جائے کہ اس کے لیے مہر نہ ہوگا تو بھی یہ نکاح صحیح ہے؛ دلیل وہی ہے جو گذر چکی کہ مہر شرافتِ محل کے اظہار کے لیے حق شرع کے طور پر واجب ہے لہٰذا آدمی کے نفی کرنے سے منفی نہ ہوگا۔ اور اس میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مہر کی نفی کرنے سے نکاح نہ ہوگا؛ کیونکہ مہر نکاح میں ایسا ہے جیسا کہ ثمن بیع میں، تو جس طرح کہ بیع میں ثمن کی نفی سے بیع نہیں ہوتی ہے اسی طرح نکاح میں مہر کی نفی سے نکاح نہ ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ مہر اور ثمن کی نفی شرطِ فاسد ہے اور بیع شرطِ فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے، مگر نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا ہے اس لیے نکاح کے مہر کو بیع کے ثمن پر قیاس کرنا درست نہیں۔

{۳}مہر کی اقل مقدار احنافؒ کے نزدیک کم از کم دس درہم ہے یا وہ چیز جس کی قیمت بوقتِ عقد دس درہم ہو۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر وہ شئ جو بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ عقدِ نکاح میں مہر بن سکتی ہے؛ کیونکہ مہر عورت کا حق ہے لہٰذا اس کی مقدار متعین کرنے کا حق بھی عورت کو ہوگا۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ"[۱] (دس درہم سے کم مہر نہیں)۔ نیز مہر از روئے وجوب شریعت کا حق ہے بضع کی شرافت ظاہر کرنے کیلئے، لہٰذا اتنی مقدار متعین کی جائے گی جس کی کچھ اہمیت ہو جس سے شرافتِ بضع ظاہر ہو سکے اور اتنی مقدار دس درہم ہیں؛ کیونکہ ہم نے دیکھا کہ نصابِ سرقہ دس درہم ہے چنانچہ دس درہم چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ انسان کے عضو یعنی ہاتھ کی کم از کم قیمت دس درہم ہے پس اسی سے استدلال کرتے ہوئے نکاح میں بھی مِلکِ بضع کی قیمت کم از کم دس درہم مقرر کی گئی ہے۔

ف:۔ صاحبزادی رسول ﷺ حضرت فاطمہؓ کا مہر پانچ سو درہم تھا.............. موجودہ اوزان کے اعتبار سے مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کو ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی کے برابر مانا ہے.............. جو گرام کے مروجہ پیمانہ کے لحاظ سے ایک کلو ۵۳۰ گرام نو سو ملی گرام (۱،۵۳۰،۹۰۰) کے برابر ہوتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ آج کل ۱۲ گرام کا تولہ مروج نہیں ہے، بلکہ ۱۰ گرام کے تولہ کے حساب سے سونا چاندی کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اس لحاظ سے مہر فاطمی قریب ۱۵۴ تولہ چاندی ہو جائے گا (جدید فقہی مسائل:۱/۲۸۶)

ف:۔ برادری کی ایک کمیٹی نے حق مہر کے لیے ایک رقم مقرر کر دی ہے، اس سے کم و بیش نہیں کرنے دیتے تو کیا کمیٹی کا یہ فیصلہ درست ہے؟ خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو اسے اس مقدار مہر پر مجبور کرنا درست ہے یا نہیں؟ جواب: برادری کی کمیٹی کا یہ فیصلہ غلط ہے، حق مہر میں بیوی و شوہر کی حیثیت کو ملحوظ رکھیں اور بالغ عورت اور اس کے والدین کی رضامندی کے ساتھ مہر مقرر کریں، مہر چونکہ

(۱) رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ، جلد:۷، رقم:۱۳۷۶۰، ط مكتبة دار الكتب العلمية.

بیوی کا حق ہے اس لیے برادری کے لوگ اس کی مقدار مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ البتہ برادری کے لوگوں کو مناسب مہر مقرر کرنے کی اپیل کرنی چاہیے (آپ کے مسائل اوران کا حل: ج۵، ص:۱۵۳)

{۴} اور اگر مہر دس درہم سے کم مقرر کیا گیا تو ہمارے نزدیک اس عورت کے لیے دس درہم ہوں گے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک مہر مثل ہوگا: امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسی چیز مہر مقرر کرنا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے ایسا ہے جیسا کہ مہر مقرر ہی نہ کیا ہو اور مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

{۵} ہماری دلیل یہ ہے کہ دس درہم سے کم مقرر کرنے کا فساد حق شرع کی وجہ سے ہے، اور حق شرع دس درہم سے پورا ہو جاتا ہے، لہذا دس درہم ہی سے حق شرع کو پورا کیا جائے گا۔ رہا عورت کا حق تو وہ بھی دس درہم پر راضی ہے کیونکہ وہ تو دس سے کم پر راضی ہے دس پر تو بطریقہ اولیٰ راضی ہوگی، اس لیے دس سے زائد مقرر کرنا وجوب بلا موجبِ وجوب ہوگا۔

باقی امام زفرؒ کا اس صورت کو عدمِ تسمیہ پر قیاس کرنا درست نہیں؛ کیونکہ انسان کبھی اپنے پورے حق کو احسان اور مہربانی کرتے ہوئے معاف کر دیتا ہے، مگر تھوڑی سی چیز لے کر راضی نہیں ہوتا ہے اسی طرح عورت بھی شوہر پر احسان اور مہربانی کرتے ہوئے تملیکِ بضع بلا عوض پر تو راضی ہو سکتی ہے مگر ترفعاً دس درہم سے کم معمولی رقم لینے پر راضی نہیں ہوتی ہے پس جب دونوں صورتوں میں فرق ہے تو ایک کو دوسری پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

{۶} اور اگر مذکورہ صورت میں مرد نے دخول سے پہلے عورت کو طلاق دیدی، تو ہمارے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک شوہر پر پانچ درہم واجب ہوں گے، اور امام زفرؒ کے نزدیک متعہ واجب ہوگا؛ کیونکہ یہ صورت ان کے نزدیک کوئی چیز مقرر نہ کرنے کی طرح ہے اور عدمِ تسمیہ کی صورت قبل الدخول طلاق دینے سے متعہ واجب ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی متعہ واجب ہوگا۔ ہمارے نزدیک چونکہ دس درہم مقرر ہیں لہذا قبل الدخول طلاق دینے کی وجہ سے نصفِ مسمّٰی یعنی پانچ درہم واجب ہوں گے۔

{۱} وَمَنْ سَمَّى مَهْرًا عَشْرَةً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمَّى إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا ؛ لِأَنَّهُ بِالدُّخُولِ يَتَحَقَّقُ تَسْلِيمُ الْمُبْدَلِ وَبِهِ يَتَأَكَّدُ الْبَدَلُ ، وَبِالْمَوْتِ يَنْتَهِي النِّكَاحُ نِهَايَتَهُ ، وَالشَّيْءُ بِانْتِهَائِهِ يَتَقَرَّرُ وَيَتَأَكَّدُ فَيَتَقَرَّرُ بِجَمِيعِ مَوَاجِبِهِ {۲} وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ

اور جو شخص مقرر کرے مہر دس درہم یا زیادہ تو اس پر مسمّٰی ہے اگر دخول کیا اس عورت کے ساتھ یا مر گیا اس سے؛ کیونکہ دخول سے تحقق ہوتا ہے مبدل کو سپرد کرنا اور اسی سے مؤکد ہوتا ہے بدل، اور موت سے پہنچتا ہے نکاح اپنی انتہاء کو، اور شئ انتہاء کو پہنچنے سے متقرر و متاکد ہو جاتی ہے، پس نکاح متقرر ہوگا اپنے تمام احکام کے ساتھ۔ اور اگر طلاق دی عورت کو اس کے ساتھ دخول اور خلوت سے پہلے

فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمَّى لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ } الْآيَةَ {۳} وَالْأَقْيِسَةُ مُتَعَارِضَةٌ

تو عورت کے لیے نصف مسمّٰی ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اگر طلاق دیدی تم نے ان عورتوں کو چھونے سے پہلے" اور قیاس متعارض ہیں

فَفِيهِ تَفْوِيتُ الزَّوْجِ الْمِلْكَ عَلَى نَفْسِهِ بِاخْتِيَارِهِ وَفِيهِ عَوْدُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ إِلَيْهَا سَالِمًا فَكَانَ

کیونکہ اس میں فوت کرنا ہے زوج کا ملک کو اپنے نفس پر اپنے اختیار سے، اور اس میں لوٹنا ہے معقود علیہ کا عورت کی طرف سالم، پس ہوگی

الْمَرْجِعُ فِيهِ النَّصَّ، {۴} وَشَرَطَ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ الْخَلْوَةِ ؛ لِأَنَّهَا كَالدُّخُولِ عِنْدَنَا عَلَى مَا نُبَيِّنُ

مرجع نص اس میں نص، اور شرط لگائی ہے کہ ہو خلوۃ سے پہلے؛ کیونکہ خلوۃ دخول کی طرح ہے ہمارے نزدیک جیسا کہ ہم بیان کریں گے

إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . {۵} قَالَ وَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا أَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَنْ لَا مَهْرَ لَهَا

انشاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا: اور اگر نکاح کیا عورت سے اور مقرر نہیں کیا اس کے لیے مہر، یا نکاح کیا عورت سے اس شرط پر کہ مہر نہ ہوگا اس کے لیے

فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَجِبُ شَيْءٌ فِي الْمَوْتِ

تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا اگر دخول کیا اس سے یا مر گیا اس سے۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ واجب نہ ہوگی کوئی چیز موت کی صورت میں

وَأَكْثَرُهُمْ عَلَى أَنَّهُ يَجِبُ فِي الدُّخُولِ . لَهُ أَنَّ الْمَهْرَ خَالِصُ حَقِّهَا فَتَتَمَكَّنُ

اور اکثر شوافعؒ اس پر ہیں کہ واجب ہوگا دخول کی صورت میں، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے پس اس کو قدرت ہوگی

مِنْ نَفْيِهِ ابْتِدَاءً كَمَا تَتَمَكَّنُ مِنْ إِسْقَاطِهِ انْتِهَاءً {۶} وَلَنَا أَنَّ الْمَهْرَ وُجُوبًا حَقُّ الشَّرْعِ عَلَى مَا مَرَّ

اس کی نفی پر ابتداءً جیسا کہ اس کو قدرت ہے اس کے اسقاط پر انتہاءً، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر وجوباً حق شرع ہے جیسا کہ گذر چکا

وَإِنَّمَا يَصِيرُ حَقَّهَا فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَتَمْلِكُ الْإِبْرَاءَ دُونَ النَّفْيِ {۷} وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا

اور ہو جائے گا عورت کا حق حالت بقاء میں، پس وہ مالک ہوگی بری کر دینے کی نہ کہ نفی کی اور اگر طلاق دی عورت کو دخول سے پہلے

فَلَهَا الْمُتْعَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ } الْآيَةَ ثُمَّ هَذِهِ الْمُتْعَةُ وَاجِبَةٌ

تو اس کے لیے متعہ ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور متعہ دو ان کو وسعت والے پر اس کی وسعت کے مطابق" پھر یہ متعہ واجب ہے

رُجُوعًا إِلَى الْأَمْرِ ، {۸} وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ {۹} وَالْمُتْعَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وَهِيَ دِرْعٌ

رجوع کرتے ہوئے امر کی طرف، اور اس میں اختلاف ہے امام مالک کا، اور متعہ تین کپڑے ہیں اس جیسی عورت کے لباس سے اور وہ کرتہ،

وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ . وَهَذَا التَّقْدِيرُ مَرْوِيٌّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا . وَقَوْلُهُ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا

اوڑھنی اور چادر ہے، اور یہ اندازہ مروی ہے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس سے، اور امام قدوری کا قول "مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا"

إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ يُعْتَبَرُ حَالُهَا وَهُوَ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ فِي الْمُتْعَةِ الْوَاجِبَةِ لِقِيَامِهَا مَقَامَ مَهْرِ الْمِثْلِ .

اشارہ ہے اس طرف کہ اعتبار کیا جائے گا عورت کے حال کا، اور یہی قول امام کرخیؒ کا ہے واجب متعہ میں بوجہ قائم مقام ہونے کے مہر مثل کے

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ حَالُهُ عَمَلًا بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْلُه تَعَالَى { عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ

اور صحیح یہ ہے کہ اعتبار کیا جائے گا مرد کے حال کا عمل کرتے ہوئے نص پر اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "مقدور والے پر اس کے موافق ہے

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ }{۱۰}ثُمَّ هِيَ لَا تُزَادُ عَلَى نِصْفِ مَهْرِ مِثْلِهَا وَلَا تَنْقُصُ عَنْ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ،

اور تنگی والے پر اس کے موافق" پھر وہ زیادہ نہیں کیا جائے گا اس کے نصف مہر مثل سے اور نہ کم کیا جائے گا پانچ درہم سے،

وَيُعْرَفُ ذَلِكَ فِي الْأَصْلِ

اور معلوم ہوگا یہ مسئلہ مبسوط میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں تقررِ مہر کی بعض صورتوں کا حکم اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے پھر ایک سوال کا جواب دیا ہے اور نمبر ۴ میں خلوتِ صحیحہ کو دخول کے حکم میں قرار دینے کی وجہ بیان کی ہے۔ اور نمبر ۵و۶ میں بلا ذکر مہر نکاح کی ایک صورت کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷و۸ میں ایک اور صورت میں احنافؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل اور امام مالکؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر ۹و۱۰ میں عورت کے متعہ کی تفصیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} اگر کسی عورت کیلئے مہر دس درہم یا زیادہ مقرر کیا پھر زوج نے اس کے ساتھ خلوتِ صحیحہ کرلی یا زوج مر گیا تو ان دونوں صورتوں میں شوہر پر مسمّٰی واجب ہوگا؛ کیونکہ دخول کی وجہ سے مبدل یعنی بضع کا سپرد کرنا متحقق ہو گیا اور مبدل کے سپرد کرنے سے بدل واجب ہو جاتا ہے لہٰذا شوہر پر بدل یعنی مہر مسمّٰی واجب ہوگا۔ اور موت کی صورت میں چونکہ موت کی وجہ سے شئ اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے مثلاً موت کے بعد نکاح کو رفع کرنا ممکن نہیں، اور شئ اپنی انتہاء کو پہنچ کر اپنے تمام احکام و مواجب کے ساتھ متقرر اور مؤکد ہو جاتی ہے، لہٰذا نکاح بھی موت کی وجہ سے اپنے تمام احکام (مہر، نفقہ، عدت وغیرہ) کے ساتھ متقرر اور مؤکد ہو جائے گا اس لیے موت کی وجہ سے مہر بھی ثابت ہوگا۔

{۲} اور اگر عورت کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو، پھر دخول اور خلوت سے پہلے شوہر نے اس کو طلاق دیدی، تو عورت کے لیے نصفِ مسمّٰی ہوگا؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ[۱]) (اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق قبل الدخول سے نصف مہر واجب ہوتا ہے۔

(۱) البقرۃ: ۲۳۷۔

{۳} سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں نصف مہر کا وجوب نص سے تو ثابت ہوا، تو کیا قیاس سے بھی ثابت ہے؟ صاحبِ ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں دو قیاس متعارض ہیں، ایک قیاس کا تقاضایہ ہے کہ شوہر پر کل مسمّٰی واجب ہو؛ کیونکہ شوہر نے اپنے اختیار سے اپنی مِلکِ بُضع کو فوت کر دیا ہے جس کا تقاضایہ ہے کہ عورت کل مہر کی مستحق ہو، اور دوسرے قیاس کا تقاضایہ ہے کہ شوہر پر کچھ واجب نہ ہو؛ کیونکہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے معقود علیہ یعنی بضع عورت کی طرف صحیح سالم لوٹ آیا جس کا تقاضایہ ہے کہ عورت کو کسی چیز کا استحقاق نہ ہو اس لیے کہ مبدل واپس ہونے سے بدل واجب نہیں ہوتا ہے، اور جب دونوں قیاس متعارض ہیں تو ان سے کچھ ثابت نہ ہوگا بلکہ نص کی طرف رجوع کیا جائے گا اور نص میں نصفِ مسمّٰی واجب کیا گیا ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں شوہر پر نصفِ مسمّٰی ہی واجب ہوگا۔

{۴} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے کہا ہے کہ طلاق "دخول اور خلوت سے پہلے ہو" جس میں خلوت (تنہائی) اور دخول کا ایک حکم بتایا ہے تو وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک خلوتِ صحیحہ بھی دخول کی طرح ہے اس لیے دونوں کا حکم ایک ہے، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

الغاز:۔أی امرأة أخذت ثلاثة مهورمن ثلاثةأزواج فی یوم واحد؟
فقل:۔امرأة حامل طلقت ثم وضعت فلهاكمال المهرثم تزوجت وطلقت قبل الدخول ثم تزوجت فمات من يومه فاستحقت كمال المهر-(الاشباه والنظائر)

{۵} اگر کسی عورت سے نکاح کیا گیا مگر اس کے لئے مہر کا کوئی ذکر نہیں کیا، یا نکاح کیا اس شرط پر کہ اس کیلئے کوئی مہر نہ ہوگا، تو اب اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا یا قبل الدخول احد الزوجین کا انتقال ہو گیا تو عورت کیلئے مہر مثل ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موت قبل الدخول کی صورت میں کچھ واجب نہ ہوگا، اور اکثر شوافعؒ کہتے ہیں کہ دخول کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ احنافؒ کا مذہب ہے اگرچہ ان میں سے بعض کے نزدیک موت کی طرح دخول کی صورت میں بھی کچھ واجب نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے، تو جس طرح عورت انتہاءً اپنے اس حق سے شوہر کو بری کر کے اس کو ساقط کر سکتی ہے اسی طرح ابتداءً ہی سے اس کی نفی بھی کر سکتی ہے۔

{۶} ہماری دلیل یہ ہے کہ وجوب کے لحاظ سے ابتداءً مہر شریعت کا حق ہے جیسا کہ گذر چکا، البتہ ابتداءً شریعت کی جانب سے شوہر پر واجب ہونے کے بعد بقاءً عورت کا حق ہو جاتا ہے، تو عورت کو بقاءً شوہر کو مہر سے بری کرتے ہوئے اسے ساقط کرنے کا اختیار ہوگا؛ کیونکہ بقاءً یہ عورت کا حق ہے، مگر ابتداءً اس کی نفی کرنے کا اختیار نہ ہوگا؛ کیونکہ اس سے حقِ شریعت کا ابطال لازم

آتا ہے۔ نیز حضرت علقمہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے سوال کیا گیا، کہ کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرلے پھر دخول سے پہلے مرجائے حالانکہ عورت کے لئے مہر مقرر نہیں کیا ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس کے لئے مہر مثل ہوگا، اس پر حضرت معقل بن سنان اشجعی کھڑے ہو کر کہنے لگے، میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے بروع بنت واشق کے لئے یہی حکم فرمایا تھا جو آپ نے فرمایا[1]۔

{۷} اگر مذکورہ بالا دو صورتوں (جن میں مہر مقرر نہ ہو یا مہر کی نفی کی ہو) میں شوہر نے بیوی کو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق دیدی، تو عورت کیلئے متعہ واجب ہوگا؛ کیونکہ باری تعالیٰ کے قول (وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَي الْمُوْسِعِ قَدَرُه وَعَلَي الْمُقْتِرِ قَدَرُه[2]) (اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق) سے یہی متعہ مراد ہے جس میں "مَتِّعُوْهُنَّ" امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے ہے لہٰذا متعہ واجب ہے۔

{۸} امام مالکؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک متعہ مستحب ہے؛ ان کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنے ارشاد (حَقًّا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ) (یہ بھلائی کرنے والوں پر واجب ہے) میں متعہ دینے والوں کو محسنین (احسان کرنے والے) کہا ہے اور احسان کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔ جواب یہ ہے کہ محسنین کا معنی ہے جو واجب متعہ کی ادائیگی کی طرف مسارعت کرنے سے اپنے اوپر احسان کرتے ہیں وہ مطلب نہیں جو امام مالکؒ نے لیا ہے۔

{۹} متعہ تین ایسے کپڑے ہیں جو اس جیسی عورتیں پہنتی ہوں، اور وہ تین کپڑے قمیص، اوڑھنی جس سے سر ڈھانپے، اور چادر ہے جو سر سے پاؤں تک ہوتی ہے یہی تقدیر حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور امام قدوریؒ کے قول "مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا" (تین کپڑے اس جیسی عورتوں کے لباس میں سے ہوں) سے اشارہ ہے کہ متعہ میں عورت کے حال کا اعتبار ہوگا، اور واجب متعہ میں امام کرخیؒ کا یہی قول ہے؛ کیونکہ واجب متعہ مہر مثل کا قائم مقام ہے اور مہر مثل میں عورت کے حال کا اعتبار ہوتا ہے تو جو مہر مثل کا قائم مقام ہو اس میں بھی عورت ہی کے حال کا اعتبار ہوگا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مرد کے حال کا

---

[1] علامہ زیلعیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: قُلْت: أَخْرَجَهُ الْأَئِمَّةُ الْأَرْبَعَةُ فِي "سُنَنِهِمْ" عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ، وَاللَّفْظُ لِلتِّرْمِذِيِّ، قَالَ: سُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا، لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ، فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ، فَقَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ - امْرَأَةٍ مِنَّا - مِثْلَ مَا قَضَيْت، فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، (نصب الراية: ۳، ص: ۲۰۱)

[2] البقرة: ۲۳۶۔

اعتبار ہوگا؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ[1]) (مقدور والے پر اس کے موافق اور تنگی والے پر اس کے موافق) جس میں باری تعالیٰ نے مرد کے حال کا اعتبار کیا ہے نہ کہ عورت کے حال کا۔

فتویٰ:۔ امام خصافؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی اور یہی قول مفتی بہ ہے کماقی البحرالرائق: وَالْإِمَامُ الْخَصَّافُ اعْتَبَرَ حَالَهُمَا قَالُوا وَهُوَ أَشْبَهُ بِالْفِقْهِ وَصَحَّحَهُ الْوَلْوَالِجِيُّ؛ لِأَنَّ فِي اعْتِبَارِ حَالِهِ تَسْوِيَةً بَيْنَ الشَّرِيفَةِ وَالْخَسِيسَةِ وَهُوَ مُنْكَرٌ بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ اخْتَلَفَ التَّرْجِيحُ وَالْأَرْجَحُ قَوْلُ الْخَصَّافِ؛ لِأَنَّ الْوَلْوَالِجِيَّ فِي فَتَاوَاهُ صَحَّحَهُ وَقَالَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا أَفْتَوْابِهِ فِي النَّفَقَةِ (البحرالرائق: ۱۴۸/۳)

{۱۰} اور یہ کپڑے اس درجے کے ہوں جو اس عورت جیسی عورتیں پہنتی ہوں لیکن شوہر کے غنی ہونے کی صورت میں یہ کپڑے اتنے قیمتی نہ ہوں کہ نصف مہر مثل سے زائد ہوں؛ کیونکہ متعہ مہر مثل کا خلیفہ ہے اور نصف مسمّٰی اقویٰ ہے مہر مثل سے، اب اگر ایسے نکاح میں جس میں مہر مقرر ہو طلاق قبل الدخول دیدی تو نصفِ مسمّٰی پر زیادتی نہیں ہوگی، تو جس نکاح میں مہر مقرر نہ ہو اور شوہر نے دخول سے پہلے طلاق دیدی تو اس میں متعہ بطریقۂ اولیٰ نصف مہر مثل سے زائد نہ ہوگا، اور شوہر کے تنگدست ہونے کی صورت میں یہ کپڑے اتنے گھٹیا بھی نہ ہوں کہ پانچ درہم سے کم ہوں؛ کیونکہ کم از کم مہر دس درہم ہے جس کا نصف پانچ درہم ہیں۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ متعہ کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار کی تفصیل دلائل کے ساتھ مبسوط میں ذکر ہے۔

{۱} وَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلَى تَسْمِيَةٍ فَهِيَ لَهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا ، وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ

اور اگر نکاح کیا عورت سے اور مقرر نہیں کیا اس کے لیے مہر پھر دونوں راضی ہوگئے ایک مقدار پر تو وہی ہوگی عورت کے لیے اگر دخول کیا ہو اس کے ساتھ یا مر گیا ہو اس سے، اور اگر طلاق دی عورت کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے تو اس کے لیے متعہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے قول

الْأَوَّلِ نِصْفُ هَذَا الْمَفْرُوضِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ؛ لِأَنَّهُ مَفْرُوضٌ فَيَتَنَصَّفُ بِالنَّصِّ . {۲} وَلَنَا أَنَّ هَذَا الْفَرْضَ تَعْيِينٌ لِلْوَاجِبِ بِالْعَقْدِ وَهُوَ مَهْرُ الْمِثْلِ وَذَلِكَ لَا يَتَنَصَّفُ فَكَذَا مَا نَزَلَ

اول پر نصف ہوگا اس مفروض کا اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے؛ کیونکہ یہ مقرر ہے پس تنصیف ہوگی نص سے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ فرض متعین کرتا ہے اس کا جو واجب ہوا عقد سے اور وہ مہر مثل ہے اور مہر مثل کی تنصیف نہیں ہوتی پس اسی طرح اس کی بھی جو اتر آیا ہے

مَنْزِلَتَهُ ، {۳} وَالْمُرَادُ بِمَا تَلَا الْفَرْضَ فِي الْعَقْدِ إِذْ هُوَ الْفَرْضُ الْمُتَعَارَفُ . {۴} قَالَ وَإِنْ زَادَلَهَافِي الْمَهْرِ

اس کے مرتبہ میں، اور مراد اس سے جو تلاوت کی فرض فی العقد ہے؛ کیونکہ وہی فرض متعارف ہے۔ فرمایا: اور اگر اضافہ کیا اس کے لیے مہر

بعد العقد لزمتہ الزِّيَادَةُ خِلَافًا لِزُفَرَ ، وَسَنَذْكُرُهُ فِي زِيَادَةِ الثَّمَنِ وَالْمُثَمَّنِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

عقد کے بعد تو لازم ہوگی مرد پر زیادتی، اختلاف ہے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا، اور عنقریب ہم ذکر کریں گے اس کو ثمن اور مثمن میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۷) اذا صُحِّحَتِ الزِّيَادَةُ تَسْقُطُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلًا تَنْتَصِفُ مَعَ الْأَصْلِ

اور جب صحیح قرار دی گئی زیادتی تو ساقط ہو جائے گی طلاق قبل الدخول سے، اور امام ابو یوسف ؒ کے قول اول پر تنصیف ہوگی اصل کے ساتھ؛

لِأَنَّ التَّنْصِيفَ عِنْدَهُمَا يَخْتَصُّ بِالْمَفْرُوضِ فِي الْعَقْدِ ، وَعِنْدَهُ الْمَفْرُوضُ بَعْدَهُ

کیونکہ تنصیف طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک مختص ہے مفروض فی العقد کے ساتھ، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفروض بعد العقد

كَالْمَفْرُوضِ فِيهِ عَلَى مَا مَرَّ . {۵} وَإِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الْحَطُّ ؛ لِأَنَّ الْمَهْرَ بَقَاءً

مفروض فی العقد کی طرح ہے جیسا کہ گذر چکا۔ اور اگر ساقط کر دیا عورت نے مرد سے اپنے مہر میں سے تو صحیح ہے ساقط کرنا؛ کیونکہ مہر بقاءً

حَقُّهَا وَالْحَطُّ يُلَاقِيهِ حَالَةَ الْبَقَاءِ

عورت کا حق ہے اور ساقط کرنا لاحق ہوتا ہے مہر کے ساتھ حالتِ بقاء میں۔

خلاصہ: مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں نکاح میں مہر مقرر نہ کرنے کی ایک صورت کا حکم، اور دوسری صورت میں بارے میں ائمہ کے اقوال اور دلائل ذکر کئے ہیں، اور نمبر ۳ میں امام ابو یوسف ؒ کی دلیل کا جواب دیا ہے، اور نمبر ۴ میں نکاح کے بعد مقررہ مہر پر زیادتی کے حکم میں مختصر اختلاف اور پھر طلاق قبل الدخول کی صورت میں طرفین ؒ اور امام ابو یوسف ؒ کا زائد مقدار کی تنصیف کے بارے میں اختلاف کو ذکر کیا ہے، اور نمبر ۵ میں مقررہ مہر سے عورت کا کچھ کم کرنے کا حکم اور دلیل بیان کی ہے۔

تشریح:- {۱} اور اگر عورت سے نکاح کیا مگر اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا پھر میاں بیوی ایک مقدار پر رضامند ہو گئے، تو اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا یا شوہر مر گیا، تو جو مقدار دونوں کی رضامندی سے مقرر ہوئی ہے وہی واجب ہوگی، اور اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے طلاق دیدی، تو طرفین ؒ کے نزدیک عورت کے لیے متعہ واجب ہوگا، اور امام ابو یوسف ؒ کے قول اول کے مطابق اس مقررہ مقدار کا نصف واجب ہوگا اور یہی امام شافعی ؒ کا قول ہے۔ امام ابو یوسف ؒ کا دوسرا قول طرفین ؒ کے موافق ہے۔ امام شافعی ؒ اور امام ابو یوسف ؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ زوجین نے باہمی اتفاق سے ایک مقدار متعین کی ہے اور آیتِ

مبارکہ (فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ[1]) (تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے) سے متعین مقدار کے نصف کا وجوب ثابت ہوتا ہے خواہ تعیین عقد کے وقت ہو یا عقد کے بعد ہو، لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی نصفِ مفروض واجب ہوگا نہ کہ متعہ۔

{۲} ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کے وقت اگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے پس مذکورہ صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوا ہے بعد میں زوجین نے جس مقدار پر اتفاق کیا یہ بوقتِ عقد واجب شدہ چیز (مہر مثل) کی تعیین ہے اور بوقتِ عقد واجب شدہ چیز مہر مثل ہے جس کی طلاق کی صورت میں تنصیف نہیں ہوتی ہے، لہٰذا جس مقدار سے بعد میں اس مہر مثل کی تعیین کر کے اس کے درجہ میں اتار دیا گیا ہے اس کی بھی تنصیف نہ ہوگی۔

{۳} اور امام ابو یوسف ؒ کی تلاوت کی ہوئی آیت کا جواب یہ ہے کہ آیت میں عقد کے وقت مفروض مقدار کی تنصیف مراد ہے نہ کہ مفروض بعد العقد کی تنصیف؛ کیونکہ آیت مبارکہ مطلق ہے اور مطلق سے متعارف مراد ہوتا ہے اور متعارف عقد کے وقت مفروض مقدار ہے نہ کہ عقد کے بعد مفروض مقدار، لہٰذا عقد کے وقت مفروض مقدار کی تنصیف ہوگی عقد کے بعد مفروض کی تنصیف نہ ہوگی۔

فتوی:۔ طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لمافی فتح القدیر: فَالصَّوَابُ مَا ذَكَرْنَا مِنْ أَنَّ الْمَفْرُوضَ بَعْدَ الْعَقْدِ نَفْسُ مَهْرِ الْمِثْلِ ، وَأَنَّ الْفَرْضَ لِتَعْيِينِ كَمِّيَّتِهِ لِيُمْكِنَ دَفْعُهُ، وَهُوَ لَا يَتَنَصَّفُ إجْمَاعًا فَتَعَيَّنَ كَوْنُ الْمُرَادِ بِهِ فِي النَّصِّ الْمُتَعَارَفَ دُونَ غَيْرِهِ مِمَّا يَصْدُقُ عَلَيْهِ لُغَةً لِمَا بَيَّنَّا، وَلِأَنَّ غَيْرَهُ غَيْرُ مُتَبَادِرٍ لِنُدْرَةِ وُجُودِهِ.(فتح القدیر:۳/۲۱۴)

{۴} اگر عقدِ نکاح کے بعد مقررہ مہر پر شوہر نے زیادتی کر دی، تو ہمارے نزدیک شوہر پر یہ زیادتی لازم ہوگی۔ امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک یہ زیادتی لازم نہ ہوگی، صاحبِ ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی تفصیل ہم "كِتَابُ الْبُيُوعِ" میں ثمن اور مبیع بڑھانے میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور جب ہمارے نزدیک مہر پر اضافہ درست ہے تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں طرفین ؒ کے نزدیک اس زائد مقدار کی تنصیف نہیں کی جائیگی بلکہ یہ مقدار ساقط ہو جائے گی۔ جبکہ امام ابو یوسف ؒ کے قولِ اول کے مطابق اصل مہر کے ساتھ اس زیادتی کی بھی تنصیف کی جائیگی۔ چونکہ طرفین ؒ کے نزدیک تنصیف حالتِ عقد میں مقرر شدہ مہر کے ساتھ خاص ہے لہٰذا حالتِ عقد کے بعد جو اضافہ کر دیا گیا ہے اس کی تنصیف نہیں کی جائیگی۔ اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک عقد کے بعد مفروض ایسا ہے جیسا کہ حالتِ عقد میں

مفروض، لہٰذا جس طرح کہ حالتِ عقد میں مفروض کی تنصیف کی جاتی ہے اسی طرح حالتِ عقد کے بعد مفروض کی بھی تنصیف کی جائے گی، جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں یہ تفصیل گذر چکی۔

فتویٰ:۔ طرفین کا قول راجح ہے لمافی الشامية: (قَوْلُهُ وَيَجِبُ نِصْفُهُ) أَيْ نِصْفُ الْمَهْرِ الْمَذْكُورِ، وَهُوَ الْعَشَرَةُ إنْ سَمَّاهَا أَوْ دُونَهَا أَوِ الْأَكْثَرُ مِنْهَا إنْ سَمَّاهُ، وَالْمُتَبَادِرُ التَّسْمِيَةُ وَقْتَ الْعَقْدِ، فَخَرَجَ مَا فُرِضَ أَوْ زِيدَ بَعْدَ الْعَقْدِ فَإِنَّهُ لَا يَنْصُفُ كَالْمُتْعَةِ كَمَا سَيَأْتِي. (ردّالمحتار: ۲/۳۶۰)

﴿۵﴾ عقدِ نکاح کے وقت زوجین نے جو مہر مقرر کیا اگر عورت نے اپنے اس مقررہ مہر میں سے کچھ کم کر دیا یا کل مہر زوج کے ذمہ سے ساقط کر دیا تو یہ درست ہے کیونکہ مہر بقاءً عورت کا حق ہے اور یہ کمی حالتِ بقاء میں مہر کے ساتھ لاحق ہوتی ہے کیونکہ عورت نے یہ کمی بقاء کے دوران کر دی ہے اور ہر کسی کو اپنے خالص حق میں تصرف کا حق حاصل ہے لہٰذا عورت کو بھی یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنے مہر میں سے کچھ کم کر دے یا کل کو ساقط کر دے۔

﴿۱﴾ وَإِذَا خَلَا الرَّجُلُ بِامْرَأَتِهِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنَ الْوَطْءِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَقَالَ
اور جب خلوت کرے مرد اپنی بیوی کے ساتھ اور نہ ہو وہاں مانع وطی، پھر اس نے طلاق دی اس کو تو اس کے لیے کامل مہر ہے، اور فرمایا

الشَّافِعِيُّ: لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ؛ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ إنَّمَا يَصِيرُ مُسْتَوْفًى بِالْوَطْءِ فَلَا يَتَأَكَّدُ الْمَهْرُ دُونَهُ
امام شافعیؒ نے کہ اس کے لیے نصف مہر ہے؛ کیونکہ معقود علیہ پورے طور پر حاصل ہوتا ہے وطی سے پس مؤکد نہ ہو گا مہر وطی کے بغیر

﴿۲﴾ وَلَنَا أَنَّهَا سَلَّمَتْ الْمُبْدَلَ حَيْثُ رَفَعَتْ الْمَوَانِعَ وَذَلِكَ وُسْعُهَا فَيَتَأَكَّدُ حَقُّهَا فِي الْبَدَلِ
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت نے سپرد کیا مبدل چنانچہ اس نے دور کیے موانع اور یہی اس کی وسعت میں تھا پس مؤکد ہو گا اس کا حق بدل میں

اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ ﴿۳﴾ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مَرِيضًا أَوْ صَائِمًا فِي رَمَضَانَ أَوْ مُحْرِمًا بِحَجِّ فَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ
قیاس کرتے ہوئے بیع پر اور اگر دونوں میں سے ایک مریض ہو یا روزہ سے ہو رمضان میں یا حج کا احرام باندھا ہو خواہ فرض ہو یا نفل ہو،

أَوْ بِعُمْرَةٍ أَوْ كَانَتْ حَائِضًا فَلَيْسَتِ الْخَلْوَةُ صَحِيحَةً حَتَّى لَوْ طَلَّقَهَا كَانَ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ مَوَانِعُ،
یا عمرہ کا احرام باندھا ہو یا ہو وہ حائضہ تو نہیں ہے خلوت صحیح، حتی کہ اگر طلاق دی اس کو تو ہو گا اس کے لیے نصف مہر؛ کیونکہ یہ اشیاء موانع ہیں

﴿۴﴾ أَمَّا الْمَرَضُ فَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يَمْنَعُ الْجِمَاعَ أَوْ يَلْحَقُهُ بِهِ ضَرَرٌ، وَقِيلَ مَرَضُهُ لَا يَعْرَى عَنْ تَكَسُّرٍ
بہر حال مرض تو مراد اس سے وہ ہے جو مانع جماع ہو یا لاحق ہوتا ہو اس کو اس سے ضرر، اور کہا گیا ہے کہ مرد کا مرض خالی نہیں ہوتا اعضاء شکنی

وَفُتُورٍ، وَهَذَا التَّفْصِيلُ فِي مَرَضِهَا ﴿۵﴾ وَصَوْمِ رَمَضَانَ لِمَا يَلْزَمُهُ مِنَ الْقَضَاءِ وَالْكَفَّارَةِ، وَالْإِحْرَامِ لِمَا
اور سستی سے، اور یہی تفصیل عورت کے مرض میں ہے۔ اور صوم رمضان اس لیے کہ لازم ہو گا اس کو قضاء اور کفارہ، اور احرام اس لیے

يَلْزَمُهُ مِنَ الدَّمِ وَفَسَادِ النُسُكِ وَالْقَضَاءِ،وَالْحَيْضُ مَانِعٌ طَبْعًاوَشَرْعًا {6} وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَاصَائِمًاتَطَوُّعًا
کہ لازم ہوگا اس کو دم اور فسادِ نسک اور قضاء، اور حیض مانع ہے طبعاً اور شرعاً۔ اور اگر ہو دونوں میں سے ایک نفلی روزہ سے تو عورت کے لیے

الْمَهْرُكُلُّهُ ؛لِأَنَّهُ يُبَاحُ لَهُ الْإِفْطَارُمِنْ غَيْرِعُذْرٍفِي رِوَايَةِالْمُنْتَقَى،وَهَذَاالْقَوْلُ فِي الْمَهْرِهُوَالصَّحِيحُ. {7} وَصَوْمُ الْقَضَاءِ
کامل مہر ہوگا؛ کیونکہ مباح ہے اس کے لیے افطار بلاعذر منتقی کی روایت کے مطابق، اور یہ قول مہر کے سلسلے میں ہے یہی صحیح ہے، اور قضاء روزہ

وَالْمَنْذُورِ كَالتَّطَوُّعِ فِي رِوَايَةٍ ؛ لِأَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِيهِ ، وَالصَّلَاةُ بِمَنْزِلَةِ الصَّوْمِ فَرْضُهَا كَفَرْضِهِ
اور نذر کا روزہ نفلی روزہ کی طرح ہے ایک روایت میں؛ کیونکہ کفارہ نہیں اس میں، اور نماز بمنزلہ صوم ہے فرض نماز فرض روزہ کی طرح

وَنَفْلُهَا كَنَفْلِهِ . {8} وَإِذَا خَلَا الْمَجْبُوبُ بِامْرَأَتِهِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ
اور نفل نماز نفل روزہ کی طرح ہے، اور جب خلوت کرے مجبوب اپنی بیوی کے ساتھ پھر طلاق دے اس کو تو اس کے لیے کامل مہر ہوگا

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ لِأَنَّهُ أَعْجَزُمِنَ الْمَرِيضِ، {9} بِخِلَافِ الْعِنِّينِ؛لِأَنَّ الْحُكْمَ
امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں اس پر نصف مہر ہے؛ کیونکہ وہ زیادہ عاجز ہے مریض سے، بخلاف عنین کے؛ کیونکہ حکم

أُدِيرَعَلَى سَلَامَةِالْآلَةِ. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَلَيْهَا التَّسْلِيمُ فِي حَقِّ السَّحْقِ وَقَدْ أَتَتْ بِهِ . {10} قَالَ
دائر کیا گیا ہے سلامتِ آلہ پر۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ واجب اس پر تسلیم ہے رگڑ کے حق میں اور وہ کر چکی اس کو۔ فرمایا:

وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ فِي جَمِيعِ هَذِهِ الْمَسَائِلِ اِحْتِيَاطًا اسْتِحْسَانًا لِتَوَهُّمِ الشُّغْلِ ، وَالْعِدَّةُ حَقُّ الشَّرْعِ وَالْوَلَدِ
اور عورت پر عدت ہے ان تمام مسائل میں احتیاطاً استحساناً توہم شغل کی وجہ سے، اور عدت حقِ شرع و حقِ ولد ہے

فَلَا يُصَدَّقُ فِي إِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ ،بِخِلَافِ الْمَهْرِ ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ لَا يُحْتَاطُ فِي إِيجَابِهِ
پس تصدیق نہیں کی جائے گی حقِ غیر کے ابطال میں، بخلافِ مہر کے؛ کیونکہ وہ مال ہے احتیاط نہیں کی جاتی اس کے واجب کرنے میں

{11} وَ ذَكَرَالْقُدُورِيُّ فِي شَرْحِهِ أَنَّ الْمَانِعَ إِنْ كَانَ شَرْعِيًّاكَالصَّوْمِ وَالْحَيْضِ تَجِبُ الْعِدَّةُ لِثُبُوتِ التَّمَكُّنِ حَقِيقَةً،
اور ذکر کیا قدوری نے اپنی شرح میں کہ مانع اگر شرعی ہو جیسے روزہ اور حیض تو واجب ہوگی عدت بوجہ ثبوتِ قدرت کے حقیقتہً،

وَإِنْ كَانَ حَقِيقِيًّا كَالْمَرَضِ وَالصِّغَرِ لَا تَجِبُ لِانْعِدَامِ التَّمَكُّنِ حَقِيقَةً .
اور اگر ہو حقیقی جیسے مرض اور صغر تو واجب نہ ہوگی بوجہ معدوم ہونے قدرت کے حقیقتہً۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں خلوتِ صحیحہ کے بعد مطلقہ عورت کے لیے مقدارِ مہر میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر 3 میں چار موانعِ خلوت کو ذکر کیا ہے۔ پھر نمبر 4 میں مرض کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے، اور نمبر 5 میں موانع کی وجوہ ذکر کی ہیں، اور نمبر 6 میں نفلی روزے کا حکم بیان کیا ہے۔ اور نمبر 7 میں قضاء اور منذور روزوں کا حکم

بیان کیا ہے، اور نمبر ۸ میں مجبوب کی خلوت کے بارے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے، اور نمبر ۹ میں عنین کا حکم بیان کیا ہے۔ اور نمبر ۱۰ میں مذکورہ مسائل میں عورت پر وجوبِ عدت کا ذکر کیا ہے، اور نمبر ۱۱ میں مانع شرعی اور مانع حقیقی کے حکم میں فرق بیان کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} خلوت کا معنی ہے زوجین کا تنہائی میں ملنا۔ پھر خلوت کی دو قسمیں، خلوتِ صحیحہ، خلوتِ غیر صحیحہ۔ خلوتِ صحیحہ وہ ہے کہ جماع سے کسی قسم کی رکاوٹ موجود نہ ہو، نہ مانع حسی ہو نہ شرعی اور نہ طبعی۔

پس اگر زوجین نے خلوتِ صحیحہ کر لی یعنی موانعِ جماع کے بغیر زوجین نے تنہائی میں ملاقات کی تو یہ وطی کے حکم میں ہے لہذا اب اگر زوج طلاق دیگا تو عورت کے لیے پورا مہر ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے نصف مہر ہوگا؛ کیونکہ معقود علیہ (منافع بضع) پورے طور پر حاصل ہوتے ہیں وطی سے اور وطی پائی نہیں گئی ہے لہذا وطی کے بغیر مہر مؤکد نہ ہوگا اس لیے عورت کے لیے نصف مہر ہوگا۔

{۲} ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت نے موانع رفع کر کے مبدل (یعنی منافع بضع) شوہر کے حوالہ کر دیا اور عورت کی قدرت میں اتنا ہی تھا لہذا عورت کا حق بدل (یعنی مہر) میں متاکد ہو جائیگا جیسا کہ بیع میں اگر بائع مبیع اور مشتری کے درمیان اُسے مبیع پر قبضہ کرنے کے موانع کو رفع کر دے تو بائع کی طرف سے یہ مبیع کی تسلیم ہوگی اور مشتری پر ثمن واجب ہوگا۔

{۳} مصنفؒ نے چار موانع ذکر کیے ہیں (۱) مانع حسی کہ زوجین میں سے کوئی ایک اتنا بیمار ہو کہ جماع کا قابل نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر زوجین تنہائی میں ملیں تو یہ خلوتِ صحیحہ نہیں۔ (۲) مانع شرعی کہ زوجین میں سے کسی ایک نے رمضان کا روزہ رکھا ہوا ہو تو بھی ان کا ایسی حالت میں تنہائی میں ملنا خلوتِ صحیحہ نہیں (۳) مانع شرعی کہ زوجین میں سے کسی ایک نے حج فرض یا نفل یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو تو ایسے میں بھی خلوت صحیحہ نہیں (۴) مانع طبعی و شرعی کہ عورت حالتِ حیض یا نفاس میں ہو تو ایسے میں زوجین کا باہم ملنا خلوتِ صحیحہ نہیں، حتی کہ اگر ان موانع میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئے زوجین نے باہم ملاقات کی پھر شوہر نے طلاق دیدی تو عورت کے لیے نصف مہر ہوگا؛ کیونکہ یہ چیزیں موانع ہیں اور موانع کے ہوتے ہوئے حکم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

{۴} پھر مرض کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ مرض ایسا ہو جو جماع سے مانع ہو یا ایسا ہو کہ جماع سے ضرر لاحق ہوتا ہو، مطلقاً مرض مراد نہیں۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مرد کا مرض بہر حال مانع ہے؛ کیونکہ مرض باطنی شکستگی اور ظاہری سستی سے خالی نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے مرد میں جماع کے لیے نشاط پیدا نہیں ہوتا ہے، لہذا مرد کا مرض مطلقاً مانع ہے، باقی مذکورہ تفصیل (کہ

مرض جماع سے مانع ہو یا جماع سے ضرر لاحق ہوتا ہو) عورت کے مرض کی ہے، مرد کے مرض کی نہیں؛ کیونکہ مرد کا مرض صحیح قول کے مطابق بہر حال مانع ہے کذافی العناية: وَقَوْلُهُ (وَقِيلَ: مَرَضُهُ) حَاصِلُهُ أَنَّ الْمَرَضَ فِي جَانِبِهَا يَتَنَوَّعُ بِلَا خِلَافٍ، وَأَمَّا الْمَرَضُ مِنْ جَانِبِهِ فَقَدْ قِيلَ: إنَّهُ أَيْضًا يَتَنَوَّعُ، وَقِيلَ: إنَّهُ غَيْرُ مُتَنَوِّعٍ وَإِنَّهُ يَمْنَعُ صِحَّةَ الْخَلْوَةِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَجَمِيعُ أَنْوَاعِهِ فِي ذَلِكَ عَلَى السَّوَاءِ. قَالَ الصَّدْرُ الشَّهِيدُ: هُوَ الصَّحِيحُ . وَوَجْهُهُ مَا قَالَ الْمُصَنِّفُ مَرَضُهُ (العناية على هامش الفتح: ۲۱۷/۳)

{۵} اور رمضان کا روزہ اس لیے مانع ہے کہ روزہ کی حالت میں وطی کرنے سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے جس میں حرج کا ہونا ظاہر ہے اس لیے روزہ مانعِ جماع شمار ہوگا۔ اور احرام اس لیے مانع ہے کہ حالتِ احرام میں جماع کرنے سے دم واجب ہوگا اور عبادت (حج یا عمرہ) فاسد ہو جائے گی اور اس کی قضا لازم ہوگی، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں بھی حرج ہے اس لیے احرام مانعِ جماع شمار ہوگا، اور احرام کے ساتھ خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی۔ اور حیض اس لیے مانع ہے کہ حیض کی حالت میں وطی کرنا طبعاً اور شرعاً ہر دو اعتبار سے ممنوع ہے اس لیے حیض کے ساتھ خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی۔

{۶} اور اگر زوجین میں سے ایک نے نفلی روزہ رکھا ہو اور دونوں میں خلوت پائی گئی، پھر شوہر نے طلاق دیدی، تو عورت کے لیے کامل مہر ہوگا؛ کیونکہ حاکم شہیدؒ کی "المنتقی" نامی کتاب کی روایت کے مطابق نفلی روزہ بلاعذر افطار کرنا مباح ہے، لہذا نفلی روزہ مانعِ جماع نہیں اس لیے اس کے ہوتے ہوئے بھی خلوتِ صحیحہ ہوگی۔ اور مہر کے بارے میں "المنتقی" ہی کا قول صحیح ہے؛ کیونکہ یہاں اسی میں احتیاط ہے تاکہ عورت کا حق باطل نہ ہو۔ باقی جوازِ افطار کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ بلاعذر مباح نہیں ہے لمافی فتح القدیر: (قَوْلُهُ وَهَذَا الْقَوْلُ) أَيْ رِوَايَةُ الْمُنْتَقَى فِي حَقِّ كَمَالِ الْمَهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا، أَمَّا فِي حَقِّ جَوَازِ الْإِفْطَارِ فَالصَّحِيحُ غَيْرُهَا، وَهُوَ أَنَّهُ لَا يُبَاحُ إلَّا بِعُذْرٍ (فتح القدیر: ۲۱۸/۳)

{۷} اور قضا اور نذر کے روزے کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ قضا اور نذر کے روزے نفل روزوں کی طرح ہیں خلوتِ صحیحہ سے مانع نہیں؛ کیونکہ ان دو روزوں میں وطی کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے لہذا یہ نفل روزے کی طرح ہیں رمضان کے روزے کی طرح نہیں۔ دوسری روایت ہے کہ رمضان کے روزوں کی طرح خلوتِ صحیحہ سے مانع ہیں؛ کیونکہ قضا اور نذر روزے میں وطی کرنے سے کفارہ اگرچہ لازم نہیں ہوتا ہے مگر رمضان کے روزے کی طرح ان کو فاسد کرنا حرام ہے؛ اس لیے یہ خلوتِ صحیحہ سے مانع ہیں۔

فتویٰ:۔ صحیح یہ ہے کہ مانع نہیں لمافی الدرالمختار:(وَصَوْمُ التَّطَوُّعِ وَالْمَنْذُورِ وَالْكَفَّارَاتِ وَالْقَضَاءِ غَيْرُ مَانِعٍ لِصِحَّتِهَا) فِي الْأَصَحِّ ،(الدرالمختارعلی ھامش ردّالمحتار:۳/۳۶۹)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ نمازروزے کی طرح ہے یعنی فرض نماز کاوہی حکم ہے جو فرض روزے کا ہے یعنی خلوت صحیحہ سے مانع ہے، اور نفل نماز کا وہ حکم ہے جو نفل روزے کا ہے یعنی خلوت صحیحہ سے مانع نہیں۔

{۸}اگر مجبوب (جس مرد کا عضوتناسل جڑ سے کٹا ہوا اس کو مجبوب کہتے ہیں) نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرلی پھراسے طلاق دیدی، توامام صاحبؒ کے نزدیک مقطوع الذکر ہوناخلوت صحیحہ سے مانع نہیں لہذاعورت کے لیے پورامہر ہوگا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مرد کے ذمہ عورت کیلئے نصف مہرلازم ہوگا؛ کیونکہ مقطوع الذکر مریض کی نسبت زیادہ عاجز ہے اسلئے کہ مریض کبھی نہ کبھی جماع پر قادر ہوسکتا ہے لیکن مقطوع الذکر جماع پر بالکل قدرت نہیں رکھتا، لہذا مقطوع الذکر کا تنہائی میں اپنی بیوی سے ملناخلوت صحیحہ نہیں، توطلاق قبل الدخول واقع ہونے کی وجہ سے عورت کیلئے نصف مہر ہوگا۔

{۹}بخلاف عنین (عنین اس مرد کو کہتے ہیں جس کا عضوتناسل موجود ہو لیکن وہ عورت سے جنسی تعلق پر قادر نہ ہو) کے کہ وہ اگراپنی بیوی سے تنہائی میں ملاتوبالاتفاق خلوت صحیحہ سے مانع نہیں، لہذاعنین اگراپنی بیوی کوطلاق دے گاتوبیوی کے لیے پورامہر ہوگا؛ کیونکہ حکم دائر کیاجاتاہے سلامتی آلہ پر، عنین کاآلہ سالم ہے، جبکہ مجبوب کاآلہ سالم نہیں، پس دونوں میں فرق واضح ہوگیا۔

مقطوع الذکر کے بارے میں امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت پرواجب ہے کہ وہ اپنابضع شوہر کے سپرد کردے تاکہ وہ اپناجسم اس پررگڑسکے، اوریہی عورت کی قدرت میں ہے تویہ کام وہ کرچکی، لہذایہ خلوت صحیحہ ہے اس کے بعد اگرشوہر طلاق دے گاتوعورت کے لیے پورامہر ہوگا۔

فتویٰ:۔امام ابوحنیفہؒ کاقول راجح ہے لماقال المفتی غلام قادر النعمانی فی القول الراجح:ان القول الراجح ھو قول ابی حنیفۃ.........قال فی الھندیۃ، وخلوۃ المجبوب صحیحۃ عند ابی حنیفۃ وخلوۃ العنین والخصی خلوۃ صحیحۃ کذا فی الذخیرۃ (القول الراجح:۱/۲۷۱)

{۱۰}اورمذکورہ بالاتمام مسائل میں (خواہ خلوت صحیح ہویافاسد) اگرزوج نے بیوی کوطلاق دیدی تو احتیاطاًاوراستحساناً عورت پرعدت واجب ہوگی؛ کیونکہ توہم شغل (رحم کاحمل کے ساتھ مشغول ہونے کاتوہم) پایاجاتاہے؛ اس لیے کہ ممکن ہے کہ وطی کی ہویارگڑنے سے منی بہہ کررحم میں پہنچ چکی ہو، اورعدت شریعت کاحق ہے اسی لیے توزوجین اسے ساقط کرنے کااختیار نہیں رکھتے

ہیں، یا بچے کا حق ہے تاکہ اس کا نسب مشتبہ نہ ہو، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ عدت واجب قرار دی جائے، پس اگر زوجین
کا انکار کرتے ہیں تو اس میں حقِ غیر (شریعت اور بچے کے حق کا) ابطال لازم آتا ہے، اور حقِ غیر کے ابطال میں کسی کے
کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

بخلاف مہر کے کہ خلوتِ فاسدہ سے کامل مہر واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ مہر مال ہے اور وجوبِ مال میں احتیاط نہیں کی جاتی
؛ لہذا شک سے مال واجب نہ ہوگا۔

{۱۱} امام قدوریؒ نے مختصر الکرخیؒ کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اگر وطی سے مانع شرعی امر ہو جیسے حیض ونفاس، تو عدت
واجب ہوگی؛ کیونکہ شرعی مانع کے ہوتے ہوئے شرعاً بے شک وطی پر قدرت نہ ہوگی، مگر حقیقۃً وطی پر قدرت ثابت ہے لہذا توہم شغل
ہے اس لیے احتیاطاً عدت واجب ہوگی۔ اور اگر وطی سے مانع حقیقی ہو جیسے بیماری اور ایسا صغیر ہونا کہ قابل جماع نہ ہو، تو عدت واجب
ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں حقیقۃً وطی پر قدرت نہیں ہے لہذا توہم شغل نہیں اس لیے عدت واجب نہ ہوگی۔ مگر صحیح یہی ہے کہ
عدت مطلقاً واجب ہے۔ لماقال الشیخ عبد الحکیم الشهید: لاشک ان وجوب العدۃ مطلقًا هو المذهب وما ذکره
القدوری فهو قوله واجتهاده وجزم بقول القدوری علامة الکاسانی فی البدائع (هامش الهدایة: ۲/۳۰۶)

ف:۔ خلوتِ صحیحہ چند مواقع میں وطی کے حکم میں ہے (۱) عورت کا پورا مہر واجب ہوگا (۲) اس عورت کا اگر بچہ پیدا ہوا تو وہ اس مرد سے
ثابت النسب ہوگا (۳) طلاق وغیرہ کی صورت میں عورت پر عدت واجب ہوگی (۴) عورت کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہوگا (۵) دوران
عدت اس عورت کی بہن سے یا چوتھی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا (۶) باندی کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوگا (۷) طلاق دینے میں
اس کے حق میں بھی وقتِ طلاق کی رعایت کا حکم ہے۔ چند مواضع ایسے ہیں کہ جن میں خلوۃ وطی کے حکم میں نہیں (۱) خلوت کی وجہ
سے یہ عورت محصنہ شمار نہ ہوگی لہذا زنا کرنے کی صورت میں اس پر شادی شدہ کی حد جاری نہ ہوگی (۲) اس عورت کی بیٹی کے ساتھ نکاح
کرنا حرام نہ ہوگا (۳) اس سے پہلے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دیدی تھیں تو محض خلوت کی وجہ سے وہ شوہر اول کے لئے حلال نہیں
ہوگی (۴) طلاق رجعی کے بعد رجعت کی جاتی ہے خلوۃ رجعت شمار نہ ہوگی (۵) خلوۃ کی عدت میں شوہر کی وفات ہوگئی تو عورت میراث
کی مستحق نہ ہوگی (۶) نماز، روزہ، احرام، اعتکاف وغیرہ عبادتیں خلوۃ سے فاسد نہیں ہوتیں۔

{۱} قَالَ وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إلَّا لِمُطَلَّقَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ الَّتِي طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا

فرمایا: اور مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لیے مگر ایک مطلقہ، اور وہ وہ ہے جس کو طلاق دی ہو زوج نے اس کے ساتھ دخول سے پہلے

وَقَدْ سَمَّى لَهَا مَهْرًا {۲} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تَجِبُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إلَّا لِهَذِهِ ؛ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ صِلَةً

اور مقرر کیا ہو اس کے لیے مہر، اور فرمایا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے واجب ہے ہر مطلقہ کے لیے مگر اس کے لیے؛ کیونکہ متعہ واجب ہوا ہے بطورِ عطیہ

مِنَ الزَّوْجِ ؛ لِأَنَّهُ أَوْحَشَهَا بِالْفِرَاقِ ، إِلَّا أَنَّ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ نِصْفَ الْمَهْرِ طَرِيقَةُ الْمُتْعَةِ ؛ لِأَنَّ

شوہر کی طرف سے اس لیے کہ شوہر نے وحشت میں ڈالا ہے اس کو فراق کی وجہ سے، مگر اس صورت میں نصف مہر بطورِ متعہ کے ہے کیونکہ

الطَّلَاقَ فَسْخٌ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ وَالْمُتْعَةُ لَا تَتَكَرَّرُ {۳} وَلَنَا أَنَّ الْمُتْعَةَ خَلَفٌ عَنْ مَهْرِ الْمِثْلِ فِي الْمُفَوَّضَةِ ؛ لِأَنَّهُ سَقَطَ

طلاق فسخ ہے اس حالت میں اور متعہ مکرر نہیں ہوتا ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ متعہ خلیفہ ہے مہر مثل کا مفوضہ میں؛ کیونکہ ساقط ہو گیا

مَهْرُ الْمِثْلِ وَوَجَبَتِ الْمُتْعَةُ ، وَالْعَقْدُ يُوجِبُ الْعِوَضَ فَكَانَ خَلَفًا وَالْخَلَفُ لَا يُجَامِعُ الْأَصْلَ وَلَا

مہر مثل اور واجب ہو گیا متعہ اور عقد واجب کر دیتا ہے عوض کو پس ہو گا خلیفہ اور خلیفہ جمع نہیں ہوتا ہے اصل کے ساتھ اور نہ

شَيْئًا مِنْهُ فَلَا تَجِبُ مَعَ وُجُوبِ شَيْءٍ مِنَ الْمَهْرِ ، {۴} وَهُوَ غَيْرُ جَانٍ فِي الْإِيحَاشِ فَلَا تَلْحَقُهُ

اصل کے کسی جزء کے ساتھ، پس واجب نہ ہو جزءِ مہر کے وجوب کے ساتھ، اور وہ غیر مجرم ہے وحشت میں ڈالنے میں پس لاحق نہ ہو گا اس کو

الْغَرَامَةُ بِهِ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْفَضْلِ . {۵} وَإِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ بِنْتَه عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ بِنْتَهُ

تاوان اس کی وجہ سے، پس ہو گا متعہ بابِ فضل سے، اور جب نکاح کر دے مرد اپنی بیٹی کا اس شرط پر کہ نکاح کرے اس سے دوسرا اپنی بیٹی کا

أَوْ أُخْتَهُ لِيَكُونَ أَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْآخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا {۶} وَقَالَ

یا اپنی بہن کا تاکہ ہو ایک عقد عوض دوسرے کا، تو یہ دونوں عقد جائز ہیں، اور ہر ایک کے لیے ان دونوں میں مہر مثل ہو گا۔ اور فرمایا

الشَّافِعِيُّ: بَطَلَ الْعَقْدَانِ ؛ لِأَنَّهُ جَعَلَ نِصْفَ الْبُضْعِ صَدَاقًا وَالنِّصْفَ مَنْكُوحَةً ، وَلَا اشْتِرَاكَ فِي هَذَا الْبَابِ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے باطل ہوں گے دونوں عقد؛ کیونکہ اس نے کر دیا نصف بضع کو مہر اور نصف کو منکوحہ، اور اشتراک نہیں اس باب میں

فَبَطَلَ الْإِيجَابُ {۷} وَلَنَا أَنَّهُ سَمَّى مَا لَا يَصْلُحُ صَدَاقًا فَيَصِحُّ الْعَقْدُ وَيَجِبُ

پس باطل ہو گیا ایجاب۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے نام لیا ہے اس چیز کا جو قابل نہیں مہر بننے کا پس صحیح ہو گا عقد اور واجب ہو گا

مَهْرُ الْمِثْلِ كَمَا إِذَا سَمَّى الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيرَ {۸} وَلَا شَرِكَةَ بِدُونِ الِاسْتِحْقَاقِ

مہر مثل جیسا کہ جب نام لے شراب اور خنزیر کا، اور شرکت نہیں ہوتی بغیر استحقاق کے،

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ہر مطلقہ عورت کے لیے متعہ کا استحباب، اور ایک کے لیے وجوب اور ایک کے لیے نہ وجوب نہ استحباب بیان کیا ہے۔ اور نمبر ۲ میں امام شافعیؒ کا مسلک، ان کی دلیل، اور نمبر ۳ میں ہماری دلیل اور نمبر ۴ میں ان کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر ۵ تا ۸ میں نکاحِ شغار کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور شوافعؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح: ۔ {1} طلاق کی وجہ سے پیدا شدہ وحشت کو دفع کرنے کیلئے ہر اس مطلقہ کیلئے متعہ مستحب ہے جس کے ساتھ دخول ہو چکا ہو خواہ اس کے لیے مہر مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ البتہ گذشتہ مسئلہ میں متعہ واجب ہے یعنی جب زوجین بلا مہر نکاح کر دیں پھر دونوں ایک مقدار پر اتفاق کرلیں پھر قبل الدخول شوہر طلاق دیدے تو ایسی مطلقہ کے لیے متعہ واجب ہے۔ اور ایک مطلقہ ایسی ہے جس کے لیے نہ متعہ واجب ہے اور نہ مستحب ہے اور یہ وہ مطلقہ ہے جس کو شوہر نے قبل الدخول طلاق دی ہو اور اس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو، تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا اور متعہ بالاتفاق نہ ہوگا۔

{2} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ واجب ہے، مگر مذکورہ بالا مطلقہ یعنی وہ غیر مدخول بہا عورت جس کے لیے بوقتِ عقد مہر مقرر نہ کیا گیا ہو بعد میں کسی مقدار پر زوجین موافقت کرلیں پھر قبل الدخول شوہر طلاق دے تو اس عورت کے لیے متعہ واجب نہیں؛ کیونکہ شوہر نے بیوی کو الگ کر کے وحشت میں ڈال دیا پس ہم نے اس وحشت کو دور کرنے کے لیے بطورِ صلہ وعطیہ متعہ کو واجب قرار دیا۔ مگر اس ایک صورت کو مستثنیٰ کر دیا کہ اس کے لیے متعہ واجب نہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مطلقہ کے لیے نصفِ مہر بطریق متعہ واجب ہوا ہے بطریق مہر واجب نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ قبل الدخول کی حالت میں طلاق معنیً فسخ نکاح ہے اس لیے کہ اس صورت میں منافعِ بضع صحیح سالم عورت کی طرف لوٹ آئے جس کا تقاضا یہ ہے کہ کل مہر ساقط ہو، مگر شریعت نے بطورِ متعہ نصف مہر کو واجب قرار دیا، اور جب نصف مہر بطورِ متعہ واجب ہے تو متعہ الگ واجب قرار دینے میں تکرارِ متعہ لازم آئے گا حالانکہ متعہ میں تکرار نہیں ہوتا ہے، اس لیے نصف مہر کے ساتھ متعہ واجب نہ ہوگا۔

{3} ہماری دلیل یہ ہے کہ ایسی مطلقہ غیر مدخول بہا عورت جو مفوّضہ (جو اپنا نکاح بلا مہر کردے) ہو کے لیے متعہ واجب ہے اور یہ متعہ مہر مثل کا خلیفہ اور قائم مقام ہے؛ کیونکہ مہر مثل طلاق قبل الدخول کی وجہ سے ساقط ہوا اور اس کی جگہ متعہ واجب ہوا تو یہ متعہ کے خلیفہ ہونے کی علامت ہے، اور متعہ اس لیے واجب ہے کہ عقدِ نکاح باری تعالیٰ کے ارشاد ﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ﴾[1] (بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے) کی وجہ سے عوض سے خالی نہیں ہوتا ہے، پس جب مہر واجب نہ ہوا تو اس کا خلیفہ (متعہ) واجب ہوگا، اور قاعدہ ہے کہ خلیفہ نہ اصل کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور نہ اس کے کسی جزء کے ساتھ۔

{4} باقی امام شافعیؒ کی دلیل ”کہ مرد نے طلاق دے کر عورت کو وحشت میں ڈال دیا ہے اس وحشت کو دفع کرنے کے لیے ہم نے متعہ کو واجب قرار دیا“، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرد نے طلاق دے کر وحشت میں ڈالنے کی وجہ سے کوئی جنایت نہیں کی ہے؟

کیونکہ شریعت نے مرد کو طلاق دینے کی اجازت دی ہے بلکہ اگر عورت نماز نہ پڑھتی ہو یا فاجرہ فاسقہ ہو تو طلاق دینا مستحب ہوتا ہے، اور جب شوہر جنایت کرنے والا نہیں تو طلاق دے کر عورت کو وحشت میں ڈالنے کی وجہ سے شوہر پر تاوان بھی واجب نہ ہوگا، لہٰذا متعہ دینا شوہر کی جانب سے فضل اور احسان ہوگا اور فضل واحسان مستحب ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ۔ مطلقہ کی چار قسمیں ہیں (۱) مطلقہ غیر مدخول بہا ہو اور اس کے لئے مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اس صورت میں عورت کے لئے متعہ واجب ہے (۲) مطلقہ غیر مدخول بہا ہو اور اس کے لئے مہر مقرر کیا گیا ہو اس کے لئے استحباب متعہ مختلف فیہ ہے شوافعؒ وجوب کے قائل ہیں احنافؒ استحباب کے۔ (۳) مطلقہ مدخول بہا ہو لیکن اس کے لئے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو (۴) مطلقہ مدخول بہا ہو اور اس کے لئے مہر بھی مقرر کیا گیا ہو ان دونوں قسموں کے لئے متعہ مستحب ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ) (یعنی مطلقہ عورتوں کے لئے متعہ ہے شرعی دستور کے مطابق)۔

{۵} جب کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کردے کہ وہ دوسرا اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس کے ساتھ کردیگا جس میں احد العقدین (مراد معقود علیہ یعنی بضع ہے) دوسرے کا عوض قرار دیا جائے ایسے نکاح کو نکاحِ شغار کہتے ہیں، اردو میں اس کو "وٹہ سٹہ" کہتے ہیں، "شغار"، "بلدۃٌ شاغرۃٌ" بمعنی "بلدۃٌ خالیۃٌ" سے ہے، ایسے نکاح کو شغار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی مہر سے خالی ہوتا ہے، احنافؒ کے نزدیک یہ دونوں عقد جائز ہیں اور عورتوں میں سے ہر ایک کیلئے مہر مثل ہوگا۔

{۶} امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں نکاح باطل ہیں؛ کیونکہ ان دو عقدوں میں گویا ہر ایک عورت کے نصف بضع کو دوسری عورت کا مہر اور دوسرے نصف کو شوہر کا منکوحہ بنادیا، یوں ایک عورت کا بضع اس کے شوہر اور دوسری عورت کے درمیان مشترک ہوگیا نصف شوہر کے لیے بحکم نکاح اور نصف دوسری عورت کے لیے بحکم مہر ہوگا حالانکہ منافع بضع میں اشتراک درست نہیں جیسا کہ ایک عورت کا دو شوہروں کے درمیان مشترک ہونا صحیح نہیں، پس جب اس باب میں اشتراک باطل ہے تو ایجاب باطل ہوا اور جب ایجاب باطل ہوا تو یہ عقد ہی باطل ہوا۔

{۷} ہماری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ دونوں عقدوں میں ایسی چیز کو مہر بنایا گیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھے اگر اس کو مہر بنادیا جائے تو عقدِ نکاح صحیح ہوگا اور اس چیز کو مہر بنانا باطل ہوگا اور عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا، جیسا کہ اگر عقدِ نکاح میں شراب یا خنزیر کو مہر بنادیا تو عقدِ نکاح صحیح ہے اور شراب اور خنزیر میں مہر کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوگا۔

{۸} امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ایک عورت کا بضع دوسری عورت کے لیے مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے لہذا ایک عورت کے منافع بضع دوسری عورت کے لیے مملوک ہونے کے قابل نہیں اس لیے دوسری عورت کو اس کے منافع بضع کا استحقاق حاصل نہیں اور بغیر استحقاق کے وہ اس کے شوہر کے ساتھ شریک نہیں، لہذا ایک کے منافع بضع دوسری کے لیے مہر قرار دینا شرطِ فاسد ہے اور نکاح شرطِ فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ خود شرط باطل ہو جاتی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں نکاح صحیح، شرط باطل اور مہر مثل واجب ہوگا۔

ف:۔ یاد رہے کہ نکاحِ شغار کی حرمت پر ائمہ کا اتفاق ہے اور جس نے نکاحِ شغار کیا تو اس نے حضور کی نافرمانی کی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ایسا نکاح کرنے کے بعد یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک صحیح ہے اور مہر مثل واجب ہوگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک صحیح نہیں کذا قال الامام الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ: قال عبد البر اجمع العلماء ان نکاح الشغار لایجوز ولکن اختلفوا فی صحته ومذهب الامام ابی حنیفة انه یصح ویجب مهر المثل وذهب البعض الی البطلان واصل الخلاف فی مسألة اصولیة وهی ان النهی عن الافعال الشرعیة یوجب البطلان اولا؟فمن ذهب الی انه یوجب البطلان اختار البطلان ومن لافلا۔ ولانجد من حال الصحابة انهم عاملوا مع النهی عنه معاملة الباطل دائماً(فیض الباری علی صحیح البخاری:۲۸۱/۴)

{۱} وَإِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ امْرَأَةً عَلَى خِدْمَتِهِ إِيَّاهَا سَنَةً أَوْ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا

اور اگر نکاح کیا آزاد مرد نے کسی عورت سے بشرطیکہ مرد خدمت کرے گا اس کی ایک سال یا تعلیم قرآن پر، تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَهَا قِيمَةُ خِدْمَتِهِ وَإِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ امْرَأَةً بِإِذْنِ مَوْلَاهُ

اور فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے قیمت ہے اس کی خدمت کی، اور اگر نکاح کیا غلام نے کسی عورت سے اپنے مولی کی اجازت سے

عَلَى خِدْمَتِهِ سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُهُ {۲} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَهَا تَعْلِيمُ الْقُرْآنِ

اس کی ایک سال کی خدمت کی شرط پر تو یہ جائز ہے اور عورت کے لیے اس کی خدمت ہے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ عورت کے لیے تعلیم قرآن ہے

وَالْخِدْمَةُ فِي الْوَجْهَيْنِ ؛ لِأَنَّ مَا يَصِحُّ أَخْذُ الْعِوَضِ عَنْهُ بِالشَّرْطِ يَصْلُحُ مَهْرًا عِنْدَهُ

اور خدمت ہے دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ جو چیز کہ صحیح ہو اس کا عوض لینا شرط کے ساتھ وہ صلاحیت رکھتی ہے مہر بننے کی ان کے نزدیک

لِأَنَّ بِذَلِكَ تَتَحَقَّقُ الْمُعَاوَضَةُ ،وَصَارَ كَمَا إذَا تَزَوَّجَهَا عَلَى خِدْمَةِ حُرٍّ آخَرَ

کیونکہ اسی سے تحقق ہو جاتا ہے معاوضہ اور ہو گیا جیسا کہ جب نکاح کرے عورت سے دوسرے آزاد کی خدمت پر، یا شوہر کے

عَلَى رَعْيِ الزَّوْجِ غَنَمَهَا {۳} وَلَنَا أَنَّ الْمَشْرُوعَ هُوَالِابْتِغَاءُ بِالْمَالِ وَالتَّعْلِيمُ لَيْسَ بِمَالٍ وَكَذَلِكَ الْمَنَافِعُ عَلَى أَصْلِنَا

عورت کی بکریاں چرانے پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مشروع تو ابتغاء بالمال ہے اور تعلیم نہیں ہے مال، اور ایسا ہی منافع ہیں ہماری اصل پر

{۴}وَخِدْمَةُ الْعَبْدِ ابْتِغَاءٌ بِالْمَالِ لِتَضَمُّنِهِ تَسْلِيمَ رَقَبَتِهِ وَلَا كَذَلِكَ الْحُرُّ ، وَلِأَنَّ خِدْمَةَ الزَّوْجِ الْحُرِّ

اور غلام کی خدمت ابتغاء بالمال ہے بوجہ متضمن ہونے کے تسلیم رقبہ کو اور اس طرح نہیں ہے آزاد، اور اس لیے کہ آزاد شوہر کی خدمت ایسا امر ہے

لَا يَجُوزُ اسْتِحْقَاقُهَا بِعَقْدِ النِّكَاحِ لِمَا فِيهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوعِ ،{۵}بِخِلَافِ خِدْمَةِ حُرٍّ آخَرَ بِرِضَاهُ ؛

کہ جائز نہیں اس کا استحقاق عقدِ نکاح کی رُو سے کیونکہ اس میں قلبِ موضوع ہے، بخلافِ دوسرے آزاد کی خدمت کے اس کی رضا سے

لِأَنَّهُ لَا مُنَاقَضَةَ ،{۶}وَبِخِلَافِ خِدْمَةِ الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّهُ يَخْدُمُ مَوْلَاهُ مَعْنًى حَيْثُ يَخْدُمُهَا

کیونکہ کوئی مناقضہ نہیں، اور بخلاف غلام کی خدمت کے؛ کیونکہ وہ خدمت کرتا ہے اپنے مولیٰ کی معنیً؛ کیونکہ وہ عورت کی خدمت کرتا ہے

بِإِذْنِهِ وَبِأَمْرِهِ،وَبِخِلَافِ رَعْيِ الْأَغْنَامِ؛لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْقِيَامِ بِأُمُورِ الزَّوْجِيَّةِ فَلَا مُنَاقَضَةَ

مولیٰ کی اجازت اور اس کے امر سے، اور بخلافِ بکریاں چرانے کے؛ کیونکہ یہ امورِ زوجیت کی ادائیگی کے باب سے ہے پس مناقضہ نہیں،

عَلَى أَنَّهُ مَمْنُوعٌ فِي رِوَايَةٍ،{۷}ثُمَّ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ تَجِبُ قِيمَةُ الْخِدْمَةِ؛لِأَنَّ الْمُسَمَّى مَالٌ

علاوہ ازیں یہ ممنوع ہے ایک روایت میں، پھر امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی بناء پر واجب ہے خدمت کی قیمت ؛ کیونکہ مسمّٰی مال ہے

إلَّا أَنَّهُ عَجَزَ عَنِ التَّسْلِيمِ لِمَكَانِ الْمُنَاقَضَةِ فَصَارَ كَالتَّزَوُّجِ عَلَى عَبْدِ الْغَيْرِ،{۸}وَعَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رحمہما اللہ

مگر شوہر عاجز ہوا تسلیم سے مناقضہ کی وجہ سے پس ہو گیا جیسے نکاح کرنا دوسرے کے غلام پر، اور امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی بناء پر

يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ ؛لِأَنَّ الْخِدْمَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ إذْ لَا تُسْتَحَقُّ فِيهِ بِحَالٍ فَصَارَ كَتَسْمِيَةِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ،

واجب ہوگا مہر مثل؛ کیونکہ خدمت مال نہیں؛ کیونکہ واجب نہیں ہوسکتی نکاح میں کسی حال میں پس ہو گیا جیسے شراب اور خنزیر کو مہر بنانا،

{۹}وَهَذَا ؛ لِأَنَّ تَقَوُّمَهُ بِالْعَقْدِ لِلضَّرُورَةِ ، فَإِذَا لَمْ يَجِبْ تَسْلِيمُهُ بِالْعَقْدِ لَمْ يَظْهَرْ

اور یہ حکم اس لیے ہے کہ خدمت کا متقوم بالعقد ہونا ضرورت کی بناء پر ہے پس جب واجب نہ ہوئی اس کی تسلیم عقد کی وجہ سے تو ظاہر نہ ہوگا

تَقَوُّمُهُ فَيَبْقَى الْحُكْمُ عَلَى الْأَصْلِ وَهُوَ مَهْرُ الْمِثْلِ .

اس کا تقوم پس باقی رہے گا حکم اصل پر اور وہ مہر مثل ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں آزاد مرد کی خدمت اور تعلیم کو مہر مقرر کرنے میں ائمہ کا اختلاف اور دلائل ذکر کئے ہیں، اور نمبر۴ میں غلام کی خدمت کو مہر مقرر کرنے کا حکم اور دولائل ذکر کئے ہیں، اور نمبر۵ میں امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیا ہے، اور نمبر۶ میں ایک سوال کا جواب اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر۷و۸ میں خدمت مہر مقرر کرنے کے حکم

میں امام محمدؒ اور شیخینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۹ میں شیخینؒ کی دلیل پر ایک اشکال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱} اگر کسی آزاد مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور عورت سے کہا " کہ ایک سال تک میں تیری خدمت کرونگا یہی تیرا مہر ہو گا"، یا عورت سے کہا " کہ میں تجھے قرآن مجید کی تعلیم دونگا یہی تیرا مہر ہو گا" تو نکاح جائز ہے اور عورت کیلئے مہر مثل ہو گا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے آزاد شوہر کی ایک سال کی خدمت کی قیمت ہو گی، مہر مثل واجب نہ ہو گا۔

اور اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا اس شرط پر کہ غلام ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا یعنی مہر ایک سال کی خدمت کو مقرر کیا، تو یہ نکاح جائز ہے اور عورت کے لیے اس کی ایک سال کی خدمت ہو گی۔

{۲} امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں (کہ زوج آزاد ہو یا غلام ہو) میں عورت کے لیے شوہر کی ایک سال کی خدمت اور تعلیم قرآن ہو گی یعنی ان کے نزدیک آزاد اور غلام دونوں کی خدمت اور تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز ہے؛ کیونکہ نکاح عقدِ معاوضہ ہے لہذا جو چیز معوض بن سکتی ہے وہ عقد نکاح میں عوض بھی بن سکتی ہے تاکہ معاوضہ کا معنی محقق ہو اور چونکہ خدمت اور تعلیم قرآن دونوں معوض ہیں یعنی ان کا عوض شرط کر کے لیا جاسکتا ہے لہذا یہ دونوں ان کے نزدیک عوض یعنی نکاح میں مہر بھی بن سکتے ہیں اس لیے کہ اس عوض لینے سے اس کا معاوضہ ہونا محقق ہوتا ہے، پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ دوسرے آزاد مرد کی رضامندی سے اس کی خدمت کو مہر بنانے کی شرط پر اس سے نکاح کیا جائے یا اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ شوہر اس عورت کی بکریاں چرائے گا تو مہر دوسرے آزاد مرد کی خدمت اور شوہر کا بکریاں چرانا ہی ہو گا، لہذا خدمتِ زوج اور تعلیم قرآن کو مہر بنانا بھی جائز ہو گا۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ آزاد آدمی کی خدمت اور تعلیم قرآن منافع ہیں مال نہیں جبکہ عقدِ نکاح میں ابتغاء بالمال (مال کے ذریعہ طلب کرنا) مشروع ہے: باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾[1] (اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے) اور تعلیم قرآن مال نہیں، لہذا تعلیم قرآن کے عوض بضع طلب کرنا مشروع نہ ہو گا، اسی طرح ہماری اصل پر منافع خدمت بھی مال نہیں؛ کیونکہ مال وہ ہے جو دو زمانوں میں باقی رہے جبکہ منافع خدمت دو زمانوں میں باقی نہیں رہتے ہیں اسی لیے تو غصب کرنے سے غاصب ضامن نہیں ہوتا ہے، لہذا منافعِ خدمت کے عوض بضع طلب کرنا مشروع نہ ہو گا۔

---

(۱) النساء:۲۴۔

{۴} یاد رہے کہ اس دلیل کی رُو سے دوسرے آزاد شخص کی خدمت اور بیوی کی بکریاں چرانا بھی مہر نہیں بن سکتے ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں بھی مال نہیں۔ مگر غلام کی خدمت کو مہر مقرر کرنا مال کے ذریعہ بضع طلب کرنا شمار ہوگا؛ کیونکہ غلام جب خدمت کرے گا تو وہ اس ضمن میں اپنی گردن کو بھی سپرد کرے گا، اور غلام کی گردن مال ہے، اس لیے یہ ابتغاء بالمال شمار ہوگا، لہذا غلام کی خدمت بطورِ مہر مقرر کرنا درست ہے، جبکہ آزاد ایسا نہیں کہ وہ خدمت کے ضمن میں اپنی گردن بھی سپرد کرے گا؛ کیونکہ آزاد کی گردن مال نہیں، لہذا یہ ابتغاء بالمال نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آزاد شوہر کی خدمت کو عقدِ نکاح کی وجہ سے عورت کے لیے واجب قرار دینا جائز نہیں؛ کیونکہ اس میں قلبِ موضوع لازم آتا ہے یوں کہ مرد مخدوم ہوتا ہے اور عورت خادمہ ہوتی ہے، جبکہ مرد کی خدمت کو مہر بنانے کی صورت میں عورت مخدومہ اور مرد خادم ہوگا، ظاہر ہے کہ یہ موضوعِ نکاح کے خلاف ہے۔

{۵} امام شافعیؒ نے دوسرے آزاد کی رضامندی سے اس کی خدمت کو مہر مقرر کرنے کی صحت پر قیاس کرتے ہوئے آزاد شوہر کی خدمت کو مہر بنانا درست قرار دیا تھا، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے آزاد کی خدمت کو اس کی رضامندی سے مہر مقرر کرنا اس لیے درست ہے کہ اس میں کوئی مناقضہ نہیں یعنی دوسرا آزاد اس عورت کا شوہر نہیں کہ مخدوم ہو، اور اب اس کی خدمت کو مہر بنانے سے وہ خادم بن کر قلبِ موضوع لازم آئے اس لیے یہ جائز ہے۔

{۶} سوال یہ ہے کہ غلام کی خدمت کو اس کی بیوی کے لیے مہر مقرر کرنے سے بھی قلبِ موضوع لازم آتا ہے تو یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ غلام چونکہ اپنے مولیٰ کی اجازت اور امر سے نکاح کر رہا ہے اور اپنی خدمت کو مہر مقرر کر رہا ہے، لہذا جب وہ اپنی بیوی کی خدمت کرتا ہے تو وہ معنیً اپنے مولیٰ کی خدمت کر رہا ہے، لہذا یہ قلبِ موضوع نہیں؛ کیونکہ قلبِ موضوع تو تب ہوتا کہ وہ اپنی بیوی کی خدمت کرتا۔

امام شافعیؒ کی یہ دلیل کہ شوہر بیوی کی بکریاں چرانے کو اس کا مہر مقرر کر سکتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے شوہر کی دوسری خدمات کو بیوی کے لیے مہر مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔ جواب یہ ہے کہ بیوی کی بکریاں چرانا بیوی کی خدمت نہیں بلکہ زوجین کے خانگی امور کو قائم کرنے کے قبیل سے ہے جو عادۃً ایک دوسرے کے کاموں میں مدد کرتے ہیں، لہذا اس میں مناقضہ یعنی قلبِ موضوع نہیں ہے اس لیے جائز ہے۔ بلکہ مبسوط کی ایک روایت کے مطابق بیوی کی بکریاں چرانے کو مہر مقرر کرنا درست نہیں ہے، پس یہ صورت خود درست نہیں تو اس پر شوہر کی خدمت کو قیاس کرتے ہوئے صحیح قرار دینا کیسا صحیح ہوگا۔

{۲۷} پھر امام محمدؒ کے قول کے مطابق خدمت کو مہر بنانا درست ہے لیکن شوہر پر خدمت واجب نہیں بلکہ خدمت کی قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ خدمت مال تو ہے مگر اس کی ادائیگی اور سپرد کرنے سے شوہر عاجز ہے؛ کیونکہ تب موضوع لازم آتا ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ نکاح میں کسی غیر کے غلام کو مہر بنانا، ظاہر ہے کہ غیر کے غلام کو مہر بنانے کی صورت میں شوہر اس کی ادائیگی اور سپرد کرنے سے عاجز ہے لہٰذا شوہر پر اس کی قیمت واجب ہوگی، اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی خدمت کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے شوہر کے ذمہ خدمت کی قیمت واجب ہوگی۔

{۲۸} اور شیخینؒ کے قول کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا؛ کیونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی خدمت کرنا مال نہیں؛ کیونکہ اگر وہ خدمت نکاح میں کسی حال میں واجب نہیں ہوتی ہے اگر مال ہوتی تو واجب بھی ہوتی، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کرنے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اسی طرح آزاد شوہر کی خدمت کو مہر مقرر کرنے کی صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

{۲۹} سوال یہ ہے کہ آزاد آدمی کو اجارہ پر دے کر اس کی خدمت کا عوض لیا جاتا ہے جو اس کے ذی قیمت مال ہونے کی علامت ہے حالانکہ شیخینؒ اس کو مال نہیں کہتے ہیں؟ صاحبِ ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ عقدِ اجارہ میں لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے آزاد کی خدمت کو متقوّم (ذی قیمت) قرار دے کر اس کا عوض لیا جاتا ہے ورنہ خدمت مال نہیں، مگر جب عقدِ نکاح میں تب موضوع لازم آنے کی وجہ سے آزاد کی خدمت سپرد کرنا واجب نہیں ہوتا ہے تو اس کا ذی قیمت ہونا بھی ظاہر نہ ہوگا، لہٰذا حکم اصل پر باقی رہے گا اور اصل یہ ہے کہ جو چیز مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو اس کو مہر بنانے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اس لیے اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

فتوی: علامہ شامیؒ نے صاحبِ فتح القدیر کا قول نقل کیا ہے کہ اب چونکہ متأخرین نے تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کو ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے، لہٰذا متأخرین کے اس فتوی کے مطابق تعلیمِ قرآن کو مہر بنانا صحیح ہونا چاہیے، چنانچہ فرماتے ہیں: وَلِهٰذَا ذَكَرَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ هُنَا أَنَّهُ لَمَّا جَوَّزَ الشَّافِعِيُّ أَخْذَ الْأَجْرِ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ صَحَّحَ تَسْمِيَتَهُ مَهْرًا فَكَذَا نَقُولُ يَلْزَمُ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ صِحَّةُ تَسْمِيَتِهِ صَدَاقًا، وَلَمْ أَرَ مَنْ تَعَرَّضَ لَهُ، وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ.(ردالمحتار: ۲/۳۶۲)

{۱} فَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ فَقَبَضَتْهَا وَوَهَبَتْهَا لَهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا

پس اگر نکاح کیا عورت سے ہزار پر پھر عورت نے قبض کیا اس کو اور اسے ہبہ کیا شوہر کو پھر شوہر نے طلاق دی اس کے ساتھ دخول سے پہلے

رَجَعَ عَلَيْهَا بِخَمْسِ مِائَةٍ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِ بِالْهِبَةِ عَيْنُ مَا يَسْتَوْجِبُهُ ؛ لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ

رجوع کرے گا اس پر پانچ سو کے بارے میں؛ کیونکہ نہیں پہنچی ہے شوہر کو ہبہ کے ذریعہ بعینہ وہ چیز جس کا وہ مستحق ہوا ہے؛ کیونکہ دراہم

وَالدَّنَانِيرَ لَا تَتَعَيَّنَانِ فِي الْعُقُودِ وَالْفُسُوخِ. {۲} وَكَذَا إذَا كَانَ الْمَهْرُ مَكِيلًا أَوْ مَوْزُونًا أَوْ شَيْئًا آخَرَ فِي الذِّمَّةِ لِعَدَمِ تَعَيُّنِهَا

اور دنانیر متعین نہیں ہوتے عقود اور فسوخ میں، اور اسی طرح جب ہو مہر کیلی یا موزونی یا کوئی اور چیز ذمہ میں اس کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے۔

{۳} فَإِنْ لَمْ تَقْبِضْ الْأَلْفَ حَتَّى وَهَبَتْهَا لَهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ

پس اگر قبضہ نہیں کیا ہزار کو حتی کہ ہبہ کیا اسے شوہر کو پھر شوہر نے طلاق دی اس کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے تو رجوع نہیں کرے گا ایک

مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ وَفِي الْقِيَاسِ يَرْجِعُ عَلَيْهَا بِنِصْفِ الصَّدَاقِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ

ان دونوں میں سے اپنے صاحب پر کچھ بھی، اور قیاس میں رجوع کرے گا مرد عورت پر نصف مہر کے بارے میں اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے

لِأَنَّهُ سَلِمَ الْمَهْرُ لَهُ بِالْإِبْرَاءِ فَلَا تَبْرَأُ عَمَّا يَسْتَحِقُّهُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ.

کیونکہ سالم رہا مہر شوہر کے لیے ابراء کی وجہ سے، پس بری نہ ہوگی اس نصف مہر سے جس کا مستحق ہوا ہے شوہر طلاق قبل الدخول کی وجہ سے

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ وَصَلَ إلَيْهِ عَيْنُ مَا يَسْتَحِقُّهُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَهُوَ بَرَاءَةُ ذِمَّتِهِ

وجہ استحسان یہ ہے کہ پہنچ گئی شوہر کو بعینہ وہ چیز جس کا وہ مستحق ہوا ہے طلاق قبل الدخول کی وجہ سے اور وہ بری ہوتا ہے اس کے ذمہ کا

عَنْ نِصْفِ الْمَهْرِ، {۴} وَلَا يُبَالِي بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ عِنْدَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ {۵} وَلَوْ قَبَضَتْ خَمْسَ مِائَةٍ ثُمَّ وَهَبَتْ

نصف مہر سے۔ اور پرواہ نہیں کی جائے گی اختلاف سبب کی حصول مقصود کے وقت۔ اور اگر عورت نے قبضہ کیا پانچ سو پھر اس نے ہبہ کئے

الْأَلْفَ كُلَّهَا الْمَقْبُوضَ وَغَيْرَهُ أَوْ وَهَبَتْ الْبَاقِيَ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ

پورے ہزار مقبوض اور غیر مقبوض یا ہبہ کئے باقی پھر شوہر نے طلاق دی اس کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے تو رجوع نہیں کرے ایک

مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: رَجَعَ عَلَيْهَا بِنِصْفِ مَا قَبَضَتْ

ان دونوں میں سے اپنے صاحب پر کچھ بھی امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ مرد رجوع کرے گا عورت پر نصف مقبوض کے بارے میں

اعْتِبَارًا لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ، وَلِأَنَّ هِبَةَ الْبَعْضِ حَطٌّ فَيَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ. {۶} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ

قیاس کرتے ہوئے بعض کو کل پر، اور اس لیے کہ بعض کا ہبہ کم کرنا ہے پس لاحق ہو گا اصل عقد کے ساتھ۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ مَقْصُودَ الزَّوْجِ قَدْ حَصَلَ وَهُوَ سَلَامَةُ نِصْفِ الصَّدَاقِ بِلَا عِوَضٍ فَلَا يَسْتَوْجِبُ الرُّجُوعَ عِنْدَ الطَّلَاقِ.

کہ مقصود زوج حاصل ہو گیا اور وہ ہے سالم رہنا نصف مہر کا بلا عوض، پس مستحق نہ ہو گا رجوع کا طلاق کے وقت،

وَالْحَطُّ لَا يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ فِي النِّكَاحِ، أَلَا تَرَى أَنَّ الزِّيَادَةَ فِيهِ لَا تَلْتَحِقُ حَتَّى لَا تَتَنَصَّفُ،

اور حط لاحق نہیں ہوتا اصل عقد کے ساتھ نکاح میں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ زیادتی اس میں لاحق نہیں ہوتی ہے حتی کہ اس کی تنصیف نہیں ہوتی

{۷} وَلَوْ كَانَتْ وَهَبَتْ أَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ وَقَبَضَتِ الْبَاقِيَ فَعِنْدَهُ يَرْجِعُ عَلَيْهَا إِلَى تَمَامِ النِّصْفِ

اور اگر اس نے ہبہ کیا ہو نصف سے کم اور قبض کیا ہو باقی، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع کرے گا عورت پر تمام نصف تک

وَعِنْدَهُمَا بِنِصْفِ الْمَقْبُوضِ

اور صاحبین کے نزدیک نصفِ مقبوض کے بارے میں۔

خلاصہ: مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں عورت کا اپنا مہر قبضہ کرنے کے بعد شوہر کو ہبہ کرنے کی دو صورتوں کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۳ میں قبضہ کرنے سے پہلے مہر شوہر کو ہبہ کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۴ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے، اور نمبر ۵ و ۶ میں نصف مقبوض اور نصف غیر مقبوض شوہر کو ہبہ کرنے کے حکم میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے اور صاحبین کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۷ میں نصف مہر سے کم ہبہ کرنے کے حکم میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ذکر کیا ہے۔

تشریح: {۱} اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ ایک ہزار درہم پر نکاح کیا اور عورت نے اس ایک ہزار کو قبض کر لیا پھر واپس شوہر کو یہ ایک ہزار ہبہ کر کے دیدیا پھر شوہر نے قبل الدخول اس کو طلاق دیدی تو اب شوہر پانچ سو درہم کے بارے میں عورت سے رجوع کرلے؛ کیونکہ شوہر طلاق قبل الدخول کی وجہ سے عورت کے قبض کردہ مہر کے نصف کا مستحق ہے اور وہ یہاں پانچ سو درہم ہیں، باقی عورت کی طرف سے ہبہ کرنے سے شوہر کی طرف بعینہ وہ نہیں پہنچا جس کا شوہر طلاق قبل الدخول کی وجہ سے مستحق ہوا ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک دراہم و دنانیر عقود (جیسے نکاح اور بیع) و فسوخ (جیسے طلاق اور اقالہ) میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں، مثلاً کسی نے ہاتھ میں دراہم لے کر کہا کہ "ان کے عوض میں نے یہ چیز خریدلی ہے" بائع نے اس کو قبول کیا تو مشتری پر اس کے ہاتھ میں موجود دراہم دینا لازم نہیں بلکہ ان کے علاوہ دراہم بھی دے سکتا ہے، پس مذکورہ صورت میں بھی گویا عورت نے مقبوض مہر (ہزار درہم) کے علاوہ اور مال شوہر کو ہبہ کیا ہے، لہٰذا شوہر کو عورت کی طرف سے ہبہ شدہ کے علاوہ عورت سے مزید نصف مہر واپس لینے کا حق حاصل ہے۔

{۲} یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ شوہر نے کسی کیلی چیز کو یا دراہم و دنانیر کے علاوہ کسی موزونی چیز کو اپنے ذمہ لے کر مہر کے طور پر مقرر کیا ہو مثلاً پچاس من گندم یا جو اپنے ذمہ لے لیا اور متعین نہیں کیا کہ یہ گندم یا یہ جو ہے، پھر پچاس من بیوی کو ادا کر دیا، اور بیوی نے اسے قبض کر کے شوہر کو ہبہ کیا پھر قبل الدخول شوہر نے طلاق دیدی، تو شوہر پچیس من کے بارے میں

عورت سے رجوع کرے گا؛ کیونکہ غیر متعین گندم بھی بمنزلہ دراہم ودنانیر کے ہے متعین نہ ہونے کی وجہ سے، حتی کہ اگر متعین گندم میں مذکورہ صورت پیش آئی، تو شوہر اس کے نصف کے بارے میں عورت سے رجوع نہیں کر سکتا ہے۔

{۳}اور اگر عورت نے بغیر قبضہ کئے اس ایک ہزار کو ہبہ کر دیا پھر شوہر نے طلاق قبل الدخول دیدی، تو زوجین میں سے استحساناً کوئی کسی سے رجوع نہیں کرے گا، اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر نصف مہر کے بارے میں رجوع کرے یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛کیونکہ عورت نے بلاقبضہ کئے کل مہر سے شوہر کو بری کر دیا تو شوہر کے لئے جو ایک ہزار سالم رہا یہ ایک ہزار اس کا غیر ہے جس کا شوہر قبل الدخول طلاق کی وجہ سے مستحق ہوا تھا، لہٰذا عورت اس نصف مہر کا شوہر کو واپس کرنے سے بری نہ ہوگی۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ جب عورت نے کل مہر سے بری کر دیا تو شوہر کو بعینہ وہ پہنچ گیا جس کا وہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے مستحق ہوا ہے کیونکہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے شوہر نصف مہر سے بری الذمہ ہونے کا حق رکھتا تھا تو جب عورت نے کل مہر سے اسے بری الذمہ کر دیا تو نصف مہر سے بدرجہ اولیٰ بری الذمہ ہوگا۔

{۴}مگر سوال یہ ہے کہ شوہر نصف مہر سے بری الذمہ ہونے کا حق رکھتا تھا طلاق قبل الدخول کی وجہ سے، جبکہ مذکورہ صورت میں جو کل مہر مرد کو پہنچا ہے اس کا سبب عورت کا اُسے بری کر دینا ہے نہ کہ طلاق قبل الدخول، پس سبب مختلف ہونے سے یہ دوالگ الگ چیزیں ہیں، لہٰذا مرد کو جو پہنچا ہے وہ بعینہ وہ نہیں جس کا وہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے مستحق ہوا ہے؟ صاحبِ ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ شوہر کا مقصود نصف مہر سے بری ہونا ہے اور یہ مقصود مذکورہ صورت میں حاصل ہو گیا ہے، باقی سبب کے اختلاف کا اعتبار نہیں؛ کیونکہ سبب مقصود نہیں ہے۔

{۵}اور اگر عورت نے کل مہر یعنی ہزار درہم میں سے پانچ سو درہم پر قبضہ کیا اور پھر شوہر کے لئے ایک ہزار مقبوض اور غیر مقبوض دونوں کو ہبہ کر دیا یا صرف غیر مقبوض کو ہبہ کر دیا اور شوہر نے قبل الدخول طلاق دیدی، تو امام صاحبؒ کے نزدیک زوجین میں سے کسی کو دوسرے پر رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ صاحبینؒ کے نزدیک مقبوض نصف (پانچ سو) کے نصف (ڈھائی سو) کے بارے میں شوہر عورت سے رجوع کر سکتا ہے؛ صاحبینؒ بعض کو کل پر قیاس کرتے ہیں جیسا کہ گذر چکا کہ اگر عورت کل (ہزار) کو قبض کر کے ہبہ کر دیتی تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں شوہر مقبوض (ہزار) کے نصف (پانچ سو) کے بارے میں عورت پر رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے اسی طرح بعض مقبوض (پانچ سو) کے نصف (ڈھائی سو) کے بارے میں بھی رجوع کا حق رکھتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت کا بعض غیر مقبوض (پانچ سو) کا ہبہ کرنا مہر کے بعض حصہ کو کم کر دینا ہے، اور کم کر دینا لاحق ہوتا ہے اصل عقد کے ساتھ

تو گویا شوہر نے ابتداء ہی سے پانچ سو پر عقد کیا ہے، تو گویا کل مہر مقبوض پانچ سو درہم ہے، لہذا ان پانچ سو کے نصف کے بارے میں شوہر کو اس سے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

{۶} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کا مقصود بلاعوض نصف مہر کا اپنے پاس سالم رکھنا ہے اور یہ مقصود طلاق سے پہلے ہی حاصل ہو چکا، اور جس کا مقصود حاصل ہو جائے وہ اپنے مدیون پر رجوع کا حق نہیں رکھتا ہے، لہذا شوہر طلاق قبل الدخول کی وجہ سے رجوع کا مستحق نہیں ہوگا۔

صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مہر میں سے کم کرنا نکاح میں اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا ہے اگرچہ بیع میں ثمن میں سے کم کرنا اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے، مگر نکاح ایسا نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر شوہر نے اصل مہر (مثلاً ہزار) پر پچاس درہم کا اضافہ کر کے اصل مہر کے ساتھ عورت کے سپرد کردئے، پھر طلاق قبل الدخول دیدی تو عورت سے فقط اصل مہر کے نصف کے بارے میں رجوع کرے گا ان پچاس کے نصف کے بارے میں رجوع نہیں کرے گا؛ کیونکہ یہ زیادتی اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی ہے، تو جب زیادتی لاحق نہیں ہوتی ہے تو کمی بھی لاحق نہ ہوگی۔

{۷} اور اگر عورت نے نصف مہر سے کم ہبہ کیا اور باقی پر قبضہ کر لیا مثلاً کل مہر ہزار میں سے دو سو کو ہبہ کیا اور آٹھ سو پر قبضہ کیا، پھر شوہر نے قبل الدخول طلاق دیدی، تو امام صاحبؒ کے نزدیک شوہر تمام نصف تک عورت پر رجوع کرے گا یعنی عورت سے تین سو مزید لے لے گا یوں شوہر کو کل مہر کا نصف پہنچ جائے گا جس سے اس کا مقصود (نصف مہر سے بری ہونا) حاصل ہو گیا اگرچہ سبب مختلف ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک مقبوض مقدار کے نصف کے بارے میں رجوع کرے گا اور مقبوض آٹھ سو ہے، لہذا شوہر چار سو کے بارے میں رجوع کرے گا؛ کیونکہ دو سو کم کرنا اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوا، تو گویا عقد آٹھ سو پر ہوا ہے، لہذا آٹھ سو کے نصف یعنی چار سو کے بارے میں رجوع کرے گا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما في الدّر المختار (وَإِنْ لَمْ تَقْبِضْهُ أَوْقَبَضَتْ نِصْفَهُ فَوَهَبَتْهُ الْكُلَّ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (أَوْمَا بَقِيَ) وَهُوَ النِّصْفُ فِي الثَّانِيَةِ (أَوْ) وَهَبَتْ (عَرَضَ الْمَهْرِ) كَثَوْبٍ مُعَيَّنٍ أَوْفِي الذِّمَّةِ (قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ لَا) رُجُوعَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ. قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لِأَنَّهُ وَصَلَ إِلَيْهِ عَيْنُ مَا يَسْتَحِقُّهُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ (الدّر المختار مع الشامية: ۲/۳۷۴)

{۱} وَلَوْ كَانَ تَزَوَّجَهَا عَلَى عَرَضٍ فَقَبَضَتْهُ أَوْ لَمْ تَقْبِضْ فَوَهَبَتْ لَهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا

اور اگر مرد نے نکاح کیا ہو اس سے سامان پر پھر عورت نے اس پر قبضہ کیا یا نہیں کیا اور ہبہ کیا شوہر کو، پھر شوہر نے طلاق دی اس کو

[قبل] الدُّخُولِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهَا بِشَيْءٍ وَفِي الْقِيَاسِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ يَرْجِعُ عَلَيْهَا

[اس] کے ساتھ دخول سے پہلے تو رجوع نہیں کرے گا عورت پر کچھ بھی، اور قیاس میں اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے رجوع کرے گا عورت پر

[ب]نِصْفِ قِيمَتِهِ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ رَدُّ نِصْفِ عَيْنِ الْمَهْرِ عَلَى مَا مَرَّ تَقْرِيرُهُ . وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ

اس کی نصف قیمت کے بارے میں؛ کیونکہ واجب اس میں رڈ کرنا ہے عین مہر کا نصف جیسا کہ گذر چکی اس کی تقریر، وجہ استحسان یہ ہے

[أَنَّ] حَقَّهُ عِنْدَ الطَّلَاقِ سَلَامَةُ نِصْفِ الْمَقْبُوضِ مِنْ جِهَتِهَا وَقَدْ وَصَلَ إلَيْهِ وَلِهَذَا لَمْ يَكُنْ

کہ اس کا حق طلاق کے وقت سلامت رہنا ہے نصف مقبوض عورت کی جانب سے، اور وہ پہنچ چکا شوہر کی طرف اور اسی لیے جائز نہیں

[لَهَا] دَفْعُ شَيْءٍ آخَرَ مَكَانَهُ ،{۲}بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ الْمَهْرُ دَيْنًا ،{۳}وَبِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَتْ

عورت کے لیے دینا کوئی اور چیز سامان کی جگہ، بخلاف اس صورت کے جبکہ ہو مہر دین، اور بخلاف اس صورت کے جب فروخت کر دے

[مِ]نْ زَوْجِهَا ؛ لِأَنَّهُ وَصَلَ إلَيْهِ بِبَدَلٍ. {۴}وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى حَيَوَانٍ أَوْ عُرُوضٍ فِي الذِّمَّةِ

اپنے شوہر کے ہاتھ؛ کیونکہ پہنچ چکا شوہر کی طرف بدل کے ساتھ۔ اور اگر نکاح کیا عورت سے حیوان پر یا ذمہ میں واجب شدہ سامان پر

[فَ]كَذَلِكَ الْجَوَابُ ؛لِأَنَّ الْمَقْبُوضَ مُتَعَيِّنٌ فِي الرَّدِّ{۵}وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ تُحُمِّلَتْ فِي النِّكَاحِ فَإِذَا عَيَّنَ

تو یہی حکم ہے؛ کیونکہ مقبوض متعین ہے لوٹانے میں، اور یہ اس لیے کہ جہالت برداشت کی جاتی ہے نکاح میں، پس جب متعین ہو گیا

[فِيهِ] يَصِيرُ كَأَنَّ التَّسْمِيَةَ وَقَعَتْ عَلَيْهِ{۶} وَإِذَا تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ عَلَى أَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلْدَةِ أَوْ

اس میں تو ہو جاتا ہے گویا تسمیہ واقع ہوا ہے اس پر۔ اور جب نکاح کرے عورت سے ہزار پر اس شرط پر کہ نہ نکالے گا اس کو شہر سے یا

[عَ]لَى أَنْ لَا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا أُخْرَى ،فَإِنْ وَفَى بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمَّى ؛ لِأَنَّهُ صَلُحَ مَهْرًا

اس شرط پر کہ نکاح نہیں کرے گا اس پر دوسری سے، پس اگر پوری کر دی شرط تو اس کے لیے مسمّٰی ہے؛ کیونکہ وہ صلاحیت رکھتا ہے مہر کا

[وَقَدْ] تَمَّ رِضَاهَا بِهِ{۷} وَإِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا أُخْرَى أَوْ أَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا ؛ لِأَنَّهُ

مہر کا اور تام ہو گئی اس کی رضامندی اس پر، اور اگر نکاح کیا اس پر دوسری سے یا نکال دیا اس کو تو اس کے لیے مہر مثل ہو گا؛ کیونکہ اس نے

سَمَّى مَا لَهَا فِيهِ نَفْعٌ ،فَعِنْدَ فَوَاتِهِ يَنْعَدِمُ رِضَاهَا بِالْأَلْفِ

مقرر کی ایسی چیز کہ عورت کے لیے اس میں نفع ہے پس اس کے فوت ہونے کے وقت معدوم ہو جائے گی اس کی رضا ہزار پر

فَيُكَمَّلُ مَهْرُ مِثْلِهَا كَمَا فِي تَسْمِيَةِ الْكَرَامَةِ وَالْهَدِيَّةِ مَعَ الْأَلْفِ{۸} وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ إنْ أَقَامَ بِهَا

پس مکمل کیا جائے گا اس کا مہر مثل جیسا کہ ذکر کرنا کرامت اور ہدیہ کا ہزار کے ساتھ۔ اور اگر نکاح کیا اس سے ہزار پر اگر ٹھہرایا شہر میں

وَعَلَى أَلْفَيْنِ إنْ أَخْرَجَهَا ، فَإِنْ أَقَامَ بِهَا فَلَهَا الْأَلْفُ ، وَإِنْ أَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ

اور دو ہزار پر اگر نکالا اس کو، پس اگر ٹھہرایا اس کو تو اس کے لیے ہزار ہے اور اگر اسے نکالا اس کو تو اس کے لیے مہر مثل ہے

لَا يُزَادُ عَلَى الْأَلْفَيْنِ وَلَا يُنْقَصُ عَنِ الْأَلْفِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ،{۹}وَقَالَا : الشَّرْطَانِ جَمِيعًا

جو زیادہ نہیں کیا جائے گا دو ہزار پر اور نہ کم کیا جائے گا ایک ہزار سے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا: دونوں شرط

جَائِزَانِ) حَتَّى كَانَ لَهَا الْأَلْفُ إِنْ أَقَامَ بِهَا وَالْأَلْفَانِ إِنْ أَخْرَجَهَا .{۱۰}وَقَالَ زُفَرُ : الشَّرْطَانِ جَمِيعًا

جائز ہیں، حتیٰ کہ ہوگا عورت کے لیے ایک ہزار اگر ٹھہرایا اس کو اور دو ہزار ہیں اگر نکالا اس کو۔ اور فرمایا امام زفر رحمہ اللہ نے کہ دونوں شرط

فَاسِدَانِ،وَيَكُونُ لَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا لَا يُنْقَصُ مِنَ الفِ وَلَا يُزَادُ عَلَى أَلْفَيْنِ{۱۱}وَأَصْلُ الْمَسْأَلَةِ فِي الْإِجَارَاتِ

فاسد ہیں، اور ہوگا عورت کے لیے مہر مثل جو کم نہ کیا جائے گا ہزار سے اور نہ بڑھایا جائے گا دو ہزار پر۔ اور دلیل مسئلہ اجارات میں ہے

فِي قَوْلِهِ : إِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَلَكَ دِرْهَمٌ ، وَإِنْ خِطْتَهُ غَدًا فَلَكَ

ان کے اس قول کے تحت "اگر تو نے سیا اس کو آج تو تیرے لیے ایک درہم ہو گا اور اگر تو نے سیا اس کو کل تو تیرے لیے

نِصْفُ دِرْهَمٍ،وَسَنُبَيِّنُهَا فِيهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ

نصف درہم ہو گا" اور ہم بیان کریں گے اس کو "کتاب الاجارات" میں انشاء اللہ۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بعوضِ سامان نکاح کرنے کی صورت میں عورت کا اپنا مہر شوہر کو ہبہ کرنے کا حکم بیان کیا ہے، اور نمبر ۲ میں مہر شوہر کے ذمہ دَین ہونے کی صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے اور نمبر ۳ میں مہر کا سامان شوہر کے ہاتھ فروخت کرنے کا حکم بیان کیا ہے، اور نمبر ۴ میں حیوان یا ایسے غیر معین سامان جو شوہر نے اپنے ذمہ لیا ہو کے عوض نکاح کرنے کا حکم بیان کیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے، اور نمبر ۶ و ۷ میں عورت کی شرط پوری کرنے یا نہ کرنے کا حکم بیان کیا ہے اور نمبر ۸ تا ۱۱ میں عورت کی ایک شرط کے حکم کے بارے میں ائمہ کا اختلاف بیان کیا ہے اور دلائل کا حوالہ دیا ہے۔

تشریح:۔{۱}اور اگر عورت سے بعوضِ سامان (کپڑا وغیرہ) نکاح کیا، پھر عورت نے واپس شوہر کو ہبہ کیا خواہ عورت نے اس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، اب شوہر نے اس کو دخول سے پہلے طلاق دیدی، تو شوہر عورت سے استحساناً کچھ بھی نہیں لے سکتا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس سامان کی نصف قیمت کے بارے میں عورت سے رجوع کرے، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے عین مہر کا نصف واپس کرنا واجب ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تقریر سابق میں گذر چکی کہ مہر تو شوہر کے لیے عورت کے بری کر دینے سے سالم رہا، مگر شوہر قبل الدخول طلاق دینے کی وجہ سے جس نصف مہر کا مستحق ہوا ہے عورت نے وہ اسے واپس نہیں کیا ہے اس لیے

عورت اسے واپس کرنے سے بری نہ ہوگی، پھر یہاں چونکہ عورت عین مہر (سامان) واپس کرنے سے عاجز ہے اس لیے اس کی قیمت واپس کرے گی۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ زوج کا حق طلاق کے وقت عورت کی طرف سے نصف مقبوض کی سلامتی ہے جو شوہر کو عورت کی طرف سے پہنچ گیا، لہذا زوج کا مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے اسے کچھ لینے کا حق نہیں، اور چونکہ عرض عقود وفسوخ میں متعین ہوتا ہے اس لیے عورت اس کی جگہ کوئی اور چیز نہیں دے سکتی ہے۔

{۲} برخلاف اس کے کہ مہر شوہر کے ذمہ دَین ہو یعنی دراہم، دنانیر ہوں یا کوئی کیلی، وزنی چیز بیان وصف سے اپنے ذمہ لی ہو اس کی طرف اشارہ کرکے متعین نہ کی ہو، پھر عورت نے اسے ہبہ کیا اور شوہر نے قبل الدخول طلاق دیدی، تو شوہر کو اس صورت میں نصف مہر کے بارے میں رجوع کا حق ہوگا؛ کیونکہ یہ وہی پہلا مسئلہ ہے جس کی وجہ گذر چکی کہ شوہر کو بعینہ وہ نہیں پہنچا ہے جس کا وہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے مستحق ہوا ہے؛ کیونکہ دارہم وغیرہ عقود وفسوخ میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں، اس لیے شوہر کو نصف مہر واپس لینے کا حق ہوگا۔

{۳} اور برخلاف اس کے کہ عورت مہر کا سامان شوہر کے ہاتھ فروخت کردے کہ اس صورت میں بھی شوہر کو نصف مہر واپس لینے کا حق ہوگا؛ کیونکہ شوہر کو نصف مہر بعوض پہنچا ہے اس لیے کہ شوہر نے عورت سے خریدا ہے، بلا عوض اس کے پاس سالم نہیں رہا ہے، اور شوہر کو بعوض پہنچ جانا ایسا ہے جیسا کہ اس کو پہنچا ہی نہیں اس لیے اس کو نصف مہر واپس لینے کا حق ہوگا۔

{۴} اور اگر عورت سے نکاح کیا کسی حیوان پر یا ایسے غیر معین سامان (مثلاً کپڑا یا برتن وغیرہ) کے عوض جو شوہر نے اپنے ذمہ لیا ہو، پھر عورت نے شوہر کو ہبہ کیا خواہ عورت نے اس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، پھر شوہر نے قبل الدخول عورت کو طلاق دیدی تو اب بھی وہی جواب ہے جو معین سامان کے عوض نکاح کرنے کی صورت میں تھا یعنی شوہر عورت سے کسی شئی کے بارے میں رجوع نہیں کرسکتا؛ کیونکہ جس پر قبضہ ہوا وہ واپسی میں متعین ہے یعنی ابتداءِ عقد میں اگرچہ وہ چیز اپنے ذمہ لی تھی متعین نہیں کی تھی مگر جب عورت نے وہ بطورِ ہبہ کے واپس کردی یا قبضہ کرکے واپس کردی تو یہی چیز متعین ہوگئی؛ کیونکہ قبضہ متعین چیز کا تقاضا کرتا ہے، لہذا اس صورت کا بھی وہی حکم ہوگا جو معین سامان کے عوض نکاح کرنے کا ہے۔

{۵} وهذا لان الجهالة الخ سے دو باتوں کی طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ بابِ نکاح میں معمولی جہالت برداشت کی جاتی ہے؛ کیونکہ نکاح میں مال مقصود نہ ہونے کی وجہ سے تساہل اور نرمی سے کام لیا جاتا ہے، لہذا حیوان کی جنس بتا کر فقط اتنا کہنا "کہ گھوڑے پر نکاح کیا" بھی صحیح ہے، پھر درمیانی درجہ کا گھوڑا لازم ہوگا، جبکہ بیع میں اتنی جہالت بھی برداشت نہیں کی جاتی ہے؛ کیونکہ بیع میں

مقصود مال ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب شوہر نے اس کو قبض کیا تو وہ متعین ہو گیا، اور یہ تعین ایسا ہے گویا اسی پر تسمیۂ مہر واقع ہوا ہے، لہذا اس کا وہی حکم ہو گا جو معین سامان کے عوض نکاح کرنے کا ہے۔

{۶} اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور ایک ہزار روپیہ مہر مقرر کیا اور عورت نے یہ شرط لگائی "کہ شوہر اس کو اس کے شہر سے نہیں نکالے گا" یا "اس کی موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ نکاح نہیں کریگا" پس اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو عورت کیلئے مسمّیٰ یعنی ایک ہزار درہم ہوں گے؛ کیونکہ ہزار روپیہ مہر بننے کے لئے صالح اور قابل ہیں اور عورت بھی اس پر راضی ہے، لہذا اس کے لیے مہر مسمّٰی ہی ہو گا۔

{۷} اور اگر مرد نے شرط پوری نہیں کی بلکہ عورت کو اس کے شہر سے نکال دیا، یا اس کی موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیا، تو عورت کیلئے مہر مثل ہو گا؛ کیونکہ شوہر نے بوقتِ عقد ایک ایسی چیز ذکر کی ہے جس میں عورت کا نفع ہے پس نفع کے فوت ہونے کی وجہ سے ایک ہزار پر عورت کی رضامندی معدوم ہو گئی لہذا اسکے لئے مہر مثل کو مکمل کیا جائیگا، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ بوقتِ عقد یوں کہے "کہ ایک ہزار کے علاوہ میں تیرا اکرام بھی کروں گا یا ایک ہزار کے علاوہ میں کچھ ہدیہ بھی دوں گا" پھر شرط پوری نہیں کی تو مہر مثل واجب ہو گا، اسی طرح مذکورہ دو صورتوں میں بھی مہر مثل واجب ہو گا۔

{۸} اور اگر عورت سے نکاح کیا اس شرط پر کہ اگر اس کو اس شہر میں رکھا تو مہر ایک ہزار درہم ہو گا، اور اگر اس کو اس شہر سے باہر لے گیا تو مہر دو ہزار درہم ہو گا، پھر اگر اسے اسی شہر میں بسایا تو اس کے لیے ایک ہزار درہم ہوں گے، اور اگر اسے اس شہر سے نکال دیا تو اس کے لیے مہر مثل ہو گا، مگر وہ دو ہزار سے زیادہ نہ ہو گا اور ایک ہزار سے کم نہ ہو گا، یہ تفصیل امام صاحبؒ کے نزدیک ہے یعنی شرطِ اول (کہ اسی شہر میں بسایا تو مہر ہزار درہم ہو گا) جائز ہے اور شرطِ ثانی (کہ اگر اس شہر سے نکالا تو مہر دو ہزار درہم ہو گا) جائز نہیں۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسمّیٰ شہر میں بسانے کی صورت میں ایک تسمیہ منجز اور دوسرا معلق ہے تو بیک وقت دو تسمیہ جمع نہیں ہوئے، اور اس سے نکالنے کی صورت میں دو تسمیہ جمع ہوتے ہیں جس کی وجہ سے مہر مجہول ہو جائیگا اور جہالت کی وجہ سے تسمیہ فاسد ہو جاتا ہے لہذا مہر مثل واجب ہو گا۔ باقی اقامت کی صورت میں ایک تسمیہ اور اخراج کی صورت میں دو تسمیہ اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ معلق بالشرط شرط سے پہلے نہیں پایا جاتا اور منجز وجودِ معلق کی وجہ سے معدوم نہیں ہوتا، لہذا دو تسمیوں کا اجتماع وجودِ شرط کے وقت پایا جاتا ہے اس سے پہلے نہیں۔

{۹}صاحبینؒ کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں لہٰذا اقامت کی صورت میں مہر ایک ہزار درہم ہوگا اور اخراج کی صورت میں مہر دو ہزار ہوگا؛ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص دو چیزوں میں سے ہر ایک کی قیمت معلوم کرکے کہے کہ ان دو چیزوں میں سے جو بھی میں چاہوں وہی لے لوں گا پس وہ دونوں میں سے جس کو چاہے اسی کو اس کی قیمت کے عوض لے لے۔

{۱۰}امام زفرؒ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں، لہٰذا دونوں صورتوں میں عورت کے لیے مہر مثل ہوگا جو نہ تو ایک ہزار سے کم ہوگا اور نہ دو ہزار سے زیادہ ہوگا؛ کیونکہ اس نے بضع کے عوض میں دو چیزیں (ہزار درہم یا دو ہزار درہم) علی سبیل البدل ذکر کی ہیں، پس مہر متعین نہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہوا، اس لیے مہر مثل واجب ہوگا۔

{۱۱}صاحب ہدایہ نے مسئلہ کے دلائل ذکر نہیں کیے بلکہ "کتاب الاجارات" کے ایک مسئلہ کا حوالہ دیا کہ وہاں ہم ائمہ کے دلائل ذکر کریں گے انشاء اللہ، وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے درزی سے کہا "کہ اگر تو نے یہ کپڑا آج سی کر تیار کر دیا تو اجرت ایک درہم ہوگی اور اگر کل تیار کیا تو اجرت دو درہم ہوگی" تو امام صاحبؒ کے نزدیک شرطِ اول جائز اور شرطِ ثانی فاسد ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں، اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں۔

فتویٰ:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: نَكَحَهَا (عَلَى أَلْفٍ إِنْ أَقَامَ بِهَا وَعَلَى أَلْفَيْنِ إِنْ أَخْرَجَهَا، فَإِنْ وَفَى) بِمَا شَرَطَهُ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (وَأَقَامَ) بِهَا فِي الثَّانِيَةِ (فَلَهَا الْأَلْفُ) لِرِضَاهَا بِهِ.........(وَإِلَّا) يُوفِ وَلَمْ يُقِمْ (فَمَهْرُ الْمِثْلِ) لِفَوْتِ رِضَاهَا بِفَوَاتِ النَّفْعِ (الدّرالمختار علی هامش ردّالمحتار: ۳۷۴/۲)

{۱}وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى هَذَا الْعَبْدِ أَوْ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ فَإِذَا أَحَدُهُمَا أَوْكَسُ وَالْآخَرُ أَرْفَعُ؛ فَإِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا أَقَلَّ مِنْ أَوْكَسِهِمَا فَلَهَا الْأَوْكَسُ، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْفَعِهِمَا فَلَهَا الْأَرْفَعُ

اور اگر نکاح کیا عورت سے اس غلام پر یا اس غلام پر، لیکن ان دونوں میں سے ایک اوکس ہے اور دوسرا ارفع ہے، تو اگر ہو اس کا مہر مثل کم دونوں میں سے اوکس سے تو عورت کے لیے اوکس ہوگا، اور اگر ہو زیادہ دونوں میں سے ارفع سے تو عورت کے لیے ارفع ہوگا،

وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَهَا الْأَوْكَسُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ فَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَلَهَا نِصْفُ الْأَوْكَسِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ بِالْإِجْمَاعِ

اور اگر ہو دونوں کے درمیان تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، اور فرمایا صاحبینؒ نے عورت کے لیے اوکس ہوگا ان تمام میں، پس اگر طلاق دی اس کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے تو اس کے لیے نصفِ اوکس ہے ان تمام میں بالاجماع،

{۲}لَهُمَا أَنَّ الْمَصِيرَ إِلَى مَهْرِ الْمِثْلِ لِتَعَذُّرِ إِيجَابِ الْمُسَمَّى، وَقَدْ أَمْكَنَ إِيجَابُ الْأَوْكَسِ إِذْ

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ رجوع کرنا مہر مثل کی طرف بوجہ متعذر ہونے ایجاب مسمّٰی کے حالانکہ ممکن ہے اوکس کو واجب کرنا؛ کیونکہ

الْأَقَلَّ مُتَيَقَّنٌ فَصَارَ كَالْخُلْعِ وَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ.{۳}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمُوجَبَ الْأَصْلِيَّ مَهْرُ الْمِثْلِ إِذْ هُوَ الْأَعْدَلُ

اقل متیقن ہے پس ہو گیا خلع اور اعتاق علی مال کی طرح، اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موجب اصلی مہر مثل ہے کیونکہ وہ اعدل ہے،

وَالْعُدُولُ عَنْهُ عِنْدَ صِحَّةِ التَّسْمِيَةِ وَقَدْ فَسَدَتْ لِمَكَانِ الْجَهَالَةِ{۴}بِخِلَافِ الْخُلْعِ وَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ لِأَنَّهُ

اور عدول اس سے صحتِ تسمیہ کے وقت ہو گا حالانکہ تسمیہ فاسد ہوا جہالت کی وجہ سے بخلافِ خلع اور اعتاق علی مال کے؛ کیونکہ

لَا مُوجَبَ لَهُ فِي الْبَدَلِ.{۵}إلَّا أَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ إذَا كَانَ أَكْثَرَ مِنْ الْأَرْفَعِ فَالْمَرْأَةُ رَضِيَتْ بِالْحَطِّ، وَإِنْ كَانَ أَنْقَصَ

کوئی موجب نہیں اس کے لیے بدل میں، مگر یہ کہ جب ہو مہر مثل زیادہ ارفع سے، تو عورت راضی ہو گئی ساقط کرنے پر، اور اگر ہو کم

مِنَ الْأَوْكَسِ فَالزَّوْجُ رَضِيَ بِالزِّيَادَةِ، وَالْوَاجِبُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ فِي مِثْلِهِ الْمُتْعَةُ{۶}وَنِصْفُ الْأَوْكَسِ

اوکس سے تو زوج راضی ہو گیا زیادہ پر، اور واجب طلاق قبل الدخول میں اس جیسی میں متعہ، اور نصف اوکس

يَزِيدُ عَلَيْهَا فِي الْعَادَةِ فَوَجَبَ لِاعْتِرَافِهِ بِالزِّيَادَةِ.

بڑھ جاتا ہے اس پر عادۃً، پس واجب ہو گا بوجہ شوہر کے اعتراف کا زیادتی کا۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مہر کو دو مختلف القیمۃ غلاموں میں دائر کرنے کے حکم میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور صاحبین ؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر ۵ و ۶ میں ایک ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر مرد نے عورت سے دو غلاموں کے بارے میں کہا "کہ مہر میں یہ غلام دوں گا یا یہ"، کسی ایک کو متعین نہیں کیا اور دونوں میں سے ایک گھٹیا اور دوسرا بڑھیا ہے اس لیے دونوں کی قیمت مختلف ہے، تو امام صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ مہر مثل کے ذریعہ فیصلہ کیا جائیگا یعنی دیکھا جائیگا کہ مہر مثل کم قیمت والے غلام سے کم ہے، یا زیادہ قیمت والے غلام سے زائد یا دونوں غلاموں کی قیمت کے درمیان ہے۔ پہلی صورت میں عورت کے لئے کم قیمت والا غلام ہو گا، دوسری صورت میں زیادہ قیمت والا غلام ہو گا اس سے زائد نہ ہو گا۔ اور تیسری صورت میں عورت کو مہر مثل دیا جائیگا، یہ تفصیل امام صاحب ؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ جبکہ صاحبین ؒ فرماتے ہیں کہ ببر صورت عورت کے لیے کم قیمت والا غلام ہو گا۔ پھر اگر مذکورہ صورتوں میں قبل الدخول شوہر نے اس کو طلاق دیدی تو تمام صورتوں میں بالاتفاق گھٹیا غلام کا نصف ہو گا۔

{۲}مختلف فیہ صورت میں صاحبین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر مثل کی طرف ضرورت اس وقت کی جاتی ہے جس وقت کہ مہر مسمّٰی کو واجب کرنا متعذر ہو جبکہ یہاں تو گھٹیا غلام کو واجب کرنا ممکن ہے؛ کیونکہ گھٹیا غلام قیمت میں کم ہے اور کم متیقن ہوتا ہے جبکہ

زائد میں شک ہوتا ہے تو مشکوک کو چھوڑ کر متیقن کو واجب کیا جائے گا، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی اپنی بیوی سے اس غلام یا اس غلام پر خلع کردے، یا اپنے غلام کو اس غلام یا اس غلام پر آزاد کردے، جبکہ دونوں صورتوں میں ایک غلام گھٹیا اور دوسرا بڑھیا ہو، تو دونوں صورتوں میں گھٹیا غلام متعین ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی گھٹیا غلام متعین ہوگا۔

{۳}امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ عقدِ نکاح میں اصل واجب مہر مثل ہے؛ کیونکہ مہر مثل سب سے زیادہ انصاف کی چیز ہے اس لیے کہ مہر مثل کمی بیشی کو قبول نہیں کرتا ہے جبکہ مسمّٰی کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا مہر مثل سے عدول فقط صحت تسمیہ کے وقت ہوگا اور یہاں دو غلاموں میں تردد اور شک کی وجہ سے تسمیہ میں جہالت پیدا ہوگئی پس اس جہالت کی وجہ سے تسمیہ فاسد ہوگیا لہٰذا مہر مسمّٰی واجب نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل دیا جائیگا۔

{۴}برخلافِ خلع اور اعتاق علی مال کے؛ کیونکہ ان دونوں میں سے کسی کے لیے بدل کے سلسلے میں کچھ واجب نہیں ہوتا ہے یعنی شریعت نے خلع یا اعتاق کے عوض میں مال لازم نہیں کیا ہے حتیٰ کہ اگر ذکر مال کے بغیر خلع دیدیا یا غلام کو آزاد کیا تو یہ صحیح ہوگا، تو اگر خلع اور اعتاق کی صورت میں اوکس کو واجب نہ کیا تو ان کا کلام بالکلیہ لغو ہو جائے گا، جبکہ نکاح اگر بغیر مال کے کیا تو مہر مثل واجب ہوتا ہے، پس اس فرق کی وجہ سے نکاح کو خلع اور اعتاق پر قیاس کرنا درست نہیں۔

{۵}سوال یہ ہے کہ جب مہر مثل اصل ہے تو تمام صورتوں میں مہر مثل واجب ہونا چاہئے خواہ مہر مثل اوکس سے کم ہو یا ارفع سے زیادہ ہو یا دونوں کے درمیان ہو، حالانکہ امام صاحبؒ تمام صورتوں میں مہر مثل کے وجوب کے قائل نہیں؟ جواب ہونا تو یہی چاہیے، مگر جس صورت میں کہ مہر مثل بڑھیا غلام سے زائد ہو تو بوقتِ عقد عورت اپنے مہر مثل سے کم کر دینے پر راضی ہوگئی ہے لہٰذا بڑھیا غلام کی قیمت سے زیادہ مہر مثل نہیں دیا جائے گا۔ اور جس صورت میں کہ مہر مثل گھٹیا غلام سے کم ہو تو بوقتِ عقد شوہر مہر مثل سے زائد مقدار پر راضی ہو چکا ہے لہٰذا مہر مثل سے یہ زائد مقدار اس سے لی جائے گی۔

{۶}سوال یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک جب تسمیہ فاسد ہے تو طلاق قبل الدخول کی اس جیسی صورت (جس میں تسمیہ فاسد ہو) میں متعہ واجب ہونا چاہیے نہ کہ گھٹیا غلام کا نصف، جبکہ امام صاحبؒ نے نصفِ اوکس کو واجب کیا ہے؟ جواب: نصفِ اوکس کا وجوب بطورِ متعہ ہے، اور عادۃً نصفِ اوکس متعہ سے زائد قیمت کا ہوتا ہے اور شوہر اس زیادتی کا اعتراف کر چکا ہے اس لیے نصفِ اوکس واجب کر دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر نصفِ اوکس متعہ سے کم ہو تو پھر نصفِ اوکس واجب نہ ہوگا بلکہ متعہ واجب ہوگا۔

فتویٰ: امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّالمحتار: (قَوْلُهُ حُكِّمَ مَهْرُالْمِثْلِ) هَذَا قَوْلُهُ وَعِنْدَ هُمَا لَهَا الْأَقَلُّ وَالْمُتُونُ عَلَى الْأَوَّلِ ،وَرَجَّحَ فِي التَّحْرِيرِ قَوْلَهُمَا،(ردّالمحتار: ۳۷۶/۲)

{1} وَإِذَا تَزَوَّجَهَا عَلَى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَلَهَا الْوَسَطُ مِنْهُ، وَالزَّوْجُ
اور جب نکاح کرے عورت سے حیوانِ غیر موصوف پر تو صحیح ہے تسمیہ اور عورت کے لیے اوسط ہوگا اس حیوان میں سے، اور زوج کو

مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ أَعْطَاهَا ذٰلِكَ وَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهَا قِيمَتَهُ قَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: مَعْنَى هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ أَنْ
اختیار ہے اگر چاہے تو دیدے عورت کو یہی اور اگر چاہے تو دیدے اس کو اس کی قیمت۔ فرمایا صاحبِ ہدایہ" نے کہ معنی اس مسئلہ کا یہ ہے کہ

يُسَمِّيَ جِنْسَ الْحَيَوَانِ دُونَ الْوَصْفِ، بِأَنْ يَتَزَوَّجَهَا عَلَى فَرَسٍ أَوْ حِمَارٍ. أَمَّا إِذَا لَمْ يُسَمِّ الْجِنْسَ بِأَنْ
بیان کرے جنسِ حیوان نہ کہ وصف، یوں کہ نکاح کرے اس سے گھوڑے پر یا گدھے پر، بہرحال جب ذکر نہ کرے جنس، یوں کہ

يَتَزَوَّجَهَا عَلَى دَابَّةٍ لَا تَجُوزُ التَّسْمِيَةُ وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ. {2} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيعًا
نکاح کرے عورت سے جانور پر تو جائز نہیں یہ تسمیہ اور واجب ہوگا مہرِ مثل۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ واجب ہوگا مہرِ مثل دونوں صورتوں میں

لِأَنَّ عِنْدَهُ مَا لَا يَصْلُحُ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ لَا يَصْلُحُ مُسَمًّى فِي النِّكَاحِ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ
کیونکہ ان کے نزدیک جو چیز صلاحیت نہ رکھتی ہو ثمن بننے کی بیع میں وہ صلاحیت نہیں رکھتی مسمّٰی بننے کی نکاح میں کیونکہ ہر ایک

مِنْهُمَا مُعَاوَضَةٌ. {3} وَلَنَا أَنَّهُ مُعَاوَضَةُ مَالٍ بِغَيْرِ مَالٍ فَجَعَلْنَاهُ الْتِزَامَ الْمَالِ ابْتِدَاءً
ان دونوں میں سے عقدِ معاوضہ ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح معاوضہ مال بغیر المال ہے پس ہم نے قرار دیا اس کو التزام مال ابتداءً

حَتَّى لَا يَفْسُدَ بِأَصْلِ الْجَهَالَةِ كَالدِّيَةِ وَالْأَقَارِيرِ، وَشَرَطْنَا أَنْ يَكُونَ الْمُسَمَّى مَالًا وَسَطُهُ مَعْلُومٌ رِعَايَةً
حتیٰ کہ فاسد نہ ہونا چاہیے مطلق جہالت سے جیسے دیت اور اقرار، اور ہم نے شرط لگائی کہ ہو مسمّٰی ایسا مال جس کا وسط معلوم ہو رعایت کرتے ہوئے

لِلْجَانِبَيْنِ، وَذٰلِكَ عِنْدَ إِعْلَامِ الْجِنْسِ؛ لِأَنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَى الْجَيِّدِ وَالرَّدِيءِ وَالْوَسَطُ ذُو حَظٍّ مِنْهُمَا
جانبین کی، اور یہ شرط ہوگی جنس کے معلوم ہونے کے وقت؛ کیونکہ جنس مشتمل ہوتی ہے جید اور ردی پر اور وسط حصہ پانے والا ہے دونوں سے

بِخِلَافِ جَهَالَةِ الْجِنْسِ؛ لِأَنَّهُ لَا وَسَطَ لَهُ لِاخْتِلَافِ مَعَانِي الْأَجْنَاسِ {4} وَبِخِلَافِ الْبَيْعِ؛ لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى الْمُضَايَقَةِ
بخلاف جہالتِ جنس کے؛ کیونکہ وسط نہیں اس کے لیے بوجہ مختلف ہونے اغراضِ اجناس کے، اور بخلاف بیع کے؛ کیونکہ اس کی بنیاد تنگی

وَالْمُمَاكَسَةِ، أَمَّا النِّكَاحُ فَمَبْنَاهُ عَلَى الْمُسَامَحَةِ، {5} وَإِنَّمَا يَتَخَيَّرُ؛ لِأَنَّ الْوَسَطَ لَا يُعْرَفُ إِلَّا بِالْقِيمَةِ فَصَارَتْ
اور ٹال مٹول پر ہے، بہرحال نکاح تو اس کی بنیاد چشم پوشی پر ہے، اور شوہر کو اختیار ہوگا؛ کیونکہ وسط معلوم نہ ہوگا مگر قیمت سے پس قیمت ہوگی

أَصْلًا فِي حَقِّ الْإِيفَاءِ، وَالْعَبْدُ أَصْلٌ تَسْمِيَةً فَيَتَخَيَّرُ بَيْنَهُمَا. {6} وَإِنْ تَزَوَّجَهَا
اصل ادائیگی کے حق میں اور غلام اصل ہے تسمیہ کے اعتبار سے پس شوہر کو اختیار ہوگا دونوں کے درمیان۔ اور اگر نکاح کیا عورت سے

عَلَى ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوفٍ فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ وَمَعْنَاهُ : ذَكَرَ الثَّوْبَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهِ وَوَجْهُهُ أَنَّ هَذِهِ
غیر موصوف کپڑے پر، تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ ذکر کیا کپڑا اور اضافہ نہیں کیا اس پر، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ

جَهَالَةُ الْجِنْسِ إِذِ الثِّيَابُ أَجْنَاسٌ وَلَوْ سَمَّى جِنْسًا بِأَنْ قَالَ هَرَوِيٌّ يَصِحُّ التَّسْمِيَةُ
جہالت جنس ہے؛ کیونکہ کپڑے مختلف اجناس کے ہوتے ہیں، اور اگر ذکر کی جنس یوں کہ کہا کہ ہروی کپڑا تو صحیح ہے تسمیہ

وَيُخَيَّرُ الزَّوْجُ لِمَا بَيَّنَّا ،{۷}وَكَذَا إِذَا بَالَغَ فِي وَصْفِ الثَّوْبِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ؛
اور اختیار دیا جائے گا زوج کو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور یہی حکم ہے جب خوب بیان کرے وصفِ کپڑا ظاہر الروایۃ میں

لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ،{۸}وَكَذَا إِذَا سَمَّى مَكِيلًا أَوْ مَوْزُونًا وَسَمَّى جِنْسَهُ دُونَ صِفَتِهِ
کیونکہ کپڑا نہیں ہے ذوات الامثال میں سے، اور یہی حکم ہے جب بیان کرے مکیلی یا موزونی چیز اور ذکر کرے اس کی جنس نہ کہ اس کی صفت

وَإِنْ سَمَّى جِنْسَهُ وَصِفَتَهُ لَا يُخَيَّرُ لِأَنَّ الْمَوْصُوفَ مِنْهُمَا يَثْبُتُ فِي الذِّمَّةِ ثُبُوتًا صَحِيحًا
اور اگر ذکر کی اس کی جنس اور اس کی صفت تو شوہر کو اختیار نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ موصوف ان دونوں کا ثابت ہوتا ہے ذمہ میں ثبوتِ صحیح کے ساتھ۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حیوان کو مہر مقرر کرنے کی دو صورتوں کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ،اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر۵ میں ایک سوال کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر۶،۷ میں کپڑا مہر مقرر کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر۸ میں مکیلی یا موزونی چیز کو مہر بنانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} اگر کسی نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر ایک ایسا حیوان مقرر کیا جس کا وصف بیان نہیں کیا کہ اعلیٰ درجہ کا حیوان ہوگا یا اوسط یا ادنیٰ درجہ کا، تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہے اور زوج کو اختیار ہے چاہے تو متوسط درجہ کا حیوان دے اور چاہے تو متوسط درجہ کے حیوان کی قیمت دے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ حیوان کی جنس کو تو بیان کردے کہ گھوڑا ہے یا گدھا (یہاں جنس سے مراد نوع منطقی ہے؛ کیونکہ گھوڑا، گدھا انواع ہیں)، مگر اس کا وصف بیان نہ کرے کہ ادنیٰ ہے، اوسط ہے یا اعلیٰ، تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہے، اور اگر حیوان کی جنس ہی بیان نہ کی مثلاً عورت سے نکاح کیا ایک جانور پر، تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح نہیں، لہٰذا اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

{۲} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں تسمیہ صحیح نہیں؛ کیونکہ ان کے نزدیک جو چیز بیع میں ثمن نہیں بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر مسمّٰی نہیں بن سکتی ہے، چونکہ ایسا حیوان جس کا وصف بیان نہ کیا گیا ہو مجہول ہوتا ہے اس لیے بیع میں اسے ثمن

مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے، اور جب بیع میں ثمن نہیں بن سکتا ہے تو نکاح میں مہر مسمّٰی بھی نہیں بن سکتا، اور عقدِ نکاح کو عقدِ بیع پر قیاس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک عقدِ معاوضہ ہے۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح معاوضۂ مال بغیر مال ہے؛ کیونکہ شوہر کی طرف سے مہر بے شک مال ہے مگر عورت کی جانب سے منافع بضع غیر مال ہے، پس ہم نے اسے ابتداءً اپنے ذمہ بلا کسی موجِب مال لازم کرنا قرار دیا، اور التزام مال مطلق جہالت سے فاسد نہیں ہوتا ہے جیسا کہ دیت میں سو غیر موصوف اونٹ کو مقرر کیا جائے تو یہ جہالتِ وصف کے باوجود صحیح ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص دوسرے کے لیے اپنے اوپر غیر موصوف بکری کا اقرار کرلے کہ فلاں کا میرے ذمہ بکری ہے اور بکری کا وصف بیان نہ کرے تب بھی صحیح ہے، مگر چونکہ عقدِ نکاح انتہاءً معاوضہ ہے اس لیے ہم نے یہ شرط لگائی کہ مسمّٰی مال معلوم الوسط ہو تاکہ زوجین میں سے ہر ایک کی رعایت ہو سکے؛ کیونکہ وسط میں شوہر اور بیوی دونوں کی رعایت ہے، اور مسمّٰی معلوم الوسط اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس کی جنس معلوم ہو؛ کیونکہ جنس جید، ردی اور متوسط پر مشتمل ہوتی ہے جید میں فقط عورت کی رعایت ہے اور ردّی میں فقط مرد کی رعایت ہے اور وسط میں دونوں کی رعایت ہے، اور متوسط دونوں سے حصہ دار ہے یعنی ادنیٰ کی بنسبت جید ہے اور جید کی بنسبت ردی ہے اس لیے عورت کے لیے وسط حیوان ہو گا۔

بخلاف اس کے کہ جنس ہی مجہول ہو مثلاً عورت سے ایک جانور پر نکاح کرے تو یہ جہالتِ فاحشہ ہے اس لیے یہ تسمیہ صحیح نہیں؛ کیونکہ جب جنس مجہول ہو تو وسط کو مقرر کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ جانوروں کے ہزاروں اجناس ہیں اور ہر ایک کے اغراض مختلف ہیں اس لیے کسی کو بھی وسط قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

{۴} اور امام شافعیؒ کا نکاح کو بیع پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ بیع کا مدار تنگی اور مماکست (کمی کرنے) پر ہے یعنی ہر ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے اور اس کو کم از کم مال دینے کی فکر میں ہوتا ہے، جبکہ نکاح کی بنیاد چشم پوشی اور فراخ دلی پر ہوتی ہے جس میں مہر کی معمولی کمی بیشی کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے، اس لیے بیع میں معمولی جہالت برداشت نہیں کی جائے گی اور نکاح میں برداشت کی جائے گی۔

{۵} سوال یہ ہے کہ جب مہر اوسط درجہ کا فرس یا حمار ہے تو یہی لازم ہونا چاہیے کیونکہ یہی مہر مسمّٰی ہے پھر شوہر کو اس کی قیمت دینے کا اختیار کیوں دیا گیا ہے؟ جواب: شوہر کو اختیار اس لئے دیا گیا ہے کہ عام انسانوں کے لیے فرس یا حمار کا متوسط ہونا قیمت ہی سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا مہر ادا کرنے کے حق میں قیمت اصل ہے۔ اور تسمیہ کے اعتبار سے فرس یا حمار اصل ہے اس لئے کہ تسمیہ اسی پر واقع ہوا ہے۔ لہٰذا شوہر دونوں میں سے کسی بھی ایک کو اختیار کر سکتا ہے۔

{۶}اگر مرد نے عورت سے نکاح کر لیا اور مہر کپڑا مقرر کیا اور کپڑے کا وصف اور جنس کو بیان نہیں کیا بس اتنا کہا کہ کپڑا دونگا تو عورت کیلئے مہر مثل ہوگا اس لئے کہ یہاں کپڑے کی جنس مجہول ہے کیونکہ کپڑوں کی بہت سی اجناس ہیں۔اور اگر کپڑے کی جنس کو بیان کیا مثلاً کہا کہ "ہروی کپڑا دونگا" تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہے زوج کو کپڑا دینے یا قیمت دینے کا اختیار ہوگا، اور شوہر کو اختیار دینے کی وجہ وہی ہے جو اوپر ہم بیان کر چکے۔

{۷}اسی طرح اگر کپڑے کے وصف بیان کرنے میں مبالغہ کیا یعنی اس کا طول، عرض اور موٹائی وغیرہ کو بھی بیان کیا تو بھی ظاہر الروایۃ کے مطابق شوہر کو وسط کپڑے اور اس کی قیمت دینے میں اختیار ہوگا؛ کیونکہ کپڑا ذوات القیم میں سے ہے ذوات الامثال میں سے نہیں، ذوات القیم چیزوں میں بہرحال وسط چیز اور اس کی قیمت میں اختیار ہوگا، اور ذوات الامثال چیزوں میں وصف بیان کرنے کی صورت میں وسط واجب ہوگی اختیار نہ ہوگا، البتہ وصف بیان نہ کرنے کی صورت میں وسط اور قیمت میں اختیار ہوگا۔

فتوی:۔صاحبِ ہدایہؒ نے "ظاہر الروایۃ" کہہ کر احتراز کیا امام صاحبؒ سے مروی اس روایت سے جس میں کہا ہے کہ وصف بیان کرنے میں مبالغہ کرنے کی صورت میں اختیار نہ ہوگا بلکہ وسط پر مجبور کیا جائے جیسا کہ ذوات الامثال میں اختیار نہیں ہوتا ہے اور یہی امام زفرؒ سے مروی ہے اور یہی راجح ہے لما فی فتح القدیر: وَلَا يَخْفَى تَرَجُّحُ قَوْلِ زُفَرَ إذْ لَمْ يَنْدَفِعْ قَوْلُهُ إنَّ اشْتِرَاطَ الْأَجَلِ لَيْسَ مِنْ حُكْمِ ثُبُوتِهِ فِي الذِّمَّةِ وَهُوَ ظَاهِرٌ.(فتح القدیر:۳/۲۳۷)

{۸}اور اگر کسی کیلی یا موزونی چیز کو مہر بنایا اور اس کی جنس بیان کی کہ گندم ہے یا جَو ہے مگر اس کا وصف بیان نہیں کیا، تو بھی شوہر کو اس کے وسط اور اس کی قیمت میں اختیار ہوگا۔اور اگر اس کی جنس اور وصف دونوں بیان کر دیئے تو اب شوہر کو اختیار نہ ہوگا بلکہ مسمّٰی کا وسط دینا ہوگا؛ کیونکہ کیلی اور موزونی چیز کا جب وصف بھی بیان کیا جائے تو وہ دَین بن کر ذمہ میں علی الاطلاق (فی الحال اور فی المآل ہر دو اعتبار سے) ثابت ہوتی ہے برخلافِ کپڑے کے کہ وہ دَین بن کر ذمہ میں ثابت نہیں ہوتا ہے مگر بیع سلم کی صورت میں خلافِ قیاس، لہٰذا کیلی اور موزونی چیز کی قیمت سے تعیین کی ضرورت نہیں، اس لیے شوہر کو اس صورت میں ان کے وسط اور اس کی قیمت میں اختیار بھی نہ ہوگا۔

ف۔کسی شئ کے مختلف افراد میں مالیت کے اعتبار سے تفاوت نہ ہو، یا اتنا کم تفاوت ہو جس کو عام طور پر لوگ نظر انداز کرتے ہیں، وہ "مثلی" ہے یعنی ذوات الامثال میں سے ہے، اور جس کے افراد میں قابلِ لحاظ تفاوت ہو وہ "قیمی" ہے یعنی ذوات القیم میں سے ہے (قاموس الفقہ:۵/۶۱)

{۱} وَإِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ عَلَى خَمْرٍأَوْخِنْزِيرٍفَالنِّكَاحُ جَائِزٌوَلَهَامَهْرُمِثْلِهَا لِأَنَّ شَرْطَ قَبُولِ الْخَمْرِشَرْطٌ فَاسِدٌفَيَصِحُّ
اوراگر نکاح کیا مسلمان نے شراب یا خنزیر پر تو نکاح جائز ہے اور عورت کے لیے مہر مثل ہوگا؛ کیونکہ قبول خمر کی شرط شرط فاسد ہے پس صحیح ہوگا
النِّكَاحُ وَيَلْغُوالشَّرْطُ،بِخِلَافِ الْبَيْعِ؛لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ{۲}لٰكِنْ لَمْ تَصِحَّ التَّسْمِيَةُلِمَاأَنَّ الْمُسَمَّى
نکاح اور لغو ہو گی شرط، بخلاف بیع کے؛ کیونکہ وہ باطل ہوتی ہے شروطِ فاسدہ سے، لیکن صحیح نہ ہوا تسمیہ؛ کیونکہ مسمّٰی
لَيْسَ بِمَالٍ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَوَجَبَ مَهْرُالْمِثْلِ.{۳} فَإِنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةًعَلَى هٰذَاالدَّنِّ مِنَ الْخَلِّ فَإِذَا هُوَخَمْرٌ
مال نہیں مسلم کے حق میں پس واجب ہوگا مہر مثل۔ پس اگر نکاح کیا کسی عورت سے اس مٹکے پر سرکہ کے پھر دیکھا کہ وہ تو شراب ہے،
فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا : لَهَا مِثْلُ وَزْنِهِ خَلًّا
تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین رحمہما اللہ نے کہ عورت کے لیے مٹکے کے وزن کے برابر سرکہ ہوگا۔
{۴}وَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى هٰذَا الْعَبْدِ فَإِذَا هُوَ حُرٌّ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ
اوراگر نکاح کیا عورت سے اس غلام پر، پھر دیکھا کہ وہ تو آزاد ہے تو واجب ہوگا مہر مثل امام صاحب رحمہ اللہ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور فرمایا
أَبُو يُوسُفَ : تَجِبُ الْقِيمَةُ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ أَطْمَعَهَا مَالًا وَعَجَزَ عَنْ تَسْلِيمِهِ
امام ابویوسفؒ نے کہ واجب ہوگی قیمت، امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے لالچ دیا عورت کو مال کا اور عاجز ہوا اسے تسلیم کرنے سے
فَتَجِبُ قِيمَتُهُ أَوْ مِثْلُهُ إِنْ كَانَ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ كَمَاإِذَاهَلَكَ الْعَبْدُالْمُسَمَّى قَبْلَ التَّسْلِيمِ
پس واجب ہوگی اس کی قیمت یا اس کا مثل اگر ہو ذوات الامثال میں سے جیسا کہ جب ہلاک ہو جائے مسمّٰی غلام تسلیم سے پہلے۔
{۵}وَأَبُوحَنِيفَةَ يَقُولُ:اِجْتَمَعَتِ الْإِشَارَةُ وَالتَّسْمِيَةُفَتُعْتَبَرُ الْإِشَارَةُ لِكَوْنِهَا أَبْلَغَ فِي الْمَقْصُودِ وَهُوَ التَّعْرِيفُ
اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمع ہوگئے اشارہ اور تسمیہ پس اعتبار کیا جائے گا اشارہ کا کیونکہ اشارہ ابلغ ہے مقصود میں اور وہ تعریف ہے
فَكَأَنَّهُ تَزَوَّجَ عَلَى خَمْرٍأَوْحُرٍّ.{۶}وَمُحَمَّدٌيَقُولُ:الْأَصْلُ أَنَّ الْمُسَمَّى إِذَاكَانَ مِنْ جِنْسِ الْمُشَارِ إِلَيْهِ يَتَعَلَّقُ
پس گویا اس نے نکاح کیا خمر یا آزاد پر، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصل یہ ہے کہ مسمّٰی جب ہو جنس مشارالیہ سے تو متعلق ہوگا
الْعَقْدُ بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الْمُسَمَّى مَوْجُودٌ فِي الْمُشَارِ إِلَيْهِ ذَاتًا ،وَالْوَصْفُ يَتْبَعُهُ{۷}وَإِنْ كَانَ
عقد مشارالیہ کے ساتھ؛ کیونکہ مسمّٰی موجود ہے مشارالیہ میں ذات کے اعتبار سے اور وصف تابع ہوتا ہے ذات کا، اوراگر مسمّٰی ہو
مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ يَتَعَلَّقُ بِالْمُسَمَّى؛لِأَنَّ الْمُسَمَّى مِثْلٌ لِلْمُشَارِإِلَيْهِ وَلَيْسَ بِتَابِعٍ لَهُ،وَالتَّسْمِيَةُأَبْلَغُ فِي التَّعْرِيفِ
مشارالیہ کی جنس کے خلاف، تو مسمّٰی کے ساتھ متعلق ہوگا؛ کیونکہ مسمّٰی مثل ہے مشارالیہ کا اور نہیں ہے تابع اس کا، اور تسمیہ ابلغ ہے تعریف میں
مِنْ حَيْثُ إِنَّهَاتُعَرِّفُ الْمَاهِيَّةَ ، وَالْإِشَارَةُ تُعَرِّفُ الذَّاتَ ،{۸}أَلَا تَرَى أَنَّ مَنِ اشْتَرَى فَصًّا عَلَى أَنَّهُ يَاقُوتٌ

کیونکہ وہ تعارف کراتا ہے ماہیت کا، اور اشارہ تعارف کراتا ہے ذات کا کیا آپ نہیں دیکھتا کہ جو شخص خرید لے نگینہ اس شرط پر کہ وہ یاقوت ہے

فَإِذَا هُوَ زُجَاجٌ لَا يَنْعَقِدُ الْعَقْدُ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ ، وَلَوِ اشْتَرَى عَلَى أَنَّهُ يَاقُوتٌ أَحْمَرُ فَإِذَا هُوَ

پھر دیکھا کہ وہ شیشہ ہے تو منعقد نہ ہو گا عقد اختلافِ جنس کی وجہ سے اور اگر خرید لیا اس شرط پر کہ وہ یاقوتِ احمر ہے پھر دیکھا کہ وہ

أَخْضَرُ يَنْعَقِدُ الْعَقْدُ لِاتِّحَادِ الْجِنْسِ . {۹} وَفِي مَسْأَلَتِنَا الْعَبْدُ مَعَ الْحُرِّ جِنْسٌ وَاحِدٌ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ

یاقوتِ اخضر ہے تو منعقد ہو گا عقد اتحادِ جنس کی وجہ سے، اور ہمارے مسئلہ میں غلام آزاد کے ساتھ ایک جنس ہے قلتِ تفاوت کی وجہ سے

فِي الْمَنَافِعِ ، وَالْخَمْرُ مَعَ الْخَلِّ جِنْسَانِ لِفُحْشِ التَّفَاوُتِ فِي الْمَقَاصِدِ .

منافع میں، اور شراب سرکہ کے ساتھ دو جنس ہیں زیادہ تفاوت کی وجہ سے مقاصد میں۔

خلاصہ: مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مسلمان مرد کا شراب یا خنزیر پر نکاح کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ تا ۷ میں سرکہ کے مٹکہ یا کسی شخص کی طرف اشارہ کرکے اسے مہر مقرر کرنے اور بعد میں وہ شراب یا شخص آزاد نکل آنے کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں امام محمدؒ کے اصول پر ایک تفریع ذکر کی ہے، اور نمبر ۹ میں امام محمدؒ کے اصول کے مطابق مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔

تشریح:- {۱} اگر مسلمان مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر شراب یا خنزیر کو مقرر کیا، تو یہ نکاح صحیح ہے۔ اور عورت کیلئے اس صورت میں مہر مثل ہو گا؛ کیونکہ جب شوہر نے کہا "کہ میں نے تجھ سے خمر پر نکاح کیا" تو گویا شوہر نے قبولیتِ خمر کی شرط لگائی اور قبولیتِ خمر کی شرط، شرطِ فاسد ہے، اور قاعدہ ہے کہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا ہے بلکہ خود شرطِ فاسد باطل ہو جاتی ہے اس لیے مذکورہ صورت میں نکاح صحیح ہے۔

برخلافِ بیع کے کہ وہ شروطِ فاسدہ سے باطل ہو جاتی ہے؛ کیونکہ شرطِ فاسد بیع میں موجبِ ربا ہے اس لیے کہ شرطِ فاسد احد الجانبین میں ایسی زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہے اس لیے یہ موجبِ ربا ہے جبکہ نکاح میں ربا نہیں اس لیے شرطِ فاسد رکنِ عقد میں مؤثر نہ ہو گی بلکہ خود شرطِ فاسد لغو ہو گی، پس اگر کسی نے بیع میں ثمن خمر یا خنزیر کو بنایا تو بیع باطل ہو جائے گی۔

{۲} بہرحال مذکورہ بالا صورت میں نکاح صحیح ہے مگر تسمیۂ مہر صحیح نہیں؛ کیونکہ مسمّٰی (خمر اور خنزیر) مسلمان کے حق میں مال متقوم (ذی قیمت) نہیں اور غیر مال کا ذکر ایسا ہے گویا کہ وہ ذکرِ مہر سے ساکت ہے اور بصورتِ سکوت مہر مثل واجب ہوتا ہے، لہٰذا غیر مال ذکر کرنے کی صورت میں بھی مہر مثل واجب ہو گا۔

ف:۔ امام مالکؒ کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں نکاح ہی فاسد ہو جاتا ہے، امام مالکؒ نکاح کو بیع پر قیاس کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کو جواب یہ ہے کہ نکاح کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ بیع شرطِ فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے جبکہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

{۳} اگر مرد نے عورت سے نکاح کیا اور بوقتِ نکاح شوہر نے سرکہ کے مٹکہ کی طرف اشارہ کرکے کہا "کہ میں نے تم سے سرکہ کے اس مٹکہ پر نکاح کیا" جبکہ وہ سرکہ نہیں تھا بلکہ شراب تھی، تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے اس شراب کا ہم وزن سرکہ ہوگا۔

{۴} اور اگر مرد نے عورت کے ساتھ نکاح کیا اور بوقتِ نکاح شوہر نے کسی شخص کی طرف اشارہ کرکے کہا "کہ میں نے تم سے اس غلام پر نکاح کیا" جبکہ مشارالیہ غلام نہیں تھا بلکہ آزاد شخص تھا، تو اس صورت میں امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس آزاد کو غلام فرض کرکے جو قیمت اس کی ہوگی وہ واجب ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے عورت کو ایک مال کا لالچ دیا لیکن اب اس مال کے تسلیم کرنے سے عاجز ہے، تو اگر وہ مال ذوات القیم میں سے ہے جیسا کہ "ھذا العبد" کہنے کی صورت میں تو اس کی قیمت واجب ہوگی، اور اگر ذوات الامثال میں سے ہے جیسا کہ " ھذا الدن" کہنے کی صورت میں تو اس کا مثل واجب ہوگا، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ غلام بطور مہر مقرر کیا ہو، مگر عورت کو تسلیم کرنے سے پہلے وہ غلام مر گیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی، اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی قیمت واجب ہوگی۔

{۵} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ "ھذا العبد او ھذا الدن" میں اشارہ (یعنی ہذا) اور تسمیہ (یعنی عبد یا الدن) دونوں جمع ہو گئے ہیں اور جہاں یہ دونوں جمع ہو جائیں تو اشارہ معتبر ہوتا ہے کیونکہ اشارہ مقصود میں ابلغ ہے تسمیہ سے اور مقصود شیٔ کی تعریف اور اغیار سے امتیاز دینا ہے، اس لیے کہ اشارہ ایسا ہے جیسا کہ کسی چیز پر ہاتھ رکھنا جس میں غیر کا کوئی احتمال نہیں رہتا، برخلاف نام کے کہ اس میں غیر موضوع لہ معنی مراد ہو سکتا ہے، پس جب اشارہ معتبر ہے تو گویا نکاح شراب پر کیا یا آزاد پر، اور جب شوہر شراب یا آزاد کو مہر مقرر کر دے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔

{۶} امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں تو اگر مشارالیہ اور مسمّٰی کی جنس ایک ہو جیسا کہ آزاد اور غلام کی جنس ایک ہے تو عقد مشارالیہ کے ساتھ متعلق ہوگا، لہٰذا نکاح آزاد پر ہوا ہے اور آزاد شخص کو بطورِ مہر مقرر کر دینے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، اس لیے ہم نے کہا کہ مذکورہ صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ باقی عقد کا مشارالیہ کے ساتھ متعلق ہونا اور مسمّٰی کے ساتھ متعلق نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مسمّٰی (غلام) مشارالیہ (آزاد) کے علاوہ کسی اور ماہیت پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ صفتِ غلامی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا مسمّٰی (غلام) اور مشارالیہ (آزاد) میں اتحاد ہونے کی وجہ سے مسمّٰی مشارالیہ میں موجود ہوا

اور مسمّٰی کا وصفِ غلامی ذاتِ مسمّٰی کا تابع ہے، اور تابع کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، لہٰذا عقد مشارالیہ (آزاد) پر ہوا ہے اور آزاد پر واقع عقد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

{۷}اور اگر مشارالیہ اور مسمّٰی کی جنس ایک نہ ہو جیسا کہ سرکہ اور شراب، تو عقد مسمّٰی کے ساتھ متعلق ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں تسمیہ مشارالیہ کے خلاف دوسری ماہیت پر دلالت کرتا ہے لہٰذا مسمّٰی مراد ہونے میں مشارالیہ کا مثل ہوگا اور ایک مثل دوسرے مثل کا تابع نہیں ہوتا ہے اس لیے مسمّٰی مشارالیہ کا تابع نہ ہوگا، اور اختلافِ جنس کی صورت میں تسمیہ تعریف میں ابلغ ہے اشارہ سے؛ کیونکہ تسمیہ پوری ماہیت کی شناخت کراتا ہے اور اشارہ حقیقت پر دلالت کئے بغیر ایک خاص ذات کی شناخت کراتا ہے اور ماہیت کی شناخت اولیٰ ہے ذات کی شناخت سے، پس عقد کا تعلق مسمّٰی کے ساتھ ہوگا اور مسمّٰی سرکہ ہے لہٰذا شراب کے وزن کے بقدر سرکہ لازم ہوگا۔

{۸}صاحبِ ہدایہؒ نے امام محمدؒ کے اصول پر تفریع بیان فرمائی ہے کہ کسی نے نگینہ خریدا اس شرط پر کہ یاقوت ہے، پھر جب دیکھا کہ وہ تو شیشہ ہے، تو یہ عقد منعقد نہ ہوگا؛ کیونکہ یاقوت اور شیشہ کی جنس مختلف ہے لہٰذا عقد کا تعلق مسمّٰی (یاقوت) سے ہوگا اور مسمّٰی یہاں معدوم ہے اور معدوم مبیع کی بیع باطل ہوتی ہے اس لیے اس صورت میں عقدِ بیع منعقد نہ ہوگا۔ اور اگر نگینہ اس شرط پر خریدا کہ سرخ یاقوت ہے، پھر دیکھا کہ وہ تو سبز یاقوت ہے، تو عقد منعقد ہو جائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں مسمّٰی (سرخ یاقوت) اور مشارالیہ (سبز یاقوت) کی جنس ایک ہے اور اتحادِ جنس کی صورت میں عقد کا تعلق مشارالیہ (سبز یاقوت) کے ساتھ ہوتا ہے اور مشارالیہ معدوم نہیں موجود ہے اس لیے عقد منعقد ہو جائے گا، البتہ وصفِ مرغوب (یاقوت کا سرخ ہونا) نہیں پایا گیا اس لیے مشتری کو یہ بیع قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

{۹}پس متن کے مسئلہ میں غلام اور آزاد کی جنس ایک ہے؛ کیونکہ ان کے منافع میں تفاوت کم ہے، لہٰذا اعتبار مشارالیہ (آزاد) کا ہوگا اور مشارالیہ مال نہیں اس لیے مہر مثل واجب ہوگا، اور سرکہ اور شراب دو مختلف جنس ہیں؛ کیونکہ ان کے مقاصد میں بہت زیادہ تفاوت ہے، اور اختلافِ جنس کی صورت میں عقد کا تعلق مسمّٰی کے ساتھ ہوتا ہے اور مسمّٰی (سرکہ) مال ہے مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، مگر موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تسلیم سے مرد عاجز ہے، اور قاعدہ ہے کہ مہر مسمّٰی کی تسلیم سے عجز کی صورت میں اگر وہ ذوات الامثال میں سے ہو تو اس کا مثل دینا واجب ہوتا ہے، لہٰذا شراب کے وزن کے بقدر سرکہ لازم ہوگا۔

فتویٰ:۔ صاحبِ ہدایہؒ نے امام محمدؒ کے قول اور اس کی دلیل کو مؤخر کر کے ذکر کیا ہے اور اس کا جواب بھی نہیں دیا ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ صاحبِ ہدایہؒ کے نزدیک امام محمدؒ کا قول راجح ہے؛ کیونکہ صاحبِ ہدایہؒ کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے نزدیک راجح قول کو اخیر میں

جواب دئے بغیر ذکر کرتے ہیں وقال الشیخ عبد الحکیم الشہید: ولم اره من یتعرض للترجیح غیر الله ان الکفایة ان ظاهر الهدایة هو الترجیح لقول محمد (هامش الهدایة:۲/۳۱۱)

﴿۱﴾ فَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى هَذَيْنِ الْعَبْدَيْنِ فَإِذَا أَحَدُهُمَا حُرٌّ فَلَيْسَ لَهَا إِلَّا الْبَاقِي إِذَا سَاوَى عَشَرَةَ دَرَاهِمَ

پس اگر نکاح کیا کسی عورت سے ان دو غلاموں پر پھر دیکھا کہ ایک حر ہے تو نہ ہوگا اس کے لیے مگر باقی جبکہ وہ برابر ہو دس دراہم کے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ مُسَمًّى، وَوُجُوبُ الْمُسَمَّى وَإِنْ قَلَّ يَمْنَعُ وُجُوبَ مَهْرِ الْمِثْلِ ﴿۲﴾ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک؛ کیونکہ یہی مسمّٰی ہے، اور وجوبِ مسمّٰی اگرچہ کم ہو مانع ہے وجوب مہر مثل کے لیے، اور فرمایا امام ابویوسف رحمۃ اللہ نے

لَهَا الْعَبْدُ وَقِيمَةُ الْحُرِّ لَوْ كَانَ عَبْدًا؛ لِأَنَّهُ أَطْمَعَهَا سَلَامَةَ الْعَبْدَيْنِ وَعَجَزَ عَنْ تَسْلِيمِ أَحَدِهِمَا

عورت کے لیے غلام ہے اور حر کی قیمت ہے اگر وہ ہوتا غلام؛ کیونکہ اس نے لالچ دیا عورت کو سالم دو غلاموں کا اور عاجز ہوا ایک کی تسلیم سے

فَتَجِبُ قِيمَتُهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لَهَا الْعَبْدُ الْبَاقِي وَتَمَامُ

پس واجب ہوگی اس کی قیمت، اور فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ نے اور یہی ایک روایت ہے امام صاحبؒ سے کہ عورت کے لیے باقی غلام ہے اور پورا

مَهْرِ مِثْلِهَا إِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ؛ لِأَنَّهُمَا لَوْ كَانَا حُرَّيْنِ يَجِبُ تَمَامُ مَهْرِ الْمِثْلِ عِنْدَهُ

مہر مثل تک اگر ہو مہر مثل زیادہ غلام کی قیمت سے؛ کیونکہ اگر یہ دونوں حر ہوتے تو واجب ہوتا پورا مہر مثل امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک،

فَإِذَا كَانَ أَحَدُهُمَا عَبْدًا يَجِبُ الْعَبْدُ وَتَمَامُ مَهْرِ الْمِثْلِ. ﴿۳﴾ وَإِذَا فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ

پس جب ایک دونوں میں سے غلام ہے تو واجب ہوگا غلام تمام مہر مثل تک۔ اور جب تفریق کردے قاضی زوجین کے درمیان نکاح فاسد میں

قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا؛ لِأَنَّ الْمَهْرَ فِيهِ لَا يَجِبُ بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ لِفَسَادِهِ، وَإِنَّمَا يَجِبُ

دخول سے پہلے تو مہر نہیں اس کے لیے؛ کیونکہ مہر نکاح فاسد میں واجب نہیں ہوتا ہے محض عقد سے فسادِ عقد کی وجہ سے، بلکہ واجب ہوتا ہے

بِاسْتِيفَاءِ مَنَافِعِ الْبُضْعِ وَكَذَا بَعْدَ الْخَلْوَةِ؛ لِأَنَّ الْخَلْوَةَ فِيهِ لَا يَثْبُتُ بِهَا التَّمَكُّنُ

منافع بضع حاصل کرنے سے، اور یہی حکم خلوت کے بعد بھی ہے؛ کیونکہ خلوت سے نکاح فاسد میں ثابت نہیں ہوتی قدرت علی الوطی

فَلَا تُقَامُ مَقَامَ الْوَطْءِ ﴿۴﴾ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا لَا يُزَادُ عَلَى الْمُسَمَّى عِنْدَنَا

پس قائم مقام نہ ہوگی وطی کی۔ پھر اگر دخول کیا عورت کے ساتھ تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا جو زائد نہ ہوگا مسمّٰی سے ہمارے نزدیک

خِلَافًا لِزُفَرَ هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالْبَيْعِ الْفَاسِدِ. ﴿۵﴾ وَلَنَا أَنَّ الْمُسْتَوْفَى لَيْسَ بِمَالٍ وَإِنَّمَا يَتَقَوَّمُ بِالتَّسْمِيَةِ

اختلاف ہے امام زفرؒ کا وہ قیاس کرتے ہیں اس کو بیع فاسد پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حاصل کردہ چیز مال نہیں، اور وہ متقوم ہوتی ہے

فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مَهْرِ الْمِثْلِ لَمْ تَجِبِ الزِّيَادَةُ لِعَدَمِ صِحَّةِ التَّسْمِيَةِ، وَإِنْ نَقَصَتْ لَمْ تَجِبْ

بھی کی وجہ سے، پس اگر بڑھ جائے تسمیہ مہر مثل پر تو واجب نہ ہوگی زیادتی عدم صحت تسمیہ کی وجہ سے، اور اگر کم ہو تو واجب نہ ہوگا

زِيَادَةُ عَلَى الْمُسَمَّى لِانْعِدَامِ التَّسْمِيَةِ . ﴿۶﴾ بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فِي نَفْسِهِ فَيَتَقَدَّرُ بَدَلُهُ بِقِيمَتِهِ

مسمی سے تسمیہ نہ ہونے کی وجہ سے، بخلاف بیع کے؛ کیونکہ وہ مال متقوم ہے فی نفسہ، پس اندازہ ہوگا اس کے بدل کا اس کی قیمت سے

﴿۷﴾ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ إِلْحَاقًا لِلشُّبْهَةِ بِالْحَقِيقَةِ فِي مَوْضِعِ الِاحْتِيَاطِ وَتَحَرُّزًا عَنِ اشْتِبَاهِ النَّسَبِ . ﴿۸﴾ وَيُعْتَبَرُ

اور عورت پر عدت ہے لاحق کرتے ہوئے شبہ کو حقیقت کے ساتھ مقام احتیاط میں اور بچنے کے لیے اشتباہ نسب سے، اور معتبر ہوگی

ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ التَّفْرِيقِ لَا مِنْ آخِرِ الْوَطَآتِ هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّهَا تَجِبُ بِاعْتِبَارِ شُبْهَةِ النِّكَاحِ وَرَفْعُهَا

اس کی ابتداء وقت تفریق سے نہ کہ آخری وطی سے، یہی صحیح ہے؛ کیونکہ عدت واجب ہوتی ہے شبہ نکاح معتبر ماننے سے اور اس کا رفع

بِالتَّفْرِيقِ . وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا ؛ لِأَنَّ النَّسَبَ يُحْتَاطُ فِي إِثْبَاتِهِ إِحْيَاءً لِلْوَلَدِ

تفریق سے ہوتا ہے، اور ثابت ہوگا نسب اس کے بچے کا؛ کیونکہ احتیاط کی جاتی ہے نسب کے اثبات میں بچے کو زندہ رکھنے کے لیے

فَيَتَرَتَّبُ عَلَى الثَّابِتِ مِنْ وَجْهٍ . ﴿۹﴾ وَتُعْتَبَرُ مُدَّةُ النَّسَبِ مِنْ وَقْتِ الدُّخُولِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى ، لِأَنَّ

پس مرتب ہوگا من وجہ ثابت نکاح پر اور اعتبار ہوگا مدت نسب کا دخول کے وقت سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اور اسی پر فتوی ہے؛ کیونکہ

النِّكَاحَ الْفَاسِدَ لَيْسَ بِدَاعٍ إِلَيْهِ ، وَالْإِقَامَةُ بِاعْتِبَارِهِ .

نکاح فاسد داعی نہیں وطی کا جبکہ نکاح کا قائم مقام وطی ہونا اسی اعتبار سے تھا۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں دو غلاموں کی طرف اشارہ کرکے نکاح کرنے اور ان میں سے ایک کا آزاد نکل آنے کی صورت میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور ۳ تا ۵ میں نکاح فاسد کی صورت میں قبل الوطی قاضی کی تفریق کی صورت کے لیے مہر نہ ہونے کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور بعد الوطی قاضی کی تفریق سے ہمارے نزدیک ایک شرط کے ساتھ مہر مثل کا وجوب اور امام زفرؒ کے نزدیک مطلقاً مہر مثل کا وجوب ذکر کیا ہے اور ہر ایک فریق کی دلیل اور نمبر ۶ میں امام زفرؒ کی دلیل کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۷ میں نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت پر وجوب عدت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ میں عدت کی ابتداء میں جمہور اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور ساتھ نے ثبوت نسب اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۹ میں ثبوت نسب کے وقت میں امام محمدؒ اور شیخینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر شوہر نے دو غلاموں کی طرف اشارہ کرکے عورت سے کہا "کہ میں نے تجھ سے ان دو غلاموں پر نکاح کرلیا" حالانکہ ان میں سے ایک آزاد ہے اور دوسرا غلام ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے جو باقی (یعنی غلام) ہے اگر اس کی

قیمت دس درہم کے برابر یا زیادہ ہے تو صرف یہی غلام بطورِ مہر واجب ہوگا؛ کیونکہ اشارہ اور تسمیہ جب جمع ہو جائیں تو اشارہ معتبر ہوتا ہے اور اشارہ آزاد کو عقد سے خارج کر دیتا ہے؛ کیونکہ آزاد میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں، لہذا مسمّٰی فقط غلام ہے اور مسمّٰی وجوبِ مہر مثل کے لیے مانع ہوتا ہے اگرچہ مسمّٰی کم ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ مسمّٰی اور مہر مثل جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

{۲} امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو غلام ہے وہ تو واجب ہے اور جو آزاد ہے اس کو غلام فرض کر کے اس کی جو قیمت ہوگی وہ بھی شوہر پر واجب ہوگی؛ کیونکہ شوہر نے عورت کو دو سالم غلاموں کا لالچ دیا، مگر پھر ان دونوں میں سے ایک کی تسلیم سے عاجز ہو گیا، لہذا اس ایک کی قیمت واجب ہوگی۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک عورت کے لیے باقی غلام واجب ہے تمام مہر مثل تک یعنی اگر مہر مثل غلام کی قیمت سے زائد ہے تو مہر مثل مکمل کیا جائے گا مثلاً غلام کی قیمت ہزار درہم ہے اور مہر مثل پندرہ سو ہے تو شوہر کے ذمہ غلام کے علاوہ پانچ سو درہم لازم ہوں گے، اور یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے بھی ہے، امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ دونوں آزاد ہوتے تو مکمل مہر مثل واجب ہوتا پس جب ایک غلام ہے تو غلام واجب ہوگا تمام مہر مثل تک؛ کیونکہ فقط غلام پر عورت راضی نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لماقال العلامة ابن عابدین في الشامية تحت(قَوْله وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ)، وَالْمُتُونُ عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ، وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ الْخَانِيَّةِ أَنَّهُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ(ردّالمحتار: ۲/ ۳۸۰)

{۳} اگر کسی نے نکاح فاسد (نکاح فاسد وہ ہے جس میں نکاح کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے مثلاً گواہ نہ ہوں یا اختین کو جمع کر دیا ہو یا پہلے سے مرد کی چار بیویاں موجود ہوں) کیا، پھر قاضی نے زوجین کے درمیان تفریق کر دی تو اگر یہ تفریق قبل الوطی ہو تو عورت کے لئے مہر نہیں؛ کیونکہ نکاح فاسد میں فقط عقد سے مہر واجب نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ عقد تو فاسد ہے، بلکہ مہر منافع بضع کے وصول کرنے سے واجب ہوتا ہے، اور منافع بضع زوج نے حاصل نہیں کئے ہیں اس لیے مہر واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح نکاح فاسد کی صورت میں خلوۃ سے بھی مہر واجب نہیں ہوتا؛ کیونکہ خلوتِ صحیحہ سے مہر اس وقت واجب ہوتا ہے کہ خلوت وطی کے قائم مقام ہو جبکہ نکاح فاسد میں خلوت سے وطی پر قدرت حاصل نہیں ہوتی ہے کیونکہ فسادِ نکاح کی وجہ سے وطی حرام ہے، لہذا یہ خلوت وطی کی قائم مقام نہ ہوگی، اس لیے مہر بھی واجب نہ ہوگا۔

{۴} البتہ اگر مرد نے اس کے ساتھ دخول (وطی) کیا ہو پھر قاضی نے دونوں میں تفریق کر دی، تو ہمارے نزدیک عورت کے لیے مہر مثل ہوگا؛ کیونکہ وطی ضمان جابر یا حدِ زاجر سے خالی نہیں ہوتی، حد تو شبہ کی وجہ سے متعذر ہے لہذا مہر مثل متعین ہے۔ مگر یہ مہر مثل ہمارے نزدیک مہر مسمّٰی سے زائد نہ ہوگا، جبکہ امام زفرؒ کے نزدیک مطلقاً مہر مثل واجب ہے خواہ مسمّٰی سے کم ہو یا زیادہ۔ امام زفرؒ

نکاحِ فاسد کو بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح کہ بیع فاسد میں قیمت واجب ہوتی ہے خواہ قیمت عاقدین کے مقرر کردہ ثمن سے کم ہو یا زیادہ ہو مثلاً بائع نے سو درہم میں بیع فاسد کے ساتھ غلام فروخت کیا اور مشتری نے اسے قبض کر کے تلف کر دیا تو بائع کے لیے غلام کی قیمت ہو گی خواہ ثمن سے کم ہو یا زیادہ، اسی طرح نکاح میں مہر مثل واجب ہو گا خواہ مسمّٰی سے کم ہو یا زیادہ۔

{۵} ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے جو منافع بضع حاصل کئے ہیں وہ مال نہیں، البتہ نکاح کے وقت مہر کے ذکر سے وہ متقوّم (ذی قیمت) ہو گئے، پس جب مہر مثل سے تسمیہ زیادہ ہو گیا تو وہ زیادتی واجب نہ ہو گی؛ کیونکہ نکاح فاسد کے ضمن میں پایا جانے والا تسمیہ حکماً غیر صحیح اور معدوم شمار ہوتا ہے، لہٰذا موجَبِ اصلی (مہر مثل) سے زائد کا اعتبار نہ ہو گا۔ اور اگر تسمیہ مہر مثل سے کم ہو تو مسمّٰی سے زیادہ واجب نہ ہو گا؛ کیونکہ مسمّٰی سے زیادہ کا بوقتِ عقد ذکر نہیں کیا گیا ہے، تو گویا عورت اپنے حق کو کم کرنے پر خود راضی ہو گئی ہے جس کا اسے اختیار بھی ہے اس لیے مسمّٰی سے زیادہ واجب نہ ہو گا۔

{۶} برخلافِ بیع فاسد کے کہ اس میں مبیع کی قیمت جتنی بھی ہو وہی دینی ہو گی؛ کیونکہ مبیع فی نفسہ مال ہے، پس اس کے بدل کا اندازہ اس کی قیمت سے لگایا جائے گا خواہ وہ جتنی بھی ہو، لہٰذا امام زفرؒ کا بیع فاسد پر نکاح فاسد کو قیاس کرنا درست نہیں۔

{۷} اور نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت پر عدت واجب ہو گی؛ کیونکہ نکاح فاسد میں شبہہ نکاح پایا جاتا ہے اور محلِ احتیاط میں شبہہ نکاح کو حقیقتِ نکاح کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے، تاکہ اگر عورت حاملہ ہو تو اشتباہِ نسب سے بچا جائے، اور نسب ایسا امر ہے جس کو ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے کیونکہ ثبوتِ نسب میں احیاءِ ولد ہے کہ اس کو تربیت کرنے والا ملے گا لہٰذا نسب ثابت ہو گا پس نسب کی حفاظت کے لئے عدت بھی واجب ہو گی۔

{۸} اور نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء تفریق کے وقت سے ہو گی نہ کہ آخری وطی سے یہی صحیح ہے، جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخری وطی سے ابتداء ہو گی، پس اگر آخری وطی کے بعد سے تفریق کے وقت تک تین حیض گذر گئے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کی عدت پوری ہو گئی، اور دیگر ائمہ کے نزدیک تفریق کے بعد سے عدت شروع ہو گی۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت کا سبب وطی ہے لہٰذا آخری وطی سے اس کا اعتبار ہو گا۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نکاح فاسد میں عدت شبہہ نکاح کی وجہ سے واجب ہوتی ہے؛ کیونکہ رکن نکاح (ایجاب اور قبول) پایا گیا اور شبہہ نکاح کا ارتفاع تفریق سے ہوتا ہے اس لیے عدت کی ابتداء بھی تفریق کے وقت سے ہو گی۔

اوراگر نکاح فاسد کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو گیاتو اس کانسب مرد ناکح سے ثابت ہو گا؛ کیونکہ نسب ایسا امر ہے جس کو ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے کیونکہ ثبوتِ نسب میں احیاءِ ولد ہے کہ اس کو تربیت کرنے والا ملے گا لہذا من وجہ ثابت (نکاح فاسد) پر بھی ثبوتِ نسب مرتب ہو گا۔

{۹} پھر امام محمدؒ کے نزدیک نکاح فاسد میں نسب دخول کے وقت سے ثابت ہو گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے، اور شیخینؒ کے نزدیک نکاح کے وقت سے ثابت ہو گا، ثمرۂ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہو گا کہ نکاح فاسد کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا لیکن دخول کے وقت سے چھ ماہ کی مدت پوری نہیں ہوئی ہے، تو شیخینؒ کے نزدیک نسب ثابت ہو جائیگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ثابت نہیں ہو گا۔

شیخینؒ نکاح فاسد کو نکاحِ صحیح پر قیاس کرتے ہیں کہ نکاحِ صحیح میں مدتِ نسب نکاح کے وقت سے معتبر ہے لہذا نکاحِ فاسد میں بھی مدتِ نسب نکاح کے وقت سے معتبر ہو گی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نکاحِ صحیح میں مدتِ نسب کا اعتبار وقتِ نکاح سے اس لیے ہے کہ نکاحِ صحیح داعی وطی ہونے کی وجہ سے وطی کے قائم مقام ہے لہذا نکاح کے وقت سے مدتِ نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے، جبکہ نکاحِ فاسد میں وطی حرام ہے اس لیے نکاحِ فاسد وطی کا داعی نہیں ہے لہذا نکاحِ فاسد وطی کا قائم مقام بھی نہ ہو گا اور جب وطی کا قائم مقام نہیں تو مدتِ نسب کا اعتبار بھی اس سے نہ ہو گا۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے کما فی شرح التنویر: وَهٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَبِهِ يُفْتَى ،وَقَالَا: ابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ كَالصَّحِيحِ وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ بِأَنَّهُ أَحْوَطُ. قال ابن عابدين رحمہ اللہ: (قَوْلُهُ وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ) تَرْجِيحُهُ لَا يُعَارِضُ قَوْلَ صَاحِبِ الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهِ إنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ. (ردّالمحتار: ۲/۳۸۲)

{۱} قَالَ وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِأَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ أَعْمَامِهَا لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ : لَهَا

فرمایا: اور عورت کے مہر مثل کو قیاس کیا جائے گا اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور چچا کی بیٹیوں پر؛ کیونکہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے "عورت کے لیے

مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ فِيهِ وَلَا شَطَطَ "وَهُنَّ أَقَارِبُ الْأَبِ ،وَلِأَنَّ الْإِنْسَانَ

مہر ہے اس جیسی عورتوں کا نہ کمی ہو گی اس میں نہ زیادتی "اور وہ باپ کی قریبی عورتیں ہیں اور اس لیے کہ انسان ہوتا ہے

مِنْ جِنْسِ قَوْمِ أَبِيهِ ، وَقِيمَةُ الشَّيْءِ إنَّمَا تُعْرَفُ بِالنَّظَرِ فِي قِيمَةِ جِنْسِهِ {۲} وَلَا يُعْتَبَرُ بِأُمِّهَا

اپنے باپ کی قوم کی جنس سے، اور شی کی قیمت معلوم کی جاتی ہے اس کی جنس کی قیمت کو دیکھنے سے اور قیاس نہیں کیا جائے گا اس کی ماں

وَخَالَتِهَا إذَا لَمْ تَكُونَا مِنْ قَبِيلَتِهَا لِمَا بَيَّنَّا فَإِنْ كَانَتْ الْأُمُّ

اور اس کی خالہ کے مہر پر، جبکہ وہ دونوں نہ ہوں اس کے قبیلے سے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور اگر ہو اس کی ماں

مِنْ قَوْمِ أَبِيهَا بِأَنْ كَانَتْ بِنْتَ عَمِّهِ فَحِينَئِذٍ يُعْتَبَرُ بِمَهْرِهَا لِمَا أَنَّهَا مِنْ قَوْمِ أَبِيهَا.

اس کے باپ کی قوم سے یوں کہ ماں چچا کی بیٹی ہو باپ کی تو اس وقت قیاس کیا جائے گا اس کے مہر پر کیونکہ وہ اس کے باپ کی قوم سے ہے۔

{۳} وَيُعْتَبَرُ فِي مَهْرِ الْمِثْلِ أَنْ تَتَسَاوَى الْمَرْأَتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّينِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ؛

اور اعتبار کیا جائے گا مہر مثل میں کہ دونوں عورتیں برابر ہوں عمر، جمال، مال، عقل، دین، شہر اور زمانے میں؛

لِأَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ هَذِهِ الْأَوْصَافِ، وَكَذَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الدَّارِ وَالْعَصْرِ قَالُوا:

کیونکہ مہر مثل مختلف ہوتا ہے ان اوصاف کے اختلاف سے، اسی طرح مختلف ہوتا ہے دار اور عصر کے اختلاف سے، فقہاء نے کہا ہے

وَيُعْتَبَرُ التَّسَاوِي أَيْضًا فِي الْبَكَارَةِ؛ لِأَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِالْبَكَارَةِ وَالثُّيُوبَةِ{۴} وَإِذَا ضَمِنَ الْوَلِيُّ الْمَهْرَ صَحَّ

اور اعتبار کیا جائے گا مساوات کا بکارت میں بھی؛ کیونکہ مختلف ہوتا ہے بکارت اور ثیوبت سے، اور جب ضامن ہو جائے ولی مہر کا تو صحیح ہے

ضَمَانُهُ؛ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الِالْتِزَامِ وَقَدْ أَضَافَهُ إِلَى مَا يَقْبَلُهُ فَيَصِحُّ

اس کا ضمان؛ کیونکہ ولی اہل التزام میں سے ہے اور اس نے منسوب کیا ضمان کو ایسی چیز کی طرف جو ضمان کو قبول کرتی ہے اس لیے ضمان صحیح ہے

ثُمَّ الْمَرْأَةُ بِالْخِيَارِ فِي مُطَالَبَتِهَا زَوْجَهَا أَوْ وَلِيَّهَا اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْكَفَالَاتِ، وَيَرْجِعُ الْوَلِيُّ

پھر عورت کو اختیار ہے اس کا مطالبہ کرنے میں اپنے شوہر سے یا اپنے ولی سے قیاس کرتے ہوئے دیگر کفالات پر، اور رجوع کرے گا ولی

{۵} إِذَا أَدَّى عَلَى الزَّوْجِ إِنْ كَانَ بِأَمْرِهِ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِي الْكَفَالَةِ، وَكَذَلِكَ يَصِحُّ هَذَا الضَّمَانُ وَإِنْ كَانَتِ

جب ادا کرے شوہر سے اگر اس کے حکم سے ہو جیسا کہ یہی رسم ہے کفالہ میں، اسی طرح صحیح ہے یہ ضمان اگرچہ ہو

الْمُزَوَّجَةُ صَغِيرَةً، بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الْأَبُ مَالَ الصَّغِيرَةِ وَضَمِنَ الثَّمَنَ؛ {۶} لِأَنَّ الْوَلِيَّ

جس کا نکاح کیا گیا ہو صغیرہ، برخلاف اس صورت کے جب فروخت کردے باپ بچے کا مال اور ضامن ہو جائے ثمن کا؛ کیونکہ ولی

سَفِيرٌ وَمُعَبِّرٌ فِي النِّكَاحِ، وَفِي الْبَيْعِ عَاقِدٌ وَمُبَاشِرٌ حَتَّى تَرْجِعَ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ وَالْحُقُوقُ إِلَيْهِ، وَيَصِحُّ

سفیر اور معبر ہوتا ہے نکاح میں اور بیع میں عاقد اور مباشر ہے حتی کہ لوٹ آتی ہے ذمہ داری باپ پر اور حقوق اس کی طرف، اور صحیح ہے

إِبْرَاؤُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَيَمْلِكُ قَبْضَهُ بَعْدَ بُلُوغِهِ، فَلَوْ صَحَّ الضَّمَانُ يَصِيرُ ضَامِنًا

باپ کا بری کردینا طرفین ؒ کے نزدیک، اور مالک ہوگا ثمن قبض کرنے کا بچے کے بالغ ہونے کے بعد، پس اگر صحیح ہو جائے ضمان تو ہوگا ضامن

لِنَفْسِهِ{۷} وَوِلَايَةُ قَبْضِ الْمَهْرِ لِلْأَبِ بِحُكْمِ الْأُبُوَّةِ لَا بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ عَاقِدٌ أَلَا تَرَى

اپنے نفس کے لیے، اور قبض مہر کی ولایت باپ کے لیے باپ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ وہ عاقد ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے

أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْقَبْضَ بَعْدَ بُلُوغِهَا فَلَا يَصِيرُ ضَامِنًا لِنَفْسِهِ.

کہ باپ مالک نہیں ہوتا قبض کا بچی کے بالغ ہونے کے بعد، پس نہ ہوگا ضامن اپنے نفس کے لیے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں عورت کے مہر مثل میں اس کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور عورت کی ماں اور خالہ کا مہر معتبر نہیں اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ میں مہر مثل میں چند مزید باتوں کا اعتبار اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۴ میں عورت کے ولی کا عورت کے لیے شوہر کی جانب سے مہر کی ضمانت کا جواز اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۵ میں اس پر تفریع ذکر کی ہے اور بتایا ہے کہ باپ اگر بچے کا مال فروخت کر دے تو مشتری کی طرف سے ثمن نہیں ہو سکتا، اور نمبر ۶ میں ان دونوں وجہ فرق بیان کی ہے، اور نمبر ۷ میں ایک سوال کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} عورت کے مہر مثل میں اس کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا یعنی وہ عورتیں جو اس کے باپ کی جانب منسوب ہوں مثلاً بہنیں، پھوپھیاں، اور چچا کی بیٹیاں وغیرہ انکا جتنا مہر ہو عورت کا مہر بھی ان جیسا ہوگا؛ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے "لَهَا مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ فِيهِ وَلَا شَطَطَ" (عورت کے لیے اس کی عورتوں کا مہر مثل ہے نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ زیادتی) اور "عورت کی عورتوں" کی تفسیر خود مصنفؒ نے فرمائی ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ کی قرابتدار عورتیں ہیں۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی قوم کی جنس سے ہوتا ہے لہذا آدمی کی جنس باپ کا سلسلۂ نسب ہے اور شئی کی قیمت اس کی جنس کی قیمت سے پہچانی جاتی ہے، لہذا عورت کے بضع کی قیمت (مہر) معلوم کرنے کے لیے باپ کے خاندان کی عورتوں کے بضع کی قیمت (مہر) کا اعتبار ہوگا۔

{۲} مہر مثل میں عورت کی ماں اور اس کی خالہ کا اعتبار نہ ہوگا بشرطیکہ اس کی ماں اور خالہ اسکے باپ کے قبیلہ سے نہ ہوں؛ کیونکہ دلیل گذر چکی کہ آدمی اپنے باپ کی قوم کی جنس سے ہوتا ہے الخ۔ اور اگر عورت کی ماں عورت کے باپ کی قوم سے ہو مثلاً اس کی ماں اس کے باپ کے چچا کی بیٹی ہو تو اس وقت ماں کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا؛ کیونکہ اب صورت میں اس کی ماں اس کے باپ کی قوم کی عورتوں میں سے ہے اور پہلے گذر چکا کہ مہر مثل میں عورت کے باپ کی قوم کی عورتوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ یہ جو کہا کہ ماں اور خالہ کا اعتبار نہیں، تو یہ اس وقت ہے کہ عورت کے باپ کے قبیلہ کی عورتیں موجود ہوں، ورنہ اگر باپ کے قبیلہ کی عورتیں نہ ہوں تو پھر عورت کی ماں کے قبیلہ کی عورتوں کا اعتبار کرنا اولیٰ ہے اجنبی عورتوں سے۔

{۳} اور مہر مثل میں مزید کچھ اور باتوں کا بھی اعتبار کیا جائے گا مثلاً یہ کہ دونوں عورتیں عمر میں، جمال میں، مال میں، عقل میں، دین میں، شہر اور زمانہ میں برابر ہوں؛ کیونکہ مہر مثل ان اوصاف کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے، اسی طرح شہر اور زمانے کے

اختلاف سے بھی مختلف ہو جاتا ہے، لہذا مہر مثل میں ان باتوں کا اعتبار ضروری ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بکارت میں بھی مساوات کا اعتبار کیا جائے گا؛ کیونکہ مہر عورت کے باکرہ ہونے یا ثیبہ ہونے سے بھی مختلف ہو جاتا ہے۔

{۴} اگر عورت کا ولی عورت کیلئے اس کے شوہر کی طرف سے مہر کا ضامن ہو گیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ ولی اپنے اوپر شئی کو لازم کرنے کا اہل ہے، اور جس چیز (یعنی مہر) کی طرف التزام کو منسوب کیا ہے وہ التزام قبول کرتی ہے؛ کیونکہ مہر دین ہے اور دین ضمان اور التزام کو قبول کرتا ہے، اس لیے ولی کی یہ ضمانت صحیح ہے۔ پھر عورت کو اختیار ہو گا کہ وہ مہر کا مطالبہ اپنے شوہر سے کرے یا اپنے ولی سے؛ کیونکہ تمام کفالتوں میں یہی دستور ہے کہ مکفول لہ مدیون اور کفیل دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

{۵} پھر اگر ولی نے عورت کو یہ مہر ادا کر دیا تو اگر وہ شوہر کے حکم سے ضامن ہوا تھا، تو اب شوہر پر اس مہر کے بارے میں رجوع کرے گا؛ کیونکہ کفالہ میں یہی قاعدہ ہے کہ کفیل مال کفالت ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ سے رجوع کر سکتا ہے۔ البتہ اگر ولی شوہر کے کہنے سے ضامن نہ ہوا تھا تو پھر یہ ولی کی طرف سے تبرع ہو گا اس لیے رجوع نہیں کر سکتا۔ مذکورہ بالا حکم زوجہ بالغہ کا تھا اور یہی حکم زوجہ صغیرہ کا بھی ہے یعنی اس کا ولی اس کے شوہر کی طرف سے مہر کا ضامن ہو سکتا ہے۔ مگر باپ اپنے نابالغ بچے کے مال کو فروخت کر کے مشتری کی طرف سے ثمن کا ضامن نہیں ہو سکتا ہے۔

{۶} نکاح اور بیع میں یہ فرق اس لیے ہے کہ نکاح میں ولی محض ترجمان اور الفاظ ادا کرنے والا ہوتا ہے حقوق عقد کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، جبکہ بیع میں وہ محض سفیر نہیں ہوتا ہے بلکہ عاقد اور مباشر ہوتا ہے حتی کہ ذمہ داری اسی پر آتی ہے یعنی مبیع سپرد کرنا ولی کی ذمہ داری ہے، اسی طرح بیع کے حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں یعنی ثمن وصول کرنے کا حق ولی کو ہو گا، اسی طرح طرفینؒ کے نزدیک اگر ولی نے مشتری کو ثمن سے بری کر دیا تو مشتری بری ہو جائے گا اور جس کے لیے ولی تھا اس کو ضمان دے گا، اسی طرح صغیر کے بالغ ہونے کے بعد بھی ولی ہی ثمن پر قبضہ کرے گا۔ جبکہ نکاح میں ذمہ داری اور حقوق کا تعلق ولی سے نہیں ہوتا ہے بلکہ زوجین سے ہوتا ہے کیونکہ ولی محض سفیر اور معبّر ہوتا ہے۔

پس جب بیع میں ولی کی حیثیت محض سفیر کی نہیں بلکہ عاقد کی ہے تو اب اگر ولی صغیر کے لیے مشتری کی جانب سے ثمن کا ضامن ہو گیا تو یہ ضمان اپنے آپ کے لیے ہو گا حالانکہ ضمان غیر کے لیے ہوتا ہے اپنے لیے نہیں ہوتا ہے اس لیے بیع میں ولی کا صغیر کے لیے مشتری کی جانب سے ثمن کا ضامن ہونا صحیح نہیں۔

{۷} سوال یہ ہے کہ باپ اپنی صغیرہ بیٹی کی طرف سے مہر پر قبضہ کا مالک ہوتا ہے جیسا کہ بیع میں ولی ثمن پر قبضہ کا مالک ہوتا ہے، لہذا نکاح میں بھی حقوقِ نکاح ولی کی طرف لوٹتے ہیں، پس اگر باپ مہر کا زوج کی طرف سے ضامن ہو جائے تو یہ بھی اپنے آپ

تشریح: ... ہے اس لیے جائز نہیں ہونا چاہیے؟ جواب: صغیرہ کے مہر پر قبضہ کی ولایت باپ کو اس کے عاقد ہونے کی وجہ کے لیے ضامن ہوتا ہے اس لیے جائز نہیں ہونا چاہیے ... ہے بلکہ باپ ہونے کی وجہ سے ہے؛ کیونکہ عادت یہی جاری ہے کہ مہر پر باپ قبضہ کرتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد اگر لڑکی نے باپ کو صراحۃً مہر پر قبضہ کرنے سے روک دیا تو باپ اس کے مہر پر قبضہ کا مالک نہیں رہتا ہے، لہٰذا اگر باپ بیٹی کے لیے مہر کا ضامن ہو جائے تو یہ اپنے آپ کے لیے ضامن ہونا نہیں ہے اس لیے جائز ہے۔

{۱} قَالَ: وَلِلْمَرْأَةِ أَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا حَتَّى تَأْخُذَ الْمَهْرَ وَتَمْنَعَهُ أَنْ يُخْرِجَهَا

فرمایا: اور عورت کو یہ حق ہے کہ وہ منع کر دے اپنے نفس کو یہاں تک کہ لے لے مہر اور منع کر دے شوہر کو اس سے کہ وہ اس کو نکالے

أَيْ يُسَافِرَ بِهَا لِيَتَعَيَّنَ حَقُّهَا فِي الْبَدَلِ كَمَا تَعَيَّنَ حَقُّ الزَّوْجِ فِي الْمُبْدَلِ فَصَارَ كَالْبَيْعِ.

یعنی سفر میں لے جائے اس کو، تاکہ متعین ہو جائے اس کا حق بدل میں جیسا کہ متعین ہو گیا شوہر کا حق مبدل میں، پس ہو گیا بیع کی طرح

{۲} وَلَيْسَ لِلزَّوْجِ أَنْ يَمْنَعَهَا مِنَ السَّفَرِ وَالْخُرُوجِ مِنْ مَنْزِلِهِ وَزِيَارَةِ أَهْلِهَا حَتَّى يُوَفِّيَهَا

اور شوہر کو حق نہیں کہ منع کر دے اس کو سفر سے اور گھر سے نکلنے سے اور اپنوں کی زیارت کرنے سے یہاں تک کہ دیدے اس کو

الْمَهْرَ كُلَّهُ أَيْ الْمُعَجَّلَ مِنْهُ لِأَنَّ حَقَّ الْحَبْسِ لِاسْتِيفَاءِ الْمُسْتَحَقِّ، وَلَيْسَ لَهُ حَقُّ الِاسْتِيفَاءِ قَبْلَ الْإِيفَاءِ،

اس کا پورا مہر یعنی معجل مقدار مہر میں سے؛ کیونکہ روکنے کا حق وصولی واجب کے لیے ہے اور شوہر کو حق نہیں وصولی کا ادائیگی سے پہلے

{۳} وَلَوْ كَانَ الْمَهْرُ كُلُّهُ مُؤَجَّلًا لَيْسَ لَهَا أَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا لِإِسْقَاطِهَا حَقَّهَا بِالتَّأْجِيلِ كَمَا فِي الْبَيْعِ

اور اگر ہو پورا مہر مؤجل تو نہیں ہے عورت کو یہ حق کہ وہ روک دے اپنے نفس کو بوجہ اس کے ساقط کرنے کے اپنا حق مؤجل کر کے جیسا کہ بیع میں

فِيهِ خِلَافُ أَبِي يُوسُفَ، {۴} وَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا: لَيْسَ

اس میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کا اور اگر دخول کیا اس کے ساتھ تو یہی حکم ہے امام صاحب کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین نے کہ نہیں ہے

لَهَا أَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا. وَالْخِلَافُ فِيمَا إِذَا كَانَ الدُّخُولُ بِرِضَاهَا حَتَّى لَوْ

عورت کو یہ حق کہ وہ منع کر دے اپنے نفس کو، اور اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ ہو دخول اس کی رضا سے حتی کہ اگر

كَانَتْ مُكْرَهَةً أَوْ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً لَا يَسْقُطُ حَقُّهَا فِي الْحَبْسِ بِالِاتِّفَاقِ، {۵} وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ

اس سے زبردستی کی گئی ہو یا وہ بچی ہو یا مجنونہ ہو تو ساقط نہ ہو گا اس کا حق روکنے میں بالاتفاق، اور اسی اختلاف پر ہے

الْخَلْوَةُ بِهَا بِرِضَاهَا. وَيَنْبَنِي عَلَى هَذَا اسْتِحْقَاقُ النَّفَقَةِ. لَهُمَا أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ كُلَّهُ قَدْ صَارَ

اس کے ساتھ خلوت اس کی رضا سے۔ اور بناء ہو گا اسی اختلاف پر استحقاق نفقہ، صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ پورا کے پورا ہو گیا

مُسَلَّمًا إِلَيْهِ بِالْوَطْأَةِ الْوَاحِدَةِ وَبِالْخَلْوَةِ، وَلِهَذَا يَتَأَكَّدُ بِهَا جَمِيعُ الْمَهْرِ فَلَمْ يَبْقَ لَهَا حَقُّ الْحَبْسِ، كَالْبَائِعِ إِذَا

سپرد شوہر کو ایک وطی یا خلوت سے، اسی وجہ سے مؤکد ہو جاتا ہے اس سے پورا مہر، پس باقی نہ رہا اس کے لیے روکنے کا حق جیسے بائع جب
سَلَّمَ الْمَبِيعَ. ﴿٦﴾ وَلَهُ أَنَّهَا مَنَعَتْ مِنْهُ مَا قَابَلَ الْبَدَلَ ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَطْأَةٍ تَصَرُّفٌ
سپرد کرے مبیع۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے روک دیا شوہر سے وہ جو مقابل ہے بدل کا؛ کیونکہ ہر ایک وطی تصرف ہے
فِي الْبُضْعِ الْمُحْتَرَمِ فَلَا يُخْلَى عَنِ الْعِوَضِ إِبَانَةً لِخَطَرِهِ . ﴿٧﴾ وَالتَّأْكِيدُ بِالْوَاحِدَةِ لِجَهَالَةِ مَا وَرَاءَهَا
بضع محترم میں پس خالی نہ ہو گا عوض سے ظاہر کرتے ہوئے اس کی عظمت کو، اور مؤکد ہونا ایک وطی سے مجہول ہونے کی وجہ سے ہے اور ما وراء کے
فَلَا يَصْلُحُ مُزَاحِمًا لِلْمَعْلُومِ . ثُمَّ إِذَا وُجِدَ آخَرُ وَصَارَ مَعْلُومًا تَحَقَّقَتِ الْمُزَاحَمَةُ وَصَارَ الْمَهْرُ
پس صلاحیت نہیں رکھتا مزاحم ہونے کی معلوم کے لیے، پھر جب پائی گئی دوسری وطی اور ہو گئی معلوم تو متحقق ہو گئی مزاحمت اور ہو گیا مہر
مُقَابَلًا بِالْكُلِّ كَالْعَبْدِ إِذَا جَنَى جِنَايَةً يُدْفَعُ كُلُّهُ بِهَا ، ثُمَّ إِذَا جَنَى جِنَايَةً أُخْرَى وَأُخْرَى
مقابل کل وطیات کا جیسے غلام جب کوئی جنایت کرے تو دیدیا جائے گا پورا غلام اس کے بدلے میں، پھر جب وہ جنایت کرے دوسری جنایتیں
يُدْفَعُ بِجَمِيعِهَا . ﴿٨﴾ وَإِذَا أَوْفَاهَا مَهْرَهَا نَقَلَهَا إِلَى حَيْثُ شَاءَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى
تو دیدیا جائے گا تمام کے بدلے۔ اور جب شوہر پورا مہر دیدے اس کا تو منتقل کر سکتا ہے اسے جہاں چاہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے
{ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ } وَقِيلَ لَا يُخْرِجُهَا إِلَى بَلَدٍ غَيْرِ بَلَدِهَا ؛ لِأَنَّ الْغَرِيبَةَ تُؤْذَى
"بساؤ ان کو جہاں تم رہو" اور کہا گیا ہے کہ نہ نکالے اس کو ایسے شہر کی طرف جو غیر ہو اس کے شہر کا کیونکہ اجنبیہ عورت اذیت محسوس کرتی ہے
وَفِي قُرَى الْمِصْرِ الْقَرِيبَةِ لَا تَتَحَقَّقُ الْغُرْبَةُ .
اور شہر کی قریبی بستیوں سے متحقق نہیں ہوتی پردیسی۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مہر معجّل کی ادائیگی سے پہلے شوہر کو صحبت سے روکنے کا جواز اور اس کی دلیل ذکر کی ہے اور شوہر اس پر اقرباء کے ساتھ ملنے نہیں روک سکتا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ میں بتایا ہے کہ مہر مؤجّل کی صورت میں شوہر کو روکنے کا اختیار نہیں اور اس کی وجہ ذکر کی ہے اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف اور ان کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ تا ۷ میں عورت کے ساتھ دخول یا خلوت کے بعد عورت کا اختیار باقی رہنے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل، اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۸ میں ادائیگی مہر کے بعد عورت کو کہیں منتقل کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اور اگر مہر کل یا بعض معجل (جو مہر شوہر فوراً ادا کر دے اس کو معجّل کہتے ہیں اور جو ادھار ہو اس کو مؤجّل کہتے ہیں) مقرر ہوا ہو تو شوہر کی طرف سے مقدارِ معجّل کی عدمِ ادائیگی کی وجہ سے عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ شوہر کو اس کے ساتھ صحبت کرنے

سے روک دے۔ اسی طرح اگر شوہر اس کو سفر میں لے جانا چاہے تو بھی عورت کو یہ اختیار ہے کہ شوہر کو روک دے اسے
جانے سے؛ کیونکہ نکاح عقدِ مبادلہ ہے جو جانبین کے درمیان مساوات کا تقاضا کرتا ہے اور مبدل یعنی بُضع میں شوہر کا حق
لہٰذا اب عورت کو بدل پر قبضہ دے دیا جائے تا کہ عورت کا حق بدل میں متعین ہو جائے اس طرح دونوں میں مساوات آئے گی
ایسا ہے جیسا کہ بیع میں بائع کو یہ اختیار ہے کہ مبیع کو روک دے یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کر دے تا کہ بدلین کی تعیین میں مساوات
پیدا ہو۔

{۲} اور شوہر کو یہ حق نہ ہو گا کہ وہ اپنی اس بیوی کو سفر سے، اپنے گھر سے نکلنے سے اور اپنے خاندان والوں کی ملاقات سے
روک دے، جب تک کہ اس کا پورا مہر معجّل ادا نہ کر دے؛ کیونکہ شوہر کو جو روکنے کا حق حاصل ہے وہ تو عقدِ نکاح کی وجہ سے ثابت ہے
(منافعِ بضع) کی وصولی کے لیے ہے حالانکہ مہر معجّل کی ادائیگی سے پہلے اس کو منافعِ بضع کی وصولی کا حق ہی حاصل نہیں ہے اس لیے
اس کو سفر وغیرہ سے روکنے کا حق بھی حاصل نہ ہو گا۔

{۳} اور اگر کل مہر مؤجّل ہو تو عورت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے آپ کو شوہر سے روک دے؛ کیونکہ عورت نے
مؤجّل کر کے بدل (مہر) میں سے اپنا حق خود ساقط کر دیا، اور جو شخص بدل میں اپنا حق خود ساقط کر دے اس کو مبدل روکنے کا حق حاصل
نہیں ہوتا ہے جیسا کہ بیع میں اگر بائع نے پورا ثمن مؤجّل کر دیا تو اس کو مبیع روکنے کا حق حاصل نہ ہو گا۔ مگر اس صورت میں امام
ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک کل مہر مؤجل ہونے کی صورت میں بھی عورت کو یہ حاصل ہے کہ وہ مرد سے منافع بضع
کو روک دے؛ کیونکہ بوقتِ اطلاق نکاح کا موجَب تسلیم مہر ہے خواہ مہر عین ہو یا دَین ہو، پس جب موجَبِ نکاح کو جانتے ہوئے شوہر نے
مہر بعد میں ادا کرنے کو قبول کر لیا تو گویا مرد مہر کی ادائیگی تک اپنا حق مؤخر کرنے پر راضی ہو گیا، لہٰذا عورت کو مہر کی ادائیگی تک روکنے کا حق
حاصل رہے گا۔

فتوی:۔ استحساناً امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لمافی الدرالمختار: وَعَنِ الثَّانِي لَهَا مَنْعُهُ إِنْ أَجَّلَهُ كُلَّهُ، وَبِهِ يُفْتَى
اسْتِحْسَانًا۔ وقال ابن عابدینؒ: (قَوْلُهُ وَبِهِ يُفْتَى اسْتِحْسَانًا) لِأَنَّهُ لَمَّا طَلَبَ تَأْجِيلَهُ كُلَّهُ فَقَدْ رَضِيَ بِإِسْقَاطِ حَقِّهِ
فِي الِاسْتِمْتَاعِ. وَفِي الْخُلَاصَةِ أَنَّ الْأُسْتَاذَ ظَهِيرَ الدِّينِ كَانَ يُفْتِي بِأَنَّهُ لَيْسَ لَهَا الِامْتِنَاعُ وَالصَّدْرُ الشَّهِيدُ كَانَ يُفْتِي
بِأَنَّ لَهَا ذَلِكَ اهـ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْإِفْتَاءُ بَحْرٌ. قُلْت: وَالِاسْتِحْسَانُ مُقَدَّمٌ، فَلِذَا جَزَمَ بِهِ الشَّارِحُ. (الدرالمختار مع
ردالمحتار: ۳۸۹/۲)

{۴}اور اگر مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا ہو تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی جواب ہے کہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شوہر سے اپنے آپ کو روک دے۔ صاحبینؒ کے نزدیک ایک مرتبہ وطی ہو جانے کے بعد عورت کو حق نہیں کہ اپنے آپ کو روک دے۔ یاد رہے کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف اس صورت میں ہے کہ دخول (وطی) عورت کی رضامندی سے ہوا ہو، ورنہ اگر عورت پر زبردستی کی گئی ہو، یا وہ نابالغہ ہو یا مجنونہ ہو، تو بالاتفاق اسے اپنے آپ کو روکنے کا حق حاصل رہے گا۔

{۵}اور مذکورہ بالا اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ عورت کے ساتھ اس کی رضامندی سے خلوت (موانع جماع کے بغیر تنہائی میں ملاقات) ہوئی ہو یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کو حق حبس حاصل ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک حاصل نہیں، اور اسی اختلاف پر عورت کا استحقاق نفقہ مبنی ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک عورت مستحق نفقہ ہوگی؛ کیونکہ یہ منع بحق ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک مستحق نفقہ نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ منع ناحق ہے اور منع ناحق میں نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

بہر حال دخول یا خلوت کے بعد صاحبینؒ کے نزدیک عورت کو حق حبس نہیں؛ کیونکہ ایک مرتبہ وطی یا خلوتِ صحیحہ ہو جانے کے بعد عورت اپنی طرف سے پورا معقود علیہ (بضع) شوہر کے سپرد کرنے والی ہو گئی، اور پورا معقود علیہ شوہر کو سپرد ہونے ہی کی وجہ سے اب شوہر پر پورا مہر لازم ہے، لہٰذا عورت کے لیے حق حبس باقی نہیں رہے گا، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ بائع ثمن پر قبضہ سے پہلے مشتری کو بیع سپرد کر دے تو بائع کو ثمن کی وجہ سے مبیع روکنے کا حق نہیں ایسا ہی مذکورہ صورت میں عورت کے لیے حق حبس باقی نہیں رہے گا۔

{۶}امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر تمام وطیوں کے مقابلے میں ہے پس عورت کا بقیہ وطی سے روکنا ایسی چیز سے روکنا ہے جو بدل (مہر) کا مقابل ہے اور بدل کے مقابل کو بدل وصول کرنے سے پہلے روکنا صحیح ہے، لہٰذا عورت کو حق حبس حاصل ہے۔ باقی مہر تمام وطیوں کا مقابل اس لیے ہے کہ ہر مرتبہ وطی بضع محترم میں تصرف ہے، پس پوری زندگی میں ایک مرتبہ کی وطی بھی اس سے خالی نہ ہوگی بضع کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے، لہٰذا یہ کہنا کہ ایک مرتبہ وطی سے پورا معقود علیہ شوہر کے سپرد ہو گیا صحیح نہ تھا، اس لیے عورت کو ایک مرتبہ وطی کے بعد دوسری مرتبہ وطی کرنے سے بھی روکنے کا حق حاصل رہے گا۔

{۷}اور صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ ایک مرتبہ وطی سے شوہر پر پورا مہر لازم اور مؤکد ہونا اس بات کی علامت ہے کہ عورت کی جانب سے پورا معقود علیہ شوہر کو سپرد ہو گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک وطی کے بعد بقیہ وطیات مجہول ہیں کہ ہوں گی یا نہیں، اور ہوں گی تو کتنی ہوں گی، پس یہ ایک وطی معلوم اور بقیہ مجہول ہیں اور مجہول (بقیہ وطی) مقابل نہیں بن سکتی ہیں معلوم (وہ ایک وطی جو ہو چکی ہے) کی اس لیے کل مہر اس ایک کے مقابل قرار دیا، پھر پوری زندگی میں جب جب وطی ہوتی جائے گی تو وہ وطی بھی معلوم ہوتی جائے گی، اور معلوم، معلوم کی مقابل بن سکتی ہے اس لیے اب پورے مہر میں بقیہ وطی بھی اس ایک مرتبہ کی وطی کے ساتھ

شریک ہوں گی، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی کے غلام نے جنایت کی تو مولی یا تو بدل جنایت ادا کرے یا یہ پورا غلام اس جنایت کے بدلے میں دیدے مگر پھر غلام نے دوسری، تیسری جنایت کی تو اب ان تینوں جنایتوں کا مقابل بھی یہی ایک غلام ہوگا لہٰذا تینوں کے بدلے بھی یہی ایک غلام دیا جائے گا۔

فتوی:۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدرالمختار: (وَلَهَا مَنْعُهُ مِنَ الْوَطْءِ) وَدَوَاعِيهِ شَرْحُ مَجْمَعٍ (وَالسَّفَرِ بِهَا) ... (بَعْدَ وَطْءٍ وَخَلْوَةٍ رَضِيَتْهُمَا) لِأَنَّ كُلَّ وَطْأَةٍ مَعْقُودٌ عَلَيْهَا، فَتَسْلِيمُ الْبَعْضِ لَا يُوجِبُ تَسْلِيمَ الْبَاقِي (الدرالمختار ہامش ردّالمحتار: ۲/۳۸۸)

{۸} اور اگر شوہر نے عورت کا کل مہر ادا کر دیا تو اب شوہر کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کو جہاں چاہے منتقل کر دے؛ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ﴾ (عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو)۔ فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ عورت کو اس کے شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر کی طرف منتقل نہ کرے؛ کیونکہ دوسرا شہر عورت کے لیے پردیس ہے اور پردیس عورت کو اذیت دے گا۔ البتہ اپنے شہر کے قریبی دیہات کی طرف منتقل کرنے سے پردیس متحقق نہیں ہوتا ہے، اس لیے ایسے دیہات کی طرف منتقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور شہر کے قریبی دیہات سے مراد وہ دیہات ہے جو مدتِ سفر کی مسافت پر نہ ہو۔

فتوی:۔ فتوی مفتی کی رائے کو مفوض ہے کہ یہ دیکھیں کہ شوہر کس نیت سے عورت کو سفر پر لے جاتا ہے اگر ضرر کی نیت سے تو کسی حال میں مفتی اس کی معاونت نہ کرے، ورنہ اجازت دے لمافی الشامیة: فَتَعَيَّنَ تَفْوِيضُ الْأَمْرِ إِلَى الْمُفْتِي، وَلَيْسَ ذَلِكَ خَاصًّا بِهَذِهِ الْمَسْأَلَةِ بَلْ لَوْ عَلِمَ الْمُفْتِي أَنَّهُ يُرِيدُ نَقْلَهَا مِنْ مَحَلَّةٍ إِلَى مَحَلَّةٍ أُخْرَى فِي بَلْدَةٍ بَعِيدَةٍ عَنْ أَهْلِهَا بِقَصْدِ إِضْرَارِهَا لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يُعِينَهُ عَلَى ذَلِكَ وَمَنْ أَرَادَ الِاطِّلَاعَ عَلَى أَزْيَدَ مِنْ ذَلِكَ فَلْيَنْظُرْ فِي رِسَالَتِنَا الْمُسَمَّاةِ نَشْرِ الْعُرْفِ فِي بِنَاءِ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَلَى الْعُرْفِ الَّتِي شَرَحْتُ بِهَا بَيْتًا مِنْ أُرْجُوزَتِي فِي رَسْمِ الْمُفْتِي وَهُوَ قَوْلِي: وَالْعُرْفُ فِي الشَّرْعِ لَهُ اعْتِبَارٌ: لِذَا عَلَيْهِ الْحُكْمُ قَدْ يُدَارُ (ردّالمحتار: ۲/۳۹۱).

{۱} قَالَ وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمَرْأَةِ إِلَى مَهْرِ مِثْلِهَا، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ

فرمایا: اور جو شخص نکاح کرے کسی عورت سے، پھر دونوں اختلاف کریں مہر میں، تو قول عورت کا معتبر ہے مہر مثل تک، اور قول زوج کا معتبر ہے

فِيمَا زَادَ عَلَى مَهْرِ الْمِثْلِ {۲} وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فِي نِصْفِ الْمَهْرِ

اس میں جو زائد ہو مہر مثل سے، اور اگر طلاق دی اس کو دخول سے پہلے تو قول زوج کا معتبر ہے نصفِ مہر میں، اور یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے؛

وهذا عند أبي حنيفة ومحمد، وقال أبو يوسف: القول قوله قبل الطلاق وبعده إلا أن يأتي بشيء قليل،
اور فرمایا امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہ قول زوج کا معتبر ہے طلاق سے پہلے اور طلاق کے بعد مگر یہ کہ وہ بیان کرے بہت معمولی چیز،

ومعناه ما لا يتعارف مهرا لها هو الصحيح . {3} لأبي يوسف أن المرأة تدعي الزيادة
اور معنی یہ ہے کہ اتنی چیز متعارف نہ ہو بطور مہر عورت کے لیے، یہی صحیح ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت مدعی ہے زیادتی کا

والزوج ينكر والقول قول المنكر مع يمينه إلا أن يأتي بشيء يكذبه الظاهر فيه،
اور زوج انکار کر رہا ہے اور قول منکر کا معتبر ہے اس کی یمین کے ساتھ، مگر یہ کہ وہ اتنی چیز بیان کرے کہ تکذیب کرے اس کی ظاہر اس میں،

وهذا لأن تقوم منافع البضع ضروري فمتى أمكن إيجاب شيء من المسمى لا يصار إليه.
اور یہ اس لیے کہ متقوم ہونا منافع بضع کا ضروری ہے تو جب تک کہ ممکن ہو مسمّٰی میں سے کوئی چیز واجب کرنا رجوع نہیں کیا جائے گا اس کی طرف

{4} ولهما أن القول في الدعاوى قول من يشهد له الظاهر ، والظاهر شاهد لمن يشهد له
اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قول دعووں میں اس کا معتبر ہے جس کے لیے شاہد ہو ظاہر، اور ظاہر شاہد ہے اس کے لیے جس کے لیے شاہد ہو

مهر المثل لأنه هو الموجب الأصلي في باب النكاح ، {5} وصار كالصباغ مع رب الثوب إذا اختلفا
مہر مثل؛ کیونکہ وہ موجب اصلی ہے باب نکاح میں، اور ہو گیا جیسا کہ رنگریز صاحب ثوب کے ساتھ جب دونوں اختلاف کریں مقدار اجرت میں

في مقدار الأجر تحكم فيه قيمة الصبغ. {6} ثم ذكر ههنا أن بعد الطلاق قبل الدخول القول قوله
تو حکم بنائی جائے گی اس میں رنگ کی قیمت۔ پھر ذکر کیا یہاں یہ کہ بعد الطلاق قبل الدخول میں قول شوہر کا معتبر ہے

في نصف المهر وهذا رواية الجامع الصغير والأصل ، وذكر في الجامع الكبير أنه تحكم متعة مثلها وهو
نصف مہر میں اور یہ روایت جامع صغیر اور مبسوط کی ہے، اور ذکر کیا ہے جامع الکبیر میں کہ حکم بنایا جائے گا عورت کے متعہ مثل کو اور یہی

قياس قولهما ؛ لأن المتعة موجبة بعد الطلاق كمهر المثل قبله فتحكم كهو.
قیاس ہے طرفین رحمہما اللہ کے قول کا؛ کیونکہ متعہ موجب ہے طلاق کے بعد جیسا کہ مہر مثل طلاق سے پہلے پس حکم بنایا جائے گا جیسا کہ مہر مثل

{7} ووجه التوفيق أنه وضع المسألة في الأصل في الألف والألفين، والمتعة لا تبلغ هذا المبلغ في العادة
اور وجہ تطبیق یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے فرض کیا ہے مسئلہ مبسوط میں اور ہزار اور دو ہزار میں، اور متعہ نہیں پہنچتا ہے اس مقدار کو عادۃً

فلا يفيد تحكيمها ، ووضعها في الجامع الكبير في العشرة والمائة ومتعة مثلها عشرون فيفيد تحكيمها،
پس مفید نہیں متعہ کو حکم بنایا، اور مسئلہ کو فرض کیا ہے جامع کبیر میں دس اور سو میں اور عورت کا متعہ مثل بیس ہے، پس مفید ہے متعہ کو حکم بنانا

{8} والمذكور في الجامع الصغير ساكت عن ذكر المقدار فيحمل على ما هو المذكور في الأصل ... قولهما

اور جامع صغیر میں مذکور ساکت ہے مقدار کے ذکر سے، پس حمل کیا جائے گا اس پر جو مذکور ہے مبسوط میں، اور طرفین رحمہما اللہ کے قول کی شرح

فِيمَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ أَنَّ الزَّوْجَ إِذَا ادَّعَى الْأَلْفَ وَالْمَرْأَةُ الْأَلْفَيْنِ

اس صورت میں جب وہ دونوں اختلاف کریں قیام نکاح کی حالت میں یہ ہے کہ زوج جب دعویٰ کرے ہزار کا اور عورت دو ہزار کا

فَإِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا أَلْفًا أَوْ أَقَلَّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ، وَإِنْ كَانَ أَلْفَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا، {۱۰} وَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ

تو اگر ہو مہر مثل ہزار یا کم، تو قول زوج کا معتبر ہے اور اگر ہو دو ہزار یا زیادہ تو قول عورت کا معتبر ہے، اور دونوں میں سے جس نے قائم کیا بینہ

فِي الْوَجْهَيْنِ تُقْبَلُ. وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ تُقْبَلُ بَيِّنَتُهَا؛ لِأَنَّهَا

دونوں صورتوں میں تو قبول کیا جائے گا، اور اگر دونوں نے قائم کیا بینہ پہلی صورت میں تو قبول کیا جائے گا عورت کا بینہ؛ کیونکہ وہ

تُثْبِتُ الزِّيَادَةَ. وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي بَيِّنَتُهُ؛ لِأَنَّهَا تُثْبِتُ الْحَطَّ، {۱۱} وَإِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ تَحَالَفَا،

ثابت کرتے ہیں زیادتی کو، اور دوسری صورت میں مرد کا بینہ؛ کیونکہ وہ ثابت کرتے ہیں کمی کو، اور اگر ہو مہر مثل پندرہ سو، تو دونوں قسمیں کھائیں

وَإِذَا حَلَفَا يَجِبُ أَلْفٌ وَخَمْسُمِائَةٍ. {۱۲} هَذَا تَخْرِيجُ الرَّازِيِّ. وَقَالَ الْكَرْخِيُّ: يَتَحَالَفَانِ

اور جب دونوں قسم کھائیں تو واجب ہوں گے پندرہ سو، یہ تخریج ہے ابو بکر رازی رحمہ اللہ کی، اور فرمایا امام کرخی رحمہ اللہ نے دونوں قسمیں کھائیں

فِي الْفُصُولِ الثَّلَاثَةِ ثُمَّ يُحَكَّمُ مَهْرُ الْمِثْلِ بَعْدَ ذَلِكَ، {۱۳} وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ فِي أَصْلِ الْمُسَمَّى يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ

تینوں صورتوں میں پھر حکم بنایا جائے مہر مثل اس کے بعد، اور اگر ہو اختلاف اصل مسمّٰی میں تو واجب ہو گا مہر مثل

بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَهُ تَعَذَّرَ الْقَضَاءُ بِالْمُسَمَّى فَيُصَارُ إِلَيْهِ،

بالاتفاق؛ کیونکہ مہر مثل ہی اصل ہے طرفین کے نزدیک، اور امام ابو یوسف کے نزدیک متعذر ہو گیا فیصلہ مسمّٰی کے ساتھ پس رجوع کیا جائے

{۱۴} وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ بَعْدَ مَوْتِ أَحَدِهِمَا فَالْجَوَابُ فِيهِ كَالْجَوَابِ فِي حَيَاتِهِمَا

مہر مثل کی طرف، اور اگر ہو اختلاف دونوں میں سے ایک کی موت کے بعد تو ویسا ہی حکم ہے جیسا ان دونوں کی زندگی میں تھا

لِأَنَّ اعْتِبَارَ مَهْرِ الْمِثْلِ لَا يَسْقُطُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا، {۱۵} وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ بَعْدَ مَوْتِهِمَا فِي الْمِقْدَارِ فَالْقَوْلُ

کیونکہ مہر مثل کا اعتبار ساقط نہیں ہوتا دونوں میں سے ایک کی موت سے، اور اگر ہو اختلاف ان کی موت کے بعد مقدار میں تو قول

قَوْلُ وَرَثَةِ الزَّوْجِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَلَا يُسْتَثْنَى الْقَلِيلُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْجَوَابُ فِيهِ

زوج کے ورثہ کا معتبر ہو گا امام صاحب کے نزدیک، اور استثناء نہیں کیا جائے گا مقدار قلیل کا، اور امام محمد کے نزدیک حکم اس میں ویسا ہے

كَالْجَوَابِ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ، {۱۶} وَإِنْ كَانَ فِي أَصْلِ الْمُسَمَّى فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ الْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ أَنْكَرَهُ، فَالْحَاصِلُ أَنَّهُ

جیسا حکم حالت حیوۃ میں، اور اگر اختلاف ہو اصل مسمّٰی میں تو امام صاحب کے نزدیک قول اس کے منکر کا معتبر ہو گا، پس حاصل یہ ہے کہ

لاَ حُكْمَ لِمَهْرِ الْمِثْلِ عِنْدَهُ بَعْدَ مَوْتِهِمَا عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

حکم نہیں بنایا جائے گا مہر مثل امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں کی موت کے بعد جیسا کہ ہم بیان کریں گے اس کے بعد انشاء اللہ۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں دخول کے بعد مقدارِ مہر میں زوجین کے اختلاف کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۲ تا ۵ میں دخول سے پہلے اختلاف کے حکم میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور طرفینؒ کی دلیل کی نظیر بیان کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں امام محمدؒ کے اقوال میں تعارض اور نمبر ۷ میں دفع تعارض کو ذکر کیا ہے، اور نمبر ۸ میں سوال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۹ میں طرفینؒ کے قول کی تشریح، اور نمبر ۱۰ میں بیّنہ قائم کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۲ میں ابو بکر جصاصؒ اور امام کرخیؒ کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر ۱۳ میں بتایا ہے کہ اگر اختلاف اصل مسمّٰی میں ہو تو اس میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۱۴ میں زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے کے ورثہ کے ساتھ مقدار یا اصل مسمّٰی میں اختلاف کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں زوجین کی موت کے ورثہ مقدار یا اصل مسمّٰی میں اختلاف کے حکم میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر زوجین نے مقدارِ مہر میں اختلاف کیا مثلاً دخول کے بعد طلاق سے پہلے یا طلاق کے بعد زوج کہتا ہے "ہزار روپیہ مہر مقرر ہوا" اور زوجہ کہتی ہے "دو ہزار مقرر ہوا ہے"، تو مہر مثل کو فیصل بنایا جائیگا، چنانچہ اگر مذکورہ صورت میں مہر مثل پندرہ سو ہو تو قسم کے ساتھ پندرہ سو تک عورت کا قول معتبر ہوگا، اور اس سے زائد میں پانچ سو تک میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، شوہر اس طرح قسم کھائے گا کہ "واللہ میں نے دو ہزار پر اس سے نکاح نہیں کیا ہے" پس جس نے قسم سے انکار کیا تو دوسرے کا قول معتبر ہوگا اور اگر دونوں نے قسم کھائی تو پندرہ سو مہر مثل واجب ہوگا۔

{۲} اور اگر مرد نے عورت کے ساتھ دخول سے پہلے عورت کو طلاق دیدی، تو نصف مہر کے بارے میں شوہر کا قول معتبر ہوگا، اور یہ سب جو مذکور ہوا طرفینؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قول شوہر کا معتبر ہے خواہ اختلاف طلاق کے بعد ہو یا طلاق سے پہلے ہو، مگر یہ کہ شوہر کوئی معمولی چیز لاکر کے کہے کہ "یہ اس عورت کا مہر ہے" تو اس صورت میں مرد کا قول معتبر نہ ہوگا۔ پھر معمولی چیز سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز لائے جو عرف میں اس عورت کا مہر نہ بن سکتی ہو جیسے چند رسیاں لاکر کے کہے کہ یہ اس کا مہر ہے۔ اور معمولی چیز کی یہی تفسیر صحیح ہے نہ وہ جو بعض حضرات کہتے ہیں کہ معمولی چیز سے دس درہم سے کم قیمت کی چیز مراد ہے۔

{3} امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت زیادتی مہر کا دعوی کر رہی ہے اس لیے عورت مدعیہ ہے اور شوہر زیادتی کا انکار کر رہا ہے اس لیے وہ منکر ہے اور قاعدہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے لہذا شوہر منکر کا قول معتبر ہوگا۔ البتہ اگر شوہر کوئی ایسی معمولی چیز لائے کہ ظاہر حال اس کی تکذیب کرتا ہو، تو اس معمولی چیز میں شوہر کا قول معتبر نہ ہوگا۔ اور مہر مثل کو فیصل نہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ دراصل امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مہر مسمّٰی اصل ہے اور مہر مثل اس کی فرع اور تابع ہے اور چونکہ منافع بضع کا متقوّم (ذی قیمت ہونا) ہونا عظمتِ بضع کے پیش نظر ایک امر ضروری ہے یعنی بلا ضرورت اسے متقوّم قرار دیا ہے اس لیے جب تک اس کے مقابلے میں اصل یعنی مہر مسمّٰی سے کام چلتا رہے گا فرع یعنی مہر مثل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔

{4} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دعووں میں قول اسی کا معتبر ہوتا ہے جس کے لیے ظاہر حال اور خارجی قرائن شاہد ہوں اور یہاں ظاہر حال اسی کا شاہد ہے جس کے لیے مہر مثل شاہد ہو؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک نکاح میں اصل واجب مہر مثل ہے ؛لہذا مہر مثل جس کے لیے شاہد ہو ظاہر حال اسی کے لیے شاہد ہوگا اور قول اسی کا معتبر ہوگا، اس لیے ہم نے مہر مثل کو فیصل بنا دیا کہ اگر مہر مثل ایک ہزار یا اس سے کم ہے تو شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور اگر مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو زوجہ کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور اگر مہر مثل ایک ہزار اور دو ہزار کے درمیان ہے اور زوجین قسم سے انکار کر رہے ہیں تو مہر مثل تک عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور مہر مثل کے بعد مرد کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

{5} پس یہ ایسا ہے جیسا کہ اگر رنگریز اور کپڑے کے مالک کے درمیان اجرت کی مقدار میں اختلاف ہوا مثلاً کپڑے کا مالک کہتا ہے کہ رنگنے کی اجرت ایک درہم ہے اور رنگریز کہتا ہے دو درہم ہیں، تو اس صورت میں رنگ کی قیمت کو فیصل بنایا جائے گا یعنی بغیر رنگے کپڑے کی قیمت لگائی جائے کہ وہ مثلاً دس درہم ہیں، پھر رنگے ہوئے کی قیمت لگائی جائے کہ وہ مثلاً بارہ درہم ہیں تو رنگ کی قیمت دو درہم قرار پائی جو رنگریز کے قول کے موافق ہے اس لیے اس صورت میں رنگریز کا قول معتبر ہوگا، اور اگر رنگے ہوئے کپڑے کی قیمت گیارہ درہم ہوں تو رنگ کی قیمت ایک درہم ہوگی اس لیے اس صورت میں کپڑے کے مالک کا قول معتبر ہوگا۔

{6} صاحب ہدایہؒ نے امام محمدؒ کے اقوال میں تعارض بیان کیا ہے کہ امام محمدؒ نے یہاں ذکر کیا ہے کہ طلاق قبل الدخول کے بعد اگر مقدارِ مہر میں اختلاف ہو تو نصف مہر کے بارے میں شوہر کا قول معتبر ہوگا، یہ قول امام محمدؒ نے جامع صغیر اور مبسوط میں ذکر کیا ہے، جبکہ جامع کبیر میں ذکر کیا ہے کہ متعۂ مثل کو فیصل بنایا جائے گا، اور جامع کبیر کی روایت طرفینؒ کے قول کے موافق ہے ؛کیونکہ طرفینؒ طلاق سے پہلے اختلاف کی صورت میں مہر مثل کو فیصل بناتے ہیں تو یہاں متعۂ مثل کو فیصل بنایا جائے گا، وجہ یہ

ہے کہ طلاق سے پہلے نکاح کی وجہ سے واجب چیز مہر مثل ہے اس لیے اختلاف کی صورت میں مہر مثل کو فیصل بنایا جائے گا، اور قبل الدخول طلاق کے بعد نکاح کی وجہ سے واجب چیز متعہ ہے، تو طلاق کے بعد متعۂ مثل کو فیصل بنایا جائے گا جیسا کہ طلاق سے پہلے مہر مثل کو فیصل بنایا تھا۔

{۷} صاحب ہدایہؒ نے امام محمدؒ کے اقوال میں موجود تعارض کو دور فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مبسوط میں مسئلہ کی بنیاد ایک ہزار اور دو ہزار پر رکھی ہے یعنی شوہر مہر ایک ہزار درہم مقرر ہونے کا دعوی کر رہا ہے اور اب قبل الدخول طلاق کی وجہ سے نصف مہر یعنی پانچ سو لازم سمجھتا ہے اور زوجہ مہر دو ہزار مقرر ہونے کا دعوی کر رہی ہے، اور اب طلاق قبل الدخول کی وجہ سے نصف مہر یعنی ایک ہزار کو لازم سمجھتی ہے، اور متعہ عموماً پانچ سو کو نہیں پہنچتا ہے حالانکہ فیصل تو کسی ایک کے قول کا شاہد ہوتا ہے یہ تو کسی ایک کے قول کا بھی شاہد نہیں، لہذا اس صورت میں متعہ کو فیصل بنانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

اور جامع کبیر میں مسئلہ کی بنیاد سو اور دس پر رکھی ہے یعنی شوہر کہتا ہے کہ مہر دس درہم مقرر ہوا ہے لہذا نصف مہر پانچ درہم ہے، اور عورت کہتی ہے سو درہم مقرر ہوا ہے لہذا نصف مہر پچاس درہم ہے، اور متعۂ مثل عموماً بیس درہم ہوتا ہے، پس اس صورت میں متعۂ مثل کو فیصل بنانا مفید ہے، اور چونکہ مذکورہ صورت میں متعۂ مثل پانچ درہم سے بہت زیادہ ہے اس لیے اس سے عورت کے قول کی تائید ہوتی ہے، لہذا عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

{۸} سوال یہ ہے کہ مبسوط میں تو ہزار اور دو ہزار پر بنیاد رکھنے کی وجہ سے متعۂ مثل فیصل بنانا مفید نہیں اس لیے نصف مہر کے بارے میں شوہر کا قول معتبر قرار دیا، مگر جامع صغیر تو مختلف فیہ مقدار ذکر کرنے سے خاموش ہے اس میں کیوں نصف مہر کے بارے میں شوہر کے قول کو معتبر مانا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جامع صغیر کا قول مقدار بیان کرنے سے بے شک خاموش ہے مگر امام محمدؒ نے مبسوط پہلے تصنیف فرمائی ہے اور جامع صغیر بعد میں لہذا مبسوط میں جو مذکور ہوگا وہی معہود ہوگا اس لیے جامع صغیر میں بھی وہی صورت مراد ہوگی جو مبسوط میں ذکر ہے۔

{۹} جب زوجین مہر میں اختلاف کریں اور نکاح ابھی تک قائم ہو تو طرفینؒ کے نزدیک مہر مثل کو فیصل بنایا جائے گا، طرفینؒ کے قول کی تشریح یہ ہے کہ جب شوہر دعوی کرے کہ مہر ایک ہزار ہے اور عورت دعوی کرے کہ دو ہزار ہے، تو اگر مہر مثل ہزار یا اس سے کم ہو تو شوہر کا قول (کہ واللہ میں نے اس سے دو ہزار پر نکاح نہیں کیا ہے) مع الیمین معتبر ہوگا؛ کیونکہ شوہر بقدر ہزار کا معترف ہے۔ اور اگر مہر مثل دو ہزار یا زیادہ ہو، تو عورت کا قول (کہ واللہ میں نے اس سے ہزار پر نکاح نہیں کیا ہے) مع الیمین معتبر ہوگا؛ کیونکہ دو ہزار سے زیادہ ہونے کی صورت میں عورت نے دو ہزار کا دعوی کر کے زائد مقدار کے سقوط پر خود رضامندی ظاہر کیا ہے۔

[۱۱۹] اور اگر زوجین میں سے کسی ایک نے اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کر دیا تو دونوں صورتوں (مہر مثل مرد کا شاہد ہو یا عورت کا) میں اسی کا قول قبول کیا جائے گا؛ کیونکہ اس نے اپنے دعویٰ کو دلیل سے منور کیا۔ اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے اور دونوں کے گواہ عادل بھی ہیں، تو پہلی صورت (جس میں مہر مثل مرد کے قول کا شاہد ہو) میں عورت کے گواہ قبول کیے جائیں گے اس لیے کہ عورت کے گواہ زیادتی کو ثابت کرتے ہیں تو عورت کا قول مہر مثل سے مؤید نہ ہونے کی وجہ سے خلاف ظاہر ہے اور بینہ اسی لیے معتبر ہوتے ہیں جو خلاف ظاہر کو ثابت کریں۔ اور دوسری صورت (جس میں مہر مثل عورت کا شاہد ہو) میں مرد کے گواہ قبول کیے جائیں گے اس لیے کہ مرد کے گواہ کمی کو ثابت کرتے ہیں اور کمی مہر مثل سے مؤید نہ ہونے کی وجہ سے خلاف ظاہر ہے، اور بینہ وہی معتبر ہیں جو خلاف ظاہر کو ثابت کریں۔

[۱۲۰] اور اگر مہر مثل پندرہ سو درہم ہو، تو زوجین میں سے ہر ایک سے قسم لی جائے گی؛ کیونکہ ہر ایک مدعی بھی ہے اور منکر ومدعی علیہ بھی ہے یعنی شوہر کا دعویٰ ہے کہ مہر پندرہ سو سے کم ہے اور عورت منکر ہے کہ زیادہ ہے، اور عورت مدعی ہے کہ مہر پندرہ سو سے زیادہ ہے اور مرد منکر ہے کہ زیادہ نہیں ہے، پس جب دونوں منکر ہیں تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے دونوں سے قسم لی جائے گی۔ اور اگر دونوں نے قسم کھائی تو پندرہ سو درہم (مہر مثل) واجب ہوں گے۔ اور نمبر ۱۱۸ میں مہر مثل فیصل بنانے کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ مولانا عبدالحکیم شادلیکوٹی لکھتے ہیں کہ پہلے مسئلہ میں (یعنی قیام نکاح کی صورت) میں امام ابو حنیفہ کا قول راجح ہے، اور دوسرے مسئلے میں (یعنی طلاق قبل الدخول کی صورت) میں امام ابویوسف کا قول راجح ہے، فرماتے ہیں: واعلم ان الراجح فی المسئلة الاولیٰ وہی حالة قیام النکاح قول الامام ابی حنیفة وہو الراجح روایةً ودرایةً، واما المسئلة الثانیة اعنی مسئلة الطلاق قبل الدخول فالراجح فیہا قول ابی یوسف وہو الصحیح بل الحق انہ قول الکل قال بہ الامام ابوحنیفة ومحمد ولیس فیہا اختلاف ولم ینقل بینہم خلاف وماالقل من تحکیم المتعة فمن تخریج المشائخ علی قیاس قولہما ولیس بمنصوص عنہماالخ(ہامش الہدایة:۳۱۵/۲)

[۱۲۱] صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا تینوں صورتوں (مہر مثل زوج کے موافق ہو، زوجہ کے موافق ہو، دونوں کے درمیان ہو) کے جو احکام بیان ہوئے یہ امام ابو بکر جصاص رازیؒ کی تخریج (قول مجمل ذی وجہین کی تفصیل) ہے، جبکہ جصاص کے استاذ امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ تینوں صورتوں میں زوجین قسم لیں؛ کیونکہ اصل تسمیہ پر دونوں متفق ہیں، لہذا مہر مثل کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے، لیکن جب دونوں نے قسم کھائی تو تسمیہ متعذر ہوا، اس لیے اب مہر مثل کو فیصل بنایا جائے گا۔ امام کرخیؒ کا قول راجح ہے

مافی البحرالرائق: وَلَمْ أَرَ مَنْ صَحَّحَ تَخْرِيجَ الرَّازِيِّ فَكَانَ الْمَذْهَبُ تَخْرِيجَ الْكَرْخِيِّ فَيُحْمَلُ كَلَامُ الْمُصَنِّفِ هُنَا عَلَيْهِ لِيُطَابِقَ مَا صُرِّحَ بِهِ فِي بَابِهِ(البحرالرائق:۱۸۱/۳)

{۱۳}یعنی اگر زوجین کا اختلاف مقدارِ مہر میں نہیں بلکہ اصل مسمّٰی میں ہے مثلاً ایک کہتا ہے کہ عقد نکاح کے وقت مہر کو مقرر کیا تھا دوسرا اس کا انکار کرتا ہے تو بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا؛ طرفینؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ دونوں میں سے ایک مہر مسمّٰی کا مدعی ہے اور دوسرا منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے لہذا یہی کہا جائیگا کہ مہر مقرر نہیں ہوا ہے اور جب مہر مقرر نہ ہو تو اصل یعنی مہر مثل واجب قرار دیا جائے گا؛ کیونکہ طرفینؒ کے نزدیک مہر مثل اصل ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو مہر مسمّٰی ہے مگر چونکہ اختلاف کی وجہ سے مسمّٰی کا فیصلہ متعذر ہوا اس لئے مہر مثل کی طرف صیرورت کی جائے گی۔

{۱۴}اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا دوسرے نے میت کے ورثہ کے ساتھ مہر کی مقدار یا اصل مسمّٰی میں اختلاف کیا، تو دونوں صورتوں میں وہی حکم ہوگا جو حکم دونوں کی حیات میں اختلاف کی صورت میں تھا؛ کیونکہ کسی ایک کی موت سے مہر مثل کا اعتبار ساقط نہیں ہوتا ہے جیسے بغیر مہر نکاح کرنے کی صورت میں احد الزوجین کی موت سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مہر مثل کا اعتبار ساقط نہ ہوگا۔

{۱۵}اور اگر زوجین دونوں کے انتقال کے بعد ورثہ نے مہر کی مقدار میں اختلاف کیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زوج کے ورثہ کا قول مع الیمین معتبر ہوگا، اور امام صاحبؒ شئ قلیل کا استثناء بھی نہیں فرماتے ہیں حتی کہ اگر زوج کے ورثہ نے معمولی کوئی چیز بیان کی تب بھی ان کا قول معتبر ہوگا؛ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ زوج کے ورثہ زیادتی مہر کے منکر ہیں اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زوج کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا مگر یہ کہ وہ بالکل معمولی چیز بیان کریں تو پھر ان کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہی حکم ہے جو اُن کی زندگی میں ہے یعنی مہر مثل کو فیصل بنایا جائے گا؛ امام محمدؒ نے حالتِ موت کو حالتِ حیاۃ پر قیاس کیا ہے۔

فتوی:۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول ابی حنیفة۔ قال العلامة قاضیخان: وان ماتا جمیعاً واختلفت ورثتهما فی قدر المسمی قال ابوحنیفة القول قول ورثة الزوج قل اوکثر(القول الراجح:۲۸۵/۱)۔

{۱۶}اور اگر زوجین کی موت کے بعد اختلاف اصل مسمّٰی میں ہو، تو امام صاحبؒ کے نزدیک منکر کا قول معتبر ہوگا اور منکر زوج کے ورثہ ہیں پس دونوں مسئلوں میں امام صاحبؒ کے نزدیک زوج کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا، حاصل یہ ہے کہ دونوں کے

انتقال کے بعد مہر مثل کو فیصل نہیں بنایا جائے گا جیسا کہ اس کی وجہ اگلے میں مسئلہ میں "وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ مَوْتَهُمَا يَدُلُّ الخ" سے بیان کی جائے گی۔

{۱}قَالَ وَإِذَا مَاتَ الزَّوْجَانِ وَقَدْ سَمَّى لَهَا مَهْرًا فَلِوَرَثَتِهَا أَنْ يَأْخُذُوا ذَلِكَ مِنْ مِيرَاثِ الزَّوْجِ

فرمایا: اور جب مر جائیں زوجین اس حال میں کہ مقرر کیا ہو عورت کے لیے مہر تو ورثہ زوجہ کے لیے جائز ہے کہ لے لے یہ زوج کی میراث سے

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَمَّى لَهَامَهْرًا فَلَا شَيْءَ لِوَرَثَتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا : لِوَرَثَتِهَا

اور اگر مقرر نہ کیا عورت کے لیے مہر تو کچھ نہیں اس کے ورثہ کے لیے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین رحمہما اللہ نے: اس کے ورثہ کے لیے

الْمَهْرُفِي الْوَجْهَيْنِ مَعْنَاهُ الْمُسَمَّى فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَمَهْرُالْمِثْلِ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي ، أَمَّا الْأَوَّلُ ؛ فَلِأَنَّ

مہر ہے دونوں صورتوں میں، مطلب یہ ہے کہ مسمّٰی ہے پہلی صورت میں اور مہر مثل ہے دوسری صورت میں، بہر حال اول تو وہ اس لیے کہ

الْمُسَمَّى دَيْنٌ فِي ذِمَّتِهِ وَقَدْ تَأَكَّدَ بِالْمَوْتِ فَيُقْضَى مِنْ تَرِكَتِهِ ،{۲}إلَّا إذَا عُلِمَ أَنَّهَا مَاتَتْ

مسمّٰی دین ہے شوہر کے ذمہ میں اور وہ مؤکد ہو گیا موت سے پس اسے پورا کیا جائے گا اس کے ترکہ سے، الّا یہ کہ معلوم ہو جائے کہ عورت مر گئی

أَوَّلًا. فَيَسْقُطُ نَصِيبُهُ مِنْ ذَلِكَ. {۳}وَأَمَّاالثَّانِي فَوَجْهُ قَوْلِهِمَاأَنَّ مَهْرَالْمِثْلِ صَارَ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ كَالْمُسَمَّى

پہلے تو ساقط ہو گا اس کا حصہ اس میں سے۔ بہر حال ثانی تو صاحبینؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مہر مثل ہو گیا دین اس کے ذمہ میں جیسے مسمّٰی

فَلَا يَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَمَا إذَا مَاتَ أَحَدُهُمَا. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ مَوْتَهُمَا يَدُلُّ

پس ساقط نہ ہو گا موت سے جیسا کہ جب مر جائے دونوں میں سے ایک۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کی موت دال ہے

عَلَى انْقِرَاضِ أَقْرَانِهِمَا فَبِمَهْرِ مَنْ يُقَدِّرُ الْقَاضِي مَهْرَ الْمِثْلِ {۴} وَمَنْ بَعَثَ إلَى امْرَأَتِهِ شَيْئًا

ان کے ہم عمروں کے ختم ہونے پر تو کس کے مہر سے اندازہ لگائے گا قاضی مہر مثل کا۔ اور جو شخص بھیج دے اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز

فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ الزَّوْجُ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُمَلِّكُ فَكَانَ أَعْرَفَ

پھر عورت نے کہا وہ ہدیہ ہے اور شوہر نے کہا وہ مہر ہے تو قول زوج کا معتبر ہو گا؛ کیونکہ وہ مالک بنانے والا ہے پس وہ زیادہ واقف ہو گا

بِجِهَةِ التَّمْلِيكِ ، كَيْفَ وَأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَسْعَى فِي إسْقَاطِ الْوَاجِبِ .{۵}قَالَ إلَّا فِي الطَّعَامِ الَّذِي يُؤْكَلُ

جہتِ تملیک سے، کیوں نہیں حالانکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ کوشش کرتا ہے اسقاط واجب کی۔ فرمایا: مگر اس کھانے میں جو کھایا جاتا ہے

فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهَا وَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يَكُونُ مُهَيَّأً لِلْأَكْلِ ؛ لِأَنَّهُ يَتَعَارَفُ هَدِيَّةً ،{۶}فَأَمَّا فِي الْحِنْطَةِ

عورت کا قول معتبر ہو گا، اور مراد اس سے وہ ہے جو تیار کیا گیا ہو کھانے کے لیے؛ کیونکہ وہ متعارف ہے ہدیہ کے طور پر، بہر حال گندم

وَالشَّعِيرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِمَا بَيَّنَّا ، وَقِيلَ مَايَجِبُ عَلَيْهِ مِنَ الْخِمَارِوَالدِّرْعِ وَغَيْرِهِمَا

اور جو میں تو قول زوج کا معتبر ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور کہا گیا ہے جو چیز واجب ہے شوہر پر یعنی اوڑھنی اور کرتہ وغیرہ

لَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْتَسِبَهُ مِنَ الْمَهْرِ ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ يُكَذِّبُهُ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اسے شمار کرے مہر میں؛ کیونکہ ظاہر اس کی تکذیب کرتا ہے واللہ اعلم۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں زوجین کے انتقال کے بعد عورت کے لیے مہر مقرر ہونے کی صورت میں عورت کے ورثہ کے لیے مرد کے ترکہ سے مہر لینے کا جواز، اور مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف، اور عورت پہلے مرجانے کی صورت کا حکم، پھر دوسری صورت کے بارے میں ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ تا ۶ میں شوہر کی طرف سے مختلف چیزیں بھیجنے کے احکام اور دلائل ذکر کئے ہیں۔

تشریح:۔ {۱} اگر زوجین دونوں کا انتقال ہو گیا خواہ قبل الدخول ہو یا بعد الدخول ہو، اور عورت کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو، تو عورت کے ورثہ کے لیے یہ جائز ہے کہ مرد کی میراث سے مقرر شدہ مہر لے لیں۔ اور اگر عورت کے لیے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک عورت کے ورثہ کے لیے کچھ نہ ہو گا۔ اور صاحبین ؒ کے نزدیک عورت کے ورثہ کے لیے دونوں صورتوں (مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو) میں جائز ہے کہ مہر لے لیں، البتہ مہر مقرر ہونے کی صورت میں مہر مسمّٰی لے لیں اور مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں مہر مثل لے لیں۔ مہر مقرر ہونے کی صورت میں مہر لینے کی وجہ یہ ہے کہ مہر مسمّٰی شوہر کے ذمہ دَین ہے اور موت کی وجہ سے مسمّٰی مؤکد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ موت سے پہلے ممکن تھا کہ زوج طلاق قبل الدخول دے کر عورت کا حق نصف مہر میں رہ جائے، مگر موت کے بعد یہ امکان ختم ہوا اس لیے مکمل مہر مؤکد ہوا، لہٰذا شوہر کے ترکہ سے اسے ادا کیا جائے گا۔

{۲} البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بیوی کا انتقال شوہر سے پہلے ہوا ہے تو شوہر کا حصہ اس سے ساقط ہو جائے گا مثلاً کل مہر ہزار درہم ہیں جن کو بیوی کے ورثہ شوہر کے ترکہ سے وصول کریں گے، مگر چونکہ بیوی کا انتقال پہلے ہوا ہے جس کی وجہ سے شوہر اس کے ورثہ میں سے ہو گا تو اگر بیوی صاحبِ اولاد ہے تو شوہر کا حصۂ میراث ربع (ڈھائی سو درہم) ہو گا اور اگر بیوی صاحبِ اولاد نہیں تو شوہر کا حصہ نصف (پانچ سو درہم) ہو گا جس کو ان ہزار درہم میں سے شوہر کے ورثہ کو دلایا جائے گا۔

{۳} اور دوسری صورت میں صاحبین ؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ مہر مسمّٰی شوہر کے ذمہ دَین ہوتا ہے اسی طرح مہر مثل بھی شوہر کے ذمہ دَین ہوتا ہے، لہٰذا یہ مہر مثل شوہر کے ذمہ سے موت کی وجہ سے ساقط نہ ہو گا جیسا کہ زوجین میں سے کسی کی موت سے ساقط نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ" کی دلیل یہ ہے کہ زوجین دونوں کا انتقال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے ہم عمر لوگ ختم ہو چکے اور زمانہ بہت گذر چکا ہے، اور مہر کا اندازہ ہم عمر عورتوں کے مہر سے لگایا جاتا ہے جب وہ نہ رہیں تو اب قاضی ان کے مہر مثل کا اندازہ کس کے مہر سے لگائے، اور جب اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے تو قاضی کسی شی کا بھی فیصلہ نہ کرے، البتہ اگر زمانہ زیادہ نہ گذرا ہو اس کی ہم عمر عورتیں موجود ہوں تو پھر قاضی مہر مثل کا فیصلہ کردے۔

فتوی:۔ صاحبین کا قول راجح ہے کما فی شرح التنویر: (وَبَعْدَ مَوْتِهِمَا فِي الْقَدْرِ الْقَوْلُ لِوَرَثَتِهِ) وَ) فِي الِاخْتِلَافِ (فِي أَصْلِهِ) الْقَوْلُ لِمُنْكِرِ التَّسْمِيَةِ (لَمْ يُقْضَ بِشَيْءٍ) مَا لَمْ يُبَرْهِنْ عَلَى التَّسْمِيَةِ (وَقَالَا يُقْضَى بِمَهْرِ الْمِثْلِ) كَحَالِ حَيَاةٍ (وَبِهِ يُفْتَى وَهَذَا)(الدر المختار علی ھامش رد المحتار :۲/۳۹۳)

{ 4 } اگر شوہر نے اپنی بیوی کے پاس کوئی سامان بھیجا پھر زوجین میں اختلاف ہوا، عورت کہتی ہے کہ یہ ہدیہ تھا، اور شوہر کہتا ہے یہ مہر تھا، تو اس صورت میں شوہر کا قول مع الیمین (کہ واللہ یہ مہر تھا) معتبر ہوگا؛ کیونکہ شوہر مالک بنانے والا ہے لہذا جہت تملیک (مالک بنانے کی جہت) سے وہ زیادہ واقف ہوگا کہ بطور ہدیہ ہے یا بطور مہر ہے، اور شوہر کا قول کیوں نہ مانا جائے حالانکہ ظاہر حال اس کا شاہد ہے؛ کیونکہ انسان پہلے اپنے ذمہ سے واجب کو ساقط کرتا ہے نہ یہ کہ واجب تو باقی رہے اور وہ تبرعات واحسانات میں لگا رہے۔

{ 5 } یہ اس وقت ہے کہ بھیجی گئی چیز کھانے پینے کی چیز نہ ہو اور اگر شوہر نے عورت کے پاس کھانے کی کوئی چیز بھیجی، اب زوجین میں اختلاف ہوا تو ان چیزوں کے بارے میں عورت کا قول معتبر ہے، کھانے کی چیز سے مراد یہ ہے کہ وہ کھانے کے لیے تیار کی گئی ہو یعنی ایسی چیز ہو جو دیر تک رکھنے سے خراب ہوتی ہو مثلاً بھنا ہوا گوشت ہو یا پکا ہوا کھانا وغیرہ؛ کیونکہ ان چیزوں کا ہدیہ ہونا متعارف ہے یعنی عام طور پر یہ چیزیں بطور ہدیہ بھیجی جاتی ہیں نہ کہ بطورِ مہر لہذا ظاہر حال عورت کا شاہد ہے اس لیے ان چیزوں کے بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔

{ 6 } البتہ ایسی چیزیں جن کو ذخیرہ کیا جاسکتا ہو مثلاً گندم، جو، شہد وغیرہ تو ان کے بارے میں بھی شوہر کا قول معتبر ہوگا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کرچکے کہ شوہر مالک بنانے والا ہے لہذا جہت تملیک (مالک بنانے کی جہت) سے وہ زیادہ واقف ہوگا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شوہر نے اگر ایسا سامان بھیجا جو شوہر پر واجب تھا مثلاً اوڑھنی، کرتا، اور دیگر گھریلو سامان، تو شوہر کو یہ حق نہیں کہ وہ ان چیزوں کو مہر میں شمار کرے؛ کیونکہ ظاہر حال شوہر کی تکذیب کرتا ہے اس لیے کہ یہ چیزیں تو اس پر واجب ہیں ان کے بھیجنے میں وہ متبرع نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

فصلٌ

یہ فصل کفار کے نکاحوں کے بیان میں ہے

چونکہ احکام شریعت میں مسلمان اصل ہیں اور کفار معاملات میں ان کے تابع ہیں اور نکاح کفار کے حق میں معاملات کے قبیل سے ہے، اس لیے مصنفؒ نے پہلے مسلمانوں کے حق میں احکام نکاح بیان فرمائے اب ان کے تابع یعنی کفار کے حق میں جو احکام نکاح ہیں ان کو بیان فرمار ہے ہیں۔

{۱} وَإِذَاتَزَوَّجَ النَّصْرَانِيُّ نَصْرَانِيَّةًعَلَى مَيْتَةٍأَوْ عَلَى غَيْرِ مَهْرٍ وَذَلِكَ فِي دِينِهِمْ جَائِزٌ فَدَخَلَ بِهَا أَوْ طَلَّقَهَا

اور جب نکاح کرے نصرانی نصرانیہ سے مردار پر یا بغیر مہر کے اور یہ ان کے دین میں جائز ہے پھر دخول کرے اس کے ساتھ یا طلاق دے اس کو

قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهَا مَهْرٌ ، وَكَذَلِكَ الْحَرْبِيَّانِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَهَذَا

اس کے ساتھ دخول سے پہلے یا مر جائے اس سے، تو نہیں ہوگا اس کے لیے مہر، اور یہی حکم ہے دو حربیوں کا دارالحرب میں، اور یہ

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُهُمَا فِي الْحَرْبِيَّيْنِ .وَأَمَّا فِي الذِّمِّيَّةِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور یہی صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے حربیوں کے بارے میں، اور رہا ذمیہ کا مسئلہ تو اس کے لیے مہر مثل

إنْ مَاتَ عَنْهَا أَوْ دَخَلَ بِهَا وَالْمُتْعَةُ إنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا .وَقَالَ زُفَرُ:

اگر شوہر مر گیا اس سے یا دخول کیا اس کے ساتھ اور متعہ ہے اگر طلاق دی اس کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے، اور فرمایا امام زفر رحمہ اللہ نے کہ

لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْحَرْبِيَّيْنِ أَيْضًا. {۲}لَهُ أَنَّ الشَّرْعَ مَا شَرَعَ ابْتِغَاءَ النِّكَاحِ إلَّا بِالْمَالِ ، وَهَذَا

عورت کے لیے مہر مثل ہے حربیوں میں بھی، ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے مشروع نہیں کیا ہے ابتغاءِ نکاح کو مگر مال سے، اور یہ

الشَّرْعُ وَقَعَ عَامًافَيَثْبُتُ الْحُكْمُ عَلَى الْعُمُومِ . {۳}وَلَهُمَا أَنَّ أَهْلَ الْحَرْبِ غَيْرُ مُلْتَزِمِينَ أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ ،

شریعت واقع ہوئی ہے عام پس ثابت ہوگا حکم علی العموم، اور صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اہل حرب التزام کرنے والے نہیں احکام اسلام کا

وَوِلَايَةُ الْإِلْزَامِ مُنْقَطِعَةٌ لِتَبَايُنِ الدَّارِ ،بِخِلَافِ أَهْلِ الذِّمَّةِ لِأَنَّهُمْ الْتَزَمُوا أَحْكَامَنَا فِيمَا يَرْجِعُ

اور ولایت الزام منقطع ہے تباین دار کی وجہ سے۔ بخلاف اہل ذمہ کے؛ کیونکہ انہوں نے التزام کیا ہے ہمارے ان احکام کا جو متعلق ہیں

إلَى الْمُعَامَلَاتِ كَالرِّبَا وَالزِّنَا ، وَوِلَايَةُ الْإِلْزَامِ مُتَحَقِّقَةٌ لِاتِّحَادِ الدَّارِ .{۴}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ أَهْلَ الذِّمَّةِ

معاملات کے ساتھ جیسے ربا اور زنا اور ولایتِ الزام متحقق ہے اتحادِ دار کی وجہ سے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے اہل ذمہ

لَا يَلْتَزِمُونَ أَحْكَامَنَا فِي الدِّيَانَاتِ وَفِيمَا يَعْتَقِدُونَ خِلَافَهُ فِي الْمُعَامَلَاتِ ،وَوِلَايَةُ الْإِلْزَامِ بِالسَّيْفِ

التزام نہیں کرتے ہیں ہمارے احکام کا دیانات میں اور ان میں جن میں وہ اعتقاد رکھتے ہیں خلاف کا معاملات میں۔ اور ولایتِ الزام تلوار سے ہے

وَبِالْمُحَاجَّةِ وَكُلُّ ذَلِكَ مُنْقَطِعٌ عَنْهُمْ بِاعْتِبَارِ عَقْدِ الذِّمَّةِ ، فَإِنَّا أُمِرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ

یا دلیل سے مغلوب کرنے سے ہے اور یہ دونوں منقطع ہیں ان سے عقدِ ذمہ کی وجہ سے ؛کیونکہ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان کو

وَمَا يَدِينُونَ فَصَارُوا كَأَهْلِ الْحَرْبِ، {۵} بِخِلَافِ الزِّنَا لِأَنَّهُ حَرَامٌ فِي الْأَدْيَانِ كُلِّهَا، وَالرِّبَا مُسْتَثْنًى عَنْ عُقُودِهِمْ

ان کے دین پر، پس وہ ہو گئے اہل حرب کی طرح، بخلافِ زنا کے ؛کیونکہ وہ حرام ہے تمام ادیان میں، اور سود مستثنیٰ ہے ان کے عقود سے

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {أَلَا مَنْ أَرْبَى فَلَيْسَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ عَهْدٌ} {۶} وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ

کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خبردار جو سود کا معاملہ کرے تو نہیں ہے ہمارے اور اس کے درمیان عہد، اور امام محمدؒ کا قول جامع صغیر میں

أَوْ عَلَى غَيْرِ مَهْرٍ يَحْتَمِلُ نَفْيَ الْمَهْرِ وَيَحْتَمِلُ السُّكُوتَ. وَقَدْ قِيلَ: فِي الْمَيْتَةِ وَالسُّكُوتِ رِوَايَتَانِ ، وَالْأَصَحُّ

" أَوْ عَلَى غَيْرِ مَهْرٍ" احتمال رکھتا ہے نفی کا اور احتمال رکھتا ہے سکوت کا، اور کہا گیا کہ مردار اور سکوت میں دو روایتیں ہیں اور اصح یہ ہے

أَنَّ الْكُلَّ عَلَى الْخِلَافِ .

اور اصح یہ ہے کہ تمام صورتوں میں اختلاف ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں دارالاسلام میں ذمی کا ذمیہ کے ساتھ غیر مال پر نکاح کرنے کے حکم میں ائمہ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۶ میں امام محمدؒ کے قول کے دو احتمال بیان کیے ہیں اور میتہ اور سکوت کے بارے میں امام سے مروی روایت کی تحقیق کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر دارالاسلام میں کسی نصرانی نے نصرانیہ (مراد ذمی اور ذمیہ ہیں) کے ساتھ نکاح کیا اور مردار کو مہر مقرر کیا (یعنی کوئی ایسی چیز بطورِ مہر مقرر کر لی جو مال نہیں) یا بغیر مہر کے نکاح کیا اور اس طرح کا نکاح ان کے دین میں جائز بھی ہو پھر شوہر نے اس عورت کے ساتھ صحبت کر لی یا صحبت سے پہلے طلاق دیدی یا شوہر مر گیا، اسی طرح اگر دو حربیوں نے دارالحرب میں اس طرح نکاح کیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں اور صاحبینؒ کے نزدیک دوسری صورت (حربی اور حربیہ کی صورت) میں اس عورت کے لئے مہر نہیں ہو گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ذمی اور ذمیہ کی صورت میں بعد الدخول عورت کے لیے مہر مثل ہو گا اور قبل الدخول متعہ ہو گا۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں (ذمی و ذمیہ اور حربی و حربیہ کی صورت) میں عورت کے لیے مہر مثل ہو گا۔

{۲} امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے نکاح کو مال کے ساتھ طلب کرنے کا حکم کیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے (أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ[1]) (بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے) اور یہ شریعت ساری انسانیت کے لیے عام ہے ؛کیونکہ

([1]) النساء:۲۴۔

حضور ﷺ کی بعثت ساری انسانیت کے لیے ہے جیساکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ[۱]" (مجھے عرب وعجم سب کے لیے بھیجا گیا ہے)، لہٰذا کفار بھی معاملات کے مخاطب ہیں اور نکاح معاملات میں سے ہے، لہٰذا مسلمان اور کفار سب نکاح کو مال کے ساتھ طلب کرنے کے مخاطب ہیں، پس جس طرح کہ مذکورہ صورتوں میں مسلمان پر مہر مثل واجب ہوتا ہے اسی طرح کفار پر بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

{۳} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حربی کافروں نے دارالکفر میں رہتے ہوئے احکام اسلام کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے؛ کیونکہ احکام اسلام کا التزام عقدِ ذمہ سے ہوتا ہے عقدِ ذمہ انہوں نے نہیں کیا ہے، اور ہماری طرف سے ان پر احکام اسلام لازم کرنے کی ولایت تباینِ دارین (دارالاسلام اور دارالکفر) کی وجہ سے منقطع ہے، لہٰذا احکام اسلام کی تنفیذ ان پر نہیں ہوسکتی ہے۔ بخلافِ اہل ذمہ کے کہ عقدِ ذمہ کی وجہ سے ذمی نے معاملات مین احکام اسلام کو خود ہی اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے چنانچہ زنا اور ربا وغیرہ کی ان کے لئے بھی ممانعت ہے جیسے ہمارے لئے ممانعت ہے اور نکاح معاملات مین سے ہے لہٰذا بابِ نکاح مین ان کا اور ہمارا ایک ہی حکم ہوگا، اور ہمارے لیے اتحادِ دار کی وجہ سے ان پر احکام اسلام کو لازم کرنے کی ولایت متحقق ہے اس لیے ذمیوں پر احکام اسلام لازم کیے جائیں گے۔

{۴} امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی نہ تو دیانات (صوم وصلاۃ) میں ہمارے احکام کو لازم کرنے والے ہیں اور نہ ان معاملات میں جن میں وہ ہمارے اعتقاد کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں جیسے خمر وخنزیر وغیرہ کی بیع۔ اور ان پر احکام اسلام کو لازم کرنے کی ولایت بھی ہمیں حاصل نہیں ہے؛ کیونکہ ہمارے لیے ولایتِ الزام یا تو تلوار سے متحقق ہوتی ہے اور یا محاجہ اور مباحثہ سے، اور یہ دونوں باتیں ان سے عقدِ ذمہ کی وجہ سے منقطع ہیں، چنانچہ ہمیں حکم ہے "کہ ہم ان کو اپنے دین پر رہنے دیں" یعنی جو باتیں ان کے عقیدے کے موافق ہوں اور ہمارے مذہب کے خلاف ہوں ان میں ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے، لہٰذا ذمی بھی حربی کی طرح ہوگیا اس لیے ذمی عورت کے لئے بھی مہر نہیں ہوگا۔

{۵} اور صاحبین رحمہما اللہ نے جو معاملات کو ربا اور زنا پر قیاس کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ذمی کے لئے زنا تو اس لئے ممنوع ہے کہ زنا تمام ادیان میں حرام ہے زنا میں تو ان کا بھی عقیدہ حلال ہونے کا نہیں حالانکہ ہمیں ان کے عقیدے کے موافق احکام کے بارے میں حکم ہے کہ ان سے تعرض نہ کریں۔ اور ربا اس لئے ممنوع ہے کہ ربا عقدِ ذمہ سے مستثنیٰ ہے یعنی ہمیں ان کو اپنے دین

(۱) نوادر الاصول فی احادیث الرسول، جلد:۳ ص:۷۵۔

نے ربا کا معاملہ کیا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں) لہذا نکاح کو زنا اور ربا پر قیاس کرنا درست نہیں۔ پر چھوڑنے کا حکم ہے سوائے ربا کے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَلَا مَنْ أَرْبَى فَلَيْسَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ عَهْدٌ"[1] (یعنی خبردار جس

فتویٰ:۔ مولانا عبدالحکیم شاہ لیکوئی فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر کا رجحان امام زفر رحمۃ اللہ کے قول کی ترجیح کی طرف ہے، فرماتے ہیں: لم ارالترجیح ههنا صراحة، لکن عبارة فتح القدیر ظاهرة فی ترجیح قول زفرحیث قال والذی یقتضیه النظران الاستدلال علی ان الکفار مخاطبون بالمعاملات ان تم تم المطلوب زفر؛ لان الامربترک التعرض لهم لذمتهم لایقتضی سوی ان لایتعرض لهم مالم یرضوا بحکمنا اویسلموا وذالک لایمنع من قیام لزوم المهر شرعا فی ذمتهم(هامش الهدایة:۲/۳۱۷)

{٦}صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں امام محمدؒ کے قول "أَوْعَلَى غَيْرِ مَهْرٍ" میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نکاح کرتے ہوئے مہر کی نفی کردے کہ مہر نہ ہوگا، اور دوسرا یہ کہ مہر کے ذکر سے خاموشی اختیار کرے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مردار پر نکاح کرنے اور مہر سے خاموشی کی صورت میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں مروی ہیں، ایک یہ ہے کہ ذمیہ کے لیے مہر مثل ہوگا جیسا کہ صاحبین رحمہما اللہ کہتے ہیں، دوسری یہ ہے کہ کچھ نہ ہوگا جیسا کہ متن میں ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ تینوں صورتوں (مردار پر نکاح، مہر کی نفی اور مہر سے سکوت) میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ کے نزدیک کچھ واجب نہ ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا۔ مگر صاحبِ ہدایہ رحمۃ اللہ کی یہ تصحیح صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ سے دو روایتیں مروی ہے بلکہ مبسوط کی روایت صاحبین رحمہما اللہ کے مطابق ہے وقال ابن الهمام: وَصَحَّحَ الْمُصَنِّفُ أَنَّ الْكُلَّ عَلَى الْخِلَافِ وَهُوَ خِلَافُ الظَّاهِرِ(فتح القدیر:۳/۲٦۱)

{۱} فَإِنْ تَزَوَّجَ الذِّمِّيُّ ذِمِّيَّةً عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا فَلَهَا الْخَمْرُ وَالْخِنْزِيرُ

پس اگر نکاح کیا ذمی نے ذمیہ سے شراب یا خنزیر پر پھر دونوں نے اسلام لایا یا اسلام لایا کسی ایک نے تو اس کے لیے شراب اور خنزیر ہے

وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَا بِأَعْيَانِهِمَا وَالْإِسْلَامُ قَبْلَ الْقَبْضِ ، وَإِنْ كَانَا بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا فَلَهَا فِي الْخَمْرِ الْقِيمَةُ

اور معنی اس کا یہ ہے کہ وہ دونوں متعین ہوں اور اسلام قبل القبض ہو اور اگر وہ ہوں غیر معین تو عورت کے لیے خمر میں قیمت ہے

[1] یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے، البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں امام شعبیؒ سے مرسل مروی ہے: الآ من أربى فليس بيننا وبينه عهد لم أجدهٔ بهذا اللفظ وروى ابن ابي شيبة عن مرسل الشعبي كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم ٥ إلى اهل نجران وهم نصارى أن من بايع منكم بالربا فلا ذمة له واخرج أبو عبيد في الأموال من مرسل ابي المليح الهذلي نحوه مطولا ولفظه ولا ياكلوا الربا فمن اكل منهم الربا فذمتي منهم بريئة(الدراية فی تخريج احاديث الهداية، جلد۲،ص:٦٤،رقم ٥٥١،ط مكتبة دارالمعرفة،بيروت)

وَفِي الْخِنْزِيرِ مَهْرُ الْمِثْلِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .﴿۲﴾وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَهَامَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ.
اور خنزیر میں مہر مثل ہے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے عورت کے لیے مہر مثل ہے دونوں صورتوں میں
وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَهَا الْقِيمَةُ فِي الْوَجْهَيْنِ .وَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْقَبْضَ مُؤَكِّدٌ لِلْمِلْكِ فِي الْمَقْبُوضِ
اور فرمایا امام محمدؒ نے عورت کے لیے قیمت ہے دونوں صورتوں میں، وجہ صاحبینؒ کے قول کی یہ ہے کہ قبضہ مؤکد ہے ملک کے لیے مقبوض میں
فَيَكُونُ لَهُ شَبَهٌ بِالْعَقْدِ فَيَمْتَنِعُ بِسَبَبِ الْإِسْلَامِ كَالْعَقْدِ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَا بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا.
پس ہوگی اس کے لیے مشابہت عقد کے ساتھ پس ممتنع ہوگا اسلام کی وجہ سے عقد کی طرح اور ہو گیا جیسا کہ جب وہ دونوں غیر معین ہوں
وَإِذَا الْتَحَقَتْ حَالَةُ الْقَبْضِ بِحَالَةِ الْعَقْدِ ، فَأَبُو يُوسُفَ يَقُولُ : لَوْ كَانَا مُسْلِمَيْنِ وَقْتَ الْعَقْدِ يَجِبُ
اور جب لاحق ہو گئی حالتِ قبض حالتِ عقد کے ساتھ، تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں مسلمان ہوتے عقد کے وقت تو واجب ہوتا
مَهْرُ الْمِثْلِ فَكَذَا هَاهُنَا.﴿۳﴾وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ صَحَّتْ التَّسْمِيَةُ لِكَوْنِ الْمُسَمَّى مَالًا عِنْدَهُمْ إِلَّا أَنَّهُ امْتَنَعَ التَّسْلِيمُ لِلْإِسْلَامِ
مہر مثل، پس اسی طرح یہاں ہے، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں صحیح ہے تسمیہ کیونکہ مسمّٰی مال ہے ان کے نزدیک مگر ممتنع ہو گئی تسلیم اسلام کی وجہ سے
فَتَجِبُ الْقِيمَةُ، كَمَا إِذَا هَلَكَ الْعَبْدُ الْمُسَمَّى قَبْلَ الْقَبْضِ. ﴿۴﴾وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمِلْكَ فِي الصَّدَاقِ الْمُعَيَّنِ
پس واجب ہوگی قیمت، جیسا کہ جب ہلاک ہو جائے عبدِ مسمّٰی قبضہ سے پہلے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ملک مہر معین میں
يَتِمُّ بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَلِهَذَا تَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِيهِ ، وَبِالْقَبْضِ يَنْتَقِلُ مِنْ ضَمَانِ الزَّوْجِ إِلَى ضَمَانِهَا.
تام ہوتی ہے نفسِ عقد سے، اسی وجہ سے وہ مالک ہوتی ہے تصرف کا اس میں، اور قبضہ سے منتقل ہوتی ہے ضمان زوج سے عورت کے ضمان کی طرف
وَذَلِكَ لَا يَمْتَنِعُ بِالْإِسْلَامِ كَاسْتِرْدَادِ الْخَمْرِ الْمَغْصُوبَةِ ، وَفِي غَيْرِ الْمُعَيَّنِ الْقَبْضُ يُوجِبُ مِلْكَ الْعَيْنِ فَيَمْتَنِعُ
اور یہ ممتنع نہیں اسلام کی وجہ سے جیسا کہ واپس لینا شرابِ مغصوبہ، اور غیر معین میں قبضہ واجب کرتا ہے ملکِ معین کو پس ممتنع ہوگا
بِالْإِسْلَامِ.﴿۵﴾بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي لِأَنَّ مِلْكَ التَّصَرُّفِ فِيهِ إِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالْقَبْضِ،وَإِذَا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ فِي غَيْرِ الْمُعَيَّنِ
اسلام کی وجہ سے، بخلاف مشتری کے؛ کیونکہ ملکِ تصرف اس میں قبضہ سے مستفاد ہے، اور جب متعذر ہو گیا قبضہ غیر معین میں
لَا تَجِبُ الْقِيمَةُ فِي الْخِنْزِيرِ لِأَنَّهُ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ فَيَكُونُ أَخْذُ قِيمَتِهِ كَأَخْذِ عَيْنِهِ ، وَلَا كَذَلِكَ الْخَمْرُ
تو واجب نہ ہوگی قیمت خنزیر میں؛ کیونکہ خنزیر ذوات القیم میں سے ہے پس ہوگا اس کی قیمت لینا ایسا جیسے اس کا عین لینا، اور ایسی نہیں شراب؛
لِأَنَّهُ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ جَاءَ بِالْقِيمَةِ ، قَبْلَ الْإِسْلَامِ تُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ
کیونکہ وہ ذوات الامثال میں سے ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر شوہر ادا کرے قیمت اسلام سے پہلے تو عورت مجبور کی جائے گی قبول کرنے پر
فِي الْخِنْزِيرِ دُونَ الْخَمْرِ.﴿۶﴾وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا ، فَمَنْ أَوْجَبَ مَهْرَ الْمِثْلِ أَوْجَبَ الْمُتْعَةَ ، وَمَنْ

خنزیر میں نہ کہ شراب میں، اور اگر طلاق دی عورت کو دخول سے پہلے، تو جس نے واجب کیا مہر مثل وہ واجب کرے گا متعہ، اور جس نے

أَوْجَبَ الْقِيمَةَ أَوْجَبَ نِصْفَهَا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

واجب کی قیمت وہ واجب کرے گا نصف قیمت، واللہ اعلم۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں دو ذمیوں کا غیر مال پر نکاح کرنے کے بعد دونوں یا ایک کے مسلمان ہونے کے حکم میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف، اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں نکاح اور بیع کا ایک حکم میں فرق اور وجہ فرق بیان کی ہے، اور نمبر ۶ میں سابقہ صورت میں اگر قبل الدخول طلاق دیدی تو ائمہ ثلاثہ کے اصول کے مطابق اس کا حکم بیان کیا ہے۔

تشریح: [۱] اگر ذمی آدمی نے ذمیہ عورت سے نکاح کیا اور مہر شراب یا خنزیر (یا کوئی ایسی چیز جو ان کے نزدیک مال ہو ہمارے نزدیک مال نہ ہو) کو مقرر کیا، پھر مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے دونوں مسلمان ہو گئے یا دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ شراب اور خنزیر متعین ہوں، اور خمر یا خنزیر پر قبضہ کرنے سے پہلے دونوں یا کسی نے اسلام لایا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان عورت کے لئے وہی معین شراب اور معین خنزیر ہوگا، اور اگر شراب اور خنزیر متعین نہ ہوں تو شراب کی صورت میں عورت کے لئے شراب کی قیمت ہوگی اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل ہوگا، اور یہ پوری تفصیل امام صاحبؒ کے نزدیک ہے۔

[۲] امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں صورتوں (کہ خمر و خنزیر متعین ہوں یا غیر متعین ہوں) میں عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے خمر اور خنزیر کی قیمت واجب ہوگی۔ چونکہ صاحبینؒ متعین خمر و خنزیر میں عین خمر و خنزیر واجب نہ کرنے میں متفق ہیں اس لیے صاحب ہدایہ نے دونوں کی مشترک دلیل ذکر کی ہے، چنانچہ فرمایا کہ قبضہ مقبوض میں ملک کو مؤکد کر دیتا ہے اور جو چیز مؤکد ملک ہو وہ عقد کے مشابہ ہوتی ہے، اور خمر و خنزیر پر اسلام لانے کے بعد عقدِ نکاح کرنا ممنوع ہے، تو قبضہ بھی ممنوع ہوگا، پس متعین خمر و خنزیر غیر متعین خمر و خنزیر کی طرح ہیں یعنی جس طرح کہ غیر معین خمر و خنزیر کی صورت میں عیناً خمر و خنزیر کا سپرد کرنا ممنوع ہے اسی طرح متعین کی صورت میں بھی عیناً خمر و خنزیر سپرد کرنا ممنوع ہوگا۔ پس جب حالتِ قبض حالتِ عقد کے مشابہ ہوگئی، تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر خمر و خنزیر پر عقدِ نکاح کرتے وقت دونوں مسلمان ہوتے تو مہر مثل واجب ہوتا تو اب قبض کے وقت بھی مہر مثل ہی واجب ہوگا۔

[۳] اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بوقتِ عقد خمر و خنزیر کو بطورِ مہر مقرر کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ عاقدین مسلمان نہیں اور مسمّٰی (خمر و خنزیر) ان کے نزدیک مال ہے، مگر اب چونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اس لیے شوہر کے لیے خمر و خنزیر کو تسلیم کرنا ممتنع ہوگا، لہٰذا

خمر اور خنزیر دونوں کی قیمت دینا واجب ہوگی، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ عقد میں بطور مہر غلام مقرر کیا ہو، پھر وہ قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو غلام کی قیمت واجب ہوگی، اسی طرح مذکورہ صورت میں خمر و خنزیر کی قیمت واجب ہوگی۔

[۲] امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ متعین مہر میں عورت کی ملک نفس عقدِ نکاح سے تام ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ عورت مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کر سکتی ہے اسے فروخت کر سکتی ہے اور کسی دوسرے شخص کو ہبہ کر سکتی ہے، لہٰذا قبضہ عقد کی طرح موجب ملک نہیں ہے، البتہ قبضہ کی وجہ سے شئ شوہر کی ذمہ داری سے عورت کی ذمہ داری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے لہٰذا اب ہلاک ہونے کی صورت میں مرد ذمہ دار نہ ہوگا، اور ملک کا ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا اسلام کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے چنانچہ اگر ذمی کی شراب کو کسی نے غصب کیا پھر وہ اسلام لے آیا تو اس کے لیے غاصب سے مغصوبہ شراب واپس لینا جائز ہے، اس لیے مذکورہ بالا صورت میں عورت کے لیے متعین خمر اور خنزیر ہی ہوگا۔ البتہ اگر خمر و خنزیر متعین نہ ہو تو اب اسلام کے بعد اس پر قبضہ کرنا موجب ملک ہوگا نفس عقد موجب ملک نہیں، لہٰذا اسلام لانے کے بعد غیر متعین خمر و خنزیر پر قبضہ کرنا ممتنع ہوگا، اس لیے کہا کہ غیر متعین کی صورت میں خمر کی قیمت اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

[۳] یہاں امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: والظاهر من عبارات المشائخ ههنا ترجيح قول الامام؛ لأن مالية خمر والخنزير يثبت في حق اهل الذمة شرعاً كمالية الخل والشاة في حقنا(هامش الہدایۃ ۱۸/۲)

[۴] نکاح میں تو مہر معین میں عورت کے لیے ملک نفس عقد سے مکمل ہو جاتی ہے، مگر مشتری کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ بیع میں نفس عقد سے مبیع میں مشتری کی ملک مکمل نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ قبضہ سے پہلے مشتری کو اس میں تصرف کی ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ قبضہ سے ملکِ تصرف حاصل ہو جاتی ہے حالانکہ اسلام لانے کی وجہ سے ملکِ تصرف کا حصول ممتنع ہے۔ پس جب غیر معین میں قبضہ متعذر ہوا، تو خنزیر چونکہ ذوات القیم میں سے ہے اور اس کی قیمت لینا عین خنزیر لینے کے معنی میں ہے جو کہ درست نہیں لہٰذا خنزیر کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ شراب چونکہ ایسی نہیں؛ کیونکہ شراب ذوات الامثال میں سے ہے اور اس کی قیمت لینا عین شراب لینے کے معنی میں نہیں، لہٰذا شراب کی قیمت واجب ہوگی۔ چونکہ خنزیر ذوات القیم میں سے ہے لہٰذا اگر اسلام لانے سے پہلے شوہر نے خنزیر کی قیمت لا کر دیدی تو عورت کو اس کے قبول کر لینے پر مجبور کیا جائے گا؛ کیونکہ قیمی چیز کی قیمت عین چیز کے حکم میں ہے تو جس طرح کہ عین خنزیر پر مجبور کی جائے گی اس طرح اس کی قیمت پر بھی مجبور کی جائے گی۔ اور خمر چونکہ مثلی چیز ہے لہٰذا اس کی قیمت عین خمر کی طرح نہیں بدل خمر کی طرح ہے اس لیے عورت کو خمر کی قیمت لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

{۶} صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں اگر شوہر نے دخول سے پہلے طلاق دیدی تو جس نے مہر مثل واجب کیا تھا اس کے نزدیک متعہ واجب ہوگا اور جس نے قیمت واجب کی تھی اس کے نزدیک نصف قیمت واجب ہوگی یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک متعین میں نصفِ متعین ہوگا اور غیر متعین میں شراب میں نصف قیمت ہوگی اور خنزیر میں متعہ ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک طلاق کے بعد بہر حال نصف قیمت ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر حال میں متعہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ نِكَاحِ الرَّقِيقِ

یہ باب مملوک کے نکاح کے بیان میں ہے

مصنفؒ نے غلاموں کے نکاح کے بیان کو نصرانی اور نصرانیہ کے نکاح کے بیان سے مؤخر کر دیا وجہ یہ ہے کہ غلامی کفر کے آثار میں سے ہے؛ کیونکہ غلام ابتداءً کافر ہی ہو سکتا ہے مسلمان ابتداءً غلام نہیں ہو سکتا ہے، اور اثر مؤثر کے بعد آتا ہے، اس لیے غلام کے نکاح کے بیان کو نصرانی کے نکاح کے بیان سے مؤخر کر دیا۔

"رقیق" مملوک غلام کو کہتے ہیں اس کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ "رقیق" ماخوذ ہے "رق" بمعنی ضعف سے اور غلام کو "رقیق" اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ضعیف اور تصرفات سے ممنوع ہوتا ہے۔

{۱} لَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ إلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَقَالَ مَالِكٌ: يَجُوزُ لِلْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ الطَّلَاقَ

جائز نہیں غلام اور باندی کا نکاح مگر ان کے مولیٰ کی اجازت سے، اور فرمایا امام مالکؒ نے جائز ہے غلام کے لیے کیونکہ وہ مالک ہوتا ہے طلاق کا

فَيَمْلِكُ النِّكَاحَ. {۲} وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ } وَلِأَنَّ

تو مالک ہوگا نکاح کا، اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جو بھی غلام نکاح کرے مولیٰ کی اجازت کے بغیر تو زانی ہے" اور اس لیے کہ

فِي تَنْفِيذِ نِكَاحِهِمَا تَعْيِيبَهُمَا إذِ النِّكَاحُ عَيْبٌ فِيهِمَا فَلَا يَمْلِكَانِهِ بِدُونِ إذْنِ مَوْلَاهُمَا

ان دونوں کا نکاح نافذ کرنا دونوں کو عیب دار بناتا ہے؛ کیونکہ نکاح عیب ہے ان دونوں میں، پس وہ نکاح کے مالک نہ ہوں گے

{۳} وَكَذَا الْمُكَاتَبُ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ أَوْجَبَتْ فَكَّ الْحَجْرِ فِي حَقِّ الْكَسْبِ فَبَقِيَ فِي حَقِّ النِّكَاحِ

بغیر اجازتِ مولیٰ کے اور اسی طرح مکاتب ہے کیونکہ کتابت نے واجب کیا ممانعت کھول دینے کو کمائی کے حق میں، پس باقی رہا حقِ نکاح

عَلَى حُكْمِ الرِّقِّ. وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ الْمُكَاتَبُ تَزْوِيجَ عَبْدِهِ وَيَمْلِكُ تَزْوِيجَ أَمَتِهِ لِأَنَّهُ

رقیت کے حکم پر؛ اسی وجہ سے مالک نہیں ہوتا مکاتب اپنے غلام کا نکاح کرانے کا اور مالک ہوتا ہے اپنی باندی کا نکاح کرانے کا؛ کیونکہ یہ

مِنْ بَابِ الِاكْتِسَابِ، {۴} وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ لَا تَمْلِكُ تَزْوِيجَ نَفْسِهَا بِدُونِ إذْنِ الْمَوْلَى وَتَمْلِكُ

کمائی کے باب سے ہے اور اسی طرح مکاتبہ مالک نہیں ہوتی اپنا نکاح کرنے کا مولیٰ کی اجازت کے بغیر، اور مالک ہوتی ہے

تَزْوِيجَ أَمَتِهَا لِمَا بَيَّنَّا وَ كَذَا الْمُدَبَّرُ وَأُمُّ الْوَلَدِ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِمَا قَائِمٌ.
اپنی باندی کا نکاح کرانے کا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ اور اسی طرح مدبر اور ام ولد ہے کیونکہ ملک ان دونوں میں قائم ہے

{۵} وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِإِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِي رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهِ لِأَنَّ هَذَا دَيْنٌ
اور جب نکاح کرے غلام اپنے مولیٰ کی اجازت سے تو مہر دَین ہو گا اس کے رقبہ میں فروخت کیا جائے گا اس میں؛ کیونکہ یہ دَین ہے

وَجَبَ فِي رَقَبَةِ الْعَبْدِ لِوُجُودِ سَبَبِهِ مِنْ أَهْلِهِ وَقَدْ ظَهَرَ فِي حَقِّ الْمَوْلَى
واجب ہوا ہے غلام کے رقبہ میں بوجۂ موجود ہونے اس کے سبب کے اس کے اہل سے اور ظاہر ہو گا مولیٰ کے حق میں

لِصُدُورِ الْإِذْنِ مِنْ جِهَتِهِ فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ دَفْعًا لِلْمَضَرَّةِ عَنْ أَصْحَابِ الدُّيُونِ
بوجۂ صادر ہونے اجازت کے مولیٰ کی جانب سے، پس متعلق ہو گا اس کے رقبہ کے ساتھ دفع کرتے ہوئے مضرت کو اصحاب دیون سے

كَمَا فِي دَيْنِ التِّجَارَةِ. {۶} وَالْمُدَبَّرُ وَالْمُكَاتَبُ يَسْعَيَانِ فِي الْمَهْرِ وَلَا يُبَاعَانِ فِيهِ لِأَنَّهُمَا لَا يَحْتَمِلَانِ
جیسا کہ دَینِ تجارت میں۔ اور مدبر اور مکاتب سعی کریں گے مہر میں اور یہ دو فروخت نہ کئے جائیں گے مہر میں کیونکہ یہ دونوں احتمال نہیں رکھتے

النَّقْلَ مِنْ مِلْكٍ إِلَى مِلْكٍ مَعَ بَقَاءِ الْكِتَابَةِ وَالتَّدْبِيرِ فَيُؤَدَّى مِنْ كَسْبِهِمَا لَا مِنْ نَفْسِهِمَا.
نقل کے ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف بقاءِ کتابت اور تدبیر کے ساتھ پس ادا کیا جائے گا دونوں کے کسب سے نہ کہ ان کی ذات سے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں غلام اور باندی کا مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے میں امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲ تا ۴ میں مکاتب، مکاتبہ، مدبر اور ام ولد کا یہی حکم اور دلیل بیان کی ہے۔ اور نمبر ۵، ۶ میں غلام، مدبر اور مکاتب کا مولیٰ کی اجازت سے نکاح کرنے کا حکم اور ان صورتوں میں مہر کے بارے میں تفصیل دلیل کے ساتھ بیان کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} غلام اور باندی کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں یعنی نافذ نہیں ہو گا بلکہ مولیٰ کی اجازت پر موقوف رہیگا۔

امام مالکؒ کے نزدیک غلام (نہ کہ باندی) کا مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ غلام طلاق دینے کا مالک ہے تو نکاح کرنے کا بھی مالک ہو گا؛ کیونکہ طلاق اور وجودِ نکاح میں تلازم ہے اس لیے کہ طلاق عبارت ہے ازالۂ نکاح سے اور شئ کا ازالہ پہلے اس کا وجود چاہتا ہے لہٰذا دونوں میں تلازم ہے تو جو شخص دونوں میں سے ایک کا مالک ہو گا وہ دوسرے کا بھی مالک ہو گا۔

{۲} ہماری دلیل نبی ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "ایما عبد تزوج بغیر اذن مولاہ فھو عاھر"[1] (جس غلام نے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ زانی ہے)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ غلام اور باندی کے نکاح کو نافذ قرار دینے میں ان کو عیب دار بنانا ہے؛ کیونکہ نکاح ان کے حق میں عیب شمار ہوتا ہے لہٰذا حق مولی کی وجہ سے مولی کی اجازت کے بغیر وہ اسکے نفاذ کے مالک نہیں ہونگے اس لیے ان کا نکاح مولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

{۳} اسی طرح مکاتب کا نکاح بھی مولی کی اجازت پر موقوف رہے گا؛ کیونکہ عقدِ کتابت نے فقط کمائی کے حق میں مکاتب پر سے پابندی کو ختم کردیا، لہٰذا نکاح کے حق میں وہ اب بھی غلامی کے حکم پر برقرار رہے گا، اور چونکہ مکاتب نکاح کے حق میں غلام ہے فقط کمائی کے حق میں آزاد ہے اس لیے وہ اپنے غلام کا نکاح نہیں کرا سکتا ہے؛ کیونکہ غلام کا نکاح کمائی نہیں، اور اپنی باندی کا نکاح کرا سکتا ہے؛ کیونکہ باندی کا نکاح کمائی کے باب سے ہے کہ اس سے مہر اور نفقہ حاصل ہوتا ہے۔

{۴} اسی طرح مکاتبہ اپنا نکاح اپنے مولی کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی ہے؛ کیونکہ یہ نکاح اگرچہ بابِ اکتساب سے ہے مگر چونکہ اس سے اس کا مقصود کمائی نہیں بلکہ مقصود تحصین اور عفت ہے، لہٰذا عقدِ کتابت اس کو شامل نہ ہوگا، اور اپنی باندی کا نکاح کر سکتی ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ باندی کا نکاح کمائی کے قبیل سے ہے؛ کیونکہ اس سے مہر اور نفقہ حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح مدبر اور ام ولد بھی اپنے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے ہیں؛ کیونکہ مدبر اور ام ولد میں مولی کی ملک چونکہ اب تک باقی ہے لہٰذا مولی کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح موقوف رہے گا۔

ف:۔ یہ مسئلہ مکرر ہے کیونکہ مصنفؒ نے اس سے پہلے "فَصْلٌ فِی الْوَکَالَۃِ بِالنِّکَاحِ وَغَیْرِہٖ" میں اس سے بہتر عبارت میں ذکر فرمایا ہے؛ کیونکہ وہاں عبارت یوں ہے "وتزویج العبد والامۃ بلا اذن مولاھما موقوف"۔ اور یہاں فرماتے ہیں "لایجوز نکاح العَبْدِ وَالْأَمَۃِ الخ" اور صحیح یہ ہے کہ ان کا نکاح ناجائز نہیں بلکہ موقوف ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ "لایجوز" معاملات میں "لاینفذ" کے معنی میں ہے اور نکاح معاملات میں سے ہے تو پھر یہ عبارت بھی صحیح ہو جائیگی۔

{۵} اور اگر غلام نے مولی کی اجازت سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہے اور مہر غلام کے ذمہ دَین ہوگا اور اس مہر کو ادا کرنے کے لئے غلام کو فروخت کردیا جائیگا؛ کیونکہ یہ دَین غلام کے رقبہ میں واجب ہوا اور قاعدہ ہے کہ غلام کے رقبہ میں واجب دَین کے لیے غلام کو فروخت کیا جائے گا۔ نفسِ وجوب کی وجہ یہ ہے کہ سببِ وجوب (نکاح) اس کے اہل (عاقل، بالغ) سے صادر ہوا ہے اور اہل

---

[1] رواہ الترمذی: جلد۱، ص۳۲۹، رقم: ۱۰۲۷، ط ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ۔

نکاح (حقِ مولیٰ) مقدم ہے؛ کیونکہ نکاح کی اجازت مولیٰ کی جانب سے صادر ہوئی ہے، لہٰذا مولیٰ کے حق میں یہ دَین ظاہر ہو کر غلام کے رقبہ کے ساتھ متعلق ہوگا یعنی غلام کے رقبہ سے اسے ادا کیا جائے گا تا کہ اصحابِ دیوں (یعنی عورت) سے ضرر دور ہو کہ فروخت کرنے سے عورت کے دَین کی ادائیگی جلدی ہو جائے گی، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ ماذون فی التجارۃ غلام پر دَین آنے کی صورت میں اسے اس تجارتی دَین میں فروخت کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر ایک مرتبہ فروخت کرنے سے اس کے ثمن سے مہر ادا نہ ہو سکا تو دوبارہ فروخت نہیں کیا جائیگا بلکہ باقی مہر کا مطالبہ غلام سے آزادی کے بعد کیا جائیگا۔

{۶} مدبر اور مکاتب نے اگر مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا تو یہ دونوں کما کر مہر ادا کریں ان کو مہر کی ادائیگی کے لئے فروخت نہیں کیا جائیگا؛ کیونکہ مدبر اور مکاتب تدبیر اور کتابت کے ہوتے ہوئے ایک مِلک سے دوسری مِلک کی طرف منتقل ہونے کا احتمال نہیں رکھتے ہیں، لہٰذا یہ دو کمائیں گے اور ان کی کمائی سے مہر ادا کیا جائیگا بذاتِ خود ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے مہر کو ادا نہیں کیا جائے گا۔

{۱} وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَقَالَ الْمَوْلَى طَلِّقْهَا أَوْ فَارِقْهَا فَلَيْسَ هَذَا بِإِجَازَةٍ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ

اور جب نکاح کرے غلام مولیٰ کی اجازت کے بغیر، پھر مولیٰ نے کہا طلاق دو اس کو یا جدا کر دو اس کو، تو نہیں ہے یہ اجازت؛ کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے

الرَّدَّ لِأَنَّ رَدَّ هَذَا الْعَقْدِ وَمُتَارَكَتَهُ يُسَمَّى طَلَاقًا وَمُفَارَقَةً وَهُوَ أَلْيَقُ بِحَالِ الْعَبْدِ الْمُتَمَرِّدِ أَوْ هُوَ أَدْنَى

رد کا اس لیے کہ اس عقد کے رد کرنے اور چھوڑ دینے کو طلاق اور مفارقت کہتے ہیں اور یہی زیادہ لائق ہے غلام سرکش کے حال کے یا وہ ادنیٰ ہے

فَكَانَ الْحَمْلُ عَلَيْهِ أَوْلَى {۲} وَإِنْ قَالَ: طَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً تَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ إِجَازَةٌ لِأَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِيَّ لَا يَكُونُ

تو ہے اس پر حمل کرنا اولیٰ۔ اور اگر کہا کہ طلاق دو ایسی طلاق کہ تو مالک ہو رجوع کا، تو یہ اجازت ہے؛ کیونکہ طلاق رجعی نہیں ہوتی ہے

إِلَّا فِي نِكَاحٍ صَحِيحٍ فَتَتَعَيَّنُ الْإِجَازَةُ. {۳} وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ تَزَوَّجْ هَذِهِ الْأَمَةَ فَتَزَوَّجَهَا نِكَاحًا فَاسِدًا

مگر نکاح صحیح میں، پس متعین ہو گئی اجازت، اور جو شخص کہے اپنے غلام سے کہ نکاح کر اس باندی سے، پس اس نے نکاح کیا اس سے فاسد نکاح

وَدَخَلَ بِهَا فَإِنَّهُ يُبَاعُ فِي الْمَهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يُؤْخَذُ مِنْهُ إِذَا

اور دخول کیا اس کے ساتھ تو اس کو فروخت کیا جائے مہر میں امام صاحب کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین رحمہما اللہ نے کہ لیا جائے گا اس سے جب

عَتَقَ {۴} وَأَصْلُهُ أَنَّ الْإِذْنَ بِالنِّكَاحِ يَنْتَظِمُ الْفَاسِدَ وَالْجَائِزَ عِنْدَهُ، فَيَكُونُ هَذَا الْمَهْرُ

وہ آزاد ہو جائے اور امام صاحب کی اصل یہ ہے کہ نکاح کی اجازت شامل ہوتی ہے فاسد اور جائز کو امام صاحب کے نزدیک، پس ہو گا یہ مہر

ظَاهِرًا فِي حَقِّ الْمَوْلَى {۵} وَعِنْدَهُمَا يَنْصَرِفُ إِلَى الْجَائِزِ لَا غَيْرُ فَلَا يَكُونُ ظَاهِرًا فِي حَقِّ الْمَوْلَى

ظاہر حقِ مولیٰ میں۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اجازت لوٹے گی جائز کی طرف نہ کہ غیر کی طرف، پس نہ ہوگی ظاہر مولیٰ کے حق میں،

فَيُؤَاخَذُ بِهِ بَعْدَ الْعَتَاقِ ،لَهُمَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ النِّكَاحِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ الْإِعْفَافُ وَالتَّحْصِينُ وَذَلِكَ

پس لیا جائے گا مہر آزادی کے بعد، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقصود نکاح سے مستقبل میں عفت اور نفس کو زنا سے بچانا ہے اور یہ مقصود

بِالْجَائِزِ ، وَلِهَذَا لَوْحَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْجَائِزِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ بَعْضَ

جائز سے حاصل ہوتا ہے، اسی لیے اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکاح نہیں کروں گا تو یہ پھر جائے گی جائز کی طرف، بخلافِ بیع کے؛ کیونکہ بعض

الْمَقَاصِدِ حَاصِلٌ وَهُوَ مِلْكُ التَّصَرُّفَاتِ .﴿٦﴾وَلَهُ أَنَّ اللَّفْظَ مُطْلَقٌ فَيَجْرِي عَلَى إِطْلَاقِهِ كَمَا فِي الْبَيْعِ

مقاصد حاصل ہیں اور وہ ملکِ تصرفات ہے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ نکاح مطلق ہے پس یہ جاری ہوگا اپنے اطلاق پر جیسا کہ بیع میں

وَبَعْضُ الْمَقَاصِدِفِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِحَاصِلٌ كَالنَّسَبِ،وَوُجُوبِ الْمَهْرِوَالْعِدَّةِعَلَى اعْتِبَارِوُجُودِالْوَطْءِ،وَمَسْأَلَةُالْيَمِينِ

اور بعض مقاصد نکاحِ فاسد میں حاصل ہیں جیسے نسب، اور وجوبِ مہر اور عدت وجودِ وطی کے اعتبار پر، اور مسئلہ یمین

مَمْنُوعَةٌ عَلَى هَذِهِ الطَّرِيقَةِ.﴿٧﴾وَمَنْ زَوَّجَ عَبْدًامَأْذُونًالَهُ مَدْيُونًاامْرَأَةً جَازَ ، وَالْمَرْأَةُ أُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ

ممنوع ہے اس طریقہ پر۔ اور جو شخص نکاح کرے اپنے ماذون مدیون غلام کا کسی عورت سے تو جائز ہے، اور عورت برابر ہے قرضخواہوں کے ساتھ

فِي مَهْرِهَا وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ النِّكَاحُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ .﴿٨﴾وَوَجْهُهُ أَنَّ سَبَبَ وِلَايَةِ الْمَوْلَى مِلْكُهُ

اپنے مہر کے بارے میں، اور معنی اس کا یہ ہے کہ جب ہو نکاح مہر مثل سے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مولیٰ کی ولایت کا سبب اس کا مالک ہونا ہے

الرَّقَبَةَعَلَى مَانَذْكُرُهُ،وَالنِّكَاحُ لَا يُلَاقِي حَقَّ الْغُرَمَاءِ بِالْإِبْطَالِ مَقْصُودًا ،﴿٩﴾إِلَّا أَنَّهُ إِذَا صَحَّ النِّكَاحُ وَجَبَ

رقبہ کا جیسا کہ ہم ذکر کریں گے اس کو، اور نکاح متصل نہیں ہوا حقِ غرماء کے ساتھ باطل کرنے کے لیے مقصوداً، مگر جب صحیح ہوا نکاح تو واجب ہوگیا

الدَّيْنُ بِسَبَبٍ لَا مَرَدَّ لَهُ فَشَابَهَ دَيْنَ الِاسْتِهْلَاكِ وَصَارَ كَالْمَرِيضِ الْمَدْيُونِ إِذَا تَزَوَّجَ

دَین ایسے سبب سے جس کو رد نہیں کیا جاسکتا، پس مشابہ ہوا دَینِ استہلاک کے ساتھ اور ہوگیا جیسے مقروض مدیون جب نکاح کرے

امْرَأَةً فَبِمَهْرِ مِثْلِهَا أُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ .

کسی عورت سے تو وہ اپنے مہر مثل کے لیے برابر ہے غرماء کے ساتھ۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالاعبارت میں غلام کا مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کی دو صورتوں کا حکم مع دلیل ذکر کیا ہے۔ اور نمبر 3 تا 6 میں مولیٰ کی اجازت کے بعد فاسد نکاح کرنے کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 7 تا 9 میں ماذون فی التجارۃ مقروض غلام کے نکاح کی صحت اور اس کے مہر کے بارے میں تفصیل دلیل کے ساتھ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر غلام نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، پھر مولیٰ نے غلام سے کہا" طلاق دو اس کو یا الگ کر دو اس کو" تو یہ مولیٰ کی طرف سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی؛ کیونکہ مولیٰ کے اس قول میں رَدِّ نکاح کا احتمال ہے جس طرح کہ اس میں اجازتِ نکاح کا احتمال ہے؛ کیونکہ نکاح فاسد کو رَدّ کرنے اور ترک کرنے کو طلاق اور مفارقت کہتے ہیں اگر چہ یہ اس کا مجازی معنی ہے، مگر اس کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ ایک سرکش اور متمرد غلام کے حال کے لائق یہی معنی (رَدِّ نکاح) ہے۔ اور یا اس لیے یہ رَدِّ نکاح ہے کہ اسے اجازتِ نکاح قرار دے کر پھر غلام کو طلاق کا حکم دینے سے اس نکاح کو رفع کرنا لازم آتا ہے جبکہ رَدِّ نکاح قرار دینا دفعِ نکاح ہے اور دفعِ نکاح ادنیٰ اور اسہل ہے رفعِ نکاح سے، اس لیے اسے رَدِّ نکاح پر حمل کر دینا اولیٰ ہے۔

{۲} اور اگر غلام نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو چونکہ یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے پس اگر مولیٰ نے غلام سے کہا" تو اسے ایسی طلاق دو کہ تجھے رجعت کا حق حاصل ہو" تو مولیٰ کا یہ کہنا نکاحِ موقوف کی اجازت ہے؛ کیونکہ رجعی طلاق نکاحِ صحیح کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا مولیٰ کا یہ قول اجازتِ نکاح کے معنی میں متعین ہے۔

{۳} اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دیتے ہوئے کہا کہ اس باندی سے نکاح کر، اس نے اس باندی کے ساتھ فاسد نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس غلام کو اس مہر میں فروخت کیا جائے گا، اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غلام کے آزاد ہونے کے بعد اس سے لیا جائے گا غلام کو اس میں فروخت نہیں کیا جائے گا۔

{۴} اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اجازت مطلق ہے صحت یا فساد کی قید کے ساتھ مقید نہیں لہٰذا ہر دو قسم (صحیح اور فاسد) کے عقود کو شامل ہے جیسے خرید و فروخت کی اجازت دینے کی صورت میں اجازت عقدِ صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہوتی ہے، پس نکاح فاسد کا یہ مہر مولیٰ کے حق میں ظاہر ہوگا؛ کیونکہ نکاحِ فاسد بھی اس کی اجازت سے ہوا ہے، اس لیے اس کے مہر میں مولیٰ کے اس غلام کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے مہر وصول کیا جائے گا۔

{۵} اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ اجازت صرف نکاحِ صحیح کو شامل ہے فاسد کو شامل نہیں، لہٰذا مولیٰ کی طرف سے نکاحِ فاسد کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مہر مولیٰ کے حق میں ظاہر نہ ہوگا کہ اس کے غلام کو فروخت کیا جائے بلکہ غلام سے اس کی آزادی کے بعد لیا جائے گا، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سے مقصود مستقبل میں عفت اور پاکدامنی ہے اور یہ مقصود صرف نکاحِ صحیح سے حاصل ہوتا ہے فاسد سے نہیں؛ کیونکہ نکاحِ فاسد کی منکوحہ سے وطی کرنا حرام ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی "کہ واللہ نکاح نہیں کروں گا" تو یہ قسم نکاحِ صحیح کو شامل ہوگی، نکاحِ فاسد کو شامل نہ ہوگی اس لیے نکاحِ فاسد کرنے سے حانث نہ ہوگا۔ باقی نکاح

اجازت کو بیع کی اجازت پر قیاس کرنا صحیح نہیں؛ کیونکہ بیع کے بعض مقاصد بیع فاسد سے بھی حاصل ہوتے ہیں جیسے بیع فاسد کی مبیع میں مشتری کو تصرفات (ہبہ کرنے وغیرہ) کی ملکیت حاصل ہوتی ہے، اس لیے بیع فاسد پر نکاح فاسد کو قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

[۶] امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ "تزوّج" مطلق ہے نکاح صحیح کے ساتھ مقید نہیں اور قاعدہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے اس لیے یہ لفظ نکاح صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہوگا جیسا کہ بیع کی اجازت بیع صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہوتی ہے باقی صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ بیع فاسد سے بعض مقاصد حاصل ہوتے ہیں جبکہ نکاح فاسد سے حاصل نہیں ہوتے ہیں، ہم جواب دیتے ہیں کہ نکاح فاسد سے بھی بعض مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں مثلاً بچہ پیدا ہونے کی صورت میں بچہ کا نسب ثابت ہو جاتا ہے، اور وطی پر مہر واجب ہو جاتا ہے، اور اگر وطی کی گئی تو عورت پر عدت واجب ہو جاتی ہے، اس لیے نکاح فاسد کی اجازت اور بیع فاسد کی اجازت میں کیا گیا فرق درست نہیں۔ اسی طرح نکاح نہ کرنے کی قسم کھانے کی صورت میں بھی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ قسم فقط نکاح صحیح کو شامل ہوگی اور فاسد کو شامل نہ ہوگی بلکہ اسی طریقہ (کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے) پر نکاح صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہوگی، لہٰذا نکاح صحیح و فاسد دونوں سے حانث ہوگا۔

فتویٰ: امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی فتح القدیر: فَالْمُعَوَّلُ عَلَيْهِ طَرِيقَةُ الْإِطْلَاقِ. وَيُجَابُ عَنْ مَسْأَلَةِ الْيَمِينِ بِأَنَّ الْأَيْمَانَ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْعُرْفِ، وَالْعُرْفُ فِيهِ الْحَلِفُ عَلَى التَّزْوِيجِ الَّذِي هُوَ طَرِيقُ الْإِعْفَافِ وَالتَّحْصِينِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لَا الْإِعْفَافُ بِالْفِعْلِ فَبَطَلَ مَا يُقَالُ الْإِعْفَافُ بَاطِنِيٌّ لَا يُوقَفُ عَلَيْهِ فَلَا يَلْزَمُ الصَّحِيحُ لِيَظْهَرَ كَوْنُ الْحَلِفِ عَلَيْهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ. (فتح القدیر: ۳/۲۶۸)

[۷] اگر مولیٰ نے اپنے ایسے غلام کا نکاح کسی عورت سے کر دیا جو ماذون فی التجارۃ ہو اور مقروض ہو تو یہ نکاح صحیح ہے، اور عورت اپنے مہر کے بارے میں قرضخواہوں کے ساتھ برابر کی شریک ہوگی یعنی غلام کو قرضہ اور مہر دونوں کے لئے فروخت کیا جائیگا قیمت میں عورت اور قرضخواہوں میں سے ہر ایک بقدرِ حق وصول کرے گا، مثلاً غلام کی قیمت دو ہزار ہے، اور قرضخواہ تین ہیں ہر ایک کے ہزار درہم غلام کے ذمہ پر ہیں اور عورت کا نکاح بھی ہزار درہم پر ہو تو تینوں قرضخواہوں اور عورت میں سے ہر ایک دو ہزار میں سے ایک ربع (پانچ سو) کا حقدار ہوگا۔ البتہ یہ شرط ہے کہ نکاح مہر مثل یا اس سے کم پر ہوا ہو کیونکہ اگر نکاح مہر مثل سے زائد مہر پر ہوا تو زائد مقدار میں عورت قرض خواہوں کے ساتھ برابر شریک نہ ہوگی بلکہ جس وقت قرض خواہ اپنا قرض وصول کرلے تو جو باقی رہ جائے اس سے اس زائد مقدار کو وصول کرے گی۔

{۸}اور نکاح صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحت کا مقتضی موجود ہے اور وہ مولیٰ کو ولایتِ نکاح کا حاصل ہونا ہے؛ کیونکہ حصول ولایت کا سبب یعنی مولیٰ کا غلام کی گردن کا مالک ہونا موجود ہے جیسا کہ اگلے مسئلے کی اس عبارت "وَلَنَا أَنَّ الْإِنْكَاحَ إِصْلَاحُ مِلْكِهٖ" سے ہم بیان کریں گے، پس مولیٰ کو ولایتِ نکاح حاصل ہونے کی وجہ سے نکاح صحیح ہے، اور صحتِ نکاح سے مانع بھی نہیں ہے کیونکہ نکاح بے شک قرضخواہوں کے حق کے ابطال کے ساتھ ملاقی ہے یعنی مذکورہ بالا صورت میں قرضخواہوں کا حق دو ہزار سے متعلق ہونے کے بجائے اب نکاح کی وجہ سے پندرہ سو کے ساتھ متعلق ہوگا، مگر ان کا یہ حق مولیٰ نے اپنے اس فعل (نکاح کرانے) سے قصداً باطل نہیں کیا ہے؛ کیونکہ قرضخواہوں کا حق مالیت کے ساتھ متعلق ہے اور مولیٰ کا یہ فعل (نکاح کرانا) محلیت اور آدمیت کے ساتھ متعلق ہے، لہٰذا جب صحتِ نکاح کا مقتضی موجود اور مانع منتفی ہے، تو نکاح صحیح ہوگا۔

{۹} پھر جب نکاح صحیح ہوا تو دَین مہر ایسے سبب (صحتِ نکاح) سے واجب ہو گیا جس کو رفع نہیں کیا جا سکتا ہے، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ مقروض غلام کسی کا سامان ہلاک کر دے تو صاحبِ سامان دیگر قرضخواہوں کے ساتھ دَین میں شریک ہو جاتا ہے، یا ایسا ہے جیسا کہ کوئی مقروض مریض بحالتِ مرض کسی عورت سے نکاح کر لے تو اس کی بیوی اپنے مہر مثل کے بقدر قرضخواہوں کے ساتھ شریک ہوگی، اسی طرح مذکورہ غلام کی بیوی بھی قرض خواہوں کے ساتھ اپنے مہر مثل میں برابر کی شریک ہوگی۔

{۱}وَمَنْ زَوَّجَ أَمَتَهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُبَوِّئَهَا بَيْتَ الزَّوْجِ لٰكِنَّهَا تَخْدُمُ الْمَوْلٰى،
اور جو شخص نکاح کر دے اپنی باندی کا تو واجب نہیں اس پر کہ بسائے اس کو شوہر کے گھر میں؛ لیکن وہ خدمت کرے گی اپنے مولیٰ کی۔

وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتَى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا لِأَنَّ حَقَّ الْمَوْلٰى فِي الِاسْتِخْدَامِ بَاقٍ وَالتَّبْوِئَةُ
اور کہا جائے گا زوج سے کہ جب بھی تو قابو پائے اس پر تو وطی کر اس سے؛ کیونکہ حقِ مولیٰ خدمت لینے میں باقی ہے اور شوہر کے گھر بسانے میں

إِبْطَالٌ لَهُ{۲} فَإِنْ بَوَّأَهَا مَعَهُ بَيْتًا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى وَإِلَّا فَلَا لِأَنَّ النَّفَقَةَ تُقَابِلُ الِاحْتِبَاسَ،
ابطال ہے اس کا، پھر اگر بسا دیا اس کو شوہر کے ساتھ گھر میں تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ ہے ورنہ نہیں؛ کیونکہ نفقہ مقابل ہے احتباس کا،

وَلَوْ بَوَّأَهَا بَيْتًا ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يَسْتَخْدِمَهَا لَهُ ذٰلِكَ لِأَنَّ الْحَقَّ بَاقٍ لِبَقَاءِ الْمِلْكِ
اور اگر بسا دیا اس کو گھر میں پھر خیال ہوا اس کو کہ خدمت لے اس سے تو اس کو یہ حق ہے؛ کیونکہ حق باقی ہے بقاءِ ملک کی وجہ سے

فَلَا يَسْقُطُ بِالتَّبْوِئَةِ كَمَا لَا يَسْقُطُ بِالنِّكَاحِ.{۳}قَالَ ذَكَرَ تَزْوِيجَ الْمَوْلٰى عَبْدَهُ وَأَمَتَهُ
پس ساقط نہ ہوگا تبویہ سے جیسے ساقط نہیں ہوتا نکاح سے۔ فرمایا: کہ امام محمد رحمۃ اللہ نے ذکر کیا ہے مولیٰ کا اپنے غلام اور باندی کا نکاح کرنا،

وَلَمْ يَذْكُرْ رِضَاهُمَا وَهٰذَا يَرْجِعُ إِلٰى مَذْهَبِنَا أَنَّ لِلْمَوْلٰى إِجْبَارَهُمَا عَلَى النِّكَاحِ.

اور ذکر نہیں کیا ہے ان کی رضامندی اور یہ بات لوٹتی ہے ہمارے مذہب کی طرف کہ مولیٰ کو حق ہے ان کو مجبور کرنے کا نکاح پر

﴿۴﴾ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَا إِجْبَارَ فِي الْعَبْدِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ النِّكَاحَ مِنْ خَصَائِصِ الْآدَمِيَّةِ وَالْعَبْدُ

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک اجبار کا حق نہیں غلام میں اور یہی ایک روایت ہے امام صاحبؒ سے؛ کیونکہ نکاح خاصہ ہے انسانیت کا اور غلام

دَاخِلٌ تَحْتَ مِلْكِ الْمَوْلَى مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَالٌ فَلَا يَمْلِكُ إِنْكَاحَهُ ، بِخِلَافِ الْأَمَةِ لِأَنَّهُ مَالِكُ

داخل ہے مولیٰ کی ملک کے تحت اس حیثیت سے کہ وہ مال ہے پس مالک نہ ہوگا اس کا نکاح کرنے کا، بخلاف باندی کے؛ کیونکہ مولیٰ مالک ہے

مَنَافِعِ بُضْعِهَا فَيَمْلِكُ تَمْلِيكَهَا . ﴿۵﴾ وَلَنَا أَنَّ الْإِنْكَاحَ إِصْلَاحُ مِلْكِهِ لِأَنَّ

اس کے بضع کے منافع کا پس مالک ہوگا دوسرے کو اس کا مالک بنانے کا، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کرانا اصلاح ہے اپنی ملک کی؛ کیونکہ

فِيهِ تَحْصِينَهُ عَنِ الزِّنَا الَّذِي هُوَ سَبَبُ الْهَلَاكِ أَوِ النُّقْصَانِ فَيَمْلِكُهُ اعْتِبَارًا بِالْأَمَةِ، ﴿۶﴾ بِخِلَافِ

اس میں غلام کو محفوظ کرنا ہے اس زنا سے جو سبب ہے ہلاکت اور نقصان کا پس وہ مالک ہوگا اس کا قیاس کرتے ہوئے باندی پر، بخلاف

الْمُكَاتَبِ وَالْمُكَاتَبَةِ لِأَنَّهُمَا الْتَحَقَا بِالْأَحْرَارِ تَصَرُّفًا فَيُشْتَرَطُ رِضَاهُمَا . ﴿۷﴾ قَالَ

مکاتب اور مکاتبہ کے؛ کیونکہ وہ دونوں لاحق ہوگئے احرار کے ساتھ تصرف کے اعتبار سے پس شرط ہوگی ان کی رضامندی۔ فرمایا:

وَمَنْ زَوَّجَ أَمَتَهُ ثُمَّ قَتَلَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا زَوْجُهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا

اور جو شخص نکاح کردے اپنی باندی کا پھر قتل کردے اس کو اس کے ساتھ اس کے زوج کے دخول سے پہلے تو مہر نہ ہوگا اس کے لیے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا عَلَيْهِ الْمَهْرُ لِمَوْلَاهَا اعْتِبَارًا بِمَوْتِهَا حَتْفَ أَنْفِهَا ، وَهَذَا لِأَنَّ

امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ شوہر پر مہر ہے اس کے مولیٰ کے لیے قیاس کرتے ہوئے اس کی طبعی موت پر اور یہ اس لیے کہ

الْمَقْتُولَ مَيِّتٌ بِأَجَلِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَتَلَهَا أَجْنَبِيٌّ . ﴿۸﴾ وَلَهُ أَنَّهُ مَنَعَ الْمُبْدَلَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ

مقتول مرا ہے اپنی اجل پر پس ہوگیا جیسا جب قتل کردے اس کو اجنبی، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے منع کیا مبدل کو تسلیم سے پہلے

فَيُجَازَى بِمَنْعِ الْبَدَلِ كَمَا إِذَا ارْتَدَّتِ الْحُرَّةُ ، وَالْقَتْلُ فِي أَحْكَامِ الدُّنْيَا جُعِلَ إِتْلَافًا حَتَّى وَجَبَ الْقِصَاصُ

پس بدلہ دیا جائے گا منع بدل سے جیسا کہ جب مرتدہ ہوجائے آزاد عورت، اور قتل احکام دنیا میں اتلاف قرار دیا گیا ہے حتی کہ واجب ہوگا قصاص

وَالدِّيَةُ فَكَذَا فِي حَقِّ الْمَهْرِ . ﴿۹﴾ وَإِنْ قَتَلَتْ حُرَّةٌ نَفْسَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا زَوْجُهَا

اور دیت، پس اسی طرح ہوگا حق مہر میں۔ اور اگر قتل کیا آزاد عورت نے خود کو قبل اس کے کہ دخول کرے اس کے ساتھ اس کا زوج

فَلَهَا الْمَهْرُ خِلَافًا لِزُفَرَ ، هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالرِّدَّةِ وَبِقَتْلِ الْمَوْلَى أَمَتَهُ وَالْجَامِعُ مَا

تو اس کے لیے مہر ہوگا، اختلاف ہے امام زفرؒ کا وہ قیاس کرتے ہیں اس کو ردت پر اور مولیٰ کے اپنی باندی کو قتل کرنے پر، اور جامع وہ ہے

بَيَّنَاهُ .﴿١٠﴾وَلَنَا أَنَّ جِنَايَةَ الْمَرْءِ عَلَى نَفْسِهِ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الدُّنْيَا فَشَابَهَ مَوْتَهَا حَتْفَ أَنْفِهَا ،

جو ہم نے بیان کیا، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آدمی کی جنایت اپنے نفس پر معتبر نہیں احکام دنیا کے حق میں، پس مشابہ ہو گیا اس کی طبعی موت کے،

بِخِلَافِ قَتْلِ الْمَوْلَى أَمَتَهُ لِأَنَّهُ مُعْتَبَرٌ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الدُّنْيَا حَتَّى تَجِبَ الْكَفَّارَةُ عَلَيْهِ .

برخلاف مولیٰ کا اپنی باندی کو قتل کرنے کے کیونکہ وہ معتبر ہے احکام دنیا کے حق میں حتیٰ کہ واجب ہو گا کفارہ اس پر۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مولیٰ کا اپنی باندی کا نکاح کسی شخص سے کرنے کی صورت میں تبویت کی تفصیل دلیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ اور نمبر ۳ تا ۵ میں غلام اور باندی کا جبری نکاح کرانے کے بارے میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں مکاتب اور مکاتبہ کا جبری نکاح کرانے کا حکم دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۷ و ۸ میں نکاح کرانے کے بعد مولیٰ کا اپنی باندی کو قتل کرنے کی صورت میں مہر کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹ و ۱۰ میں آزاد عورت کا قبل الدخول اپنے آپ کو قتل کرنے کی صورت میں مہر کے حکم میں ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔﴿۱﴾ اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کسی شخص سے کرادیا تو مولیٰ پر تبویت لازم نہیں یعنی شوہر کے گھر میں باندی کو شب باشی کے لیے چھوڑ دینا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت کرتی رہے گی۔ شوہر سے کہا جائیگا کہ جب بھی موقع ملے اس سے وطی کرلے؛ کیونکہ مولیٰ کا اس باندی سے خدمت لینے کا حق باقی ہے جبکہ تبویت سے اس کا یہ حق باطل ہو جائے گا، ظاہر ہے کہ یہ اعلیٰ کو ادنیٰ سے باطل کرنا ہے یعنی مولیٰ کا حق باندی کے رقبہ اور منافع (سوائے منفعتِ بضع کے) ہر دو میں ہے جو کہ کثیر ہے جبکہ زوج کا حق فقط منافع میں ہے جو کہ قلیل ہے اور کثیر کا ابطال حصولِ قلیل کے لئے جائز نہیں خاص کر جبکہ قلیل کا حصول بغیر ابطال کثیر کے ممکن بھی ہو، لہٰذا مولیٰ پر تبویت لازم نہیں۔

﴿۲﴾ پھر اگر مذکورہ بالا صورت میں مولیٰ نے باندی کو شوہر کے ساتھ شب باشی کی اجازت دیدی تو باندی کا نفقہ اور سکنیٰ اب شوہر کے ذمہ ہو گا اور اگر مولیٰ نے اجازت نہ دی تو نفقہ اور سکنیٰ زوج کے ذمہ نہ ہو گا بلکہ مولیٰ کے ذمہ ہو گا؛ کیونکہ نفقہ احتباس (روکنے) کے عوض واجب ہوتا ہے لہٰذا باندی جس کے پاس محبوس ہو گی نفقہ اور سکنیٰ بھی اسی کے ذمہ ہو گا۔ اور اگر مولیٰ نے شب باشی کی اجازت دیدی پھر اس کی رائے بدل گئی تو اس کو یہ اختیار ہے کہ شب باشی کی اجازت کو منسوخ کردے کیونکہ بقاءِ ملک کی وجہ سے مولیٰ کا حق خدمت بھی باقی ہے جیسے نکاح کرانے سے یہ حق ساقط نہیں ہوتا شب باشی کی اجازت دینے سے بھی ساقط نہ ہو گا۔

{۳} صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں یہ تو ذکر کیا کہ مولیٰ اپنے غلام اور باندی کا نکاح کر سکتا ہے مگر ان دونوں کی رضا کا ذکر نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رضامندی ضروری نہیں، اور ہمارا مذہب یہی ہے کہ مولیٰ کو یہ حاصل ہے کہ وہ اپنے غلام یا باندی کو نکاح پر مجبور کردے یعنی ان کی رضامندی کے بغیر ان کا نکاح نافذ ہوجائیگا۔

{۴} امام شافعیؒ کے نزدیک مولیٰ کو غلام کا جبری نکاح کرانے کا حق نہیں، لہٰذا اگر مولیٰ نے غلام کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کردیا تو یہ نکاح نافذ نہ ہوگا، اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی ہے؛ کیونکہ جو امور خصائص آدمیت میں سے ہیں ان کے بارے میں غلام اپنی اصل پر قائم ہے ان کے اعتبار سے غلام مملوک نہیں اور نکاح انہی امور میں سے ہے؛ کیونکہ غلام مالک کی ملک میں مالیت کے اعتبار سے داخل ہوتا ہے آدمیت کے اعتبار سے نہیں، اور مالیت کا نکاح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں لہٰذا غلام نکاح کے اعتبار سے اپنے مولیٰ سے اجنبی ہے اس لئے مولیٰ کو اس کا جبری نکاح کرانے کا حق نہ ہوگا۔ البتہ اگر باندی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کردیا تو نافذ ہوجائیگا؛ کیونکہ مولیٰ باندی کے بضع کے منافع کا مالک ہے، لہٰذا مولیٰ کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ وہ اس کو کسی اور کی ملک میں دیدے۔

{۵} ہماری دلیل یہ ہے کہ مولیٰ کا اپنے غلام کا نکاح کرانا اپنی ملک کی اصلاح ہے؛ کیونکہ نکاح کرانے میں غلام کو زنا سے محفوظ رکھنا ہے جو ہلاکت اور نقصان کا سبب ہے اس لئے کہ زنا کے نتیجہ میں اس کو حد لگے گی جو کبھی غلام کی ہلاکت اور کبھی اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے اس کے نقصان کا سبب بنے گی، لہٰذا باندی پر قیاس کرتے ہوئے مولیٰ غلام کو نکاح پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہے اور جامع سببِ ولایت کا موجود ہونا ہے اور سببِ ولایت دونوں کی مِلک رقبہ کا مولیٰ کو حاصل ہونا ہے۔

{۶} البتہ مکاتب اور مکاتبہ کا نکاح مولیٰ ان کی رضامندی کے بغیر نہیں کرسکتا ہے؛ کیونکہ مکاتب اور مکاتبہ عقدِ کتابت کی وجہ سے تصرف کے اعتبار سے آزاد لوگوں کے ساتھ لاحق ہوگئے ہیں، تو اگر مولیٰ ان میں تصرف کرکے ان کا جبری نکاح کرائے تو تصرف کے اعتبار سے ان کی آزادی باطل ہوجائے گی، اس لیے ان کی رضامندی ضروری ہے اور ان کی رضامندی کے بغیر مولیٰ کو جبری نکاح کرانے کا حق حاصل نہ ہوگا۔

{۷} اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کسی سے کردیا پھر شوہر کا اس سے وطی کرنے سے پہلے مولیٰ نے اپنی اس باندی کو قتل کردیا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا مہر ساقط ہوجاتا ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں شوہر پر اس کے مولیٰ کے لئے مہر واجب ہوگا؛ صاحبینؒ اس صورت کو قیاس کرتے ہیں باندی کا اپنی طبعی موت مرنے پر؛ کیونکہ اہل سنت کے نزدیک مقتول شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے مقررہ وقت پر مرتا ہے اس لیے کہ موت ایام حیاۃ کا انتہاء کو پہنچنے کا نام ہے، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی اجنبی

شخص اس باندی کو قتل کرتا، تو شوہر پر مولیٰ کے لیے اس کا مہر واجب ہوتا اسی طرح اگر مولیٰ باندی کو قتل کرتا ہے تو بھی مولیٰ کے لئے مہر واجب ہو گا۔

{۸} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے مبدل (منافع بضع) شوہر کو سپرد کرنے سے پہلے روک دیا، لہٰذا مولیٰ سے بدل (مہر) کو روک کر مولیٰ کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ اگر آزاد عورت نے مرتدہ ہو کر مبدل (منافع بضع) کو شوہر سے روک دیا تو اسے بدل (مہر) سے محروم کر کے سزا دی جائے گی۔ اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بے شک مقررہ وقت پر موت ہے مگر احکامِ دنیا کے اعتبار سے اتلاف (ضائع کرنا) شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاتل پر قتل عمد میں قصاص اور قتل خطا میں دیت واجب ہوتی ہے، پس جس طرح کہ قصاص اور دیت کے حق میں قتل اتلاف ہے مہر کے حق میں بھی اتلاف ہو گا، اور جب مولیٰ نے مبدل تسلیم کرنے سے پہلے اسے تلف کر دیا تو اسے بدل (مہر) سے بھی محروم کیا جائے گا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی البحرالرائق: وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَرْأَةَ إذَا مَاتَتْ فَلَا تَخْلُو إمَّا أَنْ تَكُونَ حُرَّةً أَوْ مُكَاتَبَةً أَوْ أَمَةً وَكُلٌّ مِنَ الثَّلَاثَةِ إمَّا أَنْ تَكُونَ حَتْفَ أَنْفِهَا أَوْ بِقَتْلِهَا نَفْسَهَا أَوْ بِقَتْلِ غَيْرِهَا ، وَكُلٌّ مِنَ التِّسْعَةِ إمَّا قَبْلَ الدُّخُولِ أَوْ بَعْدَهُ فَهِيَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ وَلَايَسْقُطُ مَهْرُهَا عَلَى الصَّحِيحِ فِي الْكُلِّ إلَّا إذَا كَانَتْ أَمَةً وَقَتَلَهَا سَيِّدُهَا قَبْلَ الدُّخُولِ (البحرالرائق: ۳/۱۹۹)

{۹} اگر آزاد عورت نے اپنے آپ کو قبل الدخول قتل کر ڈالا، تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس عورت کے لئے مہر واجب ہو گا جس کے مستحق اس کے ورثہ ہوں گے۔ امام زفرؒ کے نزدیک اس کے لیے مہر نہ ہو گا؛ امام زفرؒ اس صورت کو قیاس کرتے ہیں ردّت اور مولیٰ کے اپنی باندی کو قتل کرنے پر، یعنی جب آزاد عورت قبل الدخول مرتدہ ہو جائے تو اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر باندی کے ساتھ اس کے شوہر کے دخول کرنے سے پہلے باندی کے مولیٰ نے اپنی اس باندی کو قتل کر دیا تو اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی مہر ساقط ہو گا، اور مقیس و مقیس علیہ میں علتِ مشترکہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ ان تینوں صورتوں میں تسلیم کرنے سے پہلے مبدل (منافع بضع) کو روک دینا پایا جاتا ہے لہٰذا بدل (مہر) میں بھی استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔

{۱۰} ہماری دلیل یہ ہے کہ آدمی کا اپنے نفس پر جنایت کرنا احکام دنیا میں معتبر نہیں اگرچہ آخرت میں مواخذہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں خودکشی کرنے والے کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، لہٰذا خودکشی اپنی موت مرنے کے مشابہ ہے اور اپنی موت مرنے کی صورت میں مہر شوہر پر واجب ہوتا ہے تو خودکشی کی صورت میں بھی مہر شوہر پر واجب ہو گا۔ برخلافِ مولیٰ کا اپنی باندی کو قتل کرنے کے؛ کیونکہ وہ احکام دنیا میں معتبر ہے حتی کہ اگر مولیٰ نے خطاءً قتل کر دی

ہو تو مولیٰ پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح آزاد عورت کا مرتدہ ہو جانا بھی احکام دنیا میں معتبر ہے؛ کیونکہ اسے ارتداد کی وجہ سے
قید کیا جائے گا، اس لیے ان دو صورتوں میں مہر ساقط ہو جاتا ہے اور خودکشی کی صورت میں ساقط نہ ہو گا۔

{۱} قَالَ وَإِذَا تَزَوَّجَ أَمَةً فَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ إِلَى الْمَوْلَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ أَنَّ الْإِذْنَ
فرمایا: اور جب نکاح کرے باندی سے تو اجازت کا حق عزل میں مولیٰ کو ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ سے روایت ہے کہ اجازت
فِي الْعَزْلِ إِلَيْهَا لِأَنَّ الْوَطْءَ حَقُّهَا حَتَّى تَثْبُتَ لَهَا وِلَايَةُ الْمُطَالَبَةِ ، وَفِي الْعَزْلِ تَنْقِيصُ حَقِّهَا
حق عزل میں باندی کو ہے؛ کیونکہ وطی باندی کا حق ہے حتی کہ ثابت ہو گی باندی کے لیے مطالبہ کا حق، اور عزل میں کم کرنا ہے اس کا حق
فَيُشْتَرَطُ رِضَاهَا كَمَا فِي الْحُرَّةِ ، بِخِلَافِ الْأَمَةِ الْمَمْلُوكَةِ لِأَنَّهُ لَا مُطَالَبَةَ لَهَا فَلَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا
پس شرط ہو گی اس کی رضامندی جیسے آزاد عورت میں، بخلاف مملوکہ باندی کے؛ کیونکہ مطالبہ کا حق نہیں اس کو پس معتبر نہ ہو گی اس کی رضا

{۲} وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّ الْعَزْلَ يُخِلُّ بِمَقْصُودِ الْوَلَدِ وَهُوَ حَقُّ الْمَوْلَى فَيُعْتَبَرُ رِضَاهُ وَبِهَذَا فَارَقَ
وجہ ظاہر الروایہ کی یہ ہے کہ عزل مخل ہے مقصود ولد میں، اور وہ مولیٰ کا حق ہے پس معتبر ہو گی مولیٰ کی رضامندی، اور اسی سے مختلف ہو گئی
الْحُرَّةَ . {۳} وَإِنْ تَزَوَّجَتْ بِإِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ
وہ حرہ سے۔ اور اگر باندی نے نکاح کیا اپنے مولیٰ کی اجازت سے، پھر آزاد کر دی گئی تو اس کو اختیار ہے خواہ آزاد ہو اس کا زوج یا غلام
لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِبَرِيرَةَ حِينَ عَتَقَتْ { مَلَكْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِي } فَالتَّعْلِيلُ
کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے حضرت بریرہؓ سے جس وقت وہ آزاد ہو گئی "تو مالک ہو گئی اپنے بضع کی پس تو اختیار کر" پس علت بیان کرنا
بِمِلْكِ الْبُضْعِ صَدَرَ مُطْلَقًا فَيَنْتَظِمُ الْفَصْلَيْنِ ، وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِيمَا إِذَا
بملک بضع کے ساتھ صادر ہوا مطلقاً پس شامل ہو گا دونوں صورتوں کو۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ مخالف ہیں ہمارے اس صورت میں جب کہ ہو
زَوْجُهَا حُرًّا وَهُوَ مَحْجُوجٌ بِهِ . {۴} وَلِأَنَّهُ يَزْدَادُ الْمِلْكُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْعِتْقِ فَيَمْلِكُ الزَّوْجُ بَعْدَهُ
اس کا شوہر آزاد اور وہ اطلاق حدیث سے محجوج ہیں، اور اس لیے کہ بڑھ جائے گی ملک اس پر آزادی کے وقت پس مالک ہو گا شوہر اس کے بعد
ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ فَتَمْلِكُ رَفْعَ أَصْلِ الْعَقْدِ دَفْعًا لِلزِّيَادَةِ {۵} وَكَذَلِكَ الْمُكَاتَبَةُ يَعْنِي إِذَا تَزَوَّجَتْ
تین طلاقوں کا پس وہ مالک ہو گی اصل عقد کو رفع کرنے کی زیادتی کو دفع کرنے کے لیے۔ اور اسی طرح مکاتبہ ہے، یعنی جب نکاح کرے
بِإِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ عَتَقَتْ ، وَقَالَ زُفَرُ : لَا خِيَارَ لَهَا لِأَنَّ الْعَقْدَ نَفَذَ عَلَيْهَا بِرِضَاهَا وَكَانَ الْمَهْرُ
اپنے مولیٰ کی اجازت سے پھر آزاد ہو جائے، اور فرمایا امام زفرؒ نے اختیار نہیں اس کو؛ کیونکہ عقد نافذ ہوا اس پر اس کی رضا سے اور مہر بھی
لَهَا فَلَا مَعْنَى لِإِثْبَاتِ الْخِيَارِ ، بِخِلَافِ الْأَمَةِ لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا . {۶} وَلَنَا أَنَّ الْعِلَّةَ ازْدِيَادُ الْمِلْكِ

اس کے لیے پس کوئی معنی نہیں اثباتِ خیار کا، بخلافِ باندی کے کیونکہ معتبر نہیں اس کی رضا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ علت زیادتی ملک ہے

وَقَدْ وَجَدْنَاهَا فِي الْمُكَاتَبَةِ لِأَنَّ عِدَّتَهَا قُرْءَانِ وَطَلَاقَهَا ثِنْتَانِ .

اور ہم نے پایا اس کو مکاتبہ میں کیونکہ اس کی عدت دو حیض ہیں اور اس کی طلاق دو ہیں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں منکوحہ باندی سے عزل کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳و۴ میں خیارِ عتق کی تفصیل، اور امام شافعیؒ وامام مالکؒ کا مختصر اختلاف اور ان پر حجت کو ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵و۶ میں مکاتبہ کے خیارِ عتق میں ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔[۱]اگر کسی نے باندی کے ساتھ نکاح کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے عزل (بوقت انزال منی کو فرج سے باہر گرانا) کرنے کی اجازت مولیٰ کے اختیار میں ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک عزل کی اجازت باندی کے اختیار میں ہے؛ کیونکہ وطی منکوحہ باندی کا حق ہے حتی کہ وطی کے مطالبہ کی ولایت باندی کو حاصل ہے اور عزل کرنے سے باندی کے حق کو کم کرنا لازم آتا ہے لہذا عزل کے لیے اس کی رضامندی شرط ہے جس کے بغیر عزل جائز نہیں، جیسا کہ آزاد عورت سے عزل کرنے کی اجازت کا اختیار آزاد عورت کو حاصل ہے، البتہ مولیٰ کے لیے اپنی مملوکہ باندی سے عزل کی اجازت لینا ضروری نہیں بلکہ باندی سے عزل کا اختیار خود مولیٰ کو حاصل ہے؛ کیونکہ مملوکہ باندی کو وطی کا مطالبہ کرنے کا اختیار نہیں، لہذا عزل میں اس کی رضامندی بھی معتبر نہ ہوگی۔

[۲]ظاہر الروایۃ (امام صاحب کے قول) کی وجہ یہ ہے کہ عزل مقصود یعنی بچہ پیدا ہونے میں مخل ہے اور ولد مولیٰ کا حق ہے باندی کا حق نہیں لہذا مولیٰ ہی کی رضامندی کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور اسی دلیل سے منکوحہ باندی اور آزاد منکوحہ عورت میں فرق ہو گیا کہ باندی میں ولد مولیٰ کا حق ہے اس لیے عزل کی اجازت مولیٰ کے اختیار میں ہے، اور آزاد عورت میں ولد خود عورت کا حق ہے اس لیے عزل کی اجازت کا اختیار بھی عورت کو ہوگا۔

فتویٰ:۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی البحرالرائق: (قَوْلُهُ: وَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ لِسَيِّدِ الْأَمَةِ) لِأَنَّهُ يُخِلُّ بِمَقْصُودِ الْمَوْلَى وَهُوَ الْوَلَدُ فَيُعْتَبَرُ رِضَاهُ وَهَذَا هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَصَاحِبَيْهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَنْهُمَا فِي غَيْرِهَا: أَنَّ الْإِذْنَ لَهَا وَهُوَ ضَعِيفٌ قَيَّدَ بِالْأَمَةِ أَيْ أَمَةَ الْغَيْرِ لِأَنَّ الْعَزْلَ جَائِزٌ عَنْ أَمَةِ نَفْسِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا (البحرالرائق:۳/۱۹۹)

فائدہ:۔ضبطِ ولادت کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک وقیع مضمون ملاحظہ فرمائیں: فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول کے نام سے جو تحریک چلی ہے اس کے عدم جواز میں شبہ نہیں، اول تو اس لئے کہ ضبطِ ولادت کی اجازت جن مقامات پر ثابت ہے ان کا حاصل انفرادی طور پر ضبطِ ولادت کرنا ہے لیکن اس کو

ایک عام عالمگیر تحریک بنالینا درست نہیں، دوسرے اس تحریک کی غرض بھی فاسد ہے کیونکہ اس کا منشاء "خشیت اِملاق" (مفلسی کا اندیشہ) ہے اور یہ منشا بنص قرآنی فاسد ہے چنانچہ ارشاد ہے "وَلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ" اس میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ حکم قتل اولاد کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ" کے الفاظ سے اس فعل کی شناعت کا ایک عام حکم بھی بیان فرمادیا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے بخوف مفلسی تحدید نسل ہوتی ہو وہ ناجائز ہے۔

دراصل یہ تحریک باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" اور قانون قدرت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں پیداوار کی مقدار اس دور کی ضروریات کے مطابق ہوتی ہے، مثلاً پرانے زمانے میں تمام سفر گھوڑوں وغیرہ پر ہوتے تھے، اس دور میں اس قسم کے سفر میں کام آنے والے جانوروں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اور اب چونکہ سفر دوسری گاڑیوں پر ہونے لگے ان کی نسل بھی کم ہوگئی، اسی طرح پہلے زمانہ میں پیٹرول وغیرہ کی ضروریات محدود تھیں مثلاً اس کا استعمال خارش زدہ اونٹ کے جسم پر بطورِ علاج کیا جاتا تھا اس دور میں اس کی پیداوار بھی کم تھی اور اب تمام زندگی پیٹرول کے گرد گھوم رہی ہے تو زمین نے بھی اس کے خزانے اُگل دیئے ہیں، اسی حقیقت کو اللہ جل شانہ نے اس آیت میں واضح فرمایا ہے "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ" اور "اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ" نیز ارشاد ہے "وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ"

تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ضروریات کے مطابق وسائل کی پیداوار کا نظام قدرت ہی کی طرف سے ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ضبطِ ولادت کی یہ تحریک کسی بھی معقول بنیاد پر قائم نہیں بلکہ محض ایک سیاسی فریب ہے۔

اب تو رفتہ رفتہ ماہرین معاشیات بھی اسی نتیجہ کی طرف آرہے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کی یہ تحریک نہایت مضرت رساں ہے اور معاشی طور پر اس کی کوئی ضرورت نہیں، اس مسئلہ کی مزید تفصیل احقر کے رسالہ "ضبطِ ولادت کی عقلی اور شرعی حیثیت" میں موجود ہے۔ واللہ اعلم (درسِ ترمذی: ۳/۴۲۴)

ف:۔ ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی مجموعی طور پر چار صورتیں بنتی ہیں (۱) قطع نسل یا نسبندی: مثلاً اپریشن کے ذریعہ بچہ دانی کو خارج کرنا جس سے دائمی طور پر قوتِ تولید ختم ہو جاتی ہے یہ صورت بالاتفاق حرام ہے خواہ اس کے کتنے ہی فوائد نظر آئیں خواہ کتنا ہی قوی داعی اس کا موجود ہو، زیادہ سے زیادہ یہ عذر ہوگا کہ عورت کمزور، بیمار اور حمل کی متحمل نہ ہوگی تو چونکہ اس کے متبادل راستے موجود ہیں اسلئے یہ صورت اختیار کرنا جائز نہیں (۲) مانع حمل تدبیر: یعنی ایسی کوئی دواء استعمال کرنا کہ قوتِ تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے اس صورت کا حکم یہ ہے کہ بلاعذر اسے اختیار کرنا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر عورت بیمار ہے یا بری طرح کمزور ہے کہ حمل کی متحمل نہیں

یا کسی طویل سفر میں ہے یا زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے یا پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے تو ان اعذار کی وجہ سے کوئی ایسی تدبیر کرنا کہ حمل قرار نہ پائے بلا کراہت جائز ہے (۳) روح اور زندگی کے آثار پیدا ہونے سے پہلے اسقاطِ حمل: یعنی حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے حمل کو ساقط کرنا یہ صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے، البتہ عذر کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے مثلاً حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو گیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے سے موجود بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا متعذر ہو، یا کوئی دیندار، ماہر ڈاکٹر عورت کا معاینہ کرکے یہ کہہ دے کہ اسقاطِ حمل کے بغیر عورت کی جان یا کسی عضو کو شدید خطرہ ہے تو ایسے عذر کی وجہ سے اسقاطِ حمل جائز ہے۔ (۴) روح اور زندگی کے آثار پیدا ہونے کے بعد اسقاطِ حمل، یعنی حمل پر چار ماہ گذرنے کے بعد اسے ساقط کرنا، یہ صورت مطلقاً حرام ہے کسی بھی عذر سے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ (احسن الفتاویٰ:۸/۳۴۳، بتغییر)

{۳} اگر باندی نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا پھر وہ باندی آزاد کر دی گئی، تو احنافؒ کے نزدیک ایسی باندی کو اختیار ہے چاہے تو نکاح کو باقی رکھے چاہے تو فسخ کر دے، اور عام ہے کہ آزادی کے وقت اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ باندی کے اس اختیار کو اصطلاح میں خیارِ عتق کہتے ہیں۔ اس خیار کی وجۂ جواز حضرت عائشہؓ کی روایت ہے فرماتی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت بریرہؓ کو ان الفاظ کے ساتھ اختیار دیا "مَلَكْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِيْ"[۱] (تو مالک ہو گئی اپنے بضع کی پس تو اختیار کر) جس میں حضور ﷺ نے اختیار کی علت ملکِ بضع کو قرار دیا ہے اور اس علت کا بیان حضور ﷺ سے مطلقاً صادر ہوا ہے یعنی یہ فرق نہیں کیا گیا ہے کہ شوہر آزاد ہے یا غلام، اس لیے یہ حدیث دونوں صورتوں (شوہر کے آزاد ہونے یا غلام ہونے) کو شامل ہو گی اور دونوں صورتوں میں معتقہ باندی کو خیارِ عتق حاصل ہو گی۔ امام شافعیؒ وامام مالکؒ کا ہمارے ساتھ اس صورت میں اختلاف ہے کہ معتقہ باندی کا شوہر آزاد ہو یعنی ان کے نزدیک اس صورت میں باندی کو خیارِ عتق حاصل نہیں، البتہ اگر معتقہ باندی کا شوہر غلام ہو تو باندی کو خیارِ عتق حاصل ہو گا۔ مگر مذکورہ بالا حدیث کا اطلاق ان دونوں پر حجت ہے۔

{۴} ہماری عقلی دلیل یہ ہے کہ باندی کے آزاد ہونے سے باندی پر شوہر کی ملک بڑھ جائے گی؛ کیونکہ باندی ہونے کے وقت اس کا شوہر دو طلاقوں کا مالک تھا اب آزاد ہونے کے بعد شوہر تین طلاقوں کا مالک ہو جائے گا جس میں معتقہ باندی کا ضرر ہے، پس معتقہ باندی سے شوہر کی اس زیادتیِ ملک کو دفع کرنے کے لیے اسے اصل عقد ہی کو دور کرنے کا اختیار دیدیا گیا۔

[۱] اعلاء السنن، جلد ۱۱، ص۹۲، برقم:۳۱۶۸، ط ادارة القرآن والعلوم الاسلامية.

﴿۵﴾اسی طرح اگر مکاتبہ باندی نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا پھر بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو گئی تو اس کو بھی خیار عتق حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ مکاتبہ اور مملوکہ باندی میں فرق ہے وہ یہ کہ مکاتبہ کا نکاح خود اس کی رضامندی سے نافذ ہوتا ہے، اور مہر بھی خود اسی کو ملتا ہے، جبکہ مملوکہ باندی کے نکاح میں اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کی رضامندی کے بغیر نافذ ہوتا ہے اور مہر بھی اس کے مولیٰ کو ملتا ہے، لہذا مملوکہ باندی کی طرح مکاتبہ کو خیار عتق حاصل ہوگا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مکاتبہ کو خیارِ عتق حاصل نہ ہوگا۔

﴿۶﴾ہماری دلیل یہ ہے کہ آزادی کے بعد خیارِ عتق کی علت معتقہ پر شوہر کی مِلکِ طلاق کا بڑھ جانا ہے اور یہ علت مکاتبہ میں بھی پائی کہ اس پر بھی شوہر کی مِلکِ طلاق بڑھ جاتی ہے؛ کیونکہ آزاد ہونے سے پہلے اس کی عدت دو حیض تھے اور آزادی کے بعد تین حیض ہوں گے، اور آزادی سے پہلے اس کا شوہر دو طلاقوں کا مالک تھا آزادی کے بعد تین طلاقوں کا مالک ہو جائے گا، پس جب مکاتبہ میں بھی علتِ خیار پائی گئی تو اس کے لیے معلول (خیارِ عتق) بھی ثابت ہو جائے گا۔

﴿۱﴾ وَإِنْ تَزَوَّجَتْ أَمَةٌ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ لِأَنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْعِبَارَةِ وَامْتِنَاعُ النُّفُوذِ

اور اگر نکاح کیا باندی نے اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر پھر آزاد کر دی گئی تو صحیح ہے نکاح؛ کیونکہ وہ اہل عبارت ہے اور ممتنع ہونا نفوذ کا

لِحَقِّ الْمَوْلَى وَقَدْ زَالَ وَلَا خِيَارَ لَهَا لِأَنَّ النُّفُوذَ بَعْدَ الْعِتْقِ فَلَا تَتَحَقَّقُ زِيَادَةُ الْمِلْكِ، كَمَا إِذَا

حق مولیٰ کی وجہ سے تھا اور وہ زائل ہو گیا۔ اور خیار نہ ہوگا اس کو؛ کیونکہ نفوذ عتق کے بعد ہوا پس متحقق نہ ہوگی ملک کی زیادتی جیسا کہ جب

زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بَعْدَ الْعِتْقِ. ﴿۲﴾ فَإِنْ كَانَتْ تَزَوَّجَتْ بِغَيْرِ إِذْنِهِ عَلَى أَلْفٍ وَمَهْرُ مِثْلِهَا مِائَةٌ فَدَخَلَ بِهَا

نکاح کرے اپنا عتق کے بعد۔ پس اگر باندی نے نکاح کیا اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر ہزار پر اور اس کا مہر مثل سو ہو پھر دخول کیا اس کے ساتھ

زَوْجُهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا فَالْمَهْرُ لِلْمَوْلَى لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مَمْلُوكَةً لِلْمَوْلَى

اس کے شوہر نے، پھر آزاد کیا اس کو اس کے مولیٰ نے تو مہر مولیٰ کے لیے ہوگا؛ کیونکہ شوہر نے ایسے منافع وصول کئے ہیں جو مملوک ہیں مولیٰ کے

﴿۳﴾ وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى أَعْتَقَهَا فَالْمَهْرُ لَهَا لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مَمْلُوكَةً لَهَا

اور اگر دخول نہیں کیا اس کے ساتھ حتیٰ کہ اس کو آزاد کر دیا تو مہر باندی کے لیے ہوگا کیونکہ اس نے ایسے منافع وصول کئے ہیں جو مملوک ہیں باندی کے

﴿۴﴾وَالْمُرَادُ بِالْمَهْرِ الْأَلْفُ الْمُسَمَّى لِأَنَّ نَفَاذَ الْعَقْدِ بِالْعِتْقِ اسْتَنَدَ إِلَى وَقْتِ وُجُودِ الْعَقْدِ فَصَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَوَجَبَ الْمُسَمَّى

اور مراد مہر سے ہزار مسمّٰی ہیں؛ کیونکہ نفاذِ عقد عتق کی وجہ سے منسوب ہے وجودِ عقد کے وقت کی طرف، پس صحیح ہے تسمیہ اور واجب ہوگا مسمّٰی۔

وَلِهَذَا لَمْ يَجِبْ مَهْرٌ آخَرُ بِالْوَطْءِ فِي نِكَاحٍ مَوْقُوفٍ لِأَنَّ الْعَقْدَ قَدِ اتَّحَدَ بِاسْتِنَادِ النَّفَاذِ فَلَا يُوجِبُ

إلّا مَهْرًا وَاحِدًا. {5} وَمَنْ وَطِئَ أَمَةَ ابْنِهِ فَوَلَدَتْ مِنْهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا

مگر ایک مہر۔ اور جو شخص وطی کرے اپنے بیٹے کی باندی سے پھر وہ بچہ جنے اس سے تو وہ اس کی ام ولد ہوگی اور اس پر اس کی قیمت ہے

وَلَا مَهْرَ عَلَيْهِ وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ أَنْ يَدَّعِيَهُ الْأَبُ. وَوَجْهُهُ أَنَّ لَهُ

اور مہر نہیں اس پر، اور اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ دعوی کرے اس ولد کا باپ، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو حاصل ہے

وِلَايَةَ تَمَلُّكِ مَالِ ابْنِهِ لِلْحَاجَةِ إِلَى الْبَقَاءِ فَلَهُ تَمَلُّكُ جَارِيَتِهِ

مالک ہونے کی ولایت بیٹے کے مال کے بقاء کی حاجت کی وجہ سے، تو اس کو ولایت حاصل ہوگی بیٹے کی باندی کے مالک بننے کی

لِلْحَاجَةِ إِلَى صِيَانَةِ الْمَاءِ، غَيْرَ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى إِبْقَاءِ نَسْلِهِ دُونَهَا إِلَى إِبْقَاءِ نَفْسِهِ، فَلِهَذَا يَتَمَلَّكُ

پانی کی حفاظت کی حاجت کی وجہ سے، مگر یہ کہ حاجت بقاءِ نسل کی طرف کم ہے اپنے نفس کو باقی رکھنے کی حاجت سے، پس اس وجہ سے مالک ہوگا

الْجَارِيَةَ بِالْقِيمَةِ وَالطَّعَامَ بِغَيْرِ قِيمَةٍ. {6} ثُمَّ هَذَا الْمِلْكُ يَثْبُتُ قُبَيْلَ الِاسْتِيلَادِ شَرْطًا لَهُ إِذِ الْمُصَحِّحُ

باندی کا قیمت کے ساتھ اور طعام کا بلا قیمت، پھر یہ ملک ثابت ہوگی کچھ پہلے استیلاد سے شرط ہو کر استیلاد کے لیے؛ کیونکہ صحیح کرنے والی

حَقِيقَةُ الْمِلْكِ أَوْ حَقُّهُ، وَكُلُّ ذَلِكَ غَيْرُ ثَابِتٍ لِلْأَبِ فِيهَا حَتَّى يَجُوزَ لَهُ التَّزَوُّجُ بِهَا فَلَا بُدَّ

حقیقتِ ملک ہے یا حقِ ملک، اور یہ ہر ایک ثابت نہیں باپ کے لیے باندی میں حتی کہ جائز ہے اس کے لیے نکاح کرنا اس سے، پس ضروری ہے

مِنْ تَقْدِيمِهِ فَتَبَيَّنَ أَنَّ الْوَطْءَ يُلَاقِي مِلْكَهُ فَلَا يَلْزَمُهُ الْعُقْرُ. {7} وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: يَجِبُ

ملک کی تقدیم، پس ظاہر ہوا کہ وطی متصل ہے باپ کی ملک سے، پس لازم نہ ہوگا باپ پر عقر۔ اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہ واجب ہوگا

الْمَهْرُ لِأَنَّهُمَا يُثْبِتَانِ الْمِلْكَ حُكْمًا لِلِاسْتِيلَادِ كَمَا فِي الْجَارِيَةِ الْمُشْتَرَكَةِ وَحُكْمُ الشَّيْءِ يَعْقُبُهُ وَالْمَسْأَلَةُ مَعْرُوفَةٌ.

مہر؛ کیونکہ یہ دونوں ثابت کرتے ہیں ملک کو حکم استیلاد جیسا کہ مشترکہ باندی میں، اور حکم شی بعد ہوتا ہے شی کے اور مسئلہ معروف ہے

{8} قَالَ وَلَوْ كَانَ الِابْنُ زَوَّجَهَا إِيَّاهُ فَوَلَدَتْ مِنْهُ لَمْ تَصِرْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَلَا قِيمَةَ عَلَيْهِ

فرمایا: اور اگر بیٹے نے نکاح کیا اپنی باندی کا اپنے باپ سے، پھر وہ بچہ جن گئی اس سے تو نہ ہوگی ام ولد اس کی اور قیمت واجب نہ ہوگی اس پر

وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ وَوَلَدُهَا حُرٌّ لِأَنَّهُ صَحَّ التَّزَوُّجُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ {9} لِخُلُوِّهَا

اور اس پر مہر ہوگا اور باندی کا بچہ آزاد ہوگا؛ کیونکہ صحیح ہے نکاح ہمارے نزدیک، اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بوجہ خالی ہونے باندی کے

عَنْ مِلْكِ الْأَبِ، أَلَا يُرَى أَنَّ الِابْنَ مَلَكَهَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَمْلِكَهَا الْأَبُ مِنْ وَجْهٍ، وَكَذَا يَمْلِكُ

باپ کی ملک سے، کیا نہیں دیکھتے کہ بیٹا مالک ہے اس کا ہر طرح سے، پس محال ہے کہ مالک ہو جائے اس کا باپ من وجہ، اسی طرح بیٹا مالک ہے

مِنَ التَّصَرُّفَاتِ مَا لَا يَبْقَى مَعَهُ مِلْكُ الْأَبِ لَوْ كَانَ، فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى انْتِفَاءِ مِلْكِهِ إِلَّا أَنَّهُ يَسْقُطُ

مِنَ التَّصَرُّفَاتِ مَا لَا يَبْقَى مَعَهُ مِلْكُ الْأَبِ لَوْ كَانَ ، فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى انْتِفَاءِ مِلْكِهِ إِلَّا أَنَّهُ يَلْزَمُ

ایسے تصرفات کا کہ باقی نہیں رہ سکتی ہے اس کے ساتھ باپ کی ملک اگر ملک میں ہوتی پس یہ دال ہے انتفاءِ ملکِ باپ پر مگر یہ کہ ساقط ہو جاتی ہے

الْحَدُّ لِلشُّبْهَةِ ،{۱۰}فَإِذَا جَازَ النِّكَاحُ صَارَ مَاؤُهُ مَصُونًا بِهِ فَلَمْ يَثْبُتْ مِلْكُ الْيَمِينِ فَلَا تَصِيرُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ

حد شبہہ کی وجہ سے، پس جب جائز ہے نکاح تو ہو گیا اس کا پانی محفوظ اس کی وجہ سے پس ثابت نہ ہوگی ملک یمین، پس نہ ہوگی ام ولد باپ کے لیے

وَلَا قِيمَةَ عَلَيْهِ فِيهَا وَلَا فِي وَلَدِهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُمَا ، وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ لِالْتِزَامِهِ

اور قیمت نہ ہوگی باپ پر باندی میں اور نہ اس کے بچے میں؛ کیونکہ باپ مالک نہیں ہوا ان دونوں کا اور اس پر مہر ہے اس کے التزام کی وجہ سے

بِالنِّكَاحِ وَوَلَدُهَا حُرٌّ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ أَخُوهُ فَيُعْتَقُ عَلَيْهِ بِالْقَرَابَةِ.

بذریعہ نکاح اور اس کا بچہ آزاد ہوگا کیونکہ مالک ہوا وہ اپنے بھائی کا پس آزاد ہو جائے گا اس پر قرابت کی وجہ سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بلا اجازت نکاح کرنے کے بعد آزاد کی گئی باندی کے نکاح کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے اور نمبر ۲و۳ بلا اجازت نکاح کرنے کی دو صورتوں میں مہر کے مستحق کا تذکرہ مع دلیل کیا ہے، اور نمبر ۴ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے اور نمبر ۵ میں بیٹے کی باندی کے ساتھ وطی کرنے کے حکم کی تفصیل مع دلیل ذکر کی ہے اور نمبر ۶ میں سوال کا جواب دیا ہے اور نمبر ۷ میں امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک مع دلیل ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۸و۹ میں بیٹے کی باندی سے نکاح کرنے کی صحت میں احناف اور شوافعؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۱۰ میں بتایا ہے کہ باپ پر باندی یا اس کی اولاد کی قیمت واجب نہیں ، البتہ باندی کا مہر لازم ہے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر باندی نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، پھر آزاد کر دی گئی تو نکاح صحیح ہے؛ کیونکہ رکن نکاح یعنی ایجاب اور قبول اس کے اہل سے صادر ہوا اس لئے کہ باندی عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے ایجاب وقبول کے ساتھ تکلم کرنے کا اہل ہے، البتہ حق مولیٰ نفاذِ نکاح کے لیے مانع تھا جو ابھی آزاد کر دینے کی وجہ سے زائل ہو گیا لہذا یہ نکاح صحیح ہے۔ البتہ باندی کے لئے خیارِ عتق نہیں ہوگا؛ کیونکہ مذکورہ صورت میں نکاح عتق کے بعد نافذ ہوا ہے لہذا عتق کی وجہ سے اس پر شوہر کی ملک کی زیادتی متحقق نہیں ہوئی ہے اس لیے اسے خیارِ عتق بھی حاصل نہ ہوگا، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ جب وہ آزاد ہونے کے بعد اپنا نکاح خود کر لے تو اسے خیارِ عتق حاصل نہیں ہوتا اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی اسے خیارِ عتق حاصل نہ ہوگا۔

{۲}اگر باندی نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر ہزار درہم پر نکاح کیا حالانکہ اس کا مہر مثل سو درہم ہے، پھر شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی، اس کے بعد مولیٰ نے اپنی اس باندی کو آزاد کر دیا، تو کل مہر مسمّٰی مولیٰ کے لئے ہوگا؛ کیونکہ شوہر نے ایسے منافع حاصل کئے ہیں جو مولیٰ کے مملوک ہیں، لہٰذا ان کا بدل یعنی مہر بھی مولیٰ ہی کے لئے واجب ہوگا۔

{۳}اور اگر شوہر نے اس کے ساتھ وطی نہیں کی تھی حتی کہ مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا، تو اس صورت میں کل مہر آزاد شدہ باندی کے لئے ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں شوہر نے ایسے منافع وصول کئے ہیں جو باندی کے مملوک ہیں، لہٰذا ان کا بدل یعنی مہر بھی باندی ہی کے لئے ہوگا۔

{۴}سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں چونکہ مولیٰ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ابتداء (مہر مقرر کرنے کے وقت) سے نکاح صحیح نہیں، تو مہر مسمّٰی (ہزار درہم) بھی صحیح نہیں ہونا چاہئے لہٰذا امام صاحبؒ کے نزدیک ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہونا چاہیے؛ کیونکہ مہر مثل امام صاحبؒ کے نزدیک اصل ہے لہٰذا مہر مثل کے بقدر مولیٰ کے لیے واجب ہونا چاہیے۔ صاحبِ ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ نہیں: بلکہ مہر سے مراد ہزار ار مسمّٰی ہی ہے مہر مثل نہیں؛ کیونکہ عتق کی وجہ سے نکاح کا نفاذ وجودِ عقد کے وقت کی طرف منسوب ہوگا یعنی وجودِ عقد کے وقت ہی سے یہ نکاح نافذ شمار ہوگا جو کہ صحیح ہے، لہٰذا مہر مسمّٰی صحیح ہے پس اگر مولیٰ نے دخول کے بعد باندی آزاد کر دی تو مہر مسمّٰی مولیٰ کے لیے ہوگا اور اگر دخول سے پہلے آزاد کی تو مسمّٰی باندی کے لیے ہوگا۔

اور اسی (نفاذِ عقد وجودِ عقد کی طرف منسوب ہونے ہی کی) وجہ سے نکاح موقوف میں وطی سے دوسرا مہر واجب نہیں ہوتا ہے یعنی اگر باندی نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو یہ نکاح موقوف ہے، پھر مولیٰ نے اجازت دیدی، تو یہ نہ ہوگا کہ اجازت سے پہلے کی گئی وطی کے لیے الگ مہر ہو اور اجازت کے بعد کی گئی وطی کے لیے مہر مسمّٰی ہو؛ کیونکہ مولیٰ کی اجازت سے وہی عقد نافذ ہوا جو موقوف تھا تو گویا عقد کے وقت ہی سے اجازت ہو چکی ہے لہٰذا نکاح کا نفاذ وجودِ عقد کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عقد ایک ہے اور دونوں وطی جائز ہیں اس لیے دونوں کے لیے ایک ہی مہر واجب ہوگا۔

{۵}اگر کسی نے اپنے بیٹے کی باندی کے ساتھ وطی کی اور اس سے باندی کا بچہ پیدا ہوگیا تو یہ باندی واطی کی ام ولد ہو جائے گی، اور واطی پر اس باندی کی قیمت لازم ہوگی، مگر اس پر باندی کا مہر واجب نہ ہوگا۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ باندی واطی کی ام ولد اس وقت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب کا دعوی کرے کہ یہ مجھ سے ہے؛ کیونکہ باپ کو یہ ولایت حاصل ہے کہ وہ اپنی جان کی بقاء کیلئے اپنے بیٹے کے مال کا مالک ہو جائے اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "أَنتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ"[1] (تو اور تیرا مال

[1] کذا فی ابی داود، ۲، ص:۱۴۲، رقم:۳۵۲۹ ط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

نسل کے لئے اپنے بیٹے کی باندی کامالک ہوجائے
تیرے باپ کا ہے) توباپ کو یہ ولایت بھی حاصل ہوگی کہ بقاءِماءاور
کوباقی رکھنے کی حاجت نفس کوباقی رکھنے کی حاجت سے کمتر ہے، لہذا باپ بیٹے کی مملوک کھانے پینے کی چیزوں کا تو بلا قیمت
ہوجاتا ہے مگر باندی کی قیمت اداکرنی پڑے گی، قیمت اداکر کے مالک ہوجاتا ہے اور یہ اس لیے تاکہ باپ اور بیٹے دونوں
مقصود کی رعایت ہو۔

{٦}سوال یہ ہے کہ ام ولد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وطی ملک میں ہو جبکہ یہاں توباپ کے لیے بیٹے کی اس باندی
نہ حقیقتِ ملک ثابت ہے جیساکہ مملوکہ باندی میں حقیقتِ ملک ثابت ہوتی ہے، اور نہ اس کے لیے حقِ ملک ثابت ہے جیساکہ مکاتبہ میں
ملک ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی باندی سے نکاح کرسکتا ہے حالانکہ حقیقتِ ملک یا حقِ ملک کی صورت میں
جائز نہیں ہوتا ہے، لہذا اس باندی کا اس کے لیے ام ولد ہونا صحیح نہیں ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ ضرورۃً صحتِ استیلاد کی شرط
طور پر اس کو ام ولد بنانے سے پہلے اس میں باپ کی ملک ثابت ہوجائے گی؛ کیونکہ اس کے استیلاد کو صحیح بنانے والی چیز یا تو وطی کا
ہے یا حقِ ملک ہے جبکہ اس باندی میں باپ کے لیے یہ دونوں باتیں ثابت نہیں حتی کہ باپ کا اس کے ساتھ نکاح جائز ہے لہذا
استیلاد کے لیے استیلاد سے پہلے باپ کی ملک ثابت کرنا ضروری ہے پس جب باپ کے لیے ملک ثابت کی گئی تو ثابت ہوا کہ وطی اس
کی ملک میں پائی گئی اس لیے باپ پر اس وطی کی وجہ سے عقر بھی لازم نہ ہوگا۔

ف:۔ جن صورتوں میں زنا کی حد جاری نہیں ہوتی، ان میں عورت کا مہر مرد پر واجب ہوتا ہے، اسی کو "عقر" کہتے ہیں، اور عقر میں اس
عورت کا مہر ادا کرنا ہوتا ہے جو حسن وجمال میں اسی عورت کے مماثل ہو (قاموس الفقہ: ۴/ ۴۰۷)

{٧} امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں باپ پر مہر واجب ہوگا؛ کیونکہ یہ دونوں حضرات ملک
کو استیلاد کا حکم قرار دیتے ہیں اور حکم شئی، شئی کے بعد ہوتا ہے لہذا باپ کی ملک اسے ام ولد بنانے کے بعد ثابت ہوگی، اس لیے باپ کا
وطی اس کی ملک سے پہلے ہے، لہذا بغیر ملک کے وطی کرنے کی وجہ سے باپ پر مہر واجب ہوگا جیساکہ باپ اور بیٹے میں مشترکہ باندی نے
بچہ جنا اور باپ نے دعوی کیا کہ بچہ مجھ سے ہے تو بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوجائے گا اور باپ پر نصفِ عقر واجب ہوگا اگرچہ باپ کا
ایک گنا ملک قائم ہے، پس یہ دلیل ہے کہ وطی سے پہلے باپ کے لیے ملک ثابت نہیں؛ کیونکہ شئی کا حکم شئی کے بعد ہوتا ہے۔ صاحب
ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ شروح جامع صغیر میں معروف ہے کہ ہمارے نزدیک باپ کے لیے ملک بطورِ شرط ام ولد بنانے سے کچھ
پہلے ثابت ہوگی تاکہ باپ کا یہ فعل حرام واقع نہ ہو، اور امام زفرؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک بطورِ حکم استیلاد کے بعد ثابت ہوگی۔

﴿۸﴾ اگر بیٹے نے اپنی باندی کا اپنے باپ کے ساتھ نکاح کیا پھر باپ کے نطفہ سے باندی کا بچہ پیدا ہوا، تو وہ باندی باپ کی ام ولد نہ ہو گی اور باپ پر بیٹے کے لئے اس باندی کی قیمت بھی واجب نہ ہو گی، ہاں باپ پر مہر واجب ہو گا اور اس باندی کی اولاد جو باپ کے نطفہ سے ہے آزاد ہو گی، اور یہ اس لیے کہ ہمارے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں؛ کیونکہ یہ بیٹے کی باندی ہے جس میں باپ کو حقِ ملک حاصل ہے اور جس باندی میں کسی کو حقِ ملک حاصل ہو اس سے نکاح کرنا صحیح نہیں۔

﴿۹﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ باندی باپ کی مِلک سے خالی ہے یعنی نہ من کل الوجوہ باپ کی ملک ہے اور نہ من بعض الوجوہ، بلکہ من کل الوجوہ بیٹے کی ملک ہے، پس یہ محال ہے کہ باپ کی بھی من وجہ مِلک ہو؛ کیونکہ بیک وقت ایک چیز میں دو ملک جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ نیز بیٹا اس باندی میں ایسے تصرفات کا مالک ہے جن کے ہوتے ہوئے اگر باپ کی مِلک ہوتی تو باقی نہ رہتی مثلاً بیٹا اسے فروخت کر سکتا ہے اور کسی کو ہبہ کر سکتا ہے، لہٰذا یہ دلیل ہے کہ باپ کی مِلک اس میں منتفی ہے، البتہ باپ سے حدِ زنا شبہہِ ملک کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَنتَ وَمَالُکَ لِاَبِیکَ" (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے) جس سے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ باپ اس کا مالک ہے اس لیے باپ کو حد نہیں لگے گی۔

﴿۱۰﴾ بہر حال جب اس میں باپ کی مِلک نہیں تو اس کے ساتھ باپ کا نکاح کرنا صحیح ہے، اور جب نکاح صحیح ہوا تو اس کا پانی نکاح کی وجہ سے محفوظ ہو گیا اس لیے اس میں مِلکِ یمین ثابت نہ ہو گی، لہٰذا یہ باندی باپ کی ام ولد بھی نہیں ہو گی اس لیے باپ پر باندی کی قیمت یا اس کی اولاد کی قیمت بھی واجب نہ ہو گی؛ کیونکہ باپ ان دونوں کا مالک نہیں ہوا ہے۔ البتہ باپ نے چونکہ نکاح کر کے خود پر مہر کا التزام کیا ہے اس لئے باپ پر باندی کا مہر واجب ہو گا۔ اور باندی کی اولاد آزاد ہو گی وجہ یہ ہے کہ باندی کی اولاد مولیٰ کی ملک ہوتی ہے اور یہاں مولیٰ (بیٹا) باندی سے پیدا شدہ بچہ کا بھائی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کوئی اپنے کسی محرم کا مالک ہو جائے وہ اس قرابت کی وجہ سے اس پر آزاد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مَن مَلَکَ ذَا رَحِمٍ مَحرَمٍ مِنهُ عُتِقَ عَلَیهِ[1]" (جو مالک ہو جائے اپنے ذی رحم محرم کا وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے)۔

﴿۱﴾ قَالَ وَإِذَا كَانَتِ الْحُرَّةُ تَحْتَ عَبْدٍ فَقَالَتْ لِمَوْلَاهُ أَعْتِقْهُ عَنِّي بِأَلْفٍ

فرمایا: اور جب ہو آزاد عورت غلام کے نکاح میں پس عورت نے کہا اس کے مولیٰ سے آزاد کر دو اس کو میری طرف ہزار کے عوض،

فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ ﴿۲﴾ وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَفْسُدُ ، وَأَصْلُهُ أَنْ يَقَعَ الْعِتْقُ عَنِ الْآمِرِ

[1] كذافی ابی داؤد:2،ص:194،رقم :395 ،ط مكتبہ رحمانیہ لاہور۔

پس اس نے آزاد کر دیا تو فاسد ہو گیا نکاح، اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ فاسد نہ ہوگا، اور ان کی اصل یہ ہے کہ واقع ہوتا ہے عتق آمر کی طرف سے

عِنْدَنَا حَتَّى يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُ ، وَلَوْ نَوَى بِهِ الْكَفَّارَةَ يَخْرُجُ عَنْ عُهْدَتِهَا ، وَعِنْدَهُ

ہمارے نزدیک حتی کہ ہوگا ولاء اسی کے لیے، اور اگر نیت کی اس سے کفارہ کی تو نکل جائے اس کی ذمہ داری سے، اور امام زفرؒ کے نزدیک

يَقَعُ عَنِ الْمَأْمُورِ لِأَنَّهُ طَلَبَ أَنْ يُعْتِقَ الْمَأْمُورُ عَبْدَهُ عَنْهُ ، وَهَذَا مُحَالٌ لِأَنَّهُ

واقع ہوتا ہے مامور کی طرف سے؛ کیونکہ اس نے طلب کیا کہ آزاد کر دے مامور اپنا غلام اس کی طرف سے، اور یہ محال ہے؛ کیونکہ

لَا عِتْقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ فَلَمْ يَصِحَّ الطَّلَبُ فَيَقَعُ الْعِتْقُ عَنِ الْمَأْمُورِ.

آزادی متحقق نہیں ہوتی ان چیزوں میں جن کا مالک نہیں ہوتا ابن آدم، پس صحیح نہ ہوا طلب کرنا اس لیے واقع ہوگی عتق مامور کی طرف سے

﴿۳﴾وَلَنَا أَنَّهُ أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ بِتَقْدِيمِ الْمِلْكِ بِطَرِيقِ الِاقْتِضَاءِ إِذِ الْمِلْكُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْعِتْقِ عَنْهُ فَيَصِيرُ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ممکن ہے اس کی تصحیح ملک کو مقدم مان کر بطریق اقتضاء کیونکہ ملک شرط ہے صحتِ عتق کے لیے اس کی طرف سے پس ہوگا

قَوْلُهُ أَعْتِقْ طَلَبَ التَّمْلِيكِ مِنْهُ بِالْأَلْفِ ثُمَّ أَمْرَهُ بِإِعْتَاقِ عَبْدِ الْآمِرِ عَنْهُ،

اس کا قول "أَعْتِقْ" تملیک کو طلب کرنا اس کی طرف سے ہزار کے عوض، پھر حکم کیا اس کو آزاد کرنے کا آمر کے غلام کو اس کی طرف سے

وَقَوْلُهُ أَعْتَقْتُ تَمْلِيكٌ مِنْهُ ثُمَّ الْإِعْتَاقُ عَنْهُ ،وَإِذَا ثَبَتَ الْمِلْكُ لِلْآمِرِ

اور مامور کا قول "أَعْتَقْتُ" تملیک ہے اس کی طرف سے، پھر اعتاق ہے اس کی طرف سے، اور جب ثابت ہو گئی ملک آمر کے لیے

فَسَدَ النِّكَاحُ لِلتَّنَافِي بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ . ﴿۴﴾ وَلَوْ قَالَتْ أَعْتِقْهُ عَنِّي وَلَمْ تُسَمِّ مَالًا لَمْ يَفْسُدِ النِّكَاحُ

تو فاسد ہو گیا نکاح بوجہ منافات دونوں ملکوں میں، اور اگر حرہ نے کہا آزاد کر دو اس کو میری طرف سے اور نام نہیں لیا مال کا تو فاسد نہ ہوگا نکاح

وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : هَذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ لِأَنَّهُ يُقَدِّمُ

اور ولاء معتق کے لیے ہوگا اور یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ یہ اور پہلی صورت برابر ہیں کیونکہ مقدم کیا جائے گا

التَّمْلِيكُ بِغَيْرِ عِوَضٍ تَصْحِيحًا لِتَصَرُّفِهِ ،﴿۵﴾وَيَسْقُطُ اعْتِبَارُ الْقَبْضِ كَمَا إِذَا كَانَ عَلَيْهِ كَفَّارَةُ ظِهَارٍ

بلا عوض مالک کرنے کو صحیح کرتے ہوئے اس کے تصرف کو، اور ساقط ہو جائے گا قبضہ کا اعتبار جیسا کہ جب ہو اس پر ظہار کا کفارہ

فَأَمَرَ غَيْرَهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ .﴿۶﴾وَلَهُمَا أَنَّ الْهِبَةَ مِنْ شَرْطِهَا الْقَبْضُ بِالنَّصِّ فَلَا يُمْكِنُ

پس اس نے امر کیا غیر کو کہ طعام دے اس کی طرف سے، اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہبہ کے لیے شرط قبضہ ہے نص سے، پس ممکن نہیں

إِسْقَاطُهُ وَلَا إِثْبَاتُهُ اقْتِضَاءً لِأَنَّهُ فِعْلٌ حِسِّيٌّ ،بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ شَرْعِيٌّ،﴿۷﴾وَفِي تِلْكَ الْفَقِيرُ يَنُوبُ

اس کو ساقط کرنا اور نہ اس کو ثابت کرنا اقتضاءً کیونکہ یہ فعل حسی ہے بخلاف بیع کے کیونکہ وہ تصرفِ شرعی ہے، اور اس میں فقیر نائب ہوتا ہے

عَنِ الْآمِرِ فِي الْقَبْضِ ، أَمَّا الْعَبْدُ فَلَا يَقَعُ فِي يَدِهِ شَيْءٌ لِيَنُوبَ عَنْهُ.

آمر کا قبضہ میں، اور رہا غلام تو واقع نہیں ہوتی اس کے قبضہ میں کوئی چیز تا کہ وہ نائب ہو غائب کی طرف سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں غلام کی منکوحہ آزاد عورت کا غلام کے مولیٰ سے اس کی آزادی کا مطالبہ کرنے کی ایک صورت کے حکم میں ہمارے اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ تا ۷ میں ایک اور صورت میں طرفینؒ اور امام ابویوسفؒ کا اختلاف، امام ابویوسفؒ کی دلیل، ایک سوال کا جواب، پھر طرفینؒ کی دلیل اور امام ابویوسفؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو، اور اس نے اپنے غلام شوہر کے مالک سے کہا کہ "اس غلام کو میری طرف سے آزاد کر دو ایک ہزار درہم کے عوض" اور مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا، تو ان کے درمیان نکاح فاسد ہو جائے گا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ فاسد نہ ہوگا۔ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آزادی حکم کرنے والے کی طرف سے واقع ہوتی ہے حتی کہ ولاء بھی حکم کرنے والے کے لیے ہوگا، اور اگر آمر نے اس آزادی سے اپنے کسی کفارہ کی ادائیگی کی نیت کر لی تو وہ اس کفارہ کی ذمہ داری سے نکل جائے گا یعنی اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

{۲} اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آزادی آمر کی طرف سے نہیں بلکہ مامور کی طرف سے واقع ہوتی ہے؛ کیونکہ آمر نے مطالبہ کیا کہ مامور اپنا غلام اس کی طرف سے آزاد کر دے اور یہ محال ہے کیونکہ انسان جس کا مالک نہیں ہوتا اس میں اسکی طرف سے آزادی واقع نہیں ہو سکتی ہے، لہٰذا آمر کا یہ مطالبہ ہی صحیح نہیں، اس لیے آزادی بھی اس کی طرف سے نہ ہوگی بلکہ خود مامور کی طرف سے ہوگی۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ آمر کے کلام کو لغو ہونے سے بچایا جائے گا اور اسے صحیح کرنا ممکن بھی ہے بایں طور کہ اقتضاءً اس کی ملک کو پہلے مان لیا جائے؛ کیونکہ آمر کی طرف سے صحتِ آزادی کے لیے مِلک کا ہونا شرط ہے پس عورت کا مالک کو "أَعْتِقْهُ" کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ "اس غلام کو میرے ہاتھ ہزار درہم کے عوض فروخت کر کے مجھے اس کا مالک بنا دو، پھر حکم دیا کہ میری طرف سے وکیل ہو کر اس کو آزاد کر"، اور مولیٰ نے جب "أَعْتَقْتُ" کہا تو یہ گویا مولیٰ کی طرف سے اس عورت کو مالک بنانا اور پھر اس کی طرف سے اسے آزاد کرنا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت کے لیے پہلے اقتضاءً ملک ثابت ہوتی ہے پھر اس کی طرف سے آزادی واقع ہوتی ہے

،اور جب عورت کے لیے مِلک ثابت ہو گئی تو نکاح فاسد ہو جائے گا؛ کیونکہ مِلکِ نکاح اور مِلکِ یمین میں منافات ہے اس لیے نکاح فاسد ہو جائے گا۔

ف:۔ جو شخص اپنا غلام آزاد کردے، پھر آزاد کیا ہوا شخص اس طرح مرے کہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا متروکہ مال آزاد کرنے والے کو ملے گا، اسی کو وَلاء کہتے ہیں۔

{۴} اور اگر عورت نے اپنے شوہر کے مولیٰ سے کہا کہ "اس کو میری طرف سے آزاد کر"، اور "بالفِ" نہیں کہا یعنی مال کا ذکر نہیں کیا، تو طرفینؒ کے نزدیک نکاح فاسد نہیں ہوگا اور وَلاء آزاد کرنے والے مولیٰ کے لیے ہوگا۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ صورت اور سابقہ صورت برابر ہیں یعنی اس میں بھی سابقہ صورت کی طرح نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح گزشتہ صورت میں ہم نے اقتضاءِ بیع کو مقدر مانا تھا اسی طرح یہاں بھی ہے مگر یہاں تملیک بلاعوض یعنی ہبہ کو اقتضاءً مقدر مانا جائیگا تا کہ آمر کا کلام حتی الامکان لغو ہونے سے محفوظ ہو جائے اور اس کا تصرف صحیح ہو جائے، تو گویا عورت نے شوہر کے مولیٰ سے کہا کہ "پہلے اسے مجھے ہبہ کردو پھر میری طرف سے وکیل بن کر اس کو آزاد کردو" مولیٰ نے جو کہا "أَعْتَقْتُ" تو اس کا مطلب ہوگا کہ میں نے اولاً یہ غلام تجھ کو ہبہ کیا پھر تیری طرف سے میں وکیل بنا اور اس کو آزاد کر دیا، لہٰذا اس صورت میں بھی دو ایسی مِلکوں کو جمع کرنا لازم آتا ہے جن میں منافات ہے اس لیے نکاح فاسد ہو جائے گا۔

{۵} سوال یہ ہے کہ ہبہ میں تو موہوب لہ کا قبضہ شرط ہے جبکہ مذکورہ صورت میں تو موہوب لہ (عورت) نے قبضہ نہیں کیا ہے پس یہ ہبہ کیسے تام ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ سابقہ صورت میں ہم نے اقتضاءِ بیع کو مانا تھا اور بیع میں ایجاب اور قبول رکن ہیں، تو وہاں ہم نے اقتضاءِ بیع کو ثابت کر کے اس کے رکن کو ساقط کر دیا، تو اس صورت میں جو قبضہ شرط ہے جس کا درجہ رکن سے کم ہے اس کو تو بطریقہ اولیٰ ساقط کرنا ممکن ہوگا۔ پس یہ ایسا ہے جیسا کہ اگر کسی کے ذمہ کفارۂ ظہار واجب ہو اور اس نے دوسرے کو امر کیا کہ میری طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادو، اور مامور نے ایسا کر دیا تو یہ بالاتفاق صحیح ہے حالانکہ اس مین بھی یہی بات ہے کہ آمر مامور سے کہتا ہے کہ "پہلے مجھے طعام ہبہ کردو پھر میری طرف سے اسے مساکین کو ادا کردو"، تو جس طرح کہ اس صورت میں قبضہ ساقط ہو کر ہبہ صحیح ہوا اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں بھی قبضہ ساقط ہوگا۔

{۶} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا کلام ہبہ کو متضمن نہیں؛ کیونکہ ہبہ میں قبضہ کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لا تَصِحُّ الهِبةُ إلّا مَقبُوضَةً"(۱) (ہبہ بغیر قبضہ کے صحیح نہیں) اور جس چیز کا اشتراط نص سے ثابت ہو وہ

(۱) كذافي مصنف عبدالرزاق: ۷، ص ۳۶۸، رقم: ۱۶۵۹۱.

ساقط نہیں ہوتی ہے، لہذا ہبہ میں قبضہ کرنا ممکن نہیں۔ نیز ہبہ میں قبضہ اقتضاء ثابت کرنا بھی ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ قبضہ حسّی فعل ہے اور حسّی فعل کو ساقط کر کے قول کے ضمن میں اس کا اعتبار کرنا ممکن نہیں، اس لیے قبضہ اقتضاء بھی ثابت نہ ہوگا۔ برخلافِ بیع کے کہ وہ ایک شرعی اور قولی تصرف ہے لہذا مولیٰ کے قول "أَعْتَقْتُ" کے ضمن میں اس کا اثبات صحیح ہے، پس دونوں صورتوں میں فرق ہے اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

{۷}اور امام ابو یوسف ؒ کا اس صورت کو کفارۂ ظہار والی صورت پر قیاس کرنا درست نہیں؛ کیونکہ اس میں جب مامور فقیر کو کھانا دے گا تو فقیر پہلے آمر کی طرف سے نائب بن کر قبضہ کرتا ہے پھر اپنے لیے قبضہ کرتا ہے، لہذا اس صورت میں ہبہ بغیر قبضہ کے نہیں رہا، جبکہ غلام کو آزاد کرنے کی صورت میں غلام کے ہاتھ میں کچھ واقع نہیں ہوتا ہے کہ غلام اس میں آمر (عورت) کا نائب بن کر اس پر قبضہ کرلے، بلکہ آزادی سے تو غلام کی فقط مالیت تلف ہو جاتی ہے، لہذا اس صورت میں ہبہ بغیر قبضہ کے رہا، پس دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

ف:۔ پھر طرفین ؒ کے نزدیک اس صورت میں آزاد شدہ غلام کا ولاء معتِق یعنی مولیٰ کے لئے ہوگا؛ کیونکہ اعتاق کا وقوع اس صورت میں مولیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک ولاء عورت کے لئے ہوگی؛ کیونکہ ان کے مسلک کے مطابق اعتاق کا وقوع عورت کی طرف سے ہوا ہے۔

فتویٰ:۔ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لمافی البحرالرائق : وَهَذَا ظَاهِرٌ وَقَوْلُ أَبِي الْيُسْرِ وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَظْهَرُ لَا يَظْهَرُ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ (البحرالرائق: ۳/۲۰۶)۔

ف:۔ بیوی یا اس کے متناسب حصہ جیسے نصف، چوتھائی وغیرہ، یا اس کے ایسے عضو جس کو بول کر پورا وجود مراد لیا جاتا ہو، جیسے: سر، کو اپنے نسبی یا سسرالی یا رضاعی محرم کے ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کا دیکھنا جائز نہیں، فقہ کی اصطلاح میں "ظہار" ہے (قاموس الفقہ: ۴/۳۵۶)

بَابُ نِكَاحِ أَهْلِ الشِّرْكِ

یہ باب اہل شرک کے نکاح کے بیان میں ہے

مصنفؒ نے پہلے غلاموں کے نکاح کے احکام بیان فرمائے اب کافر کے نکاح کے احکام کو بیان فرماتے ہیں کافر کے نکاح کا بیان مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ غلام کا حال کافر سے اعلیٰ اور کافر کا ادنیٰ ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ[1]) (اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے)۔

ف:۔اس باب کے مسائل تین اصول پر مبنی ہیں (۱) جو نکاح دو مسلمانوں کے درمیان صحیح ہو وہ دو کافروں کے درمیان بھی صحیح ہوگا؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ[2]) (وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے) باری تعالیٰ نے کافر کی طرف بیوی کی نسبت کی ہے (۲) جو نکاح مسلمانوں کے درمیان فقدان شرط کی وجہ سے فاسد ہو مثلاً گواہ نہ ہوں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفار کا ایسا نکاح جائز ہے بشرطیکہ ان کے عقیدے کے مطابق ہو، اور اسلام لانے کے بعد ان کو اس نکاح پر برقرار رکھا جائے گا (۳) جو نکاح حرمتِ محل کی وجہ سے حرام ہو مثلاً اپنی بہن وغیرہ کے ساتھ نکاح کیا تو ایک قول یہ ہے کہ یہ نکاح ان کے درمیان جائز ہے مگر مشائخ عراق کے نزدیک ایسا نکاح فاسد ہوگا۔

{۱}وَإِذَا تَزَوَّجَ الْكَافِرُ بِلَا شُهُودٍ أَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ وَذَلِكَ فِي دِينِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ أَسْلَمَا أُقِرَّا
اور جب نکاح کرے کافر گواہوں کے بغیر یا کافر کی عدت میں اور یہ ان کے دین میں جائز ہو، پھر دونوں نے اسلام لایا تو دونوں برقرار رکھے جائیں گے

عَلَيْهِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ زُفَرُ : النِّكَاحُ فَاسِدٌ فِي الْوَجْهَيْنِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُتَعَرَّضُ لَهُمْ
اس پر اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ نکاح فاسد ہے دونوں صورتوں میں، مگر یہ کہ تعرض نہ کیا جائے گا ان سے

قَبْلَ الْإِسْلَامِ وَالْمُرَافَعَةِ إِلَى الْحُكَّامِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ كَمَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي
اسلام اور مرافعہ الی الحکام سے پہلے، اور فرمایا صاحبینؒ نے پہلی صورت میں جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا، اور دوسری صورت میں

كَمَا قَالَ زُفَرُ. {۲}لَهُ أَنَّ الْخِطَابَاتِ عَامَّةٌ عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَتَلْزَمُهُمْ ، وَإِنَّمَا لَا يُتَعَرَّضُ لَهُمْ
جیسا کہ امام زفرؒ نے کہا امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ خطابات عام ہیں جیسا کہ گذر چکا تو کافروں کو بھی لازم ہوں گے، اور تعرض نہ کرنا ان سے

لِذِمَّتِهِمْ إِعْرَاضًا لَا تَقْرِيرًا ، فَإِذَا تَرَافَعُوا أَوْ أَسْلَمُوا وَالْحُرْمَةُ قَائِمَةٌ
ان کے ذمہ کی وجہ سے ہے اعراض کے طور پر نہ کہ برقرار رکھنے کے طور پر، اور جب انہوں نے مرافعہ کیا یا مسلمان ہو گئے اور حرمت قائم ہے

وَجَبَ التَّفرِيقُ. ﴿۳﴾وَلَهُمَا أَنَّ حُرْمَةَ نِكَاحِ الْمُعْتَدَّةِ مُجْمَعٌ عَلَيْهَا فَكَانُوا مُلْتَزِمِينَ لَهَا،

تو واجب ہوگی تفریق، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ معتدہ کے نکاح کی حرمت متفق علیہ ہے پس وہ التزام کرنے والے ہیں اس کے،

وَحُرْمَةُ النِّكَاحِ بِغَيْرِ شُهُودٍ مُخْتَلَفٌ فِيهَاوَلَمْ يَلْتَزِمُوا أَحْكَامَنَا بِجَمِيعِ الِاخْتِلَافَاتِ. ﴿۴﴾وَلِأَبِي حَنِيفَةَ

اور حرمتِ نکاح بلا شہود مختلف فیہ ہے، اور انہوں نے التزام نہیں کیا ہے ہمارے احکام کا تمام اختلافات کے ساتھ، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ الْحُرْمَةَ لَا يُمْكِنُ إِثْبَاتُهَاحَقًّا لِلشَّرْعِ؛ لِأَنَّهُمْ لَا يُخَاطَبُونَ بِحُقُوقِهِ، وَلَا وَجْهَ إِلَى إِيجَابِ الْعِدَّةِ

کہ حرمت کا اثبات ممکن نہیں بطورِ حقِ شرع؛ کیونکہ کفار مخاطب نہیں حقوقِ شرع کے، اور کوئی وجہ نہیں عدت واجب کرنے کی

حَقًّا لِلزَّوْجِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَعْتَقِدُهُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ تَحْتَ مُسْلِمٍ؛ لِأَنَّهُ يَعْتَقِدُهُ، وَإِذَا

حقِ زوج کے طور پر؛ کیونکہ وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتا، بخلاف اس کے جب ہو وہ مسلمان کے تحت؛ کیونکہ وہ اعتقاد رکھتا ہے اس کا اور جب

صَحَّ النِّكَاحُ فَحَالَةُ الْمُرَافَعَةِ وَالْإِسْلَامِ حَالَةُ الْبَقَاءِوَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيهَا وَكَذَا الْعِدَّةُ لَا تُنَافِيهَا

صحیح ہوا نکاح تو حالتِ مرافعہ و حالتِ اسلام حالتِ بقاء ہے اور شہادت شرط نہیں حالتِ بقاء میں اور اسی طرح عدت منافی نہیں حالتِ بقاء کے

كَالْمَنْكُوحَةِ إِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ

جیسے منکوحہ جب وطی کی گئی شبہہ سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں کافر کا کافرہ عورت کے ساتھ بغیر گواہوں کے نکاح کرنے یا دوسرے کافر کی عدت میں ہونے کی حالت میں اس سے نکاح کرنے کے حکم میں امام صاحبؒ، امام زفرؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔﴿۱﴾ اگر کسی کافر نے کافرہ عورت کے ساتھ بغیر گواہوں کے نکاح کیا، یا عورت کسی دوسرے کافر کی عدت میں تھی اس نے اس کے ساتھ نکاح کیا، اور حال یہ ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کے دین میں جائز بھی ہے، پھر زوجین دونوں مسلمان ہوگئے، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کو اسی نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہوگا، البتہ ان کے ساتھ تعرض نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں یا مسلمان حاکم کے پاس اپنا معاملہ لے جائیں۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت (نکاح بغیر گواہوں کی صورت) میں وہی حکم ہے جو امام صاحبؒ نے بیان فرمایا، اور دوسری صورت (دوسرے کافر کی معتدہ ہونے کی صورت) میں وہ حکم ہے جو امام زفرؒ نے بیان فرمایا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کے خطابات عام ہیں جیسا کہ کفار کے نکاحوں کی فصل میں گذر چکا کہ "وَهٰذَا الشَّرْعُ وَقَعَ عَامًّا" لہٰذا شرعی خطابات مسلمان اور کافر سب کو شامل ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لَا نِكَاحَ إِلَّا

بِشُهُودٍ"(گواہوں کے بغیر نکاح نہیں) جس میں گواہوں کے بغیر نکاح کی ممانعت ہے۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَه[1])(اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو) جس میں عدت کے دوران نکاح کرنے کی ممانعت ہے، چونکہ یہ دونوں خطاب عام ہیں اس لیے کافروں کو بھی شامل ہو کر ان خطابات کے خلاف عقود ان کے بھی صحیح نہ ہوں گے۔

{۲} البتہ ہم ان کفار کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے؛ کیونکہ ہم ان کے ساتھ عقدِ ذمہ کر چکے ہیں، مگر یہ عدم تعرض ان کو ان کے ان باطل اعمال پر برقرار رکھنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان سے اعراض کے لیے ہے جیسا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم نے اعراض کرتے ہوئے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ مگر جب وہ اپنا معاملہ ہمارے حکام کے سامنے پیش کرلیں یا وہ مسلمان ہو جائیں حالانکہ حرمتِ نکاح موجود ہے تو ان کے درمیان تفریق واجب ہوگی؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ[2])(آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے) جس میں "بَيْنَهُمْ "کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے یعنی کفار کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشات کا اتباع مت کر۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حاکم ان کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

{۳} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ معتدۃ الغیر سے نکاح کرنے کی حرمت متفق علیہ ہے، اور کفار ہمارے متفق علیہ معاملات کا التزام کرنے والے ہیں؛ کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان معاملات کا ہونا لازمی امر ہے پھر ہم تو ان کا تابع نہیں بن سکتے ہیں اس لیے وہ ہمارے تابع ہوں گے اور کسی مسلمان کا معتدۃ الغیر سے نکاح کرنا فاسد ہے تو کافر ذمی کا بھی معتدۃ الغیر سے نکاح کرنا فاسد ہوگا اس لیے ان کے مسلمان ہونے یا کسی مسلمان حاکم کے پاس معاملہ لے جانے کی صورت میں ان میں تفریق کی جائے گی۔ اور بغیر گواہوں کے نکاح کی حرمت ہمارے درمیان مختلف فیہ ہے؛ کیونکہ امام مالکؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ اس کو جائز سمجھتے ہیں لہٰذا اس میں ذمی کفار ہمارے تابع نہ ہوں گے؛ کیونکہ انہوں نے ہمارے احکام کو تمام اختلافات کے ساتھ اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے، لہٰذا ان کے مسلمان ہونے یا کسی مسلمان حاکم کے پاس معاملہ لے جانے کی صورت میں ان میں تفریق نہیں کی جائے گی۔

([1]) البقرۃ: ۲۳۴۔

([2]) [illegible]

{۳}امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کے وقت حق شرع کے طور پر حرمتِ نکاح کو ثابت کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ کفار حقوقِ شرع کے مخاطب نہیں اسی لیے تو ہم خمر اور خنزیر میں ان سے تعرض نہیں کرتے ہیں، اسی طرح حقِ زوج کے طور پر بھی حرمت کو ثابت کرنے کی کوئی وجہ نہیں؛ کیونکہ زوج کافر ہونے کی وجہ سے اس کا اعتقاد نہیں رکھتا، البتہ اگر ذمیہ کتابیہ کسی مسلمان کے نکاح میں تھی پھر مسلمان نے اس کو طلاق دیدی تو اس پر حقِ زوج کے طور پر عدت واجب ہوگی؛ کیونکہ زوج مسلمان ہونے کی وجہ سے وجوبِ عدت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان کے درمیان اس طرح کا نکاح ابتداءً صحیح ہے، اور جب نکاح ابتداءً صحیح ہے تو مرافعہ کا وقت یا اسلام لانے کا وقت تو حالتِ بقاء ہے اور حالتِ بقاء میں گواہوں کا ہونا شرط نہیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کے بعد گواہوں کے مرنے سے نکاح باطل نہیں ہوتا، اسی طرح عدت حالتِ بقاء کے منافی نہیں مثلاً کسی نے دوسرے کی منکوحہ سے اس خیال اور شبہ سے نکاح کیا کہ اس کا شوہر مرچکا ہے اور اس سے وطی بھی کرلی، پھر معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے تو نکاحِ اول کے باقی رہنے کے باوجود دوسرے نکاح سے عدت گذارنا واجب ہے، معلوم ہوا کہ بقاءِ نکاح اور عدت میں منافات نہیں۔

فتویٰ: امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: (كُلُّ نِكَاحٍ حَرُمَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ لِفَقْدِ شَرْطِهِ) لِعَدَمِ شُهُودٍ (يَجُوزُ فِي حَقِّهِمْ إذَا اعْتَقَدُوهُ) عِنْدَ الْإِمَامِ (وَيُقَرُّونَ عَلَيْهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ .وقال ابن عابدين: (قَوْلُهُ عِنْدَ الْإِمَامِ) هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي الْمُضْمَرَاتِ قُهُسْتَانِيٌّ .(الدّرالمختارمع الشامية:۲/۴۱۹)

{۱}فَإِذَا تَزَوَّجَ الْمَجُوسِيُّ أُمَّهُ أَوابْنَتَهُ ثُمَّ أَسْلَمَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا ؛لِأَنَّ نِكَاحَ الْمَحَارِمِ لَهُ
پس جب نکاح کرے مجوسی اپنی ماں یا اپنی بیٹی سے، پھر دونوں اسلام لائے تو تفریق کی جائے گی دونوں میں؛ کیونکہ نکاح محارم کے لیے

حُكْمُ الْبُطْلَانِ فِيمَا بَيْنَهُمْ عِنْدَهُمَا كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْعِدَّةِ وَوَجَبَ التَّعَرُّضُ بِالْإِسْلَامِ فَيُفَرَّقُ.
حکم بطلان ہے ان کے درمیان صاحبینؒ کے نزدیک جیسا کہ ہم نے ذکر کیا عدت میں اور واجب ہوا تعرض اسلام کی وجہ سے پس تفریق کی جائے گی

وَعِنْدَهُ لَهُ حُكْمُ الصِّحَّةِ فِي الصَّحِيحِ إلَّا أَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ تُنَافِي بَقَاءَ النِّكَاحِ فَيُفَرَّقُ،
اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے لیے حکم صحت ہے صحیح قول کے مطابق، مگر محرمیت چونکہ منافی ہے بقاءِ نکاح کے پس تفریق کی جائے گی

بِخِلَافِ الْعِدَّةِ ؛ لِأَنَّهَالَا تُنَافِيهِ ،{۲}ثُمَّ بِإِسْلَامِ أَحَدِهِمَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا وَبِمُرَافَعَةِ أَحَدِهِمَا
بخلافِ عدت کے؛ کیونکہ وہ منافی نہیں بقاء کے، پھر ایک کے اسلام کی وجہ سے تفریق کی جائے گی دونوں میں اور ایک کے مرافعہ سے

لَا يُفَرَّقُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا ، وَالْفَرْقُ أَنَّ اسْتِحْقَاقَ أَحَدِهِمَا لَا يَبْطُلُ
تفریق نہیں کی جائے گی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اختلاف ہے صاحبین رحمہما اللہ کا، اور فرق یہ ہے کہ ایک کا استحقاق باطل نہیں ہوتا

بِمُرَافَعَةِ صَاحِبِهِ إذْ لَا يَتَغَيَّرُ بِهِ اعْتِقَادُهُ ،أَمَّا اعْتِقَادُ الْمُصِرِّ لَا يُعَارِضُ إسْلَامَ الْمُسْلِمِ ؛ لِأَنَّ

اس کے صاحب کے مرافعہ سے کیونکہ متغیر نہیں ہوتا اس سے اس کا اعتقاد، رہا مصر کا اعتقاد تو وہ معارض نہ ہوگا مسلمان کے اسلام کا؛ کیونکہ

الْإِسْلَامَ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى ،﴿۳﴾وَلَوْ تَرَافَعَا يُفَرَّقُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ مُرَافَعَتَهُمَا

اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں رہتا، اور اگر دونوں نے مرافعہ کیا تو تفریق کی جائے بالاتفاق؛ کیونکہ دونوں کا مرافعہ ایسا ہے

كَتَحْكِيمِهِمَا.﴿۴﴾ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا كَافِرَةً وَلَا مُرْتَدَّةً ؛ لِأَنَّهُ مُسْتَحِقٌّ لِلْقَتْلِ ، وَالْإِمْهَالُ

جیسے دونوں کا حکم بنانا۔ اور جائز نہیں کہ نکاح کرے مرتد مسلمہ سے اور نہ کافرہ اور مرتدہ سے؛ کیونکہ وہ مستحق ہے قتل کا اور مہلت دینا

ضَرُورَةَ التَّأَمُّلِ ، وَالنِّكَاحُ يَشْغَلُهُ عَنْهُ فَلَا يُشْرَعُ فِي حَقِّهِ﴿۵﴾ وَكَذَا الْمُرْتَدَّةُ

ضرورتِ تامل کے لیے ہے ، اور نکاح مشغول کر دیتا ہے اس کو تامل سے پس مشروع نہ ہوگا اس کے حق میں، اسی طرح مرتدہ سے

لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَلَا كَافِرٌ ؛ لِأَنَّهَا مَحْبُوسَةٌ لِلتَّأَمُّلِ وَخِدْمَةُ الزَّوْجِ تَشْغَلُهَا عَنْهُ

نکاح نہیں کر سکتا اس سے مسلمان اور نہ کافر؛ کیونکہ وہ محبوس ہے تامل کے لیے اور شوہر کی خدمت اس کو مشغول کر دیتی ہے تامل سے

وَلِأَنَّهُ لَا يَنْتَظِمُ بَيْنَهُمَا الْمَصَالِحُ ، وَالنِّكَاحُ ما شُرِعَ لِعَيْنِهِ بَلْ لِمَصَالِحِهِ

اور اس لیے کہ حاصل نہیں ہوسکتے ان کے درمیان مصالح نکاح، اور نکاح مشروع نہیں کیا گیا ہے لذاتہ بلکہ مصالح نکاح کے لیے،

﴿۶﴾ فَإِنْ كَانَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ عَلَى دِينِهِ،وَكَذَلِكَ إنْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا وَلَهُ وَلَدٌ صَغِيرٌ صَارَ وَلَدُهُ

پس اگر ہو زوجین میں سے ایک مسلمان تو بچہ اس کے دین پر ہوگا، اسی طرح اگر اسلام لایا کسی ایک نے اور اس کا بچہ ہو نابالغ تو ہوگا اس کا بچہ

مُسْلِمًا بِإِسْلَامِهِ لِأَنَّ فِي جَعْلِهِ تَبَعًا لَهُ نَظَرًا لَهُ﴿۷﴾ وَلَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا

مسلمان اس کے اسلام کی وجہ سے؛ کیونکہ اس کا تابع قرار دینے میں نظر شفقت ہے بچہ کے لیے اور اگر ہو دونوں میں سے ایک کتابی

وَالْآخَرُ مَجُوسِيًّا فَالْوَلَدُ كِتَابِيٌّ ؛ لِأَنَّ فِيهِ نَوْعَ نَظَرٍ لَهُ إذْ الْمَجُوسِيَّةُ شَرٌّ ،وَالشَّافِعِيُّ

اور دوسرا مجوسی، تو بچہ کتابی ہوگا؛ کیونکہ اس میں ایک گونا شفقت ہے بچے کے لیے؛ کیونکہ مجوسی ہونا بدتر ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ

يُخَالِفُنَا فِيهِ لِلتَّعَارُضِ وَنَحْنُ بَيَّنَّا التَّرْجِيحَ .

مخالف ہیں ہمارے اس میں تعارض کی وجہ سے، اور ہم نے بیان کی وجہ ترجیح۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مجوسی کا اپنی محرمہ کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۲ میں مذکورہ صورت میں کسی ایک کے مسلمان ہونے کی صورت کا حکم ذکر کیا ہے، اور بغیر اسلام کے مسلمان حاکم کی عدالت میں کسی ایک کا معاملہ پیش کرنے میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۳ میں دونوں کا اپنا معاملہ

مسلمان حاکم کے ہاں لے جانے کا حکم دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور نمبر 4و5 میں مرتد و مرتدہ کے نکاح کا حکم مع دلیل ذکر کیا ہے۔ اور نمبر 6و7 میں بچہ خیر الابوین کا تابع ہونے کا حکم اور دلیل، اور ایک صورت میں امام شافعیؒ کا اختلاف، ان کی دلیل، اور ان کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی مجوسی (آتش پرست) نے اپنی محارم ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا مثلاً نے اپنی ماں یا بیٹی کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے، تو دونوں میں بالاتفاق تفریق کر دی جائے گی؛ کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک محارم ابدیہ کا نکاح کفار کے آپس میں بھی باطل ہونے کا حکم رکھتا ہے جیسا کہ معتدۃ الغیر میں ہم ذکر کر چکے کہ معتدۃ الغیر کے نکاح کی حرمت متفق علیہ ہے، لہٰذا اس کا اہل ذمہ بھی التزام کرنے والے ہوں گے اس لیے ان سے تعرض کرنا واجب ہے پس ان میں تفریق کی جائے گی۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق مجوسیوں کا اپنی ابدی محرمات سے نکاح کرنے کے لیے صحت کا حکم ہے کہ ابتداءً ان کا نکاح صحیح ہے؛ اس لیے کہ حرمت نہ حق شرع کی وجہ سے نہیں ہو سکتی کیونکہ کفار حقوق شرع کے مخاطب نہیں، اور نہ حق زوج کی وجہ سے کہ وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے۔ البتہ اسلام لانے کے بعد ان کے درمیان تفریق کی جائے گی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد وہ حقوق شرع کے مخاطب ہو گئے اور شریعت میں محرمیت جس طرح ابتداءِ نکاح کے منافی ہے اسی طرح بقاء بھی منافی ہے اس لیے اب اس نکاح کو برقرار رکھنا صحیح نہیں، پس ان میں تفریق کی جائے گی، بخلافِ عدت کے؛ کیونکہ عدت بقاءِ نکاح کے منافی نہیں جیسا کہ گذر چکا، لہٰذا معتدۃ الغیر سے کیا ہوا نکاح اسلام لانے کے بعد بھی برقرار رکھا جائے گا۔ صاحبِ ہدایہؒ نے "فی الصحیح" کہہ کر مشائخ عراق کے قول سے احتراز کیا، ان کے نزدیک ایسے نکاح کے لیے حکم صحت نہیں ہے حکم فساد ہے، قول اول راجح ہے لمافی الشامیة: (وَقَالَ مَشَايِخُ الْعِرَاقِ: لَا) بَلْ فَاسِدًا، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ وَعَلَيْهِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ وَيُحَدُّ قَاذِفُهُ (الدر المختار: ۲/۴۱۹).

{2} پھر مذکورہ بالا صورت میں اگر زوجین میں سے کسی ایک نے اسلام قبول کر لیا تو بالاتفاق دونوں مین تفریق کی جائے گی، اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے اپنا معاملہ مسلمان حاکم کے پاس لے گیا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک تفریق نہیں کی جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک تفریق کی جائے گی؛ کیونکہ تفریق کے حق میں ایک کا اسلام لانا دونوں کے اسلام لانے کی طرح ہے، اسی طرح ایک کا مرافعہ دونوں کے مرافعہ کی طرح ہے۔

امام صاحبؒ دونوں میں فرق کرتے ہیں وجہ فرق یہ ہے کہ اصل نکاح تو صحیح تھا جیسا کہ گذر چکا، پس کسی ایک کا مسلمان حاکم کے پاس اپنا معاملہ پیش کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ دوسرے کا حق نکاح باطل کرنا چاہتا ہے حالانکہ ایک کے مرافعہ سے دوسرے

کا حق باطل نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ مرافعہ سے خود مرافعہ کرنے والے کا اعتقاد متغیر نہیں ہوتا، لہذا دونوں کا اعتقاد ایک جیسا ہے اور کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں اس لیے اس نکاح کو برقرار رکھنے میں دوسرے کا حق باطل نہ ہوگا۔ باقی دونوں میں سے ایک نے اگر اسلام لایا تو دونوں میں تفریق کی جائے گی؛ کیونکہ کفر پر اصرار کرنے والے کا کفر مسلمان کے اسلام کا معارض نہیں بن سکتا ہے اس لیے کہ اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا ہے، پس مسلمان کے اسلام کو ترجیح دیتے ہوئے دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: (وَبِمُرَافَعَةِ أَحَدِهِمَا لَا) يُفَرَّقُ لِبَقَاءِ حَقِّ الْآخَرِ، (الدّرالمختار علی هامش ردّالمحتار: ۲/ ۴۲۰)

{۳} البتہ اگر دونوں نے حالتِ کفر میں اپنا معاملہ مسلمان حاکم کے پاس لے گیا، تو اب بالاتفاق ان میں تفریق کی جائے گی؛ کیونکہ دونوں کا مرافعہ ایسا ہے جیسا کہ دونوں کسی کو حَکَم اور فیصل بنائیں کہ ہمارے درمیان حکم اسلام کے مطابق فیصلہ کرے، تو فیصل کے لیے ان کے درمیان تفریق کرنا جائز ہے جبکہ قاضی کو تو ولایتِ عامہ حاصل ہے اس لیے وہ تو بطریقہ اولیٰ ان میں تفریق کر سکتا ہے۔

{۴} مرتد مرد کسی بھی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا نہ مسلمان عورت سے نہ کافرہ اور نہ مرتدہ سے؛ کیونکہ مرتد تو واجب القتل ہے؛ اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مَنْ غَيَّرَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ" (جس نے اپنا دین بدل دیا اسے قتل کردو)۔ باقی اسکو جو مہلت دی جاتی ہے وہ صرف اس لئے تاکہ وہ غور و فکر کر کے اپنے شبہات کو دور کردے جبکہ نکاح تو اس کو غور و فکر سے مشغول کر دیتا ہے اس لیے نکاح اس کے حق میں مشروع نہ ہوگا۔

{۵} اسی طرح مرتدہ عورت سے بھی نہ مسلمان نکاح کر سکتا ہے اور نہ کافر؛ کیونکہ مرتدہ بھی غور و فکر ہی کیلئے قید ہوتی ہے، پس اگر وہ نکاح کر کے شوہر کی خدمت میں مشغول ہو جائے تو یہ شغل تو اس کو غور و فکر سے روک دیتا ہے اس لیے اس کے حق میں نکاح مشروع نہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان مصالحِ نکاح (ازدواج اور توالد و تناسل) کا انتظام اور حصول نہیں ہو سکتا ہے حالانکہ نکاح لذاتہ مشروع نہیں کیا گیا ہے بلکہ نکاح کے مصالح کے لیے مشروع کیا گیا ہے، لہذا مصالح فوت ہونے کی صورت میں نکاح کی مشروعیت باقی نہیں رہے گی۔

{۶} ولد ماں باپ میں سے جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو اسی کا تابع ہوتا ہے مثلاً اگر احد الزوجین مسلمان ہو دوسرا کافر ہو، جیسے شوہر مسلمان ہے اور اس کی بیوی کافرہ اہل کتاب ہے، یا احد الزوجین نے اسلام لایا اور حال یہ کہ اس کا چھوٹا بچہ ہے تو بچہ

والدین میں سے مسلمان کے ساتھ مسلمان ہو جائے گا؛ کیونکہ اسی میں بچے کیلئے دنیا اور آخرت میں نظر شفقت ہے، دنیا میں تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ کفار جیسا سلوک نہیں کیا جائیگا، اور آخرت میں یہ ہے کہ عذابِ جہنم سے نجات پائے گا۔

{۷} اور اگر بچے کے والدین میں ایک اہل کتاب ہو اور دوسرا مجوسی ہو، تو بچہ والدین میں سے کتابی کا تابع ہو کر کتابی ہو گا؛ کیونکہ اس میں بچے کے لیے ایک گنا شفقت ہے اس لیے کہ مجوسی اہل کتاب سے بدتر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے ساتھ اس میں اختلاف ہے یعنی وہ مذکورہ صورت میں بچہ مجوسی کا تابع قرار دیتے ہیں؛ کیونکہ کتابی کا تابع قرار دینے سے اس کا ذبیحہ حلال اور اس سے مسلمان کا نکاح جائز ہو گا، اور مجوسی کا تابع قرار دینے سے یہ دونوں چیزیں حرام ہوں گی، پس ان دونوں میں تعارض ہے اور تعارض کے وقت حلت اور حرمت میں سے حرمت کو ترجیح ہو گی اس لیے مجوسی کا تابع قرار دے کر یہ دونوں چیزیں (ذبیحہ اور نکاح) حرام قرار دی جائیں گی۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہم احناف کے مسلک کی ترجیح بیان کر چکے کہ کتابی کا تابع قرار دینے میں اس کے لیے ایک گنا شفقت ہے اور یہی مقصودِ اصلی ہے باقی ذبیحہ اور نکاح کی حلت یا حرمت ضمناً ثابت ہوتی ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

{۱} وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَسْلَمَ فَهِيَ امْرَأَتُهُ،

اور جب اسلام لائے عورت حالانکہ اس کا زوج کافر ہے تو پیش کیا جائے گا اس پر اسلام، پس اگر اس نے اسلام لایا تو وہ اس کی بیوی ہے،

وَإِنْ أَبَى فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا، وَكَانَ ذَلِكَ طَلَاقًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، {۲} وَإِنْ أَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهُ

اور اگر انکار کیا تو تفریق کرے قاضی دونوں کے درمیان، اور ہو گی یہ طلاق طرفین کے نزدیک، اور اگر اسلام لایا زوج نے اور اس کے نکاح میں

مَجُوسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْإِسْلَامَ، فَإِنْ أَسْلَمَتْ فَهِيَ امْرَأَتُهُ ، وَإِنْ أَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا

مجوسیہ ہے تو پیش کرے اس پر اسلام، پس اگر اس نے اسلام لایا تو وہ اس کی بیوی ہے، اور اگر انکار کیا تو تفریق کر دے قاضی دونوں کے درمیان

وَلَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ ؛ لَا تَكُونُ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا فِي الْوَجْهَيْنِ ، {۳} أَمَّا الْعَرْضُ فَمَذْهَبُنَا

اور نہ ہو گی فرقت طلاق، اور فرمایا امام ابو یوسف نے نہ ہو گی فرقت طلاق دونوں صورتوں میں، بہر حال اسلام پیش کرنا ہمارا مذہب ہے

، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يُعْرَضُ الْإِسْلَامُ ؛ لِأَنَّ فِيهِ تَعَرُّضًا لَهُمْ وَقَدْ ضَمِنَّا بِعَقْدِ الذِّمَّةِ

اور فرمایا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش نہیں کیا جائے گا اسلام کیونکہ اس میں تعرض ہے ان سے حالانکہ ہم نے ضمانت دی ہے عقدِ ذمہ کے ذریعہ

أَنْ لَا نَتَعَرَّضَ لَهُمْ ، إِلَّا أَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ قَبْلَ الدُّخُولِ غَيْرُ مُتَأَكِّدٍ فَيَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الْإِسْلَامِ ، وَبَعْدَهُ

کہ ہم تعرض نہیں کریں گے ان سے، مگر یہ کہ ملکِ نکاح دخول سے پہلے غیر مؤکد ہے پس منقطع ہو جائے گی نفسِ اسلام سے اور دخول کے بعد

وَلَنَا أَنَّ الْمَقَاصِدَ قَدْ فَاتَتْ فَلَا بُدَّ مِنْ سَبَبٍ تَبْتَنِي عَلَيْهِ الْفُرْقَةُ ، وَالْإِسْلَامُ طَاعَةٌ لَا يَصْلُحُ سَبَبًا فَيُعْرَضُ الْإِسْلَامُ لِتَحْصُلَ الْمَقَاصِدُ أَوْ تَثْبُتَ الْفُرْقَةُ بِالْإِبَاءِ ، {۵}وَجْهُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْفُرْقَةَ بِسَبَبٍ يَشْتَرِكُ فِيهِ الزَّوْجَانِ فَلَا يَكُونُ طَلَاقًا كَالْفُرْقَةِ بِسَبَبِ الْمِلْكِ . {۶}وَلَهُمَا أَنَّ بِالْإِبَاءِ امْتَنَعَ الزَّوْجُ عَنِ الْإِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوفِ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَيْهِ بِالْإِسْلَامِ فَيَنُوبُ الْقَاضِي مَنَابَهُ فِي التَّسْرِيحِ كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ ، {۷}أَمَّا الْمَرْأَةُ فَلَيْسَتْ بِأَهْلٍ لِلطَّلَاقِ فَلَا يَنُوبُ الْقَاضِي مَنَابَهَا عِنْدَ إِبَائِهَا {۸}ثُمَّ إِذَا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا بِإِبَائِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ إِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا لِتَأَكُّدِهِ بِالدُّخُولِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ مِنْ قِبَلِهَا وَالْمَهْرُ لَمْ يَتَأَكَّدْ فَأَشْبَهَ الرِّدَّةَ وَالْمُطَاوَعَةَ .

{۴}اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مقاصد فوت ہو گئے پس ضروری ہے ایسا سبب کہ بناء ہو اس پر فرقت، اور اسلام طاعت ہے صلاحیت نہیں رکھتا سبب بننے کا پس پیش کیا جائے گا اسلام تا کہ حاصل ہو مقاصد یا ثابت ہو جائے فرقت انکار کی وجہ سے، {۵}اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فرقت ایسے سبب سے ہوئی جس میں شریک ہیں زوجین، پس نہ ہوگی جیسے وہ فرقت جو مالک ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے {۶}اور طرفین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ انکار کی وجہ سے رُک گیا شوہر امساک بالمعروف سے باوجود اس کے قادر ہونے کے اس پر اسلام کے ذریعہ، پس قائم ہو گا قاضی اس کی جگہ تسریح بالاحسان میں جیسا کہ مجبوب اور عنین میں، {۷}بہر حال عورت تو وہ اہل نہیں طلاق کی، پس قائم مقام نہ ہو گا قاضی اس کا اس کے انکار کے وقت {۸}پھر جب تفریق کرے ان دونوں کے درمیان عورت کے انکار کی وجہ سے تو عورت کے لیے مہر ہو گا اگر اس نے دخول کیا ہو اس کے ساتھ مہر کے مؤکد ہونے کی وجہ سے دخول کے ذریعہ، اور اگر نہ کیا ہو دخول اس کے ساتھ تو مہر نہ ہو گا اس کے لیے؛ کیونکہ فرقت عورت کی طرف سے ہے اور مہر مؤکد نہیں ہوا ہے، پس مشابہ ہو گیا ردّہ اور مطاوعت کے ساتھ۔

خلاصہ: مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں کافر کی بیوی مسلمان ہو جانے کا حکم ذکر کیا ہے، پھر مجوسیہ کا شوہر مسلمان ہو جانے کا حکم بیان کیا ہے، اور اس حکم میں امام شافعی ؒ کا ہمارے ساتھ اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ پھر ۵ تا ۷ میں مذکورہ دونوں صورتوں میں زوجین میں تفریق کے حکم میں طرفین ؒ اور امام ابو یوسف ؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں عورت کے انکار عن الاسلام کے نتیجے میں تفریق کی دو صورتوں میں مہر کا حکم مع دلیل ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا شوہر کافر ہے تو اگر مجنون یا بچہ نہ ہو اور اسلام سمجھتا ہو تو قاضی شوہر پر اسلام پیش کریگا، قاضی کے اسلام پیش کرنے پر اگر شوہر مسلمان ہو گیا تو یہ عورت اس کی بیوی رہے گی اور نکاح بدستور قائم رہے گا۔ اور اگر شوہر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا، تو قاضی زوجین میں تفریق کر دے، اور زوج کی طرف سے اسلام سے انکار کے نتیجہ میں قاضی جو تفریق کریگا یہ تفریق طرفین رحمہا اللہ کے نزدیک طلاقِ بائن ہوگی، لہٰذا اگر بعد میں وہ مسلمان ہو کر اس عورت سے دوبارہ نکاح کرلے تو شوہر دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔

{۲}اور اگر شوہر نے اسلام لایا اور اس کے نکاح میں مجوسی عورت ہو، تو قاضی اس مجوسیہ پر اسلام پیش کرے، پس اگر اس نے اسلام لایا تو یہ عورت اس کی بیوی رہے گی، اور اگر مجوسیہ نے اسلام لانے سے انکار کر دیا، تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے، اور قاضی کا ان کے درمیان تفریق کرنا طلاق نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں (عورت مسلمان ہو جائے شوہر کافر رہے یا شوہر مسلمان ہو جائے عورت کافرہ رہے) میں یہ تفریق طلاق نہ ہوگی بلکہ فسخِ نکاح ہوگا، لہٰذا اگر بعد میں دونوں دوبارہ نکاح کرلیں تو شوہر تین طلاقوں ہی کا مالک ہوگا۔

{۳}صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ دوسرے پر اسلام پیش کرنا ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعی" فرماتے ہیں کہ دوسرے پر اسلام پیش نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اسلام پیش کرنے سے ذمیوں کے ساتھ تعارض کرنا لازم آتا ہے حالانکہ عقدِ ذمہ کی وجہ سے ہم نے ان کو ضمانت دی ہے کہ ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے، البتہ مِلکِ نکاح دخول سے پہلے مؤکد نہیں، اس لیے نفسِ اسلام لانے سے نکاح منقطع ہو جائے گا، اور دخول کے بعد مِلکِ نکاح مؤکد ہو جاتی ہے اس لیے وقوعِ فرقت تین حیض (بلکہ امام شافعی" کے نزدیک تین طہر) تک مؤخر ہو جائے گا، جیسا کہ طلاق میں قبل الدخول نفسِ طلاق سے نکاح منقطع ہو جاتا ہے اور دخول کے بعد عدت گذرنے کے بعد منقطع ہو جاتا ہے۔

{۴}ہماری دلیل یہ ہے کہ کسی ایک کے اسلام لانے سے مقاصدِ نکاح فوت ہو گئے، اس لیے دونوں میں تفریق ضروری ہے، اور تفریق کے لیے کوئی ایسا سبب ہونا ضروری ہے جس پر تفریق کی بنا ہو، مگر اسلام لانے والے کے اسلام کو تو فرقت کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ اسلام طاعت ہے ثبوتِ عصمت کا سبب ہے پس یہ فرقت اور نعمتِ نکاح کے انقطاع کا سبب نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا کوئی اور سبب ہونا ضروری ہے، جس کی یہاں یہی صورت ہے کہ دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے تو اگر اس نے اسلام لایا تو اسلام کی وجہ سے ان کے مقاصدِ نکاح حاصل ہو جائیں گے، اور اگر اس نے انکار کیا، تو اسلام سے انکار چونکہ معصیت ہے زوال

نعمت کے ساتھ اس کی مناسبت ہے اس لیے اس سے فرقت ثابت ہوجائے گی، لہذا کافر پر اسلام پیش کیا جائے گا تاکہ اس کا انکار عن الاسلام اس تفریق کا سبب بن جائے۔

{۵} امام ابو یوسفؒ دونوں صورتوں میں تفریق کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ فرقت ایسے سبب سے آئی ہے جس میں زوجین دونوں شریک ہیں یعنی یہ فرقت زوجین میں سے ہر ایک کی طرف سے آسکتی ہے مثلاً اگر مرد نے اسلام لانے سے انکار کیا تو فرقت مرد کی طرف سے ہوگی اور اگر عورت نے انکار کیا تو فرقت عورت کی طرف سے ہوگی، اور ہر وہ فرقت جو زوجین میں سے ہر ایک کی طرف سے آسکتی ہو وہ طلاق نہ ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگی، جیسا کہ احد الزوجین دوسرے کا مالک ہوجائے تو اس سے جو فرقت آئے گی وہ طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کا مالک بن سکتا ہے، لہذا بسبب ملک جو فرقت آئے گی وہ طلاق نہ ہوگی، اسی طرح مذکورہ صورت میں فرقت زوجین میں سے ہر ایک کی طرف سے آسکتی ہے اس لیے یہ فرقت طلاق نہ ہوگی فسخ نکاح ہوگی۔

{۶} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں فرق ہے وہ یہ کہ شوہر کے انکار عن الاسلام کی صورت میں وہ اساک بالمعروف (بیوی کو اچھی طرح سے اپنے پاس رکھنے) سے رُک گیا حالانکہ اسلام لا کر اس کو امساک بالمعروف کی قدرت حاصل ہے، لہذا تسریح بالاحسان (اچھی طرح سے چھوڑدینا) متعین ہے اور جب وہ اس سے بھی رُک گیا تو قاضی اس کے قائم مقام ہوگا اور تسریح بالاحسان طلاق ہے لہذا قاضی کی یہ تفریق بھی طلاق ہوگی، جیسا کہ شوہر مقطوع الذکر ہونے یا عنین (جو عورت سے جنسی تعلق قائم نہ کرسکتا ہو) ہونے کی صورت میں قاضی اس کا قائم مقام ہوکر تفریق کرے گا اور قاضی کی یہ تفریق طلاق ہوگی۔

{۷} باقی عورت کے انکار عن الاسلام کی صورت میں چونکہ عورت اہل طلاق نہیں ہے اس لیے قاضی تسریح بالاحسان (طلاق دینے) میں اس کا قائم مقام نہ ہوگا، البتہ شریعت کی طرف سے عورت کو جو فرقت کی قدرت حاصل ہوگی وہ فسخ ہوگی، لہذا قاضی بھی فسخ میں اس کا قائم مقام ہوگا، اس لیے اس صورت میں قاضی کی تفریق طلاق نہ ہوگی فسخ نکاح ہوگی۔

فتویٰ:۔ طرفینؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے لما فی الدّرالمختار: (وَإِبَاءُ الْمُمَيِّزِ وَأَحَدُ أَبَوَيْ الْمَجْنُونِ طَلَاقٌ) فِي الْأَصَحِّ ۔ وقال ابن عابدین: تحت (قَوْلُهُ طَلَاقٌ فِي الْأَصَحِّ) يُشِيرُ إلَى أَنَّهُ فِي غَيْرِ الْأَصَحِّ يَكُونُ فَسْخًا أَبُو السُّعُودِ (الدّرالمختار: ۲/۴۲۳)

{۸} پھر عورت کے انکار عن الاسلام کی صورت میں جب قاضی دونوں میں اس کے انکار کی وجہ سے تفریق کرائے تو اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو تو عورت کے لیے پورا مہر ہوگا؛ کیونکہ اس کے ساتھ دخول کی وجہ سے اس کا مہر مؤکد

ہو گیا لہٰذا یہ مہر اب ساقط نہ ہو گا۔ اور اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، تو عورت کے لیے مہر نہ ہو گا؛ کیونکہ فرقت عورت کی طرف سے آئی ہے جو مانع مہر ہے، اور مہر کا مقتضی بھی موجود نہیں؛ کیونکہ مہر مؤکد نہیں ہوا ہے، لہٰذا یہ ردّت اور مطاوعت کے مشابہ ہے یعنی عورت کے مرتدہ ہونے (العیاذ باللہ) یا اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دینے سے جو فرقت آئے تو اگر بعد الدخول ہو تو عورت کے لیے پورا مہر ہو گا اور اگر قبل الدخول ہو تو عورت کے لیے مہر نہ ہو گا، یہی حکم مذکورہ صورت میں بھی ہو گا۔

{1} وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ أَوْ أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ وَتَحْتَهُ مَجُوسِيَّةٌ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا

اور جب اسلام لائے عورت دار الحرب میں اور اس کا زوج کافر ہو یا مسلمان ہو گیا حربی اور اس کے تحت مجوسیہ ہو تو واقع نہ ہو گی فرقت اس پر

حَتَّى تَحِيضَ ثَلَاثَ حِيَضٍ ثُمَّ تَبِينَ مِنْ زَوْجِهَا وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ لَيْسَ سَبَبًا لِلْفُرْقَةِ، وَالْعَرْضُ عَلَى الْإِسْلَامِ

یہاں تک کہ اسے تین حیض آجائیں پھر بائنہ ہو جائے گی شوہر سے، اور یہ اس لیے کہ اسلام نہیں ہے سبب فرقت کا، اور عرض علی الاسلام

مُتَعَذِّرٌ لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ، وَ لَا بُدَّ مِنَ الْفُرْقَةِ دَفْعًا لِلْفَسَادِ فَأَقَمْنَا شَرْطَهَا وَهُوَ مُضِيُّ الْحَيْضِ

متعذر ہے قصورِ ولایت کی وجہ سے اور ضروری ہے فرقت دفع فساد کے لیے پس ہم نے قائم کیا اس کی شرط کو اور وہ حیض کا گذرنا ہے

مَقَامَ السَّبَبِ كَمَا فِي حَفْرِ الْبِئْرِ، {2} وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَدْخُولِ بِهَا وَغَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا، وَالشَّافِعِيُّ يُفَصِّلُ كَمَا

سبب کی جگہ میں جیسا کہ کنواں کھودنے میں، اور فرق نہیں ہے مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرق کرتے ہیں جیسا کہ

مَرَّ لَهُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ {3} وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ وَالْمَرْأَةُ حَرْبِيَّةٌ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَإِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُسْلِمَةُ فَكَذَلِكَ

گذر چکا ان کا قول دار الاسلام میں، اور جب واقع ہو جائے فرقت اور عورت حربیہ ہو تو عدت نہیں اس پر، اور اگر ہو وہ مسلمان تو بھی یہی حکم ہے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لَهُمَا، وَسَيَأْتِيكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى {4} وَإِذَا أَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اختلاف ہے صاحبینؒ کا اور عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور جب اسلام لائے کتابیہ کا شوہر تو وہ دونوں

عَلَى نِكَاحِهِمَا؛ لِأَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا ابْتِدَاءً فَلَأَنْ يَبْقَى أَوْلَى. {5} قَالَ وَإِذَا خَرَجَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ

اپنے نکاح پر رہیں گے؛ کیونکہ صحیح ہے نکاح ان دونوں کے درمیان ابتداءً پس باقی رہے گا بدرجہ اولیٰ فرمایا: اور جب نکلے احد الزوجین

إِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُونَةُ بَيْنَهُمَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَقَعُ

ہماری طرف دار الحرب سے مسلمان ہو کر تو واقع ہو جائے گی بینونت دونوں کے درمیان، اور فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ نے واقع نہ ہو گی،

وَلَوْ سُبِيَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ وَقَعَتِ الْبَيْنُونَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ، وَإِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعْ

اور اگر گرفتار کیا گیا احد الزوجین تو واقع ہو جائے گی بینونت دونوں کے درمیان بلا طلاق، اور اگر گرفتار کیے گئے دونوں اکٹھے تو واقع نہ ہو گی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَقَعَتْ، فَالْحَاصِلُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ التَّبَايُنُ دُونَ السَّبْيِ عِنْدَنَا وَهُوَ يَقُولُ بِعَكْسِهِ.

اور فرمایا امام شافعیؒ نے واقع ہو جائے گی، پس حاصل یہ کہ سبب تباین ہے نہ کہ گرفتاری ہمارے نزدیک اور وہ اس کے برعکس کہتے ہیں،

{۶}لَهُ أَنَّ لِلتَّبَايُنِ أَثَرُهُ فِي انْقِطَاعِ الْوِلَايَةِ، وَذٰلِكَ لَايُؤَثِّرُفِي الْفُرْقَةِ كَالْحَرْبِيِّ الْمُسْتَأْمِنِ وَالْمُسْلِمِ الْمُسْتَأْمِنِ

ان کی دلیل یہ ہے کہ تباین کا اثر ہے انقطاع ولایت میں، اور یہ اثر نہیں کرتا فرقت میں جیسے حربی مستامن اور مسلمان مستامن،

أَمَّا السَّبْيُ فَيَقْتَضِي الصَّفَاءَ لِلسَّابِي وَلَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ، وَلِهٰذَا

بہر حال گرفتاری تو وہ تقاضا کرتی ہے صفائی کا گرفتار کرنے والے کے لیے، اور وہ متحقق نہیں ہوتی مگر انقطاع نکاح سے، اسی وجہ سے

يَسْقُطُ الدَّيْنُ عَنْ ذِمَّةِ الْمَسْبِيِّ. {۷}وَلَنَا أَنَّ مَعَ التَّبَايُنِ حَقِيقَةً وَحُكْمًا لَا تَنْتَظِمُ الْمَصَالِحُ فَشَابَهَ

ساقط ہوتا ہے دَین گرفتار کے ذمہ سے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حقیقۃً اور حکماً تباین کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے مصالح، پس مشابہ ہو گیا

الْمَحْرَمِيَّةَ {۸}وَالسَّبْيُ يُوجِبُ مِلْكَ الرَّقَبَةِ وَهُوَلَايُنَافِي النِّكَاحَ ابْتِدَاءً فَكَذٰلِكَ بَقَاءً وَصَارَكَالشِّرَاءِ ثُمَّ هُوَ

محرمیت کے، اور گرفتاری واجب کرتی ہے ملکِ رقبہ کو اور وہ منافی نہیں نکاح کا ابتداءً پس ایسا ہی ہوگی بقاءً اور ہو گئی جیسے شراء، پھر گرفتاری

يَقْتَضِي الصَّفَاءَ فِي مَحَلِّ عَمَلِهِ وَهُوَالْمَالُ لَافِي مَحَلِّ النِّكَاحِ. وَفِي الْمُسْتَأْمِنِ لَمْ تَتَبَايَنِ الدَّارُحُكْمًا

تقاضا کرتی ہے صفائی کا اپنے عمل کے محل میں اور وہ مال ہے نہ کہ محلِ نکاح میں، اور مستامن میں تباین دار نہیں حکماً

لِقَصْدِهِ الرُّجُوعَ.

بوجہ اس کے قصد کے رجوع کا۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں دارالحرب میں زوجین میں سے ایک کے مسلمان ہونے کا حکم دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور ایک صورت میں امام شافعیؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ فرقت کے بعد امام صاحبؒ کے نزدیک عورت پر عدم وجوبِ عدت اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک صورت میں وجوبِ عدت کو بیان کیا ہے۔ اور نمبر ۴ میں کتابیہ عورت کے شوہر کے مسلمان ہونے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۵ تا ۸ میں تباینِ دارین اور گرفتاری کا سببِ فرقت ہونے میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، فریقین کے دلائل اور امام شافعیؒ کے دلائل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر دارالحرب میں عورت مسلمان ہو گئی اور اس کا شوہر کافر ہو، یا شوہر نے اسلام لایا اور اس کے نکاح میں مجوسیہ ہو، تو صرف کسی ایک کے اسلام لانے سے زوجین کے درمیان تفریق واقع نہ ہوگی، بلکہ عورت تین حیض گذارنے کے بعد شوہر سے بائنہ ہو جائے گی؛ یہ اس لیے کہ فقط اسلام لانا سببِ فرقت نہیں؛ کیونکہ اسلام لانا طاعت ہے اور طاعت سلبِ نعمت کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور دوسرے پر اسلام پیش کرنا دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے متعذر ہے؛ کیونکہ دارالحرب کے لوگوں پر مسلمانوں کے

بادشاہ کو ولایت حاصل نہیں، جبکہ فساد (مسلمان کا کافر کے تحت ہونے کا فساد) دور کرنے کے لئے فرقت ضروری بھی ہے، لہٰذا ہم نے شرطِ فرقت (تین حیض گذارنے) کو فرقت کے قائم مقام قرار دیا، جیسا کہ کنواں کھودنے میں شرط کو سبب کا قائم مقام بنادیا جاتا ہے مثلاً کسی نے عام راستہ میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہوا، تو کنواں کھودنے والا ضامن ہوگا؛ کیونکہ کنویں میں گرنے کی علت گرنے والے کا ثقل اور بوجھ ہے، مگر وہ پیدائشی اور طبعی امر ہونے کی وجہ سے سبب نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اس میں تعدی نہیں اور کنواں کھودنا شرط ہے؛ کیونکہ زمین ثقل کے عمل کے لیے مانع تھی اور اس نے کنواں کھودنے سے یہ مانع دور کیا اور ثقل نے اپنا اثر دکھایا، لہٰذا گرنے کی شرط (کنواں کھودنے) کو سبب کا قائم مقام بنا کر صاحبِ شرط کو ضامن بنادیا، اسی طرح یہاں بھی فرقت کی شرط کو فرقت کا قائم مقام بنادیا ہے۔ اور تین حیض گذارنا فرقت کی شرط اس لئے ہے کہ طلاقِ رجعی میں تین حیض گذارنے سے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔

{۲} پس تین حیض گذارنے کے بعد یہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائیگی خواہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو؛ کیونکہ یہ حیض فرقت کے لیے ہے عدت کے لیے نہیں ہے کہ اس کے لیے دخول کو شرط قرار دیا جائے۔ اور امام شافعیؒ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق کرتے ہیں کہ غیر مدخول بہا ہونے کی صورت میں کسی ایک کے اسلام لانے سے فرقت واقع ہو جائے گی، اور مدخول بہا ہونے کی صورت میں فرقت انقضاءِ عدت پر موقوف ہوگی جیسا کہ ان کی دلیل دارالاسلام میں یہ صورت پیش آنے کے حکم کے بیان میں اس عبارت میں "إِلَّا أَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ قَبْلَ الدُّخُولِ غَيْرُ مُتَأَكِّدٍ" گذر چکی۔

{۳} اور اگر تین حیض گذرنے کے بعد فرقت واقع ہوگئی، اور عورت حربیہ غیر مسلمہ ہو اور مرد نے اسلام لایا ہو، تو اس پر عدت واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ حکمِ شرع اس کے حق میں ثابت نہیں، اور اگر عورت مسلمان ہوگئی ہو اور شوہر حربی کافر ہو، تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عدت واجب نہ ہوگی۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تین حیض مزید بیٹھ کر دوسری عدت گذارنا اس پر لازم ہے، تفصیل دو مسئلوں کے بعد "مسألۃ المهاجرۃ" میں آئے گی۔

{۴} اگر کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو گیا اور عورت اپنے مذہب پر برقرار رہی تو وہ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے؛ کیونکہ مسلمان مرد اور کتابیہ عورت کے درمیان ابتداءً نکاح صحیح ہے تو بقاء بطریقۂ اولیٰ صحیح ہوگا؛ کیونکہ بقاء ابتداء سے اسہل ہوتی ہے۔

{۵} تبائنِ دارین فرقت کا سبب ہے چنانچہ اگر احد الزوجین مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آگیا تو دونوں میں تبائنِ دارین کی وجہ سے فرقت واقع ہو جائیگی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں فرقت واقع نہ ہوگی۔ اور اگر احد الزوجین کو مسلمانوں نے

گرفتار کرلیا تو دونوں میں فرقت بلاطلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر دونوں ساتھ ساتھ گرفتار کرلیے گئے، تو فرقت واقع نہ ہوگی اور
شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں فرقت واقع ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک فرقت کا سبب تباینِ دارین ہے نہ کہ
گرفتاری، اور امام شافعیؒ کے نزدیک سبب گرفتاری ہے نہ کہ تباینِ دارین۔

{۶} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تباینِ دارین کا اثر فقط دونوں کے درمیان انقطاعِ ولایت پر ہوتا ہے یعنی ولایت منقطع ہو جاتی
ہے اور انقطاعِ ولایت کا اثر فرقت پر نہیں پڑتا ہے جیسا کہ حربی کافر امان لے کر دارالاسلام میں آجائے تو ولایت تو منقطع ہو جائے گی
، مگر اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان فرقت واقع نہ ہوگی، اسی طرح مسلمان امان لے کر دارالحرب چلا جائے تو ولایت تو منقطع
ہو جائے گی مگر اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان فرقت واقع نہیں ہوتی ہے، اس لیے تباینِ دارین فرقت کا سبب نہیں۔ باقی گرفتاری
مقتضی ہے کہ مِلک گرفتار کرنے والے کے لئے خالص اور فارغ ہو، اور یہ تب ہوگا کہ سابقہ شوہر سے اس کا نکاح منقطع ہو اس لیے
گرفتاری سے فرقت واقع ہو جائے گی۔ چونکہ گرفتاری مِلک کے فارغ اور خالص ہونے کا مقتضی ہے اس لیے قید شدہ شخص کے ذمہ
اگر کفار کا قرضہ ہو تو وہ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

{۷} ہماری دلیل یہ ہے کہ تباینِ دارین خواہ حقیقی ہو یا حکمی ہو اس کے ساتھ مصالحِ نکاح کا انتظام اور حصول نہیں ہو سکتا
اور جو چیز مصالحِ نکاح کے حصول کے منافی ہو وہ نکاح کو قطع کر دیتی ہے اس لئے کہ نکاح وضع ہوا ہے حصولِ مصالح کے لئے نہ کہ
لذاتہ، لہٰذا مصالحِ نکاح معدوم ہونے کی صورت میں نکاح باقی نہیں رہے گا، پس یہ محرمیت کے مشابہ ہے یعنی جیسے کسی ایسی عورت سے
جو دائمی حرام ہو نکاح کرنا نکاح کی مصلحت کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح تباینِ دارین بھی نکاح کی مصلحت کو ختم کر دیتا ہے اس لیے دارین
میں نکاح نہیں رہے گا۔ اور حقیقی تباینِ دارین یہ ہے کہ دونوں میں شخصی بعد ہو ایک دارالاسلام میں ہو دوسرا دارالکفر میں، اور حکمی تباین
یہ ہے کہ ایک جس ملک میں داخل ہو گیا ہو وہاں قرار اور ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہو نہ کہ واپس ہونے کا، لہٰذا اگر حربی کافر امان لے
کر دارالاسلام میں آجائے اور واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان حکمی تباینِ دارین نہیں ہے۔

{۸} امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ گرفتاری سے مِلکِ رقبہ ثابت ہوتی ہے اور مِلکِ رقبہ ابتداءً نکاح کے منافی نہیں
؛ کیونکہ اپنی باندی کا کسی سے نکاح کرنا صحیح ہے، لہٰذا بقاءً بھی نکاح کے منافی نہیں؛ کیونکہ بقاء ابتداء سے اسہل ہوتی ہے، پس گرفتاری شراء
کی طرح ہے یعنی جس طرح کہ شراء سے نکاح فاسد نہیں ہوتا ہے اسی طرح گرفتاری سے بھی فاسد نہ ہوگا، لہٰذا محض گرفتار کرنے سے
فرقت واقع نہ ہوگی۔

اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ "گرفتاری گرفتار شدہ کو گرفتار کرنے والے کے لیے فارغ ہونے کا مقتضی ہے" تو یہ ہمیں تسلیم ہے مگر گرفتاری وہاں فراغ کا تقاضا کرتی ہے جہاں اس کا عمل ہوا ہے یعنی مال میں؛ کیونکہ اس کے عمل کا محل مال ہے، لہذا گرفتار شدہ میں گرفتار کرنے والے کی مِلک ثابت ہوتی ہے اور کوئی اس کے ساتھ شریک نہ ہوگا، نہ کہ محلِ نکاح (منافع بضع) کا یعنی گرفتاری منافع بضع کے فارغ ہونے کا مقتضی نہیں؛ کیونکہ منافع بضع اس کا محلِ عمل نہیں بلکہ خصائص آدمیت میں سے ہے۔

اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ "تباینِ دارین کا اثر فقط دونوں کے درمیان انقطاعِ ولایت پر ہوتا ہے فرقت پر اس کا اثر نہیں پڑتا جیسا کہ حربی مستامن اور مسلمان مستامن" تو اس کا جواب یہ ہے کہ تباینِ دارین سے مراد حقیقۃً وحکماً دونوں طرح کا تباین ہے، جبکہ مستامن میں فقط حقیقی تباین ہے حکمی تباینِ دارین نہیں؛ کیونکہ مستامن واپس اپنے ملک جانے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لیے مستامن اور اس کی بیوی کے درمیان فرقت واقع نہ ہوگی۔

{۱} وَإِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ إِلَيْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ لَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ وَلَاعِدَّةَ عَلَيْهَا عِنْدَأَبِي حَنِيفَةَ.

اور جب نکلے عورت ہماری طرف ہجرت کر کے تو جائز ہے اس کے لیے کہ نکاح کرے اور عدت نہیں ہے اس پر امام صاحبؒ کے نزدیک،

{۲} وَقَالَا : عَلَيْهَا الْعِدَّةُ؛لِأَنَّ الْفُرْقَةَ وَقَعَتْ بَعْدَ الدُّخُولِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فَيَلْزَمُهَا حُكْمُ الْإِسْلَامِ.

اور فرمایا صاحبینؒ نے اس پر عدت ہے؛ کیونکہ فرقت واقع ہوئی ہے دار الاسلام میں داخل ہونے کے بعد پس لازم ہوگا عورت پر اسلام کا حکم

{۳} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَاأَثَرُ النِّكَاحِ الْمُتَقَدِّمِ وَجَبَتْ إِظْهَارًا لِخَطَرِهِ ، وَلَا خَطَرَ لِمِلْكِ الْحَرْبِيِّ، وَلِهَذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمَسْبِيَّةِ {۴} وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ وَلَا يَقْرَبُهَازَوْجُهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا كَمَا فِي الْحُبْلَى مِنَ الزِّنَا .وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ فَإِذَاظَهَرَ الْفِرَاشُ فِي حَقِّ النَّسَبِ يَظْهَرُفِي حَقِّ الْمَنْعِ مِنَ النِّكَاحِ احْتِيَاطًا. {۵} قَالَ وَإِذَاارْتَدَّ أَحَدُالزَّوْجَيْنِ عَنِ الْإِسْلَامِ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُبِغَيْرِطَلَاقٍ وَهَذَاعِنْدَأَبِي حَنِيفَةَوَأَبِي يُوسُفَ.وَقَالَ مُحَمَّدٌ:إِنْ كَانَتِ الرِّدَّةُ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت اثر ہے نکاح سابق کا اور واجب ہوئی ہے اظہارِ احترام کے لیے، اور کوئی احترام نہیں مِلکِ حربی کی اسی وجہ سے واجب نہیں ہوتی گرفتار شدہ پر، اور اگر ہو وہ حاملہ تو نکاح نہ کرے یہاں تک کہ وضع حمل کر دے، اور امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ صحیح ہے نکاح اور جماع نہ کرے اس سے اس کا زوج یہاں تک کہ وضع حمل کر دے جیسا کہ حاملہ من الزنا میں، اول کی وجہ یہ ہے کہ حمل ثابت النسب ہے پس جب ظاہر ہوا فراش نسب کے حق میں تو ظاہر ہوگا نکاح سے منع کرنے کے حق میں احتیاطاً۔ فرمایا: اور جب مرتد ہو جائے احد الزوجین اسلام سے تو واقع ہوگی فرقت بلا طلاق، اور یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ اگر ہو ردت

مِنَ الزَّوْجِ فَهِيَ فُرْقَةٌ بِطَلَاقٍ، هُوَيَعْتَبِرُهُ بِالْإِبَاءِ وَالْجَامِعُ مَا بَيَّنَّاهُ ،﴿۶﴾وَأَبُو يُوسُفَ مَرَّ
زوج کی طرف سے تو یہ فرقتِ طلاق ہے، امام محمدؒ قیاس کرتے ہیں اس کو انکار پر اور جامع وہی ہے جو ہم نے بیان کیا، اور امام ابو یوسفؒ چلے ہیں
عَلَى مَا أَصَّلْنَا لَهُ فِي الْإِبَاءِ ، وَأَبُو حَنِيفَةَ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا . ﴿۷﴾وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الرِّدَّةَ مُنَافِيَةٌ لِلنِّكَاحِ
اپنی اس اصل پر جو ہم نے بیان کی انکار کے بیان میں اور امام صاحبؒ نے فرق کیا ہے دونوں میں، اور وجہِ فرق یہ ہے کہ ردّت منافی ہے نکاح کے
لِكَوْنِهَا مُنَافِيَةً لِلْعِصْمَةِ وَالطَّلَاقُ رَافِعٌ فَتَعَذَّرَ أَنْ تُجْعَلَ طَلَاقًا ، بِخِلَافِ الْإِبَاءِ ؛ لِأَنَّهُ يُفَوِّتُ
کیونکہ وہ منافی ہے عصمت کے اور طلاق رافع ہے پس متعذر ہوا کہ اسے قرار دیا جائے طلاق۔ بخلافِ انکار کے؛ کیونکہ وہ فوت کر دیتا ہے
الْإِمْسَاكَ بِالْمَعْرُوفِ فَيَجِبُ التَّسْرِيحُ بِالْإِحْسَانِ عَلَى مَامَرَّ،وَلِهَذَاتَتَوَقَّفُ الْفُرْقَةُبِالْإِبَاءِ عَلَى الْقَضَاءِ
اساک بالمعروف کو پس واجب ہو گی تسریح بالاحسان جیسا کہ گذر چکا، اسی وجہ سے موقوف ہو گی فرقت بالاباء قضاء پر،
وَلَا تَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ﴿۸﴾ثُمَّ إِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ فَلَهَا كُلُّ الْمَهْرِ إِنْ دَخَلَ بِهَا وَنِصْفُ الْمَهْرِ
اور موقوف نہیں ہوتی فرقت بالرّدۃ۔ پھر اگر ہو زوج ہی مرتد تو عورت کے لیے کل مہر ہو گا اگر دخول کیا اس کے ساتھ اور نصف مہر ہو گا
إِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا ،﴿۹﴾وَإِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُرْتَدَّةُ فَلَهَا كُلُّ الْمَهْرِإِنْ دَخَلَ بِهَا ، وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ
اگر دخول نہ کیا ہو اس کے ساتھ، اور اگر ہو عورت ہی مرتدہ تو اس کے لیے کل مہر ہو گا اگر دخول کیا ہو اس کے ساتھ اور اگر دخول نہ کیا ہو
بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلَا نَفَقَةَ ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ مِنْ قِبَلِهَا .﴿۱۰﴾قَالَ وَإِذَا ارْتَدَّا مَعًا
اس کے ساتھ تو نہ مہر ہو گا اس کے لیے اور نہ نفقہ؛ کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے ہے۔ فرمایا: اور جب مرتد ہو جائیں دونوں ایک ساتھ
ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا اسْتِحْسَانًا .وَقَالَ زُفَرُ :يَبْطُلُ ؛لِأَنَّ رِدَّةَ أَحَدِهِمَا
پھر اسلام لائے دونوں ایک ساتھ تو وہ دونوں اپنے نکاح پر ہوں گے استحساناً، اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ نکاح باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ ایک کی ردّت
مُنَافِيَةٌ ، وَفِي رِدَّتِهِمَا رِدَّةُ أَحَدِهِمَا .وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّ بَنِي حَنِيفَةَ ارْتَدُّوا
منافی نکاح ہے اور دونوں کی ردّت میں ایک کی ردّت بھی ہے، اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو مروی ہے کہ بنو حنیفہ والے مرتد ہو گئے
ثُمَّ أَسْلَمُوا،وَلَمْ يَأْمُرْهُمْ الصَّحَابَةُ بِتَجْدِيدِ الْأَنْكِحَةِ ،﴿۱۱﴾وَالِارْتِدَادُ مِنْهُمْ وَاقِعٌ مَعًا لِجَهَالَةِ التَّارِيخِ
پھر مسلمان ہو گئے، اور حکم نہیں کیا ان کو صحابہ کرامؓ نے تجدیدِ نکاحوں کا اور ارتداد ان سے واقع ہوا ایک ساتھ جہالتِ تاریخ کی وجہ سے
﴿۱۲﴾وَلَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا بَعْدَ الِارْتِدَادِ مَعًا فَسَدَ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا لِإِصْرَارِ الْآخَرِعَلَى الرِّدَّةِ؛
اور اگر مسلمان ہوا ایک ساتھ ساتھ مرتد ہونے کے بعد تو فاسد ہو جائے گا نکاح ان کے درمیان بوجہ دوسرے کے اصرار کے ردّت پر
لِأَنَّهُ مُنَافٍ كَابْتِدَائِهَا .

کیونکہ اصرار منافی ہے جیساکہ ابتداء ردت۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں دارالاسلام آنے والی عورت کے لیے جوازِ نکاح اور عدت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں بتایا ہے کہ ایسی عورت اگر حاملہ ہو تو اس کے بارے میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں مروی ہیں، اور ہر ایک روایت کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ تا ۷ میں احدالزوجین کے ارتداد سے دونوں میں فرقت اور نوعیتِ فرقت میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ و ۹ میں احدالزوجین کے ارتداد کی صورت میں مہر کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۰ میں زوجین کے یکجا مرتد ہونے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۱۱ میں ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۱۲ میں ارتداد کے بعد کسی ایک کے اسلام لانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} یہ مسئلہ سابقہ مسئلہ میں داخل ہے فقط فرق یہ ہے کہ اس میں مقصود وقوعِ فرقت کا بیان ہے اور اس میں مقصود بیانِ عدت ہے۔ اگر کوئی عورت دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے آئی، اور کبھی بھی دارالحرب واپس جانے کا ارادہ نہ رکھتی ہو تو اس عورت کے ساتھ فی الحال نکاح کرنا جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر عدت گذارنا واجب نہیں۔

{۲} صاحبینؒ کے نزدیک ایسی عورت پر عدت گذارنا واجب ہے؛ کیونکہ اس عورت کی اپنے زوج سے فرقت دارالاسلام میں داخل ہونے کے بعد واقع ہوئی ہے اور ہر وہ فرقت جو دارالاسلام میں واقع ہو اس پر احکامِ اسلام لازم ہوتے ہیں اور عدت بھی احکامِ اسلام میں سے ایک حکم ہے لہٰذا عدت واجب ہوگی۔

{۳} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت سابقہ نکاح کا اثر ہے جو مِلکِ نکاح کے احترام کو ظاہر کرنے کے لیے واجب ہوتی ہے، حالانکہ حربی مرد کی مِلکِ نکاح کا کوئی احترام نہیں بلکہ اس کو شریعت نے ساقط کر دیا ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ[1]) (اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہ ہوگا جبکہ تم ان کے مہر ان کو دیدو)۔ اور چونکہ حربی کی مِلک کا کوئی احترام نہیں لہٰذا دارالحرب سے گرفتار شدہ پر بھی عدت واجب نہیں۔

{۴} اگر ہجرت کرنے والی عورت حاملہ ہو تو وضعِ حمل سے پہلے نکاح نہ کرے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اس سے نکاح صحیح ہے، البتہ شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے یہاں تک کہ وہ وضعِ حمل کر دے جیساکہ زنا سے حاملہ عورت کے لیے نکاح

[1] الممتحنۃ: ۱۰۔

کرنا جائز ہے البتہ وضع حمل تک اس کا شوہر اس کے ساتھ وطی نہیں کر سکتا ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی نکاح جائز ہے اور وضع حمل سے پہلے وطی جائز نہیں۔

قول اول کی وجہ یہ ہے کہ یہ حمل غیر سے (یعنی حربی کافر سے) ثابت النسب ہے پس جب نسب کے حق میں کافر حربی کیلئے فراش ہونا ظاہر ہو گیا تو نکاح سے منع کے حق میں بھی احتیاطاً اسی کا فراش ہونا ظاہر ہو گا تا کہ جمع بین الفراشین لازم نہ آئے، لہٰذا وضع حمل سے پہلے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی شرح التنویر(وَمَنْ)(هَاجَرَتْ إِلَيْنَا) مُسْلِمَةً أَوْ ذِمِّيَّةً (حَائِلًا) بَانَتْ بِلَا عِدَّةٍ فَيَحِلُّ تَزَوُّجُهَا ، أَمَّا الْحَامِلُ فَحَتَّى تَضَعَ عَلَى الْأَظْهَرِ لَا لِلْعِدَّةِ بَلْ لِشَغْلِ الرَّحِمِ بِحَقِّ الْغَيْرِ- وقال ابن عابدين: بِخِلَافِ قَوْلِ الْكَنْزِ وَتُنْكَحُ الْمُهَاجِرَةُ الْحَائِلُ بِلَا عِدَّةٍ فَإِنَّهَا لِلِاحْتِرَازِ عَنِ الْحَامِلِ كَمَا عَلِمْت لَكِنَّهُ يُوهِمُ أَنَّ الْحَامِلَ لَهَا عِدَّةٌ كَمَا تَوَهَّمَهُ ابْنُ مَالِكٍ وَغَيْرُهُ وَلَيْسَ كَذَلِكَ (الدّرالمختار مع ردّالمحتار: ۴۲۵/۲)

ف:۔ یہاں یہ تفصیل جاننا بھی ضروری ہے کہ اس وقت کے علماء نے مملکتوں کی تین قسمیں بنائی ہیں، (۱) دارالاسلام (۲) دارالحرب (۳) دارالامن۔ دارالاسلام وہ مملکت ہے جہاں مسلمانوں کو ایسا سیاسی موقف حاصل ہو کہ وہ تمام احکام اسلامی کے نفاذ پر قادر ہوں، دارالحرب وہ مملکتِ کافرہ ہے جہاں کافروں کو امن حاصل ہو اور مسلمان شہری امن سے محروم ہوں، اور مسلمان وہاں مذہبی حقوق وعبادات اور جمعہ وعیدین وغیرہ کی علانیہ انجام دہی سے قاصر ہوں۔ دارالامن وہ ملک ہے جہاں کلید اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو لیکن مسلمان مامون ہوں، مسلمان دعوت دین کا فریضہ انجام دے سکتے ہوں، اور ان اسلامی احکام پر جن کے نفاذ کے لئے اقتدار ضروری نہ ہو عمل کر سکتے ہوں (ماخوذ از جدید فقہی مسائل: ۸۲/۴)

ف:۔ دارالاسلام کے احکام یہ ہیں، اسلام کے تمام شخصی اور اجتماعی قوانین کی تنفیذ، دارالکفر کے مہاجرین کی آبادکاری، دارالحرب میں پھنسے ہوئے کمزور مسلمانوں کی اعانت، جہاد اور اسلامی سرحدات کی توسیع کی سعی کرنا۔ دارالحرب کے احکام یہ ہیں، یہاں اسلام کا قانون جرم وسزا جاری نہ ہو گا، دارالحرب کے دو مسلمانوں کا فیصلہ دارالاسلام کا قاضی نہیں کر سکتا، دارالحرب کے باشندوں پر اسلحہ فروخت نہیں کیا جاسکتا، دارالحرب کے کسی باشندہ کو دارالاسلام میں شہریت حاصل کئے بغیر ایک سال سے زائد رہنا نہیں دیا جائے گا، مسلمان زوجین میں سے کوئی ایک دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر لے یا دارالاسلام کو چھوڑ کر دارالحرب کو اپنا وطن بنائے تو تباین دار کی وجہ سے دونوں میں تفریق ہو جائے گی، مسلمان تاجر دارالحرب میں اسلام کے مالی قوانین کا پابند نہ ہو گا۔ دارالامن کے احکام یہ ہیں، وہاں اسلامی حدود نافذ نہ ہوں گی، وہاں کے دو مسلمانوں کا فیصلہ دارالاسلام کا قاضی نہیں کر سکتا، وہاں کے مسلمان باشندوں

پر ہجرت واجب نہ ہوگی، وہاں کی دفاعی قوت میں اضافہ اور مدد کرنا مسلمانوں کے لئے درست ہوگا جیسا کہ صحابہؓ نے شاہ حبش نجاشی کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تھی بشرطیکہ وہ کسی مسلم ملک سے برسرپیکار نہ ہو، زوجین میں سے اگر کوئی ایک دارالامن سے دارالاسلام آئے تو ان کے درمیان محض، تباین دار، کی وجہ سے تفریق واجب نہ ہوگی کیونکہ صلح وامن کی فضاء کی وجہ سے آمد ورفت اور حقوق زوجیت کی تکمیل ممکن ہے۔ (حوالہ بالا)

فائدہ: موجودہ دور میں غیر مسلم مملکتوں میں سے ایک تو وہ ہیں جو اسلام یا مطلقاً مذہب کی معاند ہیں جیسے کیونسٹ بلاک کے ممالک، دوسری قسم کے ممالک وہ ہیں جہاں مغربی طرز کی جمہوریت رائج ہے، جن میں یا تو سلطنت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور تمام قومیں اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوتی ہیں، جیسے ہندوستان، یا سلطنت کا مذہب تو ہوتا ہے لیکن دوسری مذہبی اقلیتیں بھی اپنے مذہبی معاملات میں آزاد ہوتی ہیں، جیسے امریکہ، برطانیہ وغیرہ۔ میرے خیال میں پہلی نوع کے ممالک یعنی کیونسٹ ممالک "دارالحرب" کے زمرہ میں ہیں گو بعض کیونسٹ ممالک میں مذہبی آزادی اور اظہار رائے وغیرہ کے حقوق میں ایک گونہ نرمی پیدا کی گئی ہے، تاہم اب بھی وہ دارالحرب ہی ہیں، اس کے علاوہ جو ممالک ہیں وہ "دارالامن" میں شمار کئے جاسکتے ہیں (حوالہ بالا)

﴿۵﴾ اگر احد الزوجین اسلام سے مرتد ہو گیا (العیاذ باللہ) تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں میں فی الحال فرقت واقع ہو جائیگی اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی۔ امام محمدؒ کے نزدیک اگر ردّت شوہر کی جانب سے ہو تو یہ فرقت طلاق ہے ورنہ نہیں، امام محمدؒ ردّت کو شوہر کے اسلام سے انکار کرنے پر قیاس کرتے ہیں یعنی عورت کے مسلمان ہونے پر اگر شوہر نے اسلام لانے سے انکار کیا تو یہ شوہر کی طرف سے طلاق ہوگی اسی طرح شوہر کی طرف سے ردّت بھی طلاق ہوگی؛ مقیس ومقیس علیہ میں علتِ مشترکہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ شوہر اسلام لانے سے انکار کی وجہ سے تسریح بالاحسان سے رُک گیا پس قاضی اس کا قائم مقام ہو کر ان کے درمیان تفریق کرے گا اور ایسی تفریق طلاق شمار ہوتی ہے۔

﴿۶﴾ اور امام ابو یوسفؒ اپنی اسی اصل پر چلے ہیں جو اباء عن الاسلام کی صورت میں ہم بیان کر چکے یعنی یہ فرقت ایسی ہے جو زوجین میں سے ہر ایک کی طرف سے آسکتی ہے یعنی مرد بھی مرتد ہو سکتا ہے اور عورت بھی، اور جو فرقت زوجین میں ہر ایک کی طرف سے آسکتی ہو وہ طلاق نہ ہوگی، لہٰذا ارتداد کی وجہ سے واقع تفریق فسخ نکاح ہوگی طلاق نہ ہوگی۔

﴿۷﴾ امام صاحبؒ نے اِباء عن الاسلام اور ارتداد میں فرق کیا ہے کہ شوہر کا اباء عن الاسلام طلاق ہے اور ارتداد طلاق نہیں، وجہ فرق یہ ہے کہ ردّت نکاح کے منافی ہے اس لئے کہ ردّت عصمتِ نفس اور عصمتِ املاک کے منافی ہے اور املاک میں سے نکاح بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتد کو قتل کرنے والے پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت، لہٰذا مرتد کی مِلک اور نکاح باطل

ہو جاتے ہیں، اور طلاق نکاح کے منافی نہیں بلکہ ملکِ نکاح کے لیے رافع اور اس کو انتہاء تک پہنچانے والی ہے یہی وجہ ہے کہ شوہر طلاق دینے کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ طلاق رافعِ نکاح ہے اور ردّت دافع بھی ہے رافع بھی ہے لہٰذا ارتداد کو طلاق قرار دینا متعذر ہے اس لیے ارتداد کی وجہ سے جو فرقت ہو گی وہ طلاق نہ ہو گی۔

برخلافِ اباء عن الاسلام کے کہ وہ نکاح کے منافی نہیں؛ کیونکہ وہ اپنے اصل کفر پر برقرار ہے اور ذمی ہونے کی وجہ سے اس کا خون اور مال دونوں محفوظ ہیں، البتہ اباء عن الاسلام امساک بالمعروف کو فوت کر دیتا ہے اس لیے اس پر تسریح بالاحسان واجب ہے اور تسریح بالاحسان طلاق ہے جیسا کہ گزر چکا۔ اور چونکہ اباء عن الاسلام نکاح کے منافی نہیں اس لیے اس کی وجہ سے جو فرقت آئے گی وہ قاضی کی قضاء پر موقوف ہو گی، جبکہ ردّت نکاح کے منافی ہے لہٰذا اس کی وجہ سے جو فرقت آئے گی وہ قضاءِ قاضی پر موقوف نہ ہو گی؛ کیونکہ منافی قضاءِ قاضی پر موقوف نہیں ہوتا ہے۔

فتویٰ:۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لماقال العلامة ابن الهمام: وَبَعْضُ مَشَايِخِ بَلْخٍ وَسَمَرْقَنْدَ أَفْتَوْا فِي رِدَّتِهَا بِعَدَمِ الْفُرْقَةِ حَسْمًا لِاحْتِيَالِهَا عَلَى الْخَلَاصِ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ، وَعَامَّةُ مَشَايِخِ بُخَارَى أَفْتَوْا بِالْفُرْقَةِ وَجَبْرِهَا عَلَى الْإِسْلَامِ وَعَلَى النِّكَاحِ مَعَ زَوْجِهَا الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّ الْحَسْمَ بِذَلِكَ يَحْصُلُ ،(فتح القدير:٣/٣٩٧)۔ مولانا عبدالحکیم شاہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: والحاصل ان الراجح للافتاء والماخوذ فی زماننا هو قول المتأخرين اما قول مشائخ بلخ کما هو المختار عند البعض او قول مشايخ بخارى فللمفتى لابد من النظر فی الوقائع والتفقه فی الافتاء(حاشیہ الهداية: ٢ /٣٢٧)

{٨} پس اگر شوہر ہی مرتد ہوا اور عورت کے ساتھ دخول بھی کر چکا ہو تو عورت کیلئے کل مہر ہو گا؛ کیونکہ دخول (جماع) کی وجہ سے مہر مؤکد ہو چکا۔ اور اگر شوہر نے دخول نہیں کیا ہو تو عورت کیلئے نصف مہر ہو گا؛ کیونکہ یہ فرقت زوج کی طرف سے قبل الدخول آئی ہے لہٰذا یہ طلاق قبل الدخول کے مشابہ ہے پس جس طرح طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر واجب ہوتا ہے اسی طرح فرقت قبل الدخول کی صورت میں بھی نصف مہر واجب ہو گا۔

{٩} اور اگر عورت مرتدہ ہو گئی تو اگر عورت بعد الدخول مرتدہ ہو گئی ہو تو اس کیلئے کامل مہر واجب ہو گا؛ کیونکہ دخول کی وجہ سے مہر مؤکد ہو چکا ہے اب سقوط کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور اگر ارتداد دخول سے پہلے ہو، تو ایسی عورت کیلئے مہر نہ ہو گا؛ کیونکہ عورت نے شوہر سے بضع روک دیا تو یہ قبل القبض بائع کا مبیع کو تلف کرنے کے مشابہ ہے اور ایسی صورت میں چونکہ مشتری پر کوئی ضمان یا ثمن

وغیرہ لازم نہیں ہوتا، تو یہاں بھی شوہر کے ذمے کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور عدت کے دوران کا نفقہ بھی عورت کیلئے واجب نہیں ہوگا؛ کیونکہ فرقت عورت کی طرف سے آئی ہے پس یہ ناشزہ کی طرح ہے لہذا اس کیلئے نفقہ نہیں ہوگا۔

{۱۰} اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہوگئے پھر دونوں ایک ساتھ مسلمان ہوئے، تو یہ دونوں استحساناً اپنے نکاح پر قائم رہیں گے، نکاح کی تجدید کی ضرورت نہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک نکاح باطل ہوجائیگا، قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے؛ کیونکہ ایک کا مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے جس سے نکاح ختم ہوجاتا ہے تو دونوں کے ارتداد سے تو بطریقہ اولیٰ ختم ہوجائے گا؛ کیونکہ دونوں کے مرتد ہونے میں ایک کا ارتداد بھی پایا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بنو حنیفہ (ایک قبیلے کا نام ہے) نے زکوۃ کا انکار کرکے مرتد ہوگئے تھے پھر سب مسلمان ہوگئے مگر صحابہؓ نے ان کو تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا، لہذا امام زفرؒ کے قیاس کو اجماع صحابہ کرامؓ کیوجہ سے ترک کردیا۔

{۱۱} باقی یہ اشکال کہ بنو حنیفہ کے ارتداد ایک ساتھ نہیں تھا لہذا اس سے مذکورہ صورت پر استدلال درست نہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ارتداد کی تاریخ معلوم نہیں مجہول ہے اور تاریخ جب مجہول ہوجائے تو اسے اقتران (ایک ساتھ ہونے) پر حمل کیا جائے گا نہ کہ تقدم و تاخر پر، لہذا یہی کہا جائے گا کہ وہ ایک ساتھ مرتد ہوگئے تھے پھر سب ایک ساتھ مسلمان ہوگئے تھے۔

{۱۲} اگر زوجین میں سے ایک نے ارتداد کے بعد اسلام لے آیا، تو بالاتفاق دونوں کا نکاح فاسد ہوجائے گا؛ کیونکہ جب ایک نے اسلام لایا تو دوسرے کا ارتداد پر اصرار اور باقی رہنے کیوجہ سے زوجین میں اختلاف فی المذہب پایا گیا اور ارتداد پر اصرار نکاح کے منافی ہے جیسا کہ ابتداءً ارتداد نکاح کے منافی ہے، لہذا ابتداءً ارتداد کی طرح بقاء علی الارتداد سے بھی فرقت واقع ہوجائیگی۔

بَابُ الْقَسْمِ

یہ باب قسم کے بیان میں ہے

"قَسم" بفتح القاف وسکون السین "قَسَمْتُ الشئَ فَالقَسَم" کا مصدر ہے، اور شرعاً زوج کا اپنی منکوحات کے درمیان نفقہ، سکنیٰ، ماکولات، مشروبات، ملبوسات اور بیتوتت میں برابری کرنے کو کہتے ہیں۔ منکوحات کے ساتھ جماع کرنے میں برابری شرط نہیں۔ "قِسم" بکسر القاف حصہ کے معنی میں ہے اور "قَسَم" قاف اور سین کے فتحہ کے ساتھ یمین کے معنی میں ہے۔

منکوحات میں عدل کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں سے ثابت ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ[1]) (اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہیں رکھتے کہ (ایک سے زائد) بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کر سکو اگرچہ تم کتنا بھی چاہو۔ لیکن (ایک طرف) پورے میلان طبع کے ساتھ (یوں) نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو (درمیان میں) لٹکتی ہوئی چیز کی طرح چھوڑ دو) اس میں بیویوں میں سے ایک کی طرف میلان رکھنے کی ممانعت ہے، اور یہی قسم ہے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ وَمَالَ اِلٰى اَحَدِهِمَا فِي الْقَسْمِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ"[2] (یعنی جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ قسم میں ان میں سے ایک کی طرف جھک گیا تو قیامت کے دن اس حالت میں آئیگا کہ اس کا ایک دھڑ مائل ہوگا) جس میں دو بیویوں میں سے ایک کی طرف میلان کی وعید بیان فرمائی ہے۔

مصنف ؒ نے اس سے پہلے کسی موقع پر یہ بیان فرمایا تھا کہ آزاد مرد کے لئے چار عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور غلام کے لئے دو عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے پس چار اور دو بیویوں کی صورت میں ان میں قسم اور عدل کرنا ضروری ہے اس لئے مصنف ؒ یہاں سے متعدد بیویوں کے درمیان عدل کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

{۱} وَإِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ امْرَأَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا أَوْ ثَيِّبَيْنِ

اور جب ہوں ایک مرد کے لیے دو آزاد عورتیں تو اس پر لازم ہے کہ عدل کرے دونوں کے درمیان قسم میں خواہ دونوں باکرہ ہوں یا ثیبہ

أَوْ إِحْدَاهُمَا بِكْرًا وَالْأُخْرَى ثَيِّبًا لِقَوْلِهِ ﷺ "{مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ وَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا فِي الْقَسْمِ

یا دونوں میں سے ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس کی دو بیویاں ہو اور وہ مائل ہوا ایک کی طرف قسم میں

جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ }"وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا "{أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَعْدِلُ

تو آئے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں کہ اس کا ایک پہلو مائل ہوگا" اور حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عدل فرماتے تھے

فِي الْقَسْمِ بَيْنَ نِسَائِهِ .وَكَانَ يَقُولُ : اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِي

قسم میں اپنی بیویوں کے درمیان، اور فرماتے تھے: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس میں جو میرے بس میں ہے، پس آپ میرا مواخذہ نہ فرمائیں

فِيمَا لَا أَمْلِكُ :يَعْنِي زِيَادَةَ الْمَحَبَّةِ } " وَلَا فَصْلَ فِيمَا رَوَيْنَا . وَالْقَدِيمَةُ وَالْجَدِيدَةُ سَوَاءٌ

---

(۱) النساء:۱۲۹۔

(۲) رواہ ابوداؤد:۱،ص:۳۰۷، برقم:۲۱۳۳، ط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

اس میں جو میرے بس میں نہیں، یعنی زیادتی محبت میں، اور کوئی تفصیل نہیں اس حدیث میں جو ہم نے روایت کی، اور پرانی اور نئی برابر ہیں

لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْقَسْمَ مِنْ حُقُوقِ النِّكَاحِ وَلَا تَفَاوُتَ بَيْنَهُنَّ فِي ذَلِكَ،
اس حدیث کے اطلاق کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، اور اس لیے کہ قسم حقوقِ نکاح میں سے ہے اور کوئی فرق نہیں ان کے درمیان نکاح میں،

{۲} وَالِاخْتِيَارُ فِي مِقْدَارِ الدَّوْرِ إِلَى الزَّوْجِ؛ لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ هُوَ التَّسْوِيَةُ دُونَ طَرِيقِهِ. وَالتَّسْوِيَةُ الْمُسْتَحَقَّةُ فِي الْبَيْتُوتَةِ
اور اختیار چکر لگانے میں زوج کو ہے؛ کیونکہ واجب برابری ہے نہ کہ اس کا طریقہ، اور واجب برابری شب باشی میں ہے

لَا فِي الْمُجَامَعَةِ؛ لِأَنَّهَا تُبْتَنَى عَلَى النَّشَاطِ. {۳} وَإِنْ كَانَتْ إِحْدَاهُمَا حُرَّةً وَالْأُخْرَى أَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ مِنَ الْقَسْمِ
نہ کہ جماع کرنے میں؛ کیونکہ وہ موقوف ہے نشاط پر، اور اگر ہو دونوں میں سے ایک آزاد اور دوسری باندی تو آزاد کے لیے دو ثلث ہیں قسم کے

وَلِلْأَمَةِ الثُّلُثُ بِذَلِكَ وَرَدَ الْأَثَرُ ، وَلِأَنَّ حِلَّ الْأَمَةِ أَنْقَصُ مِنْ حِلِّ الْحُرَّةِ فَلَا بُدَّ
اور باندی کے لیے ایک ثلث اسی کے ساتھ وارد ہوا ہے اثر، اور اس لیے کہ باندی کی حلت ناقص ہے آزاد کی حلت سے، پس ضروری ہے

مِنْ إِظْهَارِ النُّقْصَانِ فِي الْحُقُوقِ. وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْمُدَبَّرَةُ وَأُمُّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَةِ الْأَمَةِ؛ لِأَنَّ الرِّقَّ فِيهِنَّ قَائِمٌ. {۴} قَالَ وَلَا حَقَّ
اظہارِ نقصان حقوق میں۔ اور مکاتبہ، مدبرہ اور ام ولدہ باندی کی طرح ہیں؛ کیونکہ رقیت ان میں قائم ہے۔ فرمایا: اور کوئی حق نہیں

لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ حَالَةَ السَّفَرِ فَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُقْرِعَ بَيْنَهُنَّ
ان کے لیے قسم میں حالتِ سفر میں پس سفر کرے زوج جس کے ساتھ چاہے ان میں سے، اور بہتر یہ ہے کہ قرعہ اندازی کرے ان کے درمیان

فَيُسَافِرُ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْقُرْعَةُ مُسْتَحَقَّةٌ، لِمَا رُوِيَ {أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ
پس سفر کرے اس کے ساتھ جس کا قرعہ نکلے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ قرعہ واجب ہے؛ کیونکہ مروی ہے کہ نبی ﷺ جب ارادہ فرماتے

سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ} "إِلَّا أَنَّا نَقُولُ : إِنَّ الْقُرْعَةَ لِتَطْيِيبِ قُلُوبِهِنَّ فَيَكُونُ مِنْ بَابِ الِاسْتِحْبَابِ ، وَهَذَا ؛
سفر کا تو قرعہ ڈالتے اپنی بیویوں کے درمیان، مگر ہم کہتے ہیں کہ قرعہ ان کی تطییبِ قلوب کے لیے تھا پس ہوگا استحباب کے قبیلہ سے، اور یہ

لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ مُسَافَرَةِ الزَّوْجِ ؛ أَلَا يَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ لَا يَسْتَصْحِبَ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ
اس لیے کہ عورت کا کوئی حق نہیں زوج کے سفر کے وقت، کیا نہیں دیکھتے کہ شوہر کے لیے تو جائز ہے کہ ساتھ نہ لے چلے ان میں سے ایک کو

فَكَذَا لَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ وَلَا يُحْتَسَبُ عَلَيْهِ بِتِلْكَ الْمُدَّةِ . {۵} وَإِنْ رَضِيَتْ إِحْدَى
پس اسی طرح اس کے لیے جائز ہے سفر کرے ایک کے ساتھ ان میں سے اور شمار نہ ہوگی اس پر یہ مدت۔ اور اگر راضی ہوگئی ایک

الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ ؛ {لِأَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ
زوجات میں سے اپنی باری ترک کرنے کا اپنی سوتن کے لیے تو جائز ہے؛ کیونکہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ نے سوال کیا تھا حضور ﷺ سے کہ

تشریح الهدایہ

يُرَاجِعَهَا وَتَجْعَلَ يَوْمَ نَوْبَتِهَا لِعَائِشَةَ }" وَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ فِي ذَلِكَ؛

مراجعت فرمائیں اس سے وہ کر دے گی اپنی نوبت کا دن حضرت عائشہؓ کے لیے، اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ رجوع کرے اس میں

لِأَنَّهَا أَسْقَطَتْ حَقًّا لَمْ يَجِبْ بَعْدُ فَلَا يَسْقُطُ ، وَاللهُ أَعْلَمُ .

کیونکہ اس نے ساقط کیا تھا اپنا ایسا حق جو واجب نہیں ہوا تھا اب تک پس ساقط نہ ہوگا واللہ اعلم۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں متعدد بیویوں میں برابری کا لزوم اور دلیل بیان کی ہے۔ اور نمبر ۲ میں بتایا ہے کہ برابر کا اختیار فقط زوج کو ہے اور اس کی دلیل، اور برابری کی کچھ تفصیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۳ میں آزاد اور باندی میں برابری کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۴ میں حالتِ سفر کا حکم اور امام شافعیؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں کی ایک عورت کا اپنی باری اپنی سوتن کے لیے چھوڑ دینے کا حکم اور دلیل، اور پھر اس سے رجوع کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر ایک مرد کی دو یا زیادہ آزاد بیویاں ہوں تو شوہر پر ان کے درمیان رات گذارنے، ملبوسات اور ماکولات میں برابری کرنا لازم ہے خواہ دونوں باکرہ ہوں یا ثیبہ ہوں یا ایک باکرہ ہو دوسری ثیبہ ہو؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مَن كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ وَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا فِي الْقَسْمِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ[۱]" (یعنی جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ قسم میں ان میں سے ایک کی طرف جھک گیا تو قیامت کے دن اس حالت میں آئیگا کہ اس کا ایک دھڑ مائل ہوگا)، اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَعْدِلُ فِي الْقَسْمِ بَيْنَ نِسَائِهِ. وَكَانَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِي فِيمَا لَا أَمْلِكُ[۲]" (کہ نبی ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان قسم میں عدل فرماتے تھے، اور فرماتے تھے: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس میں جو میرے بس میں ہے، پس آپ میرا مواخذہ نہ فرمائیں اس میں جو میرے بس میں نہیں) جس میں "فِيمَا لَا أَمْلِكُ" سے محبت کی زیادتی مراد ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں لہٰذا اس پر میرا مواخذہ نہ فرما۔ اور پہلی حدیث میں برابری نہ کرنے والوں کے لئے وعید کا بیان ہے، لہٰذا برابری لازم ہے، اور دونوں حدیثیں چونکہ مطلق ہیں باکرہ اور ثیبہ وغیرہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا سب میں برابری کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح نئی بیوی اور پرانی میں بھی کوئی فرق نہیں؛ مذکورہ بالا حدیث کے اطلاق کی وجہ سے، اور اس لئے بھی کہ قسم نفقہ کی طرح نکاح کے حقوق میں سے ہے اور حقِ نکاح میں مذکورہ بالا عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں، لہٰذا سب میں برابری لازمی ہے۔

([۱]) حوالہ گذر چکا۔
([۲]) رواہ ابوداؤد: ۱، ص: ۳۰۷، رقم: ۲۱۳۴، ط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

{۲}اور باری مقرر کرنے کا اختیار شوہر کو ہے خواہ ایک ایک رات ہر ایک کے لیے مقرر کرے یا دو دو یا زیادہ مقرر کرے؛کیونکہ شوہر پر ان میں برابری کرنا تو واجب ہے مگر طریقہ برابری اس پر واجب نہیں۔اور برابری فقط رات گذارنے میں لازمی ہے جماع کرنے میں برابری لازم نہیں؛کیونکہ جماع کی بنیاد نشاط اور چستی پر ہے اور نشاط و چستی مرد کے اختیار میں نہیں ہے اس لیے اس میں برابری بھی لازم نہیں۔

{۳}اگر کسی کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہو ایک باندی ہو، تو آزاد کیلئے باری میں سے دو تہائی ہوگی اور باندی کیلئے ایک تہائی ہوگی یعنی آزاد عورت کے ہاں دو رات گذارے گا اور باندی کے ہاں ایک رات؛کیونکہ اسی پر اثر وارد ہوا ہے حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "آزاد عورت کے لیے قسم کے دو ثلث ہیں اور باندی کے لیے ایک ثلث ہے"۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ باندی کی حلت (حلال ہونا) آزاد عورت کی حلت سے کم ہے؛کیونکہ آزاد عورت سے نکاح کے بعد باندی سے نکاح جائز نہیں جبکہ باندی سے نکاح کے بعد آزاد عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، لہذا نکاح کے حقوق میں بھی کمی ظاہر کرنا ضروری ہے۔اور مکاتبہ، مدبرہ اور ام ولد بمنزلہ باندی کے ہیں؛کیونکہ ان سب میں رقیت اب تک قائم ہے اس لیے رقیت کا حکم ان پر جاری ہو گا۔

فائدہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح کے بعد باکرہ کے پاس سات دن اور ثیبہ کے پاس تین دن رہے "لحدیث انسٍ انّ النبی ﷺ جعل للبکرِ سبعاً وللثیبِ ثلاثاً" (یعنی نبی ﷺ نے باکرہ کے لیے سات دن اور ثیبہ کے لیے تین دن مقرر فرمائے)۔احنافؒ جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت صلح پر محمول ہے۔

{۴}اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہوں تو حالت سفر میں ان کیلئے باری میں کوئی حق نہیں شوہر جس کسی کو سفر میں ساتھ لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے۔مگر بہتر یہ ہے کہ انکی تطییبِ خاطر کیلئے ان میں قرعہ اندازی کرے جس کے نام کا قرعہ نکلے اسی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے۔اور یہ مدت اس پر محسوب نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک سفر میں جاتے ہوئے متعدد بیویوں میں قرعہ اندازی کرنا واجب ہے؛کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے "قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ"[1] (یعنی نبی ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیویوں میں قرعہ اندازی فرماتے تھے پس ان میں سے جس کا نام نکل آتا اسی کو

(1) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: [illegible] (نصب الرایۃ:۳ص:۲۱٦)

تھالہذا یہ صرف مستحب ہو گا سفر میں لے جاتے)۔ احناف جواب دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل فقط ان کا دل خوش کرنے کے لیے

کیونکہ قسم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضر میں بھی لازم نہیں تھا؛ اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (تُرْجِیْ مَنْ تَشَاۤءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَاۤءُ)[1] (یعنی ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے سے نزدیک کر) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم لازم نہیں تھا۔

اور قرعہ کا واجب نہ ہونا اس لیے ہے کہ شوہر کے سفر کے وقت عورت کو کوئی حق نہیں؛ کیونکہ شوہر کو تو یہ اختیار ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے ساتھ سفر میں نہ لے جائے تو اس کیلئے یہ بھی اختیار ہو گا کہ ان میں سے جس کو ساتھ لے جانا چاہے لے جاسکتا ہے، پس اگر بلا قرعہ اندازی کوئی ایک اپنے ساتھ لے جائے تو یہ مدتِ سفر اس عورت کی نوبت میں شمار نہ ہو گی۔

{۵} اگر منکوحات میں سے کوئی اپنی باری اپنی سوتن کیلئے چھوڑنے پر راضی ہو جائے، تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی "کہ مجھے طلاق نہ دیجئے تاکہ میری حشر تیری بیویوں میں ہو، پس میں اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لیے چھوڑ دیتی ہوں"[2]۔ نیز قسم اسکا حق ہے لہذا وہ اپنے اس حق کو ساقط کرنے کا حق رکھتی ہے۔

پھر اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعد میں اپنی اس باری میں رجوع کرلے؛ کیونکہ اس نے ایسا حق ساقط کیا جو ابھی تک اس کے لئے واجب نہیں ہوا تھا تو اس کے ساقط کرنے سے ساقط بھی نہیں ہو گا کیونکہ اسقاط کا تحقق اسی میں ہو سکتا ہے جو پہلے ثابت اور قائم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

([1]) الاحزاب:۵۱۔

([2]) علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ اس کے قریب الفاظ بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ قلت: مفهوم هذا أنه عليه السلام طلق سودة، ولم نجد ذلك في الحديث، فروى البخاري، ومسلم عن عائشة، قالت: ما رأيت امرأة أحب إلي أن أكون في مسلاخها من سودة بنت زمعة من امرأة فيها حدة، فلما كبرت قالت: يا رسول الله، قد جعلت يومي منك لعائشة، فكان عليه السلام يقسم لعائشة يومين: يومها، ويوم سودة (نصب الراية:۳، ص:۲۱۶)

كِتَابُ الرَّضَاعِ

یہ کتاب احکامِ رضاعت کے بیان میں ہے

"رضاع" بفتح الراء وکسر الراء دونوں طرح مستعمل ہے لیکن اصل بفتح الراء ہے کسر راء کے ساتھ بھی ایک لغت ہے۔ لغت میں رضا چاتی سے دودھ چوسنے کو کہتے ہیں اور شرعاً عورت کی چھاتی سے مخصوص وقت میں دودھ چوسنے کو کہتے ہیں۔ وقت مخصوص سے مراد مدتِ رضاعت ہے جس کے بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے تفصیل آگے آرہی ہے انشاء اللہ۔

"كِتَابُ الرَّضَاعِ" کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ نکاح سے اصل مقصود توالد اور تناسل ہے محض تکمیل شہوت نہیں اور ولد کیلئے ابتداءً رضاع ضروری ہے ولد کی بقاء عادۃً رضاعت کے بغیر ناممکن ہے اس لئے نکاح کے بعد رضاعت کا ذکر مناسب سمجھا۔

{۱} قَالَ: قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ سَوَاءٌ إِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَقَالَ
فرمایا: رضاعت کا قلیل اور کثیر برابر ہے جب حاصل ہو جائے مدتِ رضاعت میں تو متعلق ہو جائے گی اس کے ساتھ تحریم، اور فرمایا

الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَثْبُتُ التَّحْرِيمُ إِلَّا بِخَمْسِ رَضَعَاتٍ، لِقَوْلِهِ ﷺ: " { لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ
امام شافعی رحمہ اللہ نے کہ ثابت نہ ہوگی تحریم مگر پانچ گھونٹ سے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "حرام نہیں کرتا ایک بار چوسنا اور نہ دوبار

وَلَا الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ } " . وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى { وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ } الْآيَةَ وَقَوْلُهُ ﷺ "
اور نہ ایک بار پلانا اور نہ دوبار" اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا" اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ } " مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ . {۲} وَلِأَنَّ الْحُرْمَةَ وَإِنْ كَانَتْ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِيَّةِ
حرام ہو جاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے" بغیر تفصیل کے، اور اس لیے کہ حرمت اگرچہ اس شبہ بعضیت سے ہے

الثَّابِتَةِ بِنُشُوءِ الْعَظْمِ وَإِنْبَاتِ اللَّحْمِ لَكِنَّهُ أَمْرٌ مُبْطَنٌ فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِفِعْلِ الْإِرْضَاعِ . {۳} وَمَا رَوَاهُ
جو ثابت ہے ہڈی بڑھنے اور گوشت اُگانے سے، لیکن وہ امر مخفی ہے پس متعلق ہوگا حکم فعل ارضاع سے، اور جو حدیث انہوں نے روایت کی ہے

مَرْدُودٌ بِالْكِتَابِ أَوْ مَنْسُوخٌ بِهِ ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ لِمَا نُبَيِّنُ . {۴} ثُمَّ مُدَّةُ
وہ مردود ہے کتاب اللہ سے یا منسوخ ہے اس سے، اور چاہئے کہ ہو مدتِ رضاعت میں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کریں گے، پھر مدتِ

الرَّضَاعِ ثَلَاثُونَ شَهْرًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا سَنَتَانِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ . وَقَالَ زُفَرُ:
رضاعت تیس مہینے ہے امام صاحب کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین رحمہما اللہ نے دو سال ہے، اور یہی قول ہے امام شافعی کا، اور فرمایا امام زفر نے

ثَلَاثَةُ أَحْوَالٍ ، لِأَنَّ الْحَوْلَ حَسَنٌ لِلتَّحَوُّلِ مِنْ حَالٍ إِلَى حَالٍ ، وَلَا بُدَّ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَى الْحَوْلَيْنِ لِمَا

تین سال ہے؛ کیونکہ سال بہتر ہے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلنے کے لیے، اور ضروری ہے زیادتی دو سال پر اس دلیل کی وجہ سے

نُبَيِّنُ فَيُقَدَّرُ بِهِ ﴿٥﴾ وَلَهُمَا قَوْلُه تَعَالَى { وَحَمْلُهُ

جسے ہم بیان کریں گے پس اندازہ لگایا جائے گا ایک سال کے ساتھ، اور صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور حمل میں رہنا

وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا }وَمُدَّةُ الْحَمْلِ أَدْنَاهَا سِتَّةُ أَشْهُرٍ فَبَقِيَ لِلْفِصَالِ حَوْلَانِ

اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہے "اور مدتِ حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے، پس باقی رہے دودھ چھڑانے کے لیے دو سال،

وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ" {لَارَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ}" ﴿٦﴾ وَلَهُ هَذِهِ الْآيَةُ .وَوَجْهُهُ أَنَّهُ تَعَالَى

اور فرمایا حضور ﷺ نے "رضاعت نہیں دو سال کے بعد "اور امام صاحبؒ کی دلیل یہی آیت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے

ذَكَرَ شَيْئَيْنِ وَضَرَبَ لَهُمَا مُدَّةً فَكَانَتْ لِكُلٍّ وَاحِدٍمِنْهُمَا بِكَمَالِهَا كَالْأَجَلِ الْمَضْرُوبِ

ذکر فرمائی ہیں دو چیزیں، اور بیان کی ہے ان دونوں کے لیے ایک مدت پس ہو گی ہر ایک کے لیے ان دونوں میں سے پوری پوری جیسے بیان کی گئی

لِلدَّيْنَيْنِ ، إِلَّا أَنَّهُ قَامَ الْمُنَقِّصُ فِي أَحَدِهِمَا فَبَقِيَ فِي الثَّانِي عَلَى ظَاهِرِهِ ،﴿٧﴾ وَلِأَنَّهُ

مدت دو دَینوں کے لیے، مگر یہ ہے کہ قائم ہے کم کر دینے والی چیز ایک میں دونوں میں سے پس باقی رہی ثانی میں اپنے ظاہر پر، اور اس لیے

لَا بُدَّ مِنْ تَغَيُّرِ الْغِذَاءِ لِيَنْقَطِعَ الْإِنْبَاتُ بِاللَّبَنِ وَذَلِكَ بِزِيَادَةِ مُدَّةٍ يَتَعَوَّدُ الصَّبِيُّ فِيهَا غَيْرَهُ

کہ ضروری ہے تغیر غذاء تاکہ منقطع ہو جائے بڑھنا دودھ سے اور یہ ایسی مدت کی زیادتی سے ہو گی کہ عادی ہو جائے بچہ اس میں غیر کا

فَقُدِّرَتْ بِأَدْنَى مُدَّةِ الْحَمْلِ ؛ لِأَنَّهَا مُغَيِّرَةٌ ،فَإِنَّ غِذَاءَ الْجَنِينِ يُغَايِرُ غِذَاءَ الرَّضِيعِ كَمَا

پس اندازہ لگایا گیا ادنیٰ مدتِ حمل کے ساتھ؛ کیونکہ وہ بدلنے والی ہے، اس لیے کہ جنین کی غذا مغایر ہوتی ہے دودھ پیتے کی غذا سے جیسا کہ

يُغَايِرُ غِذَاءَ الْفَطِيمِ ،﴿٨﴾ وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى مُدَّةِ الِاسْتِحْقَاقِ،وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ النَّصُّ الْمُقَيِّدُ

اس کی غذا مغایر ہوتی ہے دودھ چھوڑے ہوئے کی غذا سے، اور حدیث محمول ہے مدتِ استحقاق پر اور اسی پر محمول کی گئی وہ نص جو مقید ہے

بِحَوْلَيْنِ فِي الْكِتَابِ.

حولین کے ساتھ کتاب میں۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حرمتِ رضاعت کے لیے مقدارِ دودھ میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 2 میں ایک سوال کا جواب، اور نمبر 3 میں امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر 4 تا 7 میں مدتِ رضاعت میں ائمہ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر 8 میں صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} احناف کے نزدیک بچہ خواہ دودھ کم پیئے یا زیادہ بشرطیکہ مدتِ رضاعت میں ہو تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جاتی ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم سے نہیں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ وَلَا الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ"[1] (یعنی ایک دو مرتبہ پینا یا ایک دو مرتبہ دودھ پلانا حرمت ثابت نہیں کرتا ہے)۔ ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ[2]) (اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے) اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ"[3] یعنی حرام ہو جاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے) اور مذکورہ بالا دونوں نصوص میں رضاعتِ قلیل و کثیر میں کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا ہے لہٰذا قلیل و کثیر ہر دو سے تحریم ثابت ہو جائیگی۔

{۲} سوال یہ ہے کہ رضاعت سے حرمت اس لیے ثابت ہوتی ہے کہ اس سے بچہ کے گوشت اور اس کی ہڈیوں میں اضافہ ہوتا ہے اس طرح ہڈی بڑھنے اور گوشت اُگانے سے بچہ کا دودھ پلانے والی کے ساتھ شبہہ جزئیت پیدا ہو جاتا ہے اور جزء سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، اس طرح دونوں میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے، جبکہ کم مقدار میں دودھ پینے سے گوشت اور ہڈی میں اضافہ نہیں ہوتا ہے اس لیے حرمت بھی ثابت نہیں ہونی چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ ہڈی کا بڑھنا اور گوشت کا اُگنا امر باطن ہے جس میں خفاء ہوتا ہے اس لیے اس کے ساتھ احکام متعلق نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا حرمت کا حکم اس کے سببِ ظاہر یعنی دودھ پلانے کے ساتھ متعلق ہوگا خواہ وہ کم مقدار میں ہو یا زیادہ ہو۔

{۳} اور جو حدیث امام شافعیؒ نے پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ مقدم ہے اور حدیث مؤخر ہے تو حدیث کتاب اللہ کی وجہ سے مردود ہوگی؛ کیونکہ آیتِ مبارکہ قوی ہے۔ اور اگر کتاب اللہ مؤخر اور حدیث مقدم ہے تو حدیث کتاب اللہ کی وجہ سے منسوخ ہوگی، اس لیے اس سے استدلال درست نہیں۔ اور ثبوتِ حرمت کے لیے مدتِ رضاعت میں دودھ پلانا ضروری ہے جیسا کہ اگلے مسئلے میں ہم بیان کریں گے۔

---

(1) علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں ابن حبانؒ کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي "صَحِيحِهِ" حَدِيثًا وَاحِدًا مِنْ رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ دِينَارٍ ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ، وَلَا الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ" (نصب الرایۃ:۳،ص:۲۱۷)

(2) النساء:۲۳۔

(3) مسلم شریف باب« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ »میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِى رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ ».(مسلم شریف:رقم:۳۶۴۲)

{۴}البتہ یہ شرط ہے کہ رضاعت مدتِ رضاعت میں ہو اور مدتِ رضاعت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس ماہ ہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو سال ہیں اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین سال ہیں۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک حال (دودھ پینے کا حال) سے دوسرے حال (دوسری غذا کی عادت ہو جانے کا حال) کی طرف منتقل ہونے کے لیے ایک سال کی مدت صالح اور حسن ہے؛ کیونکہ سال چاروں فصلوں پر مشتمل ہے، اور دو سالوں پر اضافہ ضروری ہے جیسا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل میں ہم بیان کریں گے، پس دو سالوں کے ساتھ ایک اور سال ملا کر کے مدتِ رضاعت کا اندازہ لگایا جائے گا جو کہ تین سال ہیں۔

{۵}صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا[1]) (اور حمل میں رہنا بچے کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینوں میں ہے) جس میں اللہ تعالیٰ نے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ بیان فرمائی ہے، اور ادنیٰ مدتِ حمل چھ ماہ ہیں لہذا دودھ چھڑانے کے لیے دو سال باقی رہے لہذا فصال کی مدت دو سال ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ[2]" (دو سال کے بعد رضاعت نہیں)، اور باری تعالیٰ کے ارشاد (وَّفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ[3]) (اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں) سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

{۶}امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل بھی سورۂ احقاف والی آیت مبارکہ ہے وجہِ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں (حمل اور فصال) ذکر فرما کر ان دونوں کیلئے ایک مدت (تیس ماہ) بیان کی ہے پس یہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کیلئے پوری پوری ہوگی نہ یہ کہ دونوں پر تقسیم کی جائیگی اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کا زید اور بکر پر قرضہ ہے۔ قرضخواہ نے ان دونوں سے کہا کہ میں نے تم کو ایک سال کی مہلت دی" تو یہ ایک سال کی مہلت دونوں میں سے ہر ایک کیلئے پوری ہوگی نہ یہ کہ دونوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کیلئے چھ ماہ کی مدت شمار کی جائے۔ البتہ مدتِ حمل کو کم کر دینے والی دلیل موجود ہے اور فصال کی کمی کی کوئی دلیل نہیں لہذا وہ اپنے ظاہر پر ہے، مدتِ حمل کو کم کرنے والی دلیل حضرت عائشہؓ کا قول ہے "اَلْوَلَدُ لَا يَبْقَى فِي بَطْنِ اُمِّهِ اَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ" (بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ باقی نہیں رہتا)، ظاہر ہے کہ اس طرح کا مضمون پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ مضمون پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس لئے حضرت عائشہؓ کا یہ قول مرفوع حدیث

([1]) الاحقاف:۱۵۔
([2]) رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ:ج۷،ص:۶۰،۴رقم:۱۵۶۶۳،ط دار الکتب العلمیۃ۔
([3]) لقمان:۱۴۔

کے درجہ میں ہے، اس لیے حمل کی مدت تیس ماہ کے بجائے دو سال ہو گئی، اور دوسری چیز یعنی دودھ چھڑانے کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد اپنے ظاہر پر باقی رہے گا اور وہ تیس ماہ ہیں، اس لیے ہم نے دودھ چھڑانے کی مدت کو تیس ماہ قرار دیا۔

{۷} اور عقلی دلیل یہ ہے کہ دودھ پینے والے بچے کے لیے غذا کو بدل دینا ضروری ہے تاکہ دودھ سے اس کی نشوونما منقطع ہو کر دوسری غذا سے شروع ہو جائے جس کے لیے اتنی مدت کا ہونا ضروری ہے جس میں بچہ دوسری غذا کا عادی ہو جائے، جس کے لیے امام صاحبؒ نے ادنیٰ مدتِ حمل (چھ ماہ) کو مقرر کیا ہے؛ کیونکہ یہ مدت (چھ ماہ) غذا کو بدل دیتی ہے اس لیے کہ جنین کی غذا چھ ماہ تک وہی ہے جو ماں کی غذا ہے اور جننے کے بعد اس کی غذا بدل کر دودھ ہو جاتی ہے، جیسا کہ دودھ پیتے کی غذا اور ہے اور دودھ چھڑائے ہوئے کی غذا اور ہے، لہٰذا چھ ماہ میں غذا بدلنے کی لیاقت ہے، پس دو سال پر چھ ماہ کا اضافہ کر کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ مقرر کی۔

{۸} اور صاحبینؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو سال کے بعد دودھ پلانے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ استحقاقِ اجرت کی نفی ہے یعنی اگر کسی بچے کی ماں کو اس کے باپ نے طلاق دی ہو اور وہ بچے کو اجرت پر دودھ پلا رہی ہو تو باپ سے اجرت لینے کا استحقاق دو سال تک رہے گا دو سال کے بعد وہ دودھ پلانے کی اجرت نہیں لے سکتی ہے۔ اور اسی استحقاقِ اجرت کی نفی پر وہ نص بھی محمول ہے جو حولین کی قید سے مقید ہے یعنی باری تعالیٰ کا ارشاد (وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ[۱]) (اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں۔ یہ (مدت) اس کے لیے ہے جو کوئی شیر خوار گی کی تکمیل کرنا چاہے) جس میں بھی (حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ) سے مراد دو سال کے بعد استحقاقِ اجرت کی نفی ہے؛ کیونکہ آگے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا) (پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑا لیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں) جس میں دو سال پر دودھ چھڑانے کو رضامندی پر معلق کر دیا ہے۔ تو اگر دو سال کے بعد دودھ پلانا حرام ہوتا تو دودھ چھڑانے کو ان کی رضامندی پر معلق نہ فرماتے، اس لیے ہم نے کہا کہ آیتِ مبارکہ میں دودھ پلانے کی ممانعت نہیں بلکہ استحقاقِ اجرت کی نفی ہے۔

فتویٰ:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے کما فی الشامیۃ: (قَوْلُهُ وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْعِبْرَةَ لِقُوَّةِ الدَّلِيلِ) قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَلَا يَخْفَى قُوَّةُ دَلِيلِهِمَا، فَإِنَّ قَوْله تَعَالَى {وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ} الْآيَةَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا رَضَاعَ بَعْدَ التَّمَامِ. وَأَمَّا قَوْله تَعَالَى {فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا} فَإِنَّ مَا هُوَ قَبْلَ الْحَوْلَيْنِ بِدَلِيلِ تَقْيِيدِهِ بِالتَّرَاضِي وَالتَّشَاوُرِ، وَبَعْدَهُمَا لَا يَحْتَاجُ إلَيْهِمَا. وَأَمَّا اسْتِدْلَالُ صَاحِبِ الْهِدَايَةِ لِلْإِمَامِ وقَوْله تَعَالَى{ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا} -بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُدَّةَ

(۱) البقرۃ: ۲۳۳۔

لِكُلٍّ مِنْهُمَا كَمَا مَرَّ، فَقَدْ رَجَعَ إِلَى الْحَقِّ فِي بَابِ ثُبُوتِ النَّسَبِ مِنْ أَنَّ الثَّلَاثِينَ لَهُمَا لِلْحَمْلِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَالْعَامَانِ لِلْفِصَالِ(ردّالمحتار:۲/۴۳۸)

{۱} قَالَ وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيمٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "{ لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ } " وَلِأَنَّ الْحُرْمَةَ بِاعْتِبَارِ النُّشُوءِ وَذَلِكَ فِي الْمُدَّةِ إِذْ الْكَبِيرُ لَا يَتَرَبَّى بِهِ ، {۲} وَلَا يُعْتَبَرُ الْفِطَامُ قَبْلَ الْمُدَّةِ إِلَّا فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا اسْتَغْنَى عَنْهُ وَوَجْهُهُ انْقِطَاعُ النُّشُوءِ بِتَغَيُّرِ الْغِذَاءِ {۳} وَهَلْ يُبَاحُ الْإِرْضَاعُ بَعْدَ الْمُدَّةِ ؟ فَقِيلَ لَا يُبَاحُ ؛ لِأَنَّ إبَاحَتَهُ ضَرُورَةٌ لِكَوْنِهِ جُزْءَ الْآدَمِيِّ . {۴} قَالَ وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ لِلْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَا إِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ لِأَنَّهَا تَكُونُ أُمَّهُ أَوْ مَوْطُوءَةَ أَبِيهِ ،بِخِلَافِ الرَّضَاعِ ، {۵} وَيَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنَ النَّسَبِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا وَطِئَ أُمَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ،وَلَمْ يُوجَدْ هَذَا الْمَعْنَى فِي الرَّضَاعِ {۶} وَامْرَأَةُ أَبِيهِ أَوِ امْرَأَةُ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا كَمَا لَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنَ النَّسَبِ لِمَا رَوَيْنَا ، {۷} وَذِكْرُ الْأَصْلَابِ فِي النَّصِّ لِإِسْقَاطِ اعْتِبَارِ التَّبَنِّي عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ .

{۸} وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيمُ،وَهُوَ أَنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هَذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلَى زَوْجِهَا وَعَلَى آبَائِهِ

فرمایا: اور جب گذر جائے مدتِ رضاعت تو متعلق نہ ہوگی رضاع کے ساتھ حرمت؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "رضاع نہیں دودھ چھڑانے کے بعد" اور اس لیے کہ حرمت نشو کے اعتبار سے ہے اور نشو مدتِ رضاعت میں ہوتا ہے کیونکہ بڑا بچہ پرورش نہیں پاتا دودھ سے، اور معتبر نہیں دودھ چھڑانا مدت سے پہلے، مگر ایک روایت میں امام صاحبؒ سے جب بچہ مستغنی ہو جائے دودھ سے، اور وجہ اس کی انقطاع پرورش ہے تغیر غذا سے، اور کیا مباح ہے دودھ پلانا مدت کے بعد؟ پس کہا گیا ہے کہ مباح نہیں؛ کیونکہ اس کی اباحت بنا بر ضرورت ہے اس لیے کہ یہ انسان کا جزء ہے۔ فرمایا: اور حرام ہو جاتے ہیں رضاعت سے وہ رشتے جو حرام ہوتے ہیں نسب سے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، مگر اپنے رضاعی بہن کی ماں؛ کیونکہ جائز ہے کہ نکاح کرے اس سے اور جائز نہیں کہ نکاح کرے نسبی بھائی کی ماں سے؛ کیونکہ وہ ہوگی اس کی ماں یا اس کے باپ کی موطوءہ، بخلاف رضاعت کے اور جائز ہے کہ نکاح کرے اپنے رضاعی بیٹے کی بہن سے، اور جائز نہیں یہ نسب سے؛ کیونکہ اس نے جب وطی کی اس کی ماں سے تو وہ حرام ہو گئی اس پر، اور نہیں پایا گیا یہ معنی رضاعت میں۔ اور رضاعی باپ کی بیوی اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے جائز نہیں کہ نکاح کرے اس سے جیسا کہ جائز نہیں یہ نسب میں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی۔ اور ذکر اصلاب کا نص میں متبنّی کے اعتبار کو ساقط کرنے کے لیے ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس کو۔

اور مرد کے دودھ کے ساتھ متعلق ہوتی ہے تحریم، اور وہ یہ کہ دودھ پلائے عورت بچی کو تو حرام ہو جائے گی یہ بچی اس کے زوج پر اور اس کے آباء پر

وَأَبْنَائِهِ وَيَصِيرُ الزَّوْجُ الَّذِي نَزَلَ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ أَبًا لِلْمُرْضَعَةِ {۹}وَفِي أَحَدِ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ : لَبَنُ الْفَحْلِ

اور اس کے ابناء پر اور ہو جائے گا وہ زوج جس سے اس کا دودھ اتر آیا ہے باپ مرضعہ کا اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک یہ کہ مرد کا دودھ

لَا يُحَرِّمُ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِيَّةِ وَاللَّبَنُ بَعْضُهَا لَا بَعْضُهُ .{۱۰}وَلَنَا مَا

حرمت نہیں لاتا؛ کیونکہ حرمت شبہ بعضیت کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے نہ کہ مرد کا، اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے

رَوَيْنَا، وَالْحُرْمَةُ بِالنَّسَبِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَكَذَا بِالرَّضَاعِ .وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا:

جو ہم نے روایت کی، اور حرمت نسب میں جانبین سے ہوتی ہے، پس اسی طرح رضاعت سے بھی، اور فرمایا حضور نے حضرت عائشہؓ سے

{ لِيَلِجْ عَلَيْكِ أَفْلَحُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعَةِ } " وَلِأَنَّهُ سَبَبٌ لِنُزُولِ اللَّبَنِ مِنْهَا فَيُضَافُ

"آیا کرے تیرے پاس افلح کیونکہ وہ چچا ہے تیرا رضاعی" اور اس لیے کہ مرد سبب ہے دودھ کے نزول کا مرضعہ سے پس منسوب کیا جائے گا

إِلَيْهِ فِي مَوْضِعِ الْحُرْمَةِ احْتِيَاطًا{۱۱} وَيَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِأُخْتِ أَخِيهِ مِنَ الرَّضَاعِ؛ لِأَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ

مرد کی طرف حرمت کی جگہ میں احتیاطاً۔ اور جائز ہے کہ نکاح کرے مرد اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے؛ کیونکہ جائز ہے کہ نکاح کرے

بِأُخْتِ أَخِيهِ مِنَ النَّسَبِ وَذَلِكَ مِثْلُ الْأَخِ مِنَ الْأَبِ إِذَا كَانَتْ لَهُ أُخْتٌ مِنْ أُمِّهِ جَازَ لِأَخِيهِ مِنْ أَبِيهِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا.

اپنے نسبی بھائی کی بہن سے اور یہ جیسے علاتی بھائی جب ہو اس کے لیے اخیافی بہن تو جائز ہے اس کے علاتی بھائی کے لیے کہ نکاح کرے اس سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر۲ میں مدتِ رضاعت سے پہلے دودھ چھڑانے کے بارے میں امام صاحبؒ سے مروی دو روایتوں کو ذکر کیا ہے، اور نمبر۳ میں مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے کی حرمت اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۴و۵ میں رضاعی محرمات کا تذکرہ کیا ہے اور استثنائی دو صورتیں دلائل سمیت ذکر کی ہیں۔ اور نمبر۶ میں رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی سے نکاح کی حرمت اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر۷ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے، اور نمبر۸و۹و۱۰ میں مرد کے دودھ سے حرمت کے تعلق میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۱۱ میں رضاعی بھائی کی بہن سے جوازِ نکاح اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} مدتِ رضاعت (علی اختلاف القولین) گذر جانے کے بعد اگر بچہ کو دودھ پلایا تو اس کے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی یعنی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ"[1] (دودھ چھڑانے

(1) رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ:۷، ص۵۲٤، رقم :۱٤۸۸۱، ط دار الكتب العلمية.

کے بعد رضاعت نہیں) اور عقلی دلیل یہ ہے کہ دودھ پلانے سے بچہ کی نشوونما ہوتی ہے اس لیے اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور نشوونما مدتِ رضاعت کے اندر ہی ہوتی ہے اس کے بعد نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ بڑا بچہ دودھ سے پرورش نہیں پاتا ہے بلکہ دیگر غذاؤں سے پرورش پاتا ہے اس لیے یہ اگر کسی عورت کا دودھ پیے گا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

{۲} صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت سے پہلے بچے کا دودھ چھڑانا معتبر نہیں یعنی مدتِ رضاعت پوری ہونے سے پہلے اگر بچے کا دودھ چھڑایا پھر مدت کے اندر کسی عورت نے اس بچے کو دودھ پلایا، تو حرمت ثابت ہو جائے گی، البتہ امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیادؒ کی روایت ہے کہ اگر مدتِ رضاعت پوری ہونے سے پہلے بچے کا دودھ چھڑایا اور بچہ دیگر غذاؤں کی وجہ سے دودھ سے بالکل مستغنی ہوا تو اب اگر مدت پوری ہونے سے پہلے کسی عورت نے اس کو دودھ پلایا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی؛ کیونکہ حرمت تو نشوونما پانے کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے، اور مذکورہ صورت میں دودھ پینے سے پرورش پانا غذا بدلنے کی وجہ سے منقطع ہوگیا ہے اس لیے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ فتویٰ قولِ اول پر ہے لما فی فتح القدیر: وَفِي وَاقِعَاتِ النَّاطِفِيِّ اَلْفَتْوَى عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، أَنَّهَا تَثْبُتُ مَا لَمْ تَمْضِ إِقَامَةً لِلْمَظِنَّةِ مَقَامَ الْمَئِنَّةِ ، فَإِنَّ مَا قَبْلَ الْمُدَّةِ مَظِنَّةُ عَدَمِ الِاسْتِغْنَاءِ (فتح القدیر: ۳/۳۱۰)

{۳} سوال یہ ہے کہ مدتِ رضاعت گذرنے کے بعد دودھ پلانا مباح ہے یا نہیں؟ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کہا گیا ہے کہ مباح نہیں ہے؛ کیونکہ انسان کے دودھ سے فائدہ اٹھانا ضرورت کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے اس لیے کہ دودھ انسان کا جزء ہے اور انسان کے جزء سے بلاضرورت فائدہ اٹھانا حرام ہے اور مدتِ رضاعت گذرنے کے بعد بچے کی غذا دودھ کے علاوہ دیگر چیزیں ہوتی ہیں اس لیے ضرورت نہیں لہٰذا دودھ پلانا حرام ہے لما فی الدرالمختار: (وَلَمْ يُبَحِ الْإِرْضَاعُ بَعْدَ مُدَّتِهِ) لِأَنَّهُ جُزْءُ آدَمِيٍّ وَالِانْتِفَاعُ بِهِ لِغَيْرِ ضَرُورَةٍ حَرَامٌ عَلَى الصَّحِيحِ شَرْحُ الْوَهْبَانِيَّةِ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۲/۴۳۸)

{۴} رضاعت کی وجہ سے وہ تمام عورتیں حرام ہوتی ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں؛ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے یعنی حضور ﷺ کا ارشاد "يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ"[1] (یعنی حرام ہو جاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے)۔ البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ رضاعی بہن اور بھائی کی نسبی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے اس کی صورت یہ ہوگی کہ زید اور ساجدہ نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا مگر زید نے ساجدہ کی نسبی ماں کا دودھ نہیں پیا تو زید کیلئے اس کی رضاعی بہن ساجدہ کی نسبی ماں حلال ہے۔ مگر نسبی بہن اور بھائی کی نسبی ماں سے نکاح جائز نہیں

(۱) حوالہ گذر چکا ہے۔

کیونکہ نسبی بہن اور بھائی کی نسبی ماں یا تو اس کی بھی ماں ہوگی اگر دونوں حقیقی بھائی بہن ہوں اور یا اس کے باپ کی موطوءہ ہوگی اگر دونوں کا باپ ایک اور ماں الگ الگ ہوں، ان دونوں (ماں، اور باپ کی موطوءہ) کے ساتھ نکاح جائز نہیں، جبکہ رضاعی بہن اور بھائی کی نسبی ماں نہ تو اس کی ماں ہے اور نہ اس کے باپ کی موطوءہ ہے۔

{۵} استثناء کی دوسری صورت یہ ہے کہ رضاعی بیٹے کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے مثلاً زید نے بکر کی بیوی کا دودھ پیا، تو زید کی نسبی بہن کے ساتھ بکر کا نکاح جائز ہے، مگر نسبی بیٹے کی بہن کے ساتھ نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ نسبی بیٹے کی بہن اگر اسی (باپ) کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں بلکہ اس کے بیٹے کی صرف ماں شریک بہن ہے تو یہ ربیبہ ہوگی اور ان دونوں (بیٹی اور ربیبہ اگر اس کی ماں کے ساتھ دخول کیا ہو) کے ساتھ نکاح جائز نہیں، جبکہ رضاعی بیٹے کی بہن کے ساتھ یہ دونوں رشتے (بیٹی ہونا یا ربیبہ ہونا) نہیں ہیں اس لیے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

فائدہ: مثالی دو صورتوں کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں۔ نمبر ۱: نسبی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے مثلاً زید کی حقیقی بہن کو کسی اجنبی عورت نے دودھ پلایا تو زید کا اس اجنبی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ نمبر ۲: رضاعی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے مثلاً حمیدہ نے دو عورتوں کا دودھ پیا، زید نے بھی ان دونوں میں سے ایک کا دودھ پیا تو ان دو میں سے دوسری عورت (جس کا زید نے دودھ نہیں پیا ہے) کے ساتھ زید کا نکاح کرنا جائز ہے۔ نمبر ۳: نسبی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے مثلاً زید کا بیٹا بکر ہے، بکر اور حمیدہ نے کسی اجنبی عورت کا دودھ پیا تو زید کے لئے اپنے نسبی بیٹے بکر کی رضاعی بہن حمیدہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ نمبر ۴: نسبی پوتے کی رضاعی ماں مثلاً زید کا بیٹا محمود ہے اور محمود کا بیٹا خالد ہے اور خالد کو ایک اجنبی عورت کریمہ نے دودھ پلایا ہے تو زید کو کریمہ کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے۔ نمبر ۵: رضاعی پوتے کی نسبی ماں مثلاً زید کا بیٹا محمود ہے اور محمود کی زوجہ نے بکر کو دودھ پلایا ہے تو بکر زید کا رضاعی پوتا ہوا تو زید کو بکر کی نسبی ماں سے نکاح کرنا حلال ہے۔ نمبر ۶: رضاعی پوتے کی رضاعی ماں مثلاً بکر کو زوجۂ محمود کے سوا حلیمہ نے دودھ پلایا تو زید کے لئے حلیمہ حلال ہے۔ نمبر ۷: نسبی لڑکے کی رضاعی نانی مثلاً زید کے بیٹے عبداللہ کو حمیدہ نے دودھ پلایا تو حمیدہ کی ماں جو عبداللہ کی رضاعی نانی ہوئی زید کے لئے حلال ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری صورتیں ہیں جن کی تفصیل "معدن الحقائق" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

{۶} رضاعی باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں جیسا کہ نسبی باپ اور بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ" (یعنی حرام ہوجاتا ہے رضاعت سے جو حرام

ہو جاتا ہے نسب سے) لہٰذا جس طرح کہ نسبی باپ اور بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح جائز نہ ہوگا۔

{۷}سوال یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے ارشاد (وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ) (اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں) سے مفہوم ہوتا ہے کہ صرف اس بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے جو تمہاری پشت سے ہو، جبکہ اوپر کہا کہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے؟ جواب یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ میں اصلاب (پشت سے ہونے) کا ذکر متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کی بیوی کے اعتبار کو ساقط کرنے کے لیے ہے مطلب یہ کہ نسبی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں البتہ متبنیٰ کی بیوی سے جائز ہے، یہ مطلب نہیں کہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہے؛ کیونکہ اس کی حرمت تو مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ محرمات کے بیان کے وقت ہم اسے ذکر کر چکے ہیں۔

{۸}اور مرد کے دودھ کے ساتھ تحریم متعلق ہوتی ہے، مرد کے دودھ کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کسی بچی کو دودھ پلائے تو دودھ پلانے والی عورت کا زوج، زوج کے آباء اور اس کے ابناء اس بچی پر حرام ہو جاتے ہیں؛ کیونکہ جس زوج سے مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا دودھ اتر آیا ہے وہ مرضعہ (جس کو دودھ پلایا گیا) کا باپ ہو جائیگا اس لیے مرضعہ سے اس کا نکاح جائز نہیں، اسی طرح اس کا (یعنی زوج المرضعہ کا) باپ مرضعہ کا دادا اور اس کا بیٹا مرضعہ کا بھائی ہے اس لیے ان سب سے مرضعہ کا نکاح جائز نہیں۔

{۹}امام شافعیؒ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ مرد کا دودھ حرمت پیدا نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ دودھ پلانے سے حرمت کی وجہ بچے کی پرورش اور نشو و نما ہے جس کی وجہ سے بچہ اور دودھ پلانے والی میں بعضیت اور جزئیت کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ بعضیت کا شبہ ماں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے نہ کہ اس کے شوہر کے ساتھ؛ کیونکہ دودھ ماں کا جزء ہے نہ کہ اس کے شوہر کا، اس لیے مرضعہ کے شوہر سے اس کا نکاح حرام نہ ہوگا۔

فائدہ: "الَّذِي نَزَلَ لَهَامِنْهُ اللَّبَنُ" سے احتراز ہے اس زوج سے جس سے عورت کا دودھ نہ اتر آیا ہو مثلاً کسی شخص نے ایک ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جس کا سابقہ زوج سے دودھ اتر آیا ہو اب اس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو اس بچے کا رضاعی باپ عورت کا فی الحال موجود زوج نہ ہوگا بلکہ سابقہ زوج ہوگا۔

---

(۱) النساء:۲۳۔

{۱۰} ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم روایت کرچکے یعنی حضور ﷺ کا ارشاد "يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ" (یعنی حرام ہو جاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے) اور نسب کی وجہ سے حرمت مرد اور عورت دونوں کی جانب سے ثابت ہوتی ہے، پس رضاعت کی وجہ سے بھی دونوں جانب سے حرمت ثابت ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ابو قعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا پھر ابو قعیس کے بھائی افلح کے بارے میں حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا "لِيَلِجْ عَلَيْكِ أَفْلَحُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعَةِ[1]" (افلح تیرے پاس بغیر پردہ کے آیا کرے کیونکہ وہ تیرا رضاعی چچا ہے) جس میں رضاعی چچا کے ساتھ حرمت ثابت کی ہے تو رضاعی باپ کے ساتھ بطریقۂ اولیٰ ثابت ہوگی۔ پوری حدیث علامہ ابن الہمامؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے {أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ اسْتَأْذَنَ عَلَيَّ بَعْدَ مَا نَزَلَ الْحِجَابُ وَقُلْتُ: وَاللَّهِ لَا آذَنُ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَإِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي امْرَأَةُ أَبِي الْقُعَيْسِ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَلَكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَتُهُ، فَقَالَ: ائْذَنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ تَرِبَتْ يَدَاكِ} (فتح القدير: ۳/۳۱۴)

عقلی دلیل یہ ہے کہ شوہر عورت سے دودھ اتر آنے کا سبب ہے لہٰذا احتیاطاً حرمت کے موقع پر دودھ شوہر کی طرف بھی منسوب ہوگا، اس لیے بیوی کا دودھ شوہر کا دودھ قرار دے کر شوہر کے ساتھ بھی حرمت کو ثابت کیا۔

{۱۱} اور اپنے رضاعی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ اپنے نسبی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے تو رضاعی بھائی کی بہن سے بھی جائز ہوگا مثلاً زید کی دو بیویاں کلثوم اور سلیمہ ہیں اور ہر ایک کا ایک بیٹا ہے پہلی کا بکر اور دوسری کا خالد ہے پس بکر اور خالد باپ شریک بھائی ہیں، اور کلثوم کی سابقہ خاوند سے ایک لڑکی زینب بھی ہے تو سلیمہ کے بیٹے خالد کا نکاح اس کے بھائی (بکر) کی اس بہن یعنی زینب سے جائز ہے؛ کیونکہ ان دونوں میں کوئی قرابت نہیں ہے۔ اور یہ مثال دونوں صورتوں کے لئے مثال ہو سکتی ہے اس لئے کہ کلثوم کا بیٹا اگر اس کا حقیقی بیٹا ہے تو یہ لڑکی خالد کے نسبی بھائی کی بہن ہے اور اگر رضاعی بیٹا ہے تو وہ رضاعی بھائی کی بہن ہے۔

---

[1] علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الْأَئِمَّةُ السِّتَّةُ فِي "كُتُبِهِمْ" عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ أَفْلَحُ بْنُ أَبِي الْقُعَيْسِ فَاسْتَتَرْتُ مِنْهُ، فَقَالَ: تَسْتَتِرِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمُّكِ؟، قَالَتْ: قُلْتُ: مِنْ أَيْنَ؟ قَالَ: أَرْضَعَتْكِ امْرَأَةُ أَخِي، قَالَتْ: إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ، وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: إِنَّهُ عَمُّكِ، فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ. (نصب الراية: ۳، ص: ۲۲۰)

{۱} وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلَى ثَدْيٍ وَاحِدَةٍ لَمْ يَجُزْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْأُخْرَى هَذَا هُوَ الْأَصْلُ؛ لِأَنَّ

اور ہر دو بچے جب جمع ہو جائیں ایک عورت کے پستان پر تو جائز نہیں ایک کے لیے کہ نکاح کرے دوسری سے، یہی اصل ہے، کیونکہ

أُمَّهُمَا وَاحِدَةٌ فَهُمَا أَخٌ وَأُخْتٌ. وَلَا يَتَزَوَّجُ الْمُرْضَعَةَ أَحَدٌ مِنْ وَلَدِ الَّتِي أَرْضَعَتْ

ان دونوں کی ماں ایک ہے پس وہ دونوں بھائی بہن ہوں گے۔ اور نکاح نہ کرے مرضعہ سے کوئی ایک اس عورت کے بچوں میں سے جس نے دودھ پلایا ہے

لِأَنَّهُ أَخُوهَا وَلَا وَلَدُ وَلَدِهَا؛ لِأَنَّهُ وَلَدُ أَخِيهَا. وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ

کیونکہ وہ اس کا بھائی ہے، اور نہ اس کے بیٹے کے بیٹے سے؛ کیونکہ وہ اس کا بھتیجا ہے، اور نہ نکاح کرے دودھ پلایا گیا بچہ

أُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ؛ لِأَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ. {۲} وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ

دودھ پلانے والی کے شوہر کی بہن سے؛ کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔ اور جب مل جائے دودھ پانی کے ساتھ اور دودھ ہی غالب ہو

تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ غَلَبَ الْمَاءُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ هُوَ يَقُولُ: إِنَّهُ

تو متعلق ہوگی اس کے ساتھ تحریم اور اگر غالب ہو پانی تو متعلق نہ ہوگی اس کے ساتھ تحریم، اختلاف ہے امام شافعیؒ کا وہ فرماتے ہیں کہ دودھ

مَوْجُودٌ فِيهِ حَقِيقَةً، {۳} وَنَحْنُ نَقُولُ الْمَغْلُوبُ غَيْرُ مَوْجُودٍ حُكْمًا حَتَّى لَا يَظْهَرَ فِي مُقَابَلَةِ الْغَالِبِ كَمَا فِي الْيَمِينِ

موجود ہے اس میں حقیقۃً، اور ہم کہتے ہیں کہ مغلوب غیر موجود ہے حکماً حتی کہ ظاہر نہیں ہوتا ہے غالب کے مقابلے میں جیسا کہ یمین میں۔

{۴} وَإِنِ اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا:

اور اگر مخلوط ہوا طعام کے ساتھ تو متعلق نہ ہوگی اسکے ساتھ تحریم، اگرچہ دودھ غالب ہو امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین رحمہما اللہ نے کہ

إِذَا كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيمُ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَوْلُهُمَا فِيمَا إِذَا لَمْ تَمَسَّهُ

جب دودھ غالب ہو تو متعلق ہوگی اس کے ساتھ تحریم۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کا قول اس صورت میں ہے کہ جب نہ پہنچی ہو اس کو

النَّارُ، حَتَّى لَوْ طَبَخَ بِهَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيمُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا. لَهُمَا أَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْغَالِبِ كَمَا فِي الْمَاءِ

اس کو آگ حتی کہ اگر پکالیا اس سے تو متعلق نہ ہوگی اس کے ساتھ تحریم بالاتفاق؛ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتبار غالب کو ہے جیسا کہ پانی میں

إِذَا لَمْ يُغَيِّرْهُ شَيْءٌ عَنْ حَالِهِ. {۵} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الطَّعَامَ أَصْلٌ وَاللَّبَنُ تَابِعٌ لَهُ فِي حَقِّ الْمَقْصُودِ

جب متغیر نہ کرے اس کو کوئی چیز اپنے حال سے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ طعام اصل ہے اور دودھ تابع ہے اس کا مقصود کے حق میں

فَصَارَ كَالْمَغْلُوبِ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِتَقَاطُرِ اللَّبَنِ مِنَ الطَّعَامِ عِنْدَهُ هُوَ الصَّحِيحُ؛ لِأَنَّ التَّغَذِّيَ

پس ہو گیا مغلوب کی طرح، اور اعتبار نہیں دودھ کے ٹپکنے کا طعام سے امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہی صحیح ہے؛ کیونکہ غذا کا حصول

بِالطَّعَامِ إِذْ هُوَ الْأَصْلُ. {۶} وَإِنِ اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ؛ لِأَنَّ

طعام سے ہوتا ہے اس لیے کہ وہی اصل ہے۔اور اگر مخلوط ہو ادواء کے ساتھ اور دودھ غالب ہو تو متعلق ہوگی اس کے ساتھ تحریم؛ کیونکہ

اللَّبَنَ يَبْقَى مَقْصُودًا فِيهِ ، إِذِ الدَّوَاءُ لِتَقْوِيَتِهِ عَلَى الْوُصُولِ ،{۷}وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِلَبَنِ الشَّاةِ

دودھ مقصود رہتا ہے اس خلط میں اس لیے کہ دواء تو دودھ پہنچانے میں تقویت کے لیے ہے۔اور جب مل جائے دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ

وَهُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ اعْتِبَارًا

اور وہی غالب ہو، تو متعلق ہوگی اس کے ساتھ تحریم اور اگر غالب ہو بکری کا دودھ تو متعلق نہ ہوگی اس کے ساتھ تحریم؛ اعتبار کرتے ہوئے

لِلْغَالِبِ كَمَا فِي الْمَاءِ.{۸} وَإِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَأَتَيْنِ تَعَلَّقَ التَّحْرِيمُ بِأَغْلَبِهِمَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ

غالب کا جیسا کہ پانی میں۔اور جب مل جائے دودھ دو عورتوں کا تو متعلق ہوگی تحریم دونوں میں سے غالب کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

؛ لِأَنَّ الْكُلَّ صَارَ شَيْئًا وَاحِدًا فَيُجْعَلُ الْأَقَلُّ تَابِعًا لِلْأَكْثَرِ فِي بِنَاءِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ

؛ کیونکہ کل مل کر ہو گیا ایک چیز پس قرار دیا جائے گا اقل تابع اکثر کا حکم کے مبنی ہونے میں اس پر۔اور فرمایا امام محمدؒ اور امام زفر رحمہما اللہ نے کہ

يَتَعَلَّقُ التَّحْرِيمُ بِهِمَا؛ لِأَنَّ الْجِنْسَ لَا يَغْلِبُ الْجِنْسَ فَإِنَّ الشَّيْءَ لَا يَصِيرُ مُسْتَهْلَكًا فِي جِنْسِهِ

متعلق ہوگی تحریم دونوں کے ساتھ؛ کیونکہ جنس غالب نہیں ہوتی اپنی جنس پر کیونکہ شی نہیں ہوتی ہے معدوم اپنی جنس میں مل کر

لِاتِّحَادِ الْمَقْصُودِ.{۹}وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي هَذَا رِوَايَتَانِ،وَأَصْلُ الْمَسْأَلَةِ فِي الْأَيْمَانِ.{۱۰} وَإِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ

اتحاد مقصود کی وجہ سے،اور امام صاحبؒ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں اور اصل مسئلہ ایمان میں ہے۔اور جب اتر آئے باکرہ کا دودھ

فَأَرْضَعَتْ صَبِيًّا تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ لِإِطْلَاقِ النَّصِّ وَلِأَنَّهُ سَبَبُ النُّشُوءِ فَتَثْبُتُ بِهِ شُبْهَةُ

پس اس نے پلا دیا بچے کو تو متعلق ہوگی تحریم؛ اطلاق نص کی وجہ سے اور اس لیے کہ دودھ سبب ہے پرورش کا پس ثابت ہوگی اس سے شبہ

الْبَعْضِيَّةِ . {۱۱} وَإِذَا حَلَبَ لَبَنَ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَوْجَرَ الصَّبِيَّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ خِلَافًا

بعضیت کا۔اور جب نکالے عورت کا دودھ اس کے مرنے کے بعد پھر پلائے بچے کو تو متعلق ہوگی اس کے ساتھ تحریم اختلاف ہے

لِلشَّافِعِيِّ ، هُوَ يَقُولُ : الْأَصْلُ فِي ثُبُوتِ الْحُرْمَةِ إِنَّمَا هُوَ الْمَرْأَةُ ثُمَّ تَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهَا بِوَاسِطَتِهَا

امام شافعی رحمہ اللہ کا وہ فرماتے ہیں کہ اصل ثبوتِ حرمت میں عورت ہی ہے پھر متعدی ہوتی ہے اس کے غیر کی طرف اس کے واسطے سے،

وَبِالْمَوْتِ لَمْ تَبْقَ مَحَلًّا لَهَا ، وَلِهَذَا لَا يُوجِبُ وَطْؤُهَا حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ . {۱۲}وَلَنَا أَنَّ

اور موت کی وجہ سے وہ نہ رہی محل حرمت کی، اسی وجہ سے واجب نہیں کرتا ہے اس سے وطی کرنا حرمتِ مصاہرت کو۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ

السَّبَبَ هُوَ شُبْهَةُ الْجُزْئِيَّةِ وَذَلِكَ فِي اللَّبَنِ لِمَعْنَى الْإِنْشَازِ وَالْإِنْبَاتِ وَهُوَ قَائِمٌ بِاللَّبَنِ،{۱۳}وَهَذِهِ الْحُرْمَةُ

سبب شبہ جزئیت ہے اور یہ بات دودھ میں گوشت بڑھانے اور ہڈی اگانے کے حوالے سے موجود اور دودھ میں قائم ہے، اور یہ حرمت

تَظْهَرُ فِي حَقِّ الْمَيِّتَةِ دَفْنًا وَتَيَمُّمًا . أَمَّا الْحُرْمَةُ فِي الْوَطْءِ لِكَوْنِهِ مُلَاقِيًا
ظاہر ہوگی مری ہوئی عورت کے حق میں دفن اور تیمم کے اعتبار سے۔ بہر حال حرمت وطی میں اس وجہ سے ہے کہ وہ ملاقی ہے

لِمَحَلِّ الْحَرْثِ وَقَدْ زَالَ بِالْمَوْتِ فَافْتَرَقَا . {۱۴} وَإِذَا احْتُقِنَ الصَّبِيُّ بِاللَّبَنِ لَمْ يَتَعَلَّقْ
محل حرث کے ساتھ اور وہ زائل ہو گیا موت کی وجہ سے، پس دونوں میں فرق ہو گیا۔اور جب حقنہ کرایا گیا بچہ کو دودھ سے تو متعلق نہ ہوگی

بِهِ التَّحْرِيمُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ تَثْبُتُ بِهِ الْحُرْمَةُ كَمَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ . وَوَجْهُ الْفَرْقِ
اس کے ساتھ تحریم۔اور امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ثابت ہوتی ہے اس سے حرمت جیسا کہ فاسد ہوتا ہے اس سے روزہ، اور وجہ فرق

عَلَى الظَّاهِرِ أَنَّ الْمُفْسِدَ فِي الصَّوْمِ إِصْلَاحُ الْبَدَنِ وَيُوجَدُ ذَلِكَ فِي الدَّوَاءِ. فَأَمَّا الْمُحَرِّمُ فِي الرَّضَاعِ
ظاہر روایت کے مطابق یہ ہے کہ مفسد صوم میں اصلاح بدن ہے اور پائی جاتی ہے یہ دواء میں، بہر حال حرام کرنے والی چیز رضاع میں

فَمَعْنَى النُّشُوءِ وَلَا يُوجَدُ ذَلِكَ فِي الِاحْتِقَانِ ؛ لِأَنَّ الْمُغَذِّيَ وُصُولُهُ مِنَ الْأَعْلَى .
تو وہ پرورش کا معنی ہے اور نہیں پایا جاتا ہے یہ احتقان میں؛ کیونکہ غذا دینے والی چیز تو وہ ہے جس کا پہنچنا اوپر سے ہو۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ایک عورت کے پستان پر جمع ہونے والے دو بچوں کا حکم، اور دودھ میں پانی ملا کر پلانے کی دو صورتوں کا حکم، اور امام شافعیؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۴و۵ میں کھانے میں مخلوط دودھ پلانے کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۶ میں دواء میں ملے ہوئے دودھ پلانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۷ میں بکری کا دودھ عورت کے دودھ کے ساتھ ملانے کا حکم بیان کیا ہے، اور نمبر ۸و۹ میں دو عورتوں کا دودھ ملا کر پلانے کے حکم میں ائمہ کا اقوال ذکر کئے ہیں۔اور نمبر ۱۰ میں باکرہ عورت کا دودھ پلانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۱۱ تا ۱۳ میں مردہ عورت کا دودھ پلانے کا حکم، اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔اور نمبر ۱۴ میں حقنہ کے ذریعہ دودھ چڑھانے کا حکم، اور امام محمدؒ کا اختلاف، اور ظاہر الروایت کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} ہر وہ دو بچے جو ایک عورت کے پستان پر جمع ہو جائیں یعنی دونوں ایک عورت کا دودھ مدتِ رضاعت میں پئے اگرچہ دونوں کا زمانہ رضاعت ایک نہ ہو تو ان دونوں میں سے ایک کیلئے دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہوگا، بابِ حرمت میں یہ کلی ضابطہ ہے؛ کیونکہ ان دونوں کی ماں ایک ہے لہٰذا یہ آپس میں بہن بھائی ہیں اس لیے ان میں نکاح جائز نہیں۔اور مرضَع (جس کو دودھ پلایا گیا) مرضِعہ (دودھ پلانے والی) کے لڑکوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی اگرچہ مرضِعہ کے لڑکوں نے اپنی ماں کا دودھ نہ پیا ہو؛ کیونکہ مرضِعہ کے لڑکے ہر حال میں اسکے رضاعی بھائی ہیں۔اسی طرح مرضِعہ کے پوتے کے ساتھ بھی مرضَعہ نکاح نہیں کر سکتی؛

کیونکہ وہ اسکے رضاعی بھائی کا بیٹا ہے۔اور مرضَع (جس بچے کو دودھ پلایا گیا ہو) مرضِعہ کے شوہر کی بہن سے بھی نکاح نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے اور پھوپھی سے نکاح جائز نہیں۔

{۲}اگر دودھ پانی میں مل گیا اور دودھ غالب ہو پانی مغلوب ہو پھر کسی بچے نے اس کو پی لیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی؛ کیونکہ دودھ کے غالب ہونے کی وجہ سے دودھ سے بچے کے گوشت اور ہڈیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور باب رضاعت میں یہی معتبر ہے "قال صلی اللہ علیہ وسلم اَلرَّضَاعُ مَا أَنْبَتَ اللَّحْمَ وَأَنْشَزَ الْعَظْمَ [۱]"۔اور اگر پانی غالب ہو اور دودھ مغلوب ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی ۔امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اگر پانچ مرتبہ پلانے کی مقدار دودھ پانی میں موجود ہو اگرچہ پانی غالب اور دودھ مغلوب ہو تب بھی اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے؛ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں دودھ حساً اور حقیقتاً موجود ہے لہذا دودھ کا پینا معتبر ہوگا؛ کیونکہ محسوس چیز کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

{۳}ہماری دلیل یہ ہے کہ مغلوب حکماً غیر موجود شمار ہوتا ہے؛ کیونکہ اس کی قوت ختم ہو جاتی ہے جس سے اب ہڈی اور گوشت پیدا نہیں ہوتا پس یہ غالب کے مقابلے میں ظاہر نہ ہوگا جیسا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ "واللہ دودھ نہیں پیوں گا" پھر اس نے پانی میں ملا ہوا مغلوب دودھ پیا تو یہ ایسا ہے گویا اس نے دودھ پیا ہی نہیں ہے اس لیئے یہ شخص حانث نہ ہوگا، اسی طرح اس صورت میں اس سے حرمت بھی ثابت نہ ہوگی۔

{۴}اگر دودھ کھانے میں مخلوط ہو گیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اگرچہ دودھ غالب ہو۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہو جائیگی۔صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا یہ اختلاف ایسے دودھ میں ہے جو آگ پر پکایا نہ گیا ہو ورنہ بالاتفاق اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہے جیسا کہ پانی میں دودھ مل جانے کی صورت میں اعتبار غالب کا ہوتا ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ دودھ کو اپنی حالت سے کسی شی نے متغیر نہ کیا ہو۔

{۵}امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقصود یعنی غذا حاصل کرنے میں کھانا اصل ہے اور دودھ حصولِ مقصود میں اس کا تابع ہے لہذا حصولِ مقصود (یعنی غذا حاصل کرنے) میں دودھ گویا مغلوب ہو گیا اگرچہ حقیقت میں غالب تھا، مگر مقصود میں مغلوب ہونے کا اعتبار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی۔اور امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ لقمہ اٹھاتے وقت اگر دودھ

---

[۱] رواه ابوداؤدعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ. فَقَالَ أَبُو مُوسَى لَا تَسْأَلُونَا وَهَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ. وفي روايةعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- بِمَعْنَاهُ وَقَالَ أَنْشَزَ الْعَظْمَ.(ابوداؤد:۱،ص۲۹۷،رقم:۲۰۵۹ط مکتبه رحمانیةلاهور)

کے قطرے ٹپکتے ہوں تب بھی اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی؛ کیونکہ کھانا شروع کرنے کے بعد بچہ غذا کھانے سے حاصل کرتا ہے دودھ اس کا تابع ہوتا ہے اور اس باب میں حصولِ غذا ہی اصل ہے یعنی حکم کا تعلق غذا ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔صاحب ہدایہؒ نے "ھُوَ الصَّحِيحُ" کہہ کر بعض حضرات کے قول سے احتراز کیا جو اس صورت میں ثبوتِ حرمت کے قائل ہیں۔

فتویٰ:۔ مختلف فیہ مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے لمافی الشامیۃ:(قَوْلُهُ مُطْلَقًا) أَيْ سَوَاءٌ كَانَ غَالِبًا أَوْ مَغْلُوبًا عِنْدَ الْإِمَامِ............ عَنْ مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ عَنِ الْخَانِيَةِ أَنَّهُ قِيلَ : إنَّهُ لَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِكُلِّ حَالٍ ، وَإِلَيْهِ مَالَ السَّرَخْسِيُّ وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا مَرَّ فِي أَكْثَرِ الْكُتُبِ .(ردّالمحتار:۲/۴۴۴)

{۶}اسی طرح اگر دودھ دوا کے ساتھ مل گیا ہو اور دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی؛ کیونکہ غذا حاصل کرنے میں دودھ ہی مقصود ہے؛ کیونکہ دودھ کا غالب ہونا دلیل ہے کہ دواء صرف دودھ وہاں تک پہنچانے میں تقویت کیلئے ملائی ہے جہاں تک وہ تنہاء نہیں پہنچتا ہے۔

{۷}اور اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہو گی۔اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو اسکے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی غالب کا اعتبار کرتے ہوئے جیسا کہ پانی اور دودھ کے اختلاط کی صورت میں غالب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

{۸}اور اگر دو عورتوں کا دودھ مخلوط ہو گیا پھر کسی بچے نے اسکو پی لیا، تو امام یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کا دودھ غالب ہو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہو گی؛ کیونکہ دونوں عورتوں کا دودھ ملکر ایک چیز بن گئی پس اس پر رضاعت کا حکم مبنی کرنے میں اقل کو اکثر کا تابع بنایا جائے گا۔امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی؛ کیونکہ شئی اپنی جنس پر غالب نہیں آتی اس لئے کہ شئی اپنی جنس میں اتحادِ مقصود کی وجہ سے مستہلک اور معدوم نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھ جاتی ہے لہٰذا دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی تابع نہ ہوگی اس لیے ہر ایک کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی۔

{۹}امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایتیں منقول ہیں ایک روایت میں امام یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔اصل مسئلہ باب قسم میں ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ "واللہ اس گائے کا دودھ نہیں پیوں گا" پھر اس کا دودھ ایک اور گائے کے دودھ سے مل گیا اور وہ غالب اور محلوف علیہ مغلوب ہو، حالف نے اسے پی لیا، تو اس کے حانث ہونے میں ائمہ کا مذکورہ اختلاف ہے یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث نہ ہوگا، امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔

فتویٰ:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے کما فی الشامیۃ(قَوْلُهُ قِيلَ وَهُوَ الْأَصَحُّ) قَالَ فِي الْبَحْرِ : وَهُوَ رِوَايَةُ أَبِي حَنِيفَةَ ، قَالَ فِي الْغَايَةِ : وَهُوَ أَظْهَرُ وَأَحْوَطُ ، وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ : قِيلَ إنَّهُ الْأَصَحُّ .ا ھ .وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ : وَرَجَّحَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ قَوْلَ مُحَمَّدٍ ، وَإِلَيْهِ مَالَ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ لِتَأْخِيرِهِ دَلِيلَ مُحَمَّدٍ كَمَا فِي الْفَتْحِ .(ردّالمحتار:۲/۴۴۴)

{۱۰}اگر باکرہ عورت کے پستان سے دودھ اتر آیا(بشرطیکہ دودھ ہو پیلا پانی نہ ہو)پھر وہ دودھ اس نے کسی بچے کو پلا دیا تو اس دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی؛ کیونکہ حرمت رضاعت کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد (وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ [1])(اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے)مطلق ہے جس میں باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ نیز دودھ نشوونما کا سبب ہے جس کی وجہ سے شبہ بعضیت وجزئیت پیدا ہو جاتا ہے اس لیے احتیاطاً حرمت ثابت کر دی جائے گی۔

{۱۱}اگر عورت کے مر جانے کے بعد اس کا دودھ نکالا گیا پھر یہ دودھ کسی بچے کے منہ میں ڈال دیا گیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائیگی۔امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی؛ کیونکہ ثبوتِ حرمت میں اصل عورت ہے یعنی پہلے مرضِعہ عورت اور مرضَع بچے میں حرمت ثابت ہوتی ہے پھر اس کے واسطے سے اس کے غیر کی طرف متعدی ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ عورت موت کی وجہ سے محلِ حرمت نہ رہی، یہی وجہ ہے کہ اگر موت کے بعد اس کے ساتھ کسی نے وطی کر لی تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس کے غیر کی طرف بھی حرمت متعدی نہ ہوگی۔

{۱۲}ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا سبب شبہ جزئیت ہے اور شبہ جزئیت دودھ میں انشاز(گوشت بڑھانے)اور انبات (ہڈی اُگانے)کی وجہ سے ہے اور انشاز وانبات مردہ عورت کے دودھ میں بھی پایا جاتا ہے؛ کیونکہ دودھ موت کے بعد ایسا ہی ہے جیسے موت سے پہلے یعنی دونوں صورتوں میں غذا بن کر بچے کے جسم کا جزء بن جاتا ہے لہٰذا شبہ جزئیت کی وجہ سے مردہ عورت کا دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

{۱۳}امام شافعیؒ کا یہ کہنا "کہ یہ عورت اب محلِ حرمت نہیں رہی" صحیح نہیں؛ کیونکہ یہ حرمت مردہ عورت کے حق میں جوازِ دفن اور جوازِ تیمم کے اعتبار سے ظاہر ہوگی مثلاً اگر اس عورت کا دودھ کسی ذی شوہر بچی کو پلایا گیا تو اس بچی کا شوہر اس عورت کا داماد ہو کر اس عورت کے لئے محرم ہو جائیگا، تو اگر اس عورت کا کوئی اور رشتہ دار نہ ہو اور اسے تیمم کرا کر دفن کرنے کی ضرورت ہو تو اس بچی کا شوہر اس کو تیمم کرا کر دفن کر دے کیونکہ یہ مردہ عورت اب اس کی رضاعی ساس ہے۔

---
(۱)النساء:۲۳۔

باقی امام شافعیؒ کا یہ قیاس کہ مردہ عورت سے وطی کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے لہٰذا اس کے دودھ سے حرمتِ رضاعت بھی ثابت نہ ہوگی، درست نہیں؛ کیونکہ وطی سے جزئیت اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ وطی محل حرث (بچہ جنے کا محل) میں ہو حالانکہ موت کی وجہ سے محلِ حرث (بچہ جننے کا محل) نہیں رہا، لہٰذا اب بچہ جننا متصور نہیں، اور جب بچہ جننا متصور نہیں تو واطی اور موطوءہ میں جزئیت بھی ثابت نہ ہوگی، اور جب جزئیت ثابت نہیں ہوتی تو حرمتِ مصاہرت بھی ثابت نہ ہوگی، برخلافِ دودھ کے کہ اسے غذا بنانے سے گوشت اور ہڈیوں میں اضافہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے شبہ جزئیت پیدا ہوتا ہے اس لیے اس سے بہر حال حرمت ثابت ہو جائے گی۔

{۱۴} اگر کسی بچے کے پیٹ میں حقنہ (پیچھے کی راہ سے پیٹ میں کوئی چیز پہنچانا) کے ذریعہ کسی عورت کا دودھ پہنچایا گیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک اس سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے؛ کیونکہ حقنہ سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو حرمتِ رضاعت بھی ثابت ہو جائیگی۔

ظاہر الروایت کے مطابق دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ روزہ کے لئے مفسِد اصلاحِ بدن ہے اور یہ بات حقنہ کے ذریعہ اللہ پہنچانے میں پائی جاتی ہے کہ اس سے اصلاحِ بدن ہو جاتا ہے، لہٰذا حقنہ سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اور رضاعت میں حرمت پیدا کرنے والی چیز نشو و نما کا معنی ہے اور یہ معنی احتقان کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ نشو و نما غذا سے حاصل ہوتی ہے اور غذا دینے والی چیز وہی ہے جو اوپر (منہ) سے پیٹ میں پہنچ جائے نہ وہ کہ جو نیچے سے پہنچ جائے۔

فتویٰ:۔ ظاہر الروایت راجح ہے لما فی فتح القدیر: ثُمَّ الِاحْتِقَانُ بِاللَّبَنِ لَايُوجِبُ الْحُرْمَةَ مِنَ غَيْرِ ذِكْرِ خِلَافٍ بَيْنَ أَصْحَابِنَا فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأُصُولِ وَهُوَ قَوْلُ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ ، وَكَذَا لَايَثْبُتُ بِالْإِقْطَارِ فِي الْإِحْلِيلِ وَالْأُذُنِ وَالْجَائِفَةِ وَالْآمَّةِ كَذَا أَطْلَقَهُ بَعْضُهُمْ . وَنَصَّ آخَرُونَ عَلَى أَنَّهُ إِذَا وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ ثَبَتَتْ الْحُرْمَةُ ، وَبَعْضُهُمْ ذَكَرَ أَنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ ثُبُوتُ الْحُرْمَةِ بِالْحُقْنَةِ . وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْمَنَاطَ طَرِيقُ الْجُزْئِيَّةِ وَلَيْسَ ذَلِكَ فِي الْوَاصِلِ مِنَ السَّافِلِ بَلْ إِلَى الْمَعِدَةِ وَذَلِكَ مِنَ الْأَعْلَى فَقَطْ (فتح القدیر: ۳/۳۱۹)

{۱} وَإِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَأَرْضَعَ بِهِ صَبِيًّا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِلَبَنٍ عَلَى التَّحْقِيقِ فَلَايَتَعَلَّقُ بِهِ النُّشُوءُ وَالنُّمُوُّ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ اللَّبَنَ إِنَّمَا يُتَصَوَّرُ مِمَّنْ يُتَصَوَّرُ مِنْهُ الْوِلَادَةُ. {۲} وَإِذَا شَرِبَ صَبِيَّانِ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ

اور جب اتر آئے مرد کا دودھ پس پلائے وہ بچے کو تو متعلق نہ ہوگی اس کے ساتھ تحریم؛ کیونکہ یہ نہیں ہے دودھ حقیقۃً، پس متعلق نہ ہوگی اس کے ساتھ نشو و نما، اور یہ اس لیے کہ دودھ متصور ہے اس سے جس سے متصور ہے ولادت۔ اور جب پیے دو بچے بکری کا دودھ

لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ ؛ لِأَنَّهُ لَا جُزْئِيَّةَ بَيْنَ الْآدَمِيِّ وَالْبَهَائِمِ وَالْحُرْمَةُ بِاعْتِبَارِهَا . {3} وَإِذَا تَزَوَّجَ
تو متعلق نہ ہوگی اس کے ساتھ تحریم؛ کیونکہ جزئیت نہیں انسان اور جانوروں میں اور حرمت جزئیت ہی کے اعتبار سے ہے۔ اور جب نکاح کرے

الرَّجُلُ صَغِيرَةً وَكَبِيرَةً فَأَرْضَعَتْ الْكَبِيرَةُ الصَّغِيرَةَ حَرُمَتَا عَلَى الزَّوْجِ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ جَامِعًا بَيْنَ الْأُمِّ
مرد صغیرہ اور کبیرہ سے، پس دودھ پلایا کبیرہ نے صغیرہ کو تو دونوں حرام ہوں گی زوج پر؛ کیونکہ زوج ہو جائے گا جمع کرنے والا رضاعی ماں

وَالْبِنْتِ رَضَاعًا وَذَلِكَ حَرَامٌ كَالْجَمْعِ بَيْنَهُمَا نَسَبًا ثُمَّ إِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ جَاءَتْ
اور بیٹی کو اور یہ حرام ہے جیسے جمع کرنا نسبی ماں اور بیٹی کو۔ پھر اگر دخول نہ کیا ہو بڑی کے ساتھ، تو مہر نہ ہوگا اس کے لیے؛ کیونکہ فرقت آئی ہے

مِنْ قِبَلِهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا {4} وَلِلصَّغِيرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ وَقَعَتْ لَا مِنْ جِهَتِهَا، وَالِارْتِضَاعُ
اس کی طرف سے اس کے ساتھ دخول سے پہلے اور صغیرہ کے لیے نصف مہر ہے؛ کیونکہ فرقت اس کی طرف سے نہیں واقع ہوئی ہے اور دودھ پینا

وَإِنْ كَانَ فِعْلًا مِنْهَا لَكِنَّ فِعْلَهَا غَيْرُ مُعْتَبَرٍ فِي إِسْقَاطِ حَقِّهَا كَمَا إِذَا قَتَلَتْ مُوَرِّثَهَا {5} وَيَرْجِعُ بِهِ
اگرچہ فعل ہے اس کا مگر اس کا فعل غیر معتبر ہے اس کے حق کے اسقاط میں جیسا کہ جب وہ قتل کردے اپنے مورث کو، اور رجوع کرے گا

الزَّوْجُ عَلَى الْكَبِيرَةِ إِنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِهِ الْفَسَادَ، وَإِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا ، وَإِنْ عَلِمَتْ بِأَنَّ
اس کے بارے میں شوہر کبیرہ پر اگر اس نے قصد کیا ہو اس سے فساد کا اور اگر اس نے قصد نہ کیا ہو تو کچھ نہیں اس پر اگرچہ وہ جانتی ہو کہ

الصَّغِيرَةَ امْرَأَتُهُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَرْجِعُ فِي الْوَجْهَيْنِ. {6} وَالصَّحِيحُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ؛ لِأَنَّهَا
صغیرہ اس کے شوہر کی بیوی ہے، اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ شوہر رجوع کرے دونوں صورتوں میں، اور صحیح ظاہر الروایہ ہے؛ کیونکہ اس نے

وَإِنْ أَكَّدَتْ مَا كَانَ عَلَى شَرَفِ السُّقُوطِ وَهُوَ نِصْفُ الْمَهْرِ وَذَلِكَ يَجْرِي مَجْرَى الْإِتْلَافِ {7} لَكِنَّهَا مُسَبِّبَةٌ فِيهِ
اگرچہ مؤکد کیا اس کو جو تھا سقوط کے دہانے پر اور وہ نصف مہر ہے اور یہ قائم مقام ہے اتلاف کا لیکن وہ مسبِّب ہے اس میں،

إِمَّا لِأَنَّ الْإِرْضَاعَ لَيْسَ بِإِفْسَادٍ لِلنِّكَاحِ وَضْعًا وَإِنَّمَا ثَبَتَ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِ الْحَالِ، أَوْ لِأَنَّ إِفْسَادَ النِّكَاحِ لَيْسَ بِسَبَبٍ
یا تو اس لیے کہ دودھ پلانا مفسدِ نکاح نہیں ہے وضعاً بلکہ ثابت ہوا وہ اتفاقِ حال سے یا اس لیے کہ نکاح فاسد کرنا سبب نہیں

لِإِلْزَامِ الْمَهْرِ بَلْ هُوَ سَبَبٌ لِسُقُوطِهِ، {8} إِلَّا أَنَّ نِصْفَ الْمَهْرِ يَجِبُ بِطَرِيقِ الْمُتْعَةِ عَلَى مَا عُرِفَ، لَكِنْ مِنْ شَرْطِهِ
وجوب مہر کا بلکہ وہ سبب ہے سقوطِ مہر کا، مگر یہ کہ نصفِ مہر واجب ہوتا ہے بطریق متعہ جیسا کہ معلوم ہوا ہے لیکن اس کی شرط

إِبْطَالُ النِّكَاحِ ، {9} وَإِذَا كَانَتْ مُسَبِّبَةً يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّعَدِّي كَحَفْرِ الْبِئْرِ {10} ثُمَّ إِنَّمَا تَكُونُ مُتَعَدِّيَةً إِذَا
ابطالِ نکاح ہے، اور جب ہے وہ مسبِّبہ تو شرط ہوگی اس میں تعدی جیسا کہ کنواں کھودنے میں، پھر وہ شمار ہوگی تعدی کرنے والی جب

عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ وَقَصَدَتْ بِالْإِرْضَاعِ الْفَسَادَ، أَمَّا إِذَا لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ أَوْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ وَلَكِنَّهَا

جب وہ واقف ہو نکاح سے اور اس نے قصد کیا ہو دودھ پلانے سے فساد کا، لیکن جب وہ واقف نہ ہو نکاح سے یا مطلع تو ہو نکاح پر مگر اس نے

قَصَدَتْ دَفْعَ الْجُوعِ وَالْهَلَاكِ عَنِ الصَّغِيرَةِ دُونَ الْفَسَادِ لَا تَكُونُ مُتَعَدِّيَةً؛ لِأَنَّهَا مَأْمُورَةٌ بِذَلِكَ وَلَوْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ

قصد کیا ہو بھوک اور ہلاکت دور کرنے کا بچی سے نہ کہ فساد تو وہ نہ ہوگی تعدی کرنے والی؛ کیونکہ وہ مامور ہے اس کی، اور اگر وہ مطلع ہو نکاح پر

وَلَمْ تَعْلَمْ بِالْفَسَادِ لَا تَكُونُ مُتَعَدِّيَةً أَيْضًا ،{۱۱}وَهَذَا مِنَّا اعْتِبَارُ الْجَهْلِ لِدَفْعِ قَصْدِ الْفَسَادِ لَا لِدَفْعِ الْحُكْمِ

اور نہ جانتی ہو فساد کو تو بھی وہ تعدی کرنے والی نہ ہوگی، اور یہ ہمارا اس جہالت کا اعتبار کرنا دفع قصد فساد کے لیے ہے نہ کہ دفع حکم کے لیے۔

{۱۲}وَلَا تُقْبَلُ فِي الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَإِنَّمَا تَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ وَقَالَ

اور قبول نہ کی جائے گی رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی، بلکہ ثابت ہوگی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔ اور فرمایا

مَالِكٌ: تَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا كَانَتْ مَوْصُوفَةً بِالْعَدَالَةِ ؛ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِ الشَّرْعِ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ثابت ہوگی ایک عورت کی گواہی سے جبکہ ہو وہ موصوف بالعدالۃ؛ کیونکہ حرمت حق ہے شریعت کے حقوق میں سے

فَتَثْبُتُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ كَمَنْ اشْتَرَى لَحْمًا فَأَخْبَرَهُ وَاحِدٌ أَنَّهُ ذَبِيحَةُ الْمَجُوسِيِّ . {۱۳}وَلَنَا

پس ثابت ہو جائے گا ایک کی خبر سے جیسے کوئی خرید لے گوشت پھر خبر دے اس کو ایک شخص کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّ ثُبُوتَ الْحُرْمَةِ لَا يَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنْ زَوَالِ الْمِلْكِ فِي بَابِ النِّكَاحِ وَإِبْطَالُ الْمِلْكِ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ

کہ ثبوتِ حرمت قبول نہیں کرتا علیحدگی کو زوالِ ملک سے بابِ نکاح میں اور ابطالِ ملک ثابت نہیں ہوتا مگر دو مردوں

أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ ،{۱۴}بِخِلَافِ اللَّحْمِ ؛ لِأَنَّ حُرْمَةَ التَّنَاوُلِ تَنْفَكُّ عَنْ زَوَالِ الْمِلْكِ فَاعْتُبِرَ

یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی سے بخلاف گوشت کے؛ کیونکہ کھانے کی حرمت جدا ہو سکتی ہے زوالِ ملک سے پس اعتبار کیا گیا

أَمْرًا دِينِيًّا ،وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

اس کا امر دینی ہونا، واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مرد کے پستان کا دودھ پلانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۲ میں دو بچوں کا ایک بکری کا دودھ پینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۳ تا ۱۱ میں کسی عورت کا اپنی دودھ پیتی سوتن کو دودھ پلانے کا مشہور مسئلہ ائمہ کرام کے اختلافات کی تفصیلات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۱۲ تا ۱۴ میں عورتوں کی گواہی سے اثباتِ رضاعت میں امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے اور امام مالکؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر مرد کے پستان سے دودھ اتر آیا اس نے وہ دودھ کسی بچے کو پلا دیا، تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی
کیونکہ مرد کا دودھ در حقیقت دودھ نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے بچے کی نشوونما بھی نہ ہوگی، پس شبہ جزئیت نہ ہونے کی وجہ سے حرمت
بھی ثابت نہ ہوگی۔ اور مرد سے دودھ اس لیے متصور نہیں کہ دودھ اس شخص سے متصور ہوتا ہے جس سے ولادت متصور ہوتی ہے اور
چونکہ مرد سے ولادت متصور نہیں اس وجہ سے دودھ بھی متصور نہیں ہوگا۔

{۲}اگر دو بچوں نے ایک بکری کا دودھ پیا تو ان کے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی؛ کیونکہ حرمت تو جزئیت ہی کے
اعتبار سے ہوتی ہے حالانکہ آدمی اور جانور میں بہت زیادہ فرق کی وجہ سے جزئیت متصور نہیں، اس لیے اس سے حرمتِ رضاعت بھی
ثابت نہ ہوگی۔

{۳}اگر کسی نے ایک بڑی عورت اور ایک دودھ پیتی بچی سے نکاح کیا، پھر کبیرہ عورت نے دودھ پیتی بچی جو کبیرہ کی سوتن
ہے کو اپنا دودھ پلایا، تو شوہر پر یہ دونوں حرام ہو جائینگی؛ کیونکہ دودھ پلانے سے کبیرہ صغیرہ کی رضاعی ماں ہوگئی تو شوہر رضاعی ماں
اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنے والا ہوگا حالانکہ رضاعی ماں اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا اس طرح حرام ہے جیسا کہ نسبی ماں اور بیٹی کو جمع
کرنا۔

پھر اگر شوہر نے کبیرہ کے ساتھ دخول نہیں کیا ہو تو شوہر پر کبیرہ کیلئے مہر واجب نہیں ہوگا؛ کیونکہ کبیرہ کا صغیرہ کو دودھ
پلانے کی وجہ سے زوج اور کبیرہ میں جو فرقت آئی ہے یہ فرقت قبل الدخول کبیرہ ہی کی جانب سے آئی ہے اور قبل الدخول عورت کی
جانب سے فرقت نصف مہر کو ساقط کر دیتی ہے۔

ف:۔ لیکن اگر کبیرہ نے قصداً نہ پلایا ہو بلکہ کسی نے اس کو مجبور کیا ہو یا حالتِ نیند میں بچی نے اس کا دودھ پیا ہو یا کسی نے اس کا دودھ
نکال کر بچی کو پلایا ہو تو ان صورتوں میں چونکہ فرقت عورت کی جانب سے نہیں آئی ہے لہٰذا اسے نصف مہر ملے گا۔ اسی طرح
اگر شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی ہو تو وہ کل مہر کی مستحق ہوگی؛ کیونکہ وطی کی وجہ سے مہر مستحکم ہو چکا ہے۔

{۴}اور صغیرہ کیلئے نصف مہر ہوگا؛ کیونکہ فرقت صغیرہ کی جانب سے واقع نہیں ہوئی ہے، لہٰذا قبل الدخول فرقت کی وجہ
سے اس کے لئے نصف مہر ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ فرقت دودھ پینے سے آئی ہے اور دودھ پینا تو صغیرہ ہی کا فعل ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ
فرقت صغیرہ کی جانب سے آئی ہے اس لیے اسے نصف مہر نہیں ملنا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ صغیرہ کا یہ فعل اس کے حق کو ساقط کرنے

میں شرعاً معتبر نہیں؛ کیونکہ صغیرہ احکام شرع کی مخاطب نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر صغیرہ نے اپنے کسی مورث کو قتل کرڈالا تو وہ میراث سے محروم نہ ہوگی؛ کیونکہ اس کا فعلِ قتل شرعاً معتبر نہیں، حالانکہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے۔

ف:۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صغیرہ کو بھی نصف مہر نہیں ملے گا؛ کیونکہ فرقت صغیرہ کی جانب سے آئی ہے اس لئے کہ دودھ پینے کا صدور خود صغیرہ سے ہوا ہے۔امام مالکؒ کو جواب دیا گیا ہے کہ سقوطِ مہر بطورِ جزاء ہے اور صغیرہ مکلف نہ ہونے کی وجہ سے مستحقِ جزاء نہیں۔

{۵}شوہر کو یہ اختیار ہے کہ صغیرہ کو دیا ہوا نصف مہر کبیرہ سے واپس لے بشرطیکہ کبیرہ نے دودھ پلانے سے فسادِ نکاح کا قصد کیا ہو مثلاً یہ جانتی ہو کہ یہ بچی اس کی سوتن ہے اور دودھ پلانے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے اور دودھ پلانے کی ضرورت بھی نہیں پھر بھی دودھ پلایا تو کبیرہ صغیرہ کے نصف مہر کی ضامن ہوگی۔اور اگر کبیرہ نے فسادِ نکاح کا قصد نہ کیا ہو بلکہ بھوک اور ہلاکت دور کرنے کا ارادہ کیا ہو تو اگرچہ کبیرہ یہ جانتی ہو کہ صغیرہ اس کے شوہر کی بیوی ہے تب بھی اس صورت میں شوہر نصف مہر کیلئے کبیرہ سے رجوع نہیں کرسکتا۔

امام شافعیؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک کبیرہ نے فسادِ نکاح کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں شوہر نصف مہر کیلئے کبیرہ سے رجوع کریگا؛ کیونکہ ان کے نزدیک مسبِّب (سبب بننے والا) مباشر کی طرح ہے اور مباشر تعدی کرے یا نہ کرے بہر دو صورت اس پر ضمان واجب ہوتا ہے اسی طرح مسبِّب پر بھی بہر دو صورت ضمان واجب ہوگا۔

{۶}مگر صحیح ظاہر الروایۃ ہے؛ کیونکہ کبیرہ نے اگرچہ صغیرہ کے مہر کو مؤکد کر دیا حالانکہ وہ قریب السقوط تھا؛ کیونکہ ممکن تھا کہ بلوغ کے بعد قبل الدخول وہ مرتدہ ہوجاتی جس کی وجہ سے مہر بالکلیہ ساقط ہوجاتا، مگر کبیرہ نے دودھ پلا کر اس نصف مہر کو مؤکد کر دیا اور مہر کی یہ تاکید ضمان واجب کرنے کے حق میں اتلاف کے قائم مقام ہے گویا کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا کر شوہر کا نصف مہر تلف کر دیا، لہٰذا کبیرہ کی طرف سے تعدی کی وجہ سے زوج کو نصف مہر کے بارے میں کبیرہ سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن دوسری طرف دیکھا جائے تو کبیرہ مہر کو تلف کرنے میں مسبِّبہ ہے نہ کہ مباشرہ۔

{۷}اور مباشرہ اس لیے نہیں کہ دودھ پلانا بچے کو غذا فراہم کرنے کے لیے موضوع ہے نہ کہ نکاح کو فاسد کرنے کے لیے ، اور قاعدہ ہے کہ جو چیز فسادِ نکاح کے لیے موضوع نہ ہو اس کا مرتکب مباشر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا دودھ پلانے سے وہ فسادِ نکاح کی مباشرہ نہیں، بلکہ فسادِ نکاح اتفاقی حال کی وجہ سے ہے کہ یہاں دودھ پلانے سے مرضِعہ اور مرضَعہ ماں بیٹی ہو کر دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع ہوگئیں جس کی وجہ سے ان کا نکاح فاسد ہوا، ورنہ اگر یہ کبیرہ کسی دوسرے شخص کی دودھ پیتی بیوی کو دودھ پلائے تو کسی کا نکاح

فاسد نہ ہوگا۔ اور یا مباشرہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فسادِ نکاح مہر کو لازم کرنے کا سبب نہیں ہے بلکہ مہر کو ساقط کرنے کا سبب ہے، اور جو چیز لازم کرنے والی نہ ہو اس کا مرتکب مباشر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا کبیرہ نکاح فاسد کرنے کی وجہ سے مباشرہ نہیں ہے۔

{ 8 } سوال یہ ہے کہ فسادِ نکاح کی وجہ سے شوہر پر صغیرہ کا نصف مہر تو واجب ہو جاتا ہے، پھر آپ نے کیسے کہا کہ فسادِ نکاح مہر کو لازم کرنے والا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ نصف مہر صغیرہ کے لیے بطورِ متعہ واجب ہے اور متعہ باری تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَمَتِّعُوْهُنَّ﴾ کی وجہ سے ابتداءً واجب ہوتا ہے عقد کے مقتضا کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا ہے جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا ہے کہ متعہ کا وجوب نص سے ثابت ہے قیاس سے نہیں، لیکن وجوبِ متعہ کی شرط بطلانِ نکاح ہے اور وہ شرط یہاں پائی گئی، لہٰذا یہ نصف مہر بطورِ متعہ واجب ہے۔

{ 9 } اور جب یہ ثابت ہوا کہ کبیرہ مباشرہ نہیں مسبّبہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مباشر تو مطلقاً ضامن ہوتا ہے مگر مسبِّب بشرطِ تعدی ضامن ہوتا ہے، جیسا کہ اگر کسی نے شارع عام میں کنواں کھودا اور اس میں گر کر کوئی ہلاک ہوا تو کنواں کھودنے والا مسبِّب ہے اور تعدی کی وجہ سے ضامن ہوگا، اور اگر کنواں اپنی مملوکہ زمین میں کھودا اور پھر اس میں گر کر کوئی ہلاک ہوا تو کنواں کھودنے والا مسبِّب تو ہے مگر تعدی کرنے والا نہیں اس لیے ضامن نہ ہوگا۔ پس مذکورہ صورت میں کبیرہ نے چونکہ تعدی (فسادِ نکاح) کا قصد نہیں کیا ہے بلکہ بھوک اور ہلاکت کو دور کرنا مقصود ہے، اس لیے کبیرہ صغیرہ کے نصف مہر کی ضامن نہیں، لہٰذا شوہر صغیرہ کے نصف مہر کے بارے میں کبیرہ سے رجوع کا حق نہیں رکھتا ہے۔

{ 10 } پھر کبیرہ تین شرطوں سے تعدی کرنے والی شمار ہوتی ہے، ایک یہ کہ صغیرہ کے ساتھ نکاح کا اس کو علم ہو، دوسری یہ کہ اس نے دودھ پلانے سے فسادِ نکاح کا قصد کیا ہو۔ اگر یہ دو شرطیں نہ پائی گئیں مثلاً کبیرہ کو صغیرہ کے نکاح کا علم نہ ہو، یا نکاح تو جانتی ہو مگر اس نے فسادِ نکاح کا قصد نہ کیا ہو بلکہ صغیرہ سے بھوک اور ہلاکت دور کرنے کا قصد کیا ہو تو اس وقت وہ تعدی کرنے والی نہیں بلکہ وہ تو شریعت کی طرف سے مامور ہے کہ صغیرہ سے ہلاکت کو دور کردے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو علم ہو کہ دودھ پلانے سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے ورنہ اگر اس کو صغیرہ کا نکاح تو معلوم ہو مگر دودھ پلانے سے اس کے فاسد ہونے کا اس کو علم نہ ہو تو بھی کبیرہ تعدی کرنے والی شمار نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ ان تین شرطوں سے کبیرہ تعدی کرنے والی شمار ہوگی اور صغیرہ کے نصف مہر کی ضامن ہوگی ، اور اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک نہ پائی گئی تو کبیرہ تعدی کرنے والی نہیں، لہٰذا ضامن بھی نہ ہوگی۔

{ 11 } سوال یہ ہے کہ دار الاسلام میں حکمِ شریعت سے جاہل رہنا عذر شمار نہیں ہوتا ہے، حالانکہ یہاں کبیرہ کا دودھ پلانے کی وجہ سے فسادِ نکاح سے جاہل رہنے کو عذر قرار دے کر اس پر ضمان واجب نہیں کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کبیرہ پر وجوبِ ضمان اس

طرف سے تعدی پر موقوف ہے اور تعدی اس وقت حاصل ہوگی کہ کبیرہ نے دودھ پلانے سے فسادِ نکاح کا قصد کیا ہو، اور قصدِ فساد تب ہوگا کہ اس کو دودھ پلانے سے فسادِ نکاح کا علم ہو، پس جب علم بالفساد نہ ہو تو قصدِ فساد بھی نہ ہوگا، لہٰذا جہل کا اعتبار قصدِ فساد کو دفع کرنے کے لیے ہے نہ کہ حکم شرع (وجوبِ ضمان) کو دفع کرنے کے لیے۔

{۱۲} اور اثباتِ رضاعت میں فقط عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، بلکہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوگی۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ عدالت کی صفت کے ساتھ متصف ہو؛ کیونکہ عدد بندوں کے درمیان ہونے والے معاملات میں شرط ہے، حقوقِ شرع میں فقط ایک کی خبر بھی حجت ہے، اور یہاں حرمت حقِ شرع ہے اس لیے اس میں ایک عورت کی خبر بھی حجت ہے، جیسا کہ کسی نے گوشت خرید لیا اور ایک شخص نے اس کو خبر دی کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو یہ گوشت نہ خود مشتری کھا سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتا ہے؛ کیونکہ مخبر نے گوشت کے حرام ہونے کی خبر دی اور حرمت حقِ شرع ہے اس لیے ایک شخص کی خبر بھی حجت ہے۔

{۱۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ بابِ نکاح میں ثبوتِ حرمت زوالِ ملک سے الگ نہیں ہوتا ہے یعنی یوں نہیں کہ حرمت تو ثابت ہو جائے اور ملکِ نکاح باقی رہے بلکہ ثبوتِ حرمت کے ساتھ ملکِ نکاح بھی زائل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ فقط اثباتِ حرمت نہیں بلکہ ابطالِ ملک بھی ہے اور ابطالِ ملک اسی سے ثابت ہوتا ہے جس سے مال ثابت ہوتا ہے اور مال دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے صرف عورتوں کی گواہی سے نہیں، لہٰذا رضاعت بھی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوگی تنہا عورتوں کی گواہی سے ثابت نہ ہوگی۔

{۱۴} اور امام مالکؒ نے جو حرمتِ گوشت پر قیاس کیا ہے تو یہ قیاس درست نہیں؛ کیونکہ گوشت کھانے کی حرمت زوالِ ملک سے الگ ہو سکتی ہے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز حرام ہو مگر اس سے ملک زائل نہ ہو جیسے نجس تیل کا کھانا حرام ہے پھر بھی کسی کی ملک میں ہو سکتا ہے، لہٰذا گوشت کے بارے میں بتانا کہ مجوسی کا ذبیحہ ہے یہ فقط حرمت کی خبر ہے زوالِ ملک کی خبر نہیں، اور فقط حرمت امر دینی ہے جس میں ایک شخص کی خبر بھی حجت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف:۔ ثبوتِ رضاع کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے، اگر دو عورتوں میں سے ایک خود مرضعہ ہو تو بھی کافی ہے، صرف مرضعہ کا قول معتبر نہیں، لہٰذا ایسے مرد و عورت کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے، البتہ اگر مرضعہ کے صدق پر دل گواہی دیتا ہے تو ایسی حالت میں احتراز بہتر ہے، مگر گنجائش پھر بھی ہے، قال فی شرح التنویر: وحجته حجة المال وهي شهادة

عدلین او عدل وعدلتین، وفی الشامیۃ: ولو احدھما المرضعۃ الخ ردّالمحتار: ۴۴۸/۲ (احسن الفتاویٰ: ۱۲۶/۵)

کِتَابُ الطَّلَاقِ

یہ کتاب احکام طلاق کے بیان میں ہے

"طلاق" لغت میں رفعِ قید کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں قیدِ نکاح کو فی الحال یا فی المآل الفاظ مخصوصہ کے ذریعہ رفع کرنے کو کہتے ہیں۔ سببِ طلاق بوقتِ ضرورت قیدِ نکاح سے خلاصی ہے مثلاً زوجین متضاد اخلاق کے ساتھ متصف ہوں۔

طلاق اسلام میں ایک نہایت ناپسندیدہ عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی اجازت دی ہے ان میں کوئی شئ طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بلاوجہ طلاق دینے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں کو اسی وقت طلاق دی جائے جبکہ ان کا کردار اخلاقی اعتبار سے مشکوک ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتے جو محض ذائقہ چکھا کرتے ہوں۔

طلاق کے لئے شرط یہ ہے کہ طلاق دینے والا عاقل بالغ ہو اور عورت اس کے نکاح میں ہو یا ایسی عدت میں ہو جس کی وجہ سے وہ محل طلاق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اور طلاق کا حکم زوالِ ملک عن المحل ہے۔

"کِتَابُ الطَّلَاقِ" کو "کِتَابُ الرِّضَاعِ" کے بعد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رضاعت اور طلاق دونوں موجبِ حرمت ہیں مگر رضاعت سے حرمت ابدی ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے غیر ابدی، تو برائے اہتمام شان حکمِ اشد کو مقدم کیا اور اخف کو مؤخر کیا۔

بَابُ طَلَاقِ السُّنَّةِ

یہ باب طلاق سنت کے بیان میں ہے

طلاق کی تین قسمیں ہیں، حسن، احسن اور بدعی، اس باب میں اصالۃً طلاق سنت کو ذکر کیا ہے، باقی طلاق بدعت کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ شئ اپنی ضد سے واضح ہوتی ہے۔

ف۔ تین طلاقوں کی تفصیل اچھی طرح سے سمجھنے کے لیے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: طلاق کی تین قسمیں ہیں: "طلاقِ رجعی"، "طلاقِ بائن" اور "طلاقِ مغلظہ"۔ طلاق رجعی یہ ہے کہ صاف اور صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی طلاق میں عدت پوری ہونے تک نکاح باقی رہتا ہے۔ اور شوہر کو اختیار ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے بیوی سے رجوع کر لے۔ اگر اس نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تو نکاح بحال رہے گا اور دوبارہ نکاح کی ضرورت نہ ہوگی، اور اگر اس

نے عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو طلاق مؤثر ہو جائے گی۔ اور نکاح ختم ہو جائے گا۔ اگر دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن جتنی طلاقیں وہ استعمال کر چکا ہے وہ ختم ہو گئیں، آئندہ اس کو تین میں سے صرف باقی ماندہ طلاقوں کا اختیار ہو گا مثلاً اگر ایک طلاق دی تھی اور اس سے رجوع کر لیا تھا تو اب اس کے پاس صرف دو طلاقیں باقی رہ گئیں، اور اگر دو طلاقیں دے کر رجوع کر لیا تھا تو اب صرف ایک باقی رہ گئی، اب اگر ایک طلاق دیدی تو بیوی تین طلاق کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔

"طلاقِ بائن" یہ کہ گول مول الفاظ (یعنی کنایہ کے الفاظ) میں طلاق دی ہو یا طلاق کے ساتھ کوئی صفت ایسی ذکر کی جائے جس سے اس کی سختی کا اظہار ہو مثلاً یوں کہے کہ "تجھ کو سخت طلاق" یا "لمبی چوڑی طلاق"۔ طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ بیوی فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہیں رہتا۔ البتہ عدت کے اندر بھی اور عدت ختم ہونے کے بعد بھی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

"طلاقِ مغلظہ" یہ ہے کہ تین طلاق دیدے۔ اس صورت میں بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا (آپ کے مسائل اور ان کا حل: 5/227)

{1} قَالَ الطَّلَاقُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ: حَسَنٌ، وَأَحْسَنُ، وَبِدْعِيٌّ. فَالْأَحْسَنُ أَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً فِي طُهْرٍ

فرمایا: طلاق تین طرح ہے، حسن، احسن اور بدعی۔ پس احسن یہ ہے کہ طلاق دے مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق ایسے طہر میں

لَمْ يُجَامِعْهَا فِيهِ وَيَتْرُكَهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا ؛ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ

کہ جماع نہ کیا ہو اس سے اس طہر میں اور چھوڑ دے اسے یہاں تک گذر جائے اس کی عدت؛ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پسند فرماتے تھے کہ

لَا يَزِيدُوا فِي الطَّلَاقِ عَلَى وَاحِدَةٍ حَتَّى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ فَإِنَّ هَذَا أَفْضَلُ عِنْدَهُمْ مِنْ أَنْ يُطَلِّقَهَا الرَّجُلُ ثَلَاثًا

اضافہ نہ کریں طلاق میں ایک پر یہاں تک کہ گذر جائے عدت، کیونکہ یہ افضل تھا ان کے نزدیک کہ طلاق دے عورت کو مرد تین طلاقیں

عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ وَاحِدَةً ؛ وَلِأَنَّهُ أَبْعَدُ مِنَ النَّدَامَةِ وَأَقَلُّ ضَرَرًا بِالْمَرْأَةِ وَلَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِي الْكَرَاهَةِ

ہر طہر کے وقت ایک، اور اس لیے کہ یہ دور ہے ندامت سے اور کم مضر ہے عورت کے لیے، اور اختلاف نہیں کراہت میں کسی کا۔

{2} وَالْحَسَنُ هُوَ طَلَاقُ السُّنَّةِ، وَهُوَ أَنْ يُطَلِّقَ الْمَدْخُولَ بِهَا ثَلَاثًا فِي ثَلَاثَةِ أَطْهَارٍ وَقَالَ مَالِكٌ: إِنَّهُ بِدْعَةٌ

اور حسن جو طلاق سنت ہے، وہ یہ ہے کہ طلاق دے مدخول بہا کو تین طلاقیں تین طہروں میں، اور فرمایا امام مالک رحمہ اللہ نے کہ یہ بدعت ہے

وَلَا يُبَاحُ إِلَّا وَاحِدَةً ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ وَالْإِبَاحَةُ لِحَاجَةِ الْخَلَاصِ وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِالْوَاحِدَةِ

اور مباح نہیں مگر ایک؛ کیونکہ اصل طلاق میں ممانعت ہے اور اباحت حاجتِ خلاصی کے لیے ہے، اور وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے ایک سے

{3} وَلَنَا قَوْلُهُ ﷺ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا {إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ اسْتِقْبَالًا فَتُطَلِّقَهَا

اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں کہ "کہ شوہر انتظار کرے طہر کا، پھر طلاق دے بیوی کو

لِكُلِّ قُرْءٍ تَطْلِيقَةً} {4} وَلِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ الْإِقْدَامُ عَلَى الطَّلَاقِ فِي زَمَانِ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ

ہر طہر میں ایک طلاق" اور اس لیے کہ حکم دائر ہے دلیلِ حاجت پر اور وہ اقدام کرنا ہے طلاق پر تجدد رغبت کے زمانہ میں

وَهُوَ الطُّهْرُ الْخَالِي عَنِ الْجِمَاعِ ، فَالْحَاجَةُ كَالْمُتَكَرِّرَةِ نَظَرًا إِلَى دَلِيلِهَا ، {5} ثُمَّ قِيلَ : الْأَوْلَى أَنْ

اور وہ ایسا طہر ہے جو خالی ہو جماع سے، پس حاجت گویا کہ متکرر ہے دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے، پھر کہا گیا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ

يُؤَخِّرَ الْإِيقَاعَ إِلَى آخِرِ الطُّهْرِ احْتِرَازًا عَنْ تَطْوِيلِ الْعِدَّةِ ، {6} وَالْأَظْهَرُ أَنْ يُطَلِّقَهَا كَمَا طَهُرَتْ؛

مؤخر کردے ایقاع طلاق کو آخر طہر تک بچتے ہوئے عدت کو دراز کرنے سے، اور اظہر یہ ہے کہ طلاق دے بیوی کو جیسے ہی وہ پاک ہو جائے

لِأَنَّهُ لَوْ أَخَّرَ رُبَّمَا يُجَامِعُهَا ، وَمِنْ قَصْدِهِ التَّطْلِيقُ فَيُبْتَلَى بِالْإِيقَاعِ عَقِيبَ الْوِقَاعِ.

کیونکہ اگر مؤخر کردے تو کبھی اس سے جماع کر سکتا ہے حالانکہ اس کا قصد طلاق دینے کا ہے پس مبتلا ہو جائے گا ایقاع طلاق میں جماع کے بعد۔

{7} وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ ثَلَاثًا فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَكَانَ

اور طلاق بدعت یہ ہے کہ طلاق دے بیوی کو تین طلاقیں ایک کلمہ سے یا تین طلاقیں ایک طہر میں، پس جب یہ کرلے تو واقع ہو گئی طلاق اور ہو گا

عَاصِيًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كُلُّ الطَّلَاقِ مُبَاحٌ لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ مَشْرُوعٌ حَتَّى يُسْتَفَادَ بِهِ الْحُكْمُ وَالْمَشْرُوعِيَّةُ

گنہگار۔ اور فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ نے کہ ہر طلاق مباح ہے؛ کیونکہ یہ مشروع تصرف ہے، حتی کہ مستفاد ہوتا ہے اس سے حکم، اور مشروعیت

لَا تُجَامِعُ الْحَظْرَ، بِخِلَافِ الطَّلَاقِ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ ؛ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ تَطْوِيلُ الْعِدَّةِ عَلَيْهَا لَا الطَّلَاقِ . {8} وَلَنَا

جمع نہیں ہو سکتی ہے ممانعت کے ساتھ، بخلاف طلاق حالتِ حیض میں؛ کیونکہ حرام تطویل عدت ہے عورت پر نہ کہ طلاق، اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّ الْأَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ لِمَا فِيهِ مِنْ قَطْعِ النِّكَاحِ الَّذِي تَعَلَّقَتْ بِهِ الْمَصَالِحُ الدِّينِيَّةُ وَالدُّنْيَوِيَّةُ وَالْإِبَاحَةُ لِلْحَاجَةِ

کہ اصل طلاق میں ممانعت ہے کیونکہ اس میں ایسے نکاح کا قطع ہے جس کے ساتھ متعلق ہیں دینی اور دنیوی مصلحتیں، اور اباحت تو حاجتِ

إِلَى الْخَلَاصِ، وَلَا حَاجَةَ إِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ الثَّلَاثِ {9} وَهِيَ فِي الْمُفَرَّقِ عَلَى الْأَطْهَارِ ثَابِتَةٌ نَظَرًا إِلَى دَلِيلِهَا، وَالْحَاجَةُ

خلاصی کے لیے ہے، اور کوئی حاجت نہیں تین کو جمع کرنے کی اور وہ طہروں پر متفرق میں ثابت ہے دیکھتے ہوئے اس کی دلیل کو، اور حاجت

فِي نَفْسِهَا بَاقِيَةٌ فَأَمْكَنَ تَصْوِيرُ الدَّلِيلِ عَلَيْهَا، {10} وَالْمَشْرُوعِيَّةُ فِي ذَاتِهِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ إِزَالَةُ الرِّقِّ لَا تُنَافِي الْحَظْرَ

بذاتِ خود باقی ہے پس ممکن ہے تصورِ دلیل حاجت پر، اور مشروعیت فی ذاتہ اس حیثیت سے کہ وہ ازالہ رق ہے منافی نہیں ممانعت کے

لِمَعْنًى فِي غَيْرِهِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ ، {11} وَكَذَا إِيقَاعُ الثِّنْتَيْنِ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ بِدْعَةٌ؛

ایسے معنی کی وجہ سے جو اس کے غیر میں ہے اور وہ وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا اور اسی طرح دو کو واقع کرنا ایک طہر میں بدعت ہے

لِمَا قُلْنَا .وَاخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ فِي الْوَاحِدَةِ الْبَائِنَةِ.قَالَ فِي الْأَصْلِ : إنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے اور مختلف ہے روایت ایک بائن میں۔اور کہا امام محمدؒ نے مبسوط میں کہ اس نے انحراف کیا سنت سے؛

لِأَنَّهُ لَا حَاجَةَ إلَى إثْبَاتِ صِفَةٍ زَائِدَةٍ فِي الْخَلَاصِ وَهِيَ الْبَيْنُونَةُ ، وَفِي الزِّيَادَاتِ أَنَّهُ لَايُكْرَهُ لِلْحَاجَةِ

کیونکہ ضرورت نہیں زائد صفت ثابت کرنے کی چھٹکارا پانے میں، اور وہ بینونت ہے، اور زیادات میں ہے کہ یہ مکروہ نہیں بوجہ حاجت کے

إلَى الْخَلَاصِ نَاجِزًا .

فوری چھٹکارا پانے کو۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں طلاق کی تین قسموں کو ذکر کیا ہے، اور طلاق حسن میں امام مالکؒ کا اختلاف اور ان کی دلیل اور احنافؒ کے دو دلائل ذکر کئے ہیں۔اور نمبر ۵و۶ میں طہر کے اول یا آخر میں طلاق دینے کی اولویت کی دو روایتیں ذکر کی ہیں اور ایک روایت کو ترجیح دی ہے۔اور نمبر ۷تا۱۰ میں طلاقِ بدعت کی تعریف ،امام شافعیؒ کا اختلاف بمع دلیل اور ایک سوال کا جواب ذکر کیا ہے، پھر ہماری دلیل، پھر دو سوالوں کے جوابات، اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔اور نمبر ۱۱ میں ایک طہر میں دو طلاق واقع کرنے کا بدعت ہونا اور اس کی دلیل، اور ایک طہر میں بائن طلاق واقع کرنے میں دو روایات کو دلائل سمیت ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱}طلاق کی تین قسمیں ہیں، حسن، احسن اور بدعت۔طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہو اور اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت گذر جائے۔یہ طلاق احسن اس وجہ سے ہے کہ ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ اس طرح کی طلاق کو پسند فرماتے تھے، اور اس لیے کہ یہ طریقہ ان کے نزدیک بہتر تھا اس سے کہ مرد عورت کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے ہر ایک طہر میں ایک طلاق، پس ایک تو صحابہ کرام کی اس پسند کی وجہ سے یہ طلاق احسن ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ فقط ایک طلاق واقع کرنا مرد کے لیے بعد میں ندامت اور پشیمان ہونے سے ابعد بھی ہے اس لئے کہ شوہر اگر طلاق دینے پر پشیمان ہو تو اس کیلئے تدارک کا امکان ہے؛ کیونکہ وہ عدت کے اندر اپنی اس مطلقہ سے رجوع کر سکتا ہے اور عدت کے بعد بغیر حلالہ کے اس سے تجدید نکاح کر سکتا ہے، اور ایک طلاق دینے میں عورت کے لیے ضرر بھی کم ہے جبکہ ایک سے زیادہ طلاق دینے کی صورت میں عورت کیلئے شدتِ وحشت کا ضرر بھی ہے۔اور یہ طلاق احسن بنسبتِ دوسری دو طلاقوں کے ہے یہ مراد نہیں کہ فی نفسہ احسن ہے؛ کیونکہ مروی ہے کہ طلاق ابغض المباحات ہے۔باقی طلاق احسن کی کراہت (مراد عدم کراہت ہے) میں کسی کا اختلاف نہیں یعنی بالاتفاق مکروہ نہیں البتہ طلاق حسن میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔

ف:۔سوال:۔ والدین اگر بیٹے سے کہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور بیٹے کی نظر میں اس کی بیوی صحیح ہے، حق پر ہے، طلاق دینا اس پر ظلم کرنے کے مترادف ہے، تو اس صورت میں بیٹے کو کیا کرنا چاہئے؟ کیونکہ ایک حدیثِ پاک ہے جس کا قریب یہ مفہوم ہے کہ "والدین کی نافرمانی نہ کرو، گو وہ تمہیں بیوی کو طلاق دینے کو بھی کہیں" تو اس صورتِ حال میں بیٹے کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ جواب:۔ حدیثِ پاک کا منشا یہ ہے کہ بیٹے کو والدین کی اطاعت و فرماں برداری میں سخت سے سخت آزمائش کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے، حتیٰ کہ بیوی بچوں سے جدا ہونے اور گھر بار چھوڑنے کے لئے بھی۔ اس کے ساتھ ماں باپ پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بے انصافی اور بے جا ضد سے کام نہ لیں۔ اگر والدین اپنی اس ذمہ داری کو محسوس نہ کریں اور صریح ظلم پر اتر آئیں تو ان کی اطاعت واجب نہ ہوگی، بلکہ جائز بھی نہ ہوگی۔ آپ کے سوال کی یہی صورت ہے اور حدیثِ پاک اس صورت سے متعلق نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج۵، ص:۴۰۲)

{۲} اور طلاقِ حسن یعنی طلاقِ سنت یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ مدخول بہا کو تین طہر میں تین طلاق دیدے، ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ امام مالکؒ اس قسم کو بدعت کہتے ہیں ان کے نزدیک مباح فقط ایک طلاق ہے؛ کیونکہ طلاق میں اصل ممانعت ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "تزوّجوا و لا تطلّقوا" (نکاح کرو اور طلاق مت دو)، البتہ کبھی زوجین کی طبیعتوں اور اخلاق میں فرق ہوتا ہے اس لیے طلاق دے کر اس سے خلاصی پانے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے اس لیے ایک سے زیادہ طلاق مباح نہیں۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی، جس کی خبر نبی ﷺ کو ہوئی تو نبی ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا! اے ابن عمر ایسا کرنے کا تجھے اللہ نے حکم نہیں دیا تو سنت کو چوک گیا سنت یہ ہے کہ تو انتظار کرے طہر کا پھر ہر طہر میں طلاق دے[1]، تو اگر ایک سے زیادہ طلاقیں بدعت ہوتیں تو حضور ﷺ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دینے کا امر نہ فرماتے۔ اور طلاق سنت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس پر عتاب نہیں ہوگا یہ معنی نہیں کہ اس پر ثواب ملے گا کیونکہ طلاق فی نفسہ عبادت نہیں پس یہاں سنت سے مراد مباح ہے۔

---

(1) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قلت: رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي "سُنَنِهِ" مِنْ حَدِيثِ مُعَلَّى بْنِ مَنْصُورٍ ثَنَا شُعَيْبُ بْنُ رُزَيْقٍ أَنَّ عَطَاءً الْخُرَاسَانِيَّ حَدَّثَهُمْ عَنْ الْحَسَنِ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً وَهِيَ حَائِضٌ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُتْبِعَهَا تَطْلِيقَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ عند القرءين، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "يَا ابْنَ عُمَرَ مَا هَكَذَا أَمَرَكَ اللَّهُ، قَدْ أَخْطَأْتَ السُّنَّةَ، وَالسُّنَّةُ ان تستقبل الطهر، فتطلق لِكُلِّ قُرْءٍ"، فَأَمَرَنِي فَرَاجَعْتُهَا، فَقَالَ: إذَا هِيَ طَهُرَتْ فَطَلِّقْ عِنْدَ ذَلِكَ، أَوْ أَمْسِكْ، فَقُلْت: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْت لَوْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا أَكَانَ يَحِلُّ لِي أَنْ أُرَاجِعَهَا؟ فَقَالَ: "لَا، كَانَتْ تَبِينُ مِنْك، وَتَكُونُ مَعْصِيَةً" (نصب الرایۃ:۳،ص:۲۲۰)

{۴} اور عقلی دلیل یہ ہے کہ حاجتِ طلاق امر باطن ہے جس پر مطلع ہونا ممکن نہیں، اس لیے حکم طلاق (اباحتِ طلاق)
دلیلِ حاجت پر دائر کیا جائے گا اور دلیل حاجت تجددِ رغبت یعنی طہر کے زمانے میں طلاق دینے کا اقدام ہے یعنی طہر کے زمانے میں
عورت کی طرف طبعاً رغبت ہوتی ہے پھر بھی شوہر طلاق دے رہا ہے تو یہ دلیل ہے کہ اس کو طلاق دینے کی حاجت ہے پس دلیلِ
حاجت (ہر طہر میں طلاق دینے) میں تکرار ایسا ہے جیسا کہ خود حاجتِ طلاق میں تکرار ہے اور تکرارِ حاجت کے وقت طلاق دینا مباح ہے
بدعت نہیں۔

{۵} پھر اس میں اختلاف ہے کہ طہر کے اول میں طلاق دینا اولیٰ ہے یا آخر میں۔ امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ سے نقل
کیا ہے کہ طہر کے آخر تک طلاق کو مؤخر کرنا اولیٰ ہے؛ کیونکہ اس طرح عورت طویل عدت سے بچ جائے گی اس لیے کہ اگر شروع
طہر میں طلاق کو واقع کیا جائے تو عورت کی عدت تین طہر اور تین حیض ہو جائے گی، اور اگر طہر کے آخر میں طلاق کو واقع کیا جائے
تو عدت تین حیض اور دو طہر ہو جائیں گے، ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں تطویلِ عدت ہے جس میں عورت کے لیے ضرر ہے اس لیے
دوسری صورت اولیٰ ہے۔

{۶} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جیسے ہی عورت حیض سے پاک ہو جائے اسے طلاق دیدے یعنی شروع
طہر میں طلاق دینا اولیٰ ہے؛ کیونکہ طلاق کو مؤخر کرنے میں یہ امکان ہے کہ وہ طہر کے آخر میں اس عورت سے جماع کرلے اس لیے کہ
یہ رغبت کا زمانہ ہے حالانکہ شوہر نے اس کو طلاق دینے کا قصد کیا ہے یوں وہ جماع کے بعد طلاق دے کر طلاقِ بدعی میں مبتلا ہو جائے
گا جو سنت کے خلاف ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ شروع طہر میں طلاق دے تاکہ طلاقِ بدعی سے بچ جائے۔

{۷} اور طلاق بدعت یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ کو ایک کلمہ سے تین طلاق دیدے مثلاً یوں کہے "انتِ طالقٌ ثلاثاً" یا ایک
طہر میں تین طلاق دیدے، یہ دونوں صورتیں بدعت کی ہیں، لیکن اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاقِ بدعت دیدی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور
اسکی بیوی بائنہ ہو جائیگی اور طلاق دینے والا گناہ گار ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق کی تمام قسمیں مباح ہیں؛ کیونکہ طلاق ایک مشروع تصرف ہے حتیٰ کہ اس سے حکم طلاق (وقوعِ
طلاق) حاصل ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ جو تصرف مشروع ہو وہ ممنوع نہ ہوگا؛ کیونکہ مشروعیت اور ممانعت جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔
سوال یہ ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے حالانکہ اس پر حکم شرعی (وقوعِ طلاق) مرتب ہوتا ہے یوں اس صورت
میں مشروعیت اور ممانعت دونوں جمع ہو گئیں؟ جواب یہ ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق حرام اور ممنوع نہیں، بلکہ عورت پر تطویل [illegible]

عدت حرام اور ممنوع ہے یوں کہ جس حیض میں طلاق دی ہے وہ حیض بالاتفاق شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے علاوہ تین طہر اور تین حیض گذارنا ضروری ہے جس سے عدت کا طویل ہونا ظاہر ہے اس لیے حرام ہے بنفسہ طلاق حرام نہیں مباح ہے۔

{۸}ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے؛ کیونکہ طلاق کی وجہ سے وہ نکاح منقطع ہو جائیگا جس کے ساتھ مصالح دینیہ (زنا سے بچنا) اور مصالح دنیویہ (سکنیٰ، نفقہ وغیرہ) وابستہ ہیں، مگر کبھی کسی عارضی ضرورت کی وجہ سے عورت سے چھٹکارا پانے کے لئے طلاق کو مباح قرار دیا گیا ہے اور یہ مقصود ایک طلاق سے حاصل ہو جاتا ہے، لہذا تین طلاقوں کو جمع کرنے یا طہر واحد میں تین طلاقوں کو واقع کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے ایسی طلاق کو بدعت کہتے ہیں۔

{۹}سوال یہ ہے کہ جیسا کہ تین طلاقوں کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں اسی طرح تین طہروں میں تین طلاق دینے کی بھی ضرورت نہیں، لہذا یہ صورت بھی حرام ہونی چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ دلیلِ حاجت (تجددِ رغبت کے زمانے میں طلاق دینا دلیلِ حاجت ہے) کی طرف نظر کرتے ہوئے تین طہروں میں تین طلاقیں دینے کی حاجت موجود ہے اس لیے یہ صورت حرام نہ ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ دلیلِ حاجت قائم مقام حاجت اس وقت ہوگی کہ حاجت کا وجود تو متصور ہو جبکہ یہاں تو حاجت کا وجود ہی متصور نہیں؛ کیونکہ پہلے طہر میں ایک طلاق دینے سے نکاح ختم ہو گیا لہذا اب رفع نکاح کی حاجت نہیں اور جب حاجت نہیں تو دلیلِ حاجت اس کے قائم مقام بھی نہ ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ حاجت تو فی نفسہ اب بھی موجود ہے؛ کیونکہ بسا اوقات عورت بداخلاق اور بدزبان ہوتی ہے شوہر کو حاجت ہوتی ہے کہ رجعت کا امکان ہی ختم کردے لہذا اس باقی حاجت پر تصورِ دلیل ممکن ہے اس لیے دلیلِ حاجت قائم مقام حاجت ہوگی اور دوسرے و تیسرے طہر میں طلاق کی اجازت ہوگی۔

{۱۰}امام شافعیؒ کے قول "کہ مشروعیت اور ممانعت جمع نہیں ہوسکتی ہیں" کا جواب یہ ہے کہ مشروعیتِ ذاتی اور ممانعتِ ذاتی تو بے شک جمع نہیں ہوسکتی ہیں، مگر مشروعیتِ ذاتی اور ممانعت لغیرہ جمع ہوسکتی ہیں جیسے مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا مشروع لذاتہ ہے اور ممنوع لغیرہ ہے، اسی طرح طلاق ازالۂ رقیت (ازالۂ نکاح) کی حیثیت سے مشروع ہے اور مصالح دینیہ و دنیویہ کے فوت ہونے کی وجہ سے ممنوع لغیرہ ہے لہذا فی نفسہ مشروعیت اور غیر کی وجہ سے ممانعت جمع ہوسکتی ہے۔

{۱۱}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ دو طلاقوں کو ایک طہر میں واقع کرنا بھی بدعت ہے؛ کیونکہ دو طلاقوں کو ایک طہر میں جمع کرنے کی حاجت نہیں۔ باقی ایک طہر میں رجعی طلاق واقع کرنے کے بجائے بائن طلاق واقع کرنے کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ اس نے سنت سے تجاوز کیا؛ کیونکہ حاجت تو ایک رجعی طلاق سے پوری ہو جاتی ہے پس

چھٹکارا پانے کے لیے زائد صفتِ بینونت کی حاجت نہیں۔ اور امام محمدؒ سے زیادات کی روایت میں مروی ہے کہ ایک طہر میں طلاق بائن دینا مکروہ نہیں ؛ کیونکہ بسااوقات رجعت کا دروازہ بند کرنے کے لیے فی الحال بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی حاجت ہوتی ہے، اور حاجت کے ہوتے ہوئے یہ صورت مکروہ نہ ہوگی۔

ف:۔ زیادات امام محمدؒ کی چھ کتابوں (جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر اور مبسوط) میں سے ایک ہے، امام محمدؒ نے مذکورہ مسئلہ زیادات میں ذکر نہیں کیا ہے بلکہ زیادات الزیادات میں ذکر کیا ہے، مگر چونکہ زیادات الزیادات تتمہ ہے زیادات کا اس لیے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے زیادات میں ذکر کیا ہے۔

{۱} وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ: سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ، وَسُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ. فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِي فِيهَا الْمَدْخُولُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا وَقَدْ ذَكَرْنَاهَا {۲} وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِي الْمَدْخُولِ بِهَا خَاصَّةً، وَهُوَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيهِ لِأَنَّ الْمُرَاعَى دَلِيلُ الْحَاجَةِ وَهُوَ الْإِقْدَامُ عَلَى الطَّلَاقِ فِي زَمَانِ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ وَهُوَ الطُّهْرُ الْخَالِي عَنِ الْجِمَاعِ، أَمَّا زَمَانُ الْحَيْضِ فَزَمَانُ النَّفْرَةِ، وَبِالْجِمَاعِ مَرَّةً فِي الطُّهْرِ تَفْتُرُ الرَّغْبَةُ {۳} وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا يُطَلِّقُهَا فِي حَالَةِ الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ يَقِيسُهَا عَلَى الْمَدْخُولِ بِهَا. وَلَنَا أَنَّ الرَّغْبَةَ فِي غَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا صَادِقَةٌ لَا تَقِلُّ بِالْحَيْضِ مَا لَمْ يَحْصُلْ مَقْصُودُهُ مِنْهَا، وَفِي الْمَدْخُولِ بِهَا تَتَجَدَّدُ بِالطُّهْرِ. {۴} قَالَ: وَإِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ أَوْ كِبَرٍ فَأَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً، فَإِذَا مَضَى شَهْرٌ طَلَّقَهَا أُخْرَى، فَإِذَا مَضَى شَهْرٌ طَلَّقَهَا أُخْرَى؛ لِأَنَّ الشَّهْرَ فِي حَقِّهَا قَائِمٌ مَقَامَ الْحَيْضِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ}

اور سنت طلاق میں دو طرح سے ہے، سنت فی الوقت اور سنت فی العدد۔ پس سنت فی العدد میں برابر ہے مدخول بہا اور غیر مدخول بہا اور ہم نے ذکر کیا اس کو۔ اور سنت فی الوقت ثابت ہوتی ہے مدخول بہا میں خاص کر، اور وہ یہ کہ طلاق دے بیوی کو ایسے طہر میں کہ جماع نہ کیا ہو اس سے اس میں، کیونکہ ملحوظ دلیل حاجت ہے اور وہ اقدام طلاق ہے تجدد رغبت کے زمانے میں، اور وہ طہر ہے جو جماع سے خالی ہو بہر حال زمانہ حیض تو وہ زمانہ نفرت ہے اور ایک مرتبہ جماع سے طہر میں ست ہو جاتی ہے رغبت۔ اور غیر مدخول بہا کو طلاق دی جائے گی حالت طہر و حیض میں، اختلاف ہے امام زفرؒ کا وہ قیاس کرتے ہیں اس کو مدخول بہا پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رغبت غیر مدخول بہا میں پوری ہے کم نہیں ہوتی ہے حیض کی وجہ سے جب تک کہ حاصل نہ ہو اس کا مقصود اس سے، اور مدخول بہا میں رغبت نئی ہوتی ہے طہر کی وجہ سے۔ فرمایا: اور جب ہو عورت کہ اسے حیض نہ آتا ہو صغر یا بڑھاپے کی وجہ سے، پس مرد نے ارادہ کیا کہ اسے تین طلاق دے سنت کے مطابق، تو طلاق دے اس کو ایک، پھر جب گذر جائے مہینہ تو طلاق دے اس کو دوسری، پھر جب گذر جائے

مہینہ تو طلاق دے اس کو تیسری؛ کیونکہ مہینہ اس کے حق میں حیض کا قائم مقام ہے باری تعالیٰ نے فرمایا" اور وہ عورتیں جو مایوس ہوں حیض سے"

إلى أن قال ﴿ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ﴾ ﴿۵﴾ وَالْإِقَامَةُ فِي حَقِّ الْحَيْضِ خَاصَّةً حَتَّى يُقَدَّرَ الِاسْتِبْرَاءُ

یہاں تک کہ فرمایا" اور وہ جن کو حیض نہیں آتا" اور وہ قائم کرنا حیض کے حق میں ہے خاص کر، حتی کہ اندازہ لگایا جائے استبراء کا

فِي حَقِّهِمَا بِالشَّهْرِ وَهُوَ بِالْحَيْضِ لَا بِالطُّهْرِ. ﴿۶﴾ ثُمَّ إِنْ كَانَ الطَّلَاقُ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ تُعْتَبَرُ

ان دونوں کے حق میں مہینہ سے اور وہ حیض کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ طہر کے ذریعہ، پھر اگر ہو طلاق شروع مہینہ میں تو اعتبار کیا جائے گا

الشُّهُورُ بِالْأَهِلَّةِ، وَإِنْ كَانَ فِي وَسَطِهِ فَبِالْأَيَّامِ فِي حَقِّ التَّفْرِيقِ، وَفِي حَقِّ الْعِدَّةِ كَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

مہینوں کا چاندوں کے ذریعہ اور اگر ہو وسط مہینہ میں تو دنوں کے ذریعہ تفریق کے حق میں، اور عدت کے حق میں ایسا ہی ہے امام صاحب کے نزدیک

﴿۷﴾ وَعِنْدَهُمَا يُكْمِلُ الْأَوَّلَ بِالْأَخِيرِ وَالْمُتَوَسِّطَانِ بِالْأَهِلَّةِ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْإِجَارَاتِ. ﴿۸﴾ قَالَ وَيَجُوزُ أَنْ

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پورا کرے اول اخیر سے اور درمیان کے دو چاندوں سے، اور یہ مسئلہ اجارات کا ہے۔ فرمایا: اور جائز ہے کہ

يُطَلِّقَهَا وَلَا يَفْصِلُ بَيْنَ وَطْئِهَا وَطَلَاقِهَا بِزَمَانٍ وَقَالَ زُفَرُ: يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا

طلاق دے اس کو اور فصل نہ کرے اس کی وطی اور اس کی طلاق کے درمیان زمانہ سے اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ فصل کرے دونوں کے درمیان

بِشَهْرٍ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْحَيْضِ؛ وَلِأَنَّ بِالْجِمَاعِ تَفْتُرُ الرَّغْبَةُ، وَإِنَّمَا تَتَجَدَّدُ بِزَمَانٍ وَهُوَ الشَّهْرُ:

مہینے سے بوجہ قائم ہونے اس کے حیض کی جگہ میں، اور اس لیے کہ جماع سے کم ہو جاتی ہے رغبت اور نئی ہو گی ایک زمانہ سے اور وہ مہینہ ہے

وَلَنَا أَنَّهُ لَا يُتَوَهَّمُ الْحَبَلُ فِيهَا، وَالْكَرَاهِيَةُ فِي ذَوَاتِ الْحَيْضِ بِاعْتِبَارِهِ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ يَشْتَبِهُ وَجْهُ الْعِدَّةِ،

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ متوہم نہیں حمل ان میں اور کراہیت ذوات الحیض میں اسی اعتبار سے ہے؛ کیونکہ اس وقت مشتبہ ہو گی وجہ عدت

﴿۹﴾ وَالرَّغْبَةُ وَإِنْ كَانَتْ تَفْتُرُ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي ذُكِرَ لَكِنْ تَكْثُرُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ؛ لِأَنَّهُ يَرْغَبُ فِي وَطْءٍ

اور رغبت اگرچہ کم ہوتی ہے اس وجہ سے جو اس نے ذکر کی، لیکن بڑھ جاتی ہے ایک اور وجہ سے؛ کیونکہ وہ رغبت رکھے گا ایسی وطی میں

غَيْرِ مُعْلِقٍ فِرَارًا عَنْ مُؤَنِ الْوَلَدِ فَكَانَ الزَّمَانُ زَمَانَ الرَّغْبَةِ، فَصَارَ كَزَمَانِ الْحَبَلِ

جس سے علوق نہیں ہوتا فرار اختیار کرتے ہوئے بچے کے بوجھ سے پس ہو گا زمانہ رغبت کا زمانہ، پس ہو جائے گا حمل کے زمانے کی طرح۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں سنت طلاق کی تفصیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۳ میں غیر مدخول بہا کو سنت طلاق دینے میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ و ۷ میں مہینوں سے عدت گذارنے کی تفصیل ائمہ کے اختلاف کے ساتھ ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں نابالغہ اور آئسہ کو سنت فی الوقت کے مطابق تین طلاق دینے کی طریقہ اور دلیل ذکر کی

ہے۔ اور نمبر ۵ میں بتایا ہے کہ مہینہ خاص کر حیض کا قائم مقام ہے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸و۹ میں صغیرہ اور آئسہ کو وطی کے بعد طلاق دینے کے حکم میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} طلاق میں سنت دو طرح سے ہے، ایک سنت وقت کے اعتبار سے کہ مرد عورت کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وطی نہ کی گئی ہو، ایک سنت عدد کے اعتبار سے کہ ایک طہر میں فقط ایک طلاق دیدے۔ پھر سنت فی العدد میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں یعنی تین طلاقیں دینا مدخول بہا و غیر مدخول بہا دونوں کو ممنوع ہے اور ایک طلاق دونوں کو مشروع ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے کہ سنت یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے۔

{۲} اور سنت فی الوقت خاص کر مدخول بہا میں ثابت ہوگی نہ کہ غیر مدخول بہا میں، اور سنت فی الوقت یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس سے جماع نہ کیا گیا ہو؛ کیونکہ طلاق حلال ہونے میں ملحوظ دلیلِ حاجت ہے اور دلیلِ حاجت تجدد رغبت کے زمانے میں اقدامِ طلاق ہے اور تجددِ رغبت کا زمانہ ایسا طہر ہے جو جماع سے خالی ہو، باقی حیض کا زمانہ تو طبعی اور شرعی نفرت کا زمانہ ہے، اور طہر میں ایک مرتبہ جماع کرنے سے رغبت کم ہو جاتی ہے، لہٰذا زمانہ حیض اور ایسے طہر کا زمانہ جس میں جماع کیا گیا ہو رغبت کا زمانہ نہیں اس لیے اس میں اقدامِ طلاق دلیلِ حاجت نہیں کہ اس کو حاجت کا قائم مقام قرار دے کر طلاق کو اس میں مشروع قرار دیا جائے، ہاں جو طہر جماع سے خالی ہو اس میں اقدامِ طلاق حاجتِ طلاق کی دلیل ہے پس طہر خالی عن الجماع مدخول بہا کے حق میں ثابت ہے اس لیے اس وقت اس کو طلاق دینا مشروع ہوگا، جبکہ غیر مدخول بہا میں تو ہر وقت دلیلِ رغبت موجود ہے لہٰذا اس کے لیے وقت کی قید (طہر خالی عن الجماع) نہیں۔

{۳} پس غیر مدخول بہا بیوی کو سنت طلاق دی جاتی ہے حالتِ طہر و حیض ہر دو میں یعنی غیر مدخول بہا کو طہر و حیض ہر دو حالت میں طلاق دینا سنت فی الوقت قرار دیا گیا ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک غیر مدخول بہا کو حالتِ حیض میں طلاق دینا مکروہ ہے، وہ غیر مدخول بہا کو مدخول بہا پر قیاس کرتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک غیر مدخول بہا میں بھی سنت فی الوقت ثابت ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مدخول بہا میں رغبت ہر حال میں بھرپور رہتی ہے خواہ وہ حالتِ حیض میں ہو یا حالتِ طہر میں، حیض کی وجہ سے اس میں رغبت کم نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اس سے شوہر کا مقصود حاصل نہ ہو لہٰذا غیر مدخولہ بیوی کو حالتِ حیض میں دی گئی طلاق بھی سنت فی الوقت شمار ہوگی، رہی مدخول بہا تو اس میں تجددِ رغبت فقط ایسے طہر سے پیدا ہوتا ہے جس میں جماع نہ

کیا گیا ہو، لہٰذا ایسے طہر میں اسے طلاق دینا دلیل حاجت ہے، اس لیے فقط اسی وقت (طہر خالی عن الجماع کے وقت) میں طلاق دینا شروع ہوگا۔

{۴} اور اگر کسی عورت کو صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور اس کا شوہر چاہتا ہو کہ اس کو سنت فی الوقت کے مطابق تین طلاق دیدے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دیدے اور چھوڑ دے یہاں تک کہ ایک ماہ گذر جائے پھر دوسری طلاق دیدے پھر ایک ماہ تک چھوڑ دے پھر تیسری طلاق دیدے تو تین طلاق تین مہینوں میں ہوجائینگی اور یہ اس لئے کہ مہینہ صغیرہ اور کبیرہ کے حق میں حیض کے قائم مقام ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ)(اور تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادت سن کے) حیض آنے سے مایوس ہوچکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدّت کی تعیین میں) شبہ ہو تو ان کی عدّت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا)۔

{۵} اور مہینہ خاص کر حیض کا قائم مقام ہے نہ کہ حیض اور طہر دونوں کے قائم مقام، یہی وجہ ہے کہ باندی کو اگر صغر سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور ایک شخص کی مِلک سے دوسرے شخص کی مِلک کی طرف منتقل ہورہی ہو تو اس کا استبراء مہینہ کے ساتھ مقدر کیا جاتا ہے حالانکہ استبراء حیض کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ طہر کے ذریعہ، معلوم ہوا کہ مہینہ حیض کے قائم مقام ہے۔ جو باندی کسی کی مِلک میں آئے تو اس کا ایک حیض تک انتظار کرنے کو استبراء کہتے ہیں استبراء کے بغیر اس کا مالک اس کے ساتھ وطی نہیں کرسکتا ہے اور یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس کا رحم سابقہ مالک کے پانی کے ساتھ مشغول نہیں۔

{۶} پس جب یہ ثابت ہوا کہ مہینہ حیض کے قائم مقام ہے تو اگر طلاق مہینہ کی پہلی رات (جس رات رویتِ ہلال ہوگئی) دی گئی، تو تین مہینوں کا حساب چاندوں سے ہوگا خواہ وہ مکمل تیس دن کے ہوں یا ان میں انتیس دن کے مہینے بھی ہوں، اور اگر طلاق مہینہ کے درمیان میں دی گئی تو تین طلاق متفرق طور پر دینے میں باتفاقِ ائمہ ثلاثہ تین ماہ کا اعتبار دنوں کے ذریعہ ہوگا یعنی پہلی طلاق جس تاریخ کو دی گئی تو دوسری ٹھیک تیس دن کے بعد دی جائے، اور تیسری اس سے تیس کے بعد دی جائے۔ اور عدت کے بارے میں بھی امام صاحبؒ کے نزدیک دنوں کا اعتبار ہوگا پس پہلی طلاق سے ٹھیک نوّے دن بعد عدت گذر جائے گی۔

(۱) الطلاق: ۴

{۷} مگر صاحبینؒ سے عدت کے بارے میں مروی ہے کہ اول ماہ کو آخر ماہ کے ساتھ دنوں کے ذریعہ پورا کیا جائے اور درمیان کے دو مہینے چاند کے ذریعہ پورے کئے جائیں مثلاً اس مہینے کی بیس تاریخ کو طلاق دی گئی اور یہ مہینہ انتیس دنوں کا ہو تو ان نو دنوں کو محفوظ کیا جائے اگلی چاند رات سے دو مہینے چاند کے ذریعہ پورے کئے جائیں خواہ وہ دونوں تیس دن کے ہوں یا انتیس دن کے، پھر آخری مہینے کے اکیس دن پہلے مہینے کے نو دنوں کے ساتھ ملا کے تیس دنوں کو پورا کیا جائے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اصل میں اجارات کا ہے یعنی اگر کسی نے مکان چاند کی پہلی تاریخ کو تین ماہ کے لیے کرایہ پر لیا تو ان تین ماہ کو چاند کے ذریعہ پورا کیا جائے گا خواہ مہینے انتیس تاریخ کے ہوں یا تیس کے، اور اگر اس نے مہینے کے درمیان میں مکان کرایہ پر لیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک دنوں سے حساب کیا جائے گا پورے نوّے دن وہ اس مکان میں رہے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک اول کو آخری ماہ کے ساتھ دنوں کے ذریعہ پورا کیا جائے گا اور درمیان کے دو مہینے چاند کے ذریعہ پورے کئے جائیں گے۔

فتویٰ: فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے لما فی منحة الخالق: (قَوْلُهُ: وَفِي الْكَافِي الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا) قَالَ فِي الْفَتْحِ قِيلَ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا لِأَنَّهُ أَسْهَلُ وَلَيْسَ بِشَيْءٍ، وَفِي النَّهْرِ قِيلَ: وَالْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا كَذَا فِي الْكَافِي. (منحة الخالق علی هامش البحرالرائق: ۳/۲۴۱)

{۸} یہ بھی جائز ہے کہ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کو وطی کے بعد طلاق دے یعنی اگر اس کی طلاق اور وطی کے درمیان زمانے کے ساتھ فصل نہ کیا جائے تو بھی جائز ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وطی اور طلاق میں ایک ماہ کا فاصلہ رکھا جائے گا؛ کیونکہ مہینہ حیض کے قائم مقام ہے اور ذوات الحیض میں وطی اور طلاق میں ایک حیض کا فاصلہ ضروری تھا تو غیر ذوات الحیض میں ایک ماہ کا فاصلہ ضروری ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جماع کرنے سے رغبت کم ہو جاتی ہے اس لیے اتنی مدت کا ہونا ضروری ہے جس میں نئی رغبت پیدا ہو اور وہ مدت ایک ماہ ہے اس لیے ایک ماہ کا فاصلہ ضروری ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ذوات الحیض میں طلاق بعد الجماع کی کراہت کی اصل وجہ احتمالِ حمل ہے؛ کیونکہ یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ عورت حاملہ ہے عدت وضع حمل سے گذارے گی یا غیر حاملہ ہے عدت تین حیض سے گذارے گی، اور صغیرہ وکبیرہ میں چونکہ احتمال حمل نہیں اس لئے ان کے حق میں طلاق بعد الجماع بھی بلا کراہت مباح ہوگی۔

{۹} باقی امام زفرؒ کا یہ کہنا کہ وطی سے رغبت کم ہو جاتی ہے اس لیے فاصلہ ضروری ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام زفرؒ کی ذکر کردہ وجہ کے اعتبار سے تو واقعی رغبت کم ہو جاتی ہے مگر ایک اور وجہ سے رغبت بڑھ جاتی ہے وہ یہ کہ غیر ذوات الحیض سے وطی کرنے سے علوق (حمل قرار پکڑنا) نہیں ہوتا ہے یعنی وہ حاملہ نہیں ہوتی ہے اور بندہ اولاد کے خرچ سے بچنے کے لیے ایسی وطی میں

رغبت رکھتا ہے جو غیر معلق ہو یعنی جس سے عورت حاملہ نہ ہو، لہذا جماع کے بعد زمانہ بھی رغبت کا زمانہ ہے اس لیے جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے جیسا کہ حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے؛ کیونکہ وہ پہلے سے حاملہ ہے جماع سے دوبارہ حاملہ نہ ہوگی اس لیے جماع کے بعد بھی اس سے وطی کرنے کی رغبت ہوتی ہے۔

{۱} وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوزُعَقِيبَ الْجِمَاعِ؛لِأَنَّهُ لَايُؤَدِّي إِلَى اشْتِبَاهِ وَجْهِ الْعِدَّةِ،وَزَمَانُ الْحَبَلِ زَمَانُ الرَّغْبَةِ

اور حاملہ کی طلاق جائز ہے جماع کے بعد؛ کیونکہ یہ مفضی نہیں اشتباہِ وجہ عدت کی طرف، اور حمل کا زمانہ زمانہ رغبت ہے

فِي الْوَطْءِلِكَوْنِهِ غَيْرَ مُعَلِّقٍ أَوْ يَرْغَبُ فِيهَا لِمَكَانِ وَلَدِهِ مِنْهَا فَلَا تَقِلُّ الرَّغْبَةُ بِالْجِمَاعِ

وطی میں؛ کیونکہ یہ وطی علوق پیدا نہیں کرتی، یا رغبت رکھے گا اس میں بچہ ہونے کی وجہ سے اس سے، پس کم نہ ہوگی رغبت جماع سے

{۲} وَيُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلَاثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيقَتَيْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَأَبِي حَنِيفَةَوَأَبِي يُوسُفَ.وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ

اور طلاق دے اس کو سنت طریقہ پر تین یوں کہ فصل کرے ہر دو طلاقوں کے درمیان مہینہ سے شیخینؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ وامام زفرؒ نے

(لَايُطَلِّقُهَالِلسُّنَّةِإِلَّاوَاحِدَةً)لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الطَّلَاقِ الْحَظْرُ ، وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِالتَّفْرِيقِ عَلَى فُصُولِ الْعِدَّةِ،

کہ سنت طریقے کے مطابق طلاق فقط ایک دیدے؛ کیونکہ اصل طلاق میں ممانعت ہے، اور وارد ہوا ہے شرع تفریق کے ساتھ فصول عدت پر،

وَالشَّهْرُ فِي حَقِّ الْحَامِلِ لَيْسَ مِنْ فُصُولِهَا فَصَارَ كَالْمُمْتَدِّ طُهْرُهَا . {۳}وَلَهُمَا أَنَّ

اور مہینہ حاملہ کے حق میں نہیں ہے فصل عدت میں سے پس ہو گیا ایسا جیسا کہ وہ عورت جس کا دراز ہو جائے طہر، اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ

الْإِبَاحَةَ بِعِلَّةِ الْحَاجَةِ وَالشَّهْرُ دَلِيلُهَا كَمَا فِي حَقِّ الْآيِسَةِ وَالصَّغِيرَةِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ زَمَانُ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ

اباحت علت حاجت کی وجہ سے ہے اور مہینہ دلیل حاجت ہے جیسا کہ آئسہ اور صغیرہ کے حق میں، اور یہ اس لیے کہ مہینہ زمانہ ہے تجدد رغبت کا

عَلَى مَا عَلَيْهِ الْجِبِلَّةُ السَّلِيمَةُ فَصَلَحَ عَلَمًا وَدَلِيلًا ،{۴}بِخِلَافِ الْمُمْتَدِّ طُهْرُهَا ؛ لِأَنَّ الْعَلَمَ

جیسا کہ اس پر فطرتِ سلیمہ ہے، پس مہینہ صلاحیت رکھتا ہے علامت اور دلیل بننے کی، بخلاف اس کے جس کا طہر دراز ہو؛ کیونکہ علامت

فِي حَقِّهَا إِنَّمَا هُوَ الطُّهْرُ وَهُوَ مَرْجُوٌّ فِيهَا فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَايُرْجَى مَعَ الْحَبَلِ.{۵} وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ

اس کے حق میں طہر ہی ہے، اور طہر کی امید ہے اس میں ہر زمانے میں، اور نہیں حمل کے ساتھ۔ اور جب طلاق دے مرد اپنی بیوی کو

فِي حَالَةِالْحَيْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ ؛ لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْهُ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا يَنْعَدِمُ

حالتِ حیض میں تو واقع ہو جائے گی طلاق؛ کیونکہ ممانعت اس میں غیر کی وجہ سے اور وہ وہی جس کو ہم نے ذکر کیا، پس معدوم نہ ہوگی

مَشْرُوعِيَّتُهُ {۶} وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا { لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعُمَرَ مُرْ ابْنَكَ

مشروعیت، اور مستحب ہے اس کے لیے کہ رجوع کرے اس سے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے حضرت عمرؓ سے "امر کر اپنے بیٹے کو

فَلْيُرَاجِعْهَا }وَقَدْ طَلَّقَهَا فِي حَالَةِ الْحَيْضِ .وَهَذَا يُفِيدُ الْوُقُوعَ وَالْحَثَّ عَلَى الرَّجْعَةِ

کہ وہ رجوع کرے اس سے" اور انہوں نے طلاق دی تھی اس کو حالتِ حیض میں، اور یہ فائدہ دیتا ہے وقوعِ طلاق اور رجعت پر ابھارنے کا

ثُمَّ الِاسْتِحْبَابُ قَوْلُ بَعْضِ الْمَشَايِخِ .وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ وَاجِبٌ عَمَلًا بِحَقِيقَةِ الْأَمْرِ وَرَفْعًا لِلْمَعْصِيَةِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ

پھر استحباب بعض مشائخ کا قول ہے، اور اصح یہ ہے کہ واجب ہے عمل کرتے ہوئے حقیقتِ امر پر رفع کرتے ہوئے معصیت کو بقدرِ امکان

بِرَفْعِ أَثَرِهِ وَهُوَ الْعِدَّةُ وَدَفْعًا لِضَرَرِ تَطْوِيلِ الْعِدَّةِ . {۷}قَالَ فَإِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ

اس کا اثر رفع کرنے سے اور وہ عدت ہے، اور دفع کرتے ہوئے تطویلِ عدت کا ضرر۔ فرمایا: پھر جب وہ پاک ہو جائے اور حائضہ ہو جائے

ثُمَّ طَهُرَتْ فَإِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا .قَالَ : وَهَكَذَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ .وَذَكَرَ

پھر پاک ہو جائے، تو اگر چاہے تو طلاق دے اس کو اور اگر چاہے تو روک دے اس کو۔ فرمایا: اسی طرح مذکور ہے مبسوط میں، اور ذکر کیا ہے

الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ يُطَلِّقُهَا فِي الطُّهْرِ الَّذِي يَلِي الْحَيْضَةَ الْأُولَى .قَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْكَرْخِيُّ مَا ذَكَرَهُ

امام طحاویؒ نے کہ شوہر طلاق دے بیوی کو اس طہر میں جو متصل ہے پہلے حیض سے، فرمایا ابو الحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ طحاویؒ کا ذکر کردہ قول

قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَمَا ذَكَرَ فِي الْأَصْلِ قَوْلُهُمَا {۸}وَوَجْهُ الْمَذْكُورِ فِي الْأَصْلِ أَنَّ السُّنَّةَ أَنْ يَفْصِلَ

امام صاحبؒ کا قول ہے، اور جو ذکر کیا ہے مبسوط میں وہ صاحبینؒ کا قول ہے، اور وجہ مبسوط میں مذکور قول کی یہ ہے کہ سنت یہ ہے کہ فصل کرے

بَيْنَ كُلِّ طَلَاقَيْنِ بِحَيْضَةٍ وَالْفَاصِلُ هَاهُنَا بَعْضُ الْحَيْضَةِ فَتَكْمُلُ بِالثَّانِيَةِ وَلَا تَتَجَزَّأُ

ہر دو طلاقوں میں حیض کے ساتھ اور فاصل یہاں بعض حیض ہے پس مکمل کیا جائے گا دوسرے حیض سے اور حیض متجزی نہیں ہوتا

فَتَتَكَامَلُ .وَجْهُ الْقَوْلِ الْآخَرِ أَنَّ أَثَرَ الطَّلَاقِ قَدْ انْعَدَمَ بِالْمُرَاجَعَةِ فَصَارَ كَأَنَّهُ لَمْ يُطَلِّقْهَا فِي الْحَيْضِ

پس مکمل ہوگا اور وجہ دوسرے قول کی یہ ہے کہ اثرِ طلاق معدوم ہوا مراجعت سے پس ہو گیا گویا طلاق نہیں دی ہے اس کو حیض میں

فَيُسَنُّ تَطْلِيقُهَا فِي الطُّهْرِ الَّذِي يَلِيهِ .

اس لیے مسنون ہوگی اس کی طلاق اس طہر میں جو اس کے متصل ہے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینے کا جواز اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۲ تا ۴ میں حاملہ کو تین طلاق سنت کے مطابق دینے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے اور امام محمدؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ تا ۸ میں حالتِ حیض میں طلاق دینے کا حکم اور دلیل، اور اس طلاق سے رجوع کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، پھر اس عورت کو دوبارہ طلاق دینے کے وقت کے بارے میں دو روایتیں اور ہر ایک روایت کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے؛ کیونکہ حاملہ کی وجہ عدت متعین ہے کہ وضع حمل ہے اس لیے وطی کرنے سے عدت مشتبہ نہیں ہوتی ہے، اور حمل کا زمانہ بہر حال رغبت کا زمانہ ہے وطی کرنے سے رغبت میں کمی نہیں آتی ہے؛ کیونکہ حمل کے دوران وطی مُعلق نہیں یعنی اس سے نیا حمل نہیں ٹھہرتا ہے جس سے اس پر خرچ کا بوجھ بڑھ جائے، یا حاملہ عورت میں رغبت بچے کی وجہ سے ہے یعنی عورت نے شوہر کے بچے کو پیٹ میں محفوظ کیا ہوا ہے اور بچہ سے انسان کو محبت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ماں سے بھی محبت ہوگی اور محبت داعی وطی ہے اس لیے حاملہ سے وطی کرنے کے بعد بھی وطی کی رغبت کم نہیں ہوتی، اس لیے اسے وطی کے بعد طلاق دینا جائز ہے۔

{۲} شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک حاملہ عورت کو تین طلاق سنت طریقہ پر اس طرح دی جائیں کہ ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ رکھے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کی طلاق سنت فقط ایک طلاق ہے؛ کیونکہ اصل طلاق میں ممانعت ہے اور شریعت وارد ہوئی کہ طلاق کو فصولِ عدت پر متفرق کیا جائے یعنی ذوات الحیض میں تین طلاق تین طہروں پر اور غیر ذوات الحیض میں تین مہینوں پر متفرق کرکے واقع کی جائیں، اور حاملہ کے حق میں مہینہ فصولِ عدت میں سے نہیں ہے کہ تین طلاقوں کو تین مہینوں پر متفرق کرکے واقع کی جائیں؛ کیونکہ حاملہ کی فصولِ عدت وضع حمل ہے، لہٰذا حاملہ عورت ممتدۃ الطہر کی طرح ہے یعنی جس عورت کا طہر طویل ہوگیا تو اس کی تین طلاقوں کو تین مہینوں پر متفرق کرکے واقع نہیں کیا جائے گا بلکہ پوری مدتِ طہر میں ایک طلاق دی جائے گی، اسی طرح حاملہ عورت کو اگر طلاقِ سنت دینا چاہے تو اسے تین مہینوں پر متفرق نہیں کیا جائے گا بلکہ پوری مدتِ حمل میں ایک طلاق دی جائے گی۔ فصولِ عدت سے وہ چیز مراد ہے جس سے عدت کو شمار کیا جاتا ہے یعنی ذوات الحیض میں حیض اور آئسہ وصغیرہ میں مہینے۔

{۳} شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اباحتِ طلاق علتِ حاجت کی وجہ سے ہے اور مہینہ دلیلِ حاجت ہے جیسا کہ آئسہ اور صغیرہ کے حق میں، اور حاملہ کے حق میں مہینہ دلیلِ حاجت اس لیے ہے کہ مہینہ فطرتِ سلیمہ کے مطابق تجددِ رغبت کا زمانہ ہے یعنی ایک سلیم الفطرت شخص کو مہینہ میں رغبتِ وطی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا مہینہ حاملہ کے حق میں بھی علامت اور دلیلِ حاجت ہے اور پہلے گذر چکا کہ حکم دلیلِ حاجت پر دائر ہے پس جب حاملہ کے حق میں بھی دلیلِ حاجت پائی جاتی ہے تو اس کے حق میں بھی متفرق طور پر تین ماہ میں تین طلاق واقع کرنا مباح ہوگا۔

{۴} باقی امام محمدؒ کا حاملہ کو ممتدۃ الطہر پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں؛ کہ ان دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ ممتدۃ الطہر کے حق میں تجددِ رغبت کی علامت نیا طہر ہے مہینہ نہیں، اس لیے کہ اس کے حق میں ہر وقت طہر کا امکان ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ اس کو حیض آئے پھر حیض کے بعد طہر آئے، جبکہ حاملہ کے حق میں تجددِ طہر کی کوئی امید نہیں؛ اس لیے کہ حاملہ کو دوران حمل میں حیض نہیں آتا لہذا اس کے حق میں طہر کا بھی امکان نہیں، پس حاملہ اور ممتدۃ الطہر میں اس فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

فتویٰ:۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے مولانا عبدالحکیم شاولیکوٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: واختار اکثرهم قولهما من جهة الرواية والدراية (هامش الهداية: ۲/۳۳۵)

{۵} اگر کسی نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی، تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ حالتِ حیض میں طلاق دینے کی ممانعت آئی ہے، مگر یہ ممانعت لعینہ نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ حالتِ حیض میں طلاق دینے سے عورت کی عدت طویل ہو جائے گی؛ کیونکہ جس حیض میں طلاق دی ہے وہ عدت میں شمار نہ ہوگا اسی طرح اس کے بعد والا طہر بھی عدت میں شمار نہ ہوگا، طہر کے بعد جو حیض آئے گا وہ عدت کا حصہ ہوگا پس اس طوالتِ حیض کی وجہ سے حالتِ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے لعینہ ممنوع نہیں، اور قاعدہ ہے کہ لغیرہ ممانعت سے شئ کی لعینہ مشروعیت معدوم نہیں ہوتی ہے اور جب حالتِ حیض میں طلاق لعینہ مشروع ہے تو واقع ہو جائے گی۔

{۶} حالت حیض میں طلاق دینے والے مرد کیلئے اپنی اس مطلقہ بیوی سے مراجعت کرنا مستحب ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی تھی جس کی خبر نبی ﷺ کو ہوئی تو نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ: "اپنے بیٹے کو حکم کر کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے" جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ کیونکہ اس میں رجعت کا حکم ہے اور رجعت طلاق کے بعد ہوتی ہے اس لیے ہم نے کہا کہ حالتِ حیض میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

یہ بعض مشائخ کا قول ہے کہ حالتِ حیض میں دی گئی طلاق سے مراجعت مستحب ہے، اصح یہ ہے کہ مراجعت کرنا واجب ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں "فَلْيُرَاجِعْهَا" امر کا صیغہ ہے اور مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے پس وجوب کے لیے قرار دینے میں حقیقتِ امر پر عمل ہوگا۔ نیز حالتِ حیض میں طلاق دینا معصیت ہے پس مناسب تھا کہ طلاق واقع ہی نہ ہوتا کہ کلی طور پر معصیت ختم

) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں۔ قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الأَئِمَّةُ السِّتَّةُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، فَتَطْهُرَ، فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا، قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ" (نصب الراية: ۳/ص: ۲۲۱)

ہو، مگر اوپر بیان ہوا کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے ،لہذا بقدرِ امکان معصیت کو دور کرنا چاہیے اس لیے طلاق کے اثر کو ختم کیا جائے گا اور طلاق کا اثر عدت ہے لہذا مرد رجوع کر کے عدت کو ختم کر دے ،اور رجعت اس لیے بھی واجب ہے کہ اس طرح عورت سے تطویلِ عدت کا ضرر ختم ہو جاتا ہے۔

{۷}پھر رجعت کے بعد جب وہ عورت اس حیض سے پاک ہو گئی جس میں طلاق دی گئی تھی اور پھر حائضہ ہو گئی پھر اس حیض ثانی سے بھی پاک ہو گئی، تو اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ طہر ثانی میں اپنی اس بیوی کو طلاق دے یا روکے رکھے۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط میں یہی صورت ذکر کی ہے۔اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ جس حیض میں طلاق واقع کی گئی تھی اس کے بعد طہر اوّل میں طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے۔امام ابوالحسن کرخیؒ نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ امام طحاویؒ کی ذکر کردہ روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور مبسوط کی ذکر کردہ روایت صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے۔

{۸}اور مبسوط میں مذکور قول کی وجہ یہ ہے کہ ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک مستقل حیض سے فصل کرنا سنت ہے، تو چونکہ پہلا حیض (جس میں طلاق دی گئی ہے) کامل حیض نہیں بلکہ بعضِ حیض ہے؛ کیونکہ اس کا کچھ حصہ گذر جانے کے بعد طلاق دی گئی ہے اس لیے اس کو دوسرے حیض سے پورا کیا جائے گا لیکن چونکہ حیض میں تجزی نہیں اس لیے دوسرے کامل حیض سے اول کو پورا کیا جائے گا پس جب دوسرا حیض مکمل ہوا تو اس کے بعد والا طہر طلاقِ سنت کا زمانہ ہو گا پس اس میں سنت طریقہ پر طلاق دینا ممکن ہو گا۔

اور امام طحاویؒ کے ذکر کردہ قول کی وجہ یہ ہے کہ جس طلاق کو حیض میں واقع کیا گیا ہے اس کا اثر رجعت کی وجہ سے ختم ہو گیا اور جب اثرِ طلاق ختم ہو گیا تو یہ ایسا ہے گویا کہ حالتِ حیض میں طلاق دی ہی نہیں ہے اس لیے اس حیض کے بعد والے طہر میں طلاق دینا مسنون ہو گا۔

فتوی:۔ مبسوط کا قول راجح ہے لمافی البحرالرائق: قَوْلُهُ: (وَيُطَلِّقُهَا فِي طُهْرٍ ثَانٍ) يَعْنِي إذَا رَاجَعَهَا فِي الْحَيْضِ أَمْسَكَ عَنْ طَلَاقِهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ فَيُطَلِّقَهَا ثَانِيَةً وَلَا يُطَلِّقُهَا فِي الطُّهْرِ الَّذِي طَلَّقَهَا فِي حَيْضَتِهِ لِأَنَّهُ كَمَا قَدَّمْنَاهُ بِدْعِيٌّ وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ يُطَلِّقُهَا فِي طُهْرِهِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ أَثَرَ الطَّلَاقِ انْعَدَمَ بِالْمُرَاجَعَةِ فَصَارَكَأَنَّهُ لَمْ يُطَلِّقْهَا فِي هَذِهِ الْحَيْضَةِ فَيُسَنُّ تَطْلِيقُهَا فِي طُهْرِهَا، وَالْأَوَّلُ هُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْأَصْلِ وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ كَمَا فِي الْكَافِي وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَقَوْلُ الْكُلِّ كَمَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ وَيَدُلُّ لَهُ حَدِيثُ الصَّحِيحَيْنِ:{مُرْ ابْنَكَ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ أَنْ يَمْسِكَهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ

النَّبِي أَمَرَ اللهُ أَنْ تَطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ}وَلِأَنَّ السُّنَّةَ أَنْ يَفصِلَ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيقَتَيْنِ بِحَيْضَةٍ، وَالْفَاصِلُ هُنَا بَعْضُ الْحَيْضَةِ. (البحرالرائق:۳/۲۴۲)

ف:۔اہل ظواہر کے نزدیک حالتِ حیض میں طلاق واقع نہ ہوگی؛کیونکہ حالتِ حیض میں طلاق منہی عنہ ہے لہذا مشروع نہ ہوگی۔احناف جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے حالتِ حیض میں طلاق دی تھی تو نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا"مُرْ اِبْنَکَ فَلْيُرَاجِعْهَا" (اپنے بیٹے کو حکم کر کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے)ظاہر ہے کہ وقوعِ طلاق کے بغیر مراجعت ممکن نہیں لہذا یہی سمجھا جائیگا کہ حالتِ حیض میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

{۱} وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ وَهِيَ مِنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا : أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ

اور جس نے کہا اپنی بیوی سے اور وہ ذوات الحیض میں سے ہے اور اس نے دخول کیا ہے اس کے ساتھ "تو طلاق والی ہے تین سنت طریقہ پر"

وَلَا نِيَّةَ لَهُ فَهِيَ طَالِقٌ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيقَةً ؛ لِأَنَّ اللَّامَ فِيهِ لِلْوَقْتِ وَوَقْتُ السُّنَّةِ طُهْرٌ

اور کوئی نیت نہ ہو اس کی تو وہ طلاق ہوگی ہر طہر کے وقت ایک طلاق؛کیونکہ لام اس میں وقت کے لیے ہے اور سنت کا وقت ایسا طہر ہے

لَا جِمَاعَ فِيهِ{۲} وَإِنْ نَوَى أَنْ تَقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ أَوْ عِنْدَ رَأْسِ كُلِّ شَهْرٍ وَاحِدَةً فَهُوَ عَلَى مَا نَوَى

جس میں جماع نہ ہو،اور اگر نیت کی کہ تین طلاق واقع ہوں فی الحال یا ہر مہینے کے شروع میں ایک واقع ہو تو یہ ویسا ہی ہوگا جیسا اس نے نیت کی ہے

سَوَاءٌ كَانَتْ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ أَوْفِي حَالَةِ الطُّهْرِ وَقَالَ زُفَرُ : لَاتَصِحُّ نِيَّةُ الْجَمْعِ لِأَنَّهُ بِدْعَةٌ وَهِيَ ضِدُّ السُّنَّةِ

خواہ حالتِ حیض میں ہو یا حالتِ طہر میں،اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ صحیح نہیں جمع کی نیت؛کیونکہ وہ بدعت ہے اور بدعت ضد ہے سنت کی۔

{۳}وَلَنَا أَنَّهُ مُحْتَمَلُ لَفْظِهِ ؛ لِأَنَّهُ سُنِّيٌّ وُقُوعًا مِنْ حَيْثُ أَنَّ وُقُوعَهُ بِالسُّنَّةِ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نیتِ جمع محتمل ہے اس کے کلام کا کیونکہ وہ سنی ہے وقوع کے اعتبار سے اس حیثیت سے کہ اس کا وقوع سنت سے ہے

لَا إِيقَاعًا فَلَمْ يَتَنَاوَلْهُ مُطْلَقُ كَلَامِهِ وَيَنْتَظِمُهُ عِنْدَ نِيَّتِهِ{۴}وَإِنْ كَانَتْ آيِسَةً

نہ کہ واقع کرنے کے اعتبار سے پس شامل نہ ہوگا اس کو اس کا مطلق کلام اور شامل ہوگا اس کو اس کی نیت کے وقت۔اور اگر ہو وہ آئسہ

أَوْمِنْ ذَوَاتِ الْأَشْهُرِ وَقَعَتِ السَّاعَةَ وَاحِدَةٌ وَبَعْدَ شَهْرٍ أُخْرَى وَبَعْدَ شَهْرٍ أُخْرَى ؛ لِأَنَّ الشَّهْرَ فِي حَقِّهَا

یا ذوات الاشہر سے تو واقع ہو جائے گی فی الحال ایک اور ایک مہینے کے بعد دوسری پھر ایک مہینے کے بعد تیسری؛کیونکہ مہینہ اس کے حق میں

دَلِيلُ الْحَاجَةِ كَالطُّهْرِ فِي حَقِّ ذَوَاتِ الْأَقْرَاءِ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَإِنْ نَوَى أَنْ يَقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ وَقَعْنَ

دلیل حاجت ہے جیسے ذوات الاقراء کے حق میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا،اور اگر نیت کی کہ واقع ہو جائے تین فی الحال،تو واقع ہو جائیں گی

عِنْدَنَا لِمَا قُلْنَا) {۵}بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ وَلَمْ يَنُصَّ عَلَى الثَّلَاثِ حَيْثُ لَا تَصِحُّ

ہمارے نزدیک اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے، برخلاف اس کے جب وہ کہے " أَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ" اور تصریح نہ کرے تین کی کہ صحیح نہیں

نِيَّةُ الْجَمْعِ فِيهِ ؛لِأَنَّ نِيَّةَ الثَّلَاثِ إِنَّمَا صَحَّتْ فِيهِ مِنْ حَيْثُ إِنَّ اللَّامَ فِيهِ لِلْوَقْتِ فَيُفِيدُ تَعْمِيمَ الْوَقْتِ

جمع کی نیت اس میں؛ کیونکہ تین کی نیت صحیح ہوتی ہے اس میں اس حیثیت سے کہ لام اس میں وقت کے لیے ہو پس وہ فائدہ دے گا تعمیم وقت کا

وَمِنْ ضَرُورَتِهِ تَعْمِيمُ الْوَاقِعِ فِيهِ،فَإِذَا نَوَى الْجَمْعَ بَطَلَ تَعْمِيمُ الْوَقْتِ فَلَاتَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ .

اور اس کے لیے ضروری ہے اس میں واقع کی تعمیم، پس جب اس نے نیت کی جمع کی تو باطل ہوئی تعمیم وقت اس لیے صحیح نہ ہوگی تین کی نیت۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ذات الحیض مدخول بہا کو "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ" کہنے کے حکم کی تفصیل اور ایک صورت میں امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۴ میں غیر ذات الحیض کو مذکورہ جملہ کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں اپنی مدخول بہا کو "أَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنی ذات الحیض مدخول بہا بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ" (تجھے تین طلاق ہیں سنت طریقہ پر) اور اس کی کوئی نیت نہ ہو، تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ "لِلسُّنَّةِ" میں لام وقت کے لیے ہے گویا یوں کہا "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا وَقْتَ السُّنَّةِ" اور سنت کا وقت ایسا طہر ہے جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔ پس اگر شوہر نے یہ طلاق ایسے طہر میں دی جو جماع سے خالی ہے تو ایک طلاق فی الحال واقع ہو جائیگی اور اگر ایسے طہر میں طلاق دی جو جماع سے خالی نہیں تو اس طلاق کا وقوع مؤخر ہو جائیگا یہاں تک کہ عورت کو حیض آجائے پھر پاک ہو جائے اب ایک طلاق واقع ہو جائیگی۔

{۲} اور اگر شوہر نے یہ نیت کی کہ "تینوں طلاق دفعتاً اسی وقت واقع ہو جائیں" تو تینوں طلاق اسی وقت واقع ہو جائیں گی، اسی طرح اگر یہ نیت کر لی کہ "ہر ماہ کے شروع میں ایک طلاق واقع ہو" تو ہر ماہ کے شروع میں ایک طلاق واقع ہو جائیگی خواہ ہر ماہ کا شروع حالتِ حیض میں ہو یا حالتِ طہر میں ہو۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دفعتاً تینوں طلاقوں کو واقع کرنے کی نیت کرنا درست نہیں کیونکہ بیک وقت تین طلاق واقع کرنا بدعت ہے اور بدعت سنت کی ضد ہے اور قاعدہ ہے کہ شئی سے اس کی ضد کا ارادہ نہیں کیا جاتا لہذا "لِلسُّنَّةِ" کہہ کر طلاق بدعت کا ارادہ کرنا درست نہیں۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ تین طلاقوں کا واقع ہونا اس کے کلام "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ" کا محتمل ہے اس کی ضد نہیں، اور بوقتِ نیت کلام اپنے محتمل معنی کو شامل ہوتا ہے۔ اور تین طلاق اس کلام کا محتمل اس لیے ہیں کہ سنت کی دو صورتیں ہیں ایک سنی

وقوع (طلاق واقع ہونے) کے اعتبار سے اور دوسری سنی ایقاع (طلاق واقع کرنے) کے اعتبار سے۔ سنی وقوع کا مطلب یہ ہے کہ تینوں طلاق یکبارگی واقع ہوجائیں اور یہ سنت سے ثابت ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا "مَنْ طَلَّقَ اِمْرَأَتَه أَلْفاً بَانَتْ مِنه بِثَلَاثٍ وَالْبَاقِي رُدَّ عَلَيْهِ" (یعنی جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں تو وہ تین سے بائنہ ہوجائیگی اور باقی اس پر لوٹادی جائیگی) جس سے یکبارگی تین طلاقوں کا وقوع ثابت ہے۔ اور سنی ایقاع کا مطلب یہ ہے کہ تین طلاقوں کو سنت کے طریقہ پر واقع کیا جائے یعنی تین ایسے طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں جو جماع سے خالی ہوں، پس "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثاً لِلسُّنَّةِ" کہنے میں تین طلاقوں کا وقوع سنت ہے یعنی ان کا وقوع سنت (مذکورہ حدیث) سے ثابت ہے مگر ایقاع (تین طلاق واقع کرنا) سنت طریقہ پر نہیں، تو جب تین طلاقوں کا یکبارگی وقوع اس کلام کا محتمل ہے تو بوقتِ اطلاق تو یہ کلام اس کو شامل نہ ہوگا اور اگر اس کی نیت کی جائے تو پھر یہ کلام اس کو شامل ہوگا، لہذا تینوں طلاق واقع ہوں گی۔

{۴} اور اگر شوہر نے "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثاً لِلسُّنَّةِ" اپنی ایسی مدخول بہا بیوی سے کہا جو ذوات الحیض میں سے نہ ہو بلکہ ذوات الاشہر میں سے ہو یعنی آئسہ یا صغیرہ ہو تو فی الحال ایک طلاق واقع ہوجائے گی، اور ایک ماہ بعد دوسری اور ایک اور ماہ بعد تیسری طلاق واقع ہوجائے گی؛ کیونکہ مہینہ اس کے حق میں دلیل حاجت ہے جیسا کہ ذوات الحیض کے حق میں طہر دلیل حاجت ہے جیسا کہ سابق میں ہم بیان کرچکے کہ غیر ذوات الحیض کے حق میں مہینہ حیض کا قائم مقام ہے۔ اور اگر شوہر نے یہ نیت کی کہ تین طلاق فی الحال واقع ہوجائیں تو ہمارے نزدیک تینوں واقع ہوں گی؛ کیونکہ ہم کہہ چکے کہ تین طلاقوں کا وقوع اس کلام کا محتمل ہے اور بوقتِ نیت کلام اپنے محتمل معنی کو شامل ہوتا ہے۔

{۵} برخلاف اس کے کہ شوہر اپنی مدخول بہا بیوی سے کہے "أَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ" اور لفظ "ثَلَاثاً" کی تصریح نہ کرے، تو بیک وقت تین طلاق واقع کرنے کی نیت صحیح نہیں؛ کیونکہ مذکورہ صورت میں تین کی نیت اس وقت صحیح ہوگی جبکہ "لِلسُّنَّةِ" میں لام وقت کے لیے مانا جائے پس یہ کلام بوقتِ نیت تعمیم وقت (تین ایسے طہر جن میں جماع نہ کیا گیا ہو) کا فائدہ دے گا اور تعمیم وقت کے لیے اس میں واقع طلاق کی تعمیم بھی ضروری ہے کہ ہر ایک وقت (طہر) میں ایک طلاق واقع ہو؛ کیونکہ وقت ظرف ہے اور طلاق مظروف ہے اور تکرارِ ظرف مستلزم ہے تکرارِ مظروف کو، مگر جب اس نے تینوں کو جمع کرکے بیک وقت واقع کرنے کی نیت کی تو تعمیم وقت (تینوں طہروں کا مراد ہونا) باطل ہوگئی؛ کیونکہ صرف ایک ہی وقتِ سنت پر سب طلاقیں ختم ہوگئیں تو طلاق کے لیے دوسرا کوئی وقت سنت نہیں رہا، اس لیے وقت کی تعمیم باطل ہوگئی، لہذا اب تینوں طلاقوں کی نیت بھی صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ وقت نہیں رہا جو تین طلاقوں کو سنت طریقہ پر اس میں واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فَصْلٌ

یہ فصل ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی طلاق واقع ہوتی ہے اور جن کی واقع نہیں ہوتی ہے

{۱} وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ إِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا، وَلَايَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ وَالنَّائِمِ لِقَوْلِهِ ﷺ

اور واقع ہوتی ہے طلاق ہر زوج کی جبکہ ہو وہ عاقل اور بالغ، اور واقع نہیں ہوتی طلاق بچے، مجنون اور سوئے ہوئے کی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ } وَلِأَنَّ الْأَهْلِيَّةَ بِالْعَقْلِ الْمُمَيِّزِ وَهُمَا عَدِيمَا الْعَقْلِ وَالنَّائِمُ

"ہر طلاق جائز ہے مگر بچے اور مجنون کی" اور اس لیے کہ اہلیت عقل ممیز سے ہے اور بچہ و مجنون دونوں عدیم العقل ہیں اور سویا ہوا

عَدِيمُ الِاخْتِيَارِ. {۲} وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَاقِعٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، هُوَ يَقُولُ إِنَّ الْإِكْرَاهَ لَا يُجَامِعُ الِاخْتِيَارَ

عدیم الاختیار ہے۔ اور مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اختلاف ہے امام شافعیؒ کا، وہ فرماتے ہیں کہ اکراہ جمع نہیں ہوتا ہے اختیار کے ساتھ

وَبِهِ يُعْتَبَرُ التَّصَرُّفُ الشَّرْعِيُّ، بِخِلَافِ الْهَازِلِ ؛ لِأَنَّهُ مُخْتَارٌ فِي التَّكَلُّمِ بِالطَّلَاقِ . {۳} وَلَنَا

اور اسی سے معتبر ہوتا ہے تصرفِ شرعی، بخلاف مذاق کرنے والے کے؛ کیونکہ وہ مختار ہے تکلم بالطلاق میں، اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّهُ قَصَدَ إِيقَاعَ الطَّلَاقِ فِي مَنْكُوحَتِهِ فِي حَالِ أَهْلِيَّتِهِ فَلَايَعْرَى عَنْ قَضِيَّتِهِ دَفْعًا لِحَاجَتِهِ اعْتِبَارًا

کہ اس نے قصد کیا ہے طلاق واقع کرنے کا اپنی منکوحہ پر حالتِ اہلیت میں پس خالی نہ ہوگا حکم سے دفع حاجت کے لیے قیاس کرتے ہوئے

بِالطَّائِعِ، وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ عَرَفَ الشَّرَّيْنِ وَاخْتَارَ أَهْوَنَهُمَا، وَهَذَا آيَةُ الْقَصْدِ وَالِاخْتِيَارِ، إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ رَاضٍ

طائع پر، اور یہ اس لیے کہ اس نے جان لیں دو برائیاں اور اختیار کی ان میں سے آسان، اور یہ علامت ہے قصد اور اختیار کی، البتہ راضی نہیں

بِحُكْمِهِ وَذَلِكَ غَيْرُ مُخِلٍّ بِهِ كَالْهَازِلِ. {۴} وَطَلَاقُ السَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَاخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ وَالطَّحَاوِيِّ

اس کے حکم پر اور یہ غیر مخل ہے اس میں جیسے ہازل اور مدہوش کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور امام کرخی رحمہ اللہ وامام طحاویؒ کا مختار مذہب یہ ہے

أَنَّهُ لَا يَقَعُ ، وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ ؛ لِأَنَّ صِحَّةَ الْقَصْدِ بِالْعَقْلِ وَهُوَ زَائِلُ الْعَقْلِ فَصَارَ كَزَوَالِهِ

کہ واقع نہ ہوگی اور یہی ایک قول ہے امام شافعیؒ کا؛ کیونکہ صحتِ قصد عقل سے ہے اور مدہوش زائل العقل ہے پس ہو گیا جیسے زوالِ عقل

بِالْبَنْجِ وَالدَّوَاءِ . {۵} وَلَنَا أَنَّهُ زَالَ بِسَبَبٍ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَجُعِلَ بَاقِيًا حُكْمًا

بھنگ اور دواء سے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عقل زائل ہو گئی ہے ایسے سبب سے کہ وہ معصیت ہے پس اس کو باقی قرار دیا گیا حکماً

زَجْرًا لَهُ ، حَتَّى لَوْ شَرِبَ فَصُدِعَ وَزَالَ عَقْلُهُ بِالصُّدَاعِ نَقُولُ إِنَّهُ لَا يَقَعُ

اس کی توبیخ کے لیے، حتی کہ اگر شراب پی لی پھر اس کے سر میں درد ہو گیا اور زائل ہو گئی اس کی عقل درد سے تو ہم کہتے ہیں کہ واقع نہ ہوگی

طَلَاقُهُ. {۶} وَطَلَاقُ الْأَخْرَسِ وَاقِعٌ بِالْإِشَارَةِ ؛ لِأَنَّهَا صَارَتْ مَعْهُودَةً فَأُقِيمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَةِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ،

اس کی طلاق، اور گونگے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اشارہ سے؛ کیونکہ اشارہ ہو گیا معہود پس قائم کر دیا گیا عبارت کی جگہ میں دفع حاجت کے لیے

وَسَتَأْتِيكَ وُجُوهُهُ فِي آخِرِالْكِتَابِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى .

اور عنقریب آئے گی اس کی وجوہ آخر کتاب میں انشاء اللہ تعالی۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بتایا ہے کہ کس شوہر کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کس کی واقع نہیں ہوتی ہے اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲و۳ میں مکرَہ کی طلاق کے وقوع میں ہمارے اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴و۵ میں سکران کی طلاق کے وقوع میں ہمارا اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۶ میں گونگے کی طلاق کا وقوع اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} ہر وہ شوہر جو عاقل، بالغ بیدار ہو اور اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائیگی، مگر بچے، مجنون اور سوئے ہوئے کی طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ"[1] (ہر طلاق جائز ہے مگر بچے اور دیوانے کی طلاق) جوازِ طلاق سے مراد یہاں نفاذِ طلاق ہے کہ بچے اور مجنون کی طلاق کے علاوہ ہر طلاق نافذ ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ کسی تصرف کی اہلیت تمیز کرنے والی عقل سے پیدا ہوتی ہے جبکہ بچہ اور مجنون دونوں میں عقل نہیں اس لیے ان کی طلاق واقع نہ ہو گی، اور سوئے ہوئے میں عقل تو ہے مگر اس میں تکلم کا اختیار نہیں حالانکہ تصرف کے لیے اختیار کا ہونا شرط ہے اس لیے سوئے ہوئے کی طلاق بھی واقع نہ ہو گی۔ باقی عاقل بالغ میں طلاق دینے کی اہلیت اور ولایتِ شرعیہ ہے اور عورت محل طلاق ہے لہٰذا طلاق نافذ ہو جائیگی۔

{۲} اور مکرَہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے یعنی اگر کسی کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، تو ہمارے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مکرَہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، ان کی دلیل یہ ہے کہ اکراہ اور اختیار دونوں جمع نہیں ہو سکتے، اور تصرفِ شرعی اختیار ہی سے واقع کرنے سے معتبر ہوتا ہے بغیر اختیار کے معتبر نہیں ہوتا ہے، پس اکراہ کی صورت میں اختیار نہ ہونے کی وجہ سے مکرَہ کی طلاق معتبر اور واقع نہ ہو گی۔ بر خلافِ مذاق کرنے والے کے یعنی اگر کسی نے مذاق میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ مذاق کرنے والا طلاق کا تکلم کرنے میں مختار ہے پس شرطِ تصرف موجود ہونے کی وجہ سے اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

---

(۱) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے، مصنفؒ نے کتاب الحجر میں لفظ "المعتوہ" کے ساتھ نقل کی ہے اور اسی لفظ کے ساتھ ترمذی شریف میں بھی موجود ہے (ترمذی: ۱/ص ۲۵۶، رقم: ۱۱۵۵، ط مکتبہ رحمانیہ لاہور)۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ مکرَہ میں اہلیتِ طلاق (عقل اور بلوغ) موجود ہے اور اس نے اہلیتِ طلاق کے ساتھ وقوعِ طلاق کا قصد بھی کیا ہے لہذا اس کا یہ قصدِ طلاق مقتضا اور حکم طلاق سے خالی نہ ہوگا تاکہ مکرَہ کی حاجت دور ہو، اور مکرَہ کی حاجت یہ ہے کہ جس بات اور نقصان کی اس کو دھمکی دی گئی ہے یہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس نقصان سے بچ جائے، پس غیر مکرَہ پر قیاس کرتے ہوئے دفع حاجت کے لیے مکرَہ کی طلاق کو بھی واقع قرار دیا گیا۔ اور مکرَہ کا قصدِ طلاق اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکرَہ کے سامنے دو شر ہیں، ایک اس کو دی گئی دھمکی کا وقوع اور دوسرا طلاق کا وقوع، تو اس نے ان دونوں شروں میں سے جو اس کے نزدیک آسان ہے اس کو اختیار کیا، لہذا یہ قصد اور اختیار کی علامت ہے تو امام شافعیؒ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "مکرَہ نے بغیر اختیار کے تصرف شرعی کیا ہے اس لیے معتبر نہیں"۔

البتہ مکرَہ طلاق واقع کرنے کے حکم (وقوعِ طلاق) پر راضی نہیں مگر وقوعِ طلاق پر راضی نہ ہونا وقوعِ طلاق میں مخل نہیں جیسا کہ مذاق کرنے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے حالانکہ وہ بھی وقوعِ طلاق پر راضی نہیں، لہذا مکرَہ کی طلاق بھی عدم رضا کے باوجود واقع ہو جائے گی۔

ف: البتہ مکرَہ توریہ کر کے طلاق سے بچا جا سکتا ہے مثلاً قید اور ظلم سے خلاصی کی نیت کر دے لمافی فیض الباری: قلت: وقد رخص الحنفية للمكرَہ بالتورية ، فاعتبروا توريته ديانةً وقضاءً، فقد اخرجوا له سبيلاً، الا الله اذا عجز واستحمق هُو، ولم يعمل بما رخص به ، فكيف لانعتبر بطلاقه ؟ (فیض الباری:۳۱۷/۴)

ف: یاد رہے کہ اکراہ کی صورت میں طلاق واقع ہونے کی شرط یہ ہے کہ مکرَہ طلاق کا تلفظ کرے پس اگر کسی کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا اس نے مجبور ہو کر لکھ لیا کہ "مجھ پر میری بیوی طلاق ہے" تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ کتابتِ طلاق بوقتِ حاجت عبارتِ طلاق کے قائم مقام ہے جبکہ یہاں کتابت کی کوئی حاجت نہیں کمافی الشامية (قَوْلُهُ لَا إِقْرَارُهُ بِالطَّلَاقِ)..........وَفِي الْبَحْرِ أَنَّ الْمُرَادَ الْإِكْرَاهُ عَلَى التَّلَفُّظِ بِالطَّلَاقِ، فَلَوْ أُكْرِهَ عَلَى أَنْ يَكْتُبَ طَلَاقَ امْرَأَتِهِ فَكَتَبَ لَا تَطْلُقُ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ أُقِيمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ هُنَا ، كَذَا فِي الْخَانِيَةِ(ردّالمحتار:۴۵۷/۲)

{۴} سکران (جو نشہ میں مست ہو) کی طلاق بھی واقع ہو جائیگی۔ اور امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہ ہوگی، امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ قصد و ارادۂ طلاق اس وقت صحیح ہے کہ عقل ہو جبکہ اس شخص کی تو عقل زائل ہو چکی ہے لہذا اس کا ارادۂ طلاق بھی صحیح نہیں جب اس کا ارادۂ طلاق صحیح نہیں تو اس کی دی

ہوئی طلاق بھی واقع نہ ہوگی، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ وہ شخص جس کی عقل بھنگ یاد داسے زائل ہو، جس کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اسی طرح سکران کی بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۵} ہماری دلیل یہ ہے کہ اسکی عقل ایسے سبب سے زائل ہوگئی ہے جو معصیت اور گناہ ہے لہٰذا بطور زجر وتوبیخ اسکی عقل کو حکماً باقی قرار دیا جائے گا، پس جب حکماً اس کی عقل کو باقی قرار دیا تو اس کا طلاق کا ارادہ کرنا بھی صحیح ہوگا اور جب اس کا ارادہ طلاق صحیح ہے تو اس کی دی ہوئی طلاق بھی واقع ہو جائیگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے شراب پی لی جس کی وجہ سے وہ درد سر میں مبتلا ہوا اور درد سر کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہوگئی تو ہم بھی کہتے ہیں کہ اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ زوالِ عقل گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ دردِ سر کی وجہ سے ہے، اس لیے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

فتویٰ: بھنگ سے زائل العقل کی طلاق کا واقع نہ ہونا متقدمین کی رائے ہے وہ بھنگ کھانے کو معصیت نہیں سمجھتے تھے، جبکہ متاخرین اسے حرام سمجھتے ہیں حتی کہ بھنگ سے نشہ شخص کو تعزیر دی جاتی ہے اس لیے اس کی طلاق بھی واقع ہوگی لما فی ردّالمحتار: وَفِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ عَنِ الْجَوَاهِرِ: وَفِي هَذَا الزَّمَانِ إِذَا سَكِرَ مِنَ الْبَنْجِ وَالْأَفْيُونِ يَقَعُ زَجْرًا، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَتَمَامُهُ فِي النَّهْرِ (ردّالمحتار: ۲/ ۴۶۰)

{۶} اور گونگے کی طلاق اس کے اشارہ سے واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ گونگے کا طلاق کے لیے کیا ہوا اشارہ معروف ومعلوم ہے، اور گونگے کو بھی طلاق کی حاجت ہو سکتی ہے، لہٰذا دفع حاجت کے لیے اس کا اشارہ سے طلاق دینا قائم مقام ہوگا عبارت سے طلاق دینے کا، اور عنقریب اس کی وجوہ کتاب کے آخر میں آجائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

{۱} طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا ، وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْعَبْدًا وَقَالَ

اور باندی کی طلاقیں دو ہیں خواہ آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام ہو، اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں خواہ آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام ہو، اور فرمایا

الشَّافِعِيُّ : عَدَدُ الطَّلَاقِ مُعْتَبَرٌ بِحَالِ الرِّجَالِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ

امام شافعیؒ نے کہ تعدادِ طلاق معتبر ہوگی مردوں کے حال سے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "طلاق مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عدت

بِالنِّسَاءِ } وَلِأَنَّ صِفَةَ الْمَالِكِيَّةِ كَرَامَةٌ وَالْآدَمِيَّةُ مُسْتَدْعِيَةٌ لَهَا ، وَمَعْنَى الْآدَمِيَّةِ فِي الْحُرِّ أَكْمَلُ

عورتوں کے ساتھ" اور اس لیے کہ صفتِ مالکیہ کرامت ہے اور آدمیت داعی ہے اس کی، اور آدمیت کا معنی آزاد میں اکمل ہے، پس ہوگی

فَكَانَتْ مَالِكِيَّتُهُ أَبْلَغَ وَأَكْثَرَ. {۲} وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ } وَلِأَنَّ

مرد کی مالکیت اکمل اور اکثر۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے" اور اس لیے کہ

حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ نِعْمَةٌ فِي حَقِّهَا ، وَلِلرِّقِّ أَثَرٌ فِي تَنْصِيفِ النِّعَمِ إِلَّا أَنَّ الْعُقْدَةَ لَا تَتَجَزَّأُ
حلال ہونا محلیت کا نعمت ہے عورت کے حق میں، اور رقیت کا اثر ہے تنصیفِ نعمتوں میں، مگر یہ کہ عقدہ (طلاق) میں تجزی نہیں ہوتا

فَتَكَامَلَتْ عُقْدَتَانِ، وَتَأْوِيلُ مَا رُوِيَ أَنَّ الْإِيقَاعَ بِالرِّجَالِ. {۳} وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ امْرَأَةً
پس کامل ہوں گے دو عقدے، اور مروی روایت کی تاویل یہ ہے کہ واقع کرنا مردوں کے ساتھ متعلق ہے، اور جب نکاح کرے غلام کسی عورت سے

بِإِذْنِ مَوْلَاهُ وَطَلَّقَهَا وَقَعَ طَلَاقُهُ وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلَى امْرَأَتِهِ ، لِأَنَّ
اپنے مولیٰ کی اجازت سے اور طلاق دے اس کو تو واقع ہو جائے گی اس کی طلاق اور واقع نہ ہوگی اس کے مولیٰ کی طلاق اس کی بیوی پر کیونکہ

مِلْكَ النِّكَاحِ حَقُّ الْعَبْدِ فَيَكُونُ الْإِسْقَاطُ إِلَيْهِ دُونَ الْمَوْلَى .
ملکِ نکاح حق غلام ہے پس اسقاط کا حق اسی کے لیے ہوگا نہ کہ مولیٰ کے لیے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں طلاق کے عدد میں مرد کے معتبر ہونے یا عورت کے معتبر ہونے میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف ہر ایک فریق کے دو دو دلائل اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۳ میں بتایا ہے کہ غلام کی بیوی پر غلام کی طلاق واقع ہوتی ہے اس کے مولیٰ کی نہیں، اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} طلاق کے عدد میں عورتوں کا اعتبار ہے، لہٰذا باندی کی طلاقیں دو ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو، اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عددِ طلاق میں مردوں کا حال معتبر ہے یعنی مرد اگر آزاد ہے تو وہ تین طلاقوں کا مالک ہوگا خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا باندی ہو، اور اگر مرد غلام ہے تو وہ دو طلاقوں کا مالک ہوگا خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا باندی ہو، امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "الطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ"[۱] (طلاق کا تعلق مردوں کے ساتھ ہے اور عدت کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہے) جس میں طلاق اور عدت میں مقابلہ کیا گیا ہے اور عدت میں عدد کے اعتبار سے بالاتفاق عورتوں کا اعتبار ہے تو ثبوتِ مقابلہ کے لیے طلاق میں مردوں کا اعتبار کیا جائے گا کہ آزاد مرد تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور غلام دو طلاقوں کا۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ صفتِ مالکیت اعزاز اور کرامت ہے اور آدمیت کرامت اور اعزاز کا تقاضا کرتی ہے، پھر آدمیت غلام کی نسبت آزاد میں زیادہ کامل ہے؛ کیونکہ آزاد میں کچھ ایسے امور کی صلاحیت ہے جو غلام میں نہیں ہے، لہٰذا آزاد کی مالکیت بھی ابلغ اور اکثر ہوگی غلام سے، جس کی یہی صورت ہے کہ آزاد تین طلاقوں کا مالک ہو اور غلام دو طلاقوں کا مالک ہو۔

[۱] رواه البيهقي في السنن الكبرى: ۷، ص ۶۱۰، رقم: ۱۵۱۷۸، ط دار الكتب العلمية بيروت۔

{۲} ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ"[1] (باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں) جس میں باندی کی طلاق کی تعداد بتائی ہے جس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ طلاق کی تعداد میں عورت کا اعتبار ہے نہ کہ مرد کا۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ عورت کا محل نکاح ہو کر حلال ہونا اس کے حق میں نعمت ہے؛ کیونکہ اس کی وجہ سے دو گنی اور ... کی مستحق ہوتی ہے اور رقیت کا نعمتوں کو آدھا کرنے میں اثر ہوتا ہے، لہٰذا باندی کی یہ نعمت (محل حلت ہونا) آزاد عورت کی بنسبت نصف ہونی چاہیے اور اس پر مرتب تصرف (طلاق) بھی باندی کا آدھا ہونا چاہیے، مگر چونکہ عقدہ یعنی طلاق میں تجزی اور ٹکڑے نہیں ہوا ہیں اس لیے باندی کے حق میں مکمل دو طلاقیں کر دی گئیں اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہی رہیں۔ اور امام شافعیؒ کی روایت کردہ حدیث میں "الطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ" کی تاویل یہ ہے کہ طلاق واقع کرنے کا اختیار مردوں کو ہے، لہٰذا اس سے شوافع کا اپنے مدعیٰ پر استدلال کرنا درست نہیں۔

{۳} اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا، پھر اس کو طلاق دیدی تو غلام کی یہ طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر غلام کے مولیٰ نے غلام کی بیوی کو طلاق دی تو مولیٰ کی یہ طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ مِلکِ نکاح غلام کا حق ہے پس اسے اختیار ہے چاہے تو اسے برقرار رکھے اور چاہے تو ساقط کردے، اس کے مولیٰ کو اسے ساقط کرنے کا اختیار نہ ہو گا؛ کیونکہ مولیٰ کو ملک نکاح حاصل نہیں اور مِلک نکاح کے بغیر طلاق واقع کرنا ممکن نہیں۔

بَابُ إِيقَاعِ الطَّلَاقِ

یہ باب طلاق واقع کرنے کے بیان میں ہے

مصنفؒ نے اس سے پہلے اصل طلاق اور اس کے وصف (سنی یا بدعی ہونا) کو بیان فرمایا، اب یہاں سے طلاق کے انواع واقسام بیان کرنا چاہتے ہیں۔

{۱} الطَّلَاقُ عَلَى ضَرْبَيْنِ : صَرِيحٌ ، وَكِنَايَةٌ .فَالصَّرِيحُ قَوْلُهُ : أَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ فَهَذَا

طلاق کی دو قسمیں ہیں، صریح اور کنایہ۔ پس صریح جیسے شوہر کا قول "تو طلاق والی ہے، تو مطلقہ ہے، میں نے تجھے طلاق دی" پس ان الفاظ سے

يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ تُسْتَعْمَلُ فِي الطَّلَاقِ وَلَاتُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِهِ فَكَانَ صَرِيحًا وَأَنَّهُ يُعْقِبُ

واقع ہو جائے گی رجعی طلاق؛ کیونکہ یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں طلاق میں اور مستعمل نہیں ہوتے غیر طلاق میں پس صریح ہو گی اور صریح کے بعد

الرَّجْعَةُ بِالنَّصِّ وَلَا يَفْتَقِرُ إِلَى النِّيَّةِ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ لِغَلَبَةِ الِاسْتِعْمَالِ ، {۲} وَكَذَا إِذَا نَوَى الْإِبَانَةَ

(۱) رواه البيهقي في السنن الكبرى: ۷، ص۶۰۵، رقم: ۱۵۱۶۶، ط دار الكتب العلمية بيروت.

رجعت ہوتی ہے نص سے اور محتاج نہیں ہوتی نیت کی؛ کیونکہ یہ صریح ہے طلاق میں غلبۂ استعمال کی وجہ سے، اسی طرح جب وہ نیت کرے ابانت کی

لِأَنَّهُ قَصَدَ تَنْجِيزَ مَا عَلَّقَهُ الشَّرْعُ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ . ﴿۳﴾وَلَوْ نَوَى

کیونکہ اس نے قصد کیا اس چیز کو فی الفور نافذ کرنے کا جس کو معلق کیا ہے شرع نے انقضاءِ عدت پر پس رد کیا جائے گا اس پر، اور اگر نیت کی

الطَّلَاقَ عَنْ وِثَاقٍ لَمْ يُدَيَّنْ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ وَيُدَيَّنُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى لِأَنَّهُ نَوَى

بیڑی سے رہائی کی تو تصدیق نہیں کی جائے گی قضاءً؛ کیونکہ یہ خلاف ظاہر ہے اور تصدیق کی جائے گی فیمابینہ وبین اللہ؛ کیونکہ اس نے نیت کی ہے

مَايَحْتَمِلُهُ. ﴿۴﴾وَلَوْ نَوَى بِهِ الطَّلَاقَ عَنِ الْعَمَلِ لَمْ يُدَيَّنْ فِي الْقَضَاءِ وَلَافِيمَابَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى لِأَنَّ الطَّلَاقَ

اس کا جس کا لفظ احتمال رکھتا ہے اور اگر نیت کی اس سے عمل سے رہائی کی، تو تصدیق نہیں کی جائے گی قضاءً اور نہ فیمابینہ وبین اللہ؛ کیونکہ طلاق

لِرَفْعِ الْقَيْدِ وَهِيَ غَيْرُ مُقَيَّدَةٍ بِالْعَمَلِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُدَيَّنُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى

رفع قید کے لیے ہوتی ہے اور وہ عورت قیدِ عمل کے ساتھ مقید نہیں، اور امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ تصدیق کی جائے گی فیمابینہ وبین اللہ

لِأَنَّهُ يَسْتَعْمِلُ لِلتَّخْلِيصِ. ﴿۵﴾وَلَوْقَالَ:أَنْتِ مُطْلَقَةٌ بِتَسْكِينِ الطَّاءِ لَا يَكُونُ طَلَاقًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ لِأَنَّهَا

کیونکہ یہ لفظ استعمال ہوتا ہے خلاصی دینے کے لیے۔ اور اگر کہا "أَنْتِ مُطْلَقَةٌ" طاء کے سکون سے تو نہ ہوگی طلاق مگر نیت سے؛ کیونکہ یہ

غَيْرُ مُسْتَعْمَلَةٍ فِيهِ عُرْفًا فَلَمْ يَكُنْ صَرِيحًا . ﴿۶﴾قَالَ وَلَا يَقَعُ بِهِ إِلَّا وَاحِدَةٌوَإِنْ نَوَى أَكْثَرَمِنْ ذَلِكَ وَقَالَ

مستعمل نہیں طلاق میں عرفاً پس نہ ہوگا صریح۔ فرمایا: اور واقع نہ ہوگی اس سے مگر ایک طلاق اگرچہ نیت کرے زیادہ کی اس سے، اور فرمایا

الشَّافِعِيُّ : يَقَعُ مَا نَوَى لِأَنَّهُ مُحْتَمَلُ لَفْظِهِ ، فَإِنَّ ذِكْرَ الطَّالِقِ ذِكْرٌ لِلطَّلَاقِ لُغَةً كَذِكْرِ الْعَالِمِ

امام شافعیؒ نے کہ واقع ہوگی وہی جس کی نیت کی ہے کیونکہ وہ محتمل ہے اس کے لفظ کا، کیونکہ "الطَّالِق" کا ذکر طلاق کا ذکر ہے لغۃً جیسے عالم کا ذکر

ذِكْرٌ لِلْعِلْمِ وَلِهَذَا يَصِحُّ قِرَانُ الْعَدَدِ بِهِ فَيَكُونُ نَصْبًا عَلَى التَّمْيِيزِ . ﴿۷﴾وَلَنَا أَنَّهُ نَعْتُ فَرْدٍ حَتَّى

ذکر ہے علم کا اسی لیے صحیح ہے اتصال عدد اس کے ساتھ، پس ہوگا منصوب بنا بر تمیز، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ طالق نعتِ فرد ہے حتی کہ

قِيلَ لِلْمُثَنَّى طَالِقَانِ وَلِلثَّلَاثِ طَوَالِقُ فَلَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ لِأَنَّهُ ضِدُّهُ ،﴿۸﴾وَذِكْرُ الطَّالِقِ

استعمال ہوتا ہے دو کے لیے طالقان اور تین کے لیے طوالق، پس احتمال نہیں رکھتا ہے عدد کا؛ کیونکہ یہ اس کی ضد ہے، طالق کا ذکر

ذِكْرٌ لِطَلَاقٍ هُوَ صِفَةٌ لِلْمَرْأَةِ لَا لِطَلَاقٍ هُوَ تَطْلِيقٌ ، وَالْعَدَدُ الَّذِي يُقْرَنُ بِهِ نَعْتٌ لِمَصْدَرٍ

ایسی طلاق کا ذکر ہے جو عورت کی صفت ہے نہ کہ ایسی طلاق کی جو تطلیق کے معنی میں ہے، اور جو عدد متصل ہوتا ہے اس سے وہ نعت ہے مصدر

مَحْذُوفٍ مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثَلَاثًا كَقَوْلِكَ أَعْطَيْتُهُ جَزِيلًا:أَيْ عَطَاءً جَزِيلًا

محذوف کی، معنی "طَلَاقًا ثَلَاثًا" ہے جیسا تیرا قول "أَعْطَيْتُهُ جَزِيلًا" یعنی "عَطَاءً جَزِيلًا"

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں طلاقِ صریح کے الفاظ اور ان سے بلانیت واقع ہونے والی طلاق اور اس کے بعد رجعت کا ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۲ میں بتایا ہے کہ ان الفاظ سے طلاقِ بائن کی نیت سے بھی طلاق رجعی واقع ہوگی اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ و ۴ میں مذکورہ الفاظ سے رہائی یا عمل سے خلاصی کی نیت کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۶ تا ۸ میں مذکورہ الفاظ سے ایک سے زائد طلاقوں کی نیت کرنے کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} طلاق (مراد تطلیق یعنی طلاق دینا ہے) کی دو قسمیں ہیں، صریح اور کنایہ۔ فقہاء کے نزدیک طلاق صریح وہ ہے جو ایسے الفاظ سے دی جائے جو الفاظ غلبہ استعمال کی وجہ سے صرف طلاق ہی میں مستعمل ہوں غیر طلاق میں مستعمل نہ ہوں، مثلاً مرد اپنی بیوی سے کہے "أَنْتِ طَالِقٌ" (تو طلاق والی ہے) "أَنْتِ مُطَلَّقَةٌ" (تو طلاق دی ہوئی ہے) "طَلَّقْتُكِ" (میں نے تجھے طلاق دیدی)۔ ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی؛ کیونکہ یہ الفاظ طلاق کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں غیر طلاق میں استعمال نہیں ہوتے، لہٰذا یہ الفاظ طلاق کے معنی میں صریح ہیں، اور طلاقِ صریح کے وقوع کے بعد رجعت کا ہونا باری تعالیٰ کے اس ارشاد (وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا[1]) (اور ان عورتوں کے شوہر ان کے بلا تجدید نکاح پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں) سے ثابت ہے، لہٰذا طلاق کی مذکورہ صورتوں میں شوہر کو اپنی مطلقہ سے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اور ان الفاظ سے وقوعِ طلاق نیت کا بھی محتاج نہیں؛ کیونکہ نیت مبہم کو متعین کرنے کے لیے ہوتی ہے اور یہ الفاظ غلبہ استعمال کی وجہ سے طلاق کے معنی میں صریح ہیں ان میں کوئی ابہام نہیں لہٰذا یہ الفاظ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں نیت کے محتاج نہیں ہوں گے۔

{۲} اسی طرح اگر مذکورہ بالا الفاظ سے شوہر نے طلاقِ بائن کی نیت کی ہو، تو بھی طلاقِ رجعی واقع ہوگی؛ کیونکہ شریعت نے طلاقِ صریح کے بائن ہونے کو عدت گذرنے پر معلق کر دیا ہے یعنی عدت گذرنے کے بعد بائنہ ہو جائے گی عدت گذرنے سے پہلے نہیں، جبکہ شوہر نے جلدی کرکے اس کو فی الحال بائنہ کرنے کا قصد کیا تو اس کا قصد شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس پر رد کیا جائے گا۔

---

(۱) البقرۃ: ۲۲۸۔

{۳}اور اگر شوہر نے یہ الفاظ کہہ کر قید سے رہائی کی نیت کی تو شوہر کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ ان الفاظ میں اگرچہ اس معنی کا احتمال ہے مگر یہ معنی خلافِ ظاہر ہے اور خلافِ ظاہر معنی کی نیت کرنے کی صورت میں قضاءً (قاضی کی عدالت میں) اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، البتہ فیمابینہ وبین اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی؛ کیونکہ یہ معنی ان الفاظ کا محتمل معنی ہے۔

{۴}اور اگر شوہر نے یہ الفاظ کہہ کر عمل (کام) سے خلاصی کی نیت کی تو نہ قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی اور نہ فیمابینہ وبین اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی؛ کیونکہ طلاق قید سے رہائی کے لیے ہے اور وہ (ھومذکر ضمیر سے بتاویلِ شخص عورت مراد ہے) عمل کے ساتھ مقید نہیں یعنی عورت پر شرعاً گھر کا کام واجب نہیں البتہ مروتاً اور اخلاقاً واجب ہیں، لہذا لفظِ طلاق اس معنی کا احتمال نہیں رکھتا ہے اس لیے یہ نیت صحیح نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیادؒ کی روایت ہے کہ مذکورہ صورت میں فیمابینہ وبین اللہ شوہر کی تصدیق کی جائے گی؛ کیونکہ لفظِ طلاق خلاصی دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے البتہ خلافِ ظاہر ہونے کی وجہ سے قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، فیمابینہ وبین اللہ کی جائے گی۔

فتوی:۔ حسن بن زیادؒ کی روایت راجح ہے لمافی الدّرالمختار: وَلَوْنَوَى بِهِ الطَّلَاقَ عَنْ وَثَاقٍ دُيِّنَ إنْ لَمْ يَقْرِنْهُ بِعَدَدٍ؛ وَلَوْ مُكْرَهًا صُدِّقَ قَضَاءً أَيْضًا كَمَا لَوْصَرَّحَ بِالْوَثَاقِ أَوِ الْقَيْدِ، وَكَذَا لَوْنَوَى طَلَاقَهَا مِنْ زَوْجِهَا الْأَوَّلِ عَلَى الصَّحِيحِ نائبہ وقال العلامۃ ابن عابدین (قَوْلُهُ عَنْ وَثَاقٍ) بِفَتْحِ الْوَاوِ وَكَسْرِهَا الْقَيْدُ وَجَمْعُهُ وُثُقٌ كَرِبَاطٍ وَرُبُطٌ مِصْبَاحٌ وَعُلِمَ أَنَّهُ لَوْ نَوَى الطَّلَاقَ عَنْ قَيْدٍ دُيِّنَ أَيْضًا (قَوْلُهُ دُيِّنَ) أَيْ تَصِحُّ نِيَّتُهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ تَعَالَى لِأَنَّهُ نَوَى مَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ فَيُفْتِيهِ الْمُفْتِي بِعَدَمِ الْوُقُوعِ .(الدرالمختارمع الشامیۃ:۲/۴۶۸)

{۵}اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا" أَنتِ مُطْلَقَةٌ"طاء کے سکون کے ساتھ، تو اس سے نیت کے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ لفظ عرفاً طلاق میں مستعمل نہیں اس لیے یہ طلاق میں صریح نہیں کنایہ ہے اور کنایہ محتاج نیت ہے اس لیے بغیر نیت کے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۶}مذکورہ بالا تینوں الفاظ (أَنتِ طَالِقٌ، مُطَلَّقَةٌ، طَلَّقْتُكِ) میں سے ہر ایک سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ شوہر نے ایک سے زائد کی نیت کی ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جتنی کی نیت کرے اتنی واقع ہوں گی؛ کیونکہ یہ الفاظ ایک، دو، تین میں سے ہر ایک کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے کہ لفظ "طالق" کا ذکر کرنا لغۃً طلاق مصدر کا ذکر ہے؛ کیونکہ صیغۂ صفت مشتق ہے اور مشتق بغیر مشتق منہ کے نہیں پایا جاتا جیسا کہ عالم کا ذکر کرنا علم کا ذکر کرنا ہے، اور جب صیغۂ صفت کا ذکر مصدر کا ذکر ہے اور مصدر ایک

اور ایک سے زائد کا احتمال رکھتا ہے تو لفظِ طالق بھی ایک اور زیادہ دونوں کا احتمال رکھتا ہے اسی لیے اس کے ساتھ عدد کا اتصال صحیح ہے چنانچہ کہاجاتا ہے "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" پس "ثَلَاثًا" بنابر تفسیر و تمیز منصوب ہوگا اور تمیز کا حاصل لفظ کے کئی محتملات میں سے ایک کو متعین کرنا ہے، لہٰذا لفظ "طَالِقٌ" متعدد (ایک، دو، تین) کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ سے اس کے محتمل معانی میں سے ایک کی نیت کرنا درست ہے، لہٰذا اس سے دو اور تین طلاقوں کی نیت بھی صحیح ہے۔

﴿۷﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ "طَالِقٌ" صفتِ فرد ہے اس لئے کہ یہ ایک عورت کی صفت ہے پس "أَنْتِ طَالِقٌ" بمعنی "أَنْتِ اِمْرَأَةٌ طَالِقٌ" ہے حتیٰ کہ دو کیلئے "طَالِقَان" اور تین کیلئے "طَوَالِق" کہاجاتا ہے اور ہر وہ لفظ جو صفتِ فرد ہو وہ عدد کا احتمال نہیں رکھتا؛ کیونکہ عدد فرد کی ضد ہے اور شئی اپنی ضد کا احتمال نہیں رکھتی، لہٰذا "أَنْتِ طَالِقٌ" سے دو یا تین طلاقوں کی نیت کرنا درست نہیں۔

﴿۸﴾ امام شافعیؒ کا جواب یہ ہے کہ لفظِ "طَالِقٌ" بے شک طلاق مصدر پر دلالت کرتا ہے مگر طلاق مصدر سے وہ طلاق مراد ہے جو عورت کی صفت ہے، نہ کہ وہ طلاق جو بمعنی تطلیق (طلاق دینا) ہے اور مرد کی صفت ہے اور عدد کا احتمال اس مصدر طلاق میں ہے جو مرد کی صفت ہے نہ کہ اس میں جو عورت کی صفت ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ ذکرِ طالق ذکرِ طلاق ہے اور طلاق میں عدد کا احتمال ہے۔ اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ لفظِ "طَالِقٌ" میں عدد کا احتمال ہے اسی لیے اس کے ساتھ عدد مقترن ہوتا ہے اور عدد ترکیب میں تمیز واقع ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عدد تمیز نہیں بلکہ مصدر محذوف کے لیے صفت ہے تقدیری عبارت ہے "أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا ثَلَاثًا" پس یہ ایسا ہے جیسا کہ تیرا قول "أَعْطَيْتُهُ جَزِيلًا" بمعنی "أَعْطَيْتُهُ عَطَاءً جَزِيلًا" یعنی "جَزِيلًا" مصدر محذوف (عَطَاءً) کے لیے صفت ہے اس لیے منصوب ہے نہ کہ بنابر تمیز۔

ف:۔ "أَنْتِ طَالِقٌ" کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ "طَالِقٌ" کے طاء کو تاء پڑھے یا قاف کو عین یا غین یا لام پڑھے، اگرچہ وہ کہے کہ میں نے محض ڈرانے کے لئے قصداً ایسا کیا تھا تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اِلّا یہ کہ وہ تکلم بالطلاق سے پہلے اس پر گواہ قائم کرلے کمافی الدرالمختار (وَيَقَعُ بِهَا) أَيْ بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ وَمَا بِمَعْنَاهَا مِنَ الصَّرِيحِ، وَيَدْخُلُ نَحْوُ طَلَاغٍ وَتَلَاغٍ وَطَلَاكٍ وَتَلَاكٍ أَوْ "طَ لَ قَ" أَوْ "طَلَاق بَاش" بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ عَالِمٍ وَجَاهِلٍ، وَإِنْ قَالَ تَعَمَّدْتُهُ تَخْوِيفًا لَمْ يُصَدَّقْ قَضَاءً إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ عَلَيْهِ قَبْلَهُ وَبِهِ يُفْتَى؛ (الدرالمختار علی ھامش ردّالمحتار: ۲/۴۶۶)

﴿۱﴾ وَإِذَا قَالَ: أَنْتِ الطَّلَاقُ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ

اور جب کہے "أَنْتِ الطَّلَاقُ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا" پس اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو یا ایک یا دو کی نیت ہو

فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ ﴿۲﴾ وَوُقُوعُ الطَّلَاقِ بِاللَّفْظَةِ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ ظَاهِرٌ، لِأَنَّهُ لَوْ ذَكَرَ

تو وہ ایک رجعی ہوگی اور اگر نیت کی تین کی تو تین ہوں گی، اور وقوع طلاق دوسرے اور تیسرے لفظ سے ظاہر ہے؛ کیونکہ اگر وہ ذکر کرتا

النَّعْتَ وَحْدَهُ يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ ، فَإِذَا ذَكَرَهُ وَذَكَرَ الْمَصْدَرَ مَعَهُ وَأَنَّهُ يَزِيدُهُ وَكَادَةً

فقط صفت تو بھی واقع ہوتی اس سے طلاق، پس جب اس نے ذکر کیا صفت کو اور ذکر کیا مصدر کو اس کے ساتھ اور وہ بڑھاتا ہے تاکید کو

أَوْلَى. وَأَمَّا وُقُوعُهُ بِاللَّفْظَةِ الْأُولَى فَلِأَنَّ الْمَصْدَرَ قَدْ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ الْإِسْمُ،

تو بطریقہ اولی طلاق واقع ہوگی، اور رہا اس کا وقوع لفظ اول سے تو وہ اس لیے کہ مصدر کبھی ذکر کیا جاتا ہے اور مراد لیا جاتا ہے اس سے اسم

يُقَالُ : رَجُلٌ عَدْلٌ : أَيْ عَادِلٌ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ ، وَعَلَى هَذَا لَوْ قَالَ : أَنْتِ طَلَاقٌ يَقَعُ

کہا جاتا ہے "رَجُلٌ عَدْلٌ" یعنی عادل، پس ہو گیا بمنزلہ اس کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ" کے اور اسی طرح اگر کہا "أَنْتِ طَلَاقٌ" تو واقع ہو جائے گی

بِهِ الطَّلَاقُ أَيْضًا وَلَا يَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى النِّيَّةِ وَيَكُونُ رَجْعِيًّا لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ صَرِيحُ الطَّلَاقِ

اس سے بھی طلاق اور محتاج نہ ہو گا اس میں نیت کو اور ہوگی رجعی طلاق اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی کہ یہ صریح طلاق ہے

لِغَلَبَةِ الْإِسْتِعْمَالِ فِيهِ ، ﴿۳﴾وَتَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ لِأَنَّ الْمَصْدَرَ يَحْتَمِلُ الْعُمُومَ وَالْكَثْرَةَ لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ

غلبہ استعمال کی وجہ سے اس میں، اور صحیح ہوگی تین کی نیت؛ کیونکہ مصدر احتمال رکھتا ہے عموم اور کثرت کا؛ اس لیے کہ وہ اسم جنس ہے

فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ فَيَتَنَاوَلُ الْأَدْنَى مَعَ احْتِمَالِ الْكُلِّ ، وَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثِّنْتَيْنِ فِيهَا ﴿۴﴾خِلَافًا لِزُفَرَ.

پس قیاس کیا جائے گا دیگر اسماء اجناس پر پس شامل ہوگا ادنی کو کل کے احتمال کے ساتھ، اور صحیح نہ ہوگی دو کی نیت اس میں اختلاف ہے امام زفرؒ کا،

هُوَ يَقُولُ : إِنَّ الثِّنْتَيْنِ بَعْضُ الثَّلَاثِ فَلَمَّا صَحَّتْ نِيَّةُ الثَّلَاثِ صَحَّتْ نِيَّةُ بَعْضِهَا ضَرُورَةً .وَنَحْنُ نَقُولُ:

وہ فرماتے ہیں کہ دو بعض ہے تین کا پس جب صحیح ہے تین کی نیت تو لازمی طور پر صحیح ہوگی اس کے بعض کی نیت، اور ہم کہتے ہیں کہ

نِيَّةُ الثَّلَاثِ إِنَّمَا صَحَّتْ لِكَوْنِهَا جِنْسًا، حَتَّى لَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ أَمَةً تَصِحُّ نِيَّةُ الثِّنْتَيْنِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الْجِنْسِيَّةِ،

نیت ثلاث صحیح ہے بوجہ اس کے کہ وہ جنس ہے حتی کہ اگر ہو عورت باندی تو صحیح ہو گی دو کی نیت جنسی معنی کے اعتبار سے،

أَمَّا الثِّنْتَانِ فِي حَقِّ الْحُرَّةِ فَعَدَدٌ، وَاللَّفْظُ لَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ وَهَذَا لِأَنَّ مَعْنَى التَّوَحُّدِ يُرَاعَى فِي أَلْفَاظِ الْوُحْدَانِ

بہر حال دو آزاد عورت کے حق میں تو وہ عدد ہے، اور لفظ احتمال نہیں رکھتا ہے عدد کا اور یہ اس لیے کہ توحد کا معنی ملحوظ ہوتا ہے مفرد الفاظ میں

وَذَلِكَ بِالْفَرْدِيَّةِ أَوِ الْجِنْسِيَّةِ وَالْمَثْنَى بِمَعْزِلٍ مِنْهُمَا . ﴿۵﴾وَلَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ فَقَالَ:

اور یہ توحد حاصل ہوگا یا تو فردیت کے ساتھ یا جنسیت کے ساتھ اور مثنی الگ ہے ان دونوں سے۔ اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ" اور کہا کہ

أَرَدْتُ بِقَوْلِي طَالِقٌ وَاحِدَةً وَبِقَوْلِي الطَّلَاقَ أُخْرَى يُصَدَّقُ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

میں نے ارادہ کیا اپنے قول "طَالِقٌ" سے ایک کی اور اپنے قول "الطَّلَاقَ" سے دوسری کی تو تصدیق کی جائے گی؛ کیونکہ ہر ایک ان دونوں میں سے

صَالِحٌ لِلْإِيقَاعِ فَكَأَنَّهُ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ وَطَالِقٌ فَتَقَعُ رَجْعِيَّتَانِ إِذَا كَانَتْ مَدْخُولًا بِهَا .

صالح ہے ایقاع کا پس گویا اس نے کہا"أَنْتِ طَالِقٌ وَطَالِقٌ "پس واقع ہو گی دو رجعی طلاق اگر ہو وہ مدخول بہا۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول"أَنْتِ الطَّلَاقُ"یا"أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ"یا"أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا"سے ایک یا تین طلاقوں کی نیت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور دو طلاقوں کی نیت کے حکم میں امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں"أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ"کہنے کی صورت میں طالقٌ سے اور الطلاق سے الگ طلاق کی نیت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا"أَنْتِ الطَّلَاقُ"یا"أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ"یا"أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا"(یعنی تو طلاق ہے) تو ان تینوں صورتوں میں اگر کوئی نیت نہیں کی ہے یا ایک طلاق کی نیت کی ہے یا دو کی، تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ اور اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

{۲}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے لفظ(أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ)اور تیسرے لفظ(أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا) سے طلاق کا وقوع تو ظاہر ہے؛ کیونکہ ان دو صورتوں میں اگر صرف صیغۂ صفت(أَنْتِ طَالِقٌ) ذکر کرتا تو بھی اس سے طلاق واقع ہو جاتی، پس جب اس نے اس کے ساتھ مصدر (الطَّلَاق، طَلَاقًا) کو بھی ذکر کیا تو اس سے تو مزید قوت اور تاکید پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اس سے بطریقۂ اولیٰ طلاق واقع ہو گی۔ اور پہلے لفظ(أَنْتِ الطَّلَاقُ) سے اس لیے طلاق واقع ہو گی کہ بسا اوقات مصدر ذکر کیا جاتا ہے اور اسم مراد لیا جاتا ہے جیسے"رَجُلٌ عَدْلٌ"بمعنی"رَجُلٌ عَادِلٌ"اسی طرح یہاں بھی"أَنْتِ الطَّلَاقُ"بمعنی"أَنْتِ طَالِقٌ"ہے جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا"أَنْتِ الطَّلَاقُ"سے بھی طلاق واقع ہو گی۔ اسی طرح اگر شوہر نے کہا"أَنْتِ طَلَاقٌ"تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ"طَلَاقٌ"بمعنی"طَالِقٌ"ہے۔ اور ان الفاظ سے طلاقِ رجعی واقع ہو گی اور محتاجِ نیت بھی نہ ہو گی؛ کیونکہ یہ الفاظ طلاق میں غلبۂ استعمال کی وجہ سے صریح ہیں اور طلاقِ صریح سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

{۳}اور اگر شوہر نے ان الفاظ سے تین طلاقوں کی نیت کی تو یہ بھی صحیح ہے؛ کیونکہ مصدر میں عموم اور کثرت کا احتمال ہوتا ہے اس لیے کہ مصدر اسم جنس ہے پس دیگر اسماء اجناس کی طرح یہ بھی قلیل اور کثیر سب کو شامل ہو گا، لہٰذا یہ بھی ادنیٰ (ایک طلاق) کو شامل ہوتا ہے اور کل (تین طلاقوں) کا احتمال رکھتا ہے؛ کیونکہ دیگر اسماء اجناس کی طرح اس کے بھی دو فرد ہوتے ہیں ایک فرد حقیقی دوسرا فرد حکمی۔ فرد حقیقی ایک طلاق ہے اور فرد حکمی کل کا مجموعہ یعنی تین طلاقیں ہیں، پس جب شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی

نہیں یعنی دو کی نیت کرنے کے وقت بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ زفرؒ حکمی ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔اور چونکہ یہ مصادر ہیں اور مصادر میں عدد کا احتمال نہیں ہوتا اس لئے دو طلاقوں کی نیت کرنا صحیح

{۴}امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک دو طلاقوں کی نیت بھی صحیح ہے یعنی اگر شوہر نے مذکورہ بالا الفاظ سے دو طلاقوں کی نیت کی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ جب تین کی نیت کرنا صحیح ہے تو دو کی نیت بھی صحیح ہوگی اسلئے کہ دو تین کا جزء ہے تو جب کل کی نیت صحیح ہے تو اس کے جزء کی نیت بھی صحیح ہوگی۔ہم کہتے ہیں کہ مفرد الفاظ میں وحدت کا معنی ملحوظ ہوتا ہے خواہ وحدتِ فردی ہو یا وحدتِ جنسی، تو تین طلاقوں میں وحدتِ جنسی ہے کہ کل ایک جنس ہے، حتی کہ اگر عورت باندی ہو تو پھر مذکورہ الفاظ سے دو طلاقوں کی نیت کرنا بھی صحیح ہے؛ کیونکہ باندی کے حق میں دو طلاق فردِ حکمی (کل جنس) ہے اور مذکورہ الفاظ سے فردِ حکمی کی نیت کرنا صحیح ہے۔ جبکہ آزاد عورت کے حق میں دو طلاق محض عدد ہے اس میں نہ وحدتِ فردی ہے اور نہ وحدتِ جنسی ہے اور اسم جنس عدد کا احتمال نہیں رکھتا ہے؛ کیونکہ مفرد الفاظ میں وحدت کا معنی ملحوظ ہوتا ہے اور وحدت کا معنی یا تو فردِ حقیقی (ایک طلاق) کے ساتھ متحقق ہوگا یا فردِ حکمی یعنی کل جنس (تین طلاق) کے ساتھ، جبکہ دو کا عدد محض عدد ہے ان دونوں (فردِ حقیقی و حکمی) سے الگ اور بعید ہے اس لیے دو کی نیت صحیح نہیں۔

{۵}اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ" پھر کہا کہ میں نے اپنے قول "طَالِقٌ" سے ایک طلاق کی نیت کی ہے اور "الطَّلَاقَ" سے دوسری طلاق کی، تو اس کی تصدیق کی جائے گی؛ کیونکہ ان دو الفاظ میں سے ہر ایک طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو گویا اس نے یوں کہا ہے "أَنْتِ طَالِقٌ وَطَالِقٌ"، لہٰذا اگر یہ عورت مدخول بہا ہے تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوں گی۔

{۱} وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى جُمْلَتِهَا أَوْ إِلَى مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِأَنَّهُ

اور جب منسوب کرے طلاق بیوی کے کل یا اس کے ایسے جزء کی طرف جس سے کل کو تعبیر کیا جا ہے تو واقع ہو جائے گی طلاق؛ کیونکہ طلاق

أُضِيفَ إِلَى مَحَلِّهِ ،وَذَلِكَ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ أَنْتِ طَالِقٌ لِأَنَّ التَّاءَ ضَمِيرُالْمَرْأَةِ أَوْيَقُولَ رَقَبَتُكِ طَالِقٌ

منسوب کی گئی ہے اپنے محل کی طرف اور یہ جیسے کہہ دے "أَنْتِ طَالِقٌ" کیونکہ تا عورت کی ضمیر ہے، یا کہہ دے "رَقَبَتُكِ طَالِقٌ

أَوْ عُنُقُكِ طَالِقٌ أَوْ رَأْسُكِ طَالِقٌ أَوْ رُوحُكِ أَوْ بَدَنُكِ أَوْ جَسَدُكِ أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ لِأَنَّهُ يُعَبَّرُ بِهَا

أَوْعُنُقُكِ طَالِقٌ أَوْ رَأْسُكِ طَالِقٌ" یا کہے "أَوْرُوحُكِ أَوْبَدَنُكِ أَوْجَسَدُكِ أَوْفَرْجُكِ أَوْوَجْهُكِ" کیونکہ تعبیر کیا جاتا ہے ان الفاظ سے

عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ . أَمَّا الْجَسَدُ وَالْبَدَنُ فَظَاهِرٌ {۲}وَكَذَا غَيْرُهُمَا ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

تمام بدن کو، بہر حال جسم اور بدن تو وہ ظاہر ہے اسی طرح ان دو کے علاوہ ہیں؛ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ایک گردن آزاد کرنا" اور فرمایا

{ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ} وَقَالَ { فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ }وَقَالَ ﷺ{لَعَنَ اللّٰهُ الْفُرُوجَ عَلَى السُّرُوجِ}

"ایک گردن آزاد کرنا" اور فرمایا "جس کے آگے ان کی گردنیں جھک جاتیں" اور حضورؐ کا ارشاد ہے "اللہ کی لعنت ہو ان شرمگاہوں پر جو زینوں پر رہتی ہیں"

وَيُقَالُ فُلَانٌ رَأْسُ الْقَوْمِ وَيَا وَجْهَ الْعَرَبِ وَهَلَكَ رُوحُهُ بِمَعْنَى نَفْسُهُ{۳}وَمِنْ هَذَا الْقَبِيلِ الدَّمُ فِي رِوَايَةٍ

اور کہا جاتا ہے "فُلَانٌ رَأْسُ الْقَوْمِ وَ يَا وَجْهَ الْعَرَبِ" اور "وَهَلَكَ رُوحُهُ" بمعنی اس کا نفس اور اسی قبیل سے "دَمٌ" لفظ ہے ایک روایت میں

يُقَالُ دَمُهُ هَدَرٌ وَمِنْهُ النَّفْسُ وَهُوَ ظَاهِرٌ {۴} وَكَذَلِكَ إِنْ طَلَّقَ جُزْءًا شَائِعًا مِنْهَا مِثْلَ أَنْ يَقُولَ نِصْفُكِ

کہا جاتا ہے "دَمُهُ هَدَرٌ" اور اسی سے نفس ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اور اسی طرح اگر طلاق دی جزءِ شائع کو عورت میں سے مثلاً کہے "نِصْفُكِ

أَوْ ثُلُثُكِ طَالِقٌ لِأَنَّ الشَّائِعَ مَحَلٌّ لِسَائِرِ التَّصَرُّفَاتِ كَالْبَيْعِ وَغَيْرِهِ فَكَذَا يَكُونُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ

أَوْ ثُلُثُكِ طَالِقٌ" کیونکہ شائع محل ہے تمام تصرفات کا جیسے بیع وغیرہ پس اسی طرح ہوگا محل طلاق کے لیے، مگر جزءِ شائع متجزی نہیں ہوگا

فِي حَقِّ الطَّلَاقِ فَيَثْبُتُ فِي الْكُلِّ ضَرُورَةً{۵} وَلَوْ قَالَ:يَدُكِ طَالِقٌ أَوْرِجْلُكِ طَالِقٌ لَمْ يَقَعْ الطَّلَاقُ وَقَالَ زُفَرُ

طلاق کے حق میں پس ثابت ہوگی کل میں لازمی طور پر۔ اور اگر کہا "يَدُكِ طَالِقٌ أَوْ رِجْلُكِ" تو واقع نہ ہوگی طلاق، اور فرمایا امام زفرؒ

وَالشَّافِعِيُّ : يَقَعُ ، وَكَذَا الْخِلَافُ فِي كُلِّ جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ. لَهُمَا

اور امام شافعیؒ نے کہ واقع ہوگی، اسی طرح اختلاف ہے ہر ایسے جزءِ معین میں جو تعبیر نہ کیا جاتا ہو اس سے تمام بدن کو، ان دونوں کی دلیل یہ ہے

أَنَّهُ جُزْءٌ مُسْتَمْتَعٌ بِعَقْدِ النِّكَاحِ وَمَا هَذَا حَالُهُ يَكُونُ مَحَلًّا لِحُكْمِ النِّكَاحِ فَيَكُونُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ

کہ یہ جزء قابلِ انتفاع ہے عقدِ نکاح کی وجہ سے اور جس کا یہ حال ہو وہ ہوگا محل حکم نکاح کے لیے پس ہوگا محل طلاق کے لیے۔

فَيَثْبُتُ الْحُكْمُ فِيهِ قَضِيَّةً لِلْإِضَافَةِ ثُمَّ يَسْرِي إِلَى الْكُلِّ كَمَا فِي الْجُزْءِ الشَّائِعِ{۶}بِخِلَافِ مَا إِذَا

اس لیے ثابت ہوگا حکم اس میں مقتضیٰ اضافت کی وجہ سے پھر سرایت کرے گا کل کی طرف جیسا کہ جزء، شائع میں، بخلاف اس کے جب

أُضِيفَ إِلَيْهِ النِّكَاحُ لِأَنَّ التَّعَدِّيَ مُمْتَنِعٌ إِذِ الْحُرْمَةُ فِي سَائِرِ الْأَجْزَاءِ تَغْلِبُ الْحِلَّ فِي هَذَا الْجُزْءِ وَفِي الطَّلَاقِ

مضاف کیا گیا ہو اس کی طرف نکاح؛ کیونکہ تعدی ممتنع ہے؛ اس لیے کہ حرمت دیگر اجزاء میں غالب آئے گی اس جزء کی حلت پر اور طلاق میں

الْأَمْرُ عَلَى الْقَلْبِ . {۷}وَلَنَا أَنَّهُ أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى غَيْرِ مَحَلِّهِ فَيَلْغُو كَمَا إِذَا أَضَافَهُ

معاملہ برعکس ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے منسوب کیا ہے طلاق کو غیر محل کی طرف پس لغو ہوگا جیسا کہ جب مضاف کرے اس کو

إِلَى رِيقِهَا أَوْ ظُفُرِهَا ، وَهَذَا لِأَنَّ مَحَلَّ الطَّلَاقِ مَا يَكُونُ فِيهِ الْقَيْدُ لِأَنَّهُ يُنْبِئُ عَنْ رَفْعِ الْقَيْدِ

اس کے تھوک یا ان کے ناخن کی طرف، اور یہ اس لیے کہ محل طلاق وہ ہے جس میں قید ہو؛ کیونکہ طلاق خبر دیتی ہے رفع قید سے،

وَلَا قَيْدَ فِي الْيَدِ وَلِهَذَا لَا تَصِحُّ إضَافَةُ النِّكَاحِ إلَيْهِ ، بِخِلَافِ الْجُزْءِ الشَّائِعِ لِأَنَّهُ مَحَلٌّ لِلنِّكَاحِ عِنْدَنَا

اور قید نہیں ہاتھ میں، اسی وجہ سے صحیح نہیں ہے نکاح کی اضافت اس کی طرف، بخلاف جزء شائع کے؛ کیونکہ وہ محل ہے نکاح کا ہمارے نزدیک

حَتَّى تَصِحَّ إضَافَتُهُ إلَيْهِ فَكَذَا يَكُونُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ . {8} وَاخْتَلَفُوا فِي الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ ، وَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ

حتی کہ صحیح ہے نکاح کی اضافت جزء شائع کی طرف، پس ہوگا محل طلاق کے لیے، اور فقہاء نے اختلاف کیا ہے ظہر اور بطن میں، اظہر یہ ہے

لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ لَا يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ .

کہ یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ تعبیر نہیں کیا جاتا ہے ان دونوں کے ساتھ تمام بدن کو۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں عورت کے کل یا جزء کی طرف طلاق کی نسبت کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 3 میں لفظِ دم کے بارے میں دو روایتوں کو ذکر کیا ہے، اور لفظ نفس سے وقوع طلاق اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر 4 میں جزءِ شائع کی طرف نسبتِ طلاق کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 5 تا 7 میں ید اور رجل کی طرف نسبتِ طلاق میں احناف ؒ اور شوافع ؒ کا اختلاف، ان کی دلیل، اور ایک سوال کا جواب، پھر ہماری دلیل، اور پھر ان کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر 8 میں ظہر اور بطن کی طرف نسبتِ طلاق میں مشائخ کا اختلاف اور ایک روایت کی ترجیح اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {1} اگر زوج نے عورت کے کل کی طرف طلاق کی نسبت کی، یا عورت کے ایسے جزء کی طرف طلاق کی نسبت کی جس سے کل انسان کو تعبیر کیا جاتا ہو، تو طلاق واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ اس صورت میں طلاق اپنے محل یعنی عورت کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ کل عورت کی طرف منسوب کی گئی طلاق کی مثال "أَنْتِ طَالِقٌ" ہے؛ کیونکہ "أَنْتِ" میں تا عورت کی ضمیر ہے جس سے کل عورت مراد ہوگی۔

اور ایسے جزء جس سے کل انسان کو تعبیر کیا جاتا ہو کی مثال "رَقَبَتُكِ طَالِقٌ" (تیری گردن طلاق والی ہے) یا "عُنُقُكِ طَالِقٌ" (تیری گردن طلاق والی ہے) یا "رَأْسُكِ طَالِقٌ" (تیرا سر طلاق والا ہے) یا "رُوْحُكِ" (تیری روح طلاق والی ہے) یا "بَدَنُكِ" (تیرا بدن) یا "جَسَدُكِ" (تیرا جسم) یا "فَرْجُكِ" (تیری شرمگاہ) یا "وَجْهُكِ" (تیرا چہرہ طلاق والا ہے) وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے کل بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے، جن میں سے لفظِ جسد اور بدن سے کل انسان کو تعبیر کرنا تو ظاہر ہے۔

{۲}اسی طرح دیگر الفاظ بھی ہیں جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـــــأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ[1]﴾(اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے)جس میں رقبہ سے نفس رقبہ مراد نہیں بلکہ ذات اور شخص مراد ہے، اور عتق کے بارے میں ارشاد ہے﴿إِنْ نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ[2]﴾(اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی معجزہ اتار دیتے جس کے آگے ان کی گردنیں جھک جاتیں)جس میں اعناق سے نفس اعناق مراد نہیں بلکہ ذوات اور اشخاص مراد ہیں۔اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے"لَعَنَ اللَّهُ الْفُرُوجَ عَلَى السُّرُوجِ[3]"(اللہ کی لعنت ہو ان شرمگاہوں پر جو زینوں پر ہوں)جس میں فروج سے نفس شرمگاہیں مراد نہیں بلکہ عورتیں مراد ہیں؛کیونکہ لعنت فرج پر نہیں ذات پر ہوتی ہے۔"رَاسُ الْقَوْمِ"بمعنی قوم کا بڑا، کہا جاتا ہے"أَنَا بِخَيْرٍ مَا دَامَ رَأْسُهُ سَالِمًا"(میں خیریت سے ہوں گا جب تک کہ فلاں سالم ہو)اور"وَجْهُ الْعَرَبِ"بمعنی عربوں کا مقتداء، تو اس سے سر اور چہرہ مراد نہیں بلکہ ذات اور شخص مراد ہے، اسی طرح"هَلَكَ رُوحُهُ"(ہلاک ہوگئی اس کی روح)میں روح سے مراد اس کا نفس اور شخص ہے۔

{۳}اور ایک روایت کے مطابق لفظِ دم سے بھی پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے "دَمُهُ هَدَرٌ"(اس کا خون رائیگاں ہے)مراد اس کی ذات ہے لہٰذا خون کی طرف طلاق کی نسبت کرنے سے طلاق واقع ہوگی۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ خون کی طرف طلاق کی نسبت سے طلاق واقع نہ ہوگی اور یہی صحیح ہے لما فی خلاصة الفتاوى: والمختار في الدم والظهر أن لايقع (خلاصۃالفتاویٰ:۲/۸۴) اسی طرح نفس کی طرف طلاق کی نسبت کرنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے جو کہ ظاہر ہے؛کیونکہ نفس ذات ہی سے عبارت ہے۔

{۴}اگر زوج نے طلاق کی نسبت عورت کے جزءِ شائع یعنی غیر معین جزء کی طرف کی تو بھی طلاق واقع ہوجائیگی جیسے"نِصْفُكِ طَالِقٌ"(تیرا نصف طلاق والا ہے)یا"ثُلُثُكِ طَالِقٌ"(تیرا ثلث طلاق والا ہے)وجہ یہ ہے کہ جزءِ شائع بیع وغیرہ تمام تصرفات کا محل ہے مثلاً نصف یا ثلث غلام فروخت کیا جاتا ہے، تو طلاق کا بھی محل ہوگا؛کیونکہ طلاق بھی ایک تصرف ہے، البتہ عورت

([1])النساء:92۔

([2])الشعراء:4۔

([3])علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اس روایت کو غریب قرار دیا ہے، البتہ ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند ضعیف ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:"عن عطاعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله ﷺ ذوات الفروج ان يركبن السروج(الكامل لابن عدى:6،ص313،ط دارالكتب العلمة.

کا بدن حق طلاق میں متجزی نہیں یعنی ایسا نہیں کہ عورت کا ایک جزء طلاق ہو اور دوسرا جزء طلاق نہ ہو، لہذا بنا بر ضرورت کل میں طلاق ثابت ہو جائیگی۔

{۵} اگر زوج نے کہا" یَدُكِ طَالِقٌ "(تیرا ہاتھ طلاق والا ہے) یا" رِجْلُكِ طَالِقٌ "(تیرا پاؤں طلاق والا ہے) تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، یہی اختلاف ہر اس معین جزء (جیسے دانت، ناخن وغیرہ) میں ہے جس سے کل بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا ہے۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جزءِ معین سے عقدِ نکاح کی وجہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ہر وہ جزء جس سے عقدِ نکاح کی وجہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو وہ حکمِ نکاح (فائدہ اٹھانے) کا محل ہوگا، اور جو حکمِ نکاح کا محل ہو وہ طلاق کا بھی محل ہوگا، لہذا اس معین جزء کی طرف طلاق کی نسبت کرنے کے تقاضے کی وجہ سے اس میں حکمِ طلاق ثابت ہو جائے گا، پھر اس معین جزء سے کل بدن کی طرف طلاق سرایت کرے گی جیسا کہ جزءِ شائع کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں جزء سے کل کی طرف طلاق سرایت کرتی ہے۔

{۶} سوال یہ ہے کہ جب جزءِ معین حکمِ نکاح کا محل ہے تو اس کی طرف نکاح کی نسبت کرنے سے نکاح منعقد ہو جانا چاہیے حالانکہ آپ کے نزدیک بھی اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک معین جزء کی طرف نکاح کی نسبت کرنے سے اس ایک جزء میں حِلّت ثابت ہو جائے گی، مگر پھر اس ایک جزء سے دیگر تمام اجزاء کی طرف حلت سرایت نہیں کرتی ہے؛ کیونکہ دیگر تمام اجزاء کی حرمت اس ایک جزء میں موجود حلت پر غالب رہتی ہے، اس لیے اس ایک جزء میں حلت کے باوجود دیگر تمام اجزاء میں حرمت باقی رہے گی لہذا اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔

جبکہ طلاق میں معاملہ برعکس ہے یعنی ایک معین جزء کی حرمت بقیہ تمام اجزاء کی حلت پر غالب رہتی ہے؛ کیونکہ جب ایک معین جزء کی طرف طلاق کی نسبت کی جائے تو وہ جزء حرام ہو جائے گا اور بقیہ اجزاء حلال ہیں اس طرح عورت حرام وحلال کا مجموعہ ہو جائے گی اور قاعدہ ہے کہ حرام اور حلال جب جمع ہو جائیں تو ترجیح حرام کو ہوتی ہے، اس لیے جزءِ معین کی طرف طلاق کی نسبت کرنے سے طلاق کل بدن کی طرف سرایت کرے گی۔

{۷} ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے غیر محلِ طلاق کی طرف طلاق کی نسبت کی ہے اس لیے یہ طلاق لغو ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ عورت کے تھوک یا ناخن کی طرف طلاق کی نسبت کی جائے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کی طرف منسوب طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ باقی "ید" اور "رِجل" محلِ طلاق اس لیے نہیں کہ محلِ طلاق وہ ہے جس میں نکاح کی قید ہو؛ کیونکہ لفظِ طلاق رفعِ قید کی خبر دیتا ہے اور رفعِ قید وہاں ہوگا جہاں پہلے سے قید ہو، جبکہ ہاتھ اور پاؤں میں کوئی قید نہیں بلکہ قید تو مجموعہ میں

ہے، یہی وجہ ہے کہ جزءِ معین کی طرف نکاح کی نسبت صحیح نہیں یعنی عورت کے ہاتھ یا پاؤں سے نکاح کرنا صحیح نہیں، لہٰذا جزءِ معین کی طرف طلاق کی نسبت کرنے سے طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔
باقی امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا جزءِ معین کو جزءِ شائع پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ جزءِ شائع ہمارے نزدیک محلِ نکاح ہے حتی کہ اس کی طرف نکاح کی نسبت صحیح ہے مثلاً عورت کے نصف یا ثلث سے نکاح کرنا صحیح ہے، لہٰذا جزءِ شائع طلاق کا بھی محل ہو گا یعنی نصف، ثلث وغیرہ کی طرف طلاق کی نسبت کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔
{8} اور ظہر اور بطن کی طرف طلاق کی نسبت کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے مثلاً اگر شوہر نے بیوی سے کہا "ظہرِكِ طَالِقٌ" یا "بَطْنُكِ طَالِقٌ" تو بعض حضرات کے نزدیک اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور دیگر بعض کے نزدیک واقع نہیں ہوتی، زیادہ ظاہر یہی ہے کہ ان دو الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ ظہر اور بطن سے کل بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا ہے اس لیے ان سے طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

{1} وَإِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيقَةٍ أَوْ ثُلُثَهَا كَانَتْ طَالِقًا تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتَجَزَّأُ، وَذِكْرُ بَعْضِ مَا لَا يَتَجَزَّأُ كَذِكْرِ الْكُلِّ، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي كُلِّ جُزْءٍ سَمَّاهُ لِمَا بَيَّنَّا {2} وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثَةَ أَنْصَافِ تَطْلِيقَتَيْنِ فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِأَنَّ نِصْفَ التَّطْلِيقَتَيْنِ تَطْلِيقَةٌ، فَإِذَا جَمَعَ بَيْنَ ثَلَاثَةِ أَنْصَافٍ تَكُونُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ ضَرُورَةً. وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثَةَ أَنْصَافِ تَطْلِيقَةٍ قِيلَ: يَقَعُ تَطْلِيقَتَانِ لِأَنَّهَا طَلْقَةٌ وَنِصْفٌ فَيَتَكَامَلُ وَقِيلَ يَقَعُ ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ لِأَنَّ كُلَّ نِصْفٍ يَتَكَامَلُ فِي نَفْسِهِ فَتَصِيرُ ثَلَاثًا. {3} وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ أَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ. وَلَوْ قَالَ: مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثَلَاثٍ أَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ إِلَى ثَلَاثٍ. فَهِيَ ثِنْتَانِ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا فِي الْأُولَى هِيَ ثِنْتَانِ

ترجمہ: {1} اور اگر طلاق دی اپنی بیوی کو ایک طلاق کا نصف یا اس کا ثلث تو وہ طلاق ہو گی ایک طلاق؛ کیونکہ طلاق متجزی نہیں، اور بعض مالا یتجزی کا ذکر کل کے ذکر کی طرح ہے اور یہی حکم ہر اس جزء کا ہے جس کو شوہر ذکر کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ {2} اور اگر کہا بیوی سے "تو دو طلاقوں کے تین نصف والی ہے" تو وہ تین طلاق والی ہو گی؛ کیونکہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے، پس جب جمع کرے تین نصف تو ہوں گی تین طلاقیں لازمی طور پر۔ اور اگر کہا: "تو ایک طلاق کے تین نصف والی ہے" تو کہا گیا ہے کہ واقع ہو جائیں گی دو طلاق؛ کیونکہ یہ ایک طلاق اور نصف ہے پس کامل ہو جائے گی۔ اور کہا گیا ہے کہ واقع ہوں گی تین طلاقیں؛ کیونکہ ہر نصف کامل ہو گا اپنی ذات میں پس تین ہو جائیں گی۔ {3} اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے ایک سے دو تک یا ایک اور دو کے درمیان" تو وہ ایک طلاق ہو گی، اور اگر کہا

ایک سے تین تک یا ایک اور تین کے درمیان" تو وہ دو ہیں، اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، اور فرمایا اول میں دو ہیں

وَفِي الثَّانِيَةِ ثَلَاثٌ وَقَالَ زُفَرُ: الْأُولَى لَا يَقَعُ شَيْءٌ، وَفِي الثَّانِيَةِ تَقَعُ وَاحِدَةٌ ، {۴}وَهُوَ الْقِيَاسُ لِأَنَّ الْغَايَةَ

اور ثانی میں تین ہیں، اور فرمایا امام زفرؒ نے اول میں واقع نہ ہوگی کچھ بھی اور ثانی میں واقع ہو جائے گی ایک، اور یہی قیاس ہے؛ کیونکہ غایہ

لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْمَضْرُوبِ لَهُ الْغَايَةُ، كَمَا لَوْقَالَ: بِعْتُ مِنْكَ مِنْ هَذَا الْحَائِطِ إِلَى هَذَا الْحَائِطِ. {۵}وَجْهُ قَوْلِهِمَا

داخل نہیں ہوتا ہے مضروب لہ الغایہ میں؛ جیسا اگر کوئی کہے "بِعْتُ مِنْكَ مِنْ هَذَا الْحَائِطِ إِلَى هَذَا الْحَائِطِ" اور صاحبینؒ کے قول کی وجہ

وَهُوَ الْاِسْتِحْسَانُ أَنَّ مِثْلَ هَذَا الْكَلَامِ مَتَى ذُكِرَ فِي الْعُرْفِ يُرَادُ بِهِ الْكُلُّ ، كَمَا تَقُولُ لِغَيْرِكَ :خُذْ مِنْ مَالِي

اور وہ استحسان ہے یہ ہے کہ اس جیسا کلام جب ذکر کیا جائے تو عرف میں مراد ہوتا ہے اس سے کل جیسے تو کسی سے کہے "لو تو میرے مال سے

مِنْ دِرْهَمٍ إِلَى مِائَةٍ. {۶}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْأَكْثَرُ مِنَ الْأَقَلِّ وَالْأَقَلُّ مِنَ الْأَكْثَرِ فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ سِنِّي

ایک درہم سے سو تک" اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مراد اس سے اکثر من الاقل اور اقل من الاکثر ہے؛ کیونکہ وہ کہتے ہیں "میری عمر

مِنْ سِتِّينَ إِلَى سَبْعِينَ وَمَا بَيْنَ سِتِّينَ إِلَى سَبْعِينَ وَيُرِيدُونَ بِهِ مَا ذَكَرْنَاهُ ، {۷}وَإِرَادَةُ الْكُلِّ فِيمَا

ساٹھ سے ستر تک ہے اور ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے" اور مراد لیتے ہیں اس سے وہی جس کو ہم نے ذکر کیا۔ اور کل کا ارادہ اس میں ہے

طَرِيقُهُ طَرِيقُ الْإِبَاحَةِ كَمَا ذُكِرَ، إِذِ الْأَصْلُ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ ، ثُمَّ الْغَايَةُ الْأُولَى لَا بُدَّ أَنْ تَكُونَ مَوْجُودَةً

جس کا طریق اباحت کا طریق ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا؛ کیونکہ اصل طلاق میں ممانعت ہے۔ پھر غایتِ اولیٰ ضروری ہے کہ ہو موجود،

لِيَتَرَتَّبَ عَلَيْهَا الثَّانِيَةُ، وَوُجُودُهَا بِوُقُوعِهَا ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ الْغَايَةَ فِيهِ مَوْجُودَةٌ قَبْلَ الْبَيْعِ.

تاکہ مرتب ہو سکے اس پر دوسری غایت، اور اولیٰ کا وجود اس کے وقوع سے ہوگا، بخلاف بیع کے؛ کیونکہ غایت اس میں موجود ہے بیع سے پہلے۔

{۸}وَلَوْ نَوَى وَاحِدَةً يُدَيَّنُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِأَنَّهُ مُحْتَمَلُ كَلَامِهِ لَكِنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ .

اور اگر اس نے نیت کی ایک کی تو تصدیق کی جائے گی دیانۃً نہ قضاءً؛ کیونکہ یہ محتمل ہے اس کے کلام کا مگر وہ خلافِ ظاہر ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں نصف یا ثلث طلاق دینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور دو طلاقوں کے تین نصف کا حکم اور دلیل، اور ایک طلاق کے تین نصف کے بارے میں علماء کے دو قول اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ تا ۷ میں شوہر کے بعض الفاظ کے بارے میں امام صاحبؒ، صاحبینؒ اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل، پھر صاحبینؒ اور امام زفرؒ کے دلائل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۸ میں شوہر کا "أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثَلَاثٍ" سے ایک طلاق کی نیت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی نے اپنی منکوحہ کو نصف طلاق دیدی یا ثلث طلاق دیدی مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تجھے نصف طلاق ہے یا تجھے ثلث طلاق ہے تو یہ پوری ایک طلاق شمار ہوگی اور عورت ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ ہو جائے گی؛ وجہ یہ ہے کہ طلاق متجزی یعنی منقسم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتی اور قاعدہ ہے کہ غیر متجزی شئ کے ایک جزء کا ذکر کل شئ کا ذکر شمار ہوتا ہے، توچونکہ یہاں نصف اور ثلث غیر متجزی شئ (یعنی طلاق) کے اجزاء ہیں اس لئے ان کے ساتھ پوری طلاق واقع ہوگی۔یہی حکم ہر اس جزء کا ہے جس کو شوہر بیان کرے جیسے ربع، عشر وغیرہ، دلیل وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کی کہ طلاق متجزی نہیں۔

{۲}اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا"تو طلاق ہے دو طلاقوں کے تین نصف"تو تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ دو طلاقوں کا ایک نصف ایک طلاق ہے اور دوسرا نصف دوسری طلاق ہے اور تیسرا نصف تیسری طلاق ہے، پس جب تین نصفوں کو جمع کیا جائے تو لازمی بات ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔اور اگر شوہر نے کہا"تو ایک طلاق کے تین نصف والی ہے"تو بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ دو نصف کا مجموعہ ایک طلاق ہے اور تیسرے نصف کو مکمل طلاق شمار کرکے دوسری طلاق ہوگی۔اور بعض دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ طلاق متجزی نہیں اس لئے ہر نصف کو مکمل طلاق شمار کرکے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

فتویٰ:۔قول اول زیادہ صحیح ہے لما فی الدرالمختار:(وَ)يَقَعُ ....بِثَلَاثَةِ أَنْصَافِ طَلْقَةٌ أَوْ نِصْفَيْ طَلْقَتَيْنِ طَلْقَتَانِ، وَقِيلَ يَقَعُ ثَلَاثٌ) وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ(الدرالمختار:۲/۴۷۵)

{۳}اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا"أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ"(تو طلاق والی ہے ایک سے لے کر دو تک) یا کہا"أَوْمَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ"(تو طلاق والی ہے ایک سے دو تک کے درمیان میں) تو ان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی۔اور اگر شوہر نے کہا"أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثَلَاثٍ"(تو طلاق والی ہے ایک سے تین تک)یا کہا"أَنْتِ طَالِقٌ مَابَيْنَ وَاحِدَةٍ إِلَى ثَلَاثٍ"(تو طلاق والی ہے ایک سے تین کے درمیان میں) تو امام صاحبؒ کے نزدیک دو طلاق واقع ہوں گی۔اور صاحبینؒ کے نزدیک اول دو میں دو طلاق واقع ہوں گی اور ثانی دو میں تین طلاق واقع ہوں گی۔اور امام زفرؒ کے نزدیک اول دو میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور ثانی دو میں ایک طلاق واقع ہوگی، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

{۴}امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شئ کی غایت اس میں داخل نہیں ہوتی جس کے لیے غایت بیان کی گئی ہے یعنی غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی ہے ورنہ تو غایت، غایت نہیں رہے گی جیسا کہ کوئی کہے"بِعْتُ مِنْكَ مِنْ هٰذَا الْحَائِطِ إِلَى هٰذَا

الحائط" (میں نے یہ زمین تیرے ہاتھ اِس دیوار سے اُس دیوار تک فروخت کی ہے) توبالاتفاق دیواریں اس بیع میں داخل نہیں ،لہٰذا اول دوصورتوں (ایک سے دوتک، اورایک سے دوکے درمیان) میں غایت اور مغیا (ایک اور دو) دونوں خارج ہیں اس لیے کچھ واقع نہ ہوگی، اور ثانی دوصورتوں (ایک سے تین تک، اورایک سے تین کے درمیان) میں غایت اور مغیا (ایک اور تین) خارج ہیں درمیان کی ایک طلاق واقع ہوگی۔

{۵} صاحبینؒ کی دلیل استحسان ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ اِس طرح کاکلام جب عرف میں ذکر ہوتا ہے تواس سے کل مراد ہوتا ہے مثلاً آپ کسی سے کہیں "خُذْ مِنْ مَالِي مِنْ دِرْهَمٍ إِلَى مِائَةٍ" (لومیرے مال سے ایک سے سوتک) تواس کامطلب یہ ہے کہ پورے سودرہم لے سکتا ہے یہ مطلب نہیں کہ ایک اور سوواں خارج ہیں اٹھانوے درہم لینے کااختیار ہے، اسی طرح مذکورہ صورتوں (ایک سے دوتک اورایک سے تین تک) میں مجموعہ دواور تین مراد ہیں، لہٰذا اول دوصورتوں میں دواور ثانی دوصورتوں میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۶} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ اگر غایتین دوایسے عدد ہوں جن کے درمیان بھی کوئی عدد ہو تواس صورت میں اقل سے جو اکثر ہو وہی مراد ہوگا مثلاً کہا "أنتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثَلَاثٍ" میں غایتین دوعدد ہیں یعنی ایک اور تین ،اور دونوں کے درمیان ایک اور عدد یعنی دو ہے تواس مجموعہ میں اقل عدد ایک ہے اوراس سے اکثر اوراوپر دو ہے تو اکثر من الاقل دو ہے، لہٰذا دو طلاقیں مراد ہوں گی۔ اوراگر غایتین ایسے دوعدد ہوں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عدد نہ ہو، تواس صورت میں اکثر سے جو اقل ہو وہی مراد ہوگا مثلاً کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ" توچونکہ اس مثال میں غایتین (ایک اور دو) کے درمیان کوئی عدد نہیں، اوران دونوں میں سے ایک اقل اور دو اکثر ہے پس قاعدہ کے مطابق اقل من الاکثر یعنی ایک مراد ہوگا، لہٰذا اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی، اس دلیل کی نظیر یہ ہے کہ لوگ اپنی عمر بتلاتے وقت کہتے ہیں "سِنِّي مِنْ سِتِّينَ إِلَى سَبْعِينَ وَمَا بَيْنَ سِتِّينَ إِلَى سَبْعِينَ" (میری عمر ساٹھ سے ستر تک ہے اور ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے) اور مراد وہی عدد لیتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا یعنی ساٹھ وستر کے درمیان والے عدد کو مراد لیتے ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی درمیانی عدد مراد ہوگا۔

{۷} اور صاحبینؒ کی دلیل کاجواب یہ ہے کہ اس طرح کلام سے کل وہاں مراد لیا جاتا ہے جہاں موقع اباحت کا ہو جیسے "خُذْ مِنْ مَالِي مِنْ دِرْهَمٍ إِلَى مِائَةٍ" میں پورے سودرہم مراد لیے جائیں گے؛ کیونکہ یہ اباحت کا موقع ہے، جبکہ طلاق میں اصل ممانعت ہے اس لیے اس موقع پر کل مراد لینا صحیح نہیں۔

امام زفرؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ پہلی غایت کا موجود ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ ثانی اول پر مرتب ہوتی ہے مثلاً ایک سے نو تک میں ثانی اول پر مرتب ہوتی ہے؛ کیونکہ اول کے بغیر ثانی، ثانی نہیں رہے گا، لہذا پہلی غایت کا وجود ضروری ہے اور غایت اولی کا وجود اس کے وقوع سے ہوتا ہے یعنی ایک طلاق واقع ہوگی تو موجود ہوگی اس لیے غایتِ اولیٰ کا وقوع ضروری ہے، پس آپ کا دونوں غایتوں کو خارج کرنا صحیح نہیں۔ اور بیع پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ مقیس علیہ یعنی "بِعتُ مِنكَ مِنْ هٰذَا الْحَائِطِ اِلٰى هٰذَا الْحَائِطِ" میں غایت بنانے سے پہلے اول دیوار موجود ہے، لہذا اس کو مغیا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے دونوں غایتیں خارج ہوگئیں ہیں، جبکہ مذکورہ صورت میں پہلی غایت پہلے سے موجود نہیں بلکہ وقوع سے موجود ہوگی اس لیے اسے مغیا میں داخل ماننا ضروری ہے۔

{۸} اور اگر شوہر نے "اَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثَلَاثٍ" سے ایک طلاق کی نیت کی، تو دیانۃً (فیما بینہ و بین اللہ) اس کی تصدیق کی جائے گی، مگر قضاءً (قاضی کی عدالت میں) اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ یہ کلام ایک طلاق کا بھی احتمال رکھتا ہے؛ کیونکہ دونوں غایتوں کا عدمِ دخول محتمل ہے اور محتمل کی نیت کرنا صحیح ہے، مگر چونکہ خلافِ ظاہر ہے اس لیے قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لماقال المفتی غلام قادر النعمانی:القول الراجح هو قول ابی حنيفة ،قال ابن الهمام وابوحنيفة يقول انما وقع كذالک فيما مرجعه اباحة كالمثل المذكور اما اصله الحظر حتى لايباح الا للدفع الحاجة فلا والطلاق منه فكان قرينة على عدم ارادة الكل غير ان الغاية الاولىٰ لابد من وجودها ليترتب عليها الطلقة الثانية(القول الراجح:۳۱۱/۱)

ف:۔ مروی ہے کہ ہارون الرشید کے دربار میں اصمعی اور امام زفرؒ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ اصمعی نے امام زفرؒ سے دریافت کیا کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثِنْتَيْنِ" تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ امام زفرؒ نے فرمایا کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ دونوں غایہ مغیا میں داخل نہیں۔ اصمعی نے سوال کیا کہ، آپ کی عمر کیا ہے؟ امام زفرؒ نے فرمایا "مَا بَيْنَ سِتِّيْنَ اِلٰى سَبْعِيْنَ"۔ اصمعی نے کہا کہ آپ کے قاعدے کے مطابق تو آپ کی عمر نو سال ہوئی کیونکہ غایہ ابتداء یعنی ساٹھ اور غایہ انتہاء یعنی ستر واں سال دونوں آپ کی عمر میں شامل نہیں لہذا آپ کی عمر نو سال رہ گئی۔

{۹} وَلَوْقَالَ:اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فِي ثِنْتَيْنِ وَنَوَى الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ أَوْلَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَقَالَ زُفَرُ:

اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے ایک دو میں" اور نیت کی ضرب اور حساب کی، یا کچھ نیت نہ تھی، تو یہ ایک ہے، اور فرمایا امام زفر رحمۃ اللہ نے کہ

تَقَعُ ثِنْتَانِ لِعُرْفِ الْحِسَابِ، وَهُوَقَوْلُ الْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ. ﴿۲﴾وَلَنَا أَنَّ عَمَلَ الضَّرْبِ أَثَرُهُ فِي تَكْثِيرِ الْأَجْزَاءِ

واقع ہوں گی عرف حساب والوں کی وجہ سے، اور یہی قول ہے حسن بن زیادؒ کا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عمل ضرب کا اثر تکثیر اجزاء میں ہوتا ہے

لَا فِي زِيَادَةِ الْمَضْرُوبِ ، وَتَكْثِيرُ أَجْزَاءِ الطَّلْقَةِ لَا يُوجِبُ تَعَدُّدَهَا﴿۳﴾ فَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً وَثِنْتَيْنِ فَهِيَ

نہ کہ زیادتی مضروب میں اور ایک طلاق کے اجزاء کی تکثیر واجب نہیں کرتی ہے اس کی تعداد کو، پس اگر نیت کی ایک اور دو کی تو وہ

ثَلَاثٌ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُهُ فَإِنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ وَالظَّرْفَ يَجْمَعُ الْمَظْرُوفَ،﴿۴﴾وَلَوْكَانَتْ غَيْرَ مَدْخُولٍ بِهَا

تین ہوں گی؛ کیونکہ لفظ احتمال رکھتا ہے اس کا اس لیے کہ حرف واؤ جمع کے لیے ہے اور ظرف جامع ہے مظروف کو، اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو

تَقَعُ وَاحِدَةً كَمَافِي قَوْلِهِ وَاحِدَةً وَثِنْتَيْنِ، وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً مَعَ ثِنْتَيْنِ تَقَعُ الثَّلَاثُ لِأَنَّ كَلِمَةَ "فِي "تَأْتِي بِمَعْنَى "مَعَ"

تو واقع ہوگی ایک جیسے اس کے قول "وَاحِدَةً وَثِنْتَيْنِ" میں، اور اگر نیت کی ایک کی دو کے ساتھ تو واقع ہوں گی تین؛ کیونکہ کلمہ "فِي" آتا ہے بمعنی "مَعَ"

كَمَا فِي قَوْلِه تَعَالَى { فَادْخُلِي فِي عِبَادِي } أَيْ مَعَ عِبَادِي وَلَوْ نَوَى الظَّرْفَ تَقَعُ وَاحِدَةً لِأَنَّ الطَّلَاقَ

جیسے باری تعالیٰ کے قول "فَادْخُلِي فِي عِبَادِي" میں بمعنی "مَعَ عِبَادِي" اور اگر نیت کی ظرف کی تو واقع ہو گی ایک؛ کیونکہ طلاق

لَا يَصْلُحُ ظَرْفًا فَيَلْغُو ذِكْرُ الثَّانِي﴿۵﴾ وَلَوْ قَالَ اثْنَتَيْنِ فِي اثْنَتَيْنِ وَنَوَى الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ فَهِيَ ثِنْتَانِ

صلاحیت نہیں رکھتی ہے ظرف کی پس لغو ہو گا ثانی کا ذکر، اور اگر کہا "دو دو میں" اور نیت کی ضرب اور حساب کی، تو وہ دو ہوں گی

وَعِنْدَ زُفَرَ ثَلَاثٌ لِأَنَّ قَضِيَّتَهُ أَنْ تَكُونَ أَرْبَعًا ، لَكِنْ لَا مَزِيدَ لِلطَّلَاقِ عَلَى الثَّلَاثِ . وَعِنْدَنَا الِاعْتِبَارُ

اور امام زفرؒ کے نزدیک تین ہوں گی؛ کیونکہ ضرب کا تقاضایہ ہے کہ چار ہوں، لیکن زائد نہیں طلاقیں تین سے۔ اور ہمارے نزدیک اعتبار

لِلْمَذْكُورِ الْأَوَّلِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ﴿۶﴾وَلَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ هُنَا إِلَى الشَّامِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ

مذکور اول کو ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے یہاں سے شام تک" تو یہ ایک ہوگی شوہر مالک ہوگا

الرَّجْعَةَ وَقَالَ زُفَرُ : هِيَ بَائِنَةٌ لِأَنَّهُ وَصَفَ الطَّلَاقَ بِالطُّولِ قُلْنَا : لَا بَلْ وَصَفَهُ

رجعت کا اور فرمایا امام زفرؒ نے وہ بائنہ ہوگی؛ کیونکہ اس نے متصف کیا طلاق کو طول کے ساتھ۔ ہم کہتے ہیں نہیں بلکہ متصف کیا اس کو

بِالْقِصَرِ لِأَنَّهُ مَتَى وَقَعَ وَقَعَ فِي الْأَمَاكِنِ كُلِّهَا.﴿۷﴾ وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ أَوْ فِي مَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ

قصر کے ساتھ؛ کیونکہ طلاق جب واقع ہوگی تو واقع ہوگی تمام مکانوں میں۔ اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے مکہ کے ساتھ یا مکہ میں" تو وہ طلاق ہوگی

فِي الْحَالِ فِي كُلِّ الْبِلَادِ وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ فِي الدَّارِ لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتَخَصَّصُ بِمَكَانٍ دُونَ

فی الحال تمام شہروں میں اور اسی طرح اگر کہا "تو طلاق والی ہے دار میں" کیونکہ طلاق مخصوص نہیں ہوتی ہے ایک مکان کے ساتھ نہ کہ

مَكَانٍ ، وَإِنْ عَنَى بِهِ إِذَا أَتَيْتَ مَكَّةَ يُصَدَّقُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِأَنَّهُ نَوَى الْإِضْمَارَ وَهُوَ

دوسرے کے، اور اگر مراد لی اس سے کہ جب تو مکہ آئے تو تصدیق کی جائے گی دیانۃً نہ کہ قضاءً؛ کیونکہ اس نے نیت کی مخفی بات کی، اور وہ

خِلَافُ الظَّاهِرِ ﴿۸﴾ وَلَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَدْخُلَ مَكَّةَ لِأَنَّهُ

خلافِ ظاہر ہے، اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے جب تو داخل ہو گی مکہ میں تو طلاق نہ ہو گی یہاں تک کہ داخل ہو جائے مکہ میں" کیونکہ اس نے

عَلَّقَهُ بِالدُّخُولِ . ﴿۹﴾ وَلَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ فِي دُخُولِكِ الدَّارِ يَتَعَلَّقُ بِالْفِعْلِ

معلق کر دیا ہے طلاق کو دخول کے ساتھ۔ اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے تیرے دار میں داخل ہونے کے ساتھ" تو متعلق ہو گی فعل دخول کے ساتھ

لِمُقَارَنَةٍ بَيْنَ الشَّرْطِ وَالظَّرْفِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ الظَّرْفِيَّةِ .

بوجۂ مقارنت شرط اور ظرف کے، پس حمل کیا جائے گا شرط پر بوقتِ متعذر ہونے ظرفیت کے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فِي ثِنْتَيْنِ" کے حکم میں ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور اس قول سے مختلف نیتوں سے مختلف احکام کا ثبوت اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں شوہر کے قول "تو طلاق ہے یہاں سے شام تک" کے حکم میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں شوہر کے قول "تو طلاق ہے مکہ کے پاس یا مکہ میں" کا حکم، اسی طرح "تو طلاق ہے گھر میں" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ و ۹ میں اس طرح کے دیگر الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔

تشریح: ﴿۱﴾ اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فِي ثِنْتَيْنِ" (تجھے طلاق ہے ایک دو میں) تو خواہ اس نے ایک کو دو میں ضرب دینے کی نیت کی ہو یا اس نے کچھ نیت نہ کی ہو، بہر دو صورت ایک طلاق واقع ہو گی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دو طلاق واقع ہوں گی؛ کیونکہ حساب لگانے والوں کا عرف یہی ہے کہ اس قسم کے کلام سے ضرب ہی کا قصد کرتے ہیں اور ایک کو دو میں ضرب دینے سے حاصل ضرب دو ہوں گے اس لیے کہا کہ مذکورہ صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی، اور یہی حسن بن زیادؒ کا قول ہے۔

﴿۲﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر ضرب کی نیت کی ہو تو ضرب کا اثر صرف یہ ہے کہ مضروب فیہ میں ضرب دینے سے مضروب کے اجزاء بڑھ جاتے ہیں نہ کہ مضروب کا عدد، ورنہ تو پھر دنیا میں کوئی فقیر نہ رہتا اپنے دس درہم کو دس میں ضرب دیتا اور اس کے دراہم سو ہو جاتے، پس "وَاحِدَةً فِي ثِنْتَيْنِ" کا معنی ہے ایک دو اجزاء والا، اور "وَاحِدَةً فِي ثَلَاثَةٍ" کا معنی ہے ایک تین اجزاء والا، لہٰذا عدد ایک ہی رہیگا البتہ اس کے اجزاء بڑھ کر دو یا زیادہ ہو جائینگے، اور ایک طلاق کے بہت سارے اجزاء ہو جانے سے طلاق میں تعدد پیدا نہیں ہوتا، بلکہ طلاق ایک ہی رہتی ہے لہٰذا ضرب کی نیت کرنے کی صورت میں بھی ایک ہی طلاق واقع ہو گی۔ اور کچھ نیت نہ ہونے کی صورت میں چونکہ یہ عبارت ضرب میں نص ہے لہٰذا اس صورت میں بھی ایک طلاق واقع ہو گی۔

فتوی: امام زفرکا قول مفتی بہ ہے، لمافی الشامیة: وَقَالَ زُفَرُوَالْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ وَالْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ، يَقَعُ ثِنْتَانِ، لِأَنَّ عُرْفَ أَهْلِ الْحِسَابِ فِيهِ تَضْعِيفُ أَحَدِ الْعَدَدَيْنِ بِعَدَدِ الْآخَرِ وَرَجَّحَهُ فِي الْفَتْحِ بِأَنَّ الْعُرْفَ لَا يَمْنَعُ وَالْفَرْضُ أَنَّهُ تَكَلَّمَ بِعُرْفِهِمْ وَأَرَادَهُ فَصَارَ كَمَا لَوْ أَوْقَعَ بِلُغَةٍ أُخْرَى فَارِسِيَّةٍ أَوْ غَيْرِهَا وَهُوَ يَدْرِيهَا. وَالْإِلْزَامُ بِأَنَّهُ لَوْكَانَ كَذَلِكَ لَمْ يَبْقَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ غَيْرُ لَازِمٍ؛ لِأَنَّ ضَرْبَ دِرْهَمِهِ فِي مِائَةٍ ، إنْ كَانَ إخْبَارًا كَقَوْلِهِ عِنْدِي دِرْهَمٌ فِي مِائَةٍ فَهُوَكَذِبٌ،وَإِنْ كَانَ إنْشَاءً كَجَعَلْتُهُ فِي مِائَةٍ لَا يُمْكِنُ لِأَنَّهُ لَا يُجْعَلُ بِقَوْلِهِ ذَلِكَ وَاخْتَارَهُ أَيْضًا فِي غَايَةِ الْبَيَانِ وَمَاأَجَابَ بِهِ فِي الْبَحْرِمِنْ أَنَّ قَوْلَهُ فِي ثِنْتَيْنِ ظَرْفٌ حَقِيقَةً وَهُوَ لَا يَصْلُحُ لَهُ ، وَإِذَا لَمْ يَكُنْ صَالِحًا لَمْ يُعْتَبَرْ فِيهِ الْعُرْفُ وَلَاالنِّيَّةُ، كَمَا لَوْنَوَى بِقَوْلِهِ اسْقِنِي الْمَاءَ الطَّلَاقَ فَإِنَّهُ لَا يَقَعُ ، رَدَّهُ الْمَقْدِسِيُّ بِأَنَّ اللَّفْظَ صَرِيحٌ: أَيْ حَقِيقَةٌ عُرْفِيَّةٌ لِأَهْلِ الْحِسَابِ صَرِيحٌ فِي مَعْنَاهُ الْعُرْفِيِّ، كَذَارَدَّهُ فِي النَّهْرِ وَالْمِنَحِ .قَالَ الرَّحْمَتِيُّ : فَتُزَادُ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى الْمَسَائِلِ الْمُفْتَى بِهَا بِقَوْلِ زُفَرَا هـ أَيْ لِأَنَّ الْمُحَقِّقَ ابْنَ هَمَّامٍ مِنْ أَهْلِ التَّرْجِيحِ كَمَا اعْتَرَفَ بِهِ صَاحِبُ الْبَحْرِ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ.(ردّالمحتار: ۴۷۵/۲)

{۳}اور اگر شوہر نے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فِي ثِنْتَيْنِ" سے ایک اور دو کی نیت کی یعنی یہ نیت کی کہ تجھے ایک اور دو طلاق ہوں تو تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ یہ لفظ تین کا احتمال رکھتا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں لفظِ "فِيْ" استعارۃً "واو" کے معنی میں ہوگا، اور چونکہ "فِيْ" کا مدخول ظرف مظروف کے لیے جامع ہوتا ہے اور "واو" بھی جمع کے لئے آتا ہے، لہذا "فِيْ" اور "واو" میں مناسبت ہے پس "فِيْ" "بمعنی" "واو" ہے، تو ایک اور دو طلاق جمع کرنے سے تین طلاقیں ہوں گی۔

{۴}مذکورہ بالا تو مدخول بہا عورت کا حکم ہے اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ غیر مدخول بہا واحدۃ سے بائنہ ہو جاتی ہے اس لیے دوسری طلاق اس کو لاحق نہ ہوگی، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ شوہر صراحۃً "واحدة وثنتين" کہے تو واحدۃ واقع ہوگی اور ثنتین واقع نہ ہوگی۔ اور اگر "وَاحِدَةً فِي ثِنْتَيْنِ" سے "وَاحِدَةً مَعَ ثِنْتَيْنِ" کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ لفظ "فِي" "بمعنی" "مَعَ" استعمال ہوتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ ارشاد (فَادْخُلِي فِي عِبَادِي[1]) (تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا) میں "فِي" "بمعنی" "مَعَ" ہے یعنی "فَادْخُلِي مَعَ عِبَادِي" پس مذکورہ صورت میں جب ایک کو دو کے ساتھ ملایا جائے تو تین ہو جائیں گی اس لیے کہا کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

(۱) الفجر:۲۹

اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فِي ثِنْتَيْنِ" (تو طلاق ہے ایک دو میں) اور ظرف کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ طلاق عرض ہونے کی وجہ سے کسی چیز کے لیے ظرفیت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، لہٰذا ذکر ثانی لغو ہے یعنی "فِي" سے مؤخر دو واقع نہ ہوں گی بلکہ صرف مظروف یعنی "فِي" سے مقدم ایک طلاق واقع ہوگی۔

{۵} اور اگر شوہر نے کہا "أَنتِ طَالِقٌ اثْنَتَيْنِ فِي اثْنَتَيْنِ" (تو طلاق ہے دو، دو میں) اور اس سے ضرب اور حساب کی نیت کی، تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ دو کو دو میں ضرب دینے سے حاصل ضرب چار نکلتا ہے، لہٰذا ضرب کا تقاضا یہ ہے کہ چار طلاقیں واقع ہوں، لیکن چونکہ طلاقیں تین ہی ہیں اس لیے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور ہمارے نزدیک چونکہ طلاق میں ظرفیت کی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا "فِي" سے پہلے دو واقع ہوں گی اور مابعد دو لغو ہوں گی جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے۔

{۶} اور اگر شوہر نے کہا "تو طلاق ہے یہاں سے شام تک" تو ایک ایسی طلاق واقع ہوگی کہ شوہر رجعت کا مالک ہو یعنی رجعی طلاق واقع ہوگی۔ امام زفرؒ کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی کیونکہ شوہر نے طلاق کو طول کے ساتھ متصف کیا ہے اور طول قوت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کسی چیز کے قوی ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ابطال کو قبول نہ کرتی ہے اور یہ بات طلاق بائن میں پائی جاتی ہے نہ کہ رجعی میں اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے طلاق کو کوتاہ کر دیا؛ کیونکہ اگر شوہر "إِلَى الشَّام" نہ کہتا تو طلاق دنیا کے ہر کونے میں واقع ہوتی، پس جب اس نے "إِلَى الشَّام" کہا تو اس نے طلاق کو ایک محدود مکان پر مقصور کر دیا جبکہ طلاق بنفسہ قصر کا محتمل نہیں کیونکہ طلاق جسم نہیں لہٰذا اس کے حکم کو رجعی ہونے کے ساتھ مقصور کر دیا جائے گا کہ اس سے طلاق رجعی واقع ہو جائیگی۔

{۷} اور اگر شوہر نے کہا "تو طلاق ہے مکہ کے پاس یا مکہ میں" تو وہ فی الحال طلاق ہوگی اور تمام شہروں میں طلاق ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا "تو طلاق ہے گھر میں" تو بھی فی الحال ہر جگہ طلاق ہوگی؛ کیونکہ طلاق ایسی نہیں کہ ایک مکان میں واقع ہو دوسرے میں واقع نہ ہو، بلکہ طلاق جب واقع ہو جاتی ہے تو ہر جگہ پر واقع ہوتی ہے۔ اور اگر شوہر نے مذکورہ بالا قول سے یہ ارادہ کیا کہ "جب تو مکہ مکرمہ آئے تو تجھے طلاق ہے" تو دیانۃً (فیما بینہ وبین اللہ) تو اس کی تصدیق کی جائے گی، مگر قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ اس نے دل میں مخفی بات (اتیان مکہ مکرمہ) کی نیت کی ہے جو خلافِ ظاہر ہے، اور ماقبل میں گذر چکا کہ خلافِ ظاہر کی دیانۃً تصدیق کی جاتی ہے قضاءً نہیں۔

{8} اگر زوج نے اپنی بیوی سے کہا" أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ" (تجھے طلاق ہے جب تو مکہ میں داخل ہو) تو جب تک کہ عورت مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو جائے طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ یہ زوج کی طرف سے تعلیق طلاق ہے یعنی طلاق کو شرط (دخول مکہ مکرمہ) کے ساتھ معلق کرنا ہے تو جب شرط پائی جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

{9} اور اگر شوہر نے کہا"أَنْتِ طَالِقٌ فِي دُخُولِكِ الدَّارَ"(تو طلاق والی ہے تیرے دار میں داخل ہونے کے ساتھ) تو طلاق فعل (دخول دار) کے ساتھ معلق ہو گی؛ کیونکہ فعل (دخول دار) عرض ہونے کی وجہ سے طلاق کے لیے ظرف نہیں بن سکتا ہے، البتہ شرط اور ظرف میں مقارنت اور مناسبت ہے؛ کیونکہ مظروف بغیر ظرف کے نہیں پایا جاتا جیسا کہ مشروط بغیر شرط کے نہیں پایا جاتا ہے، لہٰذا ظرف کے متعذر ہونے کے وقت ظرف کو شرط پر محمول کیا جائے گا، یوں مذکورہ صورت میں طلاق دخول دار پر معلق ہو گی، پس جب بھی عورت گھر میں داخل ہو گی طلاق واقع ہو جائے گی۔

فَصْلٌ فِي إِضَافَةِ الطَّلَاقِ إِلَى الزَّمَانِ

یہ فصل طلاق کو زمانے کی طرف مضاف کرنے کے بیان میں ہے

مطلب یہ ہے کہ زوج حکم طلاق کو تکلم طلاق کے زمانے سے مابعد والے زمانے کی طرف کلمۂ شرط کے بغیر مؤخر کر دے مثلاً کوئی مرد اپنی بیوی سے آج کہہ دے"أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا"تجھے آئندہ کل طلاق ہے۔ تو ایسی صورت میں طلاق کب واقع ہو گی؟ اس صورت کی تفصیل اور اس طرح کی بہت ساری دیگر صورتوں کی تفصیل متن میں آرہی ہے۔

طلاق کی تین قسمیں ہیں، مرسل، مضاف الی الوقت، اور معلق بالشرط۔ طلاق مرسل کی صورت میں طلاق دیتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور مضاف الی الوقت کی صورت میں وقت آنے پر واقع ہو جاتی ہے۔ اور معلق بالشرط اس وقت واقع ہو جاتی ہے جس وقت شرط پائی جائے۔ مصنف ؒ نے اس سے پہلے طلاق مرسل کی تفصیل طلاق سنی اور بدعی کے ضمن میں بیان فرمائی، اب طلاق مضاف الی الوقت کو بیان فرماتے ہیں آگے جا کر معلق بالشرط کی تفصیل بیان فرمائیں گے۔

{1} وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ لِأَنَّهُ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ فِي جَمِيعِ الْغَدِ وَذَلِكَ

اور اگر کہا"تو طلاق والی ہے کل"تو واقع ہو گی اس پر طلاق طلوع فجر سے؛ کیونکہ اس نے متصف کیا عورت کو طلاق کے ساتھ تمام کل میں اور یہ

بِوُقُوعِهِ فِي أَوَّلِ جُزْءٍ مِنْهُ. وَلَوْ نَوَى بِهِ آخِرَ النَّهَارِ صُدِّقَ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِأَنَّهُ

طلاق کے وقوع سے ہو گا کل کے اول جزء میں، اور اگر نیت کی اس سے دن کے آخر کی تو تصدیق کی جائے گی دیانۃً نہ کہ قضاءً؛ کیونکہ اس نے

نَوَى التَّخْصِيصَ فِي الْعُمُومِ، وَهُوَ يَحْتَمِلُهُ لَكِنَّهُ مُخَالِفٌ لِلظَّاهِرِ {2} وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ غَدًا أَوْ غَدًا الْيَوْمَ

نیت کی ہے تخصیص کی عموم میں اور وہ احتمال رکھتا ہے اس کا مگر وہ خلافِ ظاہر ہے۔ اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ غَدًا" یا کہا "غَدًا الْيَوْمَ"

يُؤْخَذُ بِأَوَّلِ الْوَقْتَيْنِ الَّذِي تَفَوَّهَ بِهِ فَيَقَعُ فِي الْأَوَّلِ فِي الْيَوْمِ وَفِي الثَّانِي فِي الْغَدِ ، لِأَنَّهُ لَمَّا

تو لیا جائے دو وقتوں میں سے اس اول کو جس کے ساتھ اس نے تکلم کیا ہے، پس واقع ہو جائے گی اول میں آج اور ثانی میں کل، کیونکہ جب

قَالَ : الْيَوْمَ كَانَ تَنْجِيزًا وَالْمُنَجَّزُ لَا يَحْتَمِلُ الْإِضَافَةَ ، وَإِذَا قَالَ : غَدًا كَانَ إِضَافَةً وَالْمُضَافُ

اس نے کہا "الْيَوْمَ" تو یہ منجز ہوگی اور منجز احتمال نہیں رکھتی ہے اضافت کا۔ اور جب کہے "غَدًا" تو یہ ہوگی اضافت اور مضاف

لَا يَتَنَجَّزُ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ الْإِضَافَةِ فَلَغَا اللَّفْظُ الثَّانِي فِي الْفَصْلَيْنِ . {۳} وَلَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ فِي غَدٍ

منجز نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ اس میں ابطالِ اضافت ہے پس لغو ہو گا لفظ ثانی دونوں صورتوں میں۔ اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے کل میں"

وَقَالَ نَوَيْتُ آخِرَ النَّهَارِ دُيِّنَ فِي الْقَضَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا يُدَيَّنُ

اور کہا میں نے نیت کی ہے آخر نہار کی تو تصدیق کی جائے گی قضاءً امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبینؒ نے تصدیق نہیں کی جائے گی

فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً {۴} لِأَنَّهُ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ فِي جَمِيعِ الْغَدِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ غَدًا عَلَى مَا

قضاء خاص کر؛ کیونکہ اس نے عورت کو متصف کیا ہے طلاق کے ساتھ پورے کل میں، پس ہو گیا بمنزلہ اس کے قول "غَدًا" کے جیسا کہ

بَيَّنَّاهُ وَلِهَذَا يَقَعُ فِي أَوَّلِ جُزْءٍ مِنْهُ عِنْدَ عَدَمِ النِّيَّةِ ، وَهَذَا لِأَنَّ حَذْفَ فِي وَإِثْبَاتَهُ سَوَاءٌ

ہم نے بیان کیا، اور اسی وجہ سے واقع ہو گی کل کے اول جزء میں عدم نیت کے وقت اور یہ اس لیے کہ حذفِ "فِي" اور اس کا اثبات برابر ہیں

لِأَنَّهُ ظَرْفٌ فِي الْحَالَيْنِ . {۵} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ لِأَنَّ كَلِمَةَ فِي

کیونکہ یہ ظرف ہے دونوں حالتوں میں، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے نیت کی ہے اپنے کلام کی حقیقت کی؛ کیونکہ کلمۂ "فِي"

لِلظَّرْفِ وَالظَّرْفِيَّةُ لَا تَقْتَضِي الِاسْتِيعَابَ وَتَعَيُّنُ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ ضَرُورَةَ عَدَمِ الْمُزَاحِمِ، فَإِذَا عَيَّنَ

ظرف کے لیے ہے اور ظرفیت تقاضا نہیں کرتی ہے استیعاب کا، اور جزء اول کا متعین ہونا ضرورۃً عدمِ مزاحم کی وجہ سے، پس جب متعین ہوا

آخِرَ النَّهَارِ كَانَ التَّعْيِينُ الْقَصْدِيُّ أَوْلَى بِالِاعْتِبَارِ مِنَ الضَّرُورِيِّ، {۶} بِخِلَافِ قَوْلِهِ غَدًا لِأَنَّهُ يَقْتَضِي الِاسْتِيعَابَ

آخر نہار تو ہو گی تعیین قصدی اولیٰ بالاعتبار تعیینِ ضروری سے، بخلاف اس کے قول "غَدًا"؛ کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے استیعاب کا

حَيْثُ وَصَفَهَا بِهَذِهِ الصِّفَةِ مُضَافًا إِلَى جَمِيعِ الْغَدِ . نَظِيرُهُ إِذَا قَالَ : وَاللَّهِ

اس لیے کہ عورت کو متصف کیا ہے اس صفت کے ساتھ منسوب کرتے ہوئے جمیع غد کی طرف، اس کی نظیر یہ کہ جب کہے "وَاللَّهِ

لَأَصُومَنَّ عُمْرِي، وَنَظِيرُ الْأَوَّلِ: وَاللَّهِ لَأَصُومَنَّ فِي عُمْرِي، وَعَلَى هَذَيْنِ الدَّهْرَ وَفِي الدَّهْرِ. {۷} وَلَوْ قَالَ:

لَأَصُومَنَّ عُمْرِي" اوراول کی نظیر ہے "وَاللهِ لَأَصُومَنَّ فِي عُمْرِي" اور ثانی دو کی نظیر "الدَّهْرَ" اور "وَ فِي الدَّهْرِ" ہیں۔ اور اگر کہا

أَنْتِ طَالِقٌ أَمْسِ وَقَدْ تَزَوَّجَهَا الْيَوْمَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّهُ أَسْنَدَهُ إِلَى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ

"تو طلاق والی ہے کل گذشتہ" حالانکہ اس نے نکاح کیا اس سے آج، تو واقع نہ ہوگی کچھ؛ کیونکہ اس نے منسوب کیا ہے طلاق کو معہودہ کی طرف

مُنَافِيَةٍ لِمَالِكِيَّةِ الطَّلَاقِ فَيَلْغُو ، كَمَا إِذَا قَالَ :أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ ، وَلِأَنَّهُ

جو منافی ہے مالکیتِ طلاق کے ، پس لغو ہوگی جیسا کہ جب کہے "تو طلاق ہے پہلے اس کے کہ میں پیدا کیا جاؤں" اور اس لیے کہ

يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ إِخْبَارًا عَنْ عَدَمِ النِّكَاحِ أَوْ عَنْ كَوْنِهَا مُطَلَّقَةً بِتَطْلِيقِ غَيْرِهِ مِنَ الْأَزْوَاجِ

ممکن ہے اس کو صحیح قرار دینا خبر دیتے ہوئے عدمِ نکاح سے، یا اس کے مطلقہ ہونے سے کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے سے۔

{۸} وَلَوْ تَزَوَّجَهَا أَوَّلَ مِنْ أَمْسِ وَقَعَ السَّاعَةَ لِأَنَّهُ مَا أَسْنَدَهُ إِلَى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ

اور اگر نکاح کیا اس سے گذشتہ کل سے پہلے تو واقع ہو جائے گی فی الحال؛ کیونکہ اس نے منسوب نہیں کیا ہے طلاق کو حالتِ منافی کی طرف،

وَلَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ إِخْبَارًا أَيْضًا فَكَانَ إِنْشَاءً، وَالْإِنْشَاءُ فِي الْمَاضِي إِنْشَاءٌ فِي الْحَالِ فَيَقَعُ السَّاعَةَ {۹} وَلَوْ قَالَ:

اور ممکن نہیں اس کو صحیح قرار دینا خبر بنا کر، پس یہ کلام انشاء ہوگا اور انشاء فی الماضی انشاء فی الحال ہوتا ہے، پس واقع ہوگی فی الحال۔ اور اگر کہا

أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّهُ أَسْنَدَهُ إِلَى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ

"تو طلاق والی ہے قبل اس کے کہ میں نکاح کروں تجھ سے" تو کچھ واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ اس نے منسوب کیا طلاق کو حالتِ منافی کی طرف،

فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ : طَلَّقْتُكِ وَأَنَا صَبِيٌّ أَوْ نَائِمٌ ، أَوْ يُصَحَّحُ إِخْبَارًا عَلَى مَا ذَكَرْنَا.

پس ہو گیا جیسا کہ جب کہے "میں نے تجھے طلاق دی حالانکہ میں بچہ تھا یا سویا ہوا تھا" یا صحیح کیا جائے گا خبر قرار دے کر اس تفصیل پر جو ہم نے ذکر کی

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے؛ اور نمبر2 میں شوہر کے قول "تجھے طلاق ہے آج، کل" یا کہا "تجھے طلاق ہے کل، آج" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر3 تا6 میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ فِي غَدٍ" کے حکم میں امام صاحب اور صاحبینؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر7و8 میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ أَمْسِ" کی دو صورتوں کا حکم اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر9 میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:- {۱} اگر زوج نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا" (تجھے طلاق ہے آئندہ کل) تو آئندہ کل فجر ثانی طلوع ہوتے ہی اس پر طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ اس نے عورت کو جمیع غد میں طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے یعنی کل کی ابتداء سے انتہا تک کی ساری

مدت میں اسے طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے، پس آئندہ کل متحقق ہوتے ہی طلاق واقع ہوگی اور آئندہ کل طلوعِ فجر کے اول جزء واقع ہونے سے متحقق ہوتی ہے لہذا کل کا دن شروع ہوتے ہی وہ طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر زوج نے دعویٰ کیا کہ "میں نے کل کے دن کے آخری جزء کی نیت کی تھی" تو دیانۃً (فی ما بینہ وبین اللہ) تو اس کی تصدیق کی جائے گی مگر قضاءً (قاضی کی عدالت میں) اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی؛ کیونکہ اس نے عام (دن کے طلوع آفتاب سے غروب تک کے اطلاق) کو مخصوص (دن کے آخری جزء کے ساتھ خاص) کرنے کی نیت کی ہے، تو عموم اگرچہ خصوص کا احتمال رکھتا ہے اس لیے فی ما بینہ وبین اللہ اس کی نیت صحیح ہے، مگر خلافِ ظاہر ہے اس لیے قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

{2} اگر شوہر نے کہا "تجھے طلاق ہے آج، کل" یا کہا "تجھے طلاق ہے کل، آج" تو ان دو وقتوں میں سے اس کو لیا جائے گا جس کے ساتھ پہلے اس نے تکلم کیا ہے، لہذا پہلی صورت میں آج طلاق واقع ہوگی، اور دوسری صورت میں کل واقع ہوگی؛ کیونکہ پہلی صورت میں جب "الیوم" کہا تو یہ فی الحال طلاق کے لئے ہے اور "غداً" طلاق مضاف الی الغد کے لئے ہے اور منجز طلاق (یعنی فی الحال واقع شدہ طلاق) اضافت الی الغد کا احتمال نہیں رکھتی اس لیے اس صورت میں آج طلاق واقع ہوگی۔ اور دوسری صورت میں جب اس نے "غداً" کہا تو یہ طلاق مضاف الی المستقبل (آئندہ کل) ہوگئی اور مضاف الی المستقبل منجز نہیں ہوتی؛ کیونکہ منجز کی صورت میں کل کی طرف اضافت باطل ہو جائے گی، اس لیے دونوں صورتوں میں دوسرا لفظ لغو ہو جائے گا۔

{3} اور اگر شوہر نے کہا "أَنتِ طَالِقٌ فِي غَدٍ" (تجھے طلاق ہے آئندہ کل میں) پھر شوہر نے کہا کہ میں کل کے دن کے آخری جزء کی نیت کی تھی، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دیانۃً و قضاءً دونوں طرح سے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ صاحبینؒ کے نزدیک آخری جزء کی نیت کرنے میں فقط دیانۃً شوہر کی تصدیق کی جائے گی قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

{4} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے بیوی کو کل کے تمام دن میں طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے پس "أَنتِ طَالِقٌ فِي غَدٍ" ایسا ہے جیسا کہ "أَنتِ طَالِقٌ غَداً" جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ اس میں کسی ایک جزء کے ساتھ مخصوص کرنا تخصیص فی التعمیم ہے جس میں اس کے لئے تخفیف بھی ہے لہذا قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔ اور چونکہ "فِي غَدٍ" ایسا ہے جیسا کہ "غداً" تو "أَنتِ طَالِقٌ غَداً" کی طرح اس صورت میں بھی اگر شوہر نے کوئی نیت نہ کی ہو تو طلاق کل کے دن کے اول جزء میں واقع ہو جائے گی۔ اور "فِي غَدٍ"، "غَداً" کی طرح اس لیے ہے کہ "فِي" کا حذف اور ذکر دونوں برابر ہیں؛ کیونکہ "غداً" بہر حال ظرف ہے خواہ "فِي" مذکور ہو یا محذوف ہو۔

﴿۵﴾اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی ہے؛کیونکہ کلمہ فی ظرفیت کے لئے ہے اور ظرفیت کل ظرف کے استیعاب کا تقاضا نہیں کرتی ہے لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی تمام دن کے استیعاب کو مقتضی نہیں،تو اگر کسی معین وقت کی نیت نہ کی ہو تو کل کے دن کے تمام اجزاء مساوی ہونے کی وجہ سے اول جزء میں طلاق واقع ہوگی؛کیونکہ اول جزء کا کوئی مزاحم اور مقابل نہیں،لہٰذا بالضرورہ کل کے دن فجر ثانی کے طلوع کے وقت طلاق واقع ہوگی،اور اگر کسی متعین وقت مثلاً دن کے آخری حصہ کی نیت کی ہو،تو متعین قصدی متعین ضروری سے اولیٰ ہوگا،لہٰذا مذکورہ صورت میں طلوعِ فجر ثانی(متعین ضروری)کی بنسبت دن کا آخری حصہ(متعین قصدی)اولیٰ ہوگا،اس لیے قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی۔

﴿۶﴾باقی صاحبینؒ کا "فِي غَدٍ" کو "غَداً" پر قیاس کرنا صحیح نہیں؛کیونکہ "غَداً" استیعاب کا تقاضا کرتا ہے یوں کہ عورت کو جمیع غد کی طرف نسبت کرتے ہوئے طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے،اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ فعل جب ظرف میں کیا جائے اگر بلا واسطہ "فِي" ہو تو وہ استیعاب کا تقاضا کرتا ہے ورنہ استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا،جیساکہ استیعاب میں "غَداً" کی نظیر قائل کا قول "وَاللّٰهِ لَأَصُومَنَّ عُمُرِي" ہے کہ یہ پوری عمر میں روزہ رکھنے کی نذر ہے،اور عدمِ استیعاب میں "فِي غَدٍ" کی نظیر "وَاللّٰهِ لَأَصُومَنَّ فِي عُمُرِي" ہے کہ یہ عمر میں کسی وقت روزہ رکھنے کی نذر ہے۔اور یہی فرق "وَاللّٰهِ لَأَصُومَنَّ الدَّهْرَ" اور "وَاللّٰهِ لَأَصُومَنَّ فِي الدَّهْرِ" میں بھی ہے۔

فتویٰ:۔ مولانا عبدالحکیم شاہ لیکوٹیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح قرار دیا ہے،فرماتے ہیں:والراجح عند اکثر المحققین قول الامام ابی حنیفة(هامش الهداية: ۳۴۳/۲)۔

﴿۷﴾اور اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ أَمْسِ" (تو گذشتہ کل طلاق والی ہے) جبکہ اس نے اس کے ساتھ آج نکاح کیا،تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق کو ایسے معہود زمانے کی طرف منسوب کیا ہے جو زمانہ مالکیتِ طلاق کے منافی ہے کیونکہ نکاح سے پہلے طلاق کا کوئی وجود نہیں ہوتا،اس لیے اس کا کلام لغو ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔پس یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے "أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ" (تو طلاق ہے پہلے اس کے کہ میں پیدا کیا جاؤں) جس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کلام کو صحیح بنانا ممکن ہے بایں طور کہ یہ شخص خبر دے رہا ہے کہ یہ عورت گذشتہ کل منکوحہ نہیں تھی،اور یہ بالکل صحیح ہے،یا وہ خبر دے رہا ہے کہ یہ عورت گذشتہ کل اپنے سابق شوہر کی مطلقہ تھی بشرطیکہ وہ سابق شوہر کی مطلقہ ہو،اور یہ بھی صحیح ہے،پس ان دونوں تاویلوں سے یہ کلام لغو ہونے سے بھی بچ جائے گا اور طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

﴿۸﴾اور اگر شوہر نے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ اَمْسِ" (تو گذشتہ کل طلاق والی ہے) تو اگر شوہر نے اس کے ساتھ نکاح گذشتہ کل سے پہلے کیا ہو تو طلاق فی الحال واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ اس صورت میں طلاق کی اضافت ایسے زمانے کی طرف نہیں کی گئی ہے جو زمانہ مالکیتِ طلاق کے منافی ہے کیونکہ جس زمانے کی طرف طلاق کی نسبت کی ہے اس زمانے میں یہ عورت اس کی منکوحہ ہے لہٰذا طلاق واقع ہو جائیگی۔ اور اس کے کلام کو خبر بنا کر صحیح بنانا بھی ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ اس کو گذشتہ کل منکوحہ نہ ہونے کی خبر قرار دینا جھوٹ ہوگا، لہٰذا یہ کلام انشاءِ طلاق کے لیے ہے اور قاعدہ ہے کہ انشاء فی الماضی انشاء فی الحال ہوتا ہے یعنی موجودہ زمانے میں رہتے ہوئے کوئی حکم گذشتہ زمانے میں ثابت کرنا فی الحال اس حکم کو ثابت کرنا ہے اس لیے کہ اب سے سابق میں کوئی کام کر کے ثابت کرنا محال ہے، لہٰذا مذکورہ کلام سے فی الحال طلاق واقع ہو جائیگی۔

﴿۹﴾اگر شوہر نے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ اَنْ اَتَزَوَّجَكِ" (تجھے طلاق ہے قبل اس کے کہ میں تجھ سے نکاح کروں) تو شوہر کا یہ کلام لغو ہوگا لہٰذا اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ اس نے ایسے زمانے کی طرف طلاق کی نسبت کی جو زمانہ مالکیتِ طلاق کے منافی ہے اس لیے کہ نکاح سے پہلے طلاق کا کوئی وجود نہیں ہوتا، پس یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے "طَلَّقْتُكِ وَأَنَا صَبِيٌّ" (میں نے تجھ کو طلاق دی حالانکہ میں بچہ تھا) یا "طَلَّقْتُكِ وَأَنَا نَائِمٌ" (میں نے تجھ کو طلاق دی حالانکہ میں سویا ہوا تھا) جس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور یا اس کو اس طرح صحیح قرار دیا جائے گا کہ اس کو خبر قرار دیا جائے کہ یہ عورت میرے اس سے نکاح کرنے سے پہلے منکوحہ نہیں تھی، یا یہ کہ یہ عورت میرے اس سے نکاح کرنے سے پہلے اپنے سابق شوہر کی مطلقہ تھی۔

﴿۱﴾ وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ أَوْ مَتَى لَمْ أُطَلِّقْكِ أَوْ مَتَى مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ وَسَكَتَ طَلُقَت لِأَنَّهُ

اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے اس وقت کہ میں تجھے طلاق نہ دوں یا جب تک کہ میں تجھے طلاق نہ دوں" اور خاموش ہو گیا تو طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ اس نے

أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى زَمَانٍ خَالٍ عَنِ التَّطْلِيقِ وَقَدْ وُجِدَ حَيْثُ سَكَتَ، ﴿۲﴾وَهَذَا لِأَنَّ كَلِمَةَ مَتَى وَمَتَى مَا صَرِيحٌ

منسوب کیا طلاق کو ایسے زمانے کی طرف جو خالی ہو طلاق دینے سے اور وہ پایا گیا جیسے ہی خاموش ہو گیا، اور یہ اس لیے کہ کلمۂ متی اور متی ما صریح ہے

فِي الْوَقْتِ لِأَنَّهُمَا مِنْ ظُرُوفِ الزَّمَانِ، وَكَذَا كَلِمَةُ "مَا" قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {مَا دُمْتُ حَيًّا} أَيْ وَقْتَ الْحَيَاةِ.

وقت میں؛ کیونکہ یہ دونوں ظروفِ زمان میں سے ہیں، اور اسی طرح کلمۂ "ما" ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "مَادُمْتُ حَيًّا" یعنی وقت زندگی تک۔

﴿۳﴾ وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ لَمْ أُطَلِّقْكِ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى يَمُوتَ لِأَنَّ الْعَدَمَ لَا يَتَحَقَّقُ

اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے اگر میں نے تجھے طلاق نہ دی" تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ شوہر مر جائے؛ کیونکہ عدم متحقق نہیں ہوتا ہے

إِلَّا بِالْيَأْسِ عَنِ الْحَيَاةِ وَهُوَ الشَّرْطُ كَمَا فِي قَوْلِهِ إِنْ لَمْ آتِ الْبَصْرَةَ، وَمَوْتُهَا بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهِ

گر زندگی سے مایوس ہونے کے وقت اور یہی شرط ہے جیسا کہ اس کے قول "اگر میں نہیں آیا بصرہ" اور عورت کی موت بمنزلۂ شوہر کی موت کے ہے

هُوَ الصَّحِيحُ . {4} وَلَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا لَمْ أُطَلِّقْكِ، أَوْ إِذَا مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى يَمُوتَ

یہی صحیح ہے۔ اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے جب میں تجھے طلاق نہ دوں یا جب تک تجھے طلاق نہ دوں" تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ مر جائے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : تُطَلَّقُ حِينَ سَكَتَ لِأَنَّ كَلِمَةَ إِذَا لِلْوَقْتِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا طلاق ہو جائے گی جس وقت خاموش ہو جائے؛ کیونکہ کلمۂ "إذا" وقت کے لیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

{ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ }وَقَالَ قَائِلُهُمْ : وَإِذَا تَكُونُ كَرِيهَةٌ أُدْعَى لَهَا وَإِذَا يُحَاسُ الْحَيْسُ

جب سورج بے نور ہو جائے" اور کہا قائل نے "جب پائی جائے کوئی ناگوار چیز تو میں بلایا جاتا ہوں اس کے لیے اور جب تیار ہوتا ہے حلوہ

يُدْعَى جُنْدَبُ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ مَتَى وَمَتَى مَا،وَلِهَذَا لَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا شِئْتِ لَا يَخْرُجُ الْأَمْرُ

بلایا جاتا ہے جندب" پس ہو گیا بمنزلۂ متیٰ اور متیٰ ما، اسی لیے اگر کہا اپنی بیوی سے "تو طلاق والی ہے جب تو چاہے" تو نہیں نکلے گا معاملہ

مِنْ يَدِهَا بِالْقِيَامِ عَنِ الْمَجْلِسِ كَمَا فِي قَوْلِهِ مَتَى شِئْتِ . {5} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ كَلِمَةَ إِذَا تُسْتَعْمَلُ

عورت کے ہاتھ سے مجلس سے کھڑے ہونے سے جیسا کہ اس کے قول "مَتَى شِئْتِ" اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کلمۂ "إذا" استعمال ہوتا ہے

فِي الشَّرْطِ أَيْضًا ، قَالَ قَائِلُهُمْ :وَاسْتَغْنِ مَا أَغْنَاكَ رَبُّكَ بِالْغِنَى وَإِذَا تُصِبْكَ خَصَاصَةٌ فَتَجَمَّلْ

شرط میں بھی، کہا ہے قائل نے "مستغنی رہو جب تک کہ مستغنی رکھے مالداری کے ساتھ اور جب تجھے پہنچے تنگدستی تو صبر جمیل اختیار کر"

فَإِنْ أُرِيدَ بِهِ الشَّرْطُ لَمْ تَطْلُقْ فِي الْحَالِ .وَإِنْ أُرِيدَ بِهِ الْوَقْتُ تُطَلَّقُ فَلَا تُطَلَّقُ بِالشَّكِّ وَالِاحْتِمَالِ،

پس اگر مراد لی گئی اس سے شرط تو طلاق نہ ہوگی فی الحال اور اگر مراد لیا گیا اس سے وقت تو طلاق ہو جائے گی، پس طلاق نہ ہوگی شک اور احتمال کی وجہ سے

{6} بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْمَشِيئَةِ لِأَنَّهُ عَلَى اعْتِبَارِ أَنَّهُ لِلْوَقْتِ لَا يَخْرُجُ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا ، وَعَلَى اعْتِبَارِ أَنَّهُ لِلشَّرْطِ

برخلاف مسئلۂ مشیت کے؛ کیونکہ اس اعتبار پر کہ یہ وقت کے لیے ہے نہیں نکلے گا معاملہ اس کے ہاتھ سے، اور اس اعتبار پر کہ شرط کے لیے ہے

يَخْرُجُ وَالْأَمْرُصَارَ فِي يَدِهَافَلَا يَخْرُجُ بِالشَّكِّ وَالِاحْتِمَالِ ، {7} وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ أَلْبَتَّةَ،

نکل جائے گا، اور امر ہو گیا اس کے ہاتھ میں پس نہ نکلے گا شک اور احتمال کی وجہ سے، اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب نہ ہو شوہر کی نیت بالکل۔

أَمَّا إِذَا نَوَى الْوَقْتَ يَقَعُ فِي الْحَالِ وَلَوْ نَوَى الشَّرْطَ يَقَعُ فِي آخِرِ الْعُمُرِ لِأَنَّ اللَّفْظَ يَحْتَمِلُهُمَا.

اور جب شوہر نیت کرے وقت کی تو واقع ہو جائے گی فی الحال، اور اگر نیت کی شرط کی تو واقع ہو جائے گی آخر عمر میں؛ کیونکہ لفظ دونوں کا احتمال رکھتا ہے

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا طلاق دینے کے لیے مختلف الفاظ کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 4 و 5 میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا لَمْ أُطَلِّقْكِ" یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ" کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف

اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں مشیت کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں بتایا ہے کہ ازامکا ذکر بالا اختلاف اس وقت ہے کہ شوہر کی کوئی نیت نہ ہو ورنہ نیت کے مطابق حکم ہوگا۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَالَمْ أُطَلِّقْكِ" (تو طلاق والی ہے جب تک کہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں)، یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَتَى لَمْ أُطَلِّقْكِ" (تو طلاق ہے جس وقت میں تجھے طلاق نہ دوں)، یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَتَى مَالَمْ أُطَلِّقْكِ" (تو طلاق والی ہے جس وقت تک کہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں) اور شوہر خاموش ہو گیا، تو خاموش ہوتے ہی عورت کو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ شوہر نے طلاق کو ایسے زمانے کی طرف مضاف کر دیا جو زمانہ طلاق دینے سے خالی ہو اور وہ زمانہ جس وقت شوہر خاموش ہو گیا پایا گیا لہٰذا خاموش ہونے کے بعد فوراً طلاق واقع ہو جائیگی۔

{۲} صاحب ہدایہ "ماقبل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلمۂ "مَتَى" اور "مَتَى مَا" وقت کے معنی میں صریح ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں ظروفِ زمان میں سے ہیں، اسی طرح کلمۂ "مَا" بھی وقت کے لیے آتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا (وَأَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا[1]) (اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دنیا میں) زندہ رہوں) جس میں "مَا" وقت کے معنی میں ہے یعنی وقتِ حیاۃ تک مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

{۳} اور اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ لَمْ أُطَلِّقْكِ" (تو طلاق والی ہے اگر میں تجھ کو طلاق نہ دوں) تو باتفاق فقہاء شوہر کی موت کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی یعنی اس کی زندگی کے اس آخری حصہ میں طلاق واقع ہو جائے گی جس میں وہ "أَنْتِ طَالِقٌ" نہ کہہ سکے؛ کیونکہ اس نے وقوعِ طلاق کو عدمِ طلاق پر معلق کیا ہے اور عدمِ طلاق متحقق نہیں ہوتا ہے مگر زندگی سے مایوسی کے وقت، اس لیے اس سے پہلے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ زندگی میں عدمِ طلاق شرط ہے جیسا کہ قائل کے قول "إِنْ لَمْ آتِ الْبَصْرَةَ فَأَنْتِ طَالِقٌ" (اگر میں بصرہ نہیں آیا تو تجھے طلاق ہے) میں بھی طلاق اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ بصرہ آنے سے مایوس نہ ہوا ہو۔ صاحبِ ہدایہ "فرماتے ہیں کہ عورت کی موت بمنزلۂ مرد کی موت کے ہے یعنی عورت کے مرنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ کیونکہ عدمِ طلاق اس صورت میں بھی متحقق ہو جاتا ہے؛ کیونکہ عورت کے مر جانے کے بعد اسے طلاق نہیں دی جا سکتی

([1]) مریم: ۳۱

ہے، اور یہی قول صحیح ہے اگرچہ نوادر کی روایت میں اس کے خلاف ہے یعنی نوادر کی روایت میں ہے کہ عورت کی موت سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

﴿۴﴾اور اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا لَمْ أُطَلِّقْكِ" یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ" (تو طلاق والی ہے جب میں تجھے طلاق نہ دوں)، تو ان دو صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک احد الزوجین کی موت سے پہلے طلاق واقع نہ ہوگی، بلکہ موت سے کچھ پہلے یاس کے وقت واقع ہوگی یعنی جب زندگی سے مایوس ہو جائے تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ صاحبین کے نزدیک جیسے ہی زوج خاموش ہو جائے طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ لفظِ "إِذَا" وقت کے معنی میں مستعمل ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ[1]) (یعنی جس وقت سورج بے نور ہو جائے) جس میں لفظِ "إِذَا" وقت کے معنی میں مستعمل ہے شرط کے معنی میں نہیں، اور شاعر کا شعر ہے "وَإِذَا تَكُونُ كَرِيهَةٌ أُدْعَى لَهَا::وَإِذَا يُحَاسُ الْحَيْسُ يُدْعَى جُنْدُبُ" (اور جس وقت پائی جائے کوئی ناگوار چیز تو میں بلایا جاتا ہوں اس کے لیے اور جب تیار ہوتا ہے حلوہ تو بلایا جاتا ہے جندب) جس میں بھی لفظِ "إِذَا" وقت کے معنی میں مستعمل ہے شرط کے معنی میں نہیں، لہذا یہ "مَتَى" اور "مَتَى مَا" کی طرح ہے جن کی تفصیل گذر چکی ہے کہ شوہر خاموش ہوتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے کہ لفظِ "إِذَا" بمعنی "مَتَى" ہے اگر شوہر نے بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا شِئْتِ" (تجھے طلاق ہے جس وقت تو چاہے) تو اس مجلس سے کھڑی ہونے سے عورت کے ہاتھ سے اختیار نہیں نکلتا ہے جیسا کہ "أَنْتِ طَالِقٌ مَتَى شِئْتِ" کہنے کی صورت میں اختیار اس کے ہاتھ سے نہیں نکلتا ہے۔

﴿۵﴾امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لفظِ "إِذَا" شرط اور وقت دونوں معانی میں مستعمل ہے جیسا کہ شاعر کا شعر ہے "وَاسْتَغْنِ مَا أَغْنَاكَ رَبُّكَ بِالْغِنَى::وَإِذَا تُصِبْكَ خَصَاصَةٌ فَتَجَمَّلْ" (مستغنی رہو جس وقت تک کہ مستغنی رکھے تیرا رب مالداری کے ساتھ، اور جب تجھے پہنچے تنگدستی تو صبر جمیل اختیار کر) جس میں لفظِ "إِذَا" وقت کے معنی میں مستعمل ہے، پس اگر شرط کے معنی میں مستعمل ہو تو لفظِ "إِنْ" کی طرح طلاق فی الحال واقع نہ ہوگی اور اگر وقت کے معنی میں ہو تو "مَتَى" کی طرح فی الحال واقع ہو جائے گی، لہذا وقوعِ طلاق اور عدمِ وقوع میں شک ہے اور شک اور احتمال کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

([1]) التکویر: ۱.

﴿۵﴾ باقی مشیت کا مسئلہ اس کے برعکس ہے؛ کیونکہ "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا شِئْتِ" میں اگر "إِذَا" کو وقت کے لیے مانا جائے تو قیام
عن المجلس سے عورت کا اختیار ختم نہیں ہوتا ہے، اور اگر "إِذَا" کو شرط کے لیے مانا جائے تو مجلس سے کھڑی ہونے سے اس
کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، یوں اختیار وعدم اختیار میں شک ہوا، حالانکہ "إِذَا شِئْتِ" کہنے سے اختیار کا عورت کے ہاتھ میں ہو چکا
ہے، پس شک اور احتمال کی وجہ سے اختیار عورت کے ہاتھ سے نہیں نکلتا ہے۔

﴿۷﴾ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ میں مذکورہ بالا اختلاف اس وقت ہے کہ شوہر نے اپنے کلام سے کوئی نیت نہ کی
ہو۔ ورنہ اگر اس نے لفظِ "إِذَا" سے وقت کی نیت کی ہو تو طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی، اور اگر شرط کی نیت کی ہو، تو طلاق عمر کے
آخری حصہ میں واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ لفظِ "إِذَا" ان دونوں کا احتمال رکھتا ہے، اور لفظ کے محتمل معنی کو تو بلانیت لفظ شامل نہیں
ہوتا ہے، مگر نیت سے شامل ہو جاتا ہے، لہٰذا نیت کرنے سے ہر ایک معنی مراد لینا صحیح ہے۔

فتویٰ:۔ مختلف فیہ صورت میں صاحبینؒ کا قول راجح ہے لما فی الشامية: (قَوْلُهُ مِثْلُ إنْ عِنْدَهُ إلَخْ) أَيْ فَلَا تَطْلُقُ عِنْدَهُ مَا لَمْ يَمُتْ أَحَدُهُمَا وَتَطْلُقُ عِنْدَهُمَا لِلْحَالِ بِسُكُوتِهِ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ إذَا عِنْدَهُ هُنَا حَرْفٌ لِمُجَرَّدِ الشَّرْطِ لِأَنَّهَا تُسْتَعْمَلُ ظَرْفًا وَحَرْفًا فَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ لِلْحَالِ بِالشَّكِّ، وَهَذَا قَوْلُ بَعْضِ النُّحَاةِ كَمَا فِي الْمُغْنِي، لَكِنْ ذَكَرَ أَنَّ جُمْهُورَهُمْ عَلَى أَنَّهَا مُتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الشَّرْطِ وَلَا تَخْرُجُ عَنِ الظَّرْفِيَّةِ. قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَهُوَ مُرَجِّحٌ لِقَوْلِهِمَا هُنَا، وَقَدْ رَجَّحَهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ (ردالمحتار: ۲/۴۸۲)

﴿۱﴾ وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ أَنْتِ طَالِقٌ فَهِيَ طَالِقٌ بِهَذِهِ التَّطْلِيقَةِ مَعْنَاهُ قَالَ ذَلِكَ

اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے جب میں تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق والی ہے" تو وہ طلاق ہو گی اس تطلیق سے، مطلب یہ ہے کہ شوہر نے یہ کہا ہو

مَوْصُولًا بِهِ، وَالْقِيَاسُ أَنْ يَقَعَ الْمُضَافُ فَيَقَعَانِ إنْ كَانَتْ مَدْخُولًا بِهَا، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ

موصولاً اس کے ساتھ، اور قیاس یہ ہے کہ واقع ہو جائے گی منسوب بھی، پس دونوں واقع ہوں گی اگر ہو وہ مدخول بہا، اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے

لِأَنَّهُ وُجِدَ زَمَانٌ لَمْ يُطَلِّقْهَا فِيهِ وَإِنْ قَلَّ وَهُوَ زَمَانُ قَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ

کیونکہ پایا گیا ایسا زمانہ جو شوہر نے طلاق نہ دی اس کو اس میں اگرچہ کم ہے اور وہ زمانہ ہے اس کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ" کہنے کا

قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْهَا. ﴿۲﴾ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ زَمَانَ الْبِرِّ مُسْتَثْنًى عَنِ الْيَمِينِ بِدَلَالَةِ الْحَالِ لِأَنَّ الْبِرَّ هُوَ الْمَقْصُودُ

اس سے فارغ ہونے سے پہلے، وجہِ استحسان یہ ہے کہ قسم پوری کرنے کا زمانہ مستثنیٰ ہے یمین سے دلالتِ حال کی وجہ سے؛ کیونکہ بِر ہی مقصود ہے،

وَلَا يُمْكِنُهُ تَحْقِيقُ الْبِرِّ إلَّا أَنْ يَجْعَلَ هَذَا الْقَدْرَ مُسْتَثْنًى، أَصْلُهُ مَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هَذِهِ الدَّارَ

اور ممکن نہیں ہے تحقق پر مگر یہ کہ کردے اتنی مقدار مستثنیٰ، اصل اس کی یہ ہے کہ کوئی قسم کھائے کہ نہیں رہوں گا اس گھر میں،

فَانْتَقَلَ بِالنُّقْلَةِ مِنْ سَاعَتِهِ وَأَخَوَاتُهُ عَلَى مَا يَأْتِيكَ فِي الْأَيْمَانِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى . ﴿۳﴾ وَمَنْ قَالَ

پھر مشغول ہو گیا سامان منتقل کرنے میں اسی وقت، اور اس کی نظیریں جیسا کہ تفصیل آئے گی کتاب الایمان میں انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور جس نے کہا

لِامْرَأَةٍ : يَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا لَيْلًا طَلُقَتْ لِأَنَّ الْيَوْمَ يُذْكَرُ

کسی عورت سے "جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے" پھر نکاح کیا اس سے رات کو، تو طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ دن ذکر کیا جاتا ہے

وَيُرَادُ بِهِ بَيَاضُ النَّهَارِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ يَمْتَدُّ كَالصَّوْمِ وَالْأَمْرِ بِالْيَدِ لِأَنَّهُ يُرَادُ

اور مراد لیا جاتا ہے اس سے بیاضِ نہار، پس حمل کیا جائے گا اسی پر جب وہ متصل ہو فعل ممتد کے ساتھ جیسے صوم اور امر بالید؛ کیونکہ مراد لیا جاتا ہے

بِهِ الْمِعْيَارُ، وَهٰذَا أَلْيَقُ بِهِ ،﴿۴﴾ وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى

اس سے معیار، اور بیاضِ نہار زیادہ لائق ہے اس کے، اور ذکر کیا جاتا ہے اور مراد لیا جاتا ہے اس سے مطلق وقت، فرمایا اللہ تعالیٰ نے

{ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ } وَالْمُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ

"جو کوئی اس دن ان سے پیٹھ دے کر بھاگے" اور مراد اس سے مطلق وقت ہے، پس حمل کیا جائے گا اسی پر جب متصل ہو ایسے فعل کے ساتھ

لَا يَمْتَدُّ وَالطَّلَاقُ مِنْ هٰذَا الْقَبِيلِ فَيَنْتَظِمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ. ﴿۵﴾ وَلَوْ قَالَ : عَنَيْتُ بِهِ بَيَاضَ النَّهَارِ خَاصَّةً دُيِّنَ

جو ممتد نہ ہو اور طلاق اسی قبیل سے ہے، پس شامل ہو گا رات اور دن کو، اور اگر کہا میری مراد اس سے بیاضِ نہار ہے خاص کر تو تصدیق کی جائے گی

فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ ﴿۶﴾ وَاللَّيْلُ لَا يَتَنَاوَلُ إِلَّا السَّوَادَ وَالنَّهَارُ يَتَنَاوَلُ الْبَيَاضَ خَاصَّةً وَهٰذَا هُوَ اللُّغَةُ.

قضاءً؛ کیونکہ اس نے نیت کی ہے اپنے کلام کی حقیقت کی، اور لیل شامل نہ ہو گا مگر سیاہی کو اور نہار شامل ہو گا بیاض کو خاص کر اور یہی لغت ہے"۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ أَنْتِ طَالِقٌ" کا حکم، امام زفرؒ کا اختلاف، دلیل، اور وجہ استحسان اور اس کی نظیر ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳و۴ میں شوہر کے قول "يَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ" کا حکم، دلیل اور لفظِ یوم کے بارے میں ایک ضابطہ ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں لفظِ یوم سے خاص کر بیاضِ نہار کا قصد کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۶ میں لفظِ لیل، نہار اور یوم میں سے ہر ایک کا معنی بیان کیا ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ أَنْتِ طَالِقٌ" (تو طلاق والی ہے اس وقت کہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں تو طلاق والی ہے) تو اس جملہ کے آخری لفظ (أَنْتِ طَالِقٌ) سے ایک طلاق واقع ہو جائیگی، بشرطیکہ یہ جملہ اول کے ساتھ متصل کہا ہو، ورنہ تو ایک طلاق پہلے جملے سے اور دوسری طلاق اس آخری لفظ (أَنْتِ طَالِقٌ) سے واقع ہو گی۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ پہلے جملے (أَنْتِ

طَالِقٌ مَالَمْ اُطَلِّقْكِ) سے بھی ایک طلاق واقع ہو، پس چاہیے کہ اس کلام سے دو طلاقیں واقع ہوں، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ
پہلے جملے کے "أَنْتِ طَالِقٌ" والی طلاق کو "مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ" کے ذریعہ اپنے زمانے کے ساتھ معلق کر دیا ہے جو تطلیق سے خالی ہو، اور
زمانہ پایا گیا، یوں کہ پہلے جملے سے فراغت کے بعد دوسرے جملے (أَنْتِ طَالِقٌ) کی تکمیل اور اس سے فارغ ہونے سے پہلے تک
ایسا زمانہ ہے جس میں عورت کو طلاق نہیں دی گئی ہے اگرچہ یہ زمانہ بہت کم ہے، لہٰذا اس زمانے میں پہلے جملے سے بھی طلاق واقع ہو
چاہیے، پس اس کلام سے دو طلاقیں واقع ہونی چاہیے، مگر استحساناً پہلے جملے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

{۲} وجہ استحسان یہ ہے کہ قسم کھانے کے بعد بدلالتِ حال قسم سے اتنا زمانہ مستثنیٰ ہے جس میں قسم کھانے والا اپنی قسم
کو پورا کر سکے؛ کیونکہ قسم کو پورا کرنا ہی مقصودِ یمین ہے، پس قسم کو پورا کرنے کا تحقق ممکن نہیں مگر یہ کہ اتنے وقت کو (جس میں قسم
کو پورا کر سکے) قسم سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، لہٰذا "أَنْتِ طَالِقٌ" کہنے کے بقدر زمانے میں وہ طلاق واقع نہ ہوگی جو "مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ" کے
ذریعہ عدمِ تطلیق پر معلق کی گئی ہے۔ تو چونکہ مذکورہ صورت میں اتنا زمانہ نہیں گذرا تھا کہ اس نے دوسرے جملے (أَنْتِ طَالِقٌ) کے
ذریعہ طلاق کو واقع کر دیا، لہٰذا پہلے جملے کی طلاق کو جو عدمِ تطلیق کی شرط پر معلق کیا تھا وہ شرط (عدمِ تطلیق کی شرط) نہیں پائی گئی اس
لیے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، فقط دوسرے جملے سے ایک طلاق واقع ہوگی۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی اصل اور نظیر "كِتَابُ الْأَيْمَانِ" کا ایک مسئلہ ہے، وہ یہ کہ کسی نے قسم کھائی
کہ "واللہ میں اس مکان میں نہیں رہوں گا" اور اسی وقت اپنا سامان اس مکان سے منتقل کرنا شروع کر دیا، تو امام زفرؒ کے نزدیک تو
حالف حانث ہو جائے گا، مگر استحساناً یہ شخص حانث نہ ہوگا، اور اس مسئلہ کی اور بھی نظیریں ہیں جو "كِتَابُ الْأَيْمَانِ" میں بیان کی جائیں
گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

{۳} اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "يَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ" (جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو طلاق ہے) اور
رات کے وقت اسی عورت سے نکاح کیا، تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ لفظِ "يَوْم" کبھی ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے بیاضِ نہار (دن
کا اجالا) مراد ہوتا ہے، البتہ ضابطہ یہ ہے کہ اگر لفظِ "يَوْم" فعلِ ممتد کے ساتھ مقترن ہو جیسے "عَلَيَّ أَنْ أَصُوْمَ يَوْمَ يَقْدُمُ
فُلَانٌ" اور "أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَوْمَ يَقْدُمُ فُلَانٌ" جس میں صوم اور امر بالید فعلِ ممتد ہے اس لیے "يَوْم" سے بیاضِ نہار مراد ہوگا؛ کیونکہ
اس وقت اس سے معیار مراد ہوتا ہے کہ یہ اپنے ماقبل فعل کے لیے محیط ہے نہ اس سے کم ہے اور نہ زیادہ ہے اور فعلِ ممتد کے ساتھ
یہی معنی زیادہ مناسب ہے۔

{۴} اور کبھی لفظ "یَوْم" ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَمَنْ یُوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ) (جو کوئی مسلمان اس دن پشت پھیر کر ان سے بھاگے) جس میں "یَوْمَئِذٍ" کے ساتھ مقترن فعل (دشمن کی طرف پشت پھیرنا) غیر ممتد ہے، لہٰذا اس سے مطلق وقت مراد ہے یعنی دشمن کی طرف پشت کرکے بھاگنا حرام ہے خواہ دن کو ہو یا رات کو، پس ضابطہ یہ ہے کہ اگر فعل غیر ممتد کے ساتھ مقترن ہو جیسے نکاح کرنا، طلاق دینا وغیرہ تو پھر مطلق وقت کے معنی میں ہوگا، بیاضِ نہار کے معنی میں نہ ہوگا۔ اور طلاق دینا فعلِ غیر ممتد ہے لہٰذا اس کے ساتھ ذکر شدہ لفظ "یَوْم" سے مطلق وقت مراد ہوگا اور مطلق وقت رات کو بھی شامل ہے لہٰذا رات کو نکاح کرنے کی صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ طلاق دینا فعلِ غیر ممتد ہے لہٰذا لفظِ یوم رات کو بھی شامل ہے۔

{۵} البتہ یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ قائل کی کوئی نیت نہ ہو، اور اگر وہ کہتا ہے کہ میری مراد اس سے خاص کر بیاضِ نہار تھا، تو قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی؛ کیونکہ بیاضِ نہار اس لفظ کا حقیقی معنی ہے لہٰذا قائل نے اپنے کلام کے حقیقی معنی کا قصد کیا ہے اور حقیقی معنی کی نیت کرنے کی صورت میں دیانۃً وقضاءً ہر دو اعتبار سے اس کی تصدیق کی جائے گی۔

{۶} اور لفظِ "لیل" کا اطلاق فقط سیاہی پر ہوتا ہے یعنی غروبِ آفتاب سے صبح تک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ "نہار" کا اطلاق فقط بیاض اور دن پر ہوتا ہے یعنی طلوعِ آفتاب سے غروب تک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور لفظ "یَوْم" کے بارے میں ایک قول بیاضِ نہار اور مطلق وقت میں اشتراک کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ بیاضِ نہار میں حقیقت ہے اور مطلق وقت میں مجازاً استعمال ہوتا ہے، اور یہ ان کی حقیقتِ لغویہ ہے۔

ف:۔ فعلِ ممتد سے مراد یہ ہے کہ اس کے کرنے میں وقت لگتا ہو جیسے روزہ رکھنا، کہیں سکونت اختیار کرنا۔ اور فعلِ غیر ممتد سے مراد یہ ہے کہ ایسا فعل ہو جس میں طویل وقت نہ لگتا ہو بلکہ مطلق وقت اس کے لئے کافی ہو جیسے نکاح کرنا طلاق دینا وغیرہ۔ اور فعلِ ممتد وغیر ممتد سے مراد وہ فعل ہے جو لفظ "یَوْم" میں عامل ہو، نہ وہ جس کی طرف لفظِ "یَوْم" مضاف ہو۔

فصل

یہ فصل طلاق کو عورتوں کی طرف منسوب کرنے کے بیان میں ہے، چونکہ عورتوں کی طرف اضافتِ طلاق غالب ہے مردوں کی طرف اضافتِ طلاق سے، اس لیے اس کو مستقل فصل میں ذکر فرمایا اور پھر کچھ علاوہ مسائل کو بھی ذکر کیا ہے اگرچہ مناسب تھا کہ ان کو مسائل ماقبل میں ذکر فرماتے۔

﴿۱﴾ وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ وَإِنْ نَوَى طَلَاقًا، وَلَوْ قَالَ: أَنَا مِنْكِ بَائِنٌ

اور جو شخص کہے اپنی بیوی سے "میں تجھ سے طلاق ہوں" تو یہ کچھ نہیں اگرچہ اس نے نیت کی طلاق کی، اور اگر کہا "میں تجھ سے بائن ہوں

أَوْ أَنَا عَلَيْكِ حَرَامٌ يَنْوِي الطَّلَاقَ فَهِيَ طَالِقٌ ﴿۲﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ أَيْضًا إِذَا نَوَى

یا میں تجھ پر حرام ہوں" نیت کی طلاق کی تو وہ طلاق ہوگی۔ فرمایا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے واقع ہوگی طلاق پہلی صورت میں بھی جبکہ نیت کی ہو

لِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ حَتَّى مَلَكَتْ هِيَ الْمُطَالَبَةَ بِالْوَطْءِ كَمَا يَمْلِكُ هُوَ الْمُطَالَبَةَ بِالتَّمْكِينِ،

کیونکہ ملکِ نکاح مشترک ہے زوجین کے درمیان حتی کہ وہ عورت مالک ہے مطالبۂ وطی کی، جیسا کہ مالک ہے زوج مطالبہ کا قدرت علی الوطی کے۔

وَكَذَا الْحِلُّ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَالطَّلَاقُ وُضِعَ لِإِزَالَتِهِمَا فَيَصِحُّ مُضَافًا إِلَيْهِ

اور اسی طرح حلت مشترک ہے دونوں کے درمیان، اور طلاق وضع کی گئی ہے دونوں کے ازالہ کے لیے پس صحیح ہے مضاف ہو کر طلاق کی طرف (مرد کی)

كَمَا صَحَّ مُضَافًا إِلَيْهَا كَمَا فِي الْإِبَانَةِ وَالتَّحْرِيمِ. ﴿۳﴾ وَلَنَا أَنَّ الطَّلَاقَ لِإِزَالَةِ الْقَيْدِ وَهُوَ

جیسا کہ صحیح ہے مضاف ہو کر عورت کی طرف جس طرح کہ ابانت اور تحریم میں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق ازالہ قید کے لیے اور قید

فِيهَا دُونَ الزَّوْجِ، أَلَا تَرَى أَنَّهَا هِيَ الْمَمْنُوعَةُ عَنِ التَّزَوُّجِ وَالْخُرُوجِ وَلَوْ كَانَ لِإِزَالَةِ الْمِلْكِ فَهُوَ

عورت میں ہے نہ کہ زوج میں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ عورت ہی ممنوع ہے نکاح کرنے اور نکلنے سے، اور اگر طلاق ازالہ ملک کے لیے ہوتی تو وہ تو

عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مَمْلُوكَةٌ وَالزَّوْجُ مَالِكٌ وَلِهَذَا سُمِّيَتْ مَنْكُوحَةً ﴿۴﴾ بِخِلَافِ الْإِبَانَةِ لِأَنَّهَا لِإِزَالَةِ الْوُصْلَةِ

عورت پر ہے؛ کیونکہ وہ مملوکہ ہے اور زوج مالک ہے، اسی لیے نام رکھا گیا عورت کا منکوحہ، بخلاف ابانت کے؛ کیونکہ وہ ازالہ تعلق کے لیے ہے،

وَهِيَ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَهُمَا بِخِلَافِ التَّحْرِيمِ لِأَنَّهُ لِإِزَالَةِ الْحِلِّ وَهُوَ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا فَصَحَّتْ

اور وہ مشترک ہے دونوں کے درمیان، بخلاف تحریم کے؛ کیونکہ وہ ازالہ حلت کے لیے ہے اور وہ مشترک ہے دونوں میں پس صحیح ہے

إِضَافَتُهُمَا إِلَيْهِمَا وَلَا تَصِحُّ إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَّا إِلَيْهَا. ﴿۵﴾ وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَا فَلَيْسَ بِشَيْءٍ،

ان کی اضافت دونوں کی طرف، اور صحیح نہیں طلاق کی اضافت مگر عورت کی طرف۔ اور اگر کہا "تجھے طلاق ہے ایک یا نہیں ہے" تو کچھ واقع نہ ہوگی

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: هٰكَذَا ذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ، وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ آخِرًا.
مصنف نے فرمایا: اسی طرح ذکر کیا ہے جامع صغیر میں بغیر اختلاف کے، اور یہ قول ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا،

وَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلًا تُطَلَّقُ وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً، ذَكَرَ قَوْلَ مُحَمَّدٍ فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ
اور امام محمدؒ کے قول پر اور وہ امام ابو یوسفؒ کا اول قول ہے کہ طلاق ہو جائے گی ایک رجعی طلاق کے ساتھ، ذکر کیا ہے امام محمدؒ کا قول کتاب الطلاق میں

فِيمَا إِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَا شَيْءَ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَسْأَلَتَيْنِ. {۶} وَلَوْ كَانَ
اس صورت میں کہ جب شوہر کہے اپنی بیوی سے "تو ایک طلاق والی ہے یا کچھ نہیں" اور کوئی فرق نہیں دونوں مسئلوں میں، اور اگر ہو

الْمَذْكُورُ هَاهُنَا قَوْلَ الْكُلِّ فَعَنْ مُحَمَّدٍ رِوَايَتَانِ، لَهُ أَنَّهُ أَدْخَلَ الشَّكَّ فِي الْوَاحِدَةِ لِدُخُولِ كَلِمَةِ " أَوْ "
یہاں مذکور قول سب کا تو امام محمدؒ سے دو روایتیں ہوں گی، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے داخل کیا شک کو واحدۃً میں بوجہ داخل ہونے کلمہ "أو" کے

بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّفْيِ فَيَسْقُطُ اعْتِبَارُ الْوَاحِدَةِ وَيَبْقَى قَوْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ أَوْلَا
اس کے اور نفی کے درمیان پس ساقط ہو گا واحدۃً کا اعتبار اور باقی رہے گا اس کا قول "أَنْتِ طَالِقٌ" بخلاف اس کا قول "أَنْتِ طَالِقٌ أَوْلَا" کے

لِأَنَّهُ أَدْخَلَ الشَّكَّ فِي أَصْلِ الْإِيقَاعِ فَلَا يَقَعُ. {۷} وَلَهُمَا أَنَّ الْوَصْفَ مَتَى قُرِنَ بِالْعَدَدِ كَانَ
کیونکہ اس نے داخل کیا شک اصل ایقاع میں، پس طلاق واقع نہ ہو گی۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصف جب مقارن ہو عدد کے ساتھ تو ہو گا

الْوُقُوعُ بِذِكْرِ الْعَدَدِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ قَالَ لِغَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا: أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا تُطَلَّقُ ثَلَاثًا، وَلَوْ كَانَ الْوُقُوعُ
وقوع طلاق ذکر عدد سے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ اگر کہتا غیر مدخول بہا سے "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" تو واقع ہو جاتیں تین طلاقیں، اور اگر وقوع طلاق

بِالْوَصْفِ لَلَغَا ذِكْرُ الثَّلَاثِ. {۸} وَهٰذَا لِأَنَّ الْوَاقِعَ فِي الْحَقِيقَةِ إِنَّمَا هُوَ الْمَنْعُوتُ الْمَحْذُوفُ مَعْنَاهُ
وصف کے ذریعہ ہوتا تو لغو ہوتا تین کا ذکر، اور یہ اس لیے کہ واقع ہونے والا در حقیقت موصوفِ محذوف ہی ہے اور اس کا معنی ہے

أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً عَلَى مَا مَرَّ، وَإِذَا كَانَ الْوَاقِعُ مَا كَانَ الْعَدَدُ نَعْتًا لَهُ كَانَ الشَّكُّ دَاخِلًا فِي أَصْلِ الْإِيقَاعِ
"أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً" جیسا کہ گذر چکا، اور جب واقع ہونے والی وہ چیز ہے جس کے لیے عدد نعت ہے تو ہو گا شک داخل اصل ایقاع میں،

فَلَا يَقَعُ شَيْءٌ. {۹} وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِي أَوْ مَعَ مَوْتِكِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ أَضَافَ
پس واقع نہ ہو گی کچھ بھی، اور اگر کہا "تو طلاق والی ہے میری موت کے بعد یا تیری موت کے بعد" تو کچھ واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ اس نے منسوب کیا ہے

الطَّلَاقَ إِلَى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ لَهُ لِأَنَّ مَوْتَهُ يُنَافِي الْأَهْلِيَّةَ وَمَوْتَهَا يُنَافِي الْمَحَلِّيَّةَ وَلَا بُدَّ مِنْهُمَا.
طلاق کو طلاق کے منافی حالت کی طرف؛ کیونکہ شوہر کی موت منافی اہلیت ہے اور عورت کی موت منافی محلیت ہے، اور یہ دونوں ضروری ہیں۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ" کے حکم میں احناف اور شوافع کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ تا ۸ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْلَا" میں ائمہ کا اختلاف اور دلائل کو ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۹ میں شوہر کے دو طرح کے الفاظ کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ" (مجھ کو تیری طرف سے طلاق ہے) تو احناف فرماتے ہیں کہ اس کا یہ کہنا لغو ہے اگر چہ اس نے طلاق دینے کی نیت کی ہو۔ اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنَا مِنْكِ بَائِنٌ" (میں تجھ سے بائن ہوں) یا کہا "أَنَا عَلَيْكِ حَرَامٌ" (میں تجھ پر حرام ہوں) تو اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

{۲} اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو پہلی صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ طلاق ازالۂ نکاح کے لئے مشروع کی گئی ہے اور نکاح عورت اور مرد دونوں میں مشترک ہے، حتی کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ وطی کا مطالبہ کرے جیسا کہ مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ وطی پر قدرت دینے کا مطالبہ کرے، اسی طرح حکمِ نکاح یعنی ایک دوسرے کے لیے حلال ہونا بھی دونوں میں مشترک ہے۔ اور طلاق مشروع کی گئی ہے مِلکِ نکاح اور حلال ہونے کے ازالہ کے لیے، لہٰذا "أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ" کہہ کر مرد کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے جیسا کہ "أَنْتِ مِنِّي طَالِقٌ" کہہ کر عورت کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے جیسا کہ ابانت اور تحریم زوجین میں سے ہر ایک کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق قیدِ نکاحی کے ازالہ کے لئے مشروع کی گئی ہے اور قید تو عورت میں ہے مرد میں تو کوئی قید نہیں، دیکھیں اسی نکاح کی وجہ سے عورت دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی ہے، اور عورت بلا اجازت گھر سے نہیں نکل سکتی ہے، لہٰذا قید عورت میں ہے مرد میں نہیں پھر "أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ" سے مرد کی طرف طلاق کی نسبت کر کے اس سے ازالۂ قید کا کیا مطلب ہے؟۔ اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ طلاق ازالۂ ملک کے لیے ہے جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، تب بھی امام شافعیؒ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا؛ کیونکہ مِلک بھی تو عورت پر واقع ہے نہ کہ مرد؛ کیونکہ عورت مملوک ہے مرد مالک ہے یہی وجہ ہے کہ عورت کو منکوحہ (جس سے نکاح کیا گیا ہو) کہا جاتا ہے نہ کہ ناکِحہ (نکاح کرنے والی) پس جب مِلک عورت پر واقع ہے تو طلاق (جو ازالۂ ملک کے لیے ہے) بھی مرد کی جانب سے عورت پر واقع ہوگی نہ کہ عورت کی جانب سے مرد پر۔ باقی عورت کو جو وطی کے مطالبہ کا حق حاصل ہے تو وہ تبعاً ہے؛ کیونکہ نکاح وضع ہوا ہے زوج کی مِلک زوجہ پر ثابت کرنے کے لیے نہ کہ زوجہ کی مِلک کو زوج پر ثابت کرنے کے لیے۔

{۴}باقی امام شافعیؒ کا طلاق کو ابانت پر قیاس کرنا درست نہیں؛ کیونکہ ابانت تو متناکحین میں موجود جوڑ اور تعلق کو ختم کرنے
کے لیے ہے اور جوڑ زوجین میں مشترک ہے۔اسی طرح طلاق کو تحریم پر قیاس کرنا بھی درست نہیں؛ کیونکہ تحریم تو متناکحین کے
درمیان موجود حلت کو ختم کرنے کے لیے ہے اور حلت زوجین میں مشترک ہے، لہٰذا ابانت اور تحریم میں سے ہر ایک کی نسبت زوجین
میں سے ہر ایک طرف درست ہے، جبکہ طلاق کی نسبت فقط عورت کی طرف درست ہے اس لیے طلاق کو ابانت اور تحریم پر قیاس
کرنا درست نہیں۔

{۵}اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا"أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْلَا" (تو ایک طلاق والی ہے یا نہیں) تو اس سے طلاق واقع نہ
ہوگی۔صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں یہ حکم بغیر اختلاف کے مذکور ہے۔حالانکہ اس میں اختلاف ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ
کا قول ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا آخری قول ہے۔اور امام محمدؒ کا قول اور امام ابو یوسفؒ کا اول قول یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی
۔اور اس کی دلیل کہ امام محمدؒ کے مذہب پر ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے یہ ہے کہ مبسوط کی "کتاب الطلاق" میں امام محمدؒ کا قول اس
صورت میں ذکر ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَاشَيْءَ" تو امام محمدؒ کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع
ہوگی، تو "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَا" میں بھی ان کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی؛ کیونکہ دونوں مسئلوں (أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً
أَوْ لَاشَيْءَ اور أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَا) میں کوئی فرق نہیں۔

{۶}اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ جامع صغیر میں مذکور قول (کہ طلاق واقع نہ ہوگی) تینوں ائمہ کا ہے، تو ہم کہتے ہیں امام محمدؒ
سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک شیخینؒ کے موافق ہے جس کو جامع صغیر میں ذکر کیا ہے، اور دوسری ان کے خلاف ہے
جو مبسوط میں مذکور ہے۔امام محمدؒ کی مبسوط والی روایت کی دلیل یہ ہے کہ "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَا" میں "وَاحِدَةً" اور
نفی (لَا) میں "أَوْ" تشکیک کی وجہ سے شک واقع ہوگیا، پس "وَاحِدَةً" کا اعتبار ساقط ہو کر اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ "أَنْتِ
طَالِقٌ" باقی اور سالم رہا جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔اس کے برخلاف اگر شوہر نے "أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ لَا" کہا تو اس سے طلاق
واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ اس میں "أَنْتِ طَالِقٌ" اور نفی (لَا) کے درمیان "أَوْ" تشکیک آیا ہے جس سے اصل طلاق واقع کرنے میں شک
پیدا ہوا اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

{۷}شیخینؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب عدد وصف کے ساتھ مقارن ہو تو طلاق عدد سے
واقع ہوتی ہے لہٰذا "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" میں طلاق عدد یعنی "ثلاثا" سے واقع ہوتی ہے نہ کہ "أَنْتِ طَالِقٌ" سے ورنہ پھر "ثلاثا"

کہنا لغو ہو جائیگا، یہی وجہ ہے کہ اگر غیر مدخول بہا سے "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" کہا جائے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، تو اگر وصف (أَنْتِ طَالِقٌ) سے طلاق واقع ہوتی تو اسی ایک طلاق سے غیر مدخول بہا بائنہ ہو جاتی تو پھر "ثَلَاثًا" کا ذکر لغو ہوتا؛ کیونکہ بائنہ ہو جانے کے بعد وہ محل طلاق نہ رہنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

{۸} اور طلاق کے عدد سے واقع ہونے اور وصف سے واقع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ طلاق موصوف محذوف سے واقع ہوتی ہے پس "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً" کا معنی ہے "أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً" جس میں طلاق "تَطْلِيقَةً" سے واقع ہوتی ہے جیسا کہ "باب ایقاع الطلاق" کے شروع میں گذر چکا۔ پس جب طلاق اس لفظ سے واقع ہوتی ہے جس لفظ کے لیے عدد نعت ہے تو "أَوْ" شکیہ کی وجہ سے اصل طلاق کے وقوع میں شک ہوا اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اس لیے مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

فتوی:۔ شیخین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: والراجح قول الشیخین وھو قول الائمۃ الثلاثۃ الباقیۃ وجزم بہ فی المحیط(ھامش الھدایۃ: ۳۴۶/۲)

{۹} اور اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِي" (تو طلاق والی ہے میرے مرنے کے ساتھ)، یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِكِ" (تو طلاق والی ہے تیرے مرنے کے ساتھ) تو ان دو صورتوں میں بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ لفظِ "مَعَ" اگر مصدر کے ساتھ ذکر ہو تو وہ بعد کے معنی میں ہوتا ہے لہٰذا "أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِي" بمعنی "أَنْتِ طَالِقٌ بَعْدَ مَوْتِي" ہے، پس ان دو صورتوں میں طلاق ایک حالت کی طرف منسوب کی گئی ہے جو طلاق کے منافی ہے یعنی زوج اور زوجہ کی موت کی طرف منسوب کی گئی ہے، اور موتِ زوج اہلیتِ طلاق کے منافی ہے اور موتِ زوجہ محلیتِ طلاق کے منافی ہے جبکہ وقوعِ طلاق کے لئے زوج کی اہلیت اور زوجہ کا محلِ طلاق ہونا ضروری ہے، پس جب اہلیت یا محلیت نہیں تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۱} وَإِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ أَوْ شِقْصًا مِنْهَا أَوْ مَلَكَتْ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا أَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ

اور جب مالک ہو جائے مرد اپنی بیوی کا یا اس کے کسی جزء کا، یا مالک ہو جائے عورت اپنے شوہر کا یا اس کے کسی جزء کا تو واقع ہو جائے گی فرقت

لِلْمُنَافَاةِ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ. أَمَّا مِلْكُهَا إِيَّاهُ فَلِلِاجْتِمَاعِ بَيْنَ الْمَالِكِيَّةِ وَالْمَمْلُوكِيَّةِ، {۲} وَأَمَّا مِلْكُهُ إِيَّاهَا

بوجہ منافات کے دونوں ملکوں میں، بہر حال عورت کا مالک ہونا مرد کا تو بوجہ اجتماع کے مالکیت اور مملوکیت میں، اور رہا شوہر کا مالک ہونا بیوی کا

فَلِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ ضَرُورِيٌّ وَلَا ضَرُورَةَ مَعَ قِيَامِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَيَنْتَفِي النِّكَاحُ

تو وہ اس لیے کہ مِلک نکاح بنا بر ضرورت ہے اور کوئی ضرورت نہیں مِلکِ یمین کے قیام کے ساتھ، پس منتفی ہو جائے گی مِلکِ نکاح۔

{۳} وَلَوْ اشْتَرَاهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّ الطَّلَاقَ يَسْتَدْعِي قِيَامَ النِّكَاحِ، وَلَا بَقَاءَ لَهُ مَعَ الْمُنَافِي

اور اگر خرید لیا اپنی بیوی کو پھر طلاق دی اس کو تو کچھ واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ طلاق تقاضا کرتی ہے قیام نکاح کا اور بقاء نہیں نکاح کے لیے منافی کے ساتھ

لَا مِنْ وَجْهٍ وَلَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ ، وَكَذَا إِذَا مَلَكَتْهُ أَوْ شِقْصًا مِنْهُ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ لِمَا

نہ من وجہ اور نہ ہی من کل وجہ، اسی طرح جب عورت مالکہ ہو جائے مرد کی یا اس کے ایک حصہ کی، تو واقع نہ ہوگی طلاق؛ اس دلیل کی وجہ سے

قُلْنَا مِنَ الْمُنَافَاةِ . ﴿٤﴾ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَقَعُ لِأَنَّ الْعِدَّةَ وَاجِبَةٌ ‌. بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ لَا عِدَّةَ

جو ہم نے کہا یعنی منافات۔ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ عدت واجب ہے، بخلاف پہلی صورت کے؛ کیونکہ عدت نہیں

هُنَاكَ حَتَّى حَلَّ وَطْؤُهَا لَهُ . ﴿٥﴾ وَلَوْ قَالَ لَهَا وَهِيَ أَمَةٌ لِغَيْرِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ

یہاں حتی کہ حلال ہے اس سے وطی کرنا شوہر کے لیے۔ اور اگر کہا بیوی سے حالانکہ وہ باندی ہے غیر کی "تو دو طلاق والی ہے

مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ إِيَّاكِ فَأَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا مَلَكَ الزَّوْجُ الرَّجْعَةَ لِأَنَّهُ عَلَّقَ التَّطْلِيقَ

تیرے مولیٰ کے تجھے آزاد کرنے کے بعد" پھر آزاد کر دیا اس کو اس کے مولیٰ نے، تو مالک ہوگا شوہر رجعت کا؛ کیونکہ اس نے معلق کر دی تطلیق

بِالْإِعْتَاقِ أَوِ الْعِتْقِ لِأَنَّ اللَّفْظَ يَنْتَظِمُهُمَا وَالشَّرْطُ مَا يَكُونُ مَعْدُومًا عَلَى خَطَرِ الْوُجُودِ وَلِلْحُكْمِ تَعَلُّقٌ بِهِ

اعتاق یا عتق کے ساتھ؛ کیونکہ لفظ شامل ہے دونوں کو اور شرط وہ ہوتی ہے جو معدوم ہو کر امکان وجود پر ہو اور حکم کا تعلق ہو اس کے ساتھ،

وَالْمَذْكُورُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَالْمُعَلَّقُ بِهِ التَّطْلِيقُ لِأَنَّ فِي التَّعْلِيقَاتِ يَصِيرُ التَّصَرُّفُ تَطْلِيقًا عِنْدَ الشَّرْطِ عِنْدَنَا،

اور مذکور اس صفت پر اور معلق اس کے ساتھ تطلیق ہی ہے؛ کیونکہ تعلیقات میں ہو جاتا ہے تصرف تطلیق وجودِ شرط کے وقت ہمارے نزدیک

وَإِذَا كَانَ التَّطْلِيقُ مُعَلَّقًا بِالْإِعْتَاقِ أَوِ الْعِتْقِ يُوجَدُ بَعْدَهُ ثُمَّ الطَّلَاقُ يُوجَدُ بَعْدَ التَّطْلِيقِ فَيَكُونُ الطَّلَاقُ مُتَأَخِّرًا عَنِ الْعِتْقِ

اور جب ہو تطلیق معلق اعتاق یا عتق کے ساتھ تو پائی جائے گی اس کے بعد، پھر طلاق پائی جائے گی تطلیق کے بعد پس ہوگی طلاق مؤخر عتق سے

فَيُصَادِفُهَا وَهِيَ حُرَّةٌ فَلَا تَحْرُمُ حُرْمَةً غَلِيظَةً بِالثِّنْتَيْنِ . ﴿٦﴾ بَقِيَ شَيْءٌ

پس تطلیق لاحق ہوگی اس کو اس حال میں وہ آزاد ہوگی، اس لیے حرام نہ ہوگی حرمتِ غلیظہ کے ساتھ دو طلاقوں کی وجہ سے، باقی رہ گئی ایک چیز

وَهُوَ أَنَّ كَلِمَةَ مَعَ لِلْقِرَانِ . قُلْنَا : قَدْ تُذْكَرُ لِلتَّأَخُّرِ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا.

اور وہ یہ کہ کلمہ "مَعَ" قران کے لیے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کبھی ذکر کیا جاتا ہے تأخر کے لیے جیسے باری تعالیٰ کے ارشاد "فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ فَتُحْمَلُ عَلَيْهِ بِدَلِيلِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ مَعْنَى الشَّرْطِ . ﴿٧﴾ وَلَوْ قَالَ : إِذَا جَاءَ غَدٌ

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" پس حمل کیا جائے گا اس پر اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی یعنی شرط کا معنی۔ اور اگر کہا "جب آئے کل

فَأَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ وَقَالَ الْمَوْلَى : إِذَا جَاءَ غَدٌ فَأَنْتِ حُرَّةٌ فَجَاءَ الْغَدُ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ

تو تُو دو طلاق والی ہے" اور مولیٰ نے کہا "جب آئے کل تو تُو آزاد ہے" پس کل آیا تو حلال نہ ہوگی اس کے لیے یہاں تک کہ نکاح کرے

زَوْجًا غَيْرَهُ وَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ

دوسرے شوہر سے، اور اس کی عدت تین حیض ہے، اور یہ امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ اور فرمایا امام محمدؒ نے

يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ عَلَيْهَا ، [۸] لِأَنَّ الزَّوْجَ قَرَنَ الْإِيقَاعَ بِإِعْتَاقِ الْمَوْلَى

مالک ہوگا رجعت کا اس پر؛ کیونکہ شوہر نے ملا دیا ہے ایقاعِ طلاق کو اعتاقِ مولی کے ساتھ؛ کیونکہ اس نے معلق کیا ہے طلاق کو

الَّذِي عَلَّقَ بِهِ الْمَوْلَى الْعِتْقَ ، وَإِنَّمَا يَنْعَقِدُ الْمُعَلَّقُ سَبَبًا عِنْدَ الشَّرْطِ وَالْعِتْقُ يُقَارِنُ الْإِعْتَاقَ

جس کے ساتھ معلق کیا ہے مولی نے اعتاق کو، اور معلق منعقد ہوتا ہے سبب بن کر شرط کے وقت، اور عتق مقارن ہوتا ہے اعتاق کے

لِأَنَّهُ عِلَّتُهُ أَصْلُهُ الِاسْتِطَاعَةُ مَعَ الْفِعْلِ فَيَكُونُ التَّطْلِيقُ مُقَارِنًا لِلْعِتْقِ

کیونکہ اعتاق علت ہے عتق کی اس کی اصل استطاعت مع الفعل ہوتی ہے پس ہوگی تطلیق مقارن عتق کے

بَعْدَ الْعِتْقِ فَصَارَ كَالْمَسْأَلَةِ الْأُولَى وَلِهَذَا تُقَدَّرُ عِدَّتُهَا بِثَلَاثِ حِيَضٍ . [۹] وَلَهُمَا

عتق کے بعد پس ہو گیا یہ پہلے مسئلے کی طرح، اسی لیے مقدر کی جاتی ہے اس کی عدت تین حیض۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے معلق کیا

الطَّلَاقَ بِمَا عَلَّقَ بِهِ الْمَوْلَى الْعِتْقَ ثُمَّ الْعِتْقُ يُصَادِفُهَا وَهِيَ أَمَةٌ فَكَذَا

طلاق کو اس چیز پر کہ معلق کر دیا ہے اس پر مولی نے عتق کو، پھر عتق لاحق ہوتا ہے عورت کو اس حال میں کہ وہ باندی ہے، تو اسی طرح

وَالطَّلْقَتَانِ تُحَرِّمَانِ الْأَمَةَ حُرْمَةً غَلِيظَةً ، بِخِلَافِ الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى لِأَنَّهُ عَلَّقَ التَّطْلِيقَ بِإِعْتَاقِ

اور دو طلاقیں حرام کر دیتی ہیں باندی کو حرمتِ غلیظہ کے ساتھ، بخلاف مسئلۂ اولیٰ کے؛ کیونکہ اس نے معلق کر دیا ہے تطلیق کو اعتاقِ مولی کے ساتھ

فَيَقَعُ الطَّلَاقُ بَعْدَ الْعِتْقِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ ، وَبِخِلَافِ الْعِدَّةِ لِأَنَّهُ يُؤْخَذُ فِيهَا بِالِاحْتِيَاطِ ، وَكَذَا

پس واقع ہوگی طلاق عتق کے بعد جیسا کہ ہم نے ثابت کیا اس کو، اور بخلافِ عدت کے؛ کیونکہ عمل کیا جاتا ہے اس میں احتیاط پر، اور اسی طرح

الْحُرْمَةُ الْغَلِيظَةُ يُؤْخَذُ فِيهَا بِالِاحْتِيَاطِ ، [۱۰] وَلَا وَجْهَ إِلَى مَا قَالَ لِأَنَّ الْعِتْقَ لَوْ كَانَ يُقَارِنُ الْإِعْتَاقَ لِأَنَّهُ

حرمتِ غلیظہ ہے عمل کیا جاتا ہے اس میں احتیاط پر، اور کوئی دلیل نہیں اس کی جو امام محمدؒ نے کہا؛ کیونکہ عتق اگر مقارن ہے اعتاق کا کیونکہ وہ

عِلَّتُهُ فَالطَّلَاقُ يُقَارِنُ التَّطْلِيقَ لِأَنَّهُ عِلَّتُهُ فَيَقْتَرِنَانِ

اس کی علت بھی ہے، پس طلاق مقارن ہوگی تطلیق کے؛ کیونکہ تطلیق اس کی علت ہے پس وہ دونوں ایک دوسرے کے مقارن ہوں گے۔

خلاصہ:- مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں زوجین میں ایک کا دوسرے کے مالک ہو جانے سے فرقت کا حکم اور دلیل، اور بعد میں طلاق دینے کا حکم اور دلیل، اور ایک صورت میں امام محمدؒ کا اختلاف اور ان کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں اعتاق یا عتق پر معلق طلاق کی ایک صورت کا حکم بیان کیا ہے، درمیان میں یہ بتایا ہے کہ "مَعَ عِتْقِ" اعتاق اور عتق دونوں کو شامل ہے، پھر شرط کا معنی بتایا ہے

بتایا ہے کہ کسی تصرف کو شرط پر معلق کرنے کی صورت میں وہ تصرف بوقتِ تکلم تصرف نہ ہوگا بلکہ وجودِ شرط کے وقت وہ تصرف ہو جائے گا۔ اور نمبر ۶ میں ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۷ تا ۹ میں مولیٰ کا باندی کی آزادی اور شوہر کا اس کی دو طلاقوں کو کل کے آنے پر معلق کرنے کے حکم میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور آخر میں امام محمدؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر اپنی بیوی (جو کسی دوسرے کی باندی ہو) کا مالک ہو گیا یا اس کے کسی ایک جزء کا مالک ہو گیا۔ یا عورت اپنے شوہر (جو کسی دوسرے کا غلام ہو) کی مالکہ ہو گئی یا اس کے کسی ایک جزء کی مالکہ ہو گئی، تو ان دونوں صورتوں میں ان دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ مِلکِ نکاح اور مِلکِ یمین کے درمیان منافات ہے، لہٰذا مِلکِ یمین آتے ہی مِلکِ نکاح ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر عورت اپنے شوہر کی مالکہ ہو گئی تو مالکیت اور مملوکیت کا اجتماع ہو گیا کیونکہ مِلک نکاح کی وجہ سے عورت مملوکہ ہے اور ملک رقبہ کی وجہ سے مالکہ ہے اور مالکیت و مملوکیت میں منافات ہے جس سے دونوں میں نزاع پیدا ہو جاتا ہے پس دونوں میں مصالح نکاح کا انتظام نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا ان کے درمیان نکاح ختم ہو جائیگا۔

{۲} اور اگر شوہر اپنی بیوی کا مالک ہو گیا، تو چونکہ مِلکِ نکاح ضرورۃً ہے اس لئے کہ مِلکِ نکاح آزاد عورت پر ثابت ہوتی ہے اور آزاد عورت پر ملک کو ثابت کرنا خلاف قیاس ہے اور جو چیز خلافِ قیاس ثابت ہو وہ ضرورۃً ثابت ہوتی ہے پس جب زوج کے لئے مِلکِ رقبہ ثابت ہو گئی جو قوی ہے تو مِلکِ نکاح جو بنابر ضرورت ثابت تھی اس کی ضرورت نہیں رہے گی لہٰذا یہ ختم ہو جائیگی۔

{۳} پس اگر شوہر نے اپنی بیوی کو خرید لیا پھر اسے طلاق دیدی تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ وقوع طلاق مقتضی ہے کہ پہلے مردو عورت میں نکاح ہو جبکہ منافی (مِلکِ یمین) کے ساتھ نکاح کے لیے بقاء نہیں، نہ من وجہ (جیسے معتدہ کا نکاح) اور نہ من کل الوجہ (جیسے قائم نکاح) اور جب مِلکِ رقبہ ثابت ہونے کی وجہ سے نکاح باقی نہیں رہا، تو طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت شوہر کی مالکہ ہو گئی اب شوہر نے اسے طلاق دیدی تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ مالکیت اور مملوکیت میں منافات کی وجہ سے نکاح ختم ہو گیا اور جب نکاح نہیں رہا تو طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

{۴} امام محمدؒ سے مروی ہے کہ دوسری صورت (جب عورت شوہر کی مالکہ ہو جائے) میں اگر شوہر نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ اس صورت میں عورت پر عدت واجب ہے اس لیے ان میں نکاح من وجہ باقی ہے اور جب نکاح باقی ہے تو طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ برخلافِ پہلی صورت (جب مرد بیوی کا مالک ہو جائے) کے؛ کیونکہ اس صورت میں عورت پر اس کے

مالک (جو اس کا شوہر تھا) کے حق میں عدت واجب نہیں یعنی عدت کا اثر ظاہر نہ ہوگا حتی کہ اس مالک شوہر کے لیے مِلکِ یمین کی وجہ سے اس سے وطی کرنا جائز ہے، پس جب عدت واجب نہیں تو نکاح من وجہ بھی باقی نہیں اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

ف:۔ مندرجہ ذیل عبارت میں مصنفؒ نے اعتاق یا عتق پر معلق طلاق کی ایک صورت کا حکم بیان کیا ہے، درمیان میں یہ بتایا ہے کہ "مَعَ عِتْقِ" اعتاق اور عتق دونوں کو شامل ہے، پھر شرط کا معنی بتایا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ کسی تصرف کو شرط پر معلق کرنے کی صورت میں وہ تصرف بوقتِ تکلم تصرف نہ ہوگا بلکہ وجودِ شرط کے وقت وہ تصرف ہو جائے گا۔

{۵} اگر شوہر نے اپنی ایسی بیوی سے جو کسی دوسرے کی باندی ہے کہا "تو دو طلاق والی ہے تیرے مولیٰ کے تجھ کو آزاد کرنے کے بعد" پھر اس کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا تو وہ ان دو طلاقوں کی وجہ سے مغلظہ نہیں ہوگی بلکہ اب بھی زوج کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا؛ کیونکہ شوہر نے تطلیق (طلاق دینے) کو شرطِ اعتاق (جو مالک کا فعل ہے) یا شرطِ عتق (جو عورت کی صفت ہے) پر معلق کر دیا ہے؛ کیونکہ لفظِ "مَعَ عِتْقِ" ان دونوں (اعتاق اور عتق) کو شامل ہے لہٰذا یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ "تو دو طلاق والی ہے تیرے مولیٰ کے تجھ کو آزاد کرنے کے بعد" اور یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ "تو دو طلاق والی ہے تیرے مولیٰ سے تجھ کو آزادی حاصل ہونے کے بعد"۔ اور شرط وہ ہے جو بالفعل معدوم ہو اور اس کا موجود ہونا ممکن ہو، اور شرط کے ساتھ حکم کا تعلق ہو سکتا ہے۔ اور اس کلام میں مذکور شرط (آزاد کرنا یا آزادی حاصل ہونا) اسی صفت پر ہے کہ بالفعل معدوم ہے اور مولیٰ کی طرف سے اس کا حصول ممکن ہے، اور اس شرط کے ساتھ معلق تطلیق (طلاق دینا) ہے نہ کہ طلاق؛ کیونکہ ہمارے نزدیک تعلیقات (ایک چیز کو دوسری چیز پر معلق کرنا) میں تصرفِ قولی وجودِ شرط کے وقت تطلیق بن جاتا ہے بوقتِ تکلم تطلیق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا جب مولیٰ کی طرف سے آزادی حاصل ہوگی اس وقت شوہر کی طرف سے تطلیق (طلاق دینا) پائی جائے گی اور بوقتِ تکلم فقط قول ہے تطلیق نہیں۔ تو جب شوہر کی طرف سے تطلیق معلق اور مشروط ہے اعتاق یا عتق کے ساتھ، تو تطلیق اعتاق یا عتق کے بعد پائی جائے گی؛ کیونکہ مشروط شرط کے بعد ہوتا ہے، اور پھر تطلیق کے بعد طلاق پائی جائے گی؛ کیونکہ طلاق حکم ہے تطلیق کا اور شئی کا حکم مؤخر ہوتا ہے شئی سے، لہٰذا طلاق تطلیق اور عتق دونوں سے مؤخر ہوگی، پس طلاق عورت پر اس وقت واقع ہوگی جس وقت کہ وہ آزاد ہوگی، اور آزاد عورت دو طلاقوں سے مغلظہ نہیں ہوتی ہے اس لیے مذکورہ صورت میں زوج کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

{۶} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اشکال باقی ہے وہ یہ کہ لفظ "مَعَ" تو مقارنت کے معنی میں ہے جبکہ آپ نے اس کا معنی "بعد" سے کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ لفظِ "مَعَ" بعد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

﴿۹﴾ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے دو طلاقوں کو اس چیز (مجئ غد) کے ساتھ معلق کیا ہے جس کے ساتھ مولی نے عتق کو معلق کیا ہے پھر عتق اس عورت کو لگے گا اس حال میں کہ وہ باندی ہے تو طلاقیں بھی اس کو باندی ہونے کی حالت میں لگیں گی ،اور باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہو جاتی ہے ،اس لیے یہ عورت دوسرے شخص سے حلالہ کرائے بغیر شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ برخلافِ پہلے مسئلہ کے کہ اس میں تطلیق کو اعتاق پر معلق کیا ہے تو اعتاق شرط اور تطلیق جزاء ہے اور جزاء شرط کے بعد واقع ہوتی ہے تو تطلیق عتق کے بعد ہوگی؛ کیونکہ عتق اور اعتاق میں مقارنت ہے اور تطلیق اعتاق کے بعد ہے تو عتق کے بھی بعد ہوگی اور جب تطلیق عتق کے بعد ہے تو طلاق بھی عتق کے بعد ہوگی ،اور عتق کے بعد دو طلاقوں سے عورت مغلظہ نہیں ہوتی ہے۔اور برخلافِ عدت کے ؛کیونکہ عدت میں احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے اور احتیاط تین حیض واجب کرنے میں ہے نہ کہ دو حیض واجب کرنے میں۔اسی طرح حرمتِ غلیظہ میں بھی احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے لہٰذا احتیاط کا تقاضایہ ہے کہ یہ عورت دو طلاقوں سے حرام بحرمتِ غلیظہ ہو۔

﴿۱۰﴾ باقی امام محمدؒ کی دلیل اس لیے صحیح نہیں کہ جیسا کہ عتق مقارن ہے اعتاق کے ساتھ ؛کیونکہ اعتاق عتق کی علت ہے ،اسی طرح طلاق مقارن ہے تطلیق کے ساتھ؛ کیونکہ تطلیق طلاق کی علت ہے، پس جس طرح کہ اعتاق اور تطلیق میں مقارنت ہے اسی طرح عتق اور طلاق میں بھی مقارنت ہوگی، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ عتق طلاق سے مقدم ہے اس لیے دو طلاقوں سے یہ عورت مغلظہ نہ ہوگی۔

فتویٰ:۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد:والراجح قولهما وادعى بعض العلماء الاتفاق عليه وبعضهم اثبت خلاف محمد، واما استدلال صاحب الهداية لقول محمد استدلال ضعيف لايليق بشان الامام الجليل بل هذا استدلال من المشائخ من انفسهم(هامش الهداية:۲/۳۴۷)

فَصْلٌ فِي تَشْبِيهِ الطَّلَاقِ وَوَصْفِهِ

یہ فصل تشبیہ طلاق اور وصفِ طلاق میں ہے

مصنف نے اس سے پہلے اصل طلاق اور انواع طلاق کو بیان فرمایا، اب یہاں سے وصفِ طلاق کو بیان فرماتے ہیں وجہ تاخیر یہ ہے کہ وصف اصل کا تابع ہوتا ہے اس لیے ذکر میں بھی وصف کو مؤخر کر دیا۔

{۱} وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا يُشِيرُ بِالْإِبْهَامِ وَالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى فَهِيَ ثَلَاثٌ
اور جس نے کہا اپنی بیوی سے "تو طلاق والی ہے اتنی" اشارہ کرتے ہوئے انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور درمیان انگلی سے، تو یہ تین طلاق ہیں

لِأَنَّ الْإِشَارَةَ بِالْأَصَابِعِ تُفِيدُ الْعِلْمَ بِالْعَدَدِ فِي مَجْرَى الْعَادَةِ إِذَا اقْتَرَنَتْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ، قَالَ ﷺ {الشَّهْرُ هٰكَذَا
کیونکہ انگلیوں کا اشارہ فائدہ دیتا ہے علم بالعدد کا عادۃً جب وہ متصل ہو عددِ مبہم کے ساتھ؛ حضور ﷺ نے فرمایا "مہینہ اتنے

وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا} الْحَدِيثَ ، وَإِنْ أَشَارَ بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ ، وَإِنْ أَشَارَ بِثِنْتَيْنِ فَهِيَ ثِنْتَانِ لِمَا
اتنے اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے" الحدیث، اور اگر اشارہ کیا ایک انگلی سے تو وہ ایک ہوگی، اور اگر اشارہ کیا دو سے تو وہ دو ہیں اس دلیل کی وجہ سے

قُلْنَا، {۲} وَالْإِشَارَةُ تَقَعُ بِالْمَنْشُورَةِ مِنْهَا ، وَقِيلَ : إِذَا أَشَارَ بِظُهُورِهَا فَبِالْمَضْمُومَةِ مِنْهَا،
جو ہم نے کہا۔ اور اشارہ واقع ہوتا ہے کھلی ہوئی سے انگلیوں میں سے، اور کہا گیا ہے کہ جب اشارہ کرے انگلیوں کی پشت سے تو بند انگلی سے واقع ہوگی

وَإِذَا كَانَ تَقَعُ الْإِشَارَةُ بِالْمَنْشُورَةِ مِنْهَا فَلَوْ نَوَى الْإِشَارَةَ بِالْمَضْمُومَتَيْنِ يُصَدَّقُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً،
اور جب واقع ہوتا ہے اشارہ کھلی ہوئی انگلیوں سے تو اگر شوہر نے نیت کی بند انگلیوں سے اشارہ کی تو تصدیق کی جائے گی دیانۃً نہ قضاءً۔

وَكَذَا إِذَا نَوَى الْإِشَارَةَ بِالْكَفِّ حَتَّى يَقَعَ فِي الْأُولَى ثِنْتَانِ دِيَانَةً ، وَفِي الثَّانِيَةِ وَاحِدَةٌ لِأَنَّهُ
اور اسی طرح جب نیت کرے ہتھیلی سے اشارہ کی حتی کہ واقع ہوں گی پہلی صورت میں دو دیانۃً، اور دوسری صورت میں ایک؛ کیونکہ یہ

يَحْتَمِلُهُ لٰكِنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ ، {۳} وَلَوْ لَمْ يَقُلْ هٰكَذَا تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَقْتَرِنْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ
محتمل ہے اس کی نیت کا، لیکن خلافِ ظاہر ہے، اور اگر "هٰكَذَا" نہ کہا تو واقع ہو جائے گی ایک؛ کیونکہ وہ مقارن نہیں ہے عددِ مبہم کے ساتھ

فَبَقِيَ الِاعْتِبَارُ بِقَوْلِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ {۴} وَإِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِنَ الشِّدَّةِ أَوِ الزِّيَادَةِ كَانَ بَائِنًا مِثْلُ أَنْ يَقُولَ
پس باقی رہا اعتبار اس کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ" کا۔ اور جب متصف کرے طلاق کو ایک گونہ شدت یا زیادتی کے ساتھ تو ہوگی بائن جیسا کہ کہے

أَنْتِ بَائِنٌ أَوْ الْبَتَّةَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَقَعُ رَجْعِيًّا إِذَا كَانَ بَعْدَ الدُّخُولِ بِهَا لِأَنَّ الطَّلَاقَ شُرِعَ
"أَنْتِ بَائِنٌ أَوْ الْبَتَّةَ" اور فرمایا امام شافعیؒ نے واقع ہو جائے گی رجعی جب ہو اس کے ساتھ دخول کے بعد؛ کیونکہ طلاق مشروع کی گئی ہے

مُعَقِّبًا لِلرَّجْعَةِ فَكَانَ وَصْفُهُ بِالْبَيْنُونَةِ خِلَافَ الْمَشْرُوعِ فَيَلْغُو كَمَا إِذَا قَالَ:

اس حال میں کہ اس کے بعد رجعت ہو پس اس کو متصف کرنا بینونت کے ساتھ خلافِ مشروع ہے اس لیے لغو ہوگا جیسا کہ جب کہے

أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ لَا رَجْعَةَ لِي عَلَيْكِ . ﴿۵﴾وَلَنَا أَنَّهُ وَصَفَهُ بِمَا

"تو طلاق ہے اس شرط پر کہ رجعت کا حق نہیں میرے لیے تجھ پر" اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے متصف کیا ہے طلاق کو ایسی چیز کے ساتھ

يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ الْبَيْنُونَةَ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَبَعْدَ الْعِدَّةِ تَحْصُلُ بِهِ فَيَكُونُ هَذَا الْوَصْفُ

جس کا احتمال رکھتا ہے اس کا لفظ، کیا تو نہیں دیکھتے کہ بینونت قبل الدخول اور بعد العدۃ سے حاصل ہوتی ہے لفظِ تطلیق سے، پس ہوگا یہ وصف

لِتَعْيِينِ أَحَدِ الْمُحْتَمَلَيْنِ ،﴿۶﴾وَمَسْأَلَةُ الرَّجْعَةِ مَمْنُوعَةٌ فَتَقَعُ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ أَوْ نَوَى الثِّنْتَيْنِ،

دو احتمالات میں سے ایک کو متعین کرنے کے لیے، اور مسئلہ رجعت تسلیم نہیں پس واقع ہوگی ایک بائن جب نہ ہو اس کے لیے کوئی نیت یا نیت کی ہو دو کی

أَمَّا إذَا نَوَى الثَّلَاثَ فَثَلَاثٌ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ ،﴿۷﴾وَلَوْ عَنَى بِقَوْلِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً

اور جب نیت کی ہو تین کی تو تین ہوں گی اس دلیل کی وجہ سے جو گذر چکی اس سے پہلے، اور اگر اس نے مراد لی اپنے قول "أَنْتِ طَالِقٌ" سے ایک

وَبِقَوْلِهِ بَائِنٌ أَوْ أَلْبَتَّةَ أُخْرَى تَقَعُ تَطْلِيقَتَانِ بَائِنَتَانِ لِأَنَّ هَذَا الْوَصْفَ يَصْلُحُ لِابْتِدَاءِ الْإِيقَاعِ﴿۸﴾ وَكَذَا إذَا قَالَ

اور اپنے "بَائِنٌ" یا "أَلْبَتَّةَ" سے دوسری، تو واقع ہو جائیں گی دو بائن؛ کیونکہ یہ وصف صلاحیت رکھتا ہے ابتداءِ ایقاع کی، اسی طرح جب کہے

أَنْتِ طَالِقٌ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ لِأَنَّهُ إنَّمَا يُوصَفُ بِهَذَا الْوَصْفِ بِاعْتِبَارِ أَثَرِهِ وَهُوَ الْبَيْنُونَةُ فِي الْحَالِ فَصَارَ

"أَنْتِ طَالِقٌ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ"؛ کیونکہ متصف کیا جاتا ہے اس وصف کے ساتھ اس کے اثر کے اعتبار سے اور وہ بینونت ہے فی الحال، پس ہو گیا

كَقَوْلِهِ بَائِنٌ ، وَكَذَا إذَا قَالَ أَخْبَثَ الطَّلَاقِ أَوْ أَسْوَأَهُ لِمَا ذَكَرْنَا ،﴿۹﴾وَكَذَا إذَا قَالَ

جیسے اس کا قول "بَائِنٌ" اسی طرح جب شوہر کہے "أَخْبَثَ الطَّلَاقِ" یا "أَسْوَأَ الطَّلَاقِ" اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی، اسی طرح جب کہے

طَلَاقَ الشَّيْطَانِ أَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ لِأَنَّ الرَّجْعِيَّ هُوَ السُّنِّيُّ فَيَكُونُ قَوْلُهُ : الْبِدْعَةَ وَطَلَاقَ الشَّيْطَانِ بَائِنًا.

"طَلَاقَ الشَّيْطَانِ" یا "طَلَاقَ الْبِدْعَةِ" کیونکہ رجعی ہی سنت ہے پس اس کا قول طلاقِ بدعت یا طلاقِ شیطان بائن ہوگا

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي قَوْلِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَةِ أَنَّهُ لَا يَكُونُ بَائِنًا إلَّا بِالنِّيَّةِ لِأَنَّ الْبِدْعَةَ قَدْ تَكُونُ

اور امام ابو یوسفؒ سے شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَةِ" کے بارے میں روایت ہے کہ نہ ہوگا بائن مگر نیت سے؛ کیونکہ بدعت کبھی ہوتی ہے

مِنْ حَيْثُ الْإِيقَاعُ فِي حَالَةِ حَيْضٍ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ . ﴿۱۰﴾وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ إذَا قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَةِ أَوْ

حالتِ حیض میں واقع کرنے کے اعتبار سے پس ضروری ہے نیت، اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ جب شوہر کہے "أَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَةِ" یا

طَلَاقَ الشَّيْطَانِ يَكُونُ رَجْعِيًّا لِأَنَّ هَذَا الْوَصْفَ قَدْ يَتَحَقَّقُ بِالطَّلَاقِ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ فَلَا تَثْبُتُ الْبَيْنُونَةُ بِالشَّكِّ

"طَلَاقَ الشَّيْطَانِ" تو ہوگی رجعی؛ کیونکہ یہ وصف متحقق ہوتا ہے حالتِ حیض میں طلاق سے بھی، پس ثابت نہ ہوگی بینونت شک کی وجہ سے۔

{۱۱}وَكَذَا إِذَا قَالَ: كَالْجَبَلِ لِأَنَّ التَّشْبِيهَ بِهِ يُوجِبُ زِيَادَةً لَامَحَالَةَ وَذَلِكَ بِإِثْبَاتِ زِيَادَةِ الْوَصْفِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ:
اسی طرح جب کہے "كَالْجَبَلِ"؛ کیونکہ پہاڑ کے ساتھ تشبیہ واجب کر دیتی ہے زیادتی کو لامحالہ، اور زیادتی وصف سے ہو گا، اسی طرح جب کہے

مِثْلَ الْجَبَلِ لِمَا قُلْنَا، {۱۲}وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَكُونُ رَجْعِيًا لِأَنَّ الْجَبَلَ شَيْءٌ وَاحِدٌ فَكَانَ تَشْبِيهًا
"مِثْلَ الْجَبَلِ" اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور فرمایا امام ابو یوسف نے کہ رجعی ہو گی؛ کیونکہ جبل شی واحد ہے، پس ہو گی تشبیہ

بِهِ فِي تَوَحُّدِهِ
اس کے ساتھ ایک ہونے میں۔

خلاصہ: مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا انگلیوں سے طلاق کی تعداد کی طرف اشارہ کرنے مختلف صورتوں کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ تا ۶ میں طلاق کو زیادت یا شدت کے ساتھ متصف کرنے کے حکم میں احناف اور شوافع کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور آخر میں امام شافعی کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۷ میں شوہر کا "أَنْتِ طَالِقٌ" سے ایک طلاق اور "بائن یا البتۃ" سے دوسری طلاق کی نیت کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ" یا "أَنْتِ طَالِقٌ أَخْبَثَ الطَّلَاقِ" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹و۱۰ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ" یا "أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ" کے حکم میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۱و۱۲ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ كَالْجَبَلِ" کے حکم میں امام صاحب اور امام ابو یوسف کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح: {۱} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "تو اتنی طلاق والی ہے" اور اشارہ کیا انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے، تو اسے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی؛ کیونکہ انگلیوں سے اشارہ کرنا جب عددِ مبہم کے ساتھ مقترن ہو تو یہ شرعاً وعرفاً علم بالعدد کا فائدہ دیتا ہے یعنی جتنی انگلیوں سے اشارہ کیا ہے اتنا ہی عدد مراد ہو گا، جیسا کہ پیغمبر ﷺ کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ یہ بتانے کے لیے کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے فرمایا: "الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا"[۱] جس میں پہلی دو مرتبہ میں دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور تیسری مرتبہ میں دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں میں سے ایک انگوٹھے کو بند کر دیا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے۔ اور اگر شوہر نے ایک انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "تو اتنی طلاق والی ہے" تو ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو دو طلاق واقع ہوں گی؛ دلیل وہی ہے جو اوپر گزر چکی۔

(۱) صحيح البخاري: ۱، ص۲۵۷، رقم: ۱۹۱۳، باب قول النبي ﷺ لا نكتب ولا نحسب، ط مكتبه رحمانيه لاهور.

﴿۲﴾ پھر طلاق کے عدد میں کھلی ہوئی انگلیوں کا اعتبار ہے یعنی جتنی انگلیاں کھلی ہوں اتنا عدد مراد ہوگا۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر انگلیوں کی پشت سے اشارہ کیا تو بند انگلیوں سے اشارہ کا اعتبار ہوگا؛ کیونکہ عادت یہی ہے کہ ایسی صورت میں بند انگلیوں سے اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور جب اشارہ کھلی ہوئی انگلیوں سے ہوتا ہے تو اگر کسی نے دو بند انگلیوں سے اشارہ کی نیت کرلی تو دیانۃً (فیمابینہ وبین اللہ) تو اس کی تصدیق کی جائیگی مگر قضاءً (قاضی کی عدالت میں) اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح بعض انگلیوں کو بند اور بعض کو کھلا رکھنے کی صورت میں اگر ہتھیلی سے اشارہ کا قصد کیا تو بھی دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے، مگر قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی، لہٰذا پہلی صورت (جب دو بند انگلیوں سے اشارہ کی نیت کرے) میں دیانۃً دو طلاق واقع ہوں گی، اور دوسری صورت (جب ہتھیلی سے اشارہ کی نیت کرے) میں دیانۃً ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ مذکورہ کلام بند انگلیوں اور ہتھیلی سے اشارہ کرنے کا احتمال رکھتا ہے لیکن چونکہ خلافِ ظاہر ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ اگر کلام کسی معنی کا احتمال رکھتا ہو اور وہ خلافِ ظاہر ہو تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی مگر قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی کذافی شرح التنویر (وَتُعْتَبَرُ الْمَنْشُورَةُ) لَا الْمَضْمُومَةُ إلَّا دِيَانَةً كَكَفٍّ. قال ابن عابدين(قَوْلُهُ كَكَفٍّ) يَعْنِي إذَا نَوَى الْكَفَّ صُدِّقَ دِيَانَةً وَوُقِفَتْ عَلَيْهِ وَاحِدَةٌ، لِأَنَّ الْكَفَّ وَاحِدَةٌ

(الدّرالمختارمع الشامية:۲/۴۸۵)

﴿۳﴾ اور اگر شوہر نے تین انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ" مگر اس کے بعد "هَكَذَا" نہ کہا تو ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ اشارہ عددِ مبہم (هَكَذَا) کے ساتھ متصل نہیں ہے، لہٰذا فقط "أَنْتِ طَالِقٌ" کا اعتبار رہا جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ اگر زوج نے طلاق کو کسی زیادت یا شدت کے وصف کے ساتھ متصف کیا تو یہ طلاق بائن ہوگی مثلاً کہا "أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ" (تو بائنہ طلاق والی ہے) یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ أَلْبَتَّةَ" (تو طلاق ہے قاطع رجعت والی طلاق سے)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دخول کے بعد ہے تو رجعی طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ صریح طلاق اس طرح مشروع کی گئی ہے کہ اپنے بعد رجعت لانے والی ہو پس حق رجعت کو ختم کرتے ہوئے اسے وصفِ بینونت کے ساتھ متصف کرنا خلافِ مشروع ہے، اس لیے یہ وصف لغو ہوگا اور یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی اپنی بیوی سے کہے "أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ لَا رَجْعَةَ لِي عَلَيْكِ" (تجھ کو طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے تجھ پر رجعت کا حق نہ ہو) حالانکہ صریح طلاق حقِ رجعت کے ساتھ مشروع کی گئی ہے تو شوہر کا حقِ رجعت کو ختم کرنا خلافِ مشروع ہے اس لیے اس کا یہ کہنا لغو ہے اور اس کو رجعت کا حق ہوگا، اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں بھی شوہر کو رجعت کا حق ہوگا۔

{۵}ہماری دلیل یہ ہے کہ ان مثالوں میں زوج نے طلاق کو ایک ایسے زائد وصف کے ساتھ متصف کیا ہے جس کا لفظِ طلاق احتمال بھی رکھتا ہے یعنی اس نے طلاق کو ایسی چیز (یعنی بینونت) کے ساتھ متصف کیا ہے جس کا لفظِ طلاق (أَنتِ طَالِقٌ) احتمال رکھتا ہے اس لئے کہ قبل الدخول "أَنتِ طَالِقٌ" کہنے سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اسی طرح بعد الدخول "أَنتِ طَالِقٌ" کہنے سے عدت گذرنے کے بعد طلاق بائن واقع ہوتی ہے پس یہ وصف (وصفِ بائن اور وصفِ البتۃ) دو احتمالوں (بائن اور رجعی) میں سے ایک کے تعین کے لیے ہے تغییرِ مشروع کے لیے نہیں ہے، اس لئے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

{۶}امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ "أَنتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ لَا رَجْعَةَ لِي عَلَيْكِ" کہنے سے حقِ رجعت ختم نہیں ہوتا ہے ہمیں تسلیم نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اگر شوہر نے کوئی نیت نہ کی ہو یا دو طلاقوں کی نیت کی ہو تو ان دونوں صورتوں میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور اگر تین کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ دلیل "باب ایقاع الطلاق" گذر چکی ہے کہ اس میں فردِ حقیقی (ایک طلاق) اور فردِ حکمی (تین طلاق) دونوں کا احتمال ہے لہذا دونوں میں سے جس کی نیت کرے صحیح ہے۔

{۷}اور اگر شوہر نے "أَنتِ طَالِقٌ" سے ایک طلاق کی نیت کی اور "بائن یاالبتۃ" سے دوسری طلاق کی نیت کی، تو دو طلاق بائن واقع ہوں گی؛ کیونکہ ان دو الفاظ سے ابتداءً طلاق واقع کی جاسکتی ہے چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أَنتِ بَائِنٌ" یا "أَنتِ البَتَّةَ" اور طلاق کی نیت کی تو بائن طلاق واقع ہو جائے گی، ایسا ہی یہاں بھی ان سے بائن طلاق واقع ہوگی۔

{۸}اسی طرح اگر شوہر نے کہا "أَنتِ طَالِقٌ أَفحَشَ الطَّلَاقِ" (تو فحش طلاق والی ہے) تو بھی ایک بائن طلاق یا تین طلاقیں، یا اول جملہ سے ایک طلاق اور اس وصف سے دوسری طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ طلاق کو وصفِ فحش کے ساتھ اس کے اثر کے اعتبار سے متصف کیا گیا ہے اس کی ذات کے اعتبار نہیں؛ کیونکہ ذاتِ طلاق غیر محسوس ہے، اور وہ اثر طلاق کا فی الحال بائن ہونا ہے، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ وصفِ بائن کے ساتھ متصف کرنا، لہذا اس سے فی الحال طلاقِ بائن واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا "أَنتِ طَالِقٌ أَخبَثَ الطَّلَاقِ" (تو سب سے خبیث طلاق والی ہے) یا "أَنتِ طَالِقٌ أَسْوَءَ الطَّلَاقِ" (تو سب سے بری طلاق والی ہے) تو بھی وہی حکم ہے جو فحش طلاق کا ہے اور دلیل بھی وہی ہے۔

{۹}اسی طرح اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنتِ طَالِقٌ طَلَاقَ الشَّيطَانِ" یا "أَنتِ طَالِقٌ طَلَاقَ البِدْعَةِ" (تو طلاق ہے شیطان والی طلاق سے یا تجھ پر طلاقِ بدعت ہو) تو بھی ایک بائن طلاق یا تین طلاقیں، یا اول جملہ سے ایک طلاق اور اس وصف سے دوسری طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ طلاق رجعی تو سنی طلاق ہے لہذا طلاق شیطان یا طلاق بدعت بائن ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أنتِ طالِقٌ طلاقَ البِدْعَةِ" تو یہ نیتِ بینونت کے بغیر بائن نہ ہوگی؛ کیونکہ طلاقِ بدعت میں دو معانی کا احتمال ہے، ایک بدعت باعتبارِ بینونت کے اور دوسرا بدعت حالتِ حیض میں واقع کرنے کے اعتبار سے، اور قاعدہ ہے کہ لفظ جب دو مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہو تو کسی ایک کو مراد لینے کے لیے اس کی نیت کرنا ضروری ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بینونت میں شک ہوا، اس لیے نیتِ بینونت کے بغیر طلاق بائن نہ ہوگی۔

﴿۱۰﴾ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مذکورہ دونوں جملوں (أنتِ طالِقٌ طلاقَ الشَّيْطانِ" یا "أنتِ طالِقٌ طلاقَ البِدْعَةِ) سے طلاقِ رجعی واقع ہوگی؛ دلیل وہی ہے جو امام ابو یوسفؒ کی ہے کہ طلاقِ بدعت و طلاقِ شیطان میں دو معانی کا احتمال ہے، ایک بدعت اور شیطانی طلاق ہونا باعتبارِ بینونت کے اور دوسرا بدعت اور شیطانی طلاق ہونا حالتِ حیض میں واقع کرنے کے اعتبار سے، اور قاعدہ ہے کہ لفظ جب دو مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہو تو کسی ایک کو مراد لینے کے لیے اس کی نیت کرنا ضروری ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بینونت میں شک ہوا، اس لیے نیتِ بینونت کے بغیر طلاق بائن نہ ہوگی۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الشامیة: لَكِنْ فِي الْهِدَايَةِ ذَكَرَ أَوَّلًا وُقُوعَ الْبَائِنِ ثُمَّ ذَكَرَ مَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ، ثُمَّ قَالَ: وَعَنْ مُحَمَّدٍ يَكُونُ رَجْعِيًّا، فَعُلِمَ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ أَوَّلًا قَوْلُ الْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ. (ردّالمحتار: ۲/۴۸۷)

﴿۱۱﴾ اسی طرح اگر شوہر نے کہا "أنتِ طالِقٌ كَالْجَبَلِ" (تجھے پہاڑ جیسی طلاق ہے) تو بھی طلاق بائن واقع ہوگی؛ کیونکہ پہاڑ سے تشبیہ دینے سے زیادتی ثابت ہوتی ہے پھر زیادتی کی دو صورتیں ہیں من حیث العدد اور من حیث الوصف، من حیث العدد زیادتی تو نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ پہاڑ میں تعدد نہیں لہٰذا زیادتی من حیث الوصف مراد ہے اور من حیث الوصف زیادتی طلاق بائن ہے لہٰذا طلاق بائن واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا "أنتِ طالِقٌ مِثْلَ الْجَبَلِ" تو بھی طلاقِ بائن واقع ہوگی؛ دلیل وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔

﴿۱۲﴾ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ طلاقِ رجعی واقع ہوگی؛ کیونکہ پہاڑ شئی واحد ہے، پس پہاڑ کے ساتھ تشبیہ اس کے ایک ہونے میں ہے یعنی جس طرح کہ پہاڑ ایک ہے اسی طرح تجھے طلاق بھی ایک ہو، لہٰذا اس سے لازم نہیں آتا کہ طلاق بائن ہو۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی فتح القدیر: قُلْنَا الْمَعْرُوفُ الَّذِي هُوَ كَالصَّرِيحِ أَنَّ التَّشْبِيهَ بِالْجَبَلِ إنَّمَا يُرَادُ فِي الثِّقَلِ أَوْ الْعِظَمِ فَيَثْبُتُ الْمُشْتَهِرُ قَضِيَّةً لِلَّفْظِ وَتَتَوَقَّفُ الْوَحْدَةُ عَلَى النِّيَّةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى، أَمَّا الْقَاضِي فَلَا يُصَدِّقُهُ فِيهَا. (فتح القدیر: ۳/۳۸۹)

{۱} وَلَوْ قَالَ لَهَا : أَنْتِ طَالِقٌ أَشَدَّ الطَّلَاقِ أَوْ كَأَلْفٍ أَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ ثَلَاثًا

اور اگر کہا بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ أَشَدَّ الطَّلَاقِ" یا "كَأَلْفٍ" یا "مِلْءَ الْبَيْتِ" تو ایک بائن طلاق ہوگی مگر یہ کہ نیت کرے تین کی،

أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّهُ وَصَفَهُ بِالشِّدَّةِ وَهُوَ الْبَائِنُ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الِانْتِقَاضَ وَالِارْتِفَاضَ،

بہر حال اول تو وہ اس لیے کہ شوہر نے متصف کیا ہے شدت کے ساتھ اور وہ بائن ہے؛ اس لیے کہ احتمال نہیں رکھتی ہے بائن ٹوٹنے اور چھوٹنے کا

أَمَّا الرَّجْعِيُّ فَيَحْتَمِلُهُ ،{۲} وَإِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ لِذِكْرِهِ الْمَصْدَرَ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ

رہی رجعی تو وہ احتمال رکھتی ہے اس کا، اور صحیح ہے تین کی نیت بوجہ شوہر کے ذکر کرنے کے مصدر کو۔ رہا ثانی تو وہ اس لیے کہ

قَدْ يُرَادُ بِهَذَا التَّشْبِيهِ فِي الْقُوَّةِ تَارَةً وَفِي الْعَدَدِ أُخْرَى ، يُقَالُ هُوَ كَأَلْفِ رَجُلٍ وَيُرَادُ بِهِ الْقُوَّةُ فَتَصِحُّ

کبھی مراد لی جاتی ہے اس سے تشبیہ فی القوۃ، اور کبھی تشبیہ فی العدد، کہا جاتا ہے "هُوَ كَأَلْفِ رَجُلٍ" اور مراد لی جاتی ہے اس سے قوۃ، پس صحیح ہے

نِيَّةُ الْأَمْرَيْنِ ، وَعِنْدَ فُقْدَانِهَا يَثْبُتُ أَقَلُّهُمَا . {۳} وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَقَعُ الثَّلَاثُ عِنْدَ

نیت دونوں امروں کی، اور بوقتِ فقدانِ نیت ثابت ہوگا دونوں امروں میں سے اقل، اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ واقع ہوں گی تین بوقتِ

عَدَمِ النِّيَّةِ لِأَنَّهُ عَدَدٌ فَيُرَادُ بِهِ التَّشْبِيهُ فِي الْعَدَدِ ظَاهِرًا فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ كَعَدَدِ أَلْفٍ، {۴} وَأَمَّا الثَّالِثُ

عدم نیت؛ کیونکہ الف عدد ہے پس مراد ہوگی اس سے تشبیہ فی العدد ظاہر میں، پس ہو گیا جیسا کہ جب کہے "أَنْتِ طَالِقٌ كَعَدَدِ أَلْفٍ"۔ رہا تیسرا

فَلِأَنَّ الشَّيْءَ قَدْ يَمْلَأُ الْبَيْتَ لِعِظَمِهِ فِي نَفْسِهِ وَقَدْ يَمْلَؤُهُ لِكَثْرَتِهِ ، فَأَيُّ ذَلِكَ نَوَى

تو وہ اس لیے کہ شی کبھی بھر دیتی ہے بیت کو بذاتِ خود بڑی ہونے کی وجہ سے اور کبھی بھر دیتی ہے اس کو اپنی کثرت کی وجہ سے، پس جس کی

صَحَّتْ نِيَّتُهُ ،وَعِنْدَ انْعِدَامِ النِّيَّةِ يَثْبُتُ الْأَقَلُّ . {۵} ثُمَّ الْأَصْلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ مَتَى

نیت کرے صحیح ہوگی اس کی نیت، اور انعدام نیت کے وقت ثابت ہوگا اقل، پھر اصل امام صاحبؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اس نے جب

شَبَّهَ الطَّلَاقَ بِشَيْءٍ يَقَعُ بَائِنًا : أَيَّ شَيْءٍ كَانَ الْمُشَبَّهُ بِهِ ذَكَرَ الْعِظَمَ أَوْ لَمْ يَذْكُرْ لِمَا

تشبیہ دی طلاق کو کسی شی کے ساتھ تو واقع ہو جائے گی بائن، جو بھی چیز ہو مشبہ بہ، خواہ ذکر کرے لفظ عظم کو یا ذکر نہ کرے اس دلیل کی وجہ سے

مَرَّ أَنَّ التَّشْبِيهَ يَقْتَضِي زِيَادَةَ وَصْفٍ. وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ إِنْ ذَكَرَ الْعِظَمَ يَكُونُ بَائِنًا وَإِلَّا فَلَا أَيَّ شَيْءٍ كَانَ الْمُشَبَّهُ بِهِ

جو گذر گئی کہ تشبیہ تقاضا کرتی ہے زیادتی وصف کا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ذکر کیا لفظ عظم کو تو ہوگی بائن ورنہ نہیں، جو بھی چیز ہو مشبہ بہ

لِأَنَّ التَّشْبِيهَ قَدْ يَكُونُ فِي التَّوْحِيدِ عَلَى التَّجْرِيدِ .أَمَّا ذِكْرُ الْعِظَمِ فَلِلزِّيَادَةِ لَا مَحَالَةَ.

کیونکہ تشبیہ کبھی ایک ہونے میں ہوتی ہے عظمت کے معنی سے خالی کر کے، بہر حال عظم کا ذکر تو وہ زیادتی کے لیے ہوتی ہے لامحالہ،

وَعِنْدَ زُفَرَ إِنْ كَانَ الْمُشَبَّهُ بِهِ مِمَّا يُوصَفُ بِالْعِظَمِ عِنْدَ النَّاسِ يَقَعُ بَائِنًا وَإِلَّا فَهُوَ رَجْعِيٌّ .وَقِيلَ

اور امام زفرؒ کے نزدیک اگر مشبہ بہ ایسی ہو کہ متصف کی جاتی ہو عظم کے ساتھ لوگوں کے نزدیک تو واقع ہوگی بائن ورنہ واقع ہوگی رجعی، اور کہا گیا ہے

مُحَمَّدٌ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ وَقِيلَ مَعَ أَبِي يُوسُفَ . {۶}وَبَيَانُهُ فِي قَوْلِهِ مِثْلَ رَأْسِ الْإِبْرَةِ مِثْلَ عِظَمِ

کہ امام محمدؒ امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں اور کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں، اور اس کا ثمرہ اس کے قول "مِثْلَ رَأْسِ الْإِبْرَةِ مِثْلَ عِظَمِ

رَأْسِ الْإِبْرَةِ وَمِثْلَ الْجَبَلِ مِثْلَ عِظَمِ الْجَبَلِ {۷} وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً أَوْ عَرِيضَةً أَوْ طَوِيلَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ

رَأْسِ الْإِبْرَةِ وَمِثْلَ الْجَبَلِ مِثْلَ عِظَمِ الْجَبَلِ" میں ہوگا۔ اور اگر کہا "تجھے شدید طلاق ہے یا عریض یا طویل طلاق ہے" تو یہ ایک بائن طلاق ہوگی

لِأَنَّ مَا لَا يُمْكِنُ تَدَارُكُهُ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَهُوَ الْبَائِنُ ؛ وَمَا يَصْعُبُ تَدَارُكُهُ يُقَالُ : لِهَذَا الْأَمْرِ طُولٌ وَعَرْضٌ .

کیونکہ جس کا تدارک ممکن نہ ہو وہ سخت ہوگی شوہر پر اور وہ بائن ہے، اور جس کا دشوار ہو تدارک اس کو کہا جاتا ہے کہ "یہ کام لمبا چوڑا ہے"۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَقَعُ بِهَا رَجْعِيَّةٌ لِأَنَّ هَذَا الْوَصْفَ لَا يَلِيقُ بِهِ فَيَلْغُو . {۸}وَلَوْ نَوَى الثَّلَاثَ

اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ واقع ہوگی اس سے رجعی؛ کیونکہ یہ وصف لائق نہیں طلاق کے، پس لغو ہوگا، اور اگر نیت کی تین کی

فِي هَذِهِ الْفُصُولِ صَحَّتْ نِيَّتُهُ لِتَنَوُّعِ الْبَيْنُونَةِ عَلَى مَا مَرَّ وَالْوَاقِعُ بِهَا بَائِنٌ .

ان صورتوں میں تو صحیح ہوگی اس کی نیت بوجہ منقسم ہونے بینونت کے جیسا کہ گزر چکا اور واقع ہونے والی ان الفاظ سے بائن ہوگی۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ أَشَدَّ الطَّلَاقِ" یا "كَأَلْفٍ" یا "مِلْءَ الْبَيْتِ" میں سے ہر ایک کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور عدم نیت کی صورت میں امام محمدؒ سے مروی ایک قول اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں طلاق کو وصف کے ساتھ متصف کرنے کے بارے میں ائمہ اصول اور ان کی وجوہ ذکر کی ہیں، اور نمبر ۶ میں ثمرۂ اختلاف ظاہر ہونے کی مثالیں ذکر کی ہیں۔ اور نمبر ۷ میں شوہر کے قول "تجھے شدید طلاق ہے یا چوڑی طلاق ہے یا لمبی طلاق ہے" سے واقع طلاق میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں بتایا ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ سے تین طلاقوں کی نیت سے طلاقوں کا وقوع اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح: {۱} اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ أَشَدَّ الطَّلَاقِ أَوْ كَأَلْفٍ أَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ" (تو سخت طلاق والی ہے، یا تجھے ہزار کے برابر طلاق ہے، یا گھر بھرنے کے برابر طلاق ہے) تو ان تینوں صورتوں میں بھی طلاق بائن واقع ہوگی؛ کیونکہ پہلی صورت میں طلاق کو شدت کے ساتھ متصف کیا ہے اور طلاق میں شدت بینونت سے حاصل ہوتی ہے؛ کیونکہ بائن طلاق ٹوٹنے اور فسخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتی ہے اس لیے طلاق بائن کو شدید اور مضبوط طلاق کہنا صحیح ہے، برخلاف رجعی طلاق کے وہ ٹوٹنے کا احتمال رکھتی ہے بایں طور کہ دوران عدت میں شوہر رجوع کر کے اسے ختم کر دے۔

{2} اور اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقوں کی نیت بھی صحیح ہے؛ کیونکہ اس نے مصدر طلاق کو ذکر کیا ہے تقدیری عبارت ہے "أَنتِ طَالِقٌ طَلَاقًا هُوَ أَشَدُّ الطَّلَاقِ" اور مصدر اسم جنس ہونے کی وجہ سے فردِ حقیقی (ایک) اور فردِ حکمی (کل جنس یعنی تین طلاق) کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ کے محتمل کی نیت کرنا صحیح ہے، لہٰذا تین کی نیت بھی صحیح ہے۔

اور دوسری صورت (أَنتِ طَالِقٌ كَأَلفٍ) میں تشبیہ سے کبھی قوت میں زیادتی مراد ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے "هُوَ أَلفُ رَجُلٍ" (وہ ہزار مرد ہے) یعنی وہ ہزار آدمیوں کی طاقت رکھتا ہے، اور کبھی عدد میں تشبیہ مراد ہوتی ہے، لہٰذا دونوں (قوت اور عدد) کی نیت کرنا صحیح ہے اور نیت نہ ہونے کی صورت میں دونوں میں سے اقل ثابت ہو گی اور اقل واحد بائن طلاق ہے؛ کیونکہ اقل متیقن ہوتا ہے۔

{3} امام محمدؒ سے مروی ہے کہ نیت نہ ہونے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ لفظِ الف عدد ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ عدد میں تشبیہ مراد ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی کہے "أَنتِ طَالِقٌ أَشَدَّ كَعَدَدِ الفِ" جس سے بالاتفاق تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں، لہٰذا "أَنتِ طَالِقٌ كَأَلفٍ" سے بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ جواب یہ ہے کہ "كَأَلفٍ" کا استعمال قوت میں زیادہ مشہور ہے لہٰذا اس شہرت کی وجہ سے قوت میں مستعمل ہو گا نہ کہ عدد میں۔

{4} اور تیسری صورت (أَنتِ طَالِقٌ كَمِلءِ البَيتِ) میں اس لیے بائن طلاق واقع ہو گی کہ شی کبھی گھر کو بھر دیتی ہے فی نفسہ جسامت میں عظیم اور بڑا ہونے کی وجہ سے، اور کبھی گھر بھر دیتی ہے اپنی کثرت کی وجہ سے، پس یہ لفظ ان دونوں معانی کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا جس معنی کی نیت کرے وہی مراد ہو گا، اور نیت نہ ہونے کی صورت میں اقل متیقن ہونے کی وجہ سے مراد ہو گا اور یہاں اقل واحد بائن ہے اس لیے بائن طلاق واقع ہو گی۔

{5} اور طلاق کو وصف کے ساتھ متصف کرنے کے بارے میں ائمہ کے اصول یہ ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاق کو کسی بھی شی کے ساتھ تشبیہ دینے سے طلاق بائن ہو گی خواہ لفظ عظم تشبیہ میں مذکور ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ سابق میں گذر چکا کہ تشبیہ زیادتی وصف کا تقاضا کرتی ہے اور طلاق میں زیادتی وصف بینونت سے آتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر تشبیہ میں لفظِ عظم ذکر ہو تو طلاق بائن ہو گی ورنہ بائن نہ ہو گی، اور مشبہ بہ کچھ بھی ہو یعنی خواہ صغیر ہو یا کبیر ہو؛ کیونکہ عظمت کے معنی سے خالی کر کے تشبیہ کبھی ایک ہونے میں ہوتی ہے اس لیے اس سے بائن طلاق واقع

نہ ہوگی، ہاں لفظ عظم قطعی طور پر زیادتی وصف کے لیے ہوتا ہے اور طلاق میں زیادتی وصف بینونت سے آتی ہے اس لیے اس وقت بائن طلاق واقع ہوگی۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مشبہ بہ اگر ایسی چیز ہو جو لوگوں کے نزدیک عظمت کے ساتھ متصف ہو تو اس سے بائن طلاق واقع ہوگی خواہ لفظِ عظم مذکور ہو یا نہ ہو، اور اگر مشبہ بہ ایسی چیز ہو جو لوگوں کے نزدیک عظیم شمار نہ ہوتی ہو، تو اس سے رجعی طلاق واقع ہوگی۔ اور امام محمدؒ کا قول مضطرب ہے بعض نے کہا ہے کہ امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں، اور دیگر بعض نے کہا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں۔

{۶} اور اس اختلاف کا ثمرہ اِن مثالوں میں ظاہر ہوگا اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مِثْلُ رَأْسِ الْإِبْرَةِ" تو تشبیہ پائی جانے کی وجہ سے امام صاحبؒ کے نزدیک بائن طلاق واقع ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے اصول کے مطابق رجعی طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ لفظ عظم نہیں ہے اور نہ لوگوں کے نزدیک سوئی عظیم شمار ہے۔ اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مِثْلُ عِظَمِ رَأْسِ الْإِبْرَةِ" تو شیخینؒ کے اصول کے مطابق بائن طلاق واقع ہوگی اور امام زفرؒ کے نزدیک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مِثْلُ الْجَبَلِ" امام صاحبؒ اور امام زفرؒ کے اصول کے مطابق بائن طلاق واقع ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رجعی واقع ہوگی۔ اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مِثْلُ عِظَمِ الْجَبَلِ" تو بالاتفاق بائن طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک تشبیہ کی وجہ سے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لفظ عظم مذکور ہونے کی وجہ سے، اور امام زفرؒ کے نزدیک جبل کا لوگوں کے نزدیک عظیم شمار ہونے کی وجہ سے۔

فتویٰ:۔ راجح یہی ہے کہ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق بائن طلاق واقع ہوگی لماقال المفتی غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول الشيخين-قال العلامة ابن الهمام: قوله ولو قال لها انتِ طالق اشد الطلاق اوكالف اوملء البيت فهي واحدة بائنة الا ان ينوی ثلاثاً، اما الاول وهو قوله اشد الطلاق فلانه وصفه بالشدة، (القول الراجح: ۱/۳۲۱)

{۷} اور اگر شوہر نے کہا "تجھے شدید طلاق ہے یا چوڑی طلاق ہے یا لمبی طلاق ہے" تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی؛ کیونکہ شدید وہی ہے جس کا تدارک دشوار اور مشکل ہو اور طلاق بائن ایسی ہی ہے کہ اس کا تدارک شوہر کے لیے شدید ہے اس لیے اس سے بائن طلاق واقع ہوگی۔ اور لفظ طول وعرض بھی وہاں استعمال ہوتے ہیں جہاں تدارک مشکل ہو کہا جاتا ہے "لِهَذَا الْأَمْرِ طُولٌ وَعَرْضٌ" (یہ مشکل امر ہے) اور تدارک طلاق بائن کا مشکل ہوتا ہے اس لیے اس سے بائن طلاق واقع ہوگی۔

ہونا) طلاق کے مناسب صفات نہیں ہیں بلکہ یہ اجسام کی صفات ہیں، اس لیے یہ لغو ہیں اور فقط "أَنْتِ طَالِقٌ" سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

فتویٰ:۔ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے لمافی ردّالمحتار: لكِنْ فِي الْهِدَايَةِ ذَكَرَ أَوَّلًا وُقُوعَ الْبَائِنِ ثُمَّ ذَكَرَ مَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ، ثُمَّ قَالَ: وَعَنْ مُحَمَّدٍ يَكُونُ رَجْعِيًّا، فَعُلِمَ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ أَوَّلًا قَوْلُ الْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ. (ردّالمحتار:۲/۴۸۷)

{۸} اور مذکورہ بالا تمام صورتوں (أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ سے أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً طَوِيلَةً تک) میں ایک طلاقِ بائن اس وقت واقع ہوگی کہ شوہر نے تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو، ورنہ اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ ان الفاظ سے بائن طلاق واقع ہوتی ہے اور بینونت کی دو قسمیں ہیں، غلیظہ، خفیفہ۔ پس جب اس نے تین طلاقوں کی نیت کی تو گویا دونوں میں سے غلیظہ کی نیت کی ہے؛ کیونکہ تین طلاقیں بینونتِ مغلظہ ہے اور طلاق بائن مغلظہ شوہر کے کلام کا محتمل ہے اور کلام کے محتمل کی نیت کرنا صحیح ہے۔ اور اگر شوہر نے کچھ نیت نہ کی ہو تو ادنیٰ یعنی ایک طلاق بائن ثابت ہوگی کیونکہ ادنیٰ متیقن ہے۔

فَصْلٌ فِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ

یہ فصل دخول سے پہلے طلاق دینے کے بیان میں ہے

چونکہ نکاح دخول کے لئے کیا جاتا ہے دخول سے پہلے طلاق دینے کے لئے نہیں کیا جاتا اس لئے دخول کے بعد بناء برضرورت طلاق دینا اصل ہے اور دخول سے پہلے طلاق دینا خلافِ اصل ہے اس لئے مصنفؒ نے اصل یعنی طلاق بعد الدخول کو اس سے پہلے بیان فرمایا اور خلافِ اصل یعنی طلاق قبل الدخول کو اب بیان فرماتے ہیں۔

{۱} وَإِذَا طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَقَعْنَ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْوَاقِعَ مَصْدَرٌ مَحْذُوفٌ لِأَنَّ

اور جب طلاق دے مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دخول سے پہلے تو واقع ہو جائیں گی اس پر؛ کیونکہ واقع ہونے والا مصدر محذوف ہے؛ کیونکہ

مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثَلَاثًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ إِيقَاعًا عَلَى حِدَةٍ فَيَقَعْنَ جُمْلَةً.

اس کا معنی ہے تین طلاق جیسا کہ ہم بیان کر چکے، پس نہ ہوگا اس کا قول "أَنْتِ طَالِقٌ" ایقاع علیحدہ، بلکہ سب واقع ہوں گی یکبارگی۔

{۲} فَإِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْأُولَى وَلَمْ تَقَعْ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ : أَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ

پس اگر متفرق کیا طلاق کو تو بائنہ ہو جائے گی اول سے اور واقع نہ ہوگی دوسری اور تیسری، اور یہ جیسا کہ کہے "أَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ"

لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ إِيقَاعٌ عَلَى حِدَةٍ إِذَا لَمْ يَذْكُرْ فِي آخِرِ كَلَامِهِ مَا يُغَيِّرُ صَدْرَهُ حَتَّى يَتَوَقَّفَ عَلَيْهِ

کیونکہ ہر ایک ایقاع ہے علیحدہ جب ذکر نہ کرے اپنے کلام کے آخر میں وہ چیز جو بدل دے اول کلام کو یہاں تک کہ موقوف رہے وقوع اس پر،

فَتَقَعُ الْأُولَى فِي الْحَالِ فَتُصَادِفُهَا الثَّانِيَةُ وَهِيَ مُبَانَةٌ {۳} وَكَذَا إِذَا قَالَ لَهَا : أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً

پس واقع ہوگی اول فی الحال اور پہنچے گی اس کو دوسری اس حال میں کہ وہ بائنہ ہوگی، اسی طرح جب کہے اپنی بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً"

وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهَا بَانَتْ بِالْأُولَى {۴} وَلَوْ قَالَ لَهَا : أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً

تو واقع ہو جائے گی ایک اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی کہ عورت بائنہ ہو جائے گی اول سے۔ اور اگر کہا اپنی بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً"

فَمَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ وَاحِدَةً كَانَ بَاطِلًا لِأَنَّهُ قَرَنَ الْوَصْفَ بِالْعَدَدِ فَكَانَ الْوَاقِعُ هُوَ الْعَدَدُ،

اور عورت مر گئی شوہر کے واحدۃً کہنے سے پہلے تو ہو جائے گا ایقاع باطل؛ کیونکہ اس نے ملا دیا ہے وصف کو عدد سے تو واقع عدد ہی ہوگا،

فَإِذَا مَاتَتْ قَبْلَ ذِكْرِ الْعَدَدِ فَاتَ الْمَحَلُّ قَبْلَ الْإِيقَاعِ فَبَطَلَ وَكَذَا لَوْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا

پس جب وہ مر گئی ذکر عدد سے پہلے تو فوت ہو گیا محل ایقاع سے پہلے اس لیے ایقاع باطل ہوا، اسی طرح اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا"

لِمَا بَيَّنَّا {۵} وَهَذِهِ تُجَانِسُ مَا قَبْلَهَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى {۶} وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ أَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور یہ مسئلہ مجانس ہے اپنے ماقبل کے ساتھ معنیً۔ اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ أَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ"

وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى ذَكَرَ شَيْئَيْنِ وَأَدْخَلَ بَيْنَهُمَا حَرْفَ الظَّرْفِ إِنْ قَرَنَهَا

تو واقع ہو جائے گی ایک، اور ضابطہ یہ ہے کہ جب ذکر کرے دو چیزوں کو اور داخل کر دے دونوں کے درمیان حرف ظرف تو اگر متصل کر دیا اس حرف کو

بِهَاءِ الْكِنَايَةِ كَانَ صِفَةً لِلْمَذْكُورِ آخِرًا كَقَوْلِهِ : جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو ، وَإِنْ لَمْ يَقْرِنْهَا بِهَاءِ الْكِنَايَةِ

ہائے کنایہ کے ساتھ تو یہ صفت ہے آخری مذکور کے لیے جیسے قائل کا قول "جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو" اور اگر اس کو متصل نہ کیا ہائے کنایہ کے ساتھ

كَانَ صِفَةً لِلْمَذْكُورِ أَوَّلًا كَقَوْلِهِ : جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو ، وَإِيقَاعُ الطَّلَاقِ فِي الْمَاضِي إِيقَاعٌ فِي الْحَالِ لِأَنَّ

تو یہ صفت ہوگا اول مذکور کے لیے جیسے قائل کا قول "جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو" اور طلاق واقع کرنا ماضی میں واقع کرنا ہے حال میں؛ کیونکہ

الْإِسْنَادَ لَيْسَ فِي وُسْعِهِ {۷} فَالْقَبْلِيَّةُ فِي قَوْلِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ صِفَةٌ لِلْأُولَى فَتَبِينُ

منسوب کرنا نہیں ہے اس کے بس میں پس قبلیت اس کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ" میں صفت ہے اول کی پس بائنہ ہو جائے گی

بِالْأُولَى فَلَا تَقَعُ الثَّانِيَةُ ، وَالْبَعْدِيَّةُ فِي قَوْلِهِ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ صِفَةٌ لِلْأَخِيرَةِ فَحَصَلَتْ الْإِبَانَةُ بِالْأُولَى

اول سے پس واقع نہ ہوگی ثانی، اور بعدیت اس کے قول "" میں صفت ہے آخری جملے کی پس حاصل ہو گئی ابانت اول سے۔

خلاصہ: مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں غیر مدخول بہا کو یکجا تین طلاقوں کا حکم اور دلیل، اور متفرق تین طلاقوں کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۴ میں شوہر کا "أَنْتِ طَالِقٌ

وَاحِدَةً" کہنے سے پہلے بیوی مر جانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں ماقبل کے ساتھ ربط ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۶ میں شوہر کا "اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ" یا "اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ" کہنے کا حکم اور اس بارے میں ضابطہ ذکر کیا ہے، پھر نمبر ۷ میں اس ضابطہ پر تفریع ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دیں مثلاً کہا "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" (تجھے تین طلاق ہیں) تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ سوال یہ ہے کہ غیر مدخول بہا "اَنْتِ طَالِقٌ" سے بائنہ ہو جاتی ہے لہٰذا شوہر کے قول "ثَلَاثًا" کے وقت وہ محل طلاق نہیں تو پھر تین طلاقیں کیسے واقع ہوں گی؟ جواب یہ ہے کہ وقوعِ طلاق مذکورہ جملہ میں در حقیقت مصدر محذوف سے ہوتا ہے اور یہ عدد (ثَلَاثًا) اس مصدر کے لیے صفت واقع ہوگا پس "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" کا معنی ہوگا "اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا ثَلَاثًا" تو "اَنْتِ طَالِقٌ" سے علیحدہ طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ "طَلَاقًا ثَلَاثًا" سے یکبار گی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی؛ کیونکہ جب "اَنْتِ طَالِقٌ" کے ساتھ عدد مقارن ہو تو طلاق عدد سے واقع ہوتی ہے۔

{۲} اور اگر تین طلاقوں کو متفرق کیا مثلاً کہا "اَنْتِ طَالِقٌ، طَالِقٌ، طَالِقٌ" تو پہلے لفظ (اَنْتِ طَالِقٌ) سے عورت بائنہ ہو جائیگی اور عورت پر غیر مدخول بہا ہونے کی وجہ سے عدت نہیں ہے پس شوہر کا دوسری اور تیسری مرتبہ "طَالِقٌ، طَالِقٌ" کہتے وقت عورت بائنہ ہو چکی ہے اس لئے دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی، وجہ یہ ہے کہ یہ ہر ایک لفظ (طَالِقٌ) علیحدہ طلاق ہے؛ کیونکہ آخر میں شرط اور استثناء وغیرہ کوئی چیز نہیں جو اول کلام کو بدل دیتی اور شروعِ کلام آخرِ کلام پر موقوف ہوتا، لہٰذا پہلی طلاق فی الحال واقع ہوگی اور دوسری و تیسری طلاق اس پر اس وقت پڑے گی کہ وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہو چکی ہے پس محل طلاق نہ ہونے کی وجہ سے دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوں گی۔

ف:۔ غیر مدخول بہا بیوی کو متفرق تین طلاقیں دینا ایسے کلام سے جس کے آخر میں شرط یا استثناء وغیرہ میں سے کوئی ایسی چیز ہو جو اول کلام کو بدل ڈالتی ہو تو ایسی صورت میں وہ تینوں طلاقیں یکبار گی واقع ہو جائیں گی مثلاً شوہر نے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ، طَالِقٌ، طَالِقٌ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ" پھر وہ گھر میں داخل ہو گئی تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۳} اور اگر شوہر نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً" (تجھے ایک طلاق ہے اور ایک) تو بھی ایک طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ ہم ابھی بیان کر چکے کہ پہلی طلاق سے وہ بائنہ ہو گئی اور دوسری طلاق کے وقت وہ محل طلاق نہیں اس لیے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۴}اور اگر شوہر نے ارادہ کیا کہ اپنی بیوی سے کہے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً" پھر شوہر نے "أَنْتِ طَالِقٌ" کہا اب تک عدد (یعنی وَاحِدَةً) ذکر نہیں کیا تھا کہ بیوی مرگئی تو شوہر کا یہ کلام باطل ہوگا اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس نے اسم (طَالِقٌ) کو عدد کے ساتھ ملا کر کے ذکر کیا ہے اور ایسی صورت میں طلاق عدد سے واقع ہوتی ہے وصف سے واقع نہیں ہوتی ہے، اگر جب عدد ذکر کرنے سے پہلے عورت مرگئی تو طلاق واقع کرنے سے پہلے محل طلاق نہیں رہا اس لیے شوہر کا یہ کلام باطل ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ" یا "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" مگر شوہر کے "ثِنْتَيْنِ" یا "ثَلَاثًا" کہنے سے پہلے عورت مرگئی، تو بھی کچھ واقع نہ ہوگی؛ دلیل وہی ہے جو ابھی ہم ذکر کر چکے۔

{۵} صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا تین مسائل کا گذشتہ مسئلہ (جب شوہر دخول سے پہلے تین طلاقیں دے) کے ساتھ اس اعتبار سے تو کوئی تعلق نہیں کہ وہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے اور یہ تین مسائل مدخول بہا و غیر مدخول بہا دونوں کو شامل ہیں، مگر معنی کے اعتبار سے گذشتہ مسئلہ کے ساتھ ان کی مناسبت اور مجانست ہے یعنی دونوں قسم کے مسائل میں دوسری اور تیسری طلاق کے وقت عورت محل طلاق نہیں، البتہ یہ فرق ہے کہ گذشتہ مسئلہ میں غیر مدخول بہا عورت طلاق کی وجہ سے محل طلاق نہیں رہی، اور اس میں موت کی وجہ سے عورت محل طلاق نہیں ہے۔

{۶} اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ" (تجھے ایک طلاق ہے ایک سے پہلے) یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ" (تجھے ایک طلاق ہے اس کے بعد ایک طلاق ہے) تو ان دونوں صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوگی؛ اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب زوج دو چیزوں کو ذکر کردے اور ان کے درمیان کلمۂ ظرف یعنی قبل اور بعد داخل کردے، تو اگر ظرف کو ھاء ضمیر کے ساتھ ملا دیا ہو تو ظرف بعد میں مذکور کیلئے صفت ہوگا جیسے "جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو" میں قبل کو ھاء ضمیر کے ساتھ مقید کیا ہے لہذا قبل عمرو کی صفت ہوگا یعنی عمرو کا آنا پہلے ہے زید کے آنے سے۔ اور اگر ظرف کو ھاء ضمیر کے ساتھ مقید نہ کیا ہو، تو ظرف اپنے ماقبل کے لیے صفت ہوگا جیسے "جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو" میں "قَبْلَ" ھاء ضمیر کے ساتھ مقید نہیں، لہذا یہ زید کے لیے صفت ہوگا یعنی زید کا آنا پہلے ہے عمرو کے آنے سے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ماضی کی طرف منسوب کر کے اگر طلاق واقع کی جائے تو وہ زمانہ حال میں واقع ہوگی نہ کہ ماضی میں؛ کیونکہ ماضی کی طرف منسوب کر کے کوئی کام کرنا بندہ کے بس میں نہیں۔

{۷} پس شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ" میں "قَبْلَ" پہلی طلاق کی صفت ہے یعنی دوسری طلاق سے پہلے پہلی طلاق واقع ہے اور پہلی طلاق واقع ہونے کے بعد چونکہ عورت بائنہ ہو جاتی ہے لہذا وہ محل طلاق نہیں رہے گی اس لیے دوسری

طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ" میں "بعدها" ہاء ضمیر کے ساتھ مقید ہونے کی وجہ سے آخری کی صفت ہے یعنی تجھے ایک طلاق ہے اس کے بعد ایک ہے، اس طرح وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہو گئی اور دوسری طلاق کے وقت وہ محل طلاق نہ رہی، اس لیے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔

[۱] وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ تَقَعُ ثِنْتَانِ لِأَنَّ الْقَبْلِيَّةَ صِفَةٌ لِلثَّانِيَةِ لِاتِّصَالِهَا بِحَرْفِ الْكِنَايَةِ فَاقْتَضَى إِيقَاعَهَا فِي الْمَاضِي وَإِيقَاعَ الْأُولَى فِي الْحَالِ، غَيْرَ أَنَّ الْإِيقَاعَ فِي الْمَاضِي إِيقَاعٌ فِي الْحَالِ أَيْضًا فَيَقْتَرِنَانِ فَيَقَعَانِ، [۲] وَكَذَا إِذَا قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ لِأَنَّ الْبَعْدِيَّةَ صِفَةٌ لِلْأُولَى فَاقْتَضَى إِيقَاعَ الْوَاحِدَةِ فِي الْحَالِ وَإِيقَاعَ الْأُخْرَى قَبْلَ هَذِهِ فَيَقْتَرِنَانِ [۳] وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً مَعَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ تَقَعُ ثِنْتَانِ لِأَنَّ كَلِمَةَ مَعَ لِلْقِرَانِ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي قَوْلِهِ: مَعَهَا وَاحِدَةٌ أَنَّهُ تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِأَنَّ الْكِنَايَةَ تَقْتَضِي سَبْقَ الْمُكَنَّى عَنْهُ لَا مَحَالَةَ، [۴] وَفِي الْمَدْخُولِ بِهَا تَقَعُ ثِنْتَانِ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا لِقِيَامِ الْمَحَلِّيَّةِ بَعْدَ وُقُوعِ الْأُولَى [۵] وَلَوْ قَالَ لَهَا: إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَلَوْ قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَدَخَلَتْ طَلُقَتْ ثِنْتَيْنِ بِالِاتِّفَاقِ. [۶] لَهُمَا أَنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ الْمُطْلَقِ فَتَعَلَّقْنَ جُمْلَةً كَمَا إِذَا نَصَّ عَلَى الثِّنْتَيْنِ أَوْ أَخَّرَ الشَّرْطَ. [۷] وَلَهُ أَنَّ الْجَمْعَ الْمُطْلَقَ يَحْتَمِلُ الْقِرَانَ وَالتَّرْتِيبَ، فَعَلَى اعْتِبَارِ الْأَوَّلِ

اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ" تو واقع ہو جائیں گی دو، کیونکہ قبلیت صفت ہے دوسرے کی بوجہ اس کے متصل ہونے کے حرف کنایہ کے ساتھ پس اس نے تقاضا کیا اس کے ایقاع کا ماضی میں اور اول کے ایقاع کا فی الحال، مگر چونکہ ایقاع فی الماضی ایقاع فی الحال بھی ہے پس دونوں مل کر واقع ہوں گی، اسی طرح جب کہ "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ" کیونکہ بعدیت صفت ہے اول کی، پس وہ مقتضی ہے ایک کے ایقاع کا فی الحال اور دوسری کے ایقاع کا اس سے پہلے پس دونوں متصل ہوں گی، اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً مَعَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ" تو واقع ہوں گی دو؛ کیونکہ کلمہ مع اتصال کے لیے ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے اس کے قول "مَعَهَا وَاحِدَةٌ" میں کہ واقع ہو جائے گی ایک کیونکہ کنایہ مقتضی ہے مکنی عنہ کی سبقت کا لا محالہ، اور مدخول بہا میں واقع ہوں گی دو تمام صورتوں میں؛ کیونکہ محل باقی ہے وقوع اول کے بعد۔ اور اگر کہا بیوی سے "إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً" پھر وہ داخل ہو گئی تو واقع ہو جائے گی اس پر ایک امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ واقع ہوں گی دو، اور اگر کہا بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَ وَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ" پھر وہ داخل ہو گئی تو دو طلاق واقع ہوں گی بالاتفاق، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرفِ واؤ مطلق جمع کے لیے ہے پس معلق ہوں گی جمع ہو کر جیسا کہ

جب امر تبع کرے دو کی یا مؤخر کر دے شرط کو، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمع مطلق احتمال رکھتی ہے قران اور ترتیب کا تو اول اعتبار پر

تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي لَا تَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةٌ كَمَا إِذَا نَجَّزَ بِهَذِهِ اللَّفْظَةِ فَلَا يَقَعُ الزَّائِدُ عَلَى الْوَاحِدَةِ

واقع ہوں گی دو، اور دوسرے اعتبار پر واقع نہ ہوگی مگر ایک جیسا کہ جب فی الحال دیدے اس لفظ کے ساتھ، پس واقع نہ ہوگی ایک سے زائد

بِالشَّكِّ، ﴿۸﴾ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَخَّرَ الشَّرْطَ لِأَنَّهُ مُغَيِّرٌ صَدْرَ الْكَلَامِ فَيَتَوَقَّفُ الْأَوَّلُ عَلَيْهِ

شک کی وجہ سے، بخلاف اس صورت کے جب مؤخر کر دے شرط کو؛ کیونکہ یہ بدل دینے والی ہے شروع کلام کو، پس موقوف ہوگا اول اس پر،

فَيَقَعْنَ جُمْلَةً وَلَا مُغَيِّرَ فِيمَا إِذَا قَدَّمَ الشَّرْطَ فَلَمْ يَتَوَقَّفْ. ﴿۹﴾ وَلَوْ عَطَفَ بِحَرْفِ الْفَاءِ فَهُوَ عَلَى هَذَا

پس واقع ہوں گی جمع ہو کر اور مغیر نہیں اس صورت میں جب مقدم کر دے شرط کو، پس موقوف نہ ہوگا، اور اگر عطف کیا حرفِ فاء سے تو وہ اسی

الْخِلَافِ فِيمَا ذَكَرَ الْكَرْخِيُّ، وَذَكَرَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ أَنَّهُ يَقَعُ وَاحِدَةٌ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ الْفَاءَ لِلتَّعْقِيبِ

اختلاف پر ہے اس روایت کے مطابق جو امام کرخیؒ نے ذکر کی ہے اور ذکر کیا ہے ابو اللیث نے کہ واقع ہوگی ایک بالاتفاق؛ کیونکہ فاء تعقیب کے لیے ہے

وَهُوَ الْأَصَحُّ.

اور یہی اصح ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۲ میں غیر مدخول بہا بیوی سے شوہر کا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً مَعَ وَاحِدَةٍ" یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً مَعَهَا وَاحِدَةٌ" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۴ میں مذکورہ صورتوں میں مدخول بہا کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ تا ۸ میں شرط پر معلق متعدد معطوف طلاقوں کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور آخر میں صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر ۹ میں فاء کے ذریعہ عطف کے حکم کے بارے میں دو روایتیں ذکر کی ہیں۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اور اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ" (تجھے ایک طلاق ہے جس سے پہلے ایک طلاق ہے) اس صورت میں لفظِ "قَبْلَ" ہاء ضمیر کے ساتھ مقید ہونے کی وجہ سے مابعد کی صفت ہوگا یعنی تجھ کو ایک طلاق ہے جس سے پہلے ایک، پس یہ کلام تقاضا کرتا ہے کہ "وَاحِدَةٌ" ثانیہ ماضی میں واقع ہو اور اولیٰ حال میں، اور چونکہ ماضی میں طلاق واقع کرنا حال میں واقع کرنا ہوتا ہے لہٰذا دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ساتھ ساتھ واقع ہوں گی، لہٰذا اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۲}اور اگر شوہر نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا"أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ"(تجھ کو ایک طلاق ہے بعد ایک کے)تو دو طلاق واقع ہوں گی؛ کیونکہ اس صورت میں ہاء ضمیر کے ساتھ مقید نہ ہونے کی وجہ سے لفظ "بَعْدَ" ماقبل کی صفت ہے، پس یہ کلام تقاضا کرتا ہے کہ "وَاحِدَةً" اولیٰ فی الحال واقع ہو اور ثانیہ ماضی میں واقع ہو، اور ماضی میں طلاق واقع کرنا حال میں واقع کرنا ہوتا ہے لہٰذا یہ دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ساتھ ساتھ واقع ہوں گی، اس لیے اس صورت میں بھی دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۳}اور اگر شوہر نے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً مَعَ وَاحِدَةٍ"(تجھے ایک طلاق ہے ایک کے ساتھ) یا کہا"أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً مَعَهَا وَاحِدَةٌ"(تجھے ایک طلاق ہے جس کے ساتھ ایک)تو دو طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ کلمۂ "مَعَ" اقتران اور اتصال کیلئے آتا ہے خواہ ضمیر کے ساتھ مقترن ہو یا مقترن نہ ہو، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں دونوں طلاقیں ساتھ ساتھ واقع ہوں گی۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً مَعَهَا وَاحِدَةٌ" میں ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ کنائی ضمیر مقتضی ہے کہ جس سے یہ کنایہ ہے(مرجع) وہ اس سے پہلے موجود ہو، لہٰذا اول واحدۃ (جو ہاء ضمیر کا مرجع ہے) کا وجود پہلے ہے اور طلاق کا وجود وقوع سے ہوتا ہے، پس پہلی واحدہ واقع ہوگئی تو عورت محل طلاق نہ رہنے کی وجہ سے ثانی واقع نہ ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ "مَعَ" شروع کلام میں موجود واحدۃ کے انفراداً وقوع کے لیے مانع ہے لہٰذا دونوں ایک ساتھ واقع ہوں گی۔

{۴}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورتوں میں جو کہیں ایک اور کہیں دونوں واقع ہونے کا حکم ہے یہ سب غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے، باقی مدخول بہا پر مذکورہ تمام صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ وہ ایک طلاق سے بائنہ نہیں ہوتی ہے اس لیے ایک طلاق کے بعد بھی وہ محل طلاق ہے، لہٰذا اس پر دونوں طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۵}اگر متعدد طلاقیں شرط پر معلق کی گئیں اور ایک کا دوسری پر واو کے ذریعہ عطف کیا گیا تو اس کی دو صورتیں ہیں شرط مقدم ہوگی یا مؤخر۔ اگر شرط مقدم ہو مثلاً شوہر نے اپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہا"إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً"(اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک) پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اگر شرط کو مؤخر کر دیا مثلاً شوہر نے کہا"أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ"(تجھے ایک طلاق ہے اور ایک اگر تو گھر میں داخل ہوگئی) پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی، تو اس صورت میں بالاتفاق دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۶} مختلف فیہ صورت میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ واو مطلقاً جمع کے لیے آتا ہے لہٰذا دونوں طلاقیں جمع ہو کر شرط کے ساتھ معلق ہوں گی اور پھر وجودِ شرط کے وقت دونوں یکبارگی واقع ہوں گی جیسا کہ جب دو کی تصریح کرلے مثلاً یوں کہے "إنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ" تو دو طلاقیں یکبارگی واقع ہوں گی۔ یا شرط کو مؤخر کردے مثلاً یوں کہے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً إنْ دَخَلْتِ الدَّارَ" تو بالاتفاق دو طلاقیں واقع ہوں گی، لہٰذا تقدیمِ شرط کی صورت میں بھی دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۷} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مطلقاً جمع اتصال اور ترتیب دونوں کا احتمال رکھتی ہے پس اگر اتصال کے معنی کی رعایت کی جائے تو دو واقع ہوں گی، اور اگر ترتیب کے معنی کی رعایت کی جائے تو ایک واقع ہوگی؛ کیونکہ ایک واقع ہونے کے بعد عورت غیر مدخول بہا ہونے کی وجہ سے محلِ طلاق نہیں کہ دوسری طلاق بھی واقع ہو پس یہ ایسا ہے جیسا کہ ان ہی الفاظ سے فی الحال (غیر معلق بالشرط) طلاق دیدے تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے مثلاً یوں کہے "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً" تو ایک طلاق واقع ہوگی، تو جب مطلق جمع میں اتصال اور ترتیب دونوں کا احتمال ہے تو دونوں طلاقوں کے وقوع میں شک ہوا اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسلئے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوگی۔

{۸} باقی صاحبین رحمہما اللہ نے جو تقدیمِ شرط کی صورت کو تاخیرِ شرط کی صورت پر قیاس کیا ہے یہ قیاس صحیح نہیں؛ کیونکہ تاخیر کی صورت میں شرط اول کلام کو تنجیز سے تعلیق کی طرف بدل دینے والی ہے لہٰذا اول کلام وجودِ شرط پر موقوف رہے گا، پس جس وقت شرط پائی جائے گی اول اور ثانی طلاق دونوں یکبارگی واقع ہو جائیں گی، جبکہ تقدیم کی صورت میں اول کلام کو بدل دینے والی کوئی چیز موجود نہیں پس اول کلام آخر کلام پر موقوف بھی نہیں ہوگا اس وجہ سے دونوں طلاقیں ترتیب سے (پہلے اول پھر دوسری) واقع ہوں گی اور عورت چونکہ غیر مدخول بہا ہے اسلئے وہ واحدۂ اولیٰ سے بائنہ ہو جائے گی اور ثانیہ واقع نہیں ہوگی۔

{۹} اور اگر واو کے بجائے حرفِ فاء کے ساتھ عطف کیا مثلاً یوں کہا "أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فَوَاحِدَةً" تو امام کرخیؒ کے بیان کے مطابق اس میں بھی اختلاف ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور فقیہ ابو اللیثؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں بالاتفاق ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ فاء تعقیب اور ترتیب کے لیے آتا ہے لہٰذا اول سے عورت بائنہ ہو کر محلِ طلاق نہیں رہتی ہے اس لیے ثانی واقع نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کا قول زیادہ صحیح ہے؛ کیونکہ فاء ترتیبِ حکم پر دلالت کرتا ہے۔

فتوی: صاحبین کا قول راجح ہے کما فی شرح التنویر(وَ) تَقَعُ (وَاحِدَةٌ إنْ قَدَّمَ الشَّرْطَ) لِأَنَّ الْمُعَلَّقَ كَالْمُنَجَّزِ: قال ابن عابدین رحمہ اللہ (قَوْلُهُ وَتَقَعُ وَاحِدَةٌ إنْ قَدَّمَ الشَّرْطَ) هَذَا عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا ثِنْتَانِ أَيْضًا وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ وَأَقَرَّهُ فِي الْبَحْرِ، (الدرالمختار مع الشامیۃ: ۴۹۶/۲)

{۱} وَأَمَّا الضَّرْبُ الثَّانِي وَهُوَ الْكِنَايَاتُ لَا يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ إلَّا بِالنِّيَّةِ أَوْ بِدَلَالَةِ الْحَالِ لِأَنَّهَا غَيْرُ مَوْضُوعَةٍ لِلطَّلَاقِ

اور رہی قسم ثانی اور وہ کنایات ہیں واقع نہ ہوگی ان کے ذریعہ طلاق مگر نیت سے یا دلالتِ حال سے؛ کیونکہ کنایات موضوع نہیں ہیں طلاق کے لیے

بَلْ تَحْتَمِلُهُ وَغَيْرَهُ فَلَا بُدَّ مِنْ التَّعْيِينِ أَوْ دَلَالَتِهِ . {۲} قَالَ وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ : مِنْهَا ثَلَاثَةُ أَلْفَاظٍ

بلکہ احتمال رکھتے ہیں طلاق اور غیر طلاق کا پس ضروری ہے تعیین یا دلالتِ تعیین۔ فرمایا: اور وہ دو قسم پر ہیں ان میں سے تین الفاظ ہیں

يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ وَلَا تَقَعُ بِهَا إلَّا وَاحِدَةٌ ، وَهِيَ قَوْلُهُ : اعْتَدِّي وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَك وَأَنْتِ وَاحِدَةٌ

واقع ہوتی ہے ان سے طلاق رجعی اور واقع نہیں ہوتی ان سے مگر ایک، اور وہ شوہر کا قول "اعْتَدِّي وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَك وَأَنْتِ وَاحِدَةٌ" ہے،

أَمَّا الْأُولَى فَلِأَنَّهَا تَحْتَمِلُ الِاعْتِدَادَ عَنْ النِّكَاحِ وَتَحْتَمِلُ اعْتِدَادَ نِعَمِ اللَّهِ تَعَالَى ، فَإِنْ نَوَى

بہر حال اول تو وہ اس لیے کہ وہ احتمال رکھتا ہے شمار کرنے کا نکاح سے اور احتمال رکھتا ہے اللہ کی نعمتوں کے شمار کرنے کا، پس اگر اس نے نیت کی

الْأَوَّلَ تَعَيَّنَ بِنِيَّتِهِ فَيَقْتَضِي طَلَاقًا سَابِقًا وَالطَّلَاقُ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ . {۳} وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَلِأَنَّهَا تُسْتَعْمَلُ

اول کی تو متعین ہوگا اس کی نیت سے، پس تقاضا کرے گا طلاق سابق کا، اور طلاق اپنے بعد لاتی ہے رجعت کو، بہر حال ثانی تو وہ استعمال ہوتا ہے

بِمَعْنَى الِاعْتِدَادِ لِأَنَّهُ تَصْرِيحٌ بِمَا هُوَ الْمَقْصُودُ مِنْهُ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ وَتَحْتَمِلُ الِاسْتِبْرَاءَ

بمعنی عدت گذارنے کے؛ کیونکہ یہ تصریح ہے اس چیز کی جو مقصود ہے عدت سے پس ہوگا اعتداد کے درجہ میں، اور احتمال رکھتا ہے استبراء کا

لِيُطَلِّقَهَا ، {۴} وَأَمَّا الثَّالِثَةُ فَلِأَنَّهَا تَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ نَعْتًا لِمَصْدَرٍ مَحْذُوفٍ مَعْنَاهُ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً،

تاکہ طلاق دے سکے اس کو، بہر حال تیسرا تو وہ اس لیے کہ وہ احتمال رکھتا ہے کہ ہو نعت مصدرِ محذوف کے لیے معنی ہوگا "تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً"

فَإِذَا نَوَاهُ جُعِلَ كَأَنَّهُ قَالَهُ ، وَالطَّلَاقُ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ ، وَيَحْتَمِلُ غَيْرَهُ

پس جب اس نے اس کی نیت کی تو قرار دیا جائے گا کہ گویا اس نے یہی کہا، اور طلاق اپنے بعد رجعت لاتی ہے، اور احتمال رکھتا ہے اس کے غیر کا

وَهُوَ أَنْ تَكُونَ وَاحِدَةً عِنْدَهُ أَوْ عِنْدَ قَوْمِهِ، {۵} وَلَمَّا احْتَمَلَتْ هَذِهِ الْأَلْفَاظُ الطَّلَاقَ وَغَيْرَهُ تَحْتَاجُ فِيهِ إلَى النِّيَّةِ

اور وہ یہ کہ ہو وہ یکتا اس کے نزدیک یا اس کی قوم کے نزدیک، اور احتمال رکھتے ہیں یہ الفاظ طلاق اور غیر طلاق کا تو احتیاج ہے اس میں نیت کی

وَلَا تَقَعُ إلَّا وَاحِدَةٌ لِأَنَّ قَوْلَهُ : أَنْتِ طَالِقٌ فِيهَا مُقْتَضًى أَوْ مُضْمَرٌ ، وَلَوْ كَانَ مُظْهَرًا لَا تَقَعُ بِهَا إلَّا وَاحِدَةٌ ،

اور واقع نہ ہوگی مگر ایک؛ کیونکہ اس کا قول "أَنْتِ طَالِقٌ" اس میں مقتضا ہے یا مضمر ہے، اور اگر ظاہر ہوتا تو نہ واقع ہوتی اس سے مگر ایک،

فَإِذَا كَانَ مُضْمَرًا أَوْلَى، وَفِي قَوْلِهِ وَاحِدَةً وَإِنْ صَارَ الْمَصْدَرُ مَذْكُورًا لٰكِنَّ التَّنْصِيصَ عَلَى الْوَاحِدَةِ يُنَافِي نِيَّةَ الثَّلَاثِ
پس جب مضمر ہے تو بطریقۂ اولی۔ اور اس کے قول "وَاحِدَةً" میں اگرچہ مصدر مذکور ہے مگر واحد کی تصریح منافی ہے تین کی نیت کے۔

{٦} وَلَا مُعْتَبَرَ بِإِعْرَابِ الْوَاحِدَةِ عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْعَوَامَ لَا يُمَيِّزُونَ بَيْنَ وُجُوهِ الْإِعْرَابِ
اور اعتبار نہیں "الوَاحِدَة" کے اعراب کا عام مشائخ کے نزدیک، یہی صحیح ہے؛ کیونکہ عوام امتیاز نہیں کر سکتے ہیں وجوہ اعراب میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں الفاظِ کنایہ سے وقوعِ طلاق کی شرط، اور دلیل، اور الفاظِ کنایہ کی دو قسمیں، اور پہلی قسم کی تفصیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں بتایا ہے کہ عام مشائخ کے نزدیک لفظِ "وَاحِدَة" کے اعراب کا اعتبار نہیں، اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ "کنایات" جمع ہے "کنایة" کی "کنیٰ یکنو" یا "کنیٰ یکنی" کا مصدر ہے۔ کنایہ وہ ہے جس کی مراد ظاہر نہ ہو، اور اصطلاح میں کنایہ اس کو کہتے ہیں کہ شئ معین کو کسی ایسے لفظ سے تعبیر کیا جائے جس کی دلالت اس پر صریح نہ ہو، بابِ طلاق میں کنایہ وہ ہے جو طلاق کا احتمال رکھے اور طلاق میں صریح نہ ہو۔

مصنفؒ نے "باب ایقاع الطلاق" کے شروع میں کہا تھا کہ طلاق کی دو قسمیں ہے، صریح اور کنایہ، یہاں تک انواع واحکامِ صریح کے بیان سے فارغ ہوگئے تو دوسری قسم یعنی کنایات کے بیان کو شروع فرمایا، اور صریح کو اس لئے مقدم ذکر کیا کہ کلام میں اصل صریح ہے کیونکہ کلام سمجھانے کے لئے وضع ہوا ہے تو جس قسم کلام کا اس مقصد میں زیادہ دخل ہو وہی اصل ہے لہٰذا صریح اصل ہے، اور اصل بنسبتِ غیر اصل مقدم ذکر کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

{۱} الفاظِ طلاق کی دوسری قسم کنایہ ہے کنایہ وہ ہے جس کی مراد مستتر اور مخفی ہو۔ اور الفاظِ کنایہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر یہ کہ نیتِ طلاق پائی جائے یا نیت کے قائم مقام دلالتِ حال (مثلاً مذاکرۂ طلاق یا حالتِ غضب وغیرہ) پائی جائے؛ کیونکہ الفاظِ کنایہ صرف طلاق کیلئے وضع نہیں کئے گئے ہیں بلکہ طلاق وغیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں لہٰذا کسی ایک معنی کو متعین کرنے کیلئے ضروری ہے کہ نیت یا دلالتِ حال پائی جائے۔

{۲} یعنی الفاظِ کنایہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ جن سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ قسم اول کے تین الفاظ ہیں یعنی "اِعْتَدِّي" (تو عدت گذار) "اسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ" (تو اپنے رحم کو صاف کر) "أَنْتِ وَاحِدَةٌ" (تو اکیلی ہے)۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کیلئے دو دو معنی ہیں پس "اِعْتَدِّي" کا ایک معنی ہے "تو اپنے ایام عدت کو شمار کر" اور دوسرا معنی ہے کہ "تو اللہ کی نعمتوں کو شمار کر"۔ تو اگر شوہر نے پہلے معنی کی نیت کی ہو تو اس کی نیت سے یہی پہلا معنی متعین

ہو جائے گا اور یہ معنی طلاق کے مقدم ہونے کا تقاضا کریگا کیونکہ عدت گذارنے کا حکم کرنا بغیر طلاق کے صحیح نہیں، لہذا طلاق کو سابقاً مقدر ماننا ضروری ہے گویا شوہر نے کہا "طَلَّقْتُكِ أَوْأَنْتِ طَالِقٌ فَاعْتَدِّي" (میں نے تجھے طلاق دی ہے یا تو طلاق ہے لہذا تو عدت گذار) اس لئے اس وقت ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور طلاق اپنے بعد عدت لاتی ہے اس لیے کہا کہ تو اپنے ایام عدت کو شمار کر۔

{۳} اور دوسرے لفظ یعنی "اسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ" کا ایک معنی یہ کہ "تو عدت گذار" کیونکہ عدت گذارنے سے مقصود رحم کو پاک کرنا ہوتا ہے تو گویا مقصودِ عدت کو صراحتاً ذکر کر دیا گیا اور شی کا صریح مقصودِ شی کا قائم مقام ہوتا ہے پس "اسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ" بمعنی "اعْتَدِّي" (تو اپنے ایام عدت شمار کر) ہوگا، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ "تو حیض سے رحم کو پاک کرنا تاکہ مسنون طریقہ پر طلاق دی جاسکے" اس صورت میں اگر معنی اول کی نیت کی ہو تو معنی اول متعین ہو جائیگا اور یہ معنی طلاق سابق کا مقتضی ہوگا کما مر۔

{۴} تیسرے لفظ یعنی "أَنْتِ وَاحِدَةٌ" میں ایک احتمال یہ ہے کہ "واحدۃ" کو مصدر محذوف کی صفت قرار دیا جائے یعنی "أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً"۔ تو اگر شوہر نے اسی پہلے معنی کی نیت کی ہو تو گویا اس نے "أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً" کہا جس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور طلاق اپنے بعد رجعت لاتی ہے اس لیے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی لہذا "أَنْتِ وَاحِدَةٌ" سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور دوسرا احتمال یہ کہ شوہر اس کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ "تو میرے نزدیک یکتا ہے یا تو میری قوم میں یکتا ہے" یعنی تجھ جیسی کوئی عورت نہیں۔

{۵} خلاصہ یہ کہ یہ تین الفاظ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں، پس کسی ایک معنی کو متعین کرنے کے لیے نیت کی ضرورت ہے، اور پھر ان تینوں سے ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ اول دو میں "أَنْتِ طَالِقٌ" اقتضاءً موجود ہے؛ کیونکہ اس کے بغیر اول دو کا معنی صحیح نہ ہوگا۔ اور تیسرے میں "أَنْتِ طَالِقٌ" مضمر و مقدر ہے؛ کیونکہ اس کے بغیر یہ لفظ صحیح نہیں۔ اور "أَنْتِ طَالِقٌ" اگر ظاہر ہوتا تو اس سے ایک طلاق واقع ہوتی، تو جب مضمر ہے تو بطریقہ اولی ایک طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ مضمر کمزور ہے ظاہر سے۔

سوال یہ ہے کہ "أَنْتِ وَاحِدَةٌ" میں تو مذکورہ تاویل کی وجہ سے مصدر مذکور ہوا یعنی "أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا وَاحِدَةً" اور مصدر سے تین طلاقوں کی نیت کرنا صحیح ہوتا ہے، لہذا چاہیے کہ یہاں بھی تین کی نیت صحیح ہو حالانکہ تین کی نیت درست نہیں؟ جواب یہ ہے کہ لفظ "وَاحِدَةٌ" صراحۃً ذکر ہے اور یہ لفظ تین کی نیت کے منافی ہے اس لیے یہاں تین کی نیت صحیح نہیں۔

{۴} صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ "أنتِ واحِدة" میں عام مشائخ نے "وَاحِدَة" کے اعراب کا اعتبار نہیں کیا ہے خواہ "واحدة" کو منصوب پڑھے یا مرفوع اور یا سکون کے ساتھ، تینوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، یہی صحیح ہے؛ کیونکہ عوام وجوہ اعراب میں تمیز نہیں کر سکتے ہیں لہٰذا ایک عوامی حکم کو اس پر بناء کرنا درست نہ ہوگا۔ "هُوَ الصَّحِيح" کہہ کر احتراز کیا ان بعض کے قول سے جو کہتے ہیں کہ نصب کی صورت میں طلاق واقع ہوگی اگرچہ نیتِ طلاق نہ ہو اور رفع کی صورت میں طلاق نہ ہوگی اگر طلاق کی نیت کرے، اور سکون کی صورت میں محتاجِ نیت ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ تینوں صورتیں برابر ہیں۔

{۱} قَالَ وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ إِذَا نَوَى بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا كَانَتْ ثَلَاثًا، وَإِنْ نَوَى ثِنْتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَة

فرمایا: اور بقیہ کنایات سے جب نیت کرے طلاق کی تو وہ ایک بائن ہوگی، اور اگر نیت کی تین کی تو وہ تین ہوں گی اور اگر نیت کی دو کی تو وہ ایک ہوگی

وَهَذَا مِثْلُ قَوْلِهِ: أَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ وَالْحَقِي بِأَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَبَرِيَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِأَهْلِكِ

اور یہ جیسے اس کا قول "أَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ وَالْحَقِي بِأَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَبَرِيَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِأَهْلِكِ

وَوَهَبْتُكِ لِأَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَفَارَقْتُكِ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ وَاخْتَارِي وَأَنْتِ حُرَّةٌ وَتَقَنَّعِي وَتَخَمَّرِي وَاسْتَتِرِي وَاغْرُبِي وَاخْرُجِي

وَوَهَبْتُكِ لِأَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَفَارَقْتُكِ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ وَاخْتَارِي وَأَنْتِ حُرَّةٌ وَتَقَنَّعِي وَتَخَمَّرِي وَاسْتَتِرِي وَاغْرُبِي وَاخْرُجِي

وَاذْهَبِي وَقُومِي وَابْتَغِي الْأَزْوَاجَ لِأَنَّهَا تَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ وَغَيْرَهُ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ. قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي حَالِ

وَاذْهَبِي وَقُومِي وَابْتَغِي الْأَزْوَاجَ" کیونکہ یہ الفاظ احتمال رکھتے ہیں طلاق اور غیر طلاق کا، پس ضروری ہے نیت۔ فرمایا: مگر یہ کہ ہو حالِ

مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَيَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِي الْقَضَاءِ، وَلَا يَقَعُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَّا أَنْ يَنْوِيَهُ. {۲} قَالَ

مذاکرۂ طلاق میں پس واقع ہوگی ان سے طلاق قضاءً اور واقع نہ ہوگی فیما بینہ وبین اللہ مگر یہ کہ نیت کرے اس کی۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ

سَوَّى بَيْنَ هَذِهِ الْأَلْفَاظِ وَقَالَ: وَلَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ إِذَا كَانَ فِي حَالِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ قَالُوا وَهَذَا فِيمَا

قدوریؒ نے برابر کر دیا ان الفاظ کو، اور کہا کہ تصدیق نہیں کی جائے گی قضاء میں جب ہو حالتِ مذاکرۂ طلاق میں۔ مشائخ نے فرمایا یہ ان الفاظ میں

لَا يَصْلُحُ رَدًّا وَالْجُمْلَةُ فِي ذَلِكَ أَنَّ الْأَحْوَالَ ثَلَاثَةٌ: حَالَةٌ مُطْلَقَةٌ وَهِيَ حَالَةُ الرِّضَا، وَحَالَةُ

جو صلاحیت نہیں رکھتے ہیں رد کی اور حاصل اس بارے میں یہ ہے کہ احوال تین ہیں، حالتِ مطلقہ اور وہ حالتِ رضا ہے، اور حالتِ

مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ، وَحَالَةُ الْغَضَبِ. وَالْكِنَايَاتُ ثَلَاثَةُ أَقْسَامٍ: مَا يَصْلُحُ جَوَابًا وَرَدًّا، وَمَا يَصْلُحُ جَوَابًا لَا رَدًّا، وَمَا يَصْلُحُ جَوَابًا

مذاکرۂ طلاق، اور حالتِ غضب، اور کنایات تین قسم پر ہیں، وہ جو لائق ہوں جواب اور رد کے، اور جو لائق جواب ہوں نہ کہ رد، اور جو لائق جواب

وَسَبًّا وَشَتِيمَةً. {۳} فَفِي حَالَةِ الرِّضَا لَا يَكُونُ شَيْءٌ مِنْهَا طَلَاقًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ، فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فِي إِنْكَارِ

جواب، گالی اور طعنہ ہوں، پس حالتِ رضا میں نہ ہوگی کوئی بھی ان میں سے طلاق مگر نیت سے، پھر قول شوہر کا معتبر ہے انکارِ نیت میں

لِمَا قُلْنَا ،﴿۴﴾وَفِي حَالَةِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ لَا يُصَدَّقُ فِيمَا يَصْلُحُ جَوَابًا ، وَلَا يَصْلُحُ رَدًّا فِي الْقَضَاءِ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے۔ اور حالتِ مذاکرۂ طلاق میں تصدیق نہیں کی جائے گی ان الفاظ میں جو لائق جواب ہیں اور لائق ردّ نہیں قضاءً

مِثْلُ قَوْلِهِ خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ بَائِنٌ بَتَّةٌ حَرَامٌ اعْتَدِّي أَمْرُك بِيَدِك اخْتَارِي؛لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ مُرَادَهُ الطَّلَاقُ عِنْدَ سُؤَالِ الطَّلَاقِ،

جیسے اس کا قول "خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ بَائِنٌ بَتَّةٌ حَرَامٌ اعْتَدِّي أَمْرُك بِيَدِك اخْتَارِي"؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی مراد طلاق ہے سوال طلاق کے وقت

﴿۵﴾وَيُصَدَّقُ فِيمَا يَصْلُحُ جَوَابًا وَرَدًّا مِثْلُ قَوْلِهِ: اذْهَبِي اُخْرُجِي قُومِي تَقَنَّعِي تَخَمَّرِي وَمَا يَجْرِي هَذَا الْمَجْرَى

اور تصدیق کی جائے گی ان الفاظ میں جو لائق جواب ورد ہیں جیسے اس کا قول "اذْهَبِي اُخْرُجِي قُومِي تَقَنَّعِي تَخَمَّرِي" اور وہ جو ان کے قائم مقام ہوں

لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الرَّدَّ وَهُوَ الْأَدْنَى فَحُمِلَ عَلَيْهِ .﴿۶﴾وَفِي حَالَةِ الْغَضَبِ يُصَدَّقُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِاحْتِمَالِ الرَّدِّ

کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے ردّ کا، اور وہ ادنیٰ ہے پس حمل کیا جائے گا اسی پر اور حالتِ غضب میں تصدیق کی جائے گی ان تمام میں بوجہ احتمالِ ردّ

وَالسَّبِّ، إلَّا فِيمَا يَصْلُحُ لِلطَّلَاقِ وَلَا يَصْلُحُ لِلرَّدِّ وَالشَّتْمِ كَقَوْلِهِ : اعْتَدِّي وَاخْتَارِي وَأَمْرُك بِيَدِك فَإِنَّهُ

اور گالی کے، مگر وہ جو لائق ہوں طلاق کے اور لائق نہ ہوں ردّ اور گالی کے جیسے اس کا قول "اعْتَدِّي وَاخْتَارِي وَأَمْرُك بِيَدِك" پس اس کی

لَا يُصَدَّقُ فِيهَا لِأَنَّ الْغَضَبَ يَدُلُّ عَلَى إرَادَةِ الطَّلَاقِ .﴿۷﴾وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي قَوْلِهِ : لَا مِلْكَ لِي

تصدیق نہیں کی جائے گی ان الفاظ میں؛ کیونکہ غضب دلالت کرتا ہے ارادۂ طلاق پر اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے اس کے قول "لَا مِلْكَ لِي

عَلَيْك وَلَا سَبِيلَ لِي عَلَيْك وَخَلَّيْتُ سَبِيلَك وَفَارَقْتُك ،أَنَّهُ يُصَدَّقُ فِي حَالَةِ الْغَضَبِ لِمَا فِيهَا مِنْ احْتِمَالِ

عَلَيْك وَ لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْك وَخَلَّيْتُ سَبِيلَك وَفَارَقْتُك" میں اس کی تصدیق کی جائے گی حالتِ غضب میں؛ کیونکہ ان میں احتمال ہے

مَعْنَى السَّبِّ.ثُمَّ وُقُوعُ الْبَائِنِ بِمَا سِوَى الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ مَذْهَبُنَا .﴿۸﴾وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَقَعُ بِهَا رَجْعِيًّا لِأَنَّ الْوَاقِعَ

سب وشتم کے معنی کا، پھر وقوعِ بائن اول تین کے علاوہ میں ہمارا مذہب ہے اور فرمایا امام شافعیؒ نے واقع ہو جائے گی ان سے رجعی؛ کیونکہ واقع ہوتی ہے

بِهَا طَلَاقٌ ، لِأَنَّهَا كِنَايَاتٌ عَنِ الطَّلَاقِ. وَلِهَذَا تُشْتَرَطُ النِّيَّةُ وَيَنْتَقِصُ بِهِ الْعَدَدُ ، وَالطَّلَاقُ

ان سے ایک طلاق؛ کیونکہ یہ کنایہ عن الطلاق ہیں، اسی وجہ سے شرط ہوتی ہے ان میں نیت، اور کم ہوتی ہے ان سے تعداد، اور طلاق

مُعَقِّبٌ لِلرَّجْعَةِ كَالصَّرِيحِ .وَلَنَا أَنَّ تَصَرُّفَ الْإِبَانَةِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إلَى مَحَلِّهِ

اپنے بعد لانے والی ہے رجعت جیسے صریح میں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تصرفِ ابانت صادر ہوا ہے اپنے اہل سے منسوب ہو کر اپنے محل کی طرف

عَنْ وِلَايَةٍ شَرْعِيَّةٍ،﴿۹﴾وَلَا خَفَاءَ فِي الْأَهْلِيَّةِ وَالْمَحَلِّيَّةِ،وَالدَّلَالَةُ عَلَى الْوِلَايَةِ أَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةٌ إلَى إثْبَاتِهَا كَيْ لَا يَنْسَدَّ

ولایتِ شرعی کے تحت، اور کوئی خفا نہیں اہلیت اور محلیت میں، اور دلیلِ ولایت یہ ہے کہ حاجت موجود ہے اس کے اثبات کی تاکہ بند نہ ہو جائے

{۱۰} وَلَيْسَتْ كِنَايَاتٍ عَلَى التَّحْقِيقِ لِأَنَّهَا عَلَيْهِ بَابُ التَّدَارُكِ وَلَا يَقَعُ فِي عُهْدَتِهَا بِالْمُرَاجَعَةِ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ ،

اس پر بابِ تدارک، اور تا کہ واقع نہ ہو جائے عورت کے ذمہ میں مراجعت بغیر قصد ہے۔ اور یہ الفاظ کنایات نہیں ہیں در حقیقت؛ کیونکہ یہ

عَوَامِلُ فِي حَقَائِقِهَا، وَالشَّرْطُ تَعْيِينُ أَحَدِ نَوْعَيِ الْبَيْنُونَةِ دُونَ الطَّلَاقِ ، وَانْتِقَاصُ الْعَدَدِ لِثُبُوتِ

عمل کرنے والے ہیں اپنے حقیقی معانی میں، اور شرط متعین کرنا ہے ایک قسم بینونت کی دو قسموں میں سے نہ کہ طلاق، اور کم ہونا عدد کا ثبوت

الطَّلَاقِ بِنَاءً عَلَى زَوَالِ الْوُصْلَةِ، {۱۱} وَإِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فِيهَا لِتَنَوُّعِ الْبَيْنُونَةِ إِلَى غَلِيظَةٍ وَخَفِيفَةٍ، وَعِنْدَ انْعِدَامِ النِّيَّةِ

طلاق کی وجہ سے بناء کرتے ہوئے تعلق کے زوال پر، اور صحیح ہے نیت تین کی ان میں بوجہ منقسم ہونے غلیظہ اور خفیفہ کی طرف، اور انعدام نیت کے وقت

يَثْبُتُ الْأَدْنَى ، وَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الِاثْنَتَيْنِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ لِأَنَّهُ عَدَدٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ

ثابت ہو جائے گا ادنیٰ، اور صحیح نہیں دو کی نیت ہمارے نزدیک، اختلاف ہے امام زفرؒ کا؛ کیونکہ دو عدد ہے اور ہم اسے بیان کر چکے اس سے پہلے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں سابقہ تین الفاظِ کنایہ کے علاوہ دیگر الفاظِ کنایہ اور ان کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲ تا ۶ میں صاحب ہدایہؒ نے امام قدوریؒ پر اشکال پیش کرتے ہوئے ان الفاظ کا تفصیلی حکم بیان کیا ہے۔ اور نمبر ۷ میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ایک قول اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ تا ۱۰ میں بتایا ہے کہ ان الفاظ سے طلاقِ بائن کے وقوع میں احناف اور شوافع کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۱۱ میں ایک سوال کا جواب، اور ان الفاظ سے دو طلاقوں کی نیت کے بارے میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہماری دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح: {۱} مذکورہ بالا تین الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ کنایہ سے ایک بائن طلاق واقع ہوگی اگر شوہر نے ایک طلاق کی نیت کی ہو، اور اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، اور اگر دو طلاقوں کی نیت کی ہو تب بھی ایک بائن طلاق واقع ہوگی۔ اور بقیہ الفاظِ کنائی یہ ہیں: "أَنْتِ بَائِنٌ" (تو مجھ سے جدا ہے) "أَنْتِ بَتَّةٌ وَأَنْتِ بَتْلَةٌ" (ان دونوں الفاظ کا ایک معنی ہے یعنی تیرا مجھ سے قطع تعلق ہے) "أَنْتِ حَرَامٌ" (تو حرام ہے) "حَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ" (تیری لگام تیرے کندھے پر ہے یعنی تجھے اپنا اختیار ہے) "الْحَقِي بِأَهْلِكِ" (تو اپنے رشتہ داروں سے مل جا) "أَنْتِ خَلِيَّةٌ" (تو چھوڑ دی گئی ہے) "أَنْتِ بَرِيَّةٌ" (تو بری ہے) "وَهَبْتُكِ لِأَهْلِكِ" (میں نے تجھے تیرے رشتہ داروں کو ہبہ کیا ہے) "سَرَّحْتُكِ" (میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے) "فَارَقْتُكِ" (میں نے تجھے جدا کر دیا ہے) "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) "اخْتَارِي" (تو خود کو اختیار کر) "أَنْتِ حُرَّةٌ" (تو آزاد ہے) "تَقَنَّعِي" (تو دوپٹہ اوڑھ) "تَخَمَّرِي" (تو چادر اوڑھ) "اسْتَتِرِي" (تو پردہ کر) "اغْرُبِي" (تو دور ہو جا) "اخْرُجِي" (تو نکل جا) "اذْهَبِي" (تو چلی جا) "قُومِي" (تو کھڑی ہو جا) "ابْتَغِي الْأَزْوَاجَ" (تو شوہروں کو طلب کر) چونکہ یہ الفاظ طلاق

اور غیر طلاق ہر دو کا احتمال رکھتے ہیں لہذا دونوں میں سے ایک محتمل کو متعین کرنے کے لیے نیت ضروری ہے۔ البتہ اگر زوجین میں طلاق کا مذاکرہ جاری ہو اسی حالت میں شوہر نے مذکورہ الفاظ میں سے کوئی لفظ عورت کو مخاطب کر کے کہا تو قضاءً بلانیت طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ شوہر عدم نیت کا دعوی کرے، مگر دیانۃً (فیما بینہ و بین اللہ) بلانیت طلاق واقع نہ ہوگی، ہاں اگر نیت طلاق کی کرے تو واقع ہو جائے گی۔

{۲} صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے تمام الفاظِ کنایہ کو برابر قرار دیا ہے کہ مذاکرۂ طلاق کی صورت میں ان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ یہ صرف ان الفاظ کا حکم ہے جو رد کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں ان میں قضاءً زوج کی تصدیق نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ عدم نیت کا دعوی کرے، باقی جو الفاظ رد کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر زوج نے رد کا دعویٰ کیا تو زوج کی تصدیق کی جائے گی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

پس اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ احوال تین ہیں (۱) حالتِ مطلقہ یعنی عام رضامندی کی حالت (۲) حالتِ مذاکرۂ طلاق یعنی شوہر سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ ہو رہا ہو (۳) غضب کی حالت یعنی زوجین میں غصہ کی باتیں ہو رہی ہوں۔ اور الفاظِ کنایات بھی تین طرح کے ہیں (۱) وہ جو جواب اور رد دونوں کا احتمال رکھتے ہیں یعنی شوہر سے بیوی کو طلاق دینے کے مطالبہ کا جواب بھی ہو سکتے ہیں کہ ٹھیک ہے تجھے طلاق ہے اور رد بھی ہو سکتے ہیں کہ تیرا مطالبۂ طلاق غلط ہے تجھے طلاق نہیں، البتہ سب وشتم نہیں ہو سکتے ہیں۔ (۲) وہ جو صرف عورت کے مطالبۂ طلاق کا جواب ہو سکتے ہیں رد اور سب وشتم نہیں ہو سکتے ہیں۔ (۳) وہ جو جواب بھی ہو سکتے ہیں اور سب وشتم بھی البتہ رد کا احتمال نہیں رکھتے۔

{۳} پس عام رضامندی کی حالت میں مذکورہ بالا تینوں قسم کے الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی طلاق نہیں ہوگا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے یعنی کہ یہ تمام الفاظ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں لہذا نیت ہی سے طلاق یا عدم طلاق کو متعین کیا جائیگا، اور عدم نیت میں شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

{۴} اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں قضاءً ان تمام الفاظ میں شوہر کے قول (کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی) کی تصدیق نہیں کی جائے گی جو الفاظ جواب بن سکتے ہیں مگر رد نہیں بن سکتے ہیں؛ جیسے شوہر کا قول: "خَلِيَّةٌ، بَرِيَّةٌ، بَائِنٌ، بَتَّةٌ، حَرَامٌ، اعْتَدِّي، أَمْرُكِ بِيَدِكِ، اخْتَارِي" کیونکہ جب اس سے طلاق کا مطالبہ ہو رہا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ ان الفاظ سے اس کی مراد طلاق دینا ہے، اب اگر وہ دعوی کرتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو یہ خلافِ ظاہر کی نیت ہے اور خلافِ ظاہر کی نیت کرنے میں دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی مگر قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی۔

{۵}اور جو الفاظ جواب اور رڈ دونوں کا احتمال رکھتے ہیں البتہ گالی گلوچ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں ان میں شوہر کے قول "کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی" کی تصدیق کی جائے گی، اور وہ الفاظ یہ ہیں "اذْهَبِي، أُخْرُجِي، قُومِي، تَقَنَّعِي، تَخَمَّرِي" اور وہ جوان کے قائم مقام ہوں جیسے "اغربی، استتری"؛ کیونکہ یہ الفاظ طلاق کے علاوہ رڈ کا بھی احتمال رکھتے ہیں، پھر طلاق اور رڈ میں سے رڈ ادنیٰ اور اسہل ہے کیونکہ اس میں کسی نئی چیز کا اثبات نہیں بلکہ ابقاء ہے اس لیے ادنیٰ اور اسہل ہے، لہٰذا ان الفاظ کو رڈ ہی پر حمل کیا جائے گا، اور اس لیے بھی کہ یہ معنیٰ لفظ کا محتمل ہے اور خلافِ ظاہر بھی نہیں ہے اس لیے قضاءً بھی اس کی نیت کی تصدیق کی جائے گی۔

{۶}اور حالتِ غضب میں ان تمام الفاظ میں شوہر کے قول "کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی" کی تصدیق کی جائے گی جو الفاظ رڈ یا سب وشتم کا احتمال رکھتے ہیں۔ البتہ جو الفاظ طلاق کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر رڈ اور گالی گلوچ کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں ان میں شوہر کے عدمِ نیت کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور وہ یہ تین الفاظ ہیں "اعْتَدِّي، اخْتَارِي، أَمْرُكِ بِيَدِكِ"؛ کیونکہ شوہر کا غصہ اور غضب اس بات پر دال ہے کہ اس نے طلاق کی نیت کی ہے، پس جب وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی، تو یہ دعویٰ خلافِ ظاہر ہے لہٰذا اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

{۷}امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ حالتِ غضب میں اگر شوہر نے کہا "لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكِ" (میری تجھ پر کوئی ملک نہیں) یا "لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكِ" (میری تجھ پر کوئی راہ نہیں) "خَلَّيْتُ سَبِيلَكِ" (میں نے تیری راہ چھوڑ دی) "فَارَقْتُكِ" (میں نے تجھے الگ کر دیا) پھر کہا کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو اس کی تصدیق کی جائے گی؛ کیونکہ ان چار الفاظ میں گالی گلوچ کا احتمال ہے، لہٰذا امام ابو یوسفؒ نے ان کو بھی ان الفاظ کے ساتھ ملا دیا ہے جو گالی گلوچ کا احتمال رکھتے ہیں۔

{۸}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ شروع کے تین الفاظ سے طلاق رجعی کا وقوع تو متفق علیہ ہے، مگر بقیہ کنایات سے طلاق بائن کا وقوع ہمارا مذہب ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ان سے بھی طلاق رجعی واقع ہوگی؛ کیونکہ ان الفاظ سے واقع ہونے والی چیز طلاق ہی ہے اس لیے کہ یہ طلاق سے کنایہ ہیں اور طلاق سے کنایہ طلاق ہی ہوتا ہے، اور کنایہ عن الطلاق ہونے کی وجہ سے ان میں نیتِ طلاق شرط ہے، پس ان سے اگر طلاق دی گئی تو طلاقوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے یعنی اب شوہر تین کے بجائے دو طلاقوں کا مالک ہوگا، اور طلاق اپنے بعد رجعت لاتی ہے جیسا کہ صریح طلاق اپنے بعد رجعت لاتی ہے، لہٰذا ان الفاظ سے رجعی طلاق واقع ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بائن کرنے والا تصرف اہلِ تصرف (عاقل، بالغ) سے صادر ہوا ہے اور محلِ تصرف (اس کی بیوی) کی طرف منسوب ہے اور طلاقِ بائن کی ولایت اس کو شرعاً حاصل ہے اور جو تصرف اہل سے صادر ہو اور محل کی طرف منسوب ہو وہ لامحالہ صحیح ہوگا اس لیے بینونت کا یہ تصرف صحیح ہے لہٰذا اس سے طلاقِ بائن واقع ہوگی۔

﴿۹﴾ اور مرد کا اہلِ تصرف ہونا (عاقل بالغ ہونا) اور عورت کا محلِ تصرف ہونا (کہ مملوک بملکِ نکاح ہے) تو ظاہر ہے، باقی شوہر کو بینونت کی شرعی ولایت حاصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کبھی انسان کو اس طرح بینونت ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، کہ اگر اس کو بعد میں ندامت ہو جائے تو اس کا تدارک بھی کر سکے اور عدت کے دوران بلا قصد مراجعت میں واقع بھی نہ ہو جائے، جس کی صورت یہی ہے کہ ایک طلاق بائن ہو؛ کیونکہ تین طلاقیں واقع کرنے میں بعد میں ندامت کی صورت میں تدارک ممکن نہیں، اور ایک رجعی میں کبھی بلا قصد مراجعت واقع ہو جاتی ہے مثلاً عورت اپنے آپ کو شوہر پر واقع کر کے شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لے لے، تو رجعت ثابت ہو جائے گی یوں اگر عورت فاسقہ فاجرہ ہو تو شوہر بلا قصد پھر اس کی زیادتیوں میں واقع ہو جاتا ہے، لہٰذا ان دونوں باتوں (عدمِ تدارک، اور بلا قصد رجعت) سے بچنے کے لیے ایک طلاقِ بائن کی حاجت ہے، پس اس حاجت کی وجہ سے شوہر کو شرعاً تصرفِ بینونت کی ولایت حاصل ہوگی۔

﴿۱۰﴾ باقی امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ الفاظِ کنایہ طلاق سے کنایہ ہیں، تو یہ ہمیں تسلیم نہیں؛ کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق سے کنایہ نہیں، اس لیے کہ یہ تو اپنے حقیقی معانی میں مستعمل ہیں اور جو لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہو وہ کنایہ نہیں ہوتا ہے۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ کنایہ ہونے کی وجہ سے ان کے لیے نیت شرط ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیت کا شرط ہونا طلاق کے لیے نہیں، بلکہ وہ بینونت کی دو قسموں (حسّی بینونت اور معنوی بینونت مراد ہیں۔ بینونتِ خفیفہ وغلیظہ مراد نہیں) میں سے ایک کو متعین کرنے کے لیے شرط ہے کہ میری مراد بینونتِ معنوی (نکاحی بینونت) ہے حسّی بینونت اور جدائی مراد نہیں، لہٰذا یہاں نیت تعیینِ بینونت کے لیے ہے نفسِ طلاق کے مراد ہونے کے لیے نہیں ہے۔ اور شوہر کے حق میں تعدادِ طلاق کم ہونے کی وجہ بینونت کے ضمن میں ثبوتِ طلاق ہے یعنی بینونت سے زوجین کا نکاحی جوڑ ختم ہو کر فرقت آجاتی ہے جس کے لیے طلاق لازم ہے؛ کیونکہ فسخِ نکاح کی وجہ سے اس فرقت کا کوئی قائل نہیں، لہٰذا طلاق ہی ہوگی، اس لیے شوہر کے حق میں تعدادِ طلاق کم ہو جاتی ہے۔

﴿۱۱﴾ سوال یہ ہے کہ جب یہ الفاظ اپنے حقیقی معانی میں مستعمل اور بنفسہٖ عمل کرنے والے ہیں تو چاہیے کہ ان سے تین طلاقوں کی نیت کرنا صحیح نہ ہو جیسا کہ "اَنْتِ طَالِقٌ" سے تین طلاقوں کی نیت صحیح نہیں؟ جواب یہ ہے کہ تین کی نیت کا صحیح ہونا اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ بنفسہٖ عمل کرنے والے ہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ بینونت کی دو قسمیں ہیں غلیظہ اور خفیفہ، اور مشترک لفظ سے وہی

معنی مراد ہوگا جس کی نیت کرے پس جب اس نے غلیظہ (تین طلاقوں) کی نیت کی تو غلیظہ ہو جائے گی، اور اگر دونوں معانی میں سے کسی ایک کی نیت نہ ہو، تو ادنیٰ ثابت ہوگا یعنی بینونتِ خفیفہ ثابت ہو جائے گی۔

البتہ ہمارے نزدیک ان الفاظ سے دو طلاقوں کی نیت کرنا صحیح نہیں، پس اگر شوہر نے دو طلاقوں کی نیت کی تو بھی ایک طلاق واقع ہوگی۔ امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک دو کی نیت بھی صحیح ہے۔ ہماری دلیل وہی ہے جو ہم "باب ایقاع الطلاق" کے شروع میں بیان کر چکے کہ دو عددِ محض ہے اور مذکورہ الفاظ عدد پر دال نہیں لہذا دو کی نیت صحیح نہیں۔

{۱} وَإِنْ قَالَ لَهَا : اعْتَدِّي اعْتَدِّي اعْتَدِّي وَقَالَ : نَوَيْتُ بِالْأُولَى طَلَاقًا وَبِالْبَاقِي حَيْضًا دُيِّنَ فِي الْقَضَاءِ

اور اگر کہا بیوی سے "اعْتَدِّي اعْتَدِّي اعْتَدِّي" اور کہا کہ میں نے نیت کی اول سے طلاق کی اور باقی سے حیض کی، تو تصدیق کی جائے گی قضاء میں

لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ ،وَلِأَنَّهُ يَأْمُرُ امْرَأَتَهُ فِي الْعَادَةِ بِالِاعْتِدَادِ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَكَانَ الظَّاهِرُ

؛کیونکہ اس نے نیت کی ہے اپنے کلام کی حقیقت کی اور اس لیے کہ وہ حکم کرتا ہے اپنی بیوی کو عادۃً عدت گذارنے کا طلاق کے بعد پس ہوگا ظاہر

شَاهِدًا لَهُ {۲} وَإِنْ قَالَ : لَمْ أَنْوِبِالْبَاقِي شَيْئًا فَهِيَ ثَلَاثٌ لِأَنَّهُ لَمَّا نَوَى بِالْأُولَى الطَّلَاقَ صَارَ الْحَالُ حَالَ

اس کے لیے شاہد، اور اگر کہا کہ میں نے نیت نہیں کی تھی باقی سے کچھ تو یہ تین ہوں گی؛ کیونکہ جب اس نے نیت کی اول سے طلاق کی، تو ہو گئی حال

مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَتَعَيَّنَ الْبَاقِيَانِ لِلطَّلَاقِ بِهَذِهِ الدَّلَالَةِ فَلَا يُصَدَّقُ فِي نَفْيِ النِّيَّةِ ،{۳}بِخِلَافِ مَا

مذاکرۂ طلاق کی حالت، پس متعین ہوں گی باقی دو طلاق کے لیے اس دلالت کی وجہ سے، پس تصدیق نہیں کی جائے گی نفی نیت میں، بخلاف اس کے

إِذَا قَالَ : لَمْ أَنْوِ بِالْكُلِّ الطَّلَاقَ حَيْثُ لَا يَقَعُ شَيْءٌ لِأَنَّهُ لَا ظَاهِرَ يُكَذِّبُهُ ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا

جب وہ کہے کہ میں نے نیت نہیں کی تھی کل سے طلاق کی کہ واقع نہ ہوگی کچھ؛ کیونکہ ظاہر اس کی تکذیب نہیں کرتا ہے، اور بخلاف اس کے کہ جب

قَالَ:نَوَيْتُ بِالثَّالِثَةِالطَّلَاقَ دُونَ الْأُولَيَيْنِ حَيْثُ لَايَقَعُ إِلَّاوَاحِدَةٌلِأَنَّ الْحَالَ عِنْدَالْأُولَيَيْنِ لَمْ تَكُنْ حَالَ مُذَاكَرَةِالطَّلَاقِ،

وہ کہے کہ میں نے نیت کی تھی تیسرے سے طلاق کی نہ کہ اول دو سے کہ واقع نہ ہوگی مگر ایک؛ کیونکہ حال اول دو کے وقت نہیں تھا مذاکرۂ طلاق کا حال

{۴}وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ يُصَدَّقُ الزَّوْجُ عَلَى نَفْيِ النِّيَّةِإِنَّمَايُصَدَّقُ مَعَ الْيَمِينِ لِأَنَّهُ أَمِينٌ فِي الْإِخْبَارِعَمَّا

اور ہر وہ جگہ کہ تصدیق کی جائے گی زوج کی نفیٔ نیت پر تصدیق کی جائے گی یمین کے ساتھ؛ کیونکہ شوہر امین ہے اس چیز کی خبر دینے میں جو

فِي ضَمِيرِهِ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْأَمِينِ مَعَ الْيَمِينِ.

اس کے دل میں ہے اور قول امین کا معتبر ہوتا ہے یمین کے ساتھ۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا تین مرتبہ بیوی سے کہنا اور پھر کہنا کہ اول سے طلاق کی نیت تھی اور بقیہ دو سے حیض کی تو اس کا اور دلیل ذکر کی ہے، اور باقی دو سے کچھ نیت کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ میں تینوں سے طلاق کی نیت نہ کرنے کا حکم اور دلیل اور نمبر ۴ میں ایک ضابطہ ذکر کیا ہے۔

تشریح:- {۱} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے لفظِ "اِعْتَدِّي" تین مرتبہ کہا مثلاً کہا "اِعْتَدِّي اِعْتَدِّي اِعْتَدِّي" پھر کہا کہ میں نے ان تین الفاظ میں سے اول سے طلاق کی نیت کی اور باقی دو سے حیض یعنی عدت گذارنے کی نیت کی، تو قضاءً اس کی تصدیق کی جائیگی؛ کیونکہ اس نے دوسری اور تیسری مرتبہ اپنے کلام سے اس کے حقیقی معنی کی نیت کی ہے اس لیے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عادت بھی یہی ہے کہ شوہر طلاق دینے کے بعد عدت گذارنے کا اَمر کرتا ہے، لہٰذا ظاہر حال اسی کا شاہد ہے اس لیے اس کی تصدیق کی جائے گی۔

{۲} اور اگر شوہر نے تین مرتبہ "اِعْتَدِّي" کہا، پہلی مرتبہ طلاق کی نیت کی باقی دو مرتبہ کچھ نیت نہیں کی، تو تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ جب اس نے پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی تو اب یہ حالت مذاکرۂ طلاق کی حالت ہو گئی، لہٰذا دوسرا اور تیسرا لفظ مذاکرۂ طلاق کی حالت میں صادر ہوا ہے پس اس دلیل سے یہ دو لفظِ طلاق کے لیے متعین ہو گئے، لہٰذا شوہر کا نیتِ طلاق کی نفی کرنے کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

{۳} اس کے بر خلاف اگر شوہر نے کہا کہ میں نے تینوں الفاظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی، تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ ایسا کوئی ظاہر نہیں جو اس کی تکذیب کرے۔ اور بر خلاف اس کے اگر شوہر نے کہا کہ میں نے تیسری مرتبہ "اِعْتَدِّي" کہنے سے طلاق کی نیت کی اول دو لفظوں سے کوئی نیت نہیں کی تھی، تو اس صورت میں فقط ایک طلاق واقع ہو؛ کیونکہ اول دو کے وقت مذاکرۂ طلاق کی حالت نہیں تھی، اس لیے ظاہر حال اس کی تکذیب نہیں کر رہا ہے۔

{۴} صاحبِ ہدایہؒ نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ جن مواقع میں شوہر کے قول کی تصدیق کی جائے گی نفی نیت (کہ میری نیت طلاق نہیں تھی) کے بارے میں تو وہاں قسم کے ساتھ اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی یعنی وہ قسم کھائے گا کہ واللہ میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی؛ کیونکہ شوہر اپنے مافی الضمیر کی خبر دینے میں امین ہے اور امین کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

بَابُ تَفْوِيضِ الطَّلَاقِ

یہ باب طلاق سپرد کرنے کے بیان میں ہے

مصنف اس طلاق کے بیان سے فارغ ہوگئے جس کو شوہر خود واقع کرتا ہے خواہ وہ صریح ہو یا کنائی ہو، تو اب ایسی طلاق کے بیان کو شروع فرمایا جس کو شوہر کے حکم سے کوئی دوسرا واقع کرتا ہے۔ اور چونکہ خود زوج کا طلاق واقع کرنا اصل ہے اور غیر سے واقع کرانا خلاف اصل ہے اس لئے اسے اصل کے بعد ذکر فرمایا۔ پھر تفویض کے لئے تین طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، تخییر، امر بالید، اور مشیت۔ مصنف نے ان تینوں کی تفصیل کے لئے ترتیب وار تین فصل قائم فرمائے ہیں۔ ان تینوں میں سے تخییر کو اس لئے مقدم کیا ہے کہ یہ صریح دلیل (اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہے۔

فَصْلٌ فِي الِاخْتِيَارِ

یہ فصل اختیار کے بیان میں ہے

{1} وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ : اخْتَارِي يَنْوِي بِذَلِكَ الطَّلَاقَ أَوْ قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفْسَكِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَا دَامَتْ فِي مَجْلِسِهَا ذَلِكَ ، فَإِنْ قَامَتْ مِنْهُ أَوْ أَخَذَتْ فِي عَمَلٍ آخَرَ خَرَجَ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا لِأَنَّ الْمُخَيَّرَةَ لَهَا الْمَجْلِسُ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم، وَلِأَنَّهُ تَمْلِيكُ الْفِعْلِ مِنْهَا ، {2} وَالتَّمْلِيكَاتُ تَقْتَضِي جَوَابًا فِي الْمَجْلِسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ ، لِأَنَّ سَاعَاتِ الْمَجْلِسِ اُعْتُبِرَتْ سَاعَةً وَاحِدَةً {3} إِلَّا أَنَّ الْمَجْلِسَ تَارَةً يَتَبَدَّلُ بِالذَّهَابِ عَنْهُ وَتَارَةً بِالِاشْتِغَالِ بِعَمَلٍ آخَرَ ، إِذْ مَجْلِسُ الْأَكْلِ غَيْرُ مَجْلِسِ الْمُنَاظَرَةِ وَمَجْلِسُ الْقِتَالِ غَيْرُهُمَا وَيَبْطُلُ خِيَارُهَا بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ ، بِخِلَافِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ لِأَنَّ الْمُفْسِدَ هُنَاكَ الِافْتِرَاقُ مِنْ غَيْرِ قَبْضٍ ، {4} ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ فِي قَوْلِهِ : اخْتَارِي لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ تَخْيِيرَهَا فِي نَفْسِهَا

اور جب کہے شوہر اپنی بیوی سے "اخْتَارِي" نیت کرے اس سے طلاق کی، یا کہے بیوی سے "طَلِّقِي نَفْسَكِ" تو عورت کو اختیار ہے کہ طلاق دے اپنے آپ کو جب تک کہ وہ ہو اپنی اس مجلس میں، پس اگر وہ کھڑی ہوگئی اس سے یا شروع ہوگئی دوسرے عمل میں تو نکل جائے گا معاملہ اس کے ہاتھ سے؛ کیونکہ مخیرہ کے لیے مجلس ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے، اور اس لیے کہ یہ مالک بناتا ہے فعل کا عورت کو اور تملیکات تقاضا کرتی ہیں جواب کا مجلس میں جیسا کہ بیع میں؛ کیونکہ مجلس کی ساعتیں شمار ہوتی ہیں ایک ساعت کی طرح، البتہ مجلس کبھی بدل جاتی ہے اس سے چلے جانے سے اور کبھی مشغول ہونے سے دوسرے عمل میں، کیونکہ کھانے کی مجلس غیر ہے مناظرہ کی مجلس کا اور قتال کی مجلس ان دونوں کا غیر ہے۔ اور باطل ہوگا عورت کا خیار فقط قیام سے؛ کیونکہ یہ دلیل ہے اعراض کی، بخلاف بیع صرف وسلم کے؛ کیونکہ مفسد یہاں جدا ہونا ہے بغیر قبضہ کے پھر ضروری ہے نیت اس کے قول "اخْتَارِي" میں؛ کیونکہ وہ احتمال رکھتا ہے عورت کو اختیار دینے کا اس کے نفس میں،

وَيَحْتَمِلُ تَخْيِيرَهَا فِي تَصَرُّفٍ آخَرَ غَيْرِهِ ﴿۵﴾ فَإِنْ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِي قَوْلِهِ اخْتَارِي
اور احتمال رکھتا ہے اس کو اختیار دینے کا کسی دوسرے تصرف میں اس کے علاوہ، پس اگر اس نے اختیار کیا اپنے نفس کو شوہر کے قول "اختَارِي" میں
كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً . وَالْقِيَاسُ أَنْ لَايَقَعَ بِهَذَا شَيْءٌ، وَإِنْ نَوَى الزَّوْجُ الطَّلَاقَ لِأَنَّهُ لَايَمْلِكُ الْإِيقَاعَ بِهَذَا اللَّفْظِ
تو ہو جائے گی ایک سے بائنہ اور قیاس یہ ہے کہ واقع نہ ہو اس سے کچھ اگرچہ نیت کی ہو زوج نے طلاق کی؛ کیونکہ شوہر مالک نہیں ایقاع کا اس لفظ سے
فَلَايَمْلِكُ التَّفْوِيضَ إِلَى غَيْرِهِ إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَّاهُ لِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَلِأَنَّهُ بِسَبِيلٍ مِنْ أَنْ يَسْتَدِيمَ
پس مالک نہ ہوگا تفویض کا غیر کو، مگر ہم نے استحساناً جائز جانا اس کو اجماعِ صحابہ کرام ؓ کی وجہ سے، اور اس لیے کہ شوہر کو اختیار ہے کہ وہ دائم رکھے
نِكَاحَهَا أَوْ يُفَارِقَهَا فَيَمْلِكُ إِقَامَتَهَا مَقَامَ نَفْسِهِ فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ ،﴿۶﴾ ثُمَّ الْوَاقِعُ بِهَا بَائِنٌ
اس کے نکاح کو یا جدا کر دے اس کو، پس وہ مالک ہوگا عورت کو اپنے نفس کا قائم مقام بنانے کا اس حکم کے حق میں، پھر واقع ہوگی اس سے بائن طلاق
لِأَنَّ اخْتِيَارَهَا نَفْسَهَا بِثُبُوتِ اخْتِصَاصِهَا بِهَا وَذَلِكَ فِي الْبَائِنِ وَلَا يَكُونُ ثَلَاثًا
کیونکہ عورت کا اختیار کرنا اپنے نفس کو نفس کے ساتھ عورت کے اختصاص کو ثابت کرنے سے ہے اور یہ بات بائن میں ہوگی، اور نہ ہوں گی تین
وَإِنْ نَوَى الزَّوْجُ ذَلِكَ لِأَنَّ الِاخْتِيَارَ لَا يَتَنَوَّعُ ، بِخِلَافِ الْإِبَانَةِ لِأَنَّ الْبَيْنُونَةَ قَدْ تَتَنَوَّعُ . ﴿۷﴾ قَالَ وَلَا بُدَّ
اگرچہ نیت کرے زوج اس کی؛ کیونکہ اختیار منقسم نہیں ہوتا ہے، بخلافِ ابانت کے؛ کیونکہ بینونت منقسم ہوتی ہے۔ فرمایا: اور ضروری ہے
مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِي كَلَامِهِ أَوْ فِي كَلَامِهَا ، حَتَّى لَوْ قَالَ لَهَا : اخْتَارِي فَقَالَتْ قَدْ : اخْتَرْت فَهُوَ بَاطِلٌ
ذکرِ نفس شوہر کے کلام میں یا عورت کے کلام میں، حتی کہ اگر کہا عورت سے "اختَارِي" پھر عورت نے کہا "اخترْت" تو یہ باطل ہے
لِأَنَّهُ عُرِفَ بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ فِي الْمُفَسَّرَةِ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ ، وَلِأَنَّ الْمُبْهَمَ لَا يَصْلُحُ تَفْسِيرًا لِلْمُبْهَمِ الْآخَرِ
کیونکہ یہ معلوم ہوا ہے اجماع سے اور اجماع مفسّر میں ہے ایک جانب میں، اور اس لیے کہ مبہم صلاحیت نہیں رکھتا ہے تفسیر کی دوسرے مبہم کے لیے
وَلَا تَعْيِينَ مَعَ الْإِبْهَامِ ﴿۸﴾ وَلَوْ قَالَ لَهَا : اخْتَارِي نَفْسَكِ فَقَالَتْ : اخْتَرْتُ تَقَعُ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ
اور تعیین نہیں ہوتی ابہام کے ساتھ۔ اور اگر کہا بیوی سے "اختَارِي نَفْسَكِ" عورت نے کہا "اخترْتُ" تو واقع ہو جائے گی ایک بائن
لِأَنَّ كَلَامَهُ مُفَسَّرٌ ، وَكَلَامُهَا خَرَجَ جَوَابًا لَهُ فَيَتَضَمَّنُ إِعَادَتَهُ ﴿۹﴾ وَكَذَا لَوْ قَالَ
کیونکہ شوہر کا کلام مفسّر ہے، اور عورت کا کلام نکلا ہے اسی کے جواب میں ، پس متضمن ہوگا شوہر کے کلام کے اعادہ کو، اسی طرح اگر کہا
اخْتَارِي اخْتِيَارَةً فَقَالَتْ : اخْتَرْتُ لِأَنَّ الْهَاءَ فِي الِاخْتِيَارَةِ تُنْبِئُ عَنِ الِاتِّحَادِ وَالِانْفِرَادِ ، وَاخْتِيَارُهَا نَفْسَهَا
"اختَارِي اخْتِيَارَةً" پس اس نے کہا "اخترْت"؛ کیونکہ تاء "اختِيَارَة" میں خبر دیتی ہے اتحاد اور انفراد سے، اور عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا
هُوَ الَّذِي يَتَّحِدُ مَرَّةً وَيَتَعَدَّدُ أُخْرَى فَصَارَ مُفَسَّرًا مِنْ جَانِبِهِ .

ہی وہ ہے جو کبھی متحد اور کبھی متعدد ہوتا ہے، پس ہو گیا مفسَّر مرد کی جانب سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا اپنی بیوی سے "اختَارِي" یا "طَلِّقِي نَفسَكِ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ پھر نمبر ۳ میں مجلس بدل جانے کی دو صورتیں بیان کی ہیں اور عورت کا مجلس سے محض کھڑی ہو جانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور اس صورت کا حکم بیع صرف وسلم سے مختلف ہے۔ اور نمبر ۴ میں شوہر کے قول "اختَارِي" میں نیتِ طلاق کا وجوب اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۵ میں شوہر کے قول "اختَارِي" کے جواب میں عورت کا خود کو اختیار کرنے کا طلاق ہونا اور اس کے دو دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر ۶ میں بتایا ہے کہ طلاق بائن واقع ہوگی مگر تین طلاقیں واقع نہ ہوں اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷و۸ میں مذکورہ لفظ سے وقوعِ طلاق کی شرط دو دلائل سمیت اور مثال سے وضاحت کی ہے، اور نمبر ۹ میں شوہر کے قول "اختَارِي اختِيَارَةً" سے وقوعِ طلاق اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "اختَارِي" (اختیار کر اپنے آپ کو) اور اس سے شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اگر عورت نے خود کو اختیار کر لیا تو وہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی۔ یا شوہر نے کہا "طَلِّقِي نَفسَكِ" (تو اپنے آپ کو طلاق دو) تو عورت جب تک کہ اسی مجلس میں ہوگی اس کو اختیار ہوگا کہ اپنے نفس کو طلاق دیدے، اور اگر وہ مجلس سے اٹھ گئی یا کسی اور کام میں شروع ہو گئی تو اب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے؛ کیونکہ اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ جس عورت کو اختیار دیا گیا ہو وہ اختیار مجلس تک رہے گا۔

{۲} دوسری مجلس تک اختیار کے ممتد نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عورت کو طلاق کا اختیار دینا در حقیقت اس کو طلاق کا مالک بنانا ہے اور تملیکات اسی مجلس میں جواب کا تقاضا کرتی ہیں جیسا کہ بیوع میں ایجاب اسی مجلس میں قبول کا تقاضا کرتا ہے اس مجلس کے بعد ایجاب باقی نہیں رہتا ہے۔ اور اسی مجلس کے آخر تک اختیار کے امتداد کی دلیل یہ ہے کہ مجلس کی تمام ساعتیں بمنزلہ ایک ساعت کے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک مجلس میں آیتِ سجدہ مکرر پڑھنے سے ایک سجدہ واجب ہوتا ہے، لہذا آخرِ مجلس تک عورت کو اختیار رہے گا۔ پس عورت مجلس میں طلاق واقع کر سکتی ہے مگر مجلس بدل جانے کے بعد یہ اختیار باقی نہیں رہیگا۔

{۳} پھر مجلس بدل جانے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ مجلس سے اٹھ کر چلی جائے، دوسری یہ کہ اسی جگہ رہتے ہوئے کسی دوسرے کام میں شروع ہو جائے تو اس سے بھی مجلس بدل جاتی ہے مثلاً کھانے پینے کی مجلس میں کھانے سے فارغ ہو کر مناظرہ شروع کرنے سے مجلس بدل جاتی ہے، اور لڑائی کی مجلس ان دونوں سے الگ ہے۔

اور عورت کا خیار محض مجلس سے کھڑی ہونے سے باطل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اختیار استعمال کرنے سے پہلے عورت کا مجلس سے کھڑی ہو جانا اختیار سے اعراض کی دلیل ہے اور اعراض سے اختیار باطل ہو جاتا ہے۔ بر خلافِ بیع صرف اور بیع سلم کے کہ بیع صرف میں بدلین پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے اور بیع سلم میں رأس المال پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے، مگر ان دونوں میں فقط مجلس سے قیام کی وجہ سے بیع باطل نہ ہوگی؛ کیونکہ بیع صرف اور بیع سلم کو فاسد کرنے والا امر دونوں کا قبضہ سے پہلے جدا ہونا ہے، اور فقط قیام سے جدا ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے اس لیے فقط قیام سے بیع باطل نہ ہوگی۔

ف۔ "بیع صرف" یہ ہے کہ ثمن کی بیع ثمن کے بدلہ ہو، مثلاً چاندی چاندی کے بدلہ، سونا سونے کے بدلے، یا روپے کا نوٹ اور سکہ اسی کے بدلہ۔ جب ثمن نقد ہو اور مبیع کی بعد میں حوالگی کا وعدہ ہو تو یہ بیع "سلم" ہے (قاموس الفقہ: ۲/۳۵۷)

{4} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے قول "اختَارِي" میں طلاق کی نیت ضروری ہے بغیر نیتِ طلاق کے طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ لفظ کنائی ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اسے اپنے نفس کو اختیار کرنے (طلاق دینے) کا اختیار دیا جا رہا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور تصرف (مثلاً نفقہ، لباس وغیرہ) کا اختیار دے رہا ہے، پس دو محتمل معانی میں سے ایک کو متعین کرنے کے لیے نیت ضروری ہے۔

{5} پھر اگر شوہر کے لفظِ "اختَارِي" کے جواب میں عورت نے اپنے آپ کو اختیار کیا، تو اس نے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی؛ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس لفظ سے کچھ واقع نہ ہو اگرچہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو؛ کیونکہ خود زوج اس لفظ سے طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں چنانچہ اگر شوہر نے کہا "اخترتکِ من نفسی" اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کا انسان خود مالک نہیں ہوتا اس کا دوسرے کو بھی مالک نہیں بنا سکتا، مگر ہم نے اس کو استحساناً جائز قرار دیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ لفظِ "اختَارِي" سے طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا ہم نے مذکورہ قیاس کو ترک کر دیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شوہر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی اس بیوی کا نکاح قائم اور برقرار رکھے، یا اس کو الگ کر دے، تو اس کو یہ بھی حق ہوگا کہ وہ اپنی اس بیوی کو اس حکم میں اپنا قائم مقام بنائے۔

{6} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ لفظِ "اختَارِي" سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی؛ کیونکہ عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ نفس کے ساتھ عورت کا اختصاص ثابت ہو جائے یعنی شوہر کی مِلک زائل ہو جائے اور عورت اپنے نفس کی مالک ہو جائے ظاہر ہے کہ یہ بات طلاق بائن میں حاصل ہوتی ہے طلاق رجعی سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔

مگر تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی اگرچہ شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو؛ کیونکہ اختیار منقسم الی الاقسام نہیں کہ ہر ایک قسم کی نیت کو صحیح قرار دیا جائے، بخلاف بینونت کے کہ وہ خفیفہ اور غلیظہ کی طرف منقسم ہے لہٰذا بینونت سے خفیفہ اور غلیظہ دونوں کی نیت صحیح ہے۔

{ 7 } اور لفظِ "اِخْتَارِيْ" سے طلاق واقع کرنے کیلئے زوجین میں سے کسی ایک کے کلام میں لفظِ "نفس" یا اس کے کسی قائم مقام لفظ کا ذکر ضروری ہے، حتی کہ اگر شوہر نے "اِخْتَارِيْ" کہا اور عورت نے جواب میں "اِخْتَرْتُ" کہہ دیا، تو یہ باطل ہے اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس لفظ کا طلاق ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے معلوم ہوا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع اس پر ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کی جانب سے لفظِ نفس یا اس کے قائم مقام سے اختیار کی تفسیر کی گئی ہو، لہٰذا بغیر تفسیر کے باطل ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ذکرِ "نفس" کے بغیر مرد اور عورت دونوں کا قول مبہم ہے عورت کا مبہم قول مرد کے مبہم قول کے لئے تفسیر نہیں بن سکتا کیونکہ عورت کے قول "اِخْتَرْتُ" میں جس طرح کہ یہ احتمال ہے کہ وہ اپنے نفس کو اختیار کر رہی ہے اسی طرح یہ احتمال بھی ہے کہ عورت اپنے زوج کو اختیار کر رہی ہے پس ابہام کے ساتھ طلاق ہونا متعین نہیں، اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

{ 8 } اور اگر شوہر نے کہا "اِخْتَارِيْ نَفْسَكِ" عورت نے کہا "اِخْتَرْتُ" تو ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ مرد کے کلام میں لفظِ نفس موجود ہے لہٰذا وہ مفسَّر ہے اور عورت کا کلام اس کے جواب میں واقع ہوا ہے لہٰذا عورت کا کلام اس تفسیر کو متضمن ہوگا؛ کیونکہ سوال میں موجود امر جواب میں معاد شمار ہوتا ہے۔

{ 9 } اسی طرح اگر مرد نے کہا "اِخْتَارِيْ اِخْتِيَارَةً" عورت نے کہا "اِخْتَرْتُ" تو بھی ایک بائن طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ شوہر کے قول میں لفظِ "اِخْتِيَارَةً" میں تاء وحدۃ کے لیے ہے جو اتحاد اور انفراد کی خبر دیتی ہے تو اس کے جواب میں عورت اسی شیٔ کو اختیار کرے گی جس میں تعدد اور توحد کا احتمال ہو اور تعدد و توحد کا احتمال اپنے نفس کو اختیار کرنے (یعنی طلاق واقع کرنے) میں ہے؛ کیونکہ طلاق ایسی ہے جو کبھی ایک ہوتی ہے اور کبھی متعدد ہوتی ہیں، بخلاف زوج کو اختیار کرنا کہ وہ تعدد اور توحد کا احتمال نہیں رکھتا کیونکہ زوج کو اختیار کرنا نکاح کا باقی رکھنا ہے جس میں تعدد نہیں۔ لہٰذا یہ کلام شوہر کی جانب سے مفسَّر ہے گویا شوہر نے کہا کہ تو اپنے نفس کو اختیار کر" اس لیے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

{1} وَلَوْ قَالَ : اخْتَارِي فَقَالَتْ : قَدْ اخْتَرْت نَفْسِي يَقَعُ الطَّلَاقُ إذَا نَوَى الزَّوْجُ لِأَنَّ كَلَامَهَا مُفَسَّرٌ

اور اگر کہا "اِخْتَارِيْ" اور عورت نے کہا "قَدْ اخْتَرْت نَفْسِي" تو واقع ہو جائے گی طلاق جب نیت کرے زوج؛ کیونکہ عورت کا کلام مفسَّر ہے

وَمَا نَوَاهُ الزَّوْجُ مِنْ مُحْتَمَلَاتِ كَلَامِهِ .{2} وَلَوْ قَالَ : اخْتَارِي فَقَالَتْ : أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي فَهِيَ طَالِقٌ

اور جس کی نیت کی ہے زوج نے وہ اس کے کلام کے محتملات میں سے ہے اور اگر کہا "اختاري" اور عورت نے کہا "أنا أختار نفسي" تو وہ طلاق ہے

وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تُطَلَّقَ لِأَنَّ هَذَا مُجَرَّدُ وَعْدٍ أَوْ يَحْتَمِلُهُ، فَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ لَهَا: طَلِّقِي نَفْسَكِ

اور قیاس یہ ہے کہ طلاق نہ ہو؛ کیونکہ یہ محض وعدہ ہے یا احتمال رکھتا ہے اس کا پس ہو گیا جیسا کہ جب کہے عورت سے "طَلِّقِي نَفْسَكِ"

فَقَالَتْ: أَنَا أُطَلِّقُ نَفْسِي . وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ حَدِيثُ { عَائِشَةَ فَإِنَّهَا قَالَتْ لَا بَلْ أَخْتَارُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ }

اور عورت کہے "أنا أطلق نفسي" وجہ استحسان حدیثِ عائشہ ہے انہوں نے کہا نہیں بلکہ میں اختیار کرتی ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو،

اعْتَبَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ جَوَابًا مِنْهَا، {۴} وَلِأَنَّ هَذِهِ الصِّيغَةَ حَقِيقَةٌ فِي الْحَالِ وَتَجَوُّزٌ فِي الِاسْتِقْبَالِ كَمَا فِي كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ،

حضور ﷺ نے اس کو معتبر جواب مانا اس کی طرف سے اور اس لیے کہ یہ صیغہ حقیقت ہے حال میں اور مجاز ہے استقبال میں جیسا کہ کلمہ شہادت میں

وَأَدَاءِ الشَّاهِدِ الشَّهَادَةَ، {۴} بِخِلَافِ قَوْلِهَا: أُطَلِّقُ نَفْسِي لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ حَمْلُهُ عَلَى الْحَالِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحِكَايَةٍ

اور گواہ کی ادائیگی شہادت میں، بخلافِ عورت کے قول "أُطَلِّقُ نَفْسِي"؛ کیونکہ متعذر ہے اس کو حمل کرنا حال پر اس لیے کہ وہ حکایت نہیں

عَنْ حَالَةٍ قَائِمَةٍ ، وَلَا كَذَلِكَ قَوْلُهَا :أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي لِأَنَّهُ حِكَايَةٌ عَنْ حَالَةٍ قَائِمَةٍ وَهُوَ اخْتِيَارُهَا نَفْسَهَا،

حالتِ موجودہ سے، اور ایسا نہیں عورت کا قول "أنا أختار نفسي" کیونکہ یہ حکایت ہے حالتِ موجودہ سے اور وہ عورت کا اختیار کرنا ہے اپنے نفس کو۔

{۵} وَلَوْ قَالَ لَهَا : اخْتَارِي اخْتَارِي اخْتَارِي فَقَالَتْ: قَدْ اخْتَرْتُ الْأُولَى أَوْ الْوُسْطَى أَوْ الْأَخِيرَةَ طَلُقَتْ ثَلَاثًا

اور اگر کہا عورت سے "اختاري اختاري اختاري" اور عورت نے کہا "اخترت الأولى أو الوسطى أو الأخيرة" تو طلاق ہو جائے گی تین طلاقوں سے

فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَلَا يُحْتَاجُ إلَى نِيَّةِ الزَّوْجِ وَقَالَا :تَطْلُقُ وَاحِدَةً وَإِنَّمَا لَا يُحْتَاجُ إلَى نِيَّةِ الزَّوْجِ

امام صاحبؒ کے قول میں اور احتیاج نہیں نیتِ زوج کو، اور صاحبینؒ نے فرمایا: طلاق ہو جائے گی ایک سے، اور احتیاج نہیں نیتِ زوج کو

لِدَلَالَةِ التَّكْرَارِ عَلَيْهِ إذِ الِاخْتِيَارُ فِي حَقِّ الطَّلَاقِ هُوَ الَّذِي يَتَكَرَّرُ لَهُمَا إنَّ ذِكْرَ الْأُولَى وَمَا يَجْرِي مَجْرَاهُ

تکرار کے دلالت کرنے کی وجہ سے اس پر کیونکہ جو اختیار حقِ طلاق میں ہو وہی وہ ہے جو مکرر ہوتا ہے، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اُولیٰ اور اس کے قائم مقام کا ذکر

إنْ كَانَ لَا يُفِيدُ مِنْ حَيْثُ التَّرْتِيبِ يُفِيدُ مِنْ حَيْثُ الْإِفْرَادِ فَيُعْتَبَرُ فِيمَا يُفِيدُ . {۶} وَلَهُ

اگرچہ مفید نہیں ہے ترتیب کے لیے مگر مفید ہے مفرد ہونے کی حیثیت سے پس معتبر ہوگا اس میں جس کا فائدہ دیتا ہے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ هَذَا وَصْفٌ لَغْوٌ لِأَنَّ الْمُجْتَمِعَ فِي الْمِلْكِ لَا تَرْتِيبَ فِيهِ كَالْمُجْتَمِعِ فِي الْمَكَانِ ، وَالْكَلَامُ لِلتَّرْتِيبِ وَالْإِفْرَادُ

کہ یہ وصف لغو ہے؛ کیونکہ مجتمع فی الملک میں ترتیب نہیں جیسا کہ مجتمع فی المکان میں، اور کلام ترتیب کے لیے ہے اور افراد

مِنْ ضَرُورَاتِهِ، فَإِذَا لَغَا فِي حَقِّ الْأَصْلِ لَغَا فِي حَقِّ الْبِنَاءِ {۷} وَلَوْ قَالَتْ اخْتَرْتُ اخْتِيَارَةً فَهِيَ ثَلَاثٌ

اس کے لوازمات میں سے ہے، پس جب لغو ہوا اصل کے حق میں تو لغو ہوگا بناء کے حق میں۔ اور اگر کہا "اختَرتُ اختِيَارَةً" تو یہ تین ہوں گی

فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا لِأَنَّهَا لِلْمَرَّةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا صَرَّحَتْ بِهَا وَلِأَنَّ الِاخْتِيَارَةَ لِلتَّأْكِيدِ

سب کے قول میں؛ کیونکہ یہ ایک بار کے لیے ہے پس ہوگیا جیسا کہ جب وہ تصریح کرے اس کی، اور اس لیے کہ "اختِيَارَةً" تاکید کے لیے ہے

وَبِدُونِ التَّأْكِيدِ تَقَعُ الثَّلَاثُ فَمَعَ التَّأْكِيدِ أَوْلَى ﴿۸﴾ وَلَوْ قَالَتْ قَدْ طَلَّقْتُ نَفْسِي أَوِ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ فَهِيَ

اور بغیر تاکید کے واقع ہوتی ہیں تین تو تاکید کے ساتھ بطریقہ اولیٰ اور اگر عورت نے کہا "طَلَّقْتُ نَفْسِي" یا "اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ" تو وہ

وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ لِأَنَّ هَذَا اللَّفْظَ يُوجِبُ الِانْطِلَاقَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَكَأَنَّهَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا

ایک ہوگی، شوہر مالک ہوگا رجعت کا؛ کیونکہ یہ لفظ واجب کر دیتا ہے طلاق کو عدت گذرنے کے بعد پس گویا عورت نے اختیار کیا اپنے نفس کو

بَعْدَ الْعِدَّةِ ﴿۹﴾ وَإِنْ قَالَ لَهَا أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي تَطْلِيقَةٍ أَوِ اخْتَارِي تَطْلِيقَةً فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ

عدت کے بعد، اور اگر کہا عورت سے "أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي تَطْلِيقَةٍ" یا کہا "اخْتَارِي تَطْلِيقَةً" پس اس نے اختیار کیا اپنے نفس کو، تو ایک طلاق ہوگی

يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ لِأَنَّهُ جَعَلَ لَهَا الِاخْتِيَارَ لَكِنْ بِتَطْلِيقَةٍ وَهِيَ مُعْقِبَةٌ لِلرَّجْعَةِ بِالنَّصِّ.

شوہر مالک ہوگا رجعت کا؛ کیونکہ اس نے دیدیا عورت کو اختیار لیکن تطلیقہ سے اور وہ بعد میں لانے والی ہے رجعت کو نص سے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں عورت کو خیار دینے کے مختلف الفاظ کا حکم دلائل سمیت ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵و۶ میں شوہر کا تین مرتبہ "اِخْتَارِي، اِخْتَارِي، اِخْتَارِي" کہنے کے حکم میں امام صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷و۸ میں شوہر کے تین مرتبہ "اِخْتَارِي، اِخْتَارِي، اِخْتَارِي" کے جواب میں عورت کے مختلف الفاظ کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے اور ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۹ میں شوہر کے قول "أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي تَطْلِيقَةٍ" یا "اخْتَارِي تَطْلِيقَةً" کے جواب میں عورت کا خود کو اختیار کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح: ﴿۱﴾ اگر شوہر نے کہا "اخْتَارِي" عورت نے جواب میں کہا "قَدِ اخْتَرْتُ نَفْسِي" (میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا) تو اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ عورت کا کلام مفسَّر ہے، اور شوہر نے جس چیز (طلاق) کی نیت کی ہے وہ شوہر کے کلام کے محتملات میں سے ہے اور کلام کے محتمل کی نیت صحیح ہے۔

﴿۲﴾ اور اگر شوہر نے کہا "اِخْتَارِي" عورت نے جواب میں کہا "أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي" (میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں) تو ایک طلاق واقع ہو جائیگی، البتہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو؛ کیونکہ "أَخْتَارُ" فعل مضارع ہے اور فعل مضارع حال اور استقبال دونوں کا احتمال رکھتا ہے، تو اگر عورت نے استقبال کا ارادہ کیا ہو تو یہ محض اختیار کا وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی

ہے۔اور اگر عورت نے حال کا ارادہ کیا ہو تو اس میں استقبال کا احتمال ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ شوہر کہے "طَلِّقِي نَفْسَكِ" (تو اپنے نفس کو طلاق دو) اور عورت جواب میں کہے "أَنَا أُطَلِّقُ نَفْسِي" (میں اپنے نفس کو طلاق دیتی ہوں) تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے لہذا "أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي" سے بھی طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے؟

مگر یہاں استحساناً وقوع طلاق کا حکم کیا ہے؛ وجہ استحسان یہ ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا[1]) (اے نبی علیہ السلام آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی) دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں) تو حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں تجھ کو ایک بات کی خبر دوں گا تو اپنے والدین سے مشورہ کیے بغیر جواب میں جلدی مت کر، پھر آپ ﷺ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا میں اس بارے میں ماں باپ سے مشورہ کروں؟ نہیں "بَلْ أَخْتَارُ اللهَ وَرَسُوْلَهُ[2]" (بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں) جس میں لفظ "أَخْتَارُ" مضارع کا صیغہ ہے جس میں مستقبل کا احتمال ہے جو محض وعدہ ہو سکتا ہے، پھر بھی حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس جواب کا اعتبار کیا، حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک لہلہانے لگا۔ پس حضور ﷺ کا اس سے خوش ہونا اور یہ نہ فرمانا کہ ماضی سے جواب دو، اس بات کی دلیل ہے کہ مضارع سے بھی اختیار ثابت ہوتا ہے۔

{۳} دوسری وجہ استحسان یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ حال میں حقیقت ہے اور استقبال میں مجاز ہے جیسا کہ کلمۂ شہادت میں "اشہدان لاالٰہ الاّاللہ" میں "اشہد" مضارع کا صیغہ ہے اور بمعنی حال مستعمل ہے مستقبل کا وعدہ نہیں ہے ورنہ تو اس سے ایمان ثابت نہ ہوگا، اور قاضی کی عدالت میں کسی بات کی گواہی دیتے ہوئے "اشہد بکذا" کہتے ہیں جس میں "اشہد" مضارع کا صیغہ ہے اور بمعنی حال مستعمل ہے مستقبل کا وعدہ نہیں ہے کہ میں مستقبل میں گواہی ادا کروں گا، اسی طرح یہاں بھی "أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي" میں مضارع بمعنی حال ہے مستقبل کا وعدہ نہیں، لہذا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

{۴} باقی "أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي" کو "أَنَا أُطَلِّقُ نَفْسِي" پر قیاس کرنا صحیح نہیں؛ کیونکہ "أُطَلِّقُ" کو حال پر محمول کرنا متعذر ہے جبکہ "أَخْتَارُ" کو حال پر محمول کرنا متعذر نہیں، وجہ یہ ہے کہ طلاق دینا زبان کا فعل ہے دل کا فعل نہیں جس کو زبان سے نقل کیا جائے، اس لیے اس صورت میں دل میں کوئی حال قائم نہیں کہ زبان سے اس کی حکایت اور نقل کرے اس لیے اس کو حال کے معنی میں

---

(۱) الاحزاب: ۲۸۔

(۲) امام بخاری نے اس مضمون کی روایت اپنی صحیح میں نقل کی ہے، صحیح بخاری: ۲، ص۲۰۲، رقم: ٤٧٨٥، ط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

استعمال کرنا متعذر ہے تو لازمی بات ہے کہ یہ مستقبل کا وعدہ ہے اس لیے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، بخلافِ اختیار کے کیونکہ عورت شوہر یا اپنے نفس کو پہلے دل سے اختیار کرتی ہے اور دل میں ایک حالت قائم ہو جاتی ہے پھر وہ اسے اپنی زبان سے نقل کرتی ہے کہ میں شوہر کو اختیار کرتی ہوں یا اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں، لہذا "أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي" حال میں مستعمل ہے مستقبل کا وعدہ نہیں ہے اس لیے اس سے طلاق واقع ہوگی۔

{ 5 } اگر شوہر نے تین مرتبہ اپنی بیوی سے کہا "اِخْتَارِي، اِخْتَارِي، اِخْتَارِي" (خود کو اختیار کر)، عورت نے کہا "قَدِ اخْتَرْتُ الْأُولَى أَوِالْوُسْطَى أَوِالْأَخِيرَةَ" (میں نے اول یا درمیانی یا اخیر کو اختیار کیا ہے)، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی اور شوہر کی نیت کی احتیاج بھی نہ ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک شوہر کی نیت کے بغیر ایک طلاق واقع ہوگی۔ شوہر کی نیت کی ضرورت اس لئے نہیں کہ یہاں لفظِ "اِخْتَارِي" کا تکرار طلاق کے معنی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جو اختیار مکرر ہوتا ہے وہ طلاق کے بارے میں ہوتا ہے زوج کے حق میں اختیار مکرر نہیں ہوتا، پس قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے نیتِ زوج کی ضرورت نہیں ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا قول "الْأُولَى أَوِالْوُسْطَى أَوِالْأَخِيرَةَ" بے شک ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا مگر افراد کا فائدہ دیتا ہے؛ کیونکہ اولیٰ، وسطیٰ اور اخیرہ فردِ مرتب کا نام ہے مگر جب محل ترتیب نہیں تو ترتیب لغو ہوگی اور جس چیز کا فائدہ دیتا ہے یعنی افراد وہ باقی رہے گی پس کہا جائیگا کہ عورت نے تین میں سے صرف ایک طلاق کو اختیار کیا ہے لہذا ایک طلاق واقع ہوگی۔

{ 6 } امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصفِ ترتیب لغو ہے؛ کیونکہ شوہر کے اختیار دینے سے عورت تین ایسی طلاقوں کی مالک ہو جاتی ہے جو شوہر کی مِلک میں جمع ہیں اور مجتمع فی الملک میں ترتیب نہیں ہوتی ہے جیسا کہ کسی مکان میں مجتمع لوگوں میں ترتیب نہیں ہوتی ہے کہ یہ اول ہے یہ دوم ہے، اور عورت کے قول "الْأُولَى أَوِ الْوُسْطَى أَوِ الْأَخِيرَةَ" میں ہر ایک لفظ صفت کا صیغہ ہے اور صفت وہ ہے جو ذات پر دلالت کرنے ایسے معنی کے اعتبار سے جو معنی مقصود ہو، لہذ "الْأُولَى" بمعنی فردِ سابق، جس میں سبقت کا معنی مقصود ہے اس لیے اس لفظ میں ترتیب کا معنی اصل ہے اور افراد ترتیب کے لیے لازم اور تابع ہے؛ کیونکہ جب تین چیزیں ترتیب سے اول، دوم اور سوم ذکر ہو تو ہر ایک میں افراد بھی پیدا ہوگا لہذا ترتیب اصل اور افراد اس کا تابع ہے تو جب کلام ترتیب کے بارے میں لغو ہوا تو جو امر (افراد) اس پر مرتب ہے اس کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ لغو ہوگا، پس عورت کے قول "قَدِ اخْتَرْتُ الْأُولَى أَوِالْوُسْطَى أَوِالْأَخِيرَةَ" میں سے "الْأُولَى أَوِالْوُسْطَى أَوِالْأَخِيرَةَ" لغو ہوا، تو شوہر کے قول کا جواب فقط "اخْتَرْتُ" رہ گیا تو گویا عورت نے کہا "میں نے اختیار کی، اختیار کی، اختیار کی" اس لیے عورت کے اس قول سے تین طلاقیں واقع ہوئیں۔

فتویٰ: صاحبین کا قول راجح ہے لمافی الھندیة: ثمّ وقوع الثلاث بقولها اخترت الاولیٰ اوالوسطیٰ اوالاخیرة قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وعندهما تطلق واحدة .قوله وعندهما تطلق واحدة هو المختار كما فی الدرر وغيره (الھندیہ: ۱/۳۸۹)

﴿۷﴾اور اگر شوہر کے قول "اِخْتَارِي،اِخْتَارِي،اِخْتَارِي" کے جواب میں عورت نے کہا "اخْتَرْتُ اخْتِيَارَةً" (میں نے اختیار کیا ہے اختیار کرنا) تو بالاتفاق تین طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ "اخْتِيَارَةً" کی تاء مرۃ کے لیے ہے تو گویا عورت نے اس کی ان الفاظ "اخْتَرْتُ نَفْسِي مَرَّةً" (میں نے ایک ہی مرتبہ اختیار کیا) سے تصریح کی، جس سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظ "اخْتِيَارَةً" تاکید کے لیے ہے اور عورت اگر فقط "اخْتَرْتُ" کہتی تو تین طلاقیں واقع ہو جاتیں اب جبکہ اس نے اس کے ساتھ تاکید یعنی "اخْتِيَارَةً" کو بھی ذکر کر دیا تو بطریقہ اولیٰ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

﴿۸﴾اور اگر شوہر کے قول "اِخْتَارِي،اِخْتَارِي،اِخْتَارِي" کے جواب میں عورت نے کہا "طَلَّقْتُ نَفْسِي" (میں نے اپنے نفس کو طلاق دیدی) یا کہا "اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ" (میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق سے اختیار کرلیا) تو یہ ایک ایسی طلاق ہوگی جس کے بعد شوہر رجعت کا مالک ہوگا؛ کیونکہ عورت کے قول میں لفظ "طَلَّقْتُ" اور "بِتَطْلِيقَةٍ" صریح طلاق ہے اور صریح طلاق عدت گذرنے کے بعد انطلاق (بینونت) ثابت کرتی ہے وقوع کے وقت رجعی ثابت ہوتی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس وقت تو جواب مرد کی تفویض کے مطابق نہیں؛ کیونکہ مرد نے کنائی لفظ "اِخْتَارِي" سے بائن طلاق کی تفویض کی ہے عورت نے رجعی واقع کردی؟ جواب یہ ہے کہ عورت نے گویا عدت کے بعد اپنے نفس کو اختیار کیا اور عدت کے بعد بینونت ثابت ہوتی لہذا جواب تفویض کے مطابق ہے۔

ف: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے رجعی طلاق کا قول کیا ہے جس کو شراح نے ردّ کیا ہے؛ کیونکہ عورت تصرف کرتی ہے مرد کی طرف سے تفویض طلاق کے نتیجہ میں، اور مرد کی طرف سے تفویض بائن طلاق کی ہے؛ کیونکہ یہ تفویض کنایات میں سے ہے جس سے بائن طلاق واقع ہوتی ہے یہی صحیح ہے لمافی فتح القدیر: (قَوْلُهُ: فَهِيَ وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ) وَهُوَ سَهْوٌ بَلْ بَائِنٌ نَصَّ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ فِي الزِّيَادَاتِ وَفِي الْجَامِعِ الْكَبِيرِ وَالْمَبْسُوطِ وَالْأَوْضَحِ وَشُرُوحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَجَوَامِعِ الْفِقْهِ وَعَامَّةِ الْجَوَامِعِ سِوَى جَامِعِ صَدْرِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ فِيهِ مَا فِي الْهِدَايَةِ . وَجْهُ الصَّحِيحِ أَنَّ الْوَاقِعَ بِالتَّخْيِيرِ بَائِنٌ لِأَنَّ التَّخْيِيرَ تَمْلِيكُ النَّفْسِ مِنْهَا وَلَيْسَ فِي الرَّجْعِيِّ مِلْكُهَا نَفْسَهَا وَإِيقَاعُهَا وَإِنْ كَانَ بِلَفْظِ الصَّرِيحِ ، لَكِنْ إنَّمَا يَثْبُتُ بِهِ الْوُقُوعُ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي فَوَّضَ بِهِ إلَيْهَا، وَالصَّرِيحُ لَا يُنَافِي الْبَيْنُونَةَ كَمَا فِي تَسْمِيَةِ الْمَالِ فَيَقَعُ بِهِ لِأَنَّهَا لَا تَمْلِكُ إلَّا مَا

مُلْكٌ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ أَمَرَهَا بِالْبَائِنِ فَأَوْقَعَتْ الرَّجْعِيَّ أَوْ بِالْعَكْسِ وَقَعَ مَا أَمَرَهَا بِهِ لأنها أوقعته (فتح القدیر: ۴۱۸/۳)

{9} اگر شوہر نے بیوی سے کہا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي تَطْلِيقَةٍ" (طلاق دینے میں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) یا کہا "اخْتَارِي تَطْلِيقَةً" (طلاق دینا اختیار کر) جس کے جواب میں عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی اور زوج رجعت کا مالک ہوگا؛ کیونکہ زوج نے لفظِ "تَطْلِيقَة" سے عورت کو اختیار دیا ہے یہ لفظ صریح ہے اگر وہ خود اس سے طلاق واقع کرتا تو رجعی طلاق واقع ہوتی، لہٰذا اب بھی یہ طلاق اپنے بعد رجعت لاتی ہے یعنی طلاق رجعی واقع ہوگی۔

فَصْلٌ فِي الْأَمْرِ بِالْيَدِ

یہ فصل امر بالید کے بیان میں ہے

یہ کنائی طلاق کی تفویض کی دوسری فصل ہے اس میں مصنفؒ نے امر بالید کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اختیار والی فصل کو اس سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اختیار اجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مؤید ہے۔

امر بالید دیگر تمام امور (ذکرِ نفس کا وجوب، عدمِ ملکِ رجعت وغیرہ) میں اختیار دینے کی طرح ہے، البتہ یہ فرق ہے کہ اختیار کی صورت میں تین طلاقوں کی نیت کرنا صحیح نہیں جبکہ امر بالید میں صحیح ہے۔

{1} وَإِنْ قَالَ لَهَا : أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَنْوِي ثَلَاثًا فَقَالَتْ : قَدْ اخْتَرْت نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ ثَلَاثٌ

اور اگر کہا بیوی سے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے" نیت کی تین کی، اور عورت نے کہا میں اختیار کیا اپنے نفس کو ایک دفعہ میں، تو تین طلاق ہوں گی

لِأَنَّ الِاخْتِيَارَ يَصْلُحُ جَوَابًا لِلْأَمْرِ بِالْيَدِ لِكَوْنِهِ تَمْلِيكًا كَالتَّخْيِيرِ ، وَالْوَاحِدَةُ صِفَةٌ لِلِاخْتِيَارَةِ ، فَصَارَ

کیونکہ اختیار صلاحیت رکھتا ہے امر بالید کے جواب کا اس لیے یہ تملیک ہے تخییر کی طرح، اور وحدت صفت ہے اختیار کی، پس ہو گیا

كَأَنَّهَا قَالَتْ : اخْتَرْت نَفْسِي بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ وَبِذَلِكَ يَقَعُ الثَّلَاثُ {2} وَلَوْ قَالَتْ : قَدْ طَلَّقْت نَفْسِي

جیسا کہ عورت کہے "میں نے اختیار کیا اپنے نفس کو ایک مرتبہ" اور اس سے تین واقع ہو جاتی ہیں، اور اگر کہا کہ میں نے طلاق دی اپنے نفس کو

بِوَاحِدَةٍ أَوْ اخْتَرْت نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ لِأَنَّ الْوَاحِدَةَ نَعْتٌ لِمَصْدَرٍ مَحْذُوفٍ وَهُوَ فِي الْأُولَى

ایک کے ساتھ یا میں نے اختیار کیا اپنے نفس کو تطلیقہ کے ساتھ، تو یہ ایک بائن ہے؛ کیونکہ واحدۃ صفت ہے مصدر محذوف کی، اور وہ اول میں

الِاخْتِيَارَةُ ، وَفِي الثَّانِيَةِ التَّطْلِيقَةُ إلَّا أَنَّهَا تَكُونُ بَائِنَةً لِأَنَّ التَّفْوِيضَ فِي الْبَائِنِ ضَرُورَةُ مِلْكِهَا أَمْرَهَا

اختیارۃ ہے، اور ثانی میں تطلیقہ ہے، مگر وہ بائنہ ہوگی؛ کیونکہ تفویض بائن ہی میں ہے اس کے اپنے معاملہ کے مالک ہونے کی ضرورت کی وجہ سے

وَكِلَاهُمَا خَرَجَ جَوَابًا لَهُ فَتَصِيرُ الصِّفَةُ الْمَذْكُورَةُ فِي التَّفْوِيضِ مَذْكُورَةً فِي الْإِيقَاعِ {3} وَإِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فِي قَوْلِهِ

اور عورت کا کلام صادر ہوا شوہر کا جواب بن کر، پس ہوگی ذکر کردہ صفت تفویض میں مذکور ایقاع میں، اور صحیح ہے تین کی نیت اس کے قول

أَمْرُكِ بِيَدِكِ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُمُومَ وَالْخُصُوصَ. وَنِيَّةُ الثَّلَاثِ نِيَّةُ التَّعْمِيمِ ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ : اخْتَارِي لِأَنَّهُ

"أمرك بيدك" میں؛ کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے عموم اور خصوص کا، اور تین کی نیت عموم کی نیت ہے، بخلاف اس کے قول "اختاري" کیونکہ یہ

لَا يَحْتَمِلُ الْعُمُومَ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ . {۴} وَلَوْ قَالَ لَهَا : أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ

احتمال نہیں رکھتا ہے عموم کا، اور ہم ثابت کر چکے ہیں اس سے پہلے۔ اور اگر کہا بیوی سے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل کے بعد"

لَمْ يَدْخُلْ فِيهِ اللَّيْلُ وَإِنْ رَدَّتِ الْأَمْرَ فِي يَوْمِهَا بَطَلَ أَمْرُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ الْأَمْرُ بِيَدِهَا بَعْدَ غَدٍ

تو داخل نہ ہوگی اس میں رات، اور اگر عورت نے رد کر دیا معاملہ آج کے دن تو باطل ہوگا معاملہ اسی دن کا اور ہوگا امر اس کے ہاتھ کل کے بعد

{۵} لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِذِكْرِ وَقْتَيْنِ بَيْنَهُمَا وَقْتٌ مِنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْأَمْرُ إِذْ ذِكْرُ الْيَوْمِ بِعِبَارَةِ الْفَرْدِ

کیونکہ اس نے صراحۃً ذکر کیا دو وقتوں کو جن کے درمیان وقت ہے ان کا ہم جنس جس کو شامل نہیں امر بالید کیونکہ ذکر یوم عبارۃِ فرد کے ساتھ

لَا يَتَنَاوَلُ اللَّيْلَ فَكَانَا أَمْرَيْنِ فَبِرَدِّ أَحَدِهِمَا لَا يَرْتَدُّ الْآخَرُ . وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : هُمَا أَمْرٌ وَاحِدٌ

شامل نہیں ہوگا رات کو، پس ہو گئے دو امر، تو ایک کو رد کرنے سے رد نہیں ہوتا دوسرا۔ اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ یہ دونوں امر واحد ہیں

بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ . قُلْنَا : الطَّلَاقُ لَا يَحْتَمِلُ التَّأْقِيتَ ، وَالْأَمْرُ بِالْيَدِ يَحْتَمِلُهُ ،

بمنزلہ اس کے قول "تو طلاق ہے آج اور کل کے بعد" ہم کہتے ہیں کہ طلاق احتمال نہیں رکھتی ہے تعیین وقت کا اور امر بالید احتمال رکھتا ہے اس کا

فَيُوَقَّتُ الْأَمْرُ بِالْأَوَّلِ وَجَعَلَ الثَّانِيَ أَمْرًا مُبْتَدَأً {۶} وَلَوْ قَالَ أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا يَدْخُلُ

پس متعین کیا جائے گا امر کو اول کے ساتھ اور قرار دیا جائے گا دوسرا مستقل امر، اور اگر کہا "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے آج اور کل" تو داخل ہوگی

اللَّيْلُ فِي ذَلِكَ ، فَإِنْ رَدَّتِ الْأَمْرَ فِي يَوْمِهَا لَا يَبْقَى الْأَمْرُ فِي يَدِهَا فِي غَدٍ لِأَنَّ هَذَا أَمْرٌ وَاحِدٌ لِأَنَّهُ

رات اس میں، پس اگر عورت نے رد کر دیا معاملہ آج کے دن تو باقی نہیں رہے گا معاملہ اس کے ہاتھ میں کل؛ کیونکہ یہ امر واحد ہے اس لیے کہ

لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَ الْوَقْتَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ وَقْتٌ مِنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْكَلَامُ وَقَدْ يَهْجُمُ اللَّيْلُ

حائل نہیں ہوا ذکر کردہ دو وقتوں کے درمیان ایسا وقت ان دونوں کی جنس سے جس کو شامل نہ ہو کلام اور حال یہ کہ کبھی آجاتی ہے رات

وَمَجْلِسُ الْمَشُورَةِ لَا يَنْقَطِعُ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ: أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي يَوْمَيْنِ. {۷} وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا إِذَا

اور مجلس مشورہ منقطع نہیں ہوتا، پس ہو گیا جیسا کہ جب کہے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ دو روز ہے" اور امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ عورت جب

رَدَّتِ الْأَمْرَ فِي الْيَوْمِ لَهَا أَنْ تَخْتَارَ نَفْسَهَا غَدًا لِأَنَّهَا لَا تَمْلِكُ رَدَّ الْأَمْرِ كَمَا

رد کر دے معاملہ آج کے دن تو اس کو اختیار ہے کہ اختیار کر لے اپنے آپ کو کل؛ کیونکہ عورت مالکہ نہیں معاملہ کو رد کرنے کا جیسا کہ

لا تَمْلِكُ رَدَّ الإِيقَاعِ . ﴿۸﴾وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهَا إِذَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا الْيَوْمَ لا يَبْقَى لَهَا الخِيَارُ
وہ مالک نہیں ایقاع کو رد کرنے کا، وجہ ظاہر روایت کی یہ ہے کہ عورت جب اختیار کرے اپنے آپ کو آج تو باقی نہیں رہے گا اس کے لیے اختیار

فِي الْغَدِ ، فَكَذَا إِذَا اخْتَارَتْ زَوْجَهَا بِرَدِّ الأَمْرِ لِأَنَّ الْمُخَيَّرَ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ لا يَمْلِكُ إِلَّا
کل کے دن، پس اسی طرح جب وہ اختیار کرے اپنے شوہر کو رد امر کے ذریعہ؛ کیونکہ مختار شخص دو چیزوں کے درمیان مالک نہیں ہوتا مگر

اخْتِيَارَ أَحَدِهِمَا . ﴿۹﴾وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إِذَا قَالَ : أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ غَدًا
دونوں میں سے ایک کے اختیار کا، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ شوہر جب کہے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ آج اور تیرا معاملہ تیرے ہاتھ کل"

أَنَّهُمَا أَمْرَانِ لِمَا أَنَّهُ ذَكَرَ لِكُلِّ وَقْتٍ خَبَرًا بِخِلافِ مَا تَقَدَّمَ،
تو یہ دو امر ہیں؛ کیونکہ اس نے ذکر کیا ہے ہر ایک وقت کے لیے علیحدہ خبر، بخلاف ماسبق کے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بنیتِ تین شوہر کا بیوی سے کہنا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" اور بیوی کا اس کے جواب میں "قَدِ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲ میں شوہر کے قول "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" کے جواب میں عورت کا "قَدْ طَلَّقْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ میں شوہر کے قول "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" میں تین طلاقوں کی نیت صحت اور "اخْتَارِي" میں عدم صحت اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴و۵ میں شوہر کا اپنی بیوی سے "أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ" کہنے کے حکم میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۶ میں شوہر کے قول "أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا" کا حکم اور تفصیل دلیل سمیت ذکر کی ہے، اور نمبر ۷ میں امام صاحبؒ سے مروی ایک روایت اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ میں ظاہر الروایت کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۹ میں "أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ غَدًا" کے بارے میں امام ابو یوسفؒ سے مروی روایت اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔﴿۱﴾اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کر کے بیوی سے کہا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" (تیرا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے) عورت نے جواباً کہا "قَدِ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ" (میں نے اپنے نفس کو ایک دفعہ سے اختیار کر لیا) تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اختیار امر بالید کا جواب اس لیے بن سکتا ہے کہ امر بالید عورت کو مالک بنانے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ تخییر (اختیار دینا) عورت کو مالک بنانے پر دلالت کرتی ہے، تو اختیار جس طرح کہ تخییر کا جواب بن سکتا ہے اسی طرح امر بالید کا بھی جواب ہو سکتا ہے۔ پھر عورت کے قول میں "بِوَاحِدَةٍ" اختیار مقدر کی صفت ہے گویا عورت نے کہا "اخْتَرْتُ نَفْسِي بِاخْتِيَارَةٍ وَاحِدَةٍ" جس میں تاء وحدت کے لیے ہے یعنی "اخْتَرْتُ نَفْسِي بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ" (یعنی میں نے یکبار گی تین طلاقوں سے اپنے آپ کو اختیار کیا) جس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

{2} اور اگر زوج نے کہا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) عورت نے جواباً کہا "قَدْ طَلَّقْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ" (میں نے طلاق دی اپنے نفس کو ایک کے ساتھ) یا کہا "اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ" (میں اپنے نفس کو ایک طلاق سے اختیار کیا ہے) تو ان دونوں صورتوں میں ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔ سابقہ صورت میں تین طلاقیں اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے قول میں لفظ "بِوَاحِدَةٍ" موصوف مقدر کے لئے صفت ہے اور وہ سابقہ صورت میں "اِخْتِيَارَةً" ہے تقدیری عبارت ہے "اخْتَرْتُ نَفْسِي بِاخْتِيَارَةٍ وَاحِدَةٍ"۔ اور اس دوسری صورت میں "تَطْلِيقَةً" ہے تقدیری عبارت ہے "طَلَّقْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ وَاحِدَةٍ" دونوں صورتوں میں تاء وحدت کے لیے ہے پس سابقہ صورت میں معنی ہے "میں نے یکبارگی تین طلاقوں کے ساتھ اپنے نفس کو اختیار کیا ہے" اور اس صورت کا معنی ہے "میں طلاق دی ہے اپنے نفس کو ایک طلاق"۔ اور طلاق بائن اس لئے ہوگی کہ شوہر کی طرف سے بائن طلاق کی تفویض ہوئی ہے؛ کیونکہ عورت اپنے معاملہ کی مالک ہوگئی ہے اور اپنے معاملہ کی وہ مالک ہوتی ہے بائن طلاق سے، لہٰذا تفویض بائن طلاق کی ہے، پھر عورت کا کلام مرد کے کلام کا جواب ہے تو جو صفت (بینونت) مرد کی طرف سے تفویض میں موجود ہوگی وہی صفت عورت کے واقع کرنے میں بھی موجود ہوگی، اس لیے طلاق بائن ہوگی۔

{3} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے قول "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" میں تین طلاقوں کی نیت صحیح ہے، اور "اخْتَارِي" میں صحیح نہیں ہے؛ وجہ یہ ہے کہ امر بالید عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ[1]﴾ (اور معاملہ اس دن اللہ ہی کے اختیار میں ہوگا (سب کا سب)) جس میں ہر شئی مراد ہے، پس جب اس نے طلاق کی نیت کی تو یہ کنایہ ہوگا "طَلَاقُكِ بِيَدِكِ" سے، اور طلاق مصدر ہے عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا تین طلاقوں کی نیت تعمیم کی نیت ہے اس لیے اس سے تین کی نیت صحیح ہے۔ برخلافِ اختیار کے جیسا کہ ہم فصل اختیار میں ثابت کر چکے کہ اس کے انواع واقسام نہیں، اس لیے اس سے عموم کی نیت کرنا صحیح نہیں، تو اس سے تین طلاقوں کی نیت بھی صحیح نہ ہوگی۔

{4} اگر شوہر نے بیوی سے کہا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ" (آج تیرا امر تیرے ہاتھ میں ہے اور کل کے بعد یعنی پرسوں تیرا امر تیرے ہاتھ میں ہے) تو شوہر کے اس کہنے میں رات داخل نہ ہوگی یعنی رات کے وقت بیوی کو اختیار نہیں رہیگا۔ اور اگر عورت نے آج کے دن کے اختیار کو رد کر دیا تو ٹھیک ہے آج کا اس کا اختیار باطل ہو جائیگا مگر کل کے بعد یعنی پرسوں کا اختیار اس کا باقی رہے گا۔ کل کے بعد اختیار باقی رہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دو ایسے وقتوں کو ذکر کیا ہے جن کے درمیان ان ہی کی جنس سے ایک ایسا

([1]) الانفطار: 19۔

وقت ہے (یعنی غد) جس کو امر بالید شامل نہیں، لہذا یہ دو وقتوں میں امر بالید ہے ایک آج اور دوسرا کل کے بعد، اور دو میں سے ایک وقت میں امر بالید کو رد کرنے سے دوسرے وقت میں رد نہ ہوگا اس لیے کل کے بعد کا اختیار برقرار رہے گا۔

{۵} اور مذکورہ قول میں رات کے وقت عورت کو اختیار اس لیے نہ ہوگا کہ شوہر نے لفظِ یوم کو مفرد ذکر کیا ہے اور لفظِ یوم جب مفرد ذکر ہو تو یہ رات کو شامل نہیں ہوتا، لہذا رات کے وقت عورت کو اختیار نہ ہوگا۔ صاحبِ ہدایہؒ کی یہ عبارت "اِذْ ذَكَرَ الْيَوْمَ بِعِبَارَةِ الْفَرْدِ" بے موقع ہے؛ کیونکہ یہ "لَمْ يَدْخُلْ فِيْهِ اللَّيْلُ" کی دلیل ہے جبکہ "فَكَانَا اَمْرَيْنِ" تو "لِاَنَّهُ صَرَّحَ بِذِكْرِ وَقْتَيْنِ" کا حصہ ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں امر ایک ہیں لہذا ایک کو رد کرنے سے دوسرا بھی رد ہو جائے گا، پس یہ "اَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ" کے مرتبہ میں ہے جس میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے تو اگر "وَبَعْدَ غَدٍ" الگ معاملہ ہوتا ہے تو عورت دو طلاقوں سے مطلقہ ہو جاتی، پس مذکورہ بالا صورت میں بھی دونوں ایک امر ہیں۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ امر بالید کو طلاق پر قیاس کرنا درست نہیں؛ کیونکہ طلاق کسی وقت کے ساتھ مخصوص ہونے کا احتمال نہیں رکھتی ہے اس لیے طلاق اگر آج واقع ہو جائے تو یہ طلاق پرسوں بھی ہوگی، جبکہ امر بالید کسی وقت کے ساتھ مخصوص ہونے کا احتمال رکھتا ہے لہذا "اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ" میں امر بالید کو اول (اَلْيَوْمَ) کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے گا اور ثانی "وَبَعْدَ غَدٍ" کو نیا اور مستقل امر بالید قرار دیا جائے گا گویا یوں کہا "وَاَمْرُكِ بِيَدِكِ بَعْدَ غَدٍ" پس دو مستقل امر بالید ہونے کی وجہ سے ایک کو رد کرنے سے دوسرا رد نہ ہوگا۔

{۶} اور اگر شوہر نے کہا "اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا" (تیرا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل) تو اس اختیار میں رات بھی داخل ہے لہذا اس کا اختیار کل کے غروب آفتاب تک رہے گا۔ پس اگر عورت نے آج کے دن اپنے اختیار کو رد کر دیا تو کل کو بھی اختیار اس کے ہاتھ میں نہیں رہے گا؛ کیونکہ اس صورت میں یہ امر واحد ہے لہذا اسے رد کرنے سے اس کے لئے اختیار باقی نہیں رہتا ہے، اور امر واحد اس لیے ہے کہ مذکورہ دو وقتوں (اَلْيَوْمَ وَغَدًا) کے درمیان ان کی جنس سے ایسا کوئی وقت فاصل نہیں جس کو کلام شامل نہ ہو جہاں تک رات ہے تو وہ اس لیے اس میں داخل ہے کہ کبھی مجلسِ مشورہ جاری رہتی ہے یہاں تک کہ رات داخل ہو جاتی ہے تو رات کا دخول اس کلام کا مقتضی ہے اس لیے رات فاصل نہیں پس یہ ایسا ہے جیسا کہ یوں کہے "اَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي يَوْمَيْنِ" (تیرا معاملہ

تیرے ہاتھ میں دوروز ہے) جس میں "یَوْمَیْنِ" کے درمیان رات فاصل آنے سے یہ دو مدتیں نہیں، اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں بھی دو مدتیں نہیں ہیں لہٰذا ایک حصہ میں امر بالید رڈ کرنے سے دوسرے حصہ میں بھی رڈ ہو جائے گا۔

﴿۷﴾ امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ آج کے دن میں امر بالید کو رڈ کرنے سے کل میں رڈ نہیں ہوتا بلکہ آج کے دن بھی رڈ نہ ہوگا لہٰذا کل کے دن وہ اپنے نفس کو اختیار کر سکتی ہے؛ کیونکہ عورت جس طرح ایقاع طلاق کو رڈ کرنے کی قدرت نہیں رکھتی اسی طرح امر بالید کو رڈ کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتی ہے یعنی اگر شوہر نے بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ" تو عورت پر بہر صورت طلاق واقع ہو جائے گی خواہ وہ اسے قبول کرے یا رڈ کرے۔ اسی طرح "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" کہنے کی صورت میں بھی عورت کے لئے امر بالید ثابت ہو جائے گا اگرچہ وہ اس کو رڈ کرے، پس جب عورت کے رڈ کرنے سے امر بالید رڈ نہیں ہوا تو وہ اپنے نفس کو اختیار کر سکتی ہے۔

﴿۸﴾ ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے جب آج کے دن اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو کل کے دن اس کے لیے خیار باقی نہیں رہتا ہے یعنی کل کے دن وہ شوہر کو اختیار نہیں کر سکتی ہے، اسی طرح جب اس نے آج کے دن اپنے شوہر کو اختیار کیا تو امر بالید رڈ ہو جائے گا اس لیے کل کے دن اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا؛ کیونکہ جس کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا ہو وہ ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر سکتا ہے، نہ کہ دونوں کو، لہٰذا جب اس نے شوہر کو اختیار کر لیا تو آگے امر بالید اس کے ہاتھ میں نہیں رہے گا کہ وہ اپنے نفس کو اختیار کرے۔ ظاہر الروایت راجح ہے لماقال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: والراجح ظاهر الروايةِ، جزم بهِ في الذخيرة وفي الولوالجيةِ والتاتارخانيةِ وعليهِ الفتوىٰ (هامش الهِدايةِ: ۲/۳۵۷)

﴿۹﴾ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر شوہر نے کہا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ غَدًا" تو یہ دو امر بالید ہوں گے؛ کیونکہ اس میں ہر ایک وقت کے لیے الگ خبر ذکر کی ہے آج کے لیے الگ امر بالید اور کل کے لیے الگ امر بالید ہے، اس لیے یہ دو مستقل کلام ہیں، پس اگر آج کا امر بالید رڈ کر دے تو کل کا امر بالید رڈ نہ ہوگا۔ بخلاف "أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا" کے کہ اس میں خبر ایک ہے اس لیے وہ دو امر بالید نہیں۔

فسا: اس قول کی نسبت امام ابو یوسفؒ کی طرف کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر ائمہ کا اس میں اختلاف ہے، بلکہ یہ متفق علیہ حکم ہے البتہ اس کی تخریج امام ابو یوسفؒ نے کی ہے اس لیے ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔

﴿۱﴾ وَإِنْ قَالَ: أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٌ فَقَدِمَ فُلَانٌ فَلَمْ تَعْلَمْ بِقُدُومِهِ حَتَّى جَنَّ اللَّيْلُ فَلَا خِيَارَ لَهَا
اور اگر کہا "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں جس دن آئے گا فلاں" پھر آیا فلاں اور اس کو معلوم نہ ہوا فلاں کا قدوم یہاں تک کہ چھا گئی رات تو اختیار نہیں

لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْيَدِ مِمَّا يَمْتَدُّ فَيُحْمَلُ الْيَوْمَ الْمَقْرُونَ بِهِ عَلَى بَيَاضِ النَّهَارِ

عورت کے لیے؛ کیونکہ امر بالید ان چیزوں میں سے ہے جو دراز ہوتی ہیں پس حمل کیا جائے گا اس کے ساتھ مقرون یوم کو بیان نہار پر،

وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ فَيُتَوَقَّتُ بِهِ ثُمَّ يَنْقَضِي بِانْقِضَاءِ وَقْتِهِ{۲}وَإِذَا جَعَلَ أَمْرَهَا

اور ہم ثابت کر چکے ہیں اسے اس سے پہلے پس موقت ہوگا اسی سے پھر ختم ہو جائے گا اس کے وقت کے گذرنے سے، اور جب کر دے اس کا معاملہ

بِيَدِهَا أَوْ خَيَّرَهَا فَمَكَثَتْ يَوْمًا لَمْ تَقُمْ فَالْأَمْرُ فِي يَدِهَا مَالَمْ تَأْخُذْ

اس کے ہاتھ یا اختیار دے اس کو، پھر وہ ٹھہری رہے ایک دن کھڑی نہ ہوئی تو معاملہ اس کے ہاتھ میں رہے گا جب تک کہ شروع نہ ہو جائے

فِي عَمَلٍ آخَرَ لِأَنَّ هَذَا تَمْلِيكُ التَّطْلِيقِ مِنْهَا لِأَنَّ الْمَالِكَ مَنْ يَتَصَرَّفُ بِرَأْيِ نَفْسِهِ وَهِيَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ

دوسرے عمل میں؛ کیونکہ یہ مالک بناتا ہے تطلیق کا عورت کو اس لیے کہ مالک وہ ہے جو تصرف کرے اپنی رائی سے اور یہ عورت اسی صفت کے ساتھ ہے

وَالتَّمْلِيكُ يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ{۳}ثُمَّ إِنْ كَانَتْ تَسْمَعُ يُعْتَبَرُ مَجْلِسُهَا ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ

اور تملیک منحصر ہوتی ہے مجلس پر اور ہم بیان کر چکے اس کو پھر اگر وہ سن رہی تھی تو اعتبار ہوگا اس کی اسی مجلس کا، اور اگر وہ نہ سن رہی ہو

فَمَجْلِسُ عِلْمِهَا وَبُلُوغِ الْخَبَرِ إِلَيْهَا لِأَنَّ هَذَا تَمْلِيكٌ فِيهِ مَعْنَى التَّعْلِيقِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ،

تو اس کی مجلس علم اور اس کو خبر پہنچ جانے کا اعتبار ہوگا؛ کیونکہ یہ ایسی تملیک ہے جس میں تعلیق کا معنی ہے پس موقوف ہوگا ما وراء مجلس پر،

{۴}وَلَا يُعْتَبَرُ مَجْلِسُهُ لِأَنَّ التَّعْلِيقَ لَازِمٌ فِي حَقِّهِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ مَحْضٌ لَا يَشُوبُهُ التَّعْلِيقُ، {۵}وَإِذَا

اور معتبر نہیں مرد کی مجلس؛ کیونکہ تعلیق لازم ہے مرد کے حق میں، بخلاف بیع کے؛ کیونکہ وہ تملیک محض ہے شائبہ نہیں اس میں تعلیق کا، اور جب

أُعْتُبِرَ مَجْلِسُهَا فَالْمَجْلِسُ تَارَةً يَتَبَدَّلُ بِالتَّحَوُّلِ وَمَرَّةً بِالْأَخْذِ فِي عَمَلٍ آخَرَ عَلَى مَا بَيَّنَّا فِي الْخِيَارِ،

اعتبار کیا گیا عورت کی مجلس کا تو مجلس کبھی بدلتی ہے منتقل ہونے سے اور کبھی شروع ہونے سے دوسرے عمل میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا اختیار کی بحث میں

وَيَخْرُجُ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ، إِذِ الْقِيَامُ يُفَرِّقُ الرَّأْيَ، بِخِلَافِ مَا

اور نکل جاتا ہے معاملہ عورت کے ہاتھ سے محض قیام سے کیونکہ قیام دلیل اعراض ہے، اس لیے کہ قیام متفرق کر دیتا ہے رأی کو، بخلاف اس کے

إِذَا مَكَثَتْ يَوْمًا لَمْ تَقُمْ وَلَمْ تَأْخُذْ فِي عَمَلٍ آخَرَ لِأَنَّ الْمَجْلِسَ قَدْ يَطُولُ وَقَدْ يَقْصُرُ فَيَبْقَى

جب وہ ٹھہر جائے ایک دن کھڑی نہ ہو جائے اور شروع نہ ہو جائے دوسرے عمل میں؛ کیونکہ مجلس کبھی طویل ہوتی ہے اور کبھی مختصر، پس باقی رہے گی

إِلَى أَنْ يُوجَدَ مَا يَقْطَعُهُ أَوْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْإِعْرَاضِ. وَقَوْلُهُ مَكَثَتْ يَوْمًا لَيْسَ لِلتَّقْدِيرِ بِهِ. {۶}وَقَوْلُهُ

یہاں تک کہ پائی جائے وہ چیز جو قطع کر دے اس کو یا جو دلالت کرے اعراض پر، اور اس کا قول "مَكَثَتْ يَوْمًا" تحدید کے لیے نہیں ہے، اور ان کا قول

مَا لَمْ تَأْخُذْ فِي عَمَلٍ آخَرَ يُرَادُ بِهِ عَمَلٌ يُعْرَفُ أَنَّهُ قَطْعٌ لِمَا كَانَ فِيهِ لَا مُطْلَقَ الْعَمَلِ

"مَالَمْ تَأْخُذْفِي عَمَلٍ آخَرَ" سے مراد ایسا عمل ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ قاطع ہے اس کے لیے جس میں وہ ہے نہ کہ مطلق

[۷] وَلَوْ كَانَتْ قَائِمَةً فَجَلَسَتْ فَهِيَ عَلَى خِيَارِهَا لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِقْبَالِ فَإِنَّ الْقُعُودَ أَجْمَعُ لِلرَّأْيِ

اور اگر عورت کھڑی تھی پھر بیٹھ گئی تو وہ اپنے اختیار پر رہے گی؛ کیونکہ یہ دلیل ہے متوجہ ہونے کی اس لیے کہ قعود خوب جمع کرتا ہے رائے کو۔

وَكَذَا إِذَا كَانَتْ قَاعِدَةً فَاتَّكَأَتْ أَوْ مُتَّكِئَةً فَقَعَدَتْ لِأَنَّ هَذَا انْتِقَالٌ مِنْ جِلْسَةٍ إِلَى جِلْسَةٍ فَلَا يَكُونُ

اسی طرح اگر وہ بیٹھی ہو پھر تکیہ لگالیا یا تکیہ لگائے ہوئے تھی پھر بیٹھ گئی؛ کیونکہ یہ انتقال ہے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف، پس نہ ہوگا

إِعْرَاضًا، كَمَا إِذَا كَانَتْ مُحْتَبِيَةً فَتَرَبَّعَتْ. قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: [۸] هَذِهِ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَذَكَرَ فِي غَيْرِهِ

اعراض، جیسا کہ جب حالت، احتباء میں ہو پھر چارزانو بیٹھ گئی۔ فرمایا مصنفؒ نے کہ یہ روایت جامع صغیر کی ہے، اور ذکر کیا ہے اس کے علاوہ میں

أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ قَاعِدَةً فَاتَّكَأَتْ لَا خِيَارَ لَهَا لِأَنَّ الِاتِّكَاءَ إِظْهَارُ التَّهَاوُنِ بِالْأَمْرِ فَكَانَ إِعْرَاضًا، وَالْأَوَّلُ هُوَ

کہ عورت اگر ہو بیٹھی ہوئی پھر تکیہ لگایا تو خیار نہ ہوگا اس کے لیے؛ کیونکہ تکیہ لگانا اظہارِ بے پروائی ہے اس امر کی، پس یہ اعراض ہوگا اور اول ہی

الْأَصَحُّ [۹] وَلَوْ كَانَتْ قَاعِدَةً فَاضْطَجَعَتْ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَوْ قَالَتْ ادْعُ

اصح ہے، اور اگر وہ بیٹھی ہوئی تھی پھر لیٹ گئی تو اس میں دو روایتیں ہیں امام ابو یوسفؒ سے۔ اور اگر عورت نے کہا "کہ میں اپنے والد کو بلا کر

أَبِي أَسْتَشِيرُهُ أَوْ شُهُودًا أُشْهِدُهُمْ فَهِيَ عَلَى خِيَارِهَا لِأَنَّ الِاسْتِشَارَةَ لِتَحَرِّي الصَّوَابِ، وَالْإِشْهَادَ

مشورہ کروں گی اس سے یا گواہوں کو بلا کر گواہ بناؤں گی" تو وہ اپنے اختیار پر ہوگی؛ کیونکہ مشورہ لینا صحیح چیز حاصل کرنے کے لیے ہے، اور گواہ بنانا

لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْإِنْكَارِ فَلَا يَكُونُ دَلِيلَ الْإِعْرَاضِ وَإِنْ كَانَتْ تَسِيرُ عَلَى دَابَّةٍ أَوْ فِي مَحْمَلٍ فَوَقَفَتْ فَهِيَ عَلَى خِيَارِهَا،

انکار سے بچاؤ کے لیے ہے پس نہ ہوگا دلیلِ اعراض، اور اگر وہ چل رہی تھی جانور پر یا محمل میں تھی پھر ٹھہری تو وہ اپنے اختیار پر رہے گی،

وَإِنْ سَارَتْ بَطَلَ خِيَارُهَا لِأَنَّ سَيْرَ الدَّابَّةِ وَوُقُوفَهَا مُضَافٌ إِلَيْهَا [۱۰] وَالسَّفِينَةُ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْتِ

اور اگر وہ چلا رہا تو باطل ہو جائے گا اس کا اختیار؛ کیونکہ جانور کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا منسوب ہے عورت کی طرف، اور کشتی بمنزلہ گھر کے ہے

لِأَنَّ سَيْرَهَا غَيْرُ مُضَافٍ إِلَى رَاكِبِهَا، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى إِيقَافِهَا وَرَاكِبُ الدَّابَّةِ يَقْدِرُ.

کیونکہ اس کا چلنا منسوب نہیں اس کے سوار کی طرف، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سوار قادر نہیں ہوتا کشتی ٹھہرانے پر اور جانور پر سوار قادر ہوتا ہے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٌ" کہنے کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر۲ میں امر بالید اور اختیار میں عورت کا اختیار مجلس کے اختتام تک رہنے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر۳ میں امر بالید میں عورت کی مجلس سماع یا مجلس علم معتبر ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۴ و۵ میں عورت ہی کی مجلس کا معتبر ہونا اور اس کی وجہ، اور پھر مجلس بدلنے کے دو اسباب ذکر کیے ہیں، اور نمبر۶ متن کے الفاظ کی وضاحت کی ہے، اور نمبر۷ میں بتایا ہے کہ

عورت کی کن حرکات سے مجلس نہیں بدلتی ہے، اور نمبر ۸ میں مبسوط کی روایت دلیل سمیت ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹و۱۰ میں مجلس کو بدلنے کی مزید کچھ صورتیں دلائل سمیت ذکر کی ہیں۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے بیوی سے کہا "أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٌ" (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جس دن فلاں آئے) پھر فلاں آیا مگر عورت کو اس کے آنے کا علم نہ ہو سکا حتی کہ رات آگئی، تو اب عورت کے لیے خیار نہ ہوگا؛ کیونکہ امر بالید فعل ممتد ہے اور سابق میں گذر چکا کہ لفظ یوم اگر فعلِ ممتد کے ساتھ مقارن ہو تو اس سے بیاضِ نہار مراد ہوگا ورنہ مطلق وقت مراد ہوگا، تو یہاں چونکہ امر بالید امر ممتد ہے اس لیے یوم سے دن ہی مراد ہوگا اور امر بالید دن ہی کے ساتھ موقت ہوگا اور دن کے گذرنے سے اور رات کے آنے سے امر بالید بھی ختم ہو جائے گا۔

{۲} اگر شوہر نے عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دیدیا، یا عورت کو اختیار دیدیا، پھر وہ عورت دن بھر اسی مجلس میں بیٹھی رہی کھڑی نہیں ہوئی تو معاملہ اس کے ہاتھ میں رہے گا جب تک کہ وہ کسی دوسرے عمل میں شروع نہ ہو جائے؛ کیونکہ امر بالید اور اختیار دینا عورت کو طلاق دینے کا مالک بنانا ہے، اس لیے کہ مالک وہی ہے جو اپنی رائے سے تصرف کرے، اور امر بالید اور اختیار کے بعد عورت اسی صفت کے ساتھ متصف ہوتی ہے کہ وہ اپنی رائے سے تصرف کرتی ہے، پس جب ثابت ہوا کہ یہ تملیک ہے تو تملیکات مجلس پر مقصور رہتی ہیں مجلس کے بعد باقی نہیں رہتیں، جیسا کہ تفصیل "فَصْلٌ فِي الِاخْتِيَارِ" میں ہم نے اس عبارت "وَالتَّمْلِيكَاتُ تَقْتَضِي جَوَابًا فِي الْمَجْلِسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ" سے بیان کردی۔

{۳} پھر جس مجلس میں شوہر نے "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" کہا تو اگر عورت اسی مجلس میں موجود اور شوہر کا قول سن رہی تھی تو اسی مجلس کا اعتبار ہوگا اس سے اٹھنے سے اختیار ختم ہو جائے گا، اور اگر وہ اس مجلس سے غائب ہونے یا بہری ہونے کی وجہ سے شوہر کا قول نہ سن رہی تھی تو پھر جس مجلس میں اس کو علم ہو جائے کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے یا جس میں یہ خبر اس کو پہنچ جائے اسی مجلس کا اعتبار ہوگا اگر اس سے اٹھ گئی تو اختیار ختم ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ ایسی تملیک ہے جس میں تعلیق کا معنی بھی پایا جاتا ہے اس لیے کہ "أَمْرُكِ بِيَدِكِ" کا معنی ہے "إِنْ أَرَدْتِ طَلَاقَكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ" لہذا اس کلام میں تملیکِ طلاق اور تعلیقِ طلاق دونوں پائی جاتی ہے، اور تملیکات مجلس پر موقوف ہوتی ہیں مجلس کے بعد ختم ہو جاتی ہیں جبکہ تعلیقات مجلس پر موقوف نہیں ہوتی ہیں، پس دونوں امروں کا رعایت کرتے ہوئے امر بالید کو عورت کی دو حالتوں پر محمول کر لیا گیا کہ اگر عورت شوہر کی مجلس میں ہے تو تملیک کی رعایت کرنے

ہوئے امر بالید اسی مجلس پر موقوف ہوگا، اور اگر عورت شوہر کی مجلس میں حاضر نہیں تو تعلیق کی رعایت کرتے ہوئے امر بالید اسی مجلس پر موقوف نہ ہوگا بلکہ مجلس کے بعد بھی موجود رہے گا۔

﴿۴﴾ اور مجلس عورت کی معتبر ہے شوہر کی مجلس کا اعتبار نہیں، لہذا شوہر اگر مجلس سے کھڑا ہو گیا تو خیار ختم نہ ہوگا؛ کیونکہ تعلیق شوہر کے حق میں لازم ہے اگر وہ رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ برخلاف بیع کے کہ اس میں کسی ایک کے کھڑے ہونے سے دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے بیع باطل ہو جاتی ہے، لہذا بیع میں بائع اور مشتری دونوں کی مجلس معتبر ہے؛ کیونکہ بیع تملیکِ محض ہے اس میں تعلیق کا شائبہ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے اپنے کلام سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔

﴿۵﴾ صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ جب مجلس عورت کی معتبر ہے تو اس کی مجلس کبھی دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونے سے بدل جاتی ہے اور کبھی دوسرے کسی کام میں مشغول ہونے سے بدل جاتی ہے، جیسا کہ "فصل فی الاختیار" میں ہم اس کو بیان کر چکے۔ اور فقط مجلس سے کھڑی ہونے سے بھی معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے؛ کیونکہ مجلس سے کھڑی ہونا اعراض کی دلیل ہے اور اعراض سے خیار باطل ہو جاتا ہے، اور قیام اعراض اس لیے ہے کہ قیام عن المجلس رائے کو اس بات پر جمنے نہیں دیتا ہے بلکہ اسے متفرق اور منتشر کر دیتا ہے اس لیے قیام سے اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر عورت پورا دن اسی مجلس میں بیٹھی رہی کھڑی نہ ہوئی اور نہ کسی اور کام کو شروع کیا تو اس کا اختیار ختم نہ ہوگا؛ کیونکہ مجلس کبھی طویل ہوتی ہے اور کبھی مختصر ہوتی ہے، لہذا اس کی مجلس اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ اسے قطع کرنے والی کوئی بات نہ پائی جائے یا ایسی کوئی چیز نہ پائی جائے جو شوہر کے اختیار دینے سے اعراض پر دلالت کرے۔

﴿۶﴾ مصنفؒ کا قول "مَكَثَتْ يَوْماً" تحدید کے لیے نہیں، بلکہ اگر ایک دن سے زیادہ بیٹھی رہی تب بھی اس کا اختیار ختم نہ ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے قول "مَا لَمْ تَأْخُذْ فِي عَمَلٍ آخَرَ" سے مطلق عمل مراد نہیں بلکہ ایسا عمل مراد ہے جس کا قاطع مجلس ہونا معلوم ہو ورنہ اگر بیٹھی بیٹھی کچھ کھا پی لیا تو اس سے اس کا اختیار ختم نہ ہوگا۔

﴿۷﴾ پس اگر امر بالید کے وقت عورت کھڑی تھی پھر بیٹھ گئی تو اس سے خیار ختم نہ ہوگا؛ کیونکہ بیٹھنا اعراض کی دلیل نہیں بلکہ متوجہ ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ بیٹھنے سے رائے منتشر نہیں ہوتی ہے بلکہ مجتمع ہو جاتی ہے، اس لیے بیٹھنا توجہ کی دلیل ہے اعراض کی نہیں۔ اسی طرح اگر عورت بیٹھی تھی اب تکیہ لگا لیا یا پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھی اب سیدھی بیٹھ گئی تو بھی اس کا اختیار ختم نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ فقط ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ وہ احتباء (دونوں گھٹنوں کو کھڑا کرکے بیٹھنے

کو احتباء کہتے ہیں) کئے ہوئے تھی پھر امر بالید کے بعد چارزانو ہو کر بیٹھ گئی تو اس سے اختیار ختم نہیں ہوتا، لہذا یہ امر بالید سے اعراض نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ اس نے زوج کی طرف سے ملے ہوئے اختیار کو رد کر دیا اس لیے اب بھی وہ خود پر طلاق واقع کر سکتی ہے۔

{۸} صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا جامع صغیر کی روایت ہے، جبکہ مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر عورت بیٹھی ہوئی تھی پھر امر بالید کے بعد اس نے تکیہ لگالیا تو اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ تکیہ لگالینا امر بالید کے بارے میں بے التفاتی کا اظہار کرنا ہے جو اعراض کی دلیل ہے اس لیے تکیہ لگالینا اعراض شمار ہو گا۔ مگر جامع صغیر کا قول زیادہ صحیح ہے؛ کیونکہ انسان کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو وہ غور و فکر کے لیے تکیہ لگالیتا ہے اس لیے یہ اعراض کی دلیل نہیں لما فی فتح القدیر: (قَوْلُهُ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ) أَيْ مَا ذُكِرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَصَحُّ مِمَّا ذُكِرَ فِي غَيْرِهِ وَهُوَ الْأَصْلُ، لِأَنَّ مَنْ حَزَبَهُ أَمْرٌ قَدْ يَسْتَنِدُ لِأَجْلِ التَّفَكُّرِ لِأَنَّ الِاسْتِنَادَ وَالِاتِّكَاءَ سَبَبٌ لِلرَّاحَةِ كَالْقُعُودِ فِي حَقِّ الْقَائِمِ وَلِأَنَّهُ نَوْعُ جِلْسَةٍ فَلَا يَتَغَيَّرُ بِهِ الثَّابِتُ لِلْجَالِسِ (فتح القدیر: ۴۲۶/۳)

{۹} اور اگر امر بالید کے وقت عورت بیٹھی ہوئی تھی پھر لیٹ گئی تو اس بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں، ایک کے مطابق اختیار ختم ہو جاتا ہے، اور دوسری کے مطابق ختم نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر عورت نے کہا کہ میں مشورہ کے لئے اپنے باپ کو بلاتی ہوں، یا گواہ قائم کرنے کے لئے گواہوں کو بلاتی ہوں تو اس کا اختیار ختم نہ ہو گا؛ کیونکہ مشورہ لینا صحیح رائے معلوم کرنے کے لیے ہے اور گواہ کرنا شوہر کے انکار کرنے سے بچاؤ کے لیے ہے اور یہ دونوں باتیں اعراض کی دلیل نہیں، اس لیے عورت کا اختیار ختم نہ ہو گا۔

اور اگر اختیار دیئے جانے کے وقت وہ سواری پر جارہی تھی یا وہ محمل میں تھی، اور سواری رُک گئی تو اس کا اختیار باقی رہے گا، اور اگر اختیار دیئے جانے کے بعد بھی اس کی سواری چلتی رہی تو اختیار ختم ہو جائیگا؛ کیونکہ سواری کا چلنا یا ٹھہرنا عورت کی طرف منسوب ہے گویا عورت خود جارہی ہے جو کہ اعراض کی دلیل ہے اور اعراض سے اختیار باطل ہو جاتا ہے۔

{۱۰} اور کشتی گھر کے حکم میں ہے یعنی اگر کشتی چلنے لگی تو اس میں گھر کی طرح عورت کو اختیار رہتا ہے وہ سواری کی طرح نہیں کہ چلنے سے اختیار ختم ہو جائے وجہ یہ ہے کہ کشتی کا چلنا کشتی میں سوار شخص کی طرف منسوب نہیں، اسی لئے تو سواری کشتی کو روکنے پر قادر نہیں، جبکہ جانور پر سوار شخص جانور کو روکنے پر قادر ہوتا ہے اس لیے دونوں کے حکم میں فرق ہے۔

فَصْلٌ فِي الْمَشِيئَةِ

یہ فصل مشیت کے بیان میں ہے

یہ غیر کے ذریعہ طلاق واقع کرانے کی تیسری فصل ہے جس میں لفظِ مشیت کے ذریعہ اختیار دینے کا حکم بیان فرمایا ہے۔

{1} وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : طَلِّقِي نَفْسَكِ وَلَا نِيَّةَ لَهُ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً فَقَالَتْ : طَلَّقْتُ نَفْسِي فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ ، وَإِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَقَدْ أَرَادَ الزَّوْجُ ذَلِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا وَهَذَا لِأَنَّ قَوْلَهُ طَلِّقِي مَعْنَاهُ افْعَلِي فِعْلَ التَّطْلِيقِ ، وَهُوَ اسْمُ جِنْسٍ فَيَقَعُ عَلَى الْأَدْنَى مَعَ احْتِمَالِ الْكُلِّ كَسَائِرِ أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ ، فَلِهَذَا تَعْمَلُ فِيهِ نِيَّةُ الثَّلَاثِ ، وَيَنْصَرِفُ إِلَى وَاحِدَةٍ عِنْدَ عَدَمِهَا وَتَكُونُ الْوَاحِدَةُ رَجْعِيَّةً لِأَنَّ الْمُفَوَّضَ إِلَيْهَا صَرِيحُ الطَّلَاقِ، {2} وَلَوْ نَوَى الثِّنْتَيْنِ لَا تَصِحُّ لِأَنَّهُ نِيَّةُ الْعَدَدِ إِلَّا إِذَا كَانَتِ الْمَنْكُوحَةُ أَمَةً لِأَنَّهُ جِنْسٌ فِي حَقِّهَا . {3} وَإِنْ قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفْسَكِ قَالَتْ : أَبَنْت نَفْسِي طَلُقَتْ وَلَوْ قَالَتْ : قَدْ اخْتَرْت نَفْسِي لَمْ تَطْلُقْ لِأَنَّ الْإِبَانَةَ مِنْ أَلْفَاظِ الطَّلَاقِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَبَنْتُكِ يَنْوِي بِهِ الطَّلَاقَ أَوْ قَالَتْ : أَبَنْت نَفْسِي فَقَالَ الزَّوْجُ : قَدْ أَجَزْتُ ذَلِكَ بَانَتْ فَكَانَتْ مُوَافِقَةً لِلتَّفْوِيضِ فِي الْأَصْلِ إِلَّا أَنَّهَا زَادَتْ فِيهِ وَصْفًا وَهُوَ تَعْجِيلُ الْإِبَانَةِ فَيَلْغُو الْوَصْفُ الزَّائِدُ وَيَثْبُتُ الْأَصْلُ، كَمَا إِذَا قَالَتْ: طَلَّقْتُ نَفْسِي تَطْلِيقَةً بَائِنَةً ، وَيَنْبَغِي أَنْ تَقَعَ تَطْلِيقَةٌ رَجْعِيَّةٌ.

اور جو شخص کہے اپنی بیوی سے "طلاق دو اپنے آپ کو" اور کوئی نیت نہ ہو اس کی یا نیت کرے ایک کی، پس عورت نے کہا "میں نے طلاق دی اپنے آپ کو" تو یہ ایک رجعی طلاق ہو گی، اور اگر اس نے تین طلاقیں دی اپنے آپ کو حال یہ کہ ارادہ کیا تھا شوہر نے اس کا تو واقع ہو جائیں گی اس پر اور یہ اس لیے کہ اس کا قول "طَلِّقِي" کا معنی ہے طلاق دینے کا فعل کر، اور طلاق اسم جنس ہے پس لفظِ طلاق والی ہو گا ادنیٰ پر کل کے احتمال کے ساتھ جیسا کہ دیگر اسماءِ اجناس، پس اسی وجہ سے عمل کرے گی اس میں تین کی نیت، اور پھر جائے گی ایک کی طرف عدم نیت کے وقت، اور ہو گی ایک رجعی؛ کیونکہ عورت کو مفوض صریح طلاق ہے، اور اگر نیت کی دو کی تو صحیح نہ ہو گی کیونکہ یہ نیتِ عدد ہے مگر جب ہو منکوحہ باندی؛ کیونکہ یہ جنس ہے اس کے حق میں۔ اور اگر کہا عورت سے "طلاق دو اپنے آپ کو" عورت نے کہا "بائن کیا میں نے اپنے آپ کو" تو طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر کہا "میں نے اختیار کیا اپنے آپ کو" تو طلاق نہ ہو گی؛ کیونکہ ابانت الفاظِ طلاق میں سے ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر شوہر کہتا اپنی بیوی سے "میں نے تجھے بائنہ کر دیا" حال یہ کہ نیت کی اس سے طلاق کی، یا عورت نے کہا "میں نے بائنہ کیا اپنے آپ کو" پھر شوہر نے کہا "میں نے اجازت دی اس کی" تو بائنہ ہو گئی پس ہو گیا بائنہ کرنا موافق اصل طلاق کی تفویض میں مگر عورت نے اضافہ کیا اس میں ایک وصف کا اور وہ تعجیلِ ابانت ہے، پس لغو ہو گا وصفِ زائد اور ثابت ہو گی اصل جیسا کہ جب عورت کہے "طلاق دی میں اپنے آپ کو طلاق بائن" اور مناسب ہے کہ واقع ہو طلاق رجعی

﴿۴﴾بِخِلَافِ الِاخْتِيَارِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَلْفَاظِ الطَّلَاقِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ اخْتَرْتُكِ
طلاق رجعی، بخلاف اختیار کے؛ کیونکہ وہ نہیں الفاظِ طلاق میں سے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر شوہر کہتا اپنی بیوی سے کہ "میں نے تجھ کو اختیار کیا
أَوِ اخْتَارِي يَنْوِي الطَّلَاقَ لَمْ يَقَعْ ، وَلَوْ قَالَتْ ابْتِدَاءً : اخْتَرْتُ نَفْسِي فَقَالَ الزَّوْجُ:
یا اختیار کر تو " نیت کی طلاق کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر عورت نے ابتداءً کہا "میں نے اختیار کیا اپنے آپ کو" پھر زوج نے کہا
قَدْ أَجَزْتُ لَا يَقَعُ شَيْءٌ إلَّا أَنَّهُ عُرِفَ طَلَاقًا بِالْإِجْمَاعِ إذَا حَصَلَ جَوَابًا لِلتَّخْيِيرِ ، وَقَوْلُهُ طَلِّقِي نَفْسَكِ
"میں نے اجازت دی" تو واقع نہ ہوگی کچھ، مگر یہ کہ طلاق معلوم ہوئی اجماع سے جبکہ واقع ہو جواب تخییر کا، اور شوہر کا قول "طلاق دو تو اپنے آپ کو"
لَيْسَ بِتَخْيِيرٍ فَيَلْغُو .﴿۵﴾وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَايَقَعُ شَيْءٌ بِقَوْلِهَا أَبَنْتُ نَفْسِي لِأَنَّهَا أَتَتْ بِغَيْرِ مَا
تخییر نہیں، پس لغو ہوگا، اور امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ کچھ واقع نہ ہوگی عورت کے قول "أَبَنْتُ نَفْسِي" سے؛ کیونکہ اس نے لایا اس کے علاوہ
فُوِّضَ إلَيْهَا إذْ الْإِبَانَةُ تَغَايُرُ الطَّلَاقَ .﴿۶﴾ وَإِنْ قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفْسَكِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ
جو سپرد کیا تھا اس کو اس لیے کہ ابانت مغایر ہے طلاق کے۔ اور اگر شوہر نے کہا عورت سے "تو طلاق دو اپنے آپ کو" تو اختیار نہیں اس کو کہ رجوع کرے
عَنْهُ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْيَمِينِ لِأَنَّهُ تَعْلِيقُ الطَّلَاقِ بِتَطْلِيقِهَا وَالْيَمِينُ تَصَرُّفٌ لَازِمٌ ،﴿۷﴾وَلَوْ قَامَتْ
اس سے؛ کیونکہ اس میں یمین کا معنی ہے اس لیے کہ یہ تعلیق طلاق ہے عورت کے طلاق دینے پر اور یمین تصرف لازم ہے۔ اور اگر عورت کھڑی ہوگئی
عَنْ مَجْلِسِهَا بَطَلَ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ ،بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ لَهَا : طَلِّقِي ضَرَّتَكِ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ وَإِنَابَةٌ
اپنی مجلس سے تو باطل ہوگئی؛ کیونکہ یہ تملیک ہے، بخلاف اس کے جب کہے عورت سے "طلاق دو اپنی سوتن کو" کیونکہ یہ توکیل اور نیابت ہے
فَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ. وَيَقْبَلُ الرُّجُوعَ﴿۸﴾وَإِنْ قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفْسَكِ مَتَى شِئْتِ فَلَهَا أَنْ
پس مقصور نہ ہوگی مجلس پر اور قبول کرے گی رجوع، اور اگر کہا عورت سے "طلاق دو تو اپنے آپ کو جس وقت چاہے" تو عورت کو اختیار ہوگا کہ
تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ لِأَنَّ كَلِمَةَ مَتَى عَامَّةٌ فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا فَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ فِي أَيِّ وَقْتٍ شِئْتِ.
وہ طلاق دے اپنے آپ کو مجلس میں اور مجلس کے بعد؛ کیونکہ کلمۂ متی عام ہے تمام اوقات میں، پس ہوگیا جیسا کہ جب کہے "فِي أَيِّ وَقْتٍ شِئْتِ"۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "طَلِّقِي نَفْسَكِ" کے جواب میں عورت کا "طَلَّقْتُ نَفْسِي" کہنے کا حکم بمع تفصیل و دلیل ذکر کیا ہے۔ اور نمبر۳ میں عورت کا "أَبَنْتُ نَفْسِي" یا "اِخْتَرْتُ نَفْسِي" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر۴ میں عورت کا "اِخْتَرْتُ نَفْسِي" کہنے کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے، اور نمبر۵ میں امام صاحبؒ سے مروی ایک روایت

اوراس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر۶ میں شوہر کا "طَلِّقِي نَفْسَكِ" کہنے سے رجوع کا حق ختم ہونااوراس کی دلیل ذکر کی ہے،اور نمبر۷و۸ میں ایک صورت میں عورت کا خیار مجلس پر مقصور ہونااور دو صورتوں میں مقصور نہ ہونااوراس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} جو شخص اپنی بیوی سے کہے "طَلِّقِي نَفْسَكِ" (تو اپنے نفس کو طلاق دو) خواہ شوہر کی کوئی نیت نہ ہو یا ایک طلاق کی نیت کی ہو،اوراس کے جواب میں عورت نے کہا "طَلَّقْتُ نَفْسِي" (میں نے اپنے آپ کو طلاق دی) تو ایک طلاق واقع ہوگی اور وہ بھی رجعی ہوگی۔اوراگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں اور شوہر نے بھی اس کی نیت کی تھی،تو عورت پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

پہلی صورت میں ایک اور دوسری صورت میں تین طلاقیں اس لیے واقع ہوں گی کہ شوہر کے قول "طَلِّقِي نَفْسَكِ" کا معنی ہے "افْعَلِي فِعْلَ الطَّلَاقِ" (طلاق دینے کا فعل کر) اور طلاق اسم جنس ہے جس کا اطلاق ادنیٰ پر یقینی ہوتا ہے اور کل کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ دیگر اسماء اجناس ہیں،تو چونکہ کل کا احتمال رکھتا ہے اس لیے کل کی نیت صحیح ہے اور عدم نیت کی صورت میں ادنیٰ (ایک) کی طرف پھر جائے گا۔اور ایک طلاق رجعی ہوگی؛کیونکہ عورت کو جس چیز کی تفویض کی گئی ہے وہ صریح طلاق ہے اور صریح طلاق سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

{۲} اور اگر دو کی نیت کی تو یہ صحیح نہیں؛کیونکہ دو عدد ہے اور اسم جنس سے عدد کی نیت کرنا صحیح نہیں،البتہ اگر اس کی بیوی باندی ہو تو پھر دو کی نیت صحیح ہے؛کیونکہ باندی کے حق میں دو کل جنس ہے،اور اسم جنس کل جنس کا احتمال رکھتا ہے،اور لفظ کے محتمل کی نیت صحیح ہے۔

{۳} اوراگر شوہر نے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ" (تو اپنے آپ کو طلاق دو) عورت نے جواب میں کہا "اَبَنْتُ نَفْسِيْ" (میں نے اپنے آپ کو بائن طلاق دیدی) تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔اوراگر شوہر کے جواب میں عورت نے کہا "اِخْتَرْتُ نَفْسِيْ" (میں نے خود کو اختیار کیا) تو طلاق واقع نہ ہوگی۔پہلی صورت میں طلاق واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابانت الفاظِ طلاق میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے بیوی سے کہا "اَبَنْتُکِ" (میں نے تجھے بائنہ کردیا) تو وہ بائنہ ہوجائے گی،یا عورت نے کہا "اَبَنْتُ نَفْسِيْ" (میں نے اپنے آپ کو بائنہ کردیا) اوراس کے جواب میں شوہر نے کہا "اَجَزْتُ ذَالِکَ" (میں نے اس کی اجازت دیدی) تو عورت بائنہ ہوجائے گی،لہٰذا ابانت الفاظِ طلاق میں سے ہے۔

توجب عورت نے "اَبَنْتُ نَفْسِیْ" کہا تو مرد کی طرف سے سپرد کردہ اصل طلاق میں وہ مرد کے ساتھ موافق ہوگی، البتہ عورت نے مرد کی مخالفت کر کے جواب میں ایک وصف کا اضافہ کر دیا اور وہ ہے فی الحال بائنہ ہونا، پس مرد کی مخالفت کی وجہ سے وصفِ ابانت لغو ہو جائے گا اور اصل طلاق ثابت ہو جائے گی پس یہ ایسا ہے جیسا کہ شوہر کے جواب میں عورت "طَلَّقْتُ نَفْسِي تَطْلِيقَةً بَائِنَةً" (میں اپنے آپ کو طلاق بائن دی ہے) کہے جس سے اصل طلاق واقع ہو جاتی ہے اور وصفِ ابانت لغو ہو گا، اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی اصلِ طلاق واقع ہو گی اور وصفِ ابانت لغو ہو گا، پس مناسب یہی ہے کہ رجعی طلاق واقع ہو، اگرچہ اس موقع پر امام محمدؒ نے فقط وقوعِ طلاق کا کہا ہے مگر شاید انہوں نے بھی ظاہر ہونے کی وجہ سے رجعی کی قید نہ بڑھائی ہو۔

{ 4 } اور عورت کا "اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ" کہنا اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ لفظِ اختیار الفاظِ طلاق میں سے نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا "اِخْتَرْتُکِ" یا کہا "اِخْتَارِیْ" اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع نہ ہو گی، یا عورت نے ابتداءً کہا "اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ" اور اس کے جواب میں مرد نے کہا "اَجَزْتُ ذَالِکَ" (میں نے اس کی اجازت دیدی) تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ البتہ اس لفظ سے وقوعِ طلاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خلافِ قیاس اس وقت ثابت ہے جب تخییر کے جواب میں واقع ہو یعنی جب مرد "اِخْتَارِیْ" کہے اور عورت جواب میں "اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ" کہے، تو باجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے طلاق واقع ہو جائے گی، جبکہ یہاں شوہر کا قول "طَلِّقِي نَفْسَكِ" تخییر نہیں، لہٰذا عورت کا قول "اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ" مرد کے قول کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے لغو ہو گا۔

{ 5 } امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ عورت کے قول "اَبَنْتُ نَفْسِیْ" سے بھی طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ مرد کی طرف سے جو چیز (طلاق) عورت کو سپرد کی گئی، عورت اس کا غیر (ابانت) لائی؛ کیونکہ ابانت طلاق کا غیر ہے، پس عورت کا کلام مرد کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے لغو ہے۔ جواب یہ ہے کہ عورت نے وصف (ابانت) میں مرد کی مخالفت کی ہے اصل طلاق میں موافقت کی ہے اور وصف تابع ہے اس لیے یہ مخالفت شمار نہ ہو گی۔ مگر قولِ اول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: جزم النمرتاشي بالاول، وهو ظاهر الرواية (هامش الهداية: ۲/ ۳۶۰)

{ 6 } اگر شوہر نے بیوی سے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ" (تو خود کو طلاق دو)، تو اب شوہر اپنے اس قول سے رجوع نہیں کر سکتا؛ کیونکہ یہ تفویضِ طلاق ہے اور تفویض میں یمین اور تعلیق کا معنی پایا جاتا ہے اسلئے کہ مرد نے طلاق کو عورت کے طلاق دینے پر معلق کر دیا ہے، لہٰذا یہ یمین اور تعلیق ہے اور یمین تصرفِ لازم ہے جس سے رجوع کا اختیار نہیں ہوتا۔

{7} اور زوج کی طرف سے تفویضِ طلاق میں عورت کا یہ اختیار اسی مجلس تک رہتا ہے جس مجلس میں اسے اختیار دیا گیا ہے، تو اگر وہ اس مجلس سے کھڑی ہوگئی تو عورت کا یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ یہ از قبیل تملیکات ہے اور تملیکات مجلس پر منصور ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف اگر شوہر نے اپنی ایک بیوی سے کہا "طَلِّقِي ضَرَّتَكِ" (تو اپنی سوتن کو طلاق دو) تو یہ مجلس پر منصور نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ تملیک نہیں بلکہ اس کو اپنا وکیل اور نائب بنانا ہے، اور وکالت و نیابت مجلس پر مقصور نہیں ہوتی ہے، اور توکیل رجوع کرنے کو قبول کرتی ہے لہٰذا شوہر اس سے رجوع بھی کر سکتا ہے۔

{8} ہاں اگر شوہر نے اختیار دیتے ہوئے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ مَتَى شِئْتِ" (تو اپنے آپ کو طلاق دو جب چاہے) یعنی "مَتَى شِئْتِ" کا اضافہ کیا۔ تو اب عورت کا یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا؛ کیونکہ لفظِ "مَتَى" عموم اوقات کے لئے ہے گویا مرد نے عورت سے کہا کہ "طَلِّقِي نَفْسَكِ فِي أَيِّ وَقْتٍ شِئْتِ" (تو اپنے آپ کو طلاق دو جس وقت بھی تو چاہے) لہٰذا عورت کا یہ اختیار مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا بلکہ مجلس کے بعد بھی اگر چاہے تو طلاق واقع کر سکتی ہے۔

{1} وَإِذَا قَالَ لِرَجُلٍ : طَلِّقْ امْرَأَتِي فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ
اور جب کہے کسی مرد سے "طلاق دو میری بیوی کو" تو اس کو اختیار ہے کہ طلاق دے اس کو مجلس اور بعدِ مجلس میں، اور شوہر کو اختیار ہے کہ رجوع کرے

عَنْهُ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ وَ اسْتِعَانَةٌ ، فَلَا يَلْزَمُ وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ لِامْرَأَتِهِ : طَلِّقِي نَفْسَكِ
اس سے کیونکہ یہ توکیل اور استعانت ہے، پس لازم نہ ہوگا اور نہ مقصور ہوگا مجلس پر، بخلاف اس کے قول کے اپنی بیوی سے "طلاق دو اپنے آپ کو"

لِأَنَّهَا عَامِلَةٌ لِنَفْسِهَا فَكَانَ تَمْلِيكًا لَا تَوْكِيلًا {2} وَلَوْ قَالَ لِرَجُلٍ : طَلِّقْهَا إِنْ شِئْتَ
کیونکہ وہ عمل کرنے والی ہے اپنے لیے، پس یہ تملیک ہے نہ کہ توکیل۔ اور اگر کہا کسی مرد سے "طلاق دو میری بیوی کو اگر تو چاہے"

فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً وَلَيْسَ لِلزَّوْجِ أَنْ يَرْجِعَ . وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : هَذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ
تو اس کو اختیار ہے کہ طلاق دے اس کو مجلس میں خاص کر، اور شوہر کو اختیار نہیں کہ رجوع کرے۔ اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ یہ اور اول برابر ہیں

لِأَنَّ التَّصْرِيحَ بِالْمَشِيئَةِ كَعَدَمِهِ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيئَتِهِ فَصَارَ كَالْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ إِذَا قِيلَ لَهُ:
کیونکہ تصریح بالمشیت عدم مشیت کی طرح ہے؛ اس لیے کہ وہ تصرف کرتا ہے اپنی مشیت سے، پس ہو گیا جیسے وکیل بالبیع جب کہا جائے اس سے

بِعْهُ إِنْ شِئْتَ. {3} وَلَنَا أَنَّهُ تَمْلِيكٌ لِأَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالْمَشِيئَةِ وَالْمَالِكُ هُوَ الَّذِي
"فروخت کر اس کو اگر تو چاہے" اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تملیک ہے؛ کیونکہ اس نے معلق کر دیا ہے اس کو مشیت پر، اور مالک ہی وہ ہے

يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيئَتِهِ، وَالطَّلَاقُ يَحْتَمِلُ التَّعْلِيقَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُهُ . {4} وَلَوْ قَالَ لَهَا:

جو تصرف کرتا ہے اپنی مشیت سے، اور طلاق احتمال رکھتی ہے تعلیق کا، بخلاف بیع کے؛ کیونکہ وہ احتمال نہیں رکھتی تعلیق کا۔ اور اگر کہا بیوی سے

طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ لِأَنَّهَا مَلَكَتْ إِيقَاعَ الثَّلَاثِ فَتَمْلِكُ إِيقَاعَ

"تو اپنے نفس کو تین طلاق دو" پس اس نے طلاق دی ایک، تو وہ ایک ہوگی؛ اس لیے کہ وہ مالکہ ہے تین کو واقع کرنے کی پس مالکہ ہوگی واقع کرنے کی

الْوَاحِدَةِ ضَرُورَةً وَلَوْ قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ

ایک کو لازمی طور پر۔ اور اگر کہا بیوی سے "تو طلاق دو اپنے نفس کو ایک" پس اس نے تین طلاقیں دی اپنے آپ کو، تو واقع نہ ہوگی کچھ

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا : تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِأَنَّهَا أَتَتْ بِمَا مَلَكَتْهُ وَزِيَادَةٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا

امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ واقع ہوگی ایک؛ کیونکہ وہ لائی جس کی وہ مالکہ ہے اور زائد، پس ہو گیا جیسا کہ جب طلاق دے

طَلَّقَهَا الزَّوْجُ أَلْفًا . ﴿۵﴾ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا أَتَتْ بِغَيْرِ مَا فُوِّضَ إِلَيْهَا فَكَانَتْ مُبْتَدِئَةً ، وَهَذَا

اس کو شوہر ہزار۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ لائی علاوہ اس کے جو شوہر نے سپرد کیا تھا اس کو، پس ہوگی وہ ابتداء کرنے والی، اور یہ

لِأَنَّ الزَّوْجَ مَلَّكَهَا الْوَاحِدَةَ وَالثَّلَاثُ غَيْرُ الْوَاحِدَةِ لِأَنَّ الثَّلَاثَ اسْمٌ لِعَدَدٍ مُرَكَّبٍ مُجْتَمِعٍ وَالْوَاحِدَةُ فَرْدٌ لَا تَرْكِيبَ فِيهَا

اس لیے کہ شوہر نے مالک بنایا اس کو ایک کا اور تین غیر ہے ایک کا؛ کیونکہ ثلاث نام ہے عددِ مرکب مجتمع کا اور واحد فرد ہے ترکیب نہیں اس میں

فَكَانَتْ بَيْنَهُمَا مُغَايَرَةٌ عَلَى سَبِيلِ الْمُضَادَّةِ، ﴿۶﴾ بِخِلَافِ الزَّوْجِ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ الْمِلْكِ، وَكَذَا هِيَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى

پس ہوگی ان دونوں کے درمیان مغایرت علی سبیل التضاد، بخلاف زوج کے؛ کیونکہ وہ تصرف کرتا ہے بحکم ملک، اسی طرح عورت پہلے مسئلہ میں ہے

لِأَنَّهَا مَلَكَتِ الثَّلَاثَ ، أَمَّا هَاهُنَا لَمْ تَمْلِكِ الثَّلَاثَ وَمَا أَتَتْ بِمَا فُوِّضَ إِلَيْهَا فَلَغَتْ. ﴿۷﴾ وَإِنْ أَمَرَهَا

کیونکہ وہ مالکہ ہے تین کی، اور یہاں وہ مالکہ نہیں تین کی، اور وہ نہیں لائی ہے وہ جو سپرد کیا گیا ہے اس کو پس لغو ہو گیا۔ اور اگر حکم کیا عورت کو

بِطَلَاقٍ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَطَلَّقَتْ بَائِنَةً ، أَوْ أَمَرَهَا بِالْبَائِنِ فَطَلَّقَتْ رَجْعِيَّةً وَقَعَ مَا

ایسی طلاق کا جس میں مالک ہو وہ رجعت کا، پس اس نے طلاق دی بائن، یا امر کیا اس کو بائن کا، پس اس نے طلاق دی رجعی، تو واقع ہوگی وہ

أَمَرَ بِهِ الزَّوْجُ فَمَعْنَى الْأَوَّلِ أَنْ يَقُولَ لَهَا الزَّوْجُ : طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً أَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَتَقُولُ:

جس کا امر کیا ہے زوج نے پس اول کا معنی یہ ہے کہ کہے اس کو زوج "تو اپنے نفس کو ایک ایسی طلاق دو کہ میں مالک رہوں رجعت کا" پس وہ کہتی ہے

طَلَّقْتُ نَفْسِي وَاحِدَةً بَائِنَةً فَتَقَعُ رَجْعِيَّةً لِأَنَّهَا أَتَتْ بِالْأَصْلِ وَزِيَادَةِ وَصْفٍ كَمَا ذَكَرْنَا

"طلاق دی میں نے اپنے نفس کو ایک بائن" پس واقع ہو جائے گی رجعی؛ کیونکہ وہ لائی اصل زیادتی وصف کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا

فَيَلْغُو الْوَصْفُ وَيَبْقَى الْأَصْلُ ، ﴿۸﴾ وَمَعْنَى الثَّانِي أَنْ يَقُولَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً بَائِنَةً فَتَقُولُ

پس لغو ہوگا وصف اور باقی رہے گی اصل، اور ثانی کا معنی یہ ہے کہ شوہر کہے اس سے "تو طلاق دو اپنے نفس کو ایک بائن" پس وہ کہتی ہے

طَلَّقتُ نَفسِي وَاحِدَةً رَجعِيَّةً فَتَقَعُ بَائِنَةً لِأَنَّ قَولَهَا وَاحِدَةً رَجعِيَّةً لَغوٌ مِنهَا لِأَنَّ الزَّوجَ
"میں نے طلاق دی اپنے نفس کو ایک رجعی" پس واقع ہو جائے گی بائن؛ کیونکہ عورت کا قول "ایک رجعی" لغو ہے اس کی طرف سے اس لیے کہ
لَمَّا عَيَّنَ صِفَةَ المُفَوَّضِ إِلَيهَا فَحَاجَتُهَا بَعدَ ذَلِكَ إِلَى إِيقَاعِ الأَصلِ دُونَ تَعيِينِ الوَصفِ
زوج نے جب متعین کی صفت عورت کو مفوض طلاق کی تو عورت کی حاجت اس کے بعد اصل طلاق واقع کرنے میں ہے نہ تعیین وصف میں
فَصَارَ كَأَنَّهَا اقتَصَرَت عَلَى الأَصلِ فَيَقَعُ بِالصِّفَةِ الَّتِي عَيَّنَهَا الزَّوجُ بَائِنًا أَو رَجعِيًّا
پس ہو گیا گویا عورت نے اکتفا کیا اصل طلاق پر پس واقع ہو جائے گی اس صفت سے جس کو متعین کیا ہے زوج نے خواہ بائن ہو یا رجعی۔

{۹} وَإِن قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفسَكِ ثَلَاثًا إِن شِئتِ فَطَلَّقَت نَفسَهَا وَاحِدَةً لَم يَقَع شَيءٌ لِأَنَّ مَعنَاهُ
اور اگر کہا بیوی سے "طلاق دو اپنے نفس کو تین اگر چاہے" پس اس نے طلاق دی اپنے نفس کو ایک تو واقع نہ ہو گی کچھ؛ کیونکہ اس کا معنی ہے
إِن شِئتِ الثَّلَاثَ وَهِيَ بِإِيقَاعِ الوَاحِدَةِ مَا شَاءَتِ الثَّلَاثَ فَلَم يُوجَدِ الشَّرطُ {۱۰} وَلَو قَالَ لَهَا: طَلِّقِي نَفسَكِ
اگر تو چاہے تین، اور عورت نے ایک کو واقع کرنے سے تین کو نہیں چاہا، پس نہ پائی گئی شرط، اور اگر کہا عورت سے "طلاق دو اپنے نفس کو
وَاحِدَةً إِن شِئتِ فَطَلَّقَت ثَلَاثًا فَكَذَلِكَ عِندَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ مَشِيئَةَ الثَّلَاثِ لَيسَت بِمَشِيئَةٍ لِلوَاحِدَةِ
ایک اگر تو چاہے" پس اس نے تین طلاقیں دی، تو بھی یہی حکم ہے امام صاحب کے نزدیک؛ کیونکہ تین کی مشیت نہیں ہے ایک کی مشیت
كَإِيقَاعِهَا وَقَالَا : تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِأَنَّ مَشِيئَةَ الثَّلَاثِ مَشِيئَةٌ لِلوَاحِدَةِ ، كَمَا أَنَّ إِيقَاعَهَا
جیسا کہ واقع کرنا اس کا، اور فرمایا صاحبین رحمہما اللہ نے کہ واقع ہو جائے گی ایک؛ کیونکہ تین کی مشیت ایک کی مشیت ہے جیسا کہ تین کا ایقاع
إِيقَاعٌ لِلوَاحِدَةِ فَوُجِدَ الشَّرطُ .
ایک کا ایقاع ہے پس پائی گئی شرط۔

خلاصہ: مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا غیر کو طلاق کا وکیل بنانے کا حکم اور دلیل، اور بیوی کو وکیل بنانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲ و ۳ میں شوہر کا بیوی سے "طَلِّقِ امرَأَتِي إِن شِئتَ" کہنے کے حکم میں ہمارا اور امام زفر کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، نمبر ۴ تا ۶ میں شوہر کا بیوی سے "طَلِّقِي نَفسَكِ ثَلَاثًا" کہنے کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور شوہر کے قول "طَلِّقِي نَفسَكِ وَاحِدَةً" کی ایک صورت میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل اور صاحبین کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۷ و ۸ میں شوہر کا بیوی کو ایک وصف کے ساتھ طلاق دینے کا اختیار دیا اور بیوی نے دوسرے وصف کے ساتھ واقع کر لی تو اس کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹ میں شوہر کا بیوی کو تین طلاقوں کا اختیار دینے اور بیوی

کا ایک کو واقع کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۱۰ میں اس کے برعکس صورت کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف

، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے کسی دوسرے شخص سے کہا "طَلِّقْ امْرَأَتِي" (تو میری بیوی کو طلاق دو) تو وکیل کا یہ اختیار مجلس

کے ساتھ مقید نہیں ہوگا مجلس کے بعد بھی اس کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ اور شوہر کے لیے اپنے اس قول سے رجوع کا بھی اختیار ہو

گا؛ کیونکہ یہ دوسرے کو وکیل بنانا اور طلاق واقع کرنے میں مدد مانگنا ہے لہٰذا اس پر یہ توکیل لازم نہیں اس لیے اس سے رجوع کر سکتا

ہے، اور چونکہ یہ توکیل ہے اور توکیل مجلس پر مقصور نہیں ہوتی ہے اس لیے وکیل کو مجلس کے بعد بھی طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔

برخلافِ اس کے کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے "طَلِّقِيْ نَفْسَکِ" (تو اپنے آپ کو طلاق دو) کہ یہ اختیار مجلس پر مقصور ہو

گا؛ کیونکہ اس صورت میں جس عورت کو اختیار دیا ہے وہ اپنے لیے عمل کرتی ہے وکیل نہیں؛ کیونکہ وکیل غیر کے لیے عمل کرتا ہے،

لہٰذا یہ تملیک (مالک بنانا) ہے توکیل (وکیل بنانا) نہیں ہے اور تملیک مجلس پر مقصور ہوتی ہے۔

{۲} اور اگر شوہر نے کہا "طَلِّقْ امْرَأَتِي إِنْ شِئْتَ" (میری بیوی کو طلاق دو اگر تو چاہے) یعنی لفظِ "إِنْ شِئْتَ" کا اضافہ

کر دیا۔ تو اس صورت میں وکیل کو صرف اسی مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہوگا، اور شوہر کے لیے اپنے اس قول سے رجوع کرنے

کا اختیار بھی نہ ہوگا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت اور سابقہ صورت برابر ہیں لہٰذا دونوں مجلس کے ساتھ خاص ہیں اور شوہر کو رجوع

کا حق ہوگا؛ کیونکہ شوہر کی طرف سے مشیت کی تصریح اور عدمِ تصریح دونوں برابر ہیں؛ اس لیے کہ جس شخص کو شوہر نے اختیار دیا ہے

وہ بہر حال اپنی مشیت ہی سے تصرف کرتا ہے کیونکہ طلاق دینا اس کا فعل اختیاری ہے اور اختیاری فعل مشیت ہی سے ہوتا ہے

، لہٰذا سابقہ اور یہ صورت دونوں برابر ہیں، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ وکیل بالبیع سے کہا جائے "بِعْهُ إِنْ شِئْتَ" (فروخت کر اس

کو اگر تو چاہے) تو یہ اختیار مجلس پر مقصور نہیں ہوتا اور شئی کے مالک کو اس سے رجوع کا اختیار بھی نہ ہوگا، یہی حکم مذکورہ صورت کا بھی

ہوگا۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تملیک ہے؛ کیونکہ شوہر نے طلاق کو مشیت پر معلق کر دیا ہے اور مشیت سے تصرف کرنے

والا مالک ہی ہوتا ہے لہٰذا یہ از قبیل تملیکات ہے توکیل نہیں، دوسری طرف یہ طلاق ہے اور طلاق تعلیق اور یمین کا احتمال رکھتی ہے، پس

تملیک کا تقاضا یہ ہے کہ مجلس کے ساتھ خاص ہو، اور تعلیق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ تصرف لازم ہو، ہم نے دونوں کی رعایت کی کہ یہ

اختیار مجلس کے ساتھ خاص ہوگا اور شوہر کے لیے اس سے رجوع کا حق نہ ہوگا۔ برخلافِ بیع کے؛ کیونکہ وہ تعلیق اور یمین کا احتمال نہیں

رکھتی ہے لہذا موکل کا قول "إِنْ شِئْتَ" لغو ہوگا، اور فقط "بِعْهُ" رہ جائے گا جو محض توکیل ہے لہذا مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا اور موکل کو اپنے اس قول سے رجوع کا حق ہوگا۔

{۴} اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا" (تو اپنے آپ کو تین طلاق دو) عورت نے جواباً خود کو ایک طلاق دیدی تو ایک طلاق واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ شوہر کے اختیار دینے سے عورت تین طلاقیں واقع کرنے کی مالکہ ہو جاتی ہے تو لازمی بات ہے کہ ایک کو واقع کرنے کی بھی مالکہ ہو جائے گی جیسے خود زوج تین طلاقوں کا مالک ہے تو ایک کا بھی مالک ہے اس لیے وہ ایک طلاق کو واقع کر سکتی ہے۔ اور اگر شوہر نے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً" (تو اپنے آپ کو ایک طلاق دو) اس کے جواب میں عورت نے خود کو تین طلاقیں دیں، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ شوہر نے عورت کو جس کا مالک بنایا تھا (یعنی ایک طلاق) عورت نے اس کو واقع کیا اور اس سے مزید (دو طلاقیں) بھی واقع کی پس یہ ایسا ہے جیسے کہ خود شوہر اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے تو جتنی طلاقوں کا وہ مالک ہے (یعنی تین طلاقیں) وہ تو واقع ہو جائیں گی اور جن کا وہ مالک نہیں (یعنی تین سے زائد) وہ لغو ہوں گی اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی ایک واقع ہوگی اور دو لغو ہوں گی۔

{۵} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ زوج نے جس کام کی تفویض اور سپردگی کی تھی عورت نے وہ نہیں کیا اس لئے کہ "ثلاث" عدد مرکب مجتمع کا نام ہے اور "واحدة" فرد ہے جس میں کوئی ترکیب نہیں، لہذا "ثلاث" اور "واحدة" میں تضاد کی مغائرت ہے، اس لیے عورت کا کلام از سر نو کلام شمار ہوگا زوج کے کلام کا جواب شمار نہیں ہوگا، اس لیے اس سے کچھ واقع نہ ہوگا جب تک کہ زوج اجازت نہ دے۔

{۶} باقی شوہر پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ وہ تو مالک ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے لہذا جتنی تعداد چاہے واقع کردے البتہ نافذ بقدرِ محل ہوں گی اور محل تین طلاقوں کی ہے لہذا تین طلاقیں نافذ ہوں گی۔ اسی طرح سابقہ مسئلہ میں عورت تین طلاقوں کی مالکہ تھی اور اس نے بحیثیتِ مالکہ تصرف کر کے تین میں سے ایک کو واقع کر دیا تو ایک واقع ہوگی، جبکہ اس صورت میں وہ تین طلاقوں کی مالکہ نہیں ہے اور جو اس کو سپرد کی گئی ہے یعنی ایک طلاق، وہ اس نے واقع نہیں کی ہے، لہذا مرد اور عورت کے کلام میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے عورت کا کلام لغو ہوگا۔

فتوی:- امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا إِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً (و) كذا (عكسه لا) يَقَعُ فِيهِمَا لِاشْتِرَاطِ الْمُوَافَقَةِ لَفْظًا لِمَا فِي تَعْلِيقِ الْخَانِيَّةِ أَمْرُهَا بِيَدِهَا عَشْرٍ فَطَلَّقَتْ ثَلَاثًا أَوْ بِوَاحِدَةٍ فَطَلَّقَتْ ثِنْتَيْنِ لَمْ يَقَعْ. (الدّرالمختارعلی هامش ردّالمحتار: ۵۲۹/۲)

{۷} اگر شوہر نے بیوی کو ایسی طلاق کا اختیار دیا کہ جس کے بعد شوہر رجعت کا مالک ہو، عورت نے اس کے جواب میں اپنے آپ کو بائن طلاق دیدی۔ یا شوہر نے بائن طلاق کا اختیار دیا تھا اور عورت نے رجعی طلاق واقع کی، تو دونوں صورتوں میں وہی طلاق واقع ہوگی جس کی شوہر نے اجازت دی ہے جو وصف عورت بیان کرتی ہے وہ لغو ہے۔ پہلے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے بیوی سے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً أَمْلِكُ الرَّجْعَةَ" (تو اپنے نفس کو ایک ایسی طلاق دو کہ میں رجعت کا مالک رہوں) بیوی نے جواب میں کہا "طَلَّقْتُ نَفْسِي وَاحِدَةً بَائِنَةً" (میں نے اپنے آپ کو ایک بائن طلاق دی) تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ زوج نے ذاتِ طلاق بمع وصف (رجعت) کی اجازت دی تھی عورت نے ذاتِ طلاق میں موافقت اور وصفِ طلاق (رجعت) میں مخالفت کی اور وصف میں مخالفت کی وجہ سے اصل طلاق تو باطل نہ ہوگی، لہٰذا اصل طلاق اس وصف کے ساتھ واقع ہوگی جس کا ذکر زوج نے کیا ہے۔

{۸} اور دوسرے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے بیوی سے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً بَائِنَةً" (تو اپنے آپ کو ایک بائن طلاق دو) بیوی نے جواب میں کہا "طَلَّقْتُ نَفْسِي وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً" (میں نے اپنے آپ کو ایک رجعی طلاق دی) تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ عورت کا قول "وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً" لغو ہے، اس لیے کہ مرد نے جو طلاق عورت کے سپرد کی ہے اس کی صفت متعین ہے کہ بائن طلاق ہے، لہٰذا اب فقط اصل طلاق واقع کرنے کی ضرورت ہے تعیین وصف کی ضرورت نہیں اس لیے عورت کا وصف کو متعین کرنا لغو ہوگا، پس یہ ایسا ہے گویا عورت نے اصل طلاق پر اکتفا کرتے ہوئے فقط "طَلَّقْتُ" کہا، اور فقط طلاق اسی صفت کے ساتھ واقع ہوگی جس کی شوہر نے تعیین کی ہے خواہ رجعی ہو یا بائن ہو۔

{۹} اگر شوہر نے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا إِنْ شِئْتِ" (تو اپنے آپ کو تین طلاق دو اگر تو چاہتی ہے) عورت نے جواباً اپنے آپ کو ایک طلاق دیدی، تو کچھ واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ شوہر کے قول کا مطلب یہ ہے کہ "تین طلاق واقع کر دو بشرطیکہ تو تین طلاق چاہے" اور جب عورت نے ایک کو واقع کر دیا تو تین کو نہیں چاہا پس شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۱۰} اور اگر شوہر نے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً إِنْ شِئْتِ" (تو خود کو ایک طلاق دو اگر تو چاہتی ہے) عورت نے جواباً خود کو تین طلاقیں دیدیں، تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کچھ واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ شوہر نے ایقاعِ طلاق کے لیے ایک کی مشیت کو شرط قرار دیا ہے، جبکہ عورت نے تین کو واقع کرنا چاہا اور تین کی مشیت ایک کی مشیت نہیں جیسا کہ تین کو واقع کرنا ایک کو واقع نہیں،

کرنا ہے مثلاً شوہر نے کہا "طَلِّقِي نَفسَكِ وَاحِدَةً" (تو اپنے آپ کو ایک طلاق دو) عورت نے تین طلاقیں واقع کر دیں، تو امام صاحب" کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ تین کو واقع کرنا ایک کو واقع کرنا نہیں ہے، پس مذکورہ صورت میں شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

صاحبین" کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ تین طلاقوں کی مشیت میں ایک طلاق کی مشیت شامل ہے جیسا کہ ان کے نزدیک تین طلاقوں کو واقع کرنا ایک طلاق کو واقع کرنا ہے، پس شرط پائی جانے کی وجہ سے ایک طلاق واقع ہوگی۔

فتویٰ:۔امام ابو حنیفہ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: طَلِّقِي نَفسَكِ ثَلَاثًا إنْ شِئتِ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً (وَ) كَذَا (عَكسُهُ لَا) يَقَعُ فِيهِمَا لِاشتِرَاطِ الْمُوَافَقَةِ لَفظًا لِمَا فِي تَعلِيقِ الْخَانِيَةِ أَمرُهَا بِعَشرٍ فَطَلَّقَتْ ثَلَاثًا أَوبِوَاحِدَةٍ فَطَلَّقَتْ نِصفًالَمْ يَقَعْ.(الدّرالمختارعلی ھامش ردّالمحتار:۵۲۹/۲)

{۱} وَلَو قَالَ لَهَا : أَنتِ طَالِقٌ إنْ شِئْتِ فَقَالَتْ : شِئْتُ إنْ شِئْتَ فَقَالَ الزَّوْجُ : شِئْتُ يَنوِي الطَّلَاقَ

اور اگر کہا عورت سے "تو طلاق والی ہے اگر تو چاہے" عورت نے کہا "میں نے چاہا اگر تو نے چاہا" پس کہا زوج نے "میں نے چاہا" نیت کی ہے طلاق کی

بَطَلَ الْأَمْرُ لِأَنَّهُ عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِالْمَشِيئَةِ الْمُرْسَلَةِ وَهِيَ أَتَتْ بِالْمُعَلَّقَةِ فَلَمْ يُوجَدِ الشَّرْطُ وَهُوَ

تو باطل ہو گیا امر بالید؛ کیونکہ اس نے معلق کر دیا اس کی طلاق کو مشیتِ مطلقہ پر اور وہ لائی مشیتِ معلقہ پس نہ پائی گئی شرط اور وہ

اشتِغَالٌ بِمَا لَا يَعنِيهَا فَخَرَجَ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا ، وَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ بِقَولِهِ شِئْت وَإِنْ نَوَى الطَّلَاقَ

مشغول ہونا ہے لایعنی کام میں، پس نکل گیا معاملہ اس کے ہاتھ سے، اور واقع نہ ہوگی طلاق اس کے قول "شِئْت" سے اگرچہ نیت کرے طلاق کی

لِأَنَّهُ لَيسَ فِي كَلَامِ الْمَرْأَةِ ذِكرُ الطَّلَاقِ لِيَصِيرَ الزَّوْجُ شَائِيًاطَلَاقَهَا،وَالنِّيَّةُلَا تَعمَلُ فِي غَيرِالْمَذكُورِ{۲}حَتَّى لَو

کیونکہ نہیں ہے عورت کے کلام میں ذکرِ طلاق، تاکہ ہو جائے زوج طلاق کا چاہنے والا اور نیت عمل نہیں کرتی ہے غیر مذکور میں ، حتی کہ

قَالَ : شِئْتُ طَلَاقَكِ يَقَعُ إذَا نَوَى لِأَنَّهُ إيقَاعٌ مُبتَدَأٌ إذِ الْمَشِيئَةُ تُنبِئُ عَنِ الْوُجُودِ ، بِخِلَافِ

اگر کہا "چاہا میں نے تیری طلاق" تو واقع ہو جائے گی جب نیت کرے؛ کیونکہ یہ ایقاع ہے جدید اس لیے کہ مشیت خبر دیتی ہے وجود سے، بخلاف

قَولِهِ أَرَدتُ طَلَاقَكِ لِأَنَّهُ لَا يُنبِئُ عَنِ الْوُجُودِ .{۳} وَكَذَا إذَا قَالَتْ شِئْتُ إنْ شَاءَ أَبِي

اس کے قول "میں نے ارادہ کیا تیری طلاق کا" کیونکہ ارادہ خبر دیتا ہے وجود کی اسی طرح جب عورت کہے "چاہا میں نے اگر چاہا میرے باپ نے"

أَو شِئْتُ إنْ كَانَ كَذَا لِأَمْرٍ لَمْ يَجِئْ بَعْدُ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمَأْتِيَّ بِهِ مَشِيئَةٌ مُعَلَّقَةٌ

یا "میں نے چاہا اگر اس طرح ہو" کسی ایسے امر پر معلق کیا جو ابھی تک موجود نہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی کہ وہ جو مشیت لائی ہے وہ معلق ہے،

فَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَبَطَلَ الْأَمْرُ{۴} وَإِنْ قَالَتْ : قَدْ شِئْت إنْ كَانَ كَذَا لِأَمْرٍ قَدْ مَضَى طَلَقَت

پس واقع نہ ہوگی طلاق، اور باطل ہوا امر بالید، اور اگر عورت نے کہا "میں نے چاہا اگر فلاں معاملہ اس طرح ہو" حالانکہ وہ گذر چکا ہے تو طلاق ہو جائے گی

لِأَنَّ التَّعْلِيقَ بِشَرْطٍ كَائِنٍ تَنْجِيزٌ. ﴿۵﴾وَلَوْقَالَ لَهَا:أَنْتِ طَالِقٌ إِذَاشِئْتِ أَوْإِذَامَاشِئْتِ أَوْمَتَى شِئْتِ أَوْمَتَى مَا شِئْتِ

کیونکہ تعلیق ایسی شرط کے ساتھ جو گذر چکی ہو تنجیز ہے۔ اور اگر کہا بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَاشِئْتِ أَوْإِذَامَاشِئْتِ أَوْمَتَى شِئْتِ أَوْمَتَى مَاشِئْتِ"

فَرَدَّتِ الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ رَدًّاوَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ أَمَّا كَلِمَةُ مَتَى وَمَتَى مَا فَلِأَنَّهُمَا لِلْوَقْتِ وَهِيَ عَامَّةٌ

اور عورت نے رد کر دیا امر بالید کو تو نہ ہوگا رد، اور نہ مقصور ہوگا مجلس پر، بہرحال کلمۂ متی اور متی ما تو اس لیے یہ دونوں وقت کے لیے اور وہ عام ہے

فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا، كَأَنَّهُ قَالَ فِي أَيِّ وَقْتٍ شِئْتَ فَلَايَقْتَصِرُعَلَى الْمَجْلِسِ بِالْإِجْمَاعِ،وَلَوْرَدَّتِ الْأَمْرَلَمْ يَكُنْ رَدًّا

تمام اوقات میں گویا اس نے کہا "جس وقت میں بھی تم چاہو" پس مقصور نہ ہوگا مجلس پر بالاجماع، اور اگر عورت نے رد کر دیا امر بالید کو تو نہ ہوگا رد

لِأَنَّهُ مَلَّكَهَاالطَّلَاقَ فِي الْوَقْتِ الَّذِي شَاءَتْ فَلَمْ يَكُنْ تَمْلِيكًا قَبْلَ الْمَشِيئَةِ حَتَّى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ،

؛کیونکہ مرد نے اس کو مالک بنایا طلاق کا ایسے وقت میں جس میں وہ چاہے پس نہ ہوگی یہ تملیک مشیت سے پہلے حتی کہ رد ہو جائے رد کرنے سے،

﴿۶﴾وَلَا تُطَلِّقُ نَفْسَهَا إِلَّا وَاحِدَةً لِأَنَّهَا تَعُمُّ الْأَزْمَانَ دُونَ الْأَفْعَالِ فَتَمْلِكُ التَّطْلِيقَ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَا تَمْلِكُ

اور طلاق نہیں دے سکتی اپنے نفس کو مگر ایک؛ کیونکہ متی زمانوں کو عام ہے نہ کہ افعال کو، پس وہ مالک ہوگی تطلیق کی ہر زمانے میں اور مالک نہ ہوگی

تَطْلِيقًابَعْدَتَطْلِيقٍ،﴿۷﴾وَأَمَّاكَلِمَةُإِذَا وَإِذَا مَا فَهُمَا وَمَتَى سَوَاءٌ عِنْدَهُمَا .وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَوَإِنْ كَانَ يُسْتَعْمَلُ

تطلیق بعد تطلیق کی اور رہا کلمۂ اذا اور اذاما تو یہ دونوں اور متی برابر ہیں صاحبینؒ کے نزدیک، اور امام صاحبؒ کے نزدیک اگرچہ استعمال ہوتا ہے

لِلشَّرْطِ كَمَايُسْتَعْمَلُ لِلْوَقْتِ لَكِنَّ الْأَمْرَ صَارَ بِيَدِهَا فَلَا يَخْرُجُ بِالشَّكِّ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ

شرط کے لیے جیسا کہ استعمال ہوتا ہے وقت کے لیے لیکن معاملہ ہو گیا عورت کے ہاتھ پس نہیں نکلے گا شک کی وجہ سے، اور یہ بحث گذر چکی ماقبل میں

﴿۸﴾ وَلَوْ قَالَ لَهَا : أَنْتِ طَالِقٌ كُلَّمَا شِئْتِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ حَتَّى تُطَلِّقَ نَفْسَهَا

اور اگر کہا بیوی سے "تو طلاق ہے جب بھی تو چاہے" تو اس کو اختیار ہے کہ طلاق دے اپنے نفس کو ایک کے بعد ایک یہاں تک کہ طلاق دے اپنے نفس کو

ثَلَاثًا لِأَنَّ كَلِمَةَ كُلَّمَا تُوجِبُ تَكْرَارَ الْأَفْعَالِ﴿۹﴾إِلَّاأَنَّ التَّعْلِيقَ يَنْصَرِفُ إِلَى الْمِلْكِ الْقَائِمِ حَتَّى لَوْعَادَتْ إِلَيْهِ

تین؛ کیونکہ کلمۂ کلّما واجب کر دیتا ہے تکرار افعال کو، مگر یہ کہ تعلیق لوٹے گی ملکِ موجود کی طرف، حتی کہ اگر لوٹ آئی اس کی طرف

بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّهُ مِلْكٌ مُسْتَحْدَثٌ وَلَيْسَ لَهَا أَنْ تُطَلِّقَ

زوج آخر کے بعد پھر اس نے طلاق دی اپنے نفس کو تو واقع نہ ہوگی کچھ؛ کیونکہ یہ ملک جدید ہے، اور نہیں ہے عورت کے لیے یہ کہ طلاق دے

نَفْسَهَاثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ لِأَنَّهَا تُوجِبُ عُمُومَ الِانْفِرَادِ لَا عُمُومَ الِاجْتِمَاعِ فَلَا تَمْلِكُ الْإِيقَاعَ جُمْلَةً وَجَمْعًا

اپنے نفس کو تین طلاق ایک کلمہ سے؛ کیونکہ کلّما واجب کر دیتا ہے عموم افراد کو نہ کہ عموم اجتماع کو، پس وہ مالک نہ ہوگی یکبارگی اور مجتمع ایقاع کی

{۱۰} وَلَوْ قَالَ لَهَا : أَنْتِ طَالِقٌ حَيْثُ شِئْتِ أَوْ أَيْنَ شِئْتِ لَمْ تُطَلَّقْ حَتَّى تَشَاءَ، وَإِنْ قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا

اور اگر کہا بیوی سے "تو طلاق ہے جہاں تو چاہے یا جس جگہ تو چاہے" تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ چاہے، اور اگر وہ کھڑی ہوگئی اپنی مجلس سے

فَلَا مَشِيئَةَ لَهَا لِأَنَّ كَلِمَةَ حَيْثُ وَأَيْنَ مِنْ أَسْمَاءِ الْمَكَانِ وَالطَّلَاقُ لَا تَعَلُّقَ لَهُ بِالْمَكَانِ فَيَلْغُو

تو مشیت نہ ہوگی اس کے لیے؛ کیونکہ کلمۂ حیث اور أین اسماءِ مکان میں سے ہیں اور طلاق کا تعلق نہیں مکان کے ساتھ، اس لیے لغو ہوگا

وَيَبْقَى ذِكْرُ مُطْلَقِ الْمَشِيئَةِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ، {۱۱} بِخِلَافِ الزَّمَانِ لِأَنَّ لَهُ تَعَلُّقًا بِهِ حَتَّى يَقَعَ

اور باقی رہے گا ذکر مطلق مشیت کا پس مقصور ہوگی مجلس پر، بخلافِ زمان کے؛ کیونکہ طلاق کا تعلق ہے زمانے کے ساتھ حتی کہ واقع ہوتی ہے

فِي زَمَانٍ دُونَ زَمَانٍ فَوَجَبَ اعْتِبَارُهُ عُمُومًا وَخُصُوصًا .

ایک زمانے میں نہ کہ دوسرے زمانے میں، تو واجب ہوگا اس کا اعتبار عموم و خصوص کے اعتبار سے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مرد کا طلاق کو عورت کی مشیت پر معلق کرنے کی چند صورتوں کے احکام اور دلائل ذکر کیے ہیں۔ نمبر ۵ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا شِئْتِ أَوْ إِذَا مَا شِئْتِ أَوْ مَتَى شِئْتِ أَوْ مَتَى مَا شِئْتِ" کو عورت کا رد کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں مذکورہ صورت میں عورت کو ایک طلاق کا اختیار اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۷ میں " إِذَا وَ إِذَامَا " کا حکم اور امام صاحبؒ و صاحبینؒ کی رائے کے مطابق دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ و ۹ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ كُلَّمَا شِئْتِ" کے حکم کی تفصیل اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۰ و ۱۱ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ حَيْثُ شِئْتِ" یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ أَيْنَ شِئْتِ" کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شِئْتِ" (تجھے طلاق ہے اگر تو چاہے) عورت نے کہا "شِئْتُ إِنْ شِئْتَ" (میں چاہتی ہوں اگر تو چاہے) شوہر نے طلاق کی نیت کر کے کہا "شِئْتُ" (میں تو چاہتا ہوں) تو امر بالید باطل ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ زوج نے طلاق کو مشیتِ مرسلہ (مطلق مشیت) کے ساتھ معلق کر دی تھی اور عورت نے مشیت کو "إِنْ شِئْتَ" کے ساتھ معلق کر دیا، لہٰذا شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، اور چونکہ عورت ایک لایعنی کام (مشیتِ معلقہ) کے ساتھ مشغول ہوگئی جو دلیل اعراض ہے اس لیے امر بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ باقی زوج کے قول "شِئْتُ" سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ وہ اس سے طلاق کی نیت کرے؛ کیونکہ عورت کے کلام میں طلاق کا ذکر نہیں؛ کیونکہ عورت نے یہ نہیں کہا کہ "شِئْتُ طَلَاقِي" کہ شوہر اس کو چاہنے والا ہو اور صرف نیت غیر مذکور میں عمل نہیں کرتی؛ کیونکہ نیت ملفوظ میں عمل کرتی ہے غیر ملفوظ میں نہیں۔

{۲}البتہ اگر شوہر نے کہا "شِئْتُ طَلَاقَکِ" (میں نے تیری طلاق چاہی) تو طلاق واقع ہو جائے گی، مگر اس لیے نہیں کہ یہ عورت کے قول کا جواب ہے بلکہ اس لیے کہ یہ از سر نو طلاق واقع کرنا ہے جس کا وہ مالک ہے۔ باقی شوہر کے قول "شِئْتُ طَلَاقَکِ" سے از سر نو طلاق اس لیے واقع ہوتی ہے کہ یہ لفظ وجود کی خبر دیتی ہے؛ کیونکہ مشیت شی سے ماخوذ ہے اور شی موجود کو کہتے ہیں تو گویا شوہر نے کہا "أَوْجَدْتُ طَلَاقَکِ" اور ایجادِ طلاق ایقاعِ طلاق ہے اس لیے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ برخلافِ اس کے کہ اگر شوہر نے کہا "أَرَدْتُ طَلَاقَکِ" (میں نے تیری طلاق کا ارادہ کیا ہے) تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ لفظِ ارادہ وجود کی خبر نہیں دیتا ہے بلکہ طلبِ وجود کی خبر دیتا ہے اور طلبِ وجود کے لیے وجود لازم نہیں۔

{۳}اسی طرح اگر شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شِئْتِ" کے جواب میں عورت نے کہا "شِئْتُ إِنْ شَاءَ أَبِي" (میں چاہتی ہوں اگر میرے باپ نے چاہا)، یا عورت نے جواب میں ایک ایسے کام کے بارے میں کہا جو ابھی تک واقع نہیں ہوا ہو کہ "شِئْتُ إِنْ كَانَ كَذَا" (کہ ہاں میں چاہتی ہوں اگر فلاں کام ایسا ہو جائے)، تو ان دونوں صورتوں میں بھی عورت کا قول باطل ہے طلاق واقع نہ ہوگی؛ وجہ وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ زوج نے طلاق کو مشیتِ مرسلہ (مطلق مشیت) کے ساتھ معلق کر دی تھی اور عورت مشیتِ معلقہ لائی ہے یعنی عورت نے مشیت کو "إِنْ شَاءَ أَبِي" یا "شِئْتُ إِنْ كَانَ كَذَا" کے ساتھ معلق کر دیا، لہٰذا شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، اور چونکہ عورت ایک لایعنی کام (مشیتِ معلقہ) کے ساتھ مشغول ہو گئی جو دلیلِ اعراض ہے اس لیے امر بالید بھی باطل ہو جائے گا۔

{۴}اور اگر مذکورہ بالا صورت میں عورت نے کہا "کہ میں طلاق چاہتی ہوں اگر فلاں کام اس طرح ہو" حالانکہ وہ کام اس سے پہلے ہو چکا ہے، تو اس صورت میں عورت پر طلاق واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ جو طلاق ایسی شرط کے ساتھ معلق ہو جو شرط فی الحال موجود ہے تو ایسی طلاق معلق نہیں بلکہ فی الحال واقع ہوگی۔

{۵}اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا شِئْتِ أَوْ إِذَا مَا شِئْتِ أَوْ مَتَى شِئْتِ أَوْ مَتَى مَا شِئْتِ" (تجھے طلاق ہے جب تو چاہے یا جب تک تو چاہے یا جس وقت تو چاہے یا جس وقت تک تو چاہے) عورت نے اس اختیار کو رد کر کے کہا کہ "میں طلاق نہیں چاہتی" تو یہ رد نہ ہوگا، بلکہ رد کرنے کے بعد بھی عورت اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، اور عورت کا طلاق واقع کرنا اسی مجلس پر مقصور بھی نہ ہوگا مجلس کے بعد بھی وہ طلاق واقع کر سکتی ہے؛ کیونکہ شوہر نے عورت کو اسی وقت طلاق کی مالکہ بنایا ہے جس وقت وہ اپنے آپ کو طلاق دینا چاہے لہٰذا عورت کے چاہنے سے پہلے وہ طلاق کی مالکہ نہیں کہ اس کے رد کرنے سے رد ہو جائے اس

ئے عورت کی طرف سے ردّ کا اعتبار بھی نہ ہوگا؛ کیونکہ ان الفاظ میں سے "مَتَی" اور "مَتَی مَا" وقت کے لیے ہیں اور تمام اوقات کو شامل ہیں پس یہ ایسا ہے گویا مرد نے عورت سے کہا "أَنتِ طَالِقٌ فِي أَيِّ وَقتٍ شِئتِ" (تجھے طلاق ہے جس وقت بھی تم چاہو) لہٰذا بالاتفاق مجلس پر مقصور نہ ہوگا اس لیے عورت جب بھی چاہے طلاق واقع کر سکتی ہے، اور اگر وہ اس کو ردّ کر دے تو ردّ بھی نہ ہوگا؛ کیونکہ مرد نے عورت کو اسی وقت طلاق کا مالک بنایا ہے جس وقت وہ چاہے گی، پس طلاق چاہنے سے پہلے وہ طلاق کی مالک ہی نہیں کہ اس کے ردّ کرنے سے وہ ردّ ہو جائے۔

{۶} اور اس صورت میں عورت اپنے آپ کو صرف ایک طلاق دے سکتی ہے؛ کیونکہ یہ الفاظ عمومِ زمانہ کے لئے آتے ہیں نہ کہ عمومِ افعال کے لئے، پس عورت کو عمومِ زمانہ کے لیے ہونے کی وجہ سے ہر وقت اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا، مگر عمومِ افعال کے لئے نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو ایک کے بعد دوسری طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اس لیے ایک طلاق واقع کرنے سے اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

{۷} رہا کلمۂ "إِذَا" اور "إِذَا مَا"، تو صاحبینؒ کے نزدیک یہ اور "مَتَی" برابر ہیں، لہٰذا جو حکم "مَتَی" کا ہے وہی حکم "إِذَا" اور "إِذَا مَا" کا بھی ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی معاملہ عورت کے ہاتھ سے نہیں نکلتا ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک "إِذَا" اور "إِذَا مَا" جس طرح کہ وقت کے لیے استعمال ہوتے ہیں اسی طرح شرط کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، شرط کا تقاضا یہ ہے کہ مجلس پر مقصور ہو اور وقت کا تقاضا یہ ہے کہ مقصور نہ ہو، لیکن شوہر کے کہنے سے طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں یقینی طور پر آچکا ہے، اب شک ہے کہ شاید یہ شرط کے لیے ہوں اس لیے مجلس ختم ہونے سے معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل گیا ہو، اور شک کی وجہ سے یقینی ثابت اختیار اس کے ہاتھ سے نہیں نکلتا ہے، اور تفصیل "فصل اضافة الطلاق الی الزمان" میں گذر چکی ہے۔

{۸} اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنتِ طَالِقٌ كُلَّمَا شِئتِ" (تجھے طلاق ہے جب بھی تو چاہے) تو اس صورت میں عورت اپنے آپ کو یکے بعد دیگرے تین طلاقوں تک ایک ایک طلاق دے سکتی ہے اکٹھی ایک دفعہ میں تینوں نہیں دے سکتی ہے کیونکہ "كُلَّمَا" عمومِ اوقات و افعال دونوں کے لئے ہے لہٰذا تینوں طلاقیں وہ واقع کر سکتی ہے۔

{۹} البتہ مذکورہ بالا صورت میں تعلیق مِلکِ موجود کی طرف لوٹے گی نہ کہ مِلکِ معدوم کی طرف، یعنی اگر عورت نے خود کو تین طلاقیں دے کر یہاں سے مغلظہ ہو کر جا کر دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا پھر دوسرے شوہر سے جدائی پا کر دوبارہ پہلے شوہر کے پاس آئی اب وہ شوہر کے سابقہ "كُلَّمَا شِئتِ" سے اختیار دینے کی وجہ سے خود کو طلاق دیتی ہے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ عورت کو

اختیار ملک سابق میں دیا تھا اسی ملک میں اس کو اختیار تھا کہ اپنے آپ کو طلاق دے، اب تو یہ جدید ملک ہے لہٰذا اس میں اسے اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار نہ ہوگا۔

اور مذکورہ صورت میں عورت کو یہ اختیار نہیں کہ ایک کلمہ سے تینوں طلاقوں کو واقع کردے؛ کیونکہ "کُلَّمَا" اگرچہ عموم افعال کے لئے ہے مگر عموم افرادی کے لئے ہے اجتماعی کے لئے نہیں لہٰذا ہر مرتبہ ایک طلاق تو واقع کرسکتی ہے مگر تینوں طلاقوں کو جمع کرکے واقع کرنے کی وہ مالکہ نہ ہوگی۔

﴿۱۰﴾ اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ حَيْثُ شِئْتِ" (تو طلاق ہے جس جگہ تو چاہے) یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ أَيْنَ شِئْتِ" (تو طلاق ہے جہاں تو چاہے) تو جب تک کہ عورت طلاق نہ چاہے طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر وہ اپنی اس مجلس سے اٹھ گئی تو اس کی مشیت اور اختیار ختم ہو جائیگا اب وہ اپنے آپ کو طلاق نہیں دے سکتی ہے؛ کیونکہ "حَيْثُ" اور "أَيْنَ" اسماء مکان میں سے ہیں اور طلاق کا کسی مکان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا یعنی ایسا نہیں ہوتا ہے کہ طلاق ایک مکان میں واقع ہو اور دوسرے میں واقع نہ ہو، لہٰذا ذکر مکان لغو ہوا اور مطلق مشیت باقی رہی اور مطلق مشیت سے جو اختیار ثابت ہوتا ہے وہ مجلس پر موقوف ہوتا ہے۔

﴿۱۱﴾ البتہ زمانے کا حکم مکان کے حکم سے مختلف ہے؛ کیونکہ زمانے کے ساتھ طلاق کا تعلق ہوتا ہے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک زمانے میں طلاق واقع ہو جائے اور دوسرے زمانے میں واقع نہ ہو، لہٰذا زمانے کے خصوص اور عموم کا اعتبار ضروری ہے مثلاً "أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا" میں خصوص ملحوظ ہے کہ خاص کر کل طلاق واقع ہوگی آج نہیں، اور "أَنْتِ طَالِقٌ فِيْ أَيِّ وَقْتٍ شِئْتِ" عموم ملحوظ ہے کہ جس وقت بھی وہ چاہے طلاق واقع کردے۔

﴿۱﴾ وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ كَيْفَ شِئْتِ طَلَقَت تَطْلِيقَةً يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ وَمَعْنَاهُ قَبْلَ الْمَشِيئَةِ،

اور اگر کہا عورت سے "تو طلاق ہے جس طرح تو چاہے" تو طلاق ہو جائے گی ایسی طلاق سے کہ شوہر مالک ہوگا رجعت کا، اور اس کا معنی ہے مشیت سے پہلے

فَإِنْ قَالَتْ :قَدْ شِئْتُ وَاحِدَةً بَائِنَةً أَوْ ثَلَاثًا وَقَالَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ نَوَيْتُ فَهُوَ كَمَا قَالَ لِأَنَّ عِنْدَ ذٰلِكَ

پس اگر عورت نے کہا "میں ایک بائن چاہی یا تین" اور زوج نے کہا اسی کی میں نے نیت کی ہے تو ویسا ہی ہوگی جیسا زوج نے کہا؛ کیونکہ اس وقت

تَثْبُتُ الْمُطَابَقَةُ بَيْنَ مَشِيئَتِهَا وَإِرَادَتِهِ، أَمَّا إِذَا أَرَادَتْ ثَلَاثًا وَالزَّوْجُ وَاحِدَةً بَائِنَةً أَوْ عَلَى الْقَلْبِ تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ

ثابت ہوتی ہے مطابقت عورت کی مشیت اور مرد کے ارادہ میں، پھر جب عورت نے ارادہ کیا تین کا اور زوج نے ایک بائن کا یا برعکس تو واقع ہوگی ایک رجعی

لِأَنَّهُ لَغَا تَصَرُّفُهَا لِعَدَمِ الْمُوَافَقَةِ فَبَقِيَ إِيقَاعُ الزَّوْجِ ﴿۲﴾ وَإِنْ لَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ تُعْتَبَرُ مَشِيئَتُهَا

کیونکہ لغو ہوا عورت کا تصرف عدم موافقت کی وجہ سے، پس باقی رہا زوج کا ایقاع، اور اگر حاضر نہ ہو شوہر کو نیت تو اعتبار ہوگا عورت کی مشیت کا

الفقہاء قالوا اجزناعلی موجب التخییر ﴿۳﴾ (قال) وقال في الأصل هذا قول أبي حنيفة رحمه الله
فقہاء کے قول میں عمل کرتے ہوئے موجب تخییر پر۔ مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط میں کہا کہ یہ امام صاحب کا قول ہے

وعندهما لا يقع ما لم توقع المرأة فتشاء رجعية أو بائنة أو ثلاثا . وعلى هذا الخلاف العتاق
اور صاحبین کے نزدیک واقع نہ ہوگی جب تک کہ واقع نہ کرے عورت پس وہ جو چاہے رجعی ہو یا بائن ہو یا تین، اور اسی اختلاف پر ہے عتاق،

لهما أنه فوض التطليق إليها على أي صفة شاءت فلا بد من تعليق أصل الطلاق بمشيئتها
صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے سپرد کی تطلیق عورت کو جس صفت پر بھی وہ چاہے، پس ضروری ہے اصل طلاق کی تعلیق اس کی مشیت پر

ليكون لها المشيئة في جميع الأحوال: أعني قبل الدخول وبعده. ﴿۴﴾ ولأبي حنيفة رحمه الله أن كلمة كيف
تاکہ ہو اس کے لیے مشیت تمام احوال میں یعنی دخول سے پہلے اور دخول کے بعد۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ کیف

للاستيصاف ، يقال كيف أصبحت والتفويض في وصفه يستدعي وجود أصله
طلب وصف کے لیے ہے کہا جاتا ہے "کس صفت کے ساتھ تو نے صبح کی" اور تفویض وصف طلاق میں تقاضا کرتی ہے اصل کے وجود کا

ووجود الطلاق بوقوعه. ﴿۵﴾ وإن قال لها : أنت طالق كم شئت أو ما شئت طلقت نفسها ما شاءت
اور وجود طلاق وقوع طلاق سے ہوتا ہے، اور اگر کہا بیوی سے "تو طلاق ہے جس قدر تو چاہے یا جو کچھ تو چاہے" تو طلاق دے اپنے نفس کو جتنی چاہے

لأنهما يستعملان للعدد فقد فوض إليها أي عدد شاءت . فإن قامت من المجلس
کیونکہ یہ دونوں استعمال ہوتے ہیں عدد کے لیے، پس مرد نے سپرد کیا عورت کو جتنی عدد وہ چاہے، پس اگر کھڑی ہو گئی مجلس سے

بطل، وإن ردت الأمر كان ردا لأن هذا أمر واحد وهو خطاب في الحال فيقتضي الجواب في الحال.
تو امر باطل ہو گیا، اور اگر عورت نے رد کر دیا امر تو رد ہو گا؛ کیونکہ یہ امر واحد ہے اور یہ خطاب فی الحال ہے، پس یہ چاہتا ہے جواب فی الحال۔

﴿۶﴾ وإن قال لها : طلقي نفسك من ثلاث ما شئت فلها أن تطلق نفسها واحدة أو ثنتين
اور اگر کہا بیوی سے "تو طلاق دو اپنے نفس کو تین میں جو چاہے" تو اس کو اختیار ہے کہ وہ طلاق دے اپنے نفس کو ایک یا دو،

ولا تطلق ثلاثا عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا : تطلق ثلاثا إن شاءت لأن كلمة ما محكمة في التعميم
اور تین طلاق نہیں دے سکتی امام صاحب کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین نے کہ تین طلاق دے سکتی ہے اگر چاہے؛ کیونکہ کلمہ ما محکم ہے تعمیم میں

وكلمة من قد تستعمل للتمييز فحمل على تمييز الجنس ، كما إذا قال : كل من طعامي ما شئت أو طلق
اور کلمہ من کبھی استعمال ہوتا ہے تمیز کے لیے پس حمل کیا جائے گا تمیز جنس پر جیسا کہ جب کہے "کھا میرے طعام سے جو تو چاہے یا طلاق دو

من نسائي من شاءت . ﴿۷﴾ ولأبي حنيفة أن كلمة من حقيقة للتبعيض وما للتعميم فعمل

میری بیویوں میں سے جو طلاق چاہے" اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ من حقیقت ہے تبعیض کے لیے اور ما تعمیم کے لیے پس عمل کیا جائے گا

بِهِمَا ، وَفِيمَا اسْتَشْهَدَا بِهِ تُرِكَ التَّبْعِيضُ بِدَلَالَةِ إِظْهَارِ السَّمَاحَةِ أَوْ لِعُمُومِ الصِّفَةِ وَهِيَ الْمَشِيئَةُ،

دونوں پر، اور جس چیز کے لیے استشہاد کیا ہے اس سے ترک کر دی گئی ہے تبعیض اظہار سخاوت کی دلالت یا عموم صفت کی وجہ سے اور وہ مشیت ہے

﴿۸﴾ حَتَّى لَوْ قَالَ : مَنْ شِئْتَ كَانَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ ، وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حتی کہ اگر کہا "مَنْ شِئْتَ "تو ہو گا اسی اختلاف پر، وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا اپنی بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ كَيْفَ شِئْتِ "کہنے کے حکم کی تفصیل اور امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں شوہر کے قول "أَنْتِ طَالِقٌ كَمْ شِئْتِ "یا "أَنْتِ طَالِقٌ مَا شِئْتِ "کے حکم کی تفصیل دلیل سمیت ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶،۷ میں شوہر کے قول "طَلِّقِي نَفْسَكِ مِنْ ثَلَاثٍ مَاشِئْتِ "کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل، اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر ۸ میں اس پر تفریع ذکر کی ہے۔

تشریح: ﴿۱﴾ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ كَيْفَ شِئْتِ "(تو طلاق ہے جس طرح تو چاہے)، تو عورت کے چاہنے سے پہلے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر عورت نے ایک بائن طلاق چاہی یا تین طلاقیں چاہیں، اور شوہر نے کہا کہ میں نے اس کی نیت بھی کی ہے تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ شوہر کہتا ہے؛ کیونکہ اس وقت عورت کی مشیت اور مرد کے ارادے میں موافقت پائی گئی اس لیے وہی واقع ہو گی جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔

اور اگر عورت کی مشیت اور مرد کی نیت میں موافقت نہ ہو مثلاً عورت نے تین طلاقیں چاہیں اور مرد نے ایک بائن کی نیت کی ہے یا برعکس ہے کہ عورت نے ایک بائن چاہی اور مرد نے تین کی نیت کی ہے، تو ایک رجعی طلاق واقع ہو گی؛ کیونکہ عورت کی مشیت در تصرف لغو ہے اس لیے کہ عورت اور مرد کے قول میں موافقت نہیں ہے، پس شوہر کا صریح لفظ سے طلاق واقع کرنا باقی رہا اور شوہر کے صریح لفظ سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ اور اگر ایسا ہوا کہ اختیار دیتے وقت شوہر کے دل میں کوئی نیت نہ ہو تو مقدار اور کیفیتِ طلاق میں عورت کی مشیت معتبر ہو گی جیسا کہ متاخرین مشائخ نے کہا ہے موجبِ تخییر پر عمل کرتے ہوئے یعنی شوہر کا عورت کو اختیار دینا اس بات کو واجب

کرتا ہے کہ عورت کی مشیت معتبر ہو، اس لیے عورت جو چاہے گی وہی واقع ہو گی۔ "فِيمَا قَالُوا" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ متقدمین سے اس بارے میں کوئی نص مروی نہیں۔

{۳} صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مبسوط میں امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ عورت کی مشیت سے پہلے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائیگی۔ جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہو گی جب تک کہ عورت اس کو واقع نہ کر دے پھر عورت کی مرضی ہے اگر چاہے تو ایک رجعی واقع کر دے یا بائن واقع کر دے یا تین واقع کر دے۔ اور یہی اختلاف غلام آزاد کرنے میں بھی ہے مثلاً مالک نے غلام سے کہا "أَنْتَ حُرٌّ كَيْفَ شِئْتَ" (تو آزاد ہے جس طرح تو چاہے) تو امام صاحبؒ کے نزدیک غلام کے چاہنے سے پہلے وہ آزاد ہو جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک غلام کے چاہنے سے پہلے آزاد نہ ہو گا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے طلاق دینے کو عورت کے سپرد کیا ہے کہ وہ جس صفت پر چاہے واقع کر دے کیونکہ "كَيْفَ" حال دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، لہٰذا اصل طلاق کو عورت کی مشیت پر معلق کرنا ضروری ہے تا کہ اس کے لیے تمام احوال میں مشیت ثابت ہو سکے یعنی دخول سے پہلے بھی اور دخول کے بعد بھی، یہ اس لیے کہ اگر عورت کی مشیت سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو اگر وہ غیر مدخول بہا ہو تو وہ بائنہ ہو جائے گی اور اس کی مشیت ختم ہو جائے گی، یوں اس کے لیے تمام احوال میں مشیت ثابت نہ ہو سکے گی، اس لیے ہم نے کہا کہ عورت کی مشیت سے پہلے طلاق واقع نہ ہو گی۔

{۴} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ "كَيْفَ" طلبِ وصف کے لئے آتا ہے نہ کہ طلبِ اصل کے لئے، کہا جاتا ہے "كَيْفَ أَصْبَحْتَ" یعنی وصفِ صحت کے ساتھ تو نے صبح کی یا وصفِ بیماری کے ساتھ، لہٰذا زوج کی طرف سے تفویض وصف طلاق میں ہے اور وصفِ طلاق میں تفویض اصل طلاق کے موجود ہونے کا تقاضا کرتی ہے؛ کیونکہ وصف بغیر اصل کے نہیں ہوتا ہے، اور اصل طلاق کا وجود بغیر وقوع طلاق کے نہیں ہوتا، لہٰذا اصل طلاق مشیت سے پہلے ہی واقع ہو جائیگی تا کہ اس کے بعد وصف طلاق کو طلب کیا جا سکے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لماقال العلامۃ ابن نجیم المصری: وَالْحَقُّ قَوْلُهُ :لِانْتِقَاضِ قَاعِدَتِهِمَا كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي شَرْحِ الْمَنَارِ (بحرالرائق:۳/۳۴۲)

{۵} اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ كَمْ شِئْتِ" (تجھے طلاق ہے جس قدر تو چاہے) یا کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَا شِئْتِ" (تجھے طلاق ہے جو تو چاہے) تو ان دو صورتوں میں عورت اسی مجلس میں جس قدر چاہے طلاقیں دے سکتی ہے؛ کیونکہ لفظ "كَمْ" اور "مَا" دونوں عدد کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور شوہر نے اسی عدد کی تفویض کی ہے جو عدد عورت چاہے، لہٰذا عورت جس قدر چاہے

اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔ پھر اگر عورت اختیار کرنے سے پہلے اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یعنی مجلس بدل دی تو یہ تفویض باطل ہوگئی، اور اگر عورت نے یہ تفویض رد کر دی تو رد ہو جائے گی، حاصل یہ کہ یہ تفویض مجلس پر مقصور ہوگی اور رد کرنے سے رد ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ تفویض امر واحد ہے اس میں تکرار نہیں، اور یہ خطاب فی الحال کے لیے ہے لہذا جواب بھی فی الحال چاہتا ہے اس لیے مجلس کے بعد نہیں رہے گا۔

{ 6 } اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "طَلِّقِي نَفسَكِ مِنْ ثَلَاثٍ مَاشِئتِ" (تو اپنے آپ کو طلاق دو تین میں سے جتنی چاہے) تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ عورت خود کو ایک یا دو طلاقیں دے سکتی ہے اور تین طلاقیں نہیں دے سکتی ہے۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک عورت اگر چاہے تو تین طلاقیں بھی دے سکتی ہے؛ کیونکہ لفظِ "مَا" تعمیم کے معنی میں محکم ہے اور لفظِ "مِنْ" کبھی تمیز (بیان) کبھی تبعیض اور کبھی ان دو کے علاوہ کے لئے آتا ہے، پس شوہر کے کلام میں محکم (مَا) اور محتمل (مِنْ) دونوں جمع ہو گئے، اور قاعدہ ہے کہ محتمل کو محکم پر محمول کیا جائیگا، لہذا لفظِ "مِنْ" کو تمیزِ جنس کے لیے قرار دیا جائیگا تو شوہر کے قول کا معنی ہو گا "تو خود کو جتنی چاہے طلاقیں دو یعنی تین طلاقیں"، لہذا تین تک طلاقیں دے سکتی ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے "میرے کھانے سے کھاؤ جتنا تو چاہے۔" تو اس میں "مِنْ" تمیز اور بیان کے لیے ہے لہذا اس میں تعمیم ہے پورا کھانا بھی کھا سکتا ہے اور بعض بھی۔ اسی طرح اگر کوئی کسی دوسرے شخص سے کہے "طلاق دو میری بیویوں میں سے جو طلاق چاہے" تو اس میں بھی "مِنْ" تمیز اور بیان کے لیے ہے لہذا اگر اس شخص کی بیویوں میں سے ہر ایک نے اپنی طلاق کی خواہش کی تو وکیل ہر ایک کو طلاق دے سکتا ہے۔

{ 7 } امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ "مِنْ" تبعیض میں حقیقت ہے اور لفظِ "مَا" تعمیم میں حقیقت ہے اور دونوں پر عمل کرنا بھی ممکن ہے یوں کہ بعض عام مراد لیا جائے اور دو کا عدد ایسا ہی ہے کیونکہ ایک کے اعتبار سے دو کا عدد عام ہے اور تین کے اعتبار سے بعض ہے۔ جبکہ تین مراد لینے کی صورت میں لفظِ "مِنْ" کے معنی پر عمل نہیں ہو گا۔

اور صاحبینؒ نے اپنے مدعی پر جن دو مثالوں کو استشہاد میں پیش کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں مثالوں میں خارجی دلیل کی وجہ سے "مِنْ" کا تبعیضی معنی ترک کر دیا گیا ہے، چنانچہ پہلی مثال میں ترکِ تبعیض پر خارجی دلیل یہ ہے کہ اس جیسے کلام سے مقصود اپنی سخاوت اور فراخ دلی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہو گا کہ پورا کھانا کھانے کی اجازت ہو اس لیے یہاں تبعیضی معنی کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اور دوسری مثال میں تبعیضی معنی کو ترک کر دیا گیا ہے عمومِ صفت کی وجہ سے، اور وہ صفت مشیت ہے یعنی "طَلِّقْ مِنْ

ثنائی مَنْ شاءَتْ "میں "شَاءَتْ "صفت ہے "مَنْ " نکرہ کی، اور مشیت صفتِ عام ہے، اور قاعدہ ہے کہ نکرہ جب صفتِ عامہ کے ساتھ متصف ہو تو وہ نکرہ عام ہو جاتا ہے اس لیے اس میں تبعیضی معنی کو ترک کر دیا گیا ہے۔

{۸}حتیٰ کہ اگر شوہر نے "مَنْ شَاءَتْ "(ان میں سے جو چاہے) کے بجائے "مَنْ شِئْتَ "(جس کو تو چاہے) کہا تو اس میں وہی اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اگر شوہر کی چار بیویاں ہوں تو وکیل تین تک کو طلاق دے سکتا ہے چوتھی کو طلاق نہیں دے سکتا تاکہ "مِنْ "کی تبعیض اور "مَنْ "کی تعمیم دونوں پر عمل ہو جائے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک وکیل چاروں کو طلاق دے سکتا ہے کیونکہ "مِنْ "تبعیض کے لیے نہیں بلکہ تمیز اور بیان کے لیے ہے، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

فتویٰ: امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّرالمختار: (قَالَ لَهَا طَلِّقِي) نَفسَكَ (مِنْ ثَلَاثٍ مَا شِئْتِ تَطْلُقُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ، وَمِثْلُهُ اخْتَارِي مِنَ الثَّلَاثِ مَاشِئْتِ) لِأَنَّ مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ. وَقَالَا: بَيَانِيَّةٌ، فَتَطْلُقُ الثَّلَاثَ، وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ. (الدّرالمختارعلی هَامش ردّالمحتار: ۴۳۵/۲)

بَابُ الْأَيْمَانِ فِي الطَّلَاقِ

یہ باب ایمان فی الطلاق کے بیان میں ہے

أیمان جمع ہے یمین بمعنی قوت کی، اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر قوت زیادہ حاصل ہونے کی وجہ سے یمین کہتے ہیں۔ اور اللہ کے نام کی قسم کھانے کو بھی یمین کہتے ہیں۔ اور شرط وجزاء کے ذکر کو بھی یمین کہتے ہیں، یہاں یمین سے یہی شرط وجزاء کا ذکر مراد ہے۔

مصنفؒ نے پہلے طلاق منجّز (غیر معلق بالشّرط) کو اس کی تمام اقسام کے ساتھ ذکر فرمایا اب یہاں سے شرط پر معلق طلاق کو ذکر فرما رہے ہیں، شرط پر معلق طلاق کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طلاقِ معلق فرع ہے اور طلاقِ منجّز اصل ہے، ظاہر ہے کہ اصل کی تقدیم مناسب ہے اور فرع کی تاخیر، اس لئے طلاقِ منجّز کو پہلے اور طلاقِ معلق کو بعد میں بیان فرمایا۔ نیز طلاقِ منجّز مفرد ہے اور طلاقِ معلق مرکب ہے طلاق اور شرط سے، اور مرکب مؤخر ہوتا ہے مفرد سے، اس لیے طلاقِ معلق کے بیان کو مؤخر کر دیا۔

{۱} وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيبَ النِّكَاحِ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ لِامْرَأَةٍ إِنْ تَزَوَّجْتُكِ
اور جب منسوب کرے طلاق نکاح کی طرف تو واقع ہو جائے گی نکاح کے بعد جیسے مرد کہے کسی عورت سے "اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا

فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْكُلُّ امْرَأَةٍأَتَزَوَّجُهَافَهِيَ طَالِقٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَايَقَعُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تو تُو طلاق ہے یا جس بھی عورت سے میں نکاح کروں تو وہ طلاق ہے "اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ }{۲}وَلَنَا أَنَّ هَذَا تَصَرُّفُ يَمِينٍ لِوُجُودِ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ فَلَا يُشْتَرَطُ لِصِحَّتِهِ

"طلاق نہیں نکاح سے پہلے" اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تصرفِ یمین ہے وجودِ شرط و جزاء کی وجہ سے، پس شرط نہ ہوگی اس کی صحت کے لیے

قِيَامُ الْمِلْكِ فِي الْحَالِ لِأَنَّ الْوُقُوعَ عِنْدَ الشَّرْطِ وَالْمِلْكُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ عِنْدَهُ وَقَبْلَ ذٰلِكَ أَثَرُهُ الْمَنْعُ وَهُوَ قَائِمٌ

قیامِ ملک فی الحال؛ کیونکہ وقوع شرط کے وقت ہوتا ہے اور ملک متیقن ہے اس وقت اور اس سے پہلے اس کا اثر ممنوع ہے اور وہ قائم ہے

بِالْمُتَصَرِّفِ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى نَفْيِ التَّنْجِيزِ ، وَالْحَمْلُ مَأْثُورٌ عَنِ السَّلَفِ كَالشَّعْبِيِّ وَالزُّهْرِيِّ وَغَيْرِهِمَا

متصرف کے ساتھ، اور حدیث محمول ہے منجز کی نفی پر، اور حمل منقول ہے اسلاف سے جیسے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

{3} وَإِذَا أَضَافَهُ إِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيبَ الشَّرْطِ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ لِامْرَأَتِهِ : إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ

اور جب منسوب کرے طلاق کو شرط کی طرف تو واقع ہوگی شرط کے بعد جیسے کوئی کہے اپنی بیوی سے "اگر تو داخل ہوگئی گھر تو تُو طلاق ہے"

وَهٰذَا بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِي الْحَالِ، وَالظَّاهِرُ بَقَاؤُهُ إِلَى وَقْتِ وُجُودِ الشَّرْطِ فَيَصِحُّ يَمِينًا أَوْ إِيقَاعًا {4} وَلَا تَصِحُّ

اور یہ بالاتفاق ہے؛ کیونکہ ملکِ نکاح قائم ہے فی الحال، اور ظاہر اس کی بقاء ہے وجودِ شرط کے وقت تک، پس صحیح ہوگی یمین یا ایقاع۔ اور صحیح نہیں

إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَالِفُ مَالِكًا أَوْ يُضِيفَهُ إِلَى مِلْكٍ لِأَنَّ الْجَزَاءَ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ ظَاهِرًا لِيَكُونَ مُخِيفًا

اضافتِ طلاق مگر یہ کہ ہو حالف مالک یا یا منسوب کرے طلاق کو ملک کی طرف؛ کیونکہ جزاء ضروری ہے کہ ہو ظاہر تاکہ ہو جائے ڈرانے والا

فَيَتَحَقَّقُ مَعْنَى الْيَمِينِ وَهُوَ الْقُوَّةُ وَالظُّهُورُ بِأَحَدِ هٰذَيْنِ ، وَالْإِضَافَةُ إِلَى سَبَبِ الْمِلْكِ بِمَنْزِلَةِ الْإِضَافَةِ

پس متحقق ہو جائے گا یمین کا معنی اور وہ قوۃ ہے اور ظہورِ قوت ان دونوں میں سے ایک سے ہوگا، اور اضافت سببِ ملک کی طرف بمنزلہ اضافت ہے

إِلَيْهِ لِأَنَّهُ ظَاهِرٌ عِنْدَ سَبَبِهِ {5} فَإِنْ قَالَ لِأَجْنَبِيَّةٍ : إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا

اس کی طرف؛ کیونکہ جزاء ظاہر ہوگی سببِ ملک کے وقت۔ اور اگر کہا اجنبی عورت سے "اگر تو داخل ہوگئی گھر میں تو تُو طلاق ہے" پھر نکاح کیا اس سے

فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تَطْلُقْ لِأَنَّ الْحَالِفَ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا أَضَافَهُ إِلَى الْمِلْكِ أَوْ سَبَبِهِ وَلَا بُدَّ

اور وہ داخل ہوگئی گھر میں تو طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ حالف مالک نہیں اور نہ اس کی نسبت کی ہے ملک یا سببِ ملک کی طرف حالانکہ ضروری ہے

مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

ان دونوں میں سے ایک۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کرنے کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر 3 میں طلاق کو شرط کی طرف منسوب کرنے کا حکم اور دلیل، اور ایک سوال کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر 4 میں ایک ضابطہ اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 5 میں اجنبیہ عورت سے "إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}یعنی جب طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کیا جائے تو طلاق نکاح کے بعد واقع ہو جائے گی مثلاً مرد نے کسی اجنبی عورت سے کہا "اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ" (اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے) یا کہا "كُلُّ امْرَأَةٍ أَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ" (جس بھی عورت سے میں نکاح کروں تو وہ طلاق ہے) ان دونوں صورتوں میں طلاق کی نسبت نکاح کی طرف کی ہے اس لیے نکاح کے بعد یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ"[۱] (نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی) لہٰذا مذکورہ دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۲}ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنا معلق کرنے والے کی طرف سے تصرفِ یمین ہے؛ کیونکہ شرط اور جزاء دونوں موجود ہیں، اور تصرفِ یمین کے لیے فی الحال مِلک کا موجود ہونا شرط نہیں ہے؛ کیونکہ طلاق فی الحال واقع نہیں ہو رہی ہے بلکہ وجودِ شرط کے وقت واقع ہوتی ہے، اور وجودِ شرط کے وقت مِلک یقینی ہے اس لیے وجودِ شرط کے وقت طلاق واقع ہوگی، اور وجودِ شرط سے پہلے یمین کا اثر فقط منع ہے یعنی اس وقت یمین کا اثر محلوف علیہ کام پر ابھارنا یا محلوف علیہ کام سے رُکنا ہے جس کے لیے مِلک ضروری نہیں؛ کیونکہ رُکنا حالف کے ساتھ قائم ہے محلِ طلاق (بیوی) کے ساتھ اس کا تعلق نہیں اس لیے محلِ طلاق (بیوی) کی ضرورت بھی نہیں۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ طلاقِ منجّز کی نفی پر محمول ہے یعنی فی الحال اگر کوئی غیر منکوحہ کو طلاق دینا چاہے تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ حدیث شریف میں تطلیق کی نفی ہے اور تعلیق تطلیق نہیں، اور حدیث شریف کو طلاقِ منجّز پر محمول کرنا اسلاف سے منقول ہے جیسا کہ امام شعبیؒ، امام زہریؒ، مکحول اور سالم بن عبد اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔

{۳}اور اگر طلاق کو شرط کی طرف منسوب کیا تو وجودِ شرط کے بعد واقع ہوگی مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ" (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے) تو وجودِ شرط یعنی دخولِ دار کے بعد طلاق واقع ہوگی، اور یہ حکم بالاتفاق ہے۔ سوال یہ ہے کہ طلاق تو مِلک میں شرط کے پائے جانے سے واقع ہوتی ہے، جبکہ مذکورہ صورت میں تو ممکن ہے کہ وجودِ شرط سے پہلے مِلک زائل ہو جائے مثلاً شوہر منجّز طلاق دے کر نکاح ختم ہو جائے، لہٰذا یہ یمین صحیح نہیں ہونی چاہیے؟ جواب: کہ مِلک فی الحال تو موجود ہے اور آئندہ وجودِ شرط کے وقت تک غالب گمان یہ ہے کہ باقی رہے گی؛ کیونکہ عقدِ نکاح عمر کا عقد ہے، لہٰذا ہمارے

[۱] رواه ابن ماجه في سنن ابن ماجه، ص:٢٦٤، رقم:٢٠٤٨، ط مكتبه رحمانية لاهور.

نزدیک یہ کلام یمین بن کر صحیح ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایقاعِ طلاق بن کر صحیح ہے؛ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وقوعِ طلاق تو بے شک شرط پر معلق ہے، مگر ایقاعِ طلاق (طلاق واقع کرنا) فی الحال ہے، البتہ اس کا حکم (وقوعِ طلاق) بوقتِ شرط ثابت ہوگا فی الحال ثابت نہ ہوگا۔

{۴} ضابطہ یہ ہے کہ طلاق کو شرط کی طرف منسوب کرنا فقط اس وقت صحیح ہے کہ حالف (زوج) بوقتِ تعلیق طلاق کا مالک ہو یعنی جس عورت کی طلاق کو وہ معلق کر رہا ہے وہ اس کی منکوحہ ہو مثلاً اپنی منکوحہ سے یوں کہے "اِنْ زُرْتِ فُلَاناً فَانْتِ طَالِقٌ" (اگر تو نے فلاں شخص سے ملاقات کی تو تجھے طلاق ہے)۔ یا طلاق کو اپنی مِلک کی طرف منسوب کرے تو بھی تعلیق صحیح ہے مثلاً اجنبی عورت سے کہے "اگر مجھے تجھ پر طلاق کا اختیار ہو جائے تو تُو طلاق ہے"۔ اور مِلک یا اضافت الی المِلک اس لیے ضروری ہے کہ جزاء کے لیے ضروری ہے کہ غالب الوجود اور ظاہر الوجود ہو تاکہ وقوعِ جزاء کے ذریعہ مخاطب کو خوف دلا سکے اور یمین کا معنی متحقق ہو جائے، اور یمین کا معنی ہے قوت، تو جب جزاء غالب الوجود ہو تو اس کلام میں قوت پیدا ہو کر یمین کا معنی پیدا ہو جاتا ہے، اور قوت کا ظہور ان دو امروں (مِلک یا اضافت الی المِلک) میں سے ایک سے ہوگا، پھر سببِ مِلک کی طرف نسبت کرنا بھی مِلک کی طرف نسبت کرنے کے مرتبہ میں ہے مثلاً یوں کہے "اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے" جس میں نکاح سببِ مِلک ہے جس کی طرف طلاق کی نسبت کی ہے، وجہ یہ ہے کہ جزاء سببِ مِلک کے وقت ظاہر ہوگی اور جب جزاء ظاہر ہوگی تو یمین کا معنی متحقق ہوگا۔

{۵} اور اگر کسی نے کسی اجنبیہ عورت سے کہا "اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَانْتِ طَالِقٌ" (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے) پھر اس نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی، تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ حالف نہ بوقت تعلیق طلاق کا مالک ہے اور نہ اس نے طلاق کو مِلک یا سببِ مِلک کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ مِلک یا اضافت الی المِلک میں سے کسی ایک کا موجود ہونا ضروری ہے، لہٰذا اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۱} وَأَلْفَاظُ الشَّرْطِ إِنْ وَإِذَا وَإِذَامَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتَى وَمَتَى مَا لِأَنَّ الشَّرْطَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْعَلَامَةِ، وَهَذِهِ الْأَلْفَاظُ مِمَّا تَلِيهَا أَفْعَالٌ فَتَكُونُ عَلَامَاتٍ عَلَى الْحِنْثِ، {۲} ثُمَّ كَلِمَةُ إِنْ حَرْفٌ لِلشَّرْطِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهَا مَعْنَى الْوَقْتِ وَمَا وَرَاءَهَا مُلْحَقٌ بِهَا، وَكَلِمَةُ كُلٍّ لَيْسَتْ شَرْطًا حَقِيقَةً لِأَنَّ مَا يَلِيهَا اسْمٌ وَالشَّرْطُ مَا

اور الفاظِ شرط "اِنْ، اِذَا، اِذَامَا، کُلُّ، کُلَّمَا، مَتٰی، مَتٰی مَا" ہیں؛ کیونکہ شرط اس شرط سے مشتق ہے جو بمعنی علامت ہے اور یہ الفاظ ایسے ہیں کہ متصل ہوتے ہیں ان سے افعال، پس ہوں گے علامات حانث ہونے پر، پھر کلمۂ اِنْ محض شرط کے لیے؛ کیونکہ نہیں ہے اس میں وقت کا معنی اور ان کے علاوہ ملحق ہیں ان کے ساتھ، اور کلمۂ کُلّ شرط نہیں حقیقۃً؛ اس لیے کہ جو اس کے متصل ہے وہ اسم ہے اور شرط وہ ہے

يَتَعَلَّقُ بِهِ الْجَزَاءُ وَالْأَجْزِيَةُ تَتَعَلَّقُ بِالْأَفْعَالِ إِلَّا أَنَّهُ أُلْحِقَ بِالشَّرْطِ لِتَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالِاسْمِ الَّذِي

جس کے ساتھ متعلق ہو جزاء، اور جزائیں متعلق ہوتی ہیں افعال کے ساتھ، مگر یہ کہ متعلق کر دیا گیا ہو شرط کے ساتھ بوجۂ تعلق فعل کے

يَلِيهَا مِثْلُ قَوْلِك كُلُّ عَبْدٍ اشْتَرَيْته فَهُوَ حُرٌّ .قَالَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ : ﴿۳﴾ فَفِي هَذِهِ الْأَلْفَاظِ إِذَا

اس اسم کے ساتھ جو اس کے متصل ہے جیسے تیرا قول "جو غلام کہ میں خرید لوں اس کو وہ آزاد ہے"۔ فرمایا مصنفؒ نے کہ ان الفاظ میں جب

وُجِدَ الشَّرْطُ انْحَلَّتْ وَانْتَهَتِ الْيَمِينُ لِأَنَّهَا غَيْرُ مُقْتَضِيَةٍ لِلْعُمُومِ وَالتَّكْرَارِ لُغَةً ، فَبِوُجُودِ الْفِعْلِ مَرَّةً

جب پائی جائے شرط تو پوری ہو جاتی ہے یمین اور ختم ہو جاتی ہے؛ کیونکہ یہ الفاظ مقتضی نہیں عموم اور تکرار کے لغۃً، پس وجودِ فعل سے ایک مرتبہ

يَتِمُّ الشَّرْطُ وَلَا بَقَاءَ لِلْيَمِينِ بِدُونِهِ إِلَّا فِي كُلَّمَا فَإِنَّهَا تَقْتَضِي تَعْمِيمَ الْأَفْعَالِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

پوری ہو جاتی ہے شرط اور بقاء نہیں یمین کے لیے بغیر شرط کے، مگر کلمۂ کلّما میں کیونکہ وہ تقاضا کرتا ہے تعمیم افعال کا، فرمایا اللہ تعالی نے

{كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ} الْآيَةَ وَمِنْ ضَرُورَةِ التَّعْمِيمِ التَّكْرَارُ. ﴿۴﴾ قَالَ فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذَالِكَ اي بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ

"جب بھی جلیں گی ان کی کھالیں" اور تعمیم کی ضرورت میں سے تکرار ہے۔ فرمایا: پس اگر نکاح کیا اس سے زوج آخر کے بعد اور مکرر ہوئی شرط

لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّ بِاسْتِيفَاءِ الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ الْمَمْلُوكَاتِ فِي هَذَا النِّكَاحِ لَمْ يَبْقَ الْجَزَاءُ وَبَقَاءُ الْيَمِينِ بِهِ وَبِالشَّرْطِ.

تو واقع نہ ہوگی کوئی چیز؛ کیونکہ تین مملوک طلاقوں کے وصول کرنے سے اس نکاح میں باقی نہیں رہے گی جزاء، اور بقاءِ یمین جزاء اور شرط سے ہے

وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ وَسَنُقَرِّرُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿۵﴾ وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَى نَفْسِ التَّزَوُّجِ بِأَنْ قَالَ:

اور اس میں اختلاف ہے امام زفر رحمۃ اللہ کا اور ہم ثابت کریں گے بعد میں ان شاء اللہ۔ اور اگر کلمۂ کلّما داخل ہوا نفسِ تزوج پر بایں طور کہ کہا

كُلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَهِيَ طَالِقٌ يَحْنَثُ بِكُلِّ مَرَّةٍ وَإِنْ كَانَ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لِأَنَّ انْعِقَادَهَا

"جب بھی میں نکاح کروں کسی عورت سے تو وہ طلاق ہے" تو حانث ہوگا ہر مرتبہ سے اگرچہ ہو زوجِ آخر کے بعد؛ کیونکہ انعقادِ یمین

بِاعْتِبَارِ مَا يَمْلِكُ عَلَيْهَا مِنَ الطَّلَاقِ بِالتَّزَوُّجِ وَذَلِكَ غَيْرُ مَحْصُورٍ . ﴿۶﴾ قَالَ وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِينِ

اس اعتبار سے ہے کہ زوج مالک ہوتا ہے اس پر طلاق کا تزوج کی وجہ سے اور تزوج غیر محدود ہے۔ فرمایا: اور زوالِ ملک بعدِ یمین

لَا يُبْطِلُهَا لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ الشَّرْطُ فَبَقِيَ وَالْجَزَاءُ بَاقٍ لِبَقَاءِ مَحَلِّهِ فَبَقِيَ الْيَمِينُ

باطل نہیں کرتا اس کو؛ کیونکہ نہیں پائی گئی شرط، پس شرط باقی رہی اور جزاء باقی ہے اس کے محل کی بقاء کی وجہ سے، پس باقی رہی یمین۔

ثُمَّ إِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِي مِلْكِهِ انْحَلَّتِ الْيَمِينُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ لِأَنَّهُ وُجِدَ الشَّرْطُ وَالْمَحَلُّ قَابِلٌ لِلْجَزَاءِ

پھر اگر پائی گئی شرط اس کی ملک میں تو پوری ہو جائے گی قسم اور واقع ہو جائے گی طلاق؛ کیونکہ شرط پائی گئی اور محل قابل جزاء ہے

فَيَنْزِلُ الْجَزَاءُ وَلَا تَبْقَى الْيَمِينُ لِمَا قُلْنَا وَإِنْ وُجِدَ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ انْحَلَّتِ

پس نازل ہو جائے گی جزاء اور باقی نہیں رہے گی قسم اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ اور اگر شرط پائی گئی غیر ملک میں تو پوری ہو جائے گی
الْيَمِينُ لِوُجُودِ الشَّرْطِ وَلَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ . ﴿۷﴾ وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي وُجُودِ الشَّرْطِ
یمین وجودِ شرط کی وجہ سے اور واقع نہ ہو گی کوئی چیز محلیت کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر اختلاف کیا زوجین نے وجودِ شرط میں
فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ إِلَّا أَنْ تُقِيمَ الْمَرْأَةُ الْبَيِّنَةَ لِأَنَّهُ مُتَمَسِّكٌ بِالْأَصْلِ وَهُوَ عَدَمُ الشَّرْطِ ، وَلِأَنَّهُ يُنْكِرُ
تو قول زوج کا معتبر ہو گا مگر یہ کہ قائم کرے عورت بیّنہ؛ کیونکہ شوہر متمسّک بالاصل ہے اور وہ عدم الشرط ہے، اور اس لیے کہ وہ منکر ہے
وُقُوعَ الطَّلَاقِ وَزَوَالَ الْمِلْكِ وَالْمَرْأَةُ تَدَّعِيهِ ﴿۸﴾ فَإِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ إِلَّا مِنْ جِهَتِهَا
وقوعِ طلاق اور زوالِ ملک کا اور عورت دعویٰ کر رہی ہے اس کا، پھر اگر شرط ایسی ہو کہ معلوم نہ ہو سکتی ہو مگر عورت کی جانب سے
فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا فِي حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلُ أَنْ يَقُولَ : إِنْ حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ فَقَالَتْ:
تو قول عورت کا معتبر ہو گا اس کی ذات کے حق میں مثلاً مرد کہے "اگر تو حائضہ ہو گئی تو تُو اور فلاں عورت طلاق ہیں" عورت نے کہا کہ
قَدْ حِضْتُ طَلُقَتْ هِيَ وَلَمْ تَطْلُقْ فُلَانَةُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ اسْتِحْسَانًا ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَقَعَ
میں حائضہ ہو گئی تو طلاق ہو جائے گی وہ اور طلاق نہ ہو گی فلاں عورت، اور واقع ہو جائے گی طلاق استحساناً، اور قیاس یہ ہے کہ واقع نہ ہو
لِأَنَّهُ شَرْطٌ فَلَا تُصَدَّقُ كَمَا فِي الدُّخُولِ . ﴿۹﴾ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهَا أَمِينَةٌ فِي حَقِّ نَفْسِهَا
کیونکہ یہ شرط ہے پس عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی جیسا کہ دخول میں، وجہِ استحسان یہ ہے کہ یہ عورت امینہ ہے اپنی ذات کے حق میں
إِذْ لَا يُعْلَمُ ذَلِكَ إِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا كَمَا قُبِلَ فِي حَقِّ الْعِدَّةِ وَالْغِشْيَانِ لَكِنَّهَا شَاهِدَةٌ
کیونکہ یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی مگر اسی کی جانب سے پس قبول کیا جائے گا اس کا قول جیسا کہ قبول کیا جائے گا عدت اور وطی کے حق میں،
فِي حَقِّ ضَرَّتِهَا بَلْ هِيَ مُتَّهَمَةٌ فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا فِي حَقِّهَا ﴿۱۰﴾ وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ : إِنْ كُنْتِ تُحِبِّينَ
لیکن وہ گواہ ہے اپنی سوتن کے حق میں، بلکہ وہ متّہم ہے پس قبول نہیں کیا جائے گا اس کا قول اس کے حق میں، اسی طرح اگر کہا "اگر تو پسند کرتی ہے
أَنْ يُعَذِّبَكِ اللَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَعَبْدِي حُرٌّ فَقَالَتْ أُحِبُّهُ أَوْ قَالَ:
کہ تجھے اللہ تعالیٰ عذاب دے جہنم کی آگ میں تو تُو طلاق ہے اور میرا غلام آزاد ہے" اس نے کہا میں اس کو پسند کرتی ہوں، یا مرد نے کہا
إِنْ كُنْتِ تُحِبِّينِي فَأَنْتِ طَالِقٌ وَهَذِهِ مَعَكِ فَقَالَتْ : أُحِبُّكَ طَلُقَتْ هِيَ وَلَمْ يُعْتَقِ الْعَبْدُ
"اگر تو مجھے پسند کرتی ہے تو تُو طلاق ہے اور یہ تیرے ساتھ" اس نے کہا "میں تجھے پسند کرتی ہوں" تو طلاق ہو جائے گی وہ، اور آزاد نہ ہو گا غلام
وَلَا تَطْلُقُ صَاحِبَتُهَا لِمَا قُلْنَا . ﴿۱۱﴾ وَلَا يُتَيَقَّنُ بِكَذِبِهَا لِأَنَّهَا لِشِدَّةِ بُغْضِهَا
اور طلاق نہ ہو گی اس کی سوتن کو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اور یقین نہیں کیا جا سکتا اس کے جھوٹا ہونے کا اس کی شدتِ بغض کی وجہ سے

إِيَّاهُ قَدْ تُحِبُّ التَّخْلِيصَ مِنْهُ بِالْعَذَابِ ، وَفِي حَقِّهَا إِنْ تَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِإِخْبَارِهَا
اپنے شوہر سے کبھی وہ پسند کرتی ہے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو عذاب کے ذریعہ، اور اس کے حق میں متعلق ہے حکم اس کے خبر دینے پر

وَإِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً ، فَفِي حَقِّ غَيْرِهَا بَقِيَ الْحُكْمُ عَلَى الْأَصْلِ وَهِيَ الْمَحَبَّةُ
اگر چہ وہ جھوٹی ہو، پس اس کے غیر کے حق میں باقی رہے گا حکم اصل پر اور وہ محبت ہے۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالاعبارت میں الفاظِ شرط کی تفصیل بیان کی ہے۔اور نمبر۴ میں شوہر کا "کُلَّمَا دَخَلْتِ الدَّارَ فَانْتِ طَالِقٌ" کہنے کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر۵ میں شوہر کے قول "کُلَّمَا تَزَوَّجْتُ اِمْرَأَةً فَهِيَ طَالِقٌ" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے،اور نمبر۶ میں یمین کے بعد زوالِ مِلک سے یمین کا باطل نہ ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، پھر دوبارہ مِلک پیدا ہونے کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر۷ تا۱۰ میں وجودِ شرط میں زوجین کے اختلاف کی مختلف صورتیں اور ان کے دلائل ذکر کئے ہیں،اور نمبر۱۱ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

تشریح:۔{۱}الفاظ شرطِ "إِنْ، إِذَا، إِذَامَا، کُلٌّ، کُلَّمَا، مَتَى، مَتَى مَا" ہیں،ان کو الفاظِ شَرْط اس لیے کہتے ہیں کہ شَرْط (بسکون الراء) مشتق ہے اس شَرَط (بفتح الراء) سے جو بمعنی علامت ہے اور ان الفاظ کے متصل افعال آتے ہیں سوائے لفظِ "کُلٌّ" کے کہ اس کے متصل اسم آتا ہے، پس یہ الفاظ بالذات وجودِ شرط کے وقت حنث (وجودِ جزاء) کی علامات ہیں اس لیے ان کو الفاظِ شرط کہا۔

ف:۔ مگر صاحبِ ہدایہ کا یہ استدلال صحیح نہیں؛ کیونکہ موضوعاتِ لغویہ کی معرفت کا طریقہ عربوں سے سماع ہے مثلاً عربوں سے سنا ہے کہ وہ ان الفاظ کو شرط کے لیے استعمال کرتے ہیں، مذکورہ استدلال کی ضرورت نہیں۔پھر یہ دلیل ان کے مدعیٰ کا فائدہ بھی نہیں دے رہی ہے؛ کیونکہ مدعیٰ یہ ہے کہ یہ الفاظِ شرط ہیں، اور دلیل دو مقدموں پر مشتمل ہے ایک یہ کہ "شَرْط مشتق ہے اس شَرَط سے جو بمعنی علامت ہے" یہ مقدمہ مسلم ہے، دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ "ان الفاظ کے متصل افعال آتے ہیں" یہ بھی مسلم ہے، مگر پھر اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ "پس یہ الفاظ حنث کی علامات ہیں" یہ تسلیم نہیں؛ کیونکہ یہ نتیجہ مذکورہ دو مقدمات کے لیے لازم نہیں۔

{۲}پھر کلمۂ "إِنْ" فقط شرط کے لیے آتا ہے؛ کیونکہ اس میں وقت کا معنی نہیں پایا جاتا ہے لہٰذا یہ اس باب میں اصل ہے اور دیگر کلماتِ شرط اس کے ساتھ ملحق ہیں۔اور ان میں سے لفظِ "کُلٌّ" در حقیقت الفاظ شرط میں سے نہیں؛ کیونکہ کلمۂ شرط کے بعد فعل آتا ہے جبکہ "کُلٌّ" کے بعد اسم آتا ہے، حالانکہ شرط وہ ہے جس کے ساتھ جزاء متعلق ہو اور جزاء فعل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ کہ اسم کے ساتھ۔ہاں لفظ "کُلٌّ" کو الفاظ شرط کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے؛ کیونکہ لفظِ "کُلٌّ" کے متصل اسم کے ساتھ فعل کا تعلق

ہوتا ہے جیسے "كُلُّ عَبْدٍ اشْتَرَيْتُهُ فَهُوَ حُرٌّ" (جو بھی غلام کہ میں اس کو خریدلوں وہ آزاد ہے) جس میں لفظِ "کُلُّ" کے متصل اسم (عَبْدٍ) ہے اور اس کے ساتھ فعل (اشْتَرَيْتُهُ) کا تعلق ہے۔

{۳} پھر ان الفاظ میں جب شرط پائی جائے تو قسم پوری ہو کر ختم ہو جاتی ہے؛ کیونکہ یہ الفاظ لغۃً عموم اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتے ہیں تو جب ایک مرتبہ فعل پایا جائے تو شرط پوری ہو جاتی ہے اور شرط پوری ہونے سے حنث واقع ہو جاتا ہے، اور چونکہ شرط کے بغیر قسم باقی نہیں رہتی ہے اس لیے قسم بھی پوری ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ کلمۂ "كُلَّمَا" میں شرط پائی جانے سے قسم ختم نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ "كُلَّمَا" تعمیم افعال کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ [1]) (جب بھی جلیں گی ان کی کھالیں) جس میں "كُلَّمَا" تعمیم افعال کے لیے مستعمل ہے اور تعمیم افعال کے لیے تکرار لازمی ہے؛ کیونکہ تعمیم افعال تجدد امثال سے ہوتی ہے اور تکرار کا بھی یہی معنیٰ ہے، لہٰذا کلمۂ "كُلَّمَا" میں شرط پائی جانے کے بعد بھی یمین ختم نہ ہوگی بلکہ باقی رہے گی۔

{۴} پس اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "كُلَّمَا دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ" پھر وہ تین مرتبہ گھر میں داخل ہو کر مغلظہ ہو گئی، اور جا کر دوسرے شوہر سے حلالہ کرا کر پھر اس اول شوہر کے پاس آئی اور شرطِ حنث (دخولِ دار) پائی گئی، تو اب کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ محلوف علیہ سابقہ نکاح کی مملوک تین طلاقیں تھیں تو ان کو وصول کرنے کے بعد جزاء باقی نہیں رہتی ہے اور جب جزاء باقی نہ رہی تو یمین بھی باقی نہیں رہے گی؛ کیونکہ بقاءِ یمین شرط اور جزاء کی بقاء سے ہے اور جب یمین باقی نہ رہی تو دوسرے نکاح کے بعد دخولِ دار سے طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اور اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے جس کو بعد میں ہم ثابت کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

{۵} گذشتہ صورت تو یہ تھی کہ شرط پر کلمۂ "كُلَّمَا" کو داخل کیا تھا، اور اگر یہ کلمہ نفسِ تزوّج (نکاح) پر داخل ہو مثلاً شوہر نے کہا "كُلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَهِيَ طَالِقٌ" (میں جب بھی نکاح کروں کسی عورت سے تو وہ طلاق ہے) تو ہر مرتبہ نکاح کرنے سے حانث ہو جائے گا، اگرچہ درمیان میں وہ جا کر دوسرے شوہر سے حلالہ کرا کر واپس اول شوہر کے پاس آجائے تب بھی نکاح کرنے سے طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ یمین کا انعقاد اس اعتبار سے ہے کہ یہ شخص نکاح کرنے کی وجہ سے طلاق کا مالک ہو جاتا ہے، اور نکاح لاتعداد مرتبہ ہو سکتا ہے تو ہر مرتبہ نکاح کرنے سے شرط پائے جانے کی وجہ سے طلاق بھی واقع ہوگی۔

ف:۔ طلاقِ کلّما سے بچنے کی تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اجنبی شخص اس کا نکاح کرا دے پھر جب اس کو نکاح کی خبر پہنچے تو زبان سے اجازت نہ دے ورنہ طلاق واقع ہو جائے گی خبر سن کر بالکل خاموش رہے، تحریری اجازت دیدے یا مہر کل یا کچھ

([1]) النساء:۵۶۔

صد بیوی کو بھیج دے تحریری اجازت بیوی کو بھیجنا ضروری نہیں، اپنی ہی طور پر کسی کاغذ پر اس نکاح کی اجازت لکھ لینے سے نکاح نافذ ہوجائے گا اور طلاقیں واقع نہ ہوں گی (احسن الفتاویٰ: ۵/ ۱۷۶)

{۶} اگر یمین کے بعد شوہر کی مِلک زائل ہوگئی مثلاً شوہر نے کہا "اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ" پھر دخولِ دار سے پہلے شوہر نے اس بیوی کو بائن طلاق دیدی جس سے شوہر کی مِلک زائل ہوگئی، تو زوالِ مِلک یمین کو باطل نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ شرط (دخولِ دار) نہیں پائی گئی ہے اس لیے شرط موجود ہے اور جزاء (انتِ طَالِقٌ) بھی باقی ہے؛ کیونکہ محلِ جزاء (عورت) باقی ہے، لہذا یمین بھی باقی ہے۔

پھر اگر شوہر کی مِلک میں یہ شرط پائی گئی مثلاً شوہر نے دوبارہ اس عورت سے نکاح کیا اور وہ دار میں داخل ہوگئی تو یمین پوری ہو کر طلاق واقع ہوجائے گی؛ کیونکہ شرط پائی گئی اور محل (عورت) قابلِ جزاء (طلاق) ہے لہذا جزاء اس پر واقع ہوجائے گی، اور یمین باقی نہیں رہے گی؛ کیونکہ لفظ "اِنْ" تکرار پر دلالت نہیں کرتا ہے لہذا ایک مرتبہ شرط پائے جانے سے یمین پوری ہوگئی۔ اور اگر شرط (دخولِ دار) شوہر کی مِلک میں نہ پائی گئی یعنی دوبارہ نکاح کرنے سے پہلے دخولِ دار پایا گیا تو یمین پوری ہوجائے گی؛ کیونکہ شرط پائی گئی، اور طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ عدمِ مِلک کی وجہ سے محلِ طلاق (منکوحہ) معدوم ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۷} اگر زوجین نے وجودِ شرط میں اختلاف کیا مثلاً شوہر کہتا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی یعنی تو گھر میں داخل نہیں ہوئی ہے لہذا طلاق واقع نہیں ہوئی ہے اور عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی یعنی میں گھر میں داخل ہوگئی اس لیے طلاق واقع ہوگئی ہے، تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ البتہ اگر عورت نے اپنے دعوے کو گواہوں سے ثابت کیا تو اس کا قول معتبر ہے کیونکہ اب عورت نے اپنے دعوے کو حجت سے ثابت کردیا۔

اور اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر کا قول اس لیے معتبر ہوگا کہ شوہر اصل سے استدلال کر رہا ہے؛ کیونکہ اصل عدمِ شرط ہے اور جس کا قول اصل کے موافق ہو اسی کا قول معتبر ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شوہر وقوعِ طلاق اور مِلکِ طلاق کے زائل ہونے کا منکر ہے، اور عورت ان دونوں باتوں کی مدعیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مدعی کے پاس بیّنہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول معتبر ہوتا ہے۔

{۸} البتہ اگر شوہر نے طلاق کو کسی ایسی شرط کے ساتھ معلق کردیا ہو جس کا علم صرف عورت کو ہو سکتا ہو تو وجودِ شرط میں عورت کا قول صرف اس کی ذات کے حق میں معتبر ہوگا اس کی سوتن کے حق میں قبول نہ ہوگا مثلاً شوہر نے اپنی ایک بیوی سے کہا "اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ" (اگر تجھے حیض آئے تو تجھے اور فلانی کو طلاق ہے) پھر عورت نے کہا مجھے حیض آگیا، تو استحساناً وہ طلاق

ہو جائے گی، لیکن "فُلَانَةٌ" (یعنی اس کی سوتن) کو طلاق نہ ہوگی۔ خود اس عورت پر وقوعِ طلاق استحسانا ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو؛ کیونکہ وقوعِ طلاق کے لیے حیض کا آنا شرط ہے اور عورت اس کی مدعیہ ہے اور شوہر منکر ہے اور مدعیہ کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں قول منکر کا معتبر ہوتا ہے جیسا کہ دخولِ دار میں، یعنی اگر شوہر نے کہا "إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ" (اگر تو گھر میں داخل ہو گئی تو تجھے اور فلانی کو طلاق ہے) پھر عورت نے دخولِ دار کا دعویٰ کیا اور شوہر نے انکار کیا، تو عورت کا قول معتبر نہیں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

{۹} وجہ استحسان یہ ہے کہ حیض آنا ایسی شرط ہے جس کا علم صرف عورت کو ہو سکتا ہے لہٰذا عورت اپنے حق میں امانت دار ہے اور امین کا قول اس کے حق میں قابلِ قبول ہوتا ہے لہٰذا عورت کا یہ کہنا کہ "مجھ کو حیض آگیا" اس کے حق میں معتبر ہوگا، جیسا کہ عدت اور جماع کے حق میں عورت کا قول معتبر ہوتا ہے مثلاً عورت کہے "کہ میری عدت پوری ہو گئی" تو اس کا قول معتبر ہوگا، یا شوہر اس کے ساتھ جماع کرنا چاہتا ہے اور عورت کہتی ہے کہ میں حائضہ ہوں تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔

لیکن اس کی سوتن کے حق میں اس کا قول معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ عورت اپنی سوتن پر طلاق واقع ہونے کے سلسلے میں شاہد ہے اور ایک فرد کی شہادت معتبر نہیں خاص کر جب مقام بھی تہمت کا ہو اور یہ مقامِ تہمت ہے کہ وہ اپنے اس قول (کہ مجھ کو حیض آگیا) سے یہ چاہتی ہے کہ میں رہوں یا نہ رہوں مگر میری سوتن بہر حال نہ رہے، پس اس تہمت کی وجہ سے سوتن کے حق میں اس کا قول معتبر نہیں؛ کیونکہ متہم کی شہادت مردود ہے۔

{۱۰} اسی طرح اگر شوہر نے بیوی سے کہا "إِنْ كُنْتِ تُحِبِّينَ أَنْ يُعَذِّبَكِ اللَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَعَبْدِي حُرٌّ" (اگر تو یہ پسند کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ میں عذاب دے تو تو طلاق ہے اور میرا غلام آزاد ہے)، عورت نے جواباً کہا "کہ میں جہنم کے عذاب کو پسند کرتی ہوں"۔ یا شوہر نے کہا "إِنْ كُنْتِ تُحِبِّينِي فَأَنْتِ طَالِقٌ وَهَذِهِ مَعَكِ" (اگر تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو تجھے طلاق ہے اور تیرے ساتھ تیری یہ سوتن طلاق ہے) جواباً بیوی نے کہا "أَنَا أُحِبُّكَ" (میں تجھ سے محبت کرتی ہوں) تو خود اس کو طلاق واقع ہو جائے گی، مگر پہلی صورت میں غلام آزاد نہ ہوگا اور دوسری صورت میں اس کی سوتن طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ سابقہ مسئلہ میں گذر چکا کہ عورت اپنے حق میں امینہ ہے اور غیر کے حق میں شاہدہ ہے اور امین کا قول اپنے حق میں معتبر ہوتا ہے غیر کے حق میں معتبر نہیں ہوتا ہے۔

{۱۱} سوال یہ ہے کہ عورت کا یہ کہنا "کہ میں عذابِ جہنم کو پسند کرتی ہوں" یقینی جھوٹ ہے؛ کیونکہ ایک مسلمان جہنم کے عذاب کو پسند نہیں کر سکتا، حالانکہ اس کا قول اپنے حق میں اس کے سچ ہونے کے اعتبار سے مانا گیا تھا، لہٰذا اس کے حق میں بھی معتبر نہیں

ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ عورت کے قول کا جھوٹ ہونا قطعی نہیں؛ کیونکہ کبھی وہ اپنے شوہر کی زیادتیوں کی وجہ سے اس سے بہت زیادہ نفرت کرتی ہے تو شدتِ بغض کی وجہ سے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ جہنم کے عذاب کو بھی پسند کرلیتی ہے، اس لیے عورت کا جھوٹا ہونا یقینی نہیں، پس خود اس کے حق میں حکم (وقوعِ طلاق) اس کی خبر کے ساتھ متعلق ہوگا اگرچہ وہ اس خبر دینے میں جھوٹی ہی کیوں نہ ہو، اور غیر کے حق میں حکم اصل یعنی محبت پر باقی رہے گا یعنی اگر واقعی محبت ہے تو غلام آزاد اور سوتن طلاق ہوجائے گی ورنہ نہیں، مگر واقعی محبت پر مطلع ہونا متعذر ہے اس لیے غلام اور سوتن کے حق میں حکم ثابت نہ ہوگا۔

{۱} وَإِذَا قَالَ لَهَا: إِذَا حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَرَأَتِ الدَّمَ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ حَتَّى يَسْتَمِرَّ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

اور جب کہے عورت سے "جب تو حائضہ ہوجائے تو تُو طلاق ہے" پھر اس نے دیکھا خون تو واقع نہ ہوگی طلاق یہاں تک کہ مسلسل رہے اس کا خون تین دن

لِأَنَّ مَا يَنْقَطِعُ دُونَهَا لَا يَكُونُ حَيْضًا فَإِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ حَكَمْنَا بِالطَّلَاقِ مِنْ حِينِ حَاضَتْ

کیونکہ جو منقطع ہوجائے تین دن سے کم وہ نہ ہوگا حیض، پھر جب پورے ہوجائیں تین دن تو ہم حکم دیں گے طلاق کا جس وقت سے وہ حائضہ ہوگئی ہے

لِأَنَّهُ بِالِامْتِدَادِ عُرِفَ أَنَّهُ مِنَ الرَّحِمِ فَكَانَ حَيْضًا مِنَ الِابْتِدَاءِ {۲} وَلَوْ قَالَ لَهَا : إِذَا حِضْتِ حَيْضَةً

کیونکہ ممتد ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ خون رحم سے ہے پس یہ حیض ہے شروع سے۔ اور اگر کہا عورت سے "جب تو حائضہ ہوجائے ایک حیض سے

فَأَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا لِأَنَّ الْحَيْضَةَ بِالْهَاءِ هِيَ الْكَامِلَةُ مِنْهَا ، وَلِهَذَا حُمِلَ

تو تُو طلاق ہے" تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ پاک ہوجائے اس حیض سے؛ کیونکہ حیضۃ ہاء (ۃ) کے ساتھ کامل حیض ہے، اسی لیے حمل کیا جائے گا

عَلَيْهِ فِي حَدِيثِ الِاسْتِبْرَاءِ وَكَمَالُهَا بِانْتِهَائِهَا وَذَلِكَ بِالطُّهْرِ {۳} وَإِذَا قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا صُمْتِ يَوْمًا

اس پر حدیث استبراء میں، اور حیض کا کمال اس کی انتہاء سے ہوتا ہے اور انتہاء طہر سے ہوگی۔ اور جب کہے "تو طلاق ہے جب تو روزہ رکھے ایک دن"

طَلَقَتْ حِينَ تَغِيبُ الشَّمْسُ فِي الْيَوْمِ الَّذِي تَصُومُ لِأَنَّ الْيَوْمَ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ مُمْتَدٍّ

تو طلاق ہوجائے گی جس وقت غروب ہوجائے آفتاب اس دن جس دن وہ روزہ رکھے؛ کیونکہ یوم جب مقارن ہو فعلِ ممتد کے ساتھ

يُرَادُ بِهِ بَيَاضُ النَّهَارِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ إِذَا صُمْتِ لِأَنَّهُ لَمْ يُقَدِّرْهُ بِمِعْيَارٍ وَقَدْ وُجِدَ الصَّوْمُ

تو مراد ہوتا ہے اس سے بیاضِ نہار بخلافِ اس کے جب وہ کہے "جب تو روزہ رکھے" کیونکہ روزہ کو مقدر نہیں کیا ہے کسی معیار کے ساتھ اور روزہ پایا گیا

بِرُكْنِهِ وَشَرْطِهِ . {۴} وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : إِذَا وَلَدْتِ غُلَامًا فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَإِذَا وَلَدْتِ جَارِيَةً فَأَنْتِ طَالِقٌ

اپنے رکن وشرط کے ساتھ اور جو شخص کہے اپنی بیوی سے "جب تو بچہ جنے تو تُو طلاق ہے ایک طلاق سے اور اگر تو نے لڑکی جنی تو تُو طلاق ہے

ثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَدْرِي أَيُّهُمَا أَوَّلُ لَزِمَهُ فِي الْقَضَاءِ تَطْلِيقَةٌ،

دو طلاقوں سے" پھر اس نے جن لیا لڑکا اور لڑکی اور یہ معلوم نہ ہو کہ دونوں میں اول کون ہے تو لازم ہوگی اس کو قضاءً ایک طلاق،

وَفِي التَّنَزُّهِ تَطْلِيقَتَانِ وَانْقَضَتِ الْعِدَّةُ بِوَضْعِ الْحَمْلِ لِأَنَّهَا لَوْ وَلَدَتِ الْغُلَامَ أَوَّلًا وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ وَتَنْقَضِي عِدَّتُهَا بِوَضْعِ الْجَارِيَةِ
اور تنزہاً دو طلاقیں، اور گذر جائے گی عدت وضع حمل سے؛ کیونکہ اگر وہ جن گئی لڑکا پہلے تو واقع ہوئی ایک اور گذر گئی اس کی عدت لڑکی جننے سے،

ثُمَّ لَا تَقَعُ أُخْرَى بِهِ لِأَنَّهُ حَالُ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ ،﴿۵﴾وَلَوْ وَلَدَتِ الْجَارِيَةَ أَوَّلًا وَقَعَتْ تَطْلِيقَتَانِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا
پھر واقع نہ ہو گی دوسری لڑکی جننے سے؛ کیونکہ یہ وقت عدت گذرنے کا ہے، اور اگر وہ جنی لڑکی پہلے تو واقع ہو جائیں گی دو طلاقیں اور گذر جائے گی اس کی عدت

بِوَضْعِ الْغُلَامِ ثُمَّ لَا يَقَعُ شَيْءٌ آخَرُ بِهِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ حَالُ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ ، فَإِذَا
لڑکا جننے سے پھر واقع نہ ہو گی دوسری اس کی وجہ سے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی کہ یہ وقت عدت گذرنے کا ہے، پس اس وقت

فِي حَالٍ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَفِي حَالٍ تَقَعُ ثِنْتَانِ فَلَا تَقَعُ الثَّانِيَةُ بِالشَّكِّ وَالِاحْتِمَالِ ، وَالْأَوْلَى أَنْ
ایک حالت میں واقع ہو گی ایک اور دوسری حالت میں واقع ہوں گی دو، پس واقع نہ ہو گی دوسری شک اور احتمال کی وجہ سے، اور اولی یہ ہے کہ

يُؤْخَذَ بِالثِّنْتَيْنِ تَنَزُّهًا وَاحْتِيَاطًا ، وَالْعِدَّةُ مُنْقَضِيَةٌ بِيَقِينٍ لِمَا بَيَّنَّا . ﴿۶﴾ وَإِنْ قَالَ لَهَا : إِنْ كَلَّمْتِ
اختیار کی جائیں دو تنزہاً و احتیاطاً، اور عدت گذر گئی یقینی طور پر اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ اور اگر کہا عورت سے "اگر تو نے کلام کیا

أَبَا عَمْرٍو وَأَبَا يُوسُفَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ثُمَّ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَبَانَتْ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا
ابو عمرو اور ابو یوسف کے ساتھ تو تُو طلاق ہے تین طلاقوں سے" پھر اس نے طلاق دی اس کو ایک، پس وہ بائنہ ہو گئی اور گذر گئی اس کی عدت،

فَكَلَّمَتْ أَبَا عَمْرٍو ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَكَلَّمَتْ أَبَا يُوسُفَ فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا مَعَ الْوَاحِدَةِ الْأُولَى
پھر کلام کیا ابو عمرو سے، پھر اس سے نکاح کیا اور اس نے کلام کیا ابو یوسف رحمہ اللہ سے تو وہ طلاق ہے تین طلاقوں سے پہلی ایک کے ساتھ۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَقَعُ ﴿۷﴾ وَهَذِهِ عَلَى وُجُوهٍ: أَمَّا إِنْ وُجِدَ الشَّرْطَانِ فِي الْمِلْكِ فَيَقَعُ الطَّلَاقُ وَهَذَا ظَاهِرٌ،
اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ واقع نہ ہو گی، اور یہ مسئلہ چند صورتوں پر ہے، بہر حال اگر پائی گئیں دونوں شرطیں ملک میں تو طلاق واقع ہو گی اور یہ ظاہر ہے

أَوْ وُجِدَا فِي غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ، أَوْ وُجِدَ الْأَوَّلُ فِي الْمِلْكِ وَالثَّانِي فِي غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ أَيْضًا لِأَنَّ الْجَزَاءَ لَا يَنْزِلُ
یا دونوں پائی گئیں غیر ملک میں تو واقع نہ ہو گی، یا پائی گئی اول ملک میں اور ثانی غیر ملک میں تو بھی واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ جزاء نہیں اترتی

فِي غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ أَوْ وُجِدَ الْأَوَّلُ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ وَالثَّانِي فِي الْمِلْكِ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْكِتَابِ الْخِلَافِيَّةُ.
غیر ملک میں پس واقع نہ ہو گی، یا پائی گئی اول غیر ملک میں اور ثانی ملک میں اور یہی کتاب کا مختلف فیہ مسئلہ ہے

لَهُ اعْتِبَارُ الْأَوَّلِ بِالثَّانِي إِذْ هُمَا فِي حُكْمِ الطَّلَاقِ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ . ﴿۸﴾ وَلَنَا أَنَّ صِحَّةَ الْكَلَامِ
امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے اول کا ثانی پر قیاس ہے؛ کیونکہ دونوں طلاق کے حکم میں شئی واحد کی طرح ہیں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحت کلام

بِأَهْلِيَّةِ الْمُتَكَلِّمِ، إِلَّا أَنَّ الْمِلْكَ يُشْتَرَطُ حَالَةَ التَّعْلِيقِ لِيَصِيرَ الْجَزَاءُ غَالِبَ الْوُجُودِ لِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ فَتَصِحُّ الْيَمِينُ

البتہ تکلم سے ہے، مگر یہ کہ ملک شرط ہے وقتِ تعلیق میں تا کہ ہو سکے جزاء غالب الوجود استصحابِ حال کی وجہ سے اور صحیح ہو قسم

وَعِنْدَ تَمَامِ الشَّرْطِ لِيَنْزِلَ الْجَزَاءُ لِأَنَّهُ لَا يَنْزِلُ إِلَّا فِي الْمِلْكِ ، وَفِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ الْحَالُ حَالُ بَقَاءِ الْيَمِينِ

اور شرط پوری ہونے کے وقت تا کہ اترے جزاء؛ کیونکہ جزاء نہیں اترتی مگر ملک میں، اور ان دونوں کے درمیان حالت بقاء یمین کی ہے

فَيُسْتَغْنَى عَنْ قِيَامِ الْمِلْكِ إِذْ بَقَاؤُهُ بِمَحَلِّهِ وَهُوَ الذِّمَّةُ .

پس مستغنی ہو گی قیامِ ملک سے؛ کیونکہ بقاءِ قسم اس کے محل کی بقاء سے ہے اور وہ ذمہ ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں حیض کے ساتھ معلق طلاق کی مختلف صورتوں کے احکام دلائل سمیت ذکر کیا ہے، اور نمبر۳ میں صوم کے ساتھ معلق طلاق کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۴و۵ میں شوہر کا اپنی بیوی سے اس طرح کہنے "اگر تو نے لڑکا جن لیا تو تجھے ایک طلاق ہے اور اگر لڑکی جن لی تو تجھے دو طلاق ہیں" کی مختلف صورتوں کے احکام دلائل سمیت ذکر کئے ہیں۔ اور ۶تا۸ میں شوہر کے قول "اگر تو نے ابو عمرو اور ابو یوسف سے کلام کیا تو تجھے تین طلاق ہیں" کی چار صورتوں کا حکم، اور ایک صورت میں امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱}اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا "إِذَا حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ" (جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے) پھر اس عورت نے خون دیکھا تو محض خون دیکھنے سے طلاق واقع نہ ہو گی، یہاں تک کہ برابر تین دن تک خون جاری رہے؛ کیونکہ جیسا کہ یہ احتمال ہے کہ یہ خون حیض ہو اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ تین دن سے کم پر منقطع ہو کر یہ خون استحاضہ ہو، پس شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ البتہ اگر پورے تین دن خون آیا تو جس وقت سے خون آنا شروع ہوا تھا اسی وقت سے طلاق واقع ہونے کا حکم لگا دیا جائیگا؛ کیونکہ تین دن تک خون ممتد ہونے کی وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ خون رحم سے ہے لہٰذا شروع ہی سے حیض کا خون ہے استحاضہ نہیں، اس لیے شروعِ حیض ہی سے وقوعِ طلاق کا حکم کیا جائے گا۔

{۲}اور اگر شوہر نے کہا "إِذَا حِضْتِ حَيْضَةً فَأَنْتِ طَالِقٌ" (جب تجھے ایک حیض آجائے تو تجھے طلاق ہے) تو یہ عورت جب تک کہ اپنے اس حیض سے پاک نہ ہو جائے مطلقہ نہ ہو گی؛ کیونکہ "حَيْضَة" بالتاء حیض کامل کو کہتے ہیں، اسی لیے حدیثِ استبراء میں "حَيْضَة" کو حیضِ کامل پر محمول کیا گیا ہے حدیثِ استبراء سے مراد حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "لَاتُوطَأُ الحبالَى حَتّى يَضَعنَ حَملَهُنَّ وَلَا الحيالَى حَتّي يَستَبرِأنَ بِحَيضَةٍ"[۱] (حاملہ عورتوں سے وطی نہ کی جائے یہاں تک وہ اپنے حمل کو وضع کر دیں اور

(۱)علامہ زیلعیؒ نے بحوالہ ابوداؤد سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے، أمّا حديثُ الخُدري: فأخرجه أبو داؤد في "سُننِه" عَنْ شَرِيكٍ عَنْ قَيسِ بنِ وَهبٍ عَنْ أبي الوَدَّاكِ عَنْ أبي سعيد الخدري أنّ النبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، قالَ في سَبَايَا أوطاسٍ: "لا تُوطَأُ حامِلٌ حَتّى تَضَعَ، وَلا غَيرُ ذاتِ حَملٍ حَتّى تَحِيضَ حَيضَةً" (نصب الراية:۳،ص:۲۳۴)

نہ وطی کی جائے غیر حاملہ عورتوں سے یہاں تک کہ ایک حیض کامل کے ساتھ استبراء کریں) جس میں "بحیضۃٍ" سے کامل حیض مراد ہے اور حیض کا کمال اسکے ختم ہونے سے ہوتا ہے اور ختم ہونا طہر سے ہوتا ہے، لہذا طہر شروع ہونے پر طلاق واقع ہوگی اس سے پہلے نہیں۔

ف:۔ جو باندی کسی کی ملک میں آئے تو اس کا ایک حیض تک انتظار کرنے کو استبراء کہتے ہیں استبراء کے بغیر اس کا مالک اس کے ساتھ وطی نہیں کر سکتا ہے اور یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کا رحم سابقہ مالک کے پانی کے ساتھ مشغول نہیں۔

{۳} اور اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا صُمْتِ يَوْمًا" (تو طلاق ہے جب تو روزہ رکھے ایک دن) تو جس دن وہ روزہ رکھے گی اس دن آفتاب غروب ہونے پر طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ قاعدہ گذر چکا کہ لفظِ یوم جب فعلِ ممتد کے ساتھ مقترن ہو تو یوم سے بیاضِ نہار مراد ہوتا ہے نہ کہ مطلق وقت، اور یہاں صوم فعلِ ممتد ہے لہذا یوم سے بیاضِ نہار مراد ہوگا اور وقوعِ طلاق کے لیے پورے دن کا روزہ رکھنا شرط ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر شوہر نے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا صُمْتِ" (تو طلاق ہے جب تو روزہ رکھے) لفظِ "يَوْمًا" کے بغیر، اس صورت میں اگر عورت نے تھوڑی دیر کے لیے روزہ رکھ لیا تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ شوہر نے روزہ کو کسی معیار (یوم وغیرہ) کے ساتھ مقدر نہیں کیا ہے اور روزہ کا اطلاق ایک گھڑی کے لیے امساک پر ہوتا ہے، پس روزہ اپنے رکن (امساک عن المفطرات الثلاثۃ) اور شرط (نیتِ صوم اور حیض ونفاس سے پاک ہونا) کے ساتھ پایا گیا، لہذا شرط پوری ہوگئی اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی۔

{۴} اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا "اگر تو نے لڑکا جن لیا تو تجھے ایک طلاق ہے اور اگر لڑکی جن لی تو تجھے دو طلاق ہیں" پھر اس نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی دونوں کو جن لیا، اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دونوں میں سے کس کی ولادت پہلے ہوئی ہے؛ تو قضاءً ایک طلاق واقع ہوگی، اور دیانۃً اور برائی سے بچنے کے لیے دو طلاقیں واقع ہوں گی، اور عدت بھی گذر گئی؛ کیونکہ اگر وہ پہلے لڑکا جن چکی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگئی اور چونکہ لڑکا جننے کے بعد وہ لڑکی کی وجہ سے حاملہ ہے اور حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے لہذا لڑکی جننے سے اس کی عدت گذر گئی، اور لڑکی جننے سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ عدت گذرنے کا وقت ہے اور عدت گذرنے کا وقت زوالِ نکاح کا وقت ہے اور بوقتِ زوال زائل کرنے والی چیز عمل نہیں کرتی ہے اس لیے لڑکی جننے سے اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۵} اور اگر اس نے پہلے لڑکی کو جن لیا ہو تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور لڑکا جننے سے اس کی عدت بھی گذر جائے گی، پھر لڑکا جننے سے کوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ اوپر ہم ذکر کر چکے کہ یہ عدت گذرنے کا وقت ہے الخ۔ حاصل یہ کہ ایک حالت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسری حالت میں دو واقع ہوں گی، پس ایک کا وقوع یقینی ہے اور دوسری کے وقوع میں شک اور احتمال ہے

،اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اقتضاء ایک طلاق واقع ہوگی، مگر بہتر یہ ہے کہ ہم برائی سے بچنے اور احتیاط کے لیے دو کو اختیار کریں؛ کیونکہ حلال عورت کی وطی کو ترک کرنا بہت بہتر ہے محرمہ کے ساتھ وطی کرنے سے۔ اور عدت بہر حال گذر چکی ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم اوپر بیان کر چکے۔

{۶} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ "اگر تو نے ابو عمرو اور ابو یوسف سے کلام کیا تو تجھے تین طلاق ہیں" پھر شوہر نے اس کو ایک طلاق دیدی پھر اس کی عدت گذر گئی اور وہ بائنہ ہو گئی پھر اس عورت نے (غیر منکوحہ ہونے کی حالت میں) ابو عمرو کے ساتھ کلام کیا، پھر اس کے سابقہ شوہر نے دوبارہ اس سے نکاح کیا، اب اس نے (منکوحہ ہونے کی حالت میں) ابو یوسف کے ساتھ کلام کیا، تو یہ عورت پہلی ایک طلاق کے ساتھ مل کر تین طلاقوں سے مطلقہ ہو جائے گی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔

{۷} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں شرطیں مِلک (حالتِ نکاح) میں پائی جائیں، اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ ظاہر ہے؛ کیونکہ شرطِ طلاق مِلک میں پائی گئی۔ دوم یہ کہ دونوں شرطیں مِلک میں نہ پائی جائیں، اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی۔ سوم یہ کہ پہلی شرط حالتِ نکاح میں پائی جائے اور دوسری حالتِ نکاح میں نہ پائی جائے، اس صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ جزاء (طلاق) غیر مِلک میں نہیں اترتی ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔ چہارم یہ کہ پہلی شرط عدم نکاح کی حالت میں پائی جائے اور ثانی نکاح کی حالت میں، یہ متن کا مسئلہ ہے ہمارے اور امام زفرؒ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

اس چوتھی صورت میں امام زفرؒ پہلی شرط کو دوسری شرط پر قیاس کرتے ہیں یعنی اگر اول شرط مِلک (حالتِ نکاح) میں پائی جاتی اور ثانی غیر مِلک میں تو طلاق واقع نہ ہوتی اسی طرح اس کے عکس میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں شرطیں طلاق کے حکم (وقوعِ طلاق) میں شرطِ واحد کی طرح ہیں، اگر شرطِ واحد ہوتی تو بغیر مِلک کے طلاق واقع نہ ہوتی، تو اب بھی بغیر مِلک کے طلاق واقع نہ ہوگی۔

{۸} ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ کلام یمین متکلم کی اہلیت سے صحیح ہوتا ہے اور متکلم اس کلام کا اہل ہے اس لیے اس کلام کا اثر ہوگا، البتہ دو موقعوں پر مِلک کا ہونا شرط ہے، ایک تعلیقِ طلاق کے وقت یعنی جس وقت شوہر طلاق کو شرط پر معلق کر رہا ہو، تاکہ جزاء (وقوعِ طلاق) غالب الوجود ہو سکے استصحابِ حال کی وجہ سے، استصحابِ حال کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز جیسی تھی اس کو اپنے حال پر ویسی ہی باقی رکھنا، حاصل یہ کہ تعلیق کے وقت مِلک موجود ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ وجودِ شرط کے وقت تک موجود رہے گی، اور وجودِ شرط کے وقت مِلک موجود رہنے سے جزاء غالب الوجود ہوگی اس لیے یمین درست ہے۔ دوم یہ کہ تمام شرط (یمین پوری

ہونے) کے وقت ملک کا موجود ہونا شرط ہے تا کہ اس ملک پر جزاء اتر سکے؛ کیونکہ وجودِ جزاء ملک کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتا ہے۔ باقی ان دو موقعوں کے درمیان بقاءِ یمین کی حالت ہے اور بقاءِ یمین قیامِ ملک سے مستغنی ہے؛ کیونکہ یمین کی بقاء اس کے محل کے ساتھ ہوتی ہے اور یمین کا محل حالف کا ذمہ ہے جو ہر وقت موجود ہے، اس لیے ان دو موقعوں کے درمیان میں بقاءِ ملک ضروری نہیں، پس مذکورہ بالا صورت میں دونوں موقعوں (تعلیقِ طلاق اور تمامِ شرط) پر ملک (نکاح) موجود ہے درمیان میں اگرچہ موجود نہیں، اس لیے طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۱} وَإِنْ قَالَ لَهَا : إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَطَلَّقَهَا ثِنْتَيْنِ وَتَزَوَّجَتْ

اور اگر کہا اپنی بیوی سے " اگر تو داخل ہو گئی گھر میں تو تُو طلاق ہے تین طلاقوں سے " پھر اس نے اسے دو طلاقیں دی اور اس نے نکاح کیا

زَوْجًا آخَرَ وَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ إِلَى الْأَوَّلِ فَدَخَلَتِ الدَّارَ طَلَقَتْ ثَلَاثًا

دوسرے شوہر سے اور اس نے دخول کیا اس کے ساتھ پھر وہ لوٹ آئی اول کی طرف اور داخل ہو گئی گھر میں تو طلاق ہو جائے گی تین طلاقوں سے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رحمهما الله. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: هِيَ طَالِقٌ مَا بَقِيَ مِنَ الطَّلَاقِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ. {۲} وَأَصْلُهُ

امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ وہ طلاق ہے مابقی طلاق سے اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے۔ اور اس اختلاف کی اصل یہ ہے

أَنَّ الزَّوْجَ الثَّانِيَ يَهْدِمُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ عِنْدَهُمَا فَتَعُودُ إِلَيْهِ بِالثَّلَاثِ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى

کہ زوجِ ثانی منہدم کر دیتا ہے تین سے کم کو شیخینؒ کے نزدیک پس وہ لوٹ آئے گی زوجِ اول کی طرف تین کے ساتھ، اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک

لَا يَهْدِمُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ فَتَعُودُ إِلَيْهِ بِمَا بَقِيَ ، وَسَنُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

منہدم نہیں کرتا ہے تین سے کم کو پس وہ لوٹ آئے گی اس کی طرف مابقی کے ساتھ، اور ہم عنقریب بیان کریں اس کے بعد انشاء اللہ۔

{۳} وَإِنْ قَالَ لَهَا :إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ لَهَا : أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ

اور اگر کہا بیوی سے " اگر تو داخل ہو گئی گھر میں تو تُو طلاق ہے تین طلاقوں سے " پھر کہا اس سے " تو طلاق ہے تین طلاقوں سے " پھر اس نے نکاح کیا

غَيْرَهُ وَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ رَجَعَتْ إِلَى الْأَوَّلِ فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ : يَقَعُ

دوسرے سے اور اس نے دخول کیا اس کے ساتھ پھر وہ لوٹ آئی اول کی طرف اور داخل ہو گئی گھر میں تو واقع نہ ہو گی کچھ، اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ واقع ہوں گی

الثَّلَاثُ لِأَنَّ الْجَزَاءَ ثَلَاثٌ مُطْلَقٌ لِإِطْلَاقِ اللَّفْظِ ، وَقَدْ بَقِيَ احْتِمَالُ وُقُوعِهَا فَتَبْقَى الْيَمِينُ . {۴} وَلَنَا أَنَّ

تین؛ کیونکہ جزاء تین مطلق ہیں اطلاقِ لفظ کی وجہ سے، اور باقی ہے طلاقوں کے وقوع کا احتمال، پس باقی رہے گی یمین۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ

الْجَزَاءَ طَلَقَاتُ هَذَا الْمِلْكِ لِأَنَّهَا هِيَ الْمَانِعَةُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ مَا يَحْدُثُ وَالْيَمِينُ تُعْقَدُ لِلْمَنْعِ أَوِ الْحَمْلِ،

جزاء اسی ملک کی طلاقیں ہیں؛ کیونکہ یہی تین طلاقیں مانع ہیں اس لیے کہ ظاہر نئی ملک کا عدم حدوث ہے اور یمین منعقد ہوتی ہے روکنے یا ابھارنے کے لیے

وَإِذَا كَانَ الْجَزَاءُ مَا ذَكَرْنَاهُ وَقَدْ فَاتَ بِتَنْجِيزِ الثَّلَاثِ الْمُبْطِلِ لِلْمَحَلِّيَّةِ فَلَا تَبْقَى الْيَمِينُ،

اور جب جزا وہی ہے جو ہم نے ذکر کی حالانکہ وہ فوت ہو گئی بالفعل تین طلاق دینے سے جو باطل کرنے والی ہیں محلیت کو پس باقی نہیں رہے گی قسم

بِخِلَافِ مَا إِذَا أَبَانَهَا لِأَنَّ الْجَزَاءَ بَاقٍ لِبَقَاءِ مَحَلِّهِ{۵}وَلَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : إِذَا

بخلاف اس صورت کے جب بائنہ کر دے اس کو؛ کیونکہ جزاء باقی ہے اس کے محل کی بقاء کی وجہ سے۔ اور اگر کہا اپنی بیوی سے ”جب

جَامَعْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَجَامَعَهَا فَلَمَّا الْتَقَى الْخِتَانَانِ طَلَقَتْ ثَلَاثًا،

میں جماع کروں تجھ سے تو تُو طلاق ہے تین طلاقوں سے“ پھر جماع کیا اس سے تو جس وقت مل جائیں ختانین تو طلاق ہو جائے گی تین طلاقوں سے

وَإِنْ لَبِثَ سَاعَةً لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْمَهْرُ ، وَإِنْ أَخْرَجَهُ ثُمَّ أَدْخَلَهُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْمَهْرُ وَكَذَا إِذَا قَالَ

اور اگر وہ ٹھہرا رہا تھوڑی دیر تو واجب نہ ہوگا اس پر مہر، اور اگر اس نے نکالا اس کو پھر داخل کیا اس کو تو واجب ہوگا اس پر مہر، اسی طرح جب کہے

لِأَمَتِهِ: إِذَا جَامَعْتُكِ فَأَنْتِ حُرَّةٌ {۶}(وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ أَوْجَبَ الْمَهْرَ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ أَيْضًا

اپنی باندی سے ”جب میں جماع کروں تجھ سے تو تُو آزاد ہے“ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے واجب کیا ہے مہر کو پہلی صورت میں بھی

لِوُجُودِ الْجِمَاعِ بِالدَّوَامِ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ لِلِاتِّحَادِ {۷}وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْجِمَاعَ

وجود جماع کی وجہ سے اس پر مداومت کے ذریعہ، مگر یہ کہ واجب نہیں ہوگی اس پر حد اتحاد کی وجہ سے۔ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ جماع

إِدْخَالُ الْفَرْجِ فِي الْفَرْجِ وَلَا دَوَامَ لِلْإِدْخَالِ ،{۸}بِخِلَافِ مَا إِذَا أَخْرَجَ ثُمَّ أَوْلَجَ لِأَنَّهُ وُجِدَ الْإِدْخَالُ

ادخال الفرج ہے فرج میں اور دوام نہیں ادخال کے لیے، بخلاف اس صورت کے جب وہ نکال لے پھر داخل کر دے؛ کیونکہ پایا گیا ادخال

بَعْدَ الطَّلَاقِ إِلَّا أَنَّ الْحَدَّ لَا يَجِبُ بِشُبْهَةِ الِاتِّحَادِ بِالنَّظَرِ إِلَى الْمَجْلِسِ وَالْمَقْصُودِ وَإِذَا لَمْ يَجِبِ الْحَدُّ وَجَبَ الْعُقْرُ

طلاق کے بعد، مگر یہ کہ حد واجب نہیں شبہہ اتحاد کی وجہ سے مجلس اور مقصود کی طرف دیکھتے ہوئے، اور جب واجب نہ ہوئی حد تو واجب ہوگا عُقر

إِذِ الْوَطْءُ لَا يَخْلُو عَنْ أَحَدِهِمَا،{۹}وَلَوْ كَانَ الطَّلَاقُ رَجْعِيًّا يَصِيرُ مُرَاجِعًا بِاللَّبَاثِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ

کیونکہ وطی خالی نہیں ہوتی دونوں میں سے ایک سے، اور اگر ہو طلاق رجعی تو ہو جائے گا رجوع کرنے والا ٹھہرنے سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک،

خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ لِوُجُودِ الْمِسَاسِ، وَلَوْ نَزَعَ ثُمَّ أَوْلَجَ صَارَ مُرَاجِعًا بِالْإِجْمَاعِ لِوُجُودِ الْجِمَاعِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

اختلاف ہے امام محمدؒ کا مساس کے پائے جانے کی وجہ سے، اور اگر نکالا پھر داخل کیا تو ہو جائے گا رجوع کرنے والا بالاجماع وجود جماع کی وجہ سے

،وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں زوج ثانی کا تین سے کم طلاقوں کو منہدم کرنے یا نہ کرنے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ و امام زفرؒ کا اختلاف، اور فریقین کے دلائل کا حوالہ دیا ہے۔ اور نمبر ۳و۴ میں معلق بالشرط تین طلاقوں کی ایک صورت میں ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ

کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں تین طلاقوں یا غلام کی آزادی کو صحبت پر معلق کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۶ میں امام ابویوسفؒ سے مروی روایت اور اس کی دلیل اور ایک سوال کا جواب ذکر کیا ہے، اور نمبر ۷ میں ظاہر الروایت کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ میں مذکورہ صورت میں شرمگاہ خارج کر کے پھر داخل کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹ میں طلاقِ رجعی کو صحبت پر معلق کرنے کی ایک صورت کا حکم اور دلیل، اور دوسری صورت میں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف اور امام ابویوسفؒ کی دلیل، اور تیسری صورت کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں کسی شرط کے ساتھ معلق کر کے دیں مثلاً کہا "اگر تو فلاں کے گھر داخل ہوگئی تو تجھے تین طلاق ہیں" پھر اسے تنجیزاً دو طلاقیں دیں یعنی فی الحال بلا تعلیق دو طلاقیں واقع کر دیں، اور عورت نے عدت کے بعد جا کر دوسرے زوج کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس نے اس کے ساتھ دخول کر لیا، پھر وہاں سے طلاق لے کر واپس زوجِ اول کے پاس آئی، اب فلاں کے گھر میں داخل ہوگئی، تو شیخینؒ کے نزدیک اس پر تین طلاقیں واقع ہوں گی، اور امام محمدؒ کے نزدیک تین میں سے باقی ماندہ یعنی ایک طلاق واقع ہوگی، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے۔

{۲} اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ زوجِ ثانی تین سے کم (ایک اور دو) طلاقوں کو منہدم کر دیتا ہے، لہٰذا دوسرے نکاح کے بعد اب وہ نئی تین طلاقوں کے ساتھ زوجِ اول کے پاس لوٹ کر آئے گی۔ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک زوجِ ثانی تین سے کم طلاقوں کو منہدم نہیں کرتا ہے، لہٰذا زوجِ اول کی طرف سے اس کو دو طلاقیں پہلے مل چکی ہیں اب وہ باقی ماندہ ایک طلاق کے ساتھ اس کے پاس لوٹ کر آئے گی، اور تفصیل "فَصْلٌ فِيمَا تَحِلُّ بِهِ الْمُطَلَّقَةُ" کے آخر میں ہم بیان کریں گے۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: وسیاتی البحث فی هذه المسئلة مع التفصیل وان الراجح قول الامام محمد الشیبانی وهو وقول الائمة الثلاثة الباقیة وبقول محمد جزم ابن الهمام الخ(هامش الهدایة: ۲/۳۶۷)

{۳} اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا "إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" (اگر تو فلاں کے گھر داخل ہوگئی تو تجھے تین طلاق ہیں) پھر تنجیزاً کہا "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" (تجھے تین طلاق ہیں)، عورت نے جا کر دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اور اس نے اس کے ساتھ دخول کر لیا، پھر وہاں سے طلاق لے کر واپس زوجِ اول کے پاس آئی اور اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا، اب فلاں کے گھر میں داخل ہوگئی، تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی اور امام زفرؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کے قول میں جزاء مطلق تین طلاق ہیں؛ کیونکہ لفظ "اَنتِ طَالِق ثَلَاثًا" مطلق ہے موجودہ ملک کے ساتھ مقید نہیں، لہٰذا موجودہ مِلک کے بعد بھی جزاء موجود ہے، اور موجودہ مِلک کے زوال کے بعد تینوں طلاقوں کے وقوع کا احتمال بھی موجود ہے بایں طور کہ دوسرے شوہر سے طلاق پاکر دوبارہ پہلے شوہر کے پاس آئے اور فلاں کے گھر میں داخل ہو کر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں، پس جب جزاء باقی ہے تو یمین بھی باقی ہوگی اس لیے شرط پائے جانے سے تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔

{۴} ہماری دلیل یہ ہے کہ جزاء اسی مِلک کی تین طلاقیں ہیں؛ کیونکہ جزاء وہی ہوتی ہے جو وجودِ شرط سے مانع ہو یا وجودِ شرط پر ابھارنے والی ہو، اور یہاں وجودِ شرط (دخولِ دار) سے روکنے والی اسی مِلک کی تین طلاقیں ہیں نہ کہ بعد میں پیدا ہونے والی مِلک کی طلاقیں؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ صورت پیدا نہ ہوگی یعنی دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد دوبارہ اول شوہر کے پاس آنے کی صورت بظاہر معدوم ہے، اس لیے جزاء (طلقاتِ ثلاثہ) مِلکِ ثانی میں وجودِ شرط (دخولِ دار) سے مانع نہیں، حالانکہ یمین وجودِ شرط سے منع کے لیے یا وجودِ شرط پر ابھارنے کے لیے منعقد کی جاتی ہے، پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جزاء اسی مِلک کی طلقاتِ ثلاثہ ہے اور یہ جزاء فوت ہوگئی فی الحال تین ایسی طلاقوں کو واقع کرنے سے جو محلیت (عورت کا محلِ طلاق ہونا) کو باطل کر دیتی ہے، اور جب جزاء باقی نہ رہی تو یمین بھی باقی نہیں رہے گی؛ کیونکہ یمین کی بقاء شرط اور جزاء کے مجموعہ سے ہے فقط جزاء یمین کا ایک جزء ہے اور جزء کے فوت ہونے سے کل بھی فوت ہو جاتا ہے، اس لیے یمین بھی فوت ہوگئی، اس لیے دوسری مِلک میں وجودِ شرط سے طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔

برخلافِ سابقہ صورت کے جس میں معلق تین طلاقوں کے بعد منجزاً دو طلاقوں سے بائنہ کر دی گئی ہو کہ اس صورت میں زوجِ اول کے پاس واپس آنے کے بعد دخولِ دار سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ دو طلاقوں سے بائنہ کرنے کے بعد عورت اسی مِلک کی ایک طلاق کے لیے محل ہے اور جب وہ محلِ طلاق ہے تو جزاء (وقوعِ طلاق) بھی باقی ہے اس لیے معلق بالشرط طلاقیں وجودِ شرط سے واقع ہو جاتی ہیں۔

{۵} اگر کسی نے اپنی بیوی کی تین طلاقوں کو صحبت کرنے پر معلق کر دیا مثلاً کہا کہ "اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو تجھے تین طلاق ہیں" پھر اس نے اس کے ساتھ جماع کر لیا، تو جیسے ہی مرد اپنی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں داخل کر دے تو عورت پر تین طلاقیں واقع ہو جائینگی؛ کیونکہ شرط پائی گئی۔ پھر اگر یہ شخص اسی حالت پر مزید تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرا رہا (ای لم یخرجہ بعد التقاء الختانین) تو باوجود کہ یہ ٹھہرنا حرام ہے لیکن اس شخص پر اس ٹھہرنے کی وجہ سے مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے التقاء ختانین کے بعد اپنی شرمگاہ کو عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال کر پھر داخل کیا تو اس پر مہر واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی باندی سے کہا کہ "اگر میں تجھ سے جماع کروں تو تو آزاد ہے" پھر اس کے ساتھ جماع کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گی۔

{٦} امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے پہلی صورت (التقاء ختانین کر کے تھوڑی دیر ٹھہرنے کی صورت) میں بھی مہر کو واجب قرار دیا؛ کیونکہ التقاء ختانین کے بعد ٹھہرا رہنا ابتداءً جماع کی طرح ہے، لہذا جماع پائے جانے کی وجہ سے اس پر عقر (بدل جماع) واجب ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ جب ٹھہرا رہنا ابتداءً جماع ہے اور اس عورت پر تین طلاقیں پڑنے کی وجہ سے یہ جماع حرام ہے اور حرام جماع سے حد واجب ہو جاتی ہے، لہذا اس پر حد واجب ہونی چاہیے حالانکہ امام ابو یوسفؒ وجوبِ حد کے قائل نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں وحدتِ مجلس اور وحدتِ مقصود (قضاءِ شہوت) کو دیکھتے ہوئے وحدتِ جماع کا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی جماع ہے جس کا اول حلال اور آخر حرام ہے اس لیے وجوبِ حد میں شبہ پیدا ہوا، لہذا حد واجب نہ ہو گی۔

{٧} ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے کہ مہر جماع کی وجہ سے لازم ہوتا ہے اور جماع فرج کو فرج میں داخل کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں وقوعِ طلاق اور باندی کی آزادی کے بعد ادخال الفرج فی الفرج نہیں پایا گیا ہے؛ کیونکہ ادخال تو طلاق اور آزادی سے پہلے موجود ہے اس لیے مہر بھی لازم نہ ہو گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کا یہ کہنا کہ ٹھہرا رہنا ابتداءً جماع کی طرح ہے، یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ دوام شئ ابتداءِ شئ کے حکم میں وہاں ہوتا ہے جہاں شئ کے لیے دوام ہو، جبکہ یہاں تو جماع ادخال الفرج فی الفرج کا نام ہے اور ادخال کے لیے دوام نہیں، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے دوام کے لیے ابتداء کا حکم ہے۔

{٨} برخلافِ اس کے کہ شرمگاہ خارج کر کے پھر داخل کر دے کہ اس صورت میں مہر واجب ہو گا؛ کیونکہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جانے کے بعد ادخال پایا گیا اور ادخال ہی جماع ہے اس لیے مہر واجب ہو گا۔ البتہ حد واجب نہ ہو گی؛ کیونکہ وحدتِ مجلس اور وحدتِ مقصود (قضاءِ شہوت) کو دیکھتے ہوئے وحدتِ جماع کا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی جماع ہے جس کا اول حلال اور آخر حرام ہے اس لیے وجوبِ حد میں شبہ پیدا ہوا، لہذا حد واجب نہ ہو گی۔ اور جب حد واجب نہ ہوئی تو عقر (بدل جماع) واجب ہو گا؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کوئی جماع ان دونوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتا یا تو حد واجب ہو گی، ورنہ تو عقر (بدل جماع) واجب ہو گا۔

{٩} اور اگر طلاق رجعی ہو مثلاً شوہر نے کہا "اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو تجھے رجعی طلاق ہے" پھر اس نے اس عورت سے صحبت کرلی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائیگی۔ پھر اگر یہ شخص التقاء ختانین کر کے اسی حالت پر مزید تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرا رہا، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ٹھہرے رہنے سے یہ شخص رجعت کرنے والا شمار ہو گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ٹھہرے رہنے سے وہ رجوع کرنے والا شمار نہ ہو گا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ٹھہرے رہنے سے وہ عورت کو شہوت کے ساتھ مس کرنے والا ہوا، اور مطلقہ رجعی کو شہوت کے ساتھ مس کرنے سے رجعت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس دلیل کی رُو سے ہونا چاہیے کہ یہ شخص بالاتفاق رجوع کرنے والا ہو۔ اور اگر

اس شخص نے اپنی شرمگاہ کو باہر نکالا اور پھر اندر داخل کیا تو اس صورت میں بالاتفاق رجعت ثابت ہو جائیگی؛ کیونکہ اب ادخال الفرج فی الفرج کی وجہ سے جماع پایا گیا جس سے رجعت ثابت ہوتی ہے۔

فتوی:۔امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لمافی الشامیة:(قَوْلُهُ لَمْ يَصِرْ بِهِ مُرَاجِعًا) أَيْ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ فِعْلٌ وَاحِدٌ فَلَيْسَ لِآخِرِهِ حُكْمُ فِعْلٍ عَلَى حِدَةٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَصِيرُ مُرَاجِعًا لِوُجُودِ الْمَسِّ بِشَهْوَةٍ وَهُوَ الْقِيَاسُ نَهْرٌ.قَالَ فِي الْبَحْرِ:وَجَزْمُ الْمُصَنِّفِ بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ الْمُخْتَارُ ، وَقِيلَ يَنْبَغِي أَنْ يَصِيرَ مُرَاجِعًا عِنْدَ الْكُلِّ لِوُجُودِ الْمِسَاسِ بِشَهْوَةٍ، كَذَا فِي الْمِعْرَاجِ .وَيَنْبَغِي تَصْحِيحُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ لِظُهُورِ دَلِيلِهِ .(ردّالمحتار:۲/۵۵۱)

فَصْلٌ فِي الِاسْتِثْنَاءِ

یہ فصل استثناء کے بیان میں ہے

استثناء ماخوذ ہے "ثُنْیَا" بمعنی پھیرنے سے، "اِسْتَثْنَى الشَّئ" کا معنی ہے عام قاعدہ یا حکم سے نکالنا۔استثناء دو قسم پر ہے، عرفی، وضعی۔ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کرنا استثناء عرفی ہے۔اور وضعی یہ ہے کہ الّا اور کی اخوات کے ذریعہ یہ بیان کرنا کہ ان کا مابعد ماقبل کے حکم میں نہیں ہے۔مصنفؒ نے تعلیق بالشرط کے بعد استثناء کو ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ تعلیق کل کلام کے لیے مانع ہے اور استثناء بعض کلام کے لیے، بعض اور جزء ہمیشہ کل کا تابع ہوتا ہے اس لیے تعلیق کو مقدم ذکر کیا استثناء کو بعد میں۔اور کلام کے آخر میں انشاء اللہ کہنا بھی چونکہ استثناء کی طرح اول کلام کے لیے مانع ہے اس لیے اس فصل کے شروع میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔

[۱]وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مُتَّصِلًا لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ لِقَوْلِهِ ﷺ { مَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْعَتَاقٍ وَقَالَ:إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مُتَّصِلًا بِهِ فَلَاحِنْثَ عَلَيْهِ}وَلِأَنَّهُ أَتَى بِصُورَةِالشَّرْطِ فَيَكُونُ تَعْلِيقًا مِنْ هَذَاالْوَجْهِ وَإِنَّهُ إعْدَامٌ قَبْلَ الشَّرْطِ وَالشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ هَاهُنَا فَيَكُونُ إعْدَامًا مِنَ الْأَصْلِ وَلِهَذَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِلًا بِهِ بِمَنْزِلَةِسَائِرِالشُّرُوطِ[۲] وَلَوْسَكَتَ ثَبَتَ حُكْمُ الْكَلَامِ الْأَوَّلِ فَيَكُونُ الِاسْتِثْنَاءُ أَوْذِكْرُالشَّرْطِ بَعْدَهُ رُجُوعًاعَنِ الْأَوَّلِ

اور جب کہے مرد اپنی بیوی سے "تو طلاق ہے انشاء اللہ" متصلاً کہا تو واقع نہ ہوگی طلاق؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص قسم کھائے طلاق یا عتاق کی اور کہا: انشاء اللہ تعالیٰ متصل اس کے ساتھ تو حنث نہیں اس پر" اور اس لیے کہ لایا وہ صورتِ شرط پس ہوگی تعلیق اس اعتبار سے اور یہ معدوم کرنا ہے شرط سے پہلے اور شرط معلوم نہیں یہاں، پس یہ معدوم کرنا ہوگا ابتداء سے، اسی لیے شرط لگائی گئی کہ ہو متصل اس کے ساتھ بمنزلہ دیگر شروط کے، اور اگر خاموش ہوا تو ثابت ہوگا اول کلام کا حکم پس ہوگا استثناء یا ذکر شرط اس کے بعد رجوع کرنا اول کلام سے۔

قَالَ: وَكَذَا إذَا مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى لِأَنَّ بِالِاسْتِثْنَاءِ خَرَجَ الْكَلَامُ مِنْ أَنْ يَكُونَ إيجَابًا

فرمایا: اور اسی طرح جب بیوی مر جائے شوہر کے قول انشاء اللہ سے پہلے؛ کیونکہ استثناء کی وجہ سے نکل گیا کلام اس سے کہ ہو ایجاب،

وَالْمَوْتُ يُنَافِي الْمُوجِبَ دُونَ الْمُبْطِلِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا مَاتَ الزَّوْجُ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الِاسْتِثْنَاءُ

اور موت منافی ہے موجب کے نہ کہ مبطل کے، بخلاف اس صورت کے جب مر جائے زوج؛ کیونکہ متصل نہ ہوا اس کے ساتھ استثناء۔

{۳} وَإِنْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً طَلَقَتْ ثِنْتَيْنِ ، وَإِنْ قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا اثْنَتَيْنِ طَلَقَتْ وَاحِدَةً وَالْأَصْلُ أَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ تَكَلُّمٌ بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الثُّنْيَا هُوَ الصَّحِيحُ ، وَمَعْنَاهُ أَنَّهُ تَكَلَّمَ بِالْمُسْتَثْنَى مِنْهُ ، إِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَ قَوْلِ الْقَائِلِ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دِرْهَمٌ وَبَيْنَ قَوْلِهِ عَشَرَةٌ إِلَّا تِسْعَةً فَيَصِحُّ اسْتِثْنَاءُ الْبَعْضِ مِنَ الْجُمْلَةِ لِأَنَّهُ يَبْقَى التَّكَلُّمُ بِالْبَعْضِ بَعْدَهُ ، وَلَا يَصِحُّ اسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى بَعْدَهُ شَيْءٌ لِيَصِيرَ مُتَكَلِّمًا بِهِ وَصَارِفًا لِلَّفْظِ إِلَيْهِ ، وَإِنَّمَا يَصِحُّ الِاسْتِثْنَاءُ إِذَا كَانَ مَوْصُولًا بِهِ كَمَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ ،

اور اگر کہا "تو طلاق ہے تین طلاقوں سے مگر ایک" تو طلاق ہو جائے گی دو سے، اور اگر کہا "تو طلاق ہے تین طلاقوں سے مگر دو" تو طلاق ہو جائے گی ایک سے، اور اصل یہ ہے کہ استثناء تکلم بالحاصل ہے استثناء کے بعد یہی صحیح ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے تکلم کیا مستثنیٰ منہ کے ساتھ کیونکہ فرق نہیں قائل کے قول "لِفُلَانٍ عَلَيَّ دِرْهَمٌ" اور اس کے قول "عَشَرَةٌ إِلَّا تِسْعَةً" میں، پس صحیح ہو گا بعض کا استثناء کل سے کیونکہ باقی رہتا ہے بعض کے ساتھ تکلم استثناء کے بعد، اور صحیح نہیں استثناء کل کا کل سے؛ کیونکہ باقی نہیں رہتا ہے استثناء کے بعد کچھ تا کہ ہو جائے متکلم اسی کے ساتھ اور پھیرنے والا لفظ کو اس کی طرف، اور صحیح ہو گا استثناء جب ہو متصل اس کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اس سے پہلے۔

{۴} وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فَفِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ ثِنْتَانِ فَيَقَعَانِ وَفِي الثَّانِي وَاحِدَةٌ ، فَتَقَعُ وَاحِدَةٌ وَلَوْ قَالَ إِلَّا ثَلَاثًا يَقَعُ الثَّلَاثُ لِأَنَّهُ اسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ فَلَمْ يَصِحَّ الِاسْتِثْنَاءُ ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

اور جب ثابت ہوا یہ تو پہلی صورت میں مستثناء منہ دو ہیں پس دونوں واقع ہوں گی اور دوسری صورت میں ایک ہے پس واقع ہو گی ایک، اور اگر کہا "إِلَّا ثَلَاثًا" تو واقع ہوں گی تین؛ کیونکہ یہ کل کا کل سے استثناء ہے پس صحیح نہ ہو گا استثناء، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا "أَنْتِ طَالِقٌ" کے بعد "إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى" کہنے کی مختلف صورتوں کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۳ و ۴ میں استثناء کی مختلف صورتوں کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى" (تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ) اور لفظ "إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى" کو "أَنْتِ طَالِقٌ" کے ساتھ متصل کہا، تو طلاق واقع نہیں ہو گی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْعَتَاقٍ

إِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی مُتَّصِلًا بِہٖ فَلَا حِنْثَ عَلَیْہِ[1]" (جس نے قسم کھائی طلاق یا عتاق کی اور اس کے ساتھ متصل کہا: انشاء اللہ تو اس پر حانث نہیں ہے) یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کہ جس سے طلاق یا عتاق واقع ہو جائے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حالف نے اس کلام کو بصورتِ شرط پیش کیا ہے یعنی اس میں حرفِ شرط (إِنْ) کو ذکر کیا ہے لہذا اس اعتبار سے یہ صورۃً تعلیق ہے اور تعلیق وجودِ شرط سے پہلے جزاء کو معدوم کر دیتی ہے، اور یہاں وجودِ شرط (اللہ تعالیٰ کا طلاق کو چاہنا) معلوم نہیں ہو سکتا ہے لہذا یہ اصل ہی سے جزاء (أَنْتِ طَالِقٌ) کو معدوم کر دیتی ہے۔ اور چونکہ یہ کلام صورۃً تعلیق ہے اس لیے دیگر شرطوں کی طرح انشاء اللہ بھی متصل کہنا ضروری ہے۔

{۲} اور اگر شوہر "أَنْتِ طَالِقٌ" کہنے کے بعد خاموش ہو گیا تو شروعِ کلام (أَنْتِ طَالِقٌ) کا حکم ثابت ہو جائے گا اور اب انشاء اللہ کہنا یا شرط (مثلاً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ) ذکر کرنا اول کلام کے حکم سے رجوع شمار ہو گا حالانکہ شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں۔

اسی طرح اگر شوہر کے انشاء اللہ کہنے سے پہلے عورت مرگئی تو بھی طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ استثناء کی وجہ سے کلام ایجاب ہونے سے نکل گیا اس لیے کہ استثناء شروعِ کلام کو بدل دیتا ہے، اور موت موجب (تطلیق) کے تو منافی ہے مگر مبطل (تعلیق واستثناء) کے منافی نہیں؛ کیونکہ موت اور تعلیق دونوں مبطل ہیں اور ایک مبطل دوسرے کے منافی نہیں ہوتا لہذا موت کے بعد بھی استثناء صحیح ہے اور استثناء نے (أَنْتِ طَالِقٌ) کے حکم کو بدل دیا اس لیے طلاق واقع نہ ہو گی۔ اس کے برخلاف اگر شوہر "أَنْتِ طَالِقٌ" کے بعد استثناء سے پہلے مر گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ اس صورت میں شروعِ کلام کے ساتھ استثناء متصل نہیں ہوا اس لیے شروعِ کلام کا حکم برقرار رہے گا۔

{۳} اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً" (تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک) تو دو طلاق واقع ہوں گی اور اگر کہا "أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا ثِنْتَیْنِ" (تجھے تین طلاقیں ہیں مگر دو) تو ایک طلاق واقع ہو گی۔ اصل یہ ہے کہ استثناء کے بعد باقی ماندہ کے ساتھ تکلم استثناء ہے یہی صحیح ہے وہ صحیح نہیں جو بعض حضرات کہتے ہیں کہ استثناء اثبات سے نفی اور نفی سے اثبات کو کہتے ہیں۔ حاصل یہ کہ استثناء مستثنیٰ منہ کے ساتھ تکلم کا نام ہے؛ اس لیے کہ یہ کہنا کہ "فلاں کا میرے ذمہ ایک درہم" اور یہ کہنا کہ "فلاں کے میرے ذمہ دس درہم ہیں مگر نو" دونوں برابر ہیں۔ پس کُل سے بعض کو مستثنیٰ کرنا درست ہے؛ کیونکہ بعض مستثنیٰ کرنے کے بعد کچھ باقی رہتا ہے جس کے ساتھ متکلم کلام کرنے والا ہوتا ہے، مگر کُل سے کُل کو مستثنیٰ کرنا درست نہیں؛ کیونکہ کُل کو مستثنیٰ کرنے کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا کہ جس کے ساتھ متکلم کلام کرنے والا ہو اور اس کی طرف لفظ کو پھیرنے والا ہو۔ اور صحتِ استثناء کے لیے ضروری

---

[1] علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے، البتہ سنن اربعہ میں اس طرح منقول ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰہُ، فَلَا حِنْثَ عَلَیْہِ" (نصب الرایۃ:۳، ص:۲۳٤)

ہے کہ استثناء اصل کلام کے ساتھ متصل ہو جیسا کہ ہم سابق میں ذکر کر چکے کہ متصل نہ ہونے کی صورت میں رجوع شمار ہوگا حالانکہ شوہر کو رجوع کا حق حاصل نہیں۔

{۴}اور جب یہ تین قاعدے (استثناء تکلم بالباقی ہے، استثناء البعض من الکل صحیح ہے، اور استثناء کا اتصال ضروری ہے) ثابت ہو گئے تو پہلی صورت میں مستثنیٰ ایک ہے اور مستثنیٰ منہ دو ہیں لہذا دو واقع ہوں گی، اور دوسری صورت میں مستثنیٰ دو ہیں اور مستثنیٰ منہ ایک ہے لہذا ایک واقع ہوگی۔ اور چونکہ استثناء الکل من الکل صحیح نہیں اس لیے اگر شوہر نے کہا "أَنتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا ثَلَاثًا" (تجھے تین طلاق ہیں مگر تین) تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی؛ کیونکہ یہ کُل کا کُل سے استثناء ہے اس لیے استثناء کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہی جس کے ساتھ متکلم کو تکلم کرنے والا کہا جائے لہذا یہ استثناء صحیح نہیں کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی شئی کا اقرار کرنے کے بعد انکار کرے جس کا کوئی اعتبار نہیں، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

بَابُ طَلَاقِ الْمَرِيضِ

یہ باب طلاق مریض کے بیان میں ہے

اس سے پہلے مصنفؒ نے تندرست کی طلاق کو اپنے تمام اقسام کے ساتھ بیان فرمایا اب اس باب میں مریض کی طلاق کے احکام بیان فرمائیں گے چونکہ تندرستی اصل ہے اور مرض عارض ہے اور اصل عارض سے مقدم ہوتی ہے اس لئے ذکر میں بھی تندرست کی طلاق کے احکام کو مقدم اور مریض کی طلاق کے احکام کو مؤخر فرمایا۔ خاص کر تعلیق الطلاق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں طلاق من وجہ واقع ہے (اگر شرط پائی گئی) اور من وجہ واقع نہیں ہے (اگر شرط نہ پائی گئی) اسی طرح مرض الوفات کی طلاق بھی من وجہ واقع ہے (یعنی وراثت کے علاوہ دیگر احکام کے اعتبار سے) اور من وجہ واقع نہیں (یعنی وراثت کے اعتبار سے)۔

{۱}وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ ، وَإِنْ مَاتَ

اور جب طلاق دے مرد اپنی بیوی کو اپنے مرض موت میں طلاق بائن، پھر وہ مر گیا اور عورت عدت میں ہو تو وہ وارث ہوگی اس کی، اور اگر مر گیا

بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا تَرِثُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ

عدت گذرنے کے بعد تو میراث نہ ہوگی عورت کے لیے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ وارث نہ ہوگی دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ زوجیت باطل ہوگئی

بِهَذَا الْعَارِضِ وَهِيَ السَّبَبُ وَلِهَذَا لَا يَرِثُهَا إِذَا مَاتَتْ . {۲}وَلَنَا أَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ

اس عارض کی وجہ سے حالانکہ زوجہ ہونا ہی سبب ہے، اسی لیے وہ وارث نہ ہوگا اگر عورت مر گئی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجیت سبب ہے

إرثها في مَرَضِ مَوْتِهِ وَالزَّوْجُ قَصَدَ إبْطَالَهُ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ بِتَأْخِيرِ عَمَلِهِ

ورت کے وارث ہونے شوہر کے مرضِ موت میں اور زوج نے ارادہ کیا اس کے ابطال کا تو رد کیا جائے گا اس پر اس کا قصد اس کے عمل کو مؤخر کر کے

إلى زَمَانِ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا ، وَقَدْ أَمْكَنَ لِأَنَّ النِّكَاحَ فِي الْعِدَّةِ يَبْقَى فِي حَقِّ بَعْضِ الْآثَارِ

انقضاءِ عدت کے زمانے تک دفع کرتے ہوئے ضرر کو عورت سے، اور یہ ممکن ہے؛ کیونکہ نکاح عدت میں باقی رہتا ہے بعض آثار کے حق میں

نجاز أَنْ يَبْقَى فِي حَقِّ إرْثِهَا عَنْهُ ،{۳}بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الِانْقِضَاءِ لِأَنَّهُ لَا إمْكَانَ ، وَالزَّوْجِيَّةُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ

جائز ہے کہ باقی رہے عورت کی میراث کے حق میں شوہر سے، بخلاف عدت گذرنے کے بعد؛ کیونکہ امکان نہیں، اور زوجیت اس حالت میں

لبتْ بِسَبَبِ لِإِرْثِهِ عَنْهَا فَتَبْطُلُ فِي حَقِّهِ خُصُوصًا إذَا رَضِيَ بِهِ . {۴} وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا

ب نہیں مرد کے وارث ہونے کا عورت سے، پس باطل ہوگا شوہر کے حق میں خصوصاً جبکہ وہ راضی ہو اس پر۔ اور اگر عورت کو تین طلاقیں دیں

بأمرها أَوْ قَالَ لَهَا اخْتَارِي فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا أَوِ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ

ورت کے کہنے سے یا کہا عورت سے "اخْتَارِي" اور اس نے اختیار کیا اپنے نفس کو یا خلع کیا شوہر سے پھر وہ مر گیا اور عورت عدت میں ہو

لم ترثه لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِإِبْطَالِ حَقِّهَا وَالتَّأْخِيرِ لِحَقِّهَا . {۵}وَإِنْ قَالَتْ

تو وارث نہ ہوگی اس کی؛ کیونکہ وہ راضی ہے اپنے حق کے ابطال پر حالانکہ تاخیر اس کے حق کی وجہ سے تھی، اور اگر عورت نے کہا

طَلِّقْنِي لِلرَّجْعَةِ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَرِثَتْهُ لِأَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِيَّ لَا يُزِيلُ النِّكَاحَ فَلَمْ تَكُنْ

"طلاق دو مجھے رجعی" پس شوہر نے اس کو تین طلاقیں دیں تو وہ وارث ہوگی اس کی؛ کیونکہ طلاقِ رجعی زائل نہیں کرتی نکاح کو پس نہ ہوگی

بسُؤَالِهَا رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ حَقِّهَا{۶}وَإِنْ قَالَ لَهَا فِي مَرَضِ مَوْتِهِ كُنْتُ طَلَّقْتُكِ ثَلَاثًا

وہ طلاق کا سوال کرنے سے راضی اپنے حق کے بطلان پر۔ اور اگر کہا بیوی سے اپنے مرضِ موت میں "میں نے تجھے تین طلاقیں دی تھیں

فِي صِحَّتِي وَانْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَصَدَّقَتْهُ ، ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِوَصِيَّةٍ

لئی صحت میں اور گذر گئی تیری عدت" پس عورت نے تصدیق کی اس کی، پھر اقرار کیا عورت کے لیے قرض کا یا وصیت کی اس کے لیے کچھ

فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ وَمِنَ الْمِيرَاثِ عِنْدَأَبِي حَنِيفَةَ.وَقَالَ أَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رحمهما الله:يَجُوزُ إقْرَارُهُ وَوَصِيَّتُهُ.

تو اس کے لیے اقل ہوگا اس میں اور میراث میں سے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ جائز ہے اس کا اقرار اور اس کی وصیت۔

{۷}وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِي مَرَضِهِ بِأَمْرِهَا ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا

اور اگر اس کو تین طلاقیں دیں اپنے مرض میں اس کے حکم سے، پھر اقرار کیا اس کے لیے قرض کا یا وصیت کی اس کے لیے کچھ تو اس کے لیے

الْأَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ وَمِنَ الْمِيرَاثِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا إلَّا عَلَى قَوْلِ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ. فَإِنَّ لَهَا جَمِيعَ مَا أَوْصَى

اقل ہوگا اس میں اور میراث میں سے سب کے قول میں مگر امام زفرؒ کے قول پر کہ اس کے لیے وہ تمام ہے جو اس نے وصیت کی ہے
وَمَا أَقَرَّ بِهِ ، لِأَنَّ الْمِيرَاثَ لَمَّا بَطَلَ بِسُؤَالِهَا زَالَ الْمَانِعُ مِنْ صِحَّةِ الْإِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ
اور جس کا اس نے اقرار کیا ہے؛ کیونکہ میراث جب باطل ہوگئی اس کے سوال کرنے سے تو زائل ہوگیا مانع صحتِ اقرار اور وصیت سے۔
وَجْهُ قَوْلِهِمَا فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى أَنَّهُمَا لَمَّا تَصَادَقَا عَلَى الطَّلَاقِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ صَارَتْ أَجْنَبِيَّةً عَنْهُ حَتَّى
اور صاحبینؒ کے قول کی وجہ پہلے مسئلہ میں یہ ہے کہ ان دونوں نے جب اتفاق کیا طلاق اور عدت گذرنے پر تو ہوگئی وہ اجنبی اس مرد سے حتی کہ
جَازَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَهَا فَانْعَدَمَتِ التُّهْمَةُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ
جائز ہے اس کے لیے کہ نکاح کرے اس کی بہن سے، پس معدوم ہوگئی تہمت ، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قبول کی جائے گی اس کی گواہی
لَهَا وَيَجُوزُ وَضْعُ الزَّكَاةِ فِيهَا ،{۸}بِخِلَافِ الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ لِأَنَّ الْعِدَّةَ بَاقِيَةٌ وَهِيَ سَبَبُ التُّهْمَةِ ،وَالْحُكْمُ يُدَارُ
اس عورت کے لیے اور جائز ہے زکوۃ دینا اس کو، برخلافِ دوسرے مسئلہ کے؛ کیونکہ عدت باقی ہے اور وہ سبب ہے تہمت ہے اور حکم کا مدار
عَلَى دَلِيلِ التُّهْمَةِ وَلِهَذَا يُدَارُ عَلَى النِّكَاحِ وَالْقَرَابَةِ ،وَلَا عِدَّةَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى{۹}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ
دلیل تہمت پر ہے، اسی وجہ سے حکم کا مدار نکاح اور قرابت پر ہے، اور عدت نہیں پہلے مسئلہ میں۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل دونوں مسئلوں میں
أَنَّ التُّهْمَةَ قَائِمَةٌ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ قَدْ تَخْتَارُ الطَّلَاقَ لِيَنْفَتِحَ بَابُ الْإِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ عَلَيْهَا فَيَزِيدَ حَقُّهَا،
یہ ہے کہ تہمت قائم ہے؛ کیونکہ عورت کبھی اختیار کرلیتی ہے طلاق کو تاکہ کھل جائے بابِ اقرار اور وصیت اس پر پس بڑھ جائے اس کا حق،
وَالزَّوْجَانِ قَدْ يَتَوَاضَعَانِ عَلَى الْإِقْرَارِ بِالْفُرْقَةِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِيَبَرَّهَا الزَّوْجُ بِمَالِهِ زِيَادَةً عَلَى مِيرَاثِهَا وَهَذِهِ التُّهْمَةُ
اور زوجین کبھی اتفاق کرلیتے ہیں اقرارِ فرقت اور انقضاءِ عدت پر تاکہ تبرع کرے اس پر زوج اپنے مال سے زائد اس کی میراث پر اور یہ تہمت
فِي الزِّيَادَةِ فَرَدَدْنَاهَا ، وَلَا تُهْمَةَ فِي قَدْرِ الْمِيرَاثِ فَصَحَّحْنَاهُ ،{۱۰}وَلَا مُوَاضَعَةَ عَادَةً
زیادتی میں ہے پس ہم نے رد کردیا زیادتی کو، اور کوئی تہمت نہیں مقدارِ میراث میں پس ہم نے صحیح رکھا اس کو، اور موافقت نہیں کی جاتی عادۃً
فِي حَقِّ الزَّكَاةِ وَالتَّزَوُّجِ وَالشَّهَادَةِ ، فَلَا تُهْمَةَ فِي حَقِّ هَذِهِ الْأَحْكَامِ
زکوۃ، تزوج اور شہادت کے حق میں، پس تہمت نہیں ان احکام کے حق میں۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مرض الموت میں طلاق دینے کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور شوافعؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۴ و ۵ میں مرض وفات کی طلاق کے بعض دیگر احکام دلائل سمیت ذکر کیے ہیں۔ اور نمبر ۶ تا ۱۰ میں امام صاحبؒ، صاحبینؒ اور امام زفرؒ کے درمیان مختلف فیہ صورتیں، ہر ایک فریق کی دلیل، اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔{۱} اگر شوہر نے اپنے مرضِ موت میں اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دیدی اوراس کی بیوی اس پر راضی نہیں پھر اس شوہر کا انتقال ہو گیا اوراس کی بیوی اب تک عدت میں ہے اور بیوی مستحق وراثت بھی ہے تو یہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی۔اوراگر عورت کی عدت گذر گئی پھر شوہر کا انتقال ہوا، تو عورت کو میراث نہیں ملے گی۔اس طرح مرض الموت میں طلاق دینے کو فارّ (راہِ فرار اختیار کرنے والا) اور طلاق کو طلاقِ فارّ کہتے ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں عورت کو میراث نہیں ملے گی؛ کیونکہ دونوں میں رشتۂ زوجیت اس عارض (طلاق بائن) کی وجہ سے ختم ہو گیا حالانکہ میراث کا سبب رشتۂ زوجیت ہی ہے جب وہ نہ رہا تو میراث بھی نہیں ملے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر عورت کا انتقال ہوا تو شوہر اس کا وارث نہ ہوگا؛ کیونکہ سببِ ارث طلاق کی وجہ سے ختم ہو گیا ہے۔

{۲} ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر کے مرضِ وفات میں رشتہ زوجیت عورت کے وارث ہونے کا سبب ہے، مگر شوہر نے اس حالت میں طلاق دے کر اس کے حق وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا اس کے اس غلط ارادے کو اسی پر لوٹا دیا جائیگا، بایں طور کہ طلاق کے عمل کو عدت گذرنے کے زمانے تک کیلئے مؤخر کر دیا جائے گا تاکہ عورت سے حرمانِ وراثت کا ضرر دور ہو، اور بقاءِ نکاح کو انقضاءِ عدت تک مؤخر کرنا ممکن بھی ہے؛ کیونکہ عدت کے دوران نکاح اپنے بعض آثار کے اعتبار سے باقی ہے مثلاً وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی ہے اور شوہر اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا ہے، لہٰذا عورت کا شوہر سے میراث پانے کے حق میں بھی نکاح کو باقی قرار دینا جائز ہوگا تاکہ عورت سے میراث سے محرومی کا ضرر دور ہو۔ برخلافِ اس کے کہ عدت گذر جائے، کہ اب وہ وارث نہ ہوگی؛ کیونکہ عدت گذر جانے کے بعد نکاح کو کسی طرح باقی قرار دینا ممکن نہیں ہے۔

{۳} اورامام شافعیؒ کی دلیل (کہ اسی وجہ سے شوہر عورت کا وارث نہ ہوگا) کا جواب یہ ہے کہ زوجیت مرد کے مرضِ موت میں مرد کے عورت سے وارث ہونے کا سبب نہیں؛ کیونکہ شوہر کے مرضِ موت میں عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے نہ یہ کہ شوہر کا حق عورت کے مال کے ساتھ، لہٰذا مرد کے حق میں زوجیت باطل ہوگی، اوراگر عورت بیمار ہو تو تب بھی شوہر وارث نہ ہوگا؛ کیونکہ شوہر نے جب اس حالت میں طلاق دیدی تو وہ میراث کے اس سبب کو باطل کرنے پر خود راضی ہے اس لیے وہ مستحقِ میراث نہ ہوگا۔

فائدہ:۔ مرض الموت کی تعریف کے سلسلے میں مختلف اقوال منقول ہیں اوران میں خاصا فرق اور تفاوت پایا جاتا ہے علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ بیماری یا کسی اور وجہ سے اس کی ہلاکت یقینی ہو، اور وہ گھر سے باہر نکل کر اپنی ضروریات پوری کرنے سے قاصر

ہو، فقیہ ابواللیث سے منقول ہے کہ وہ مرض موت کے تحقق کے لئے صاحبِ فراش ہونے کو ضروری قرار نہ دیتے تھے، اس بات کو کافی سمجھتے تھے کہ عام طور پر یہ بیماری ہلاکت تک پہنچ ہوتی ہو، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید کی ہے، اور لکھا ہے کہ صدر شہید کا فتوی بھی اسی پر تھا، اور یہی امام محمدؒ کے کلام سے ہم آہنگ ہے (قاموس الفقہ:۵/۷۹)

الالغاز:۔قال لامراتِهِ، ان خرجت من هذا الماءِ وهی فی نَهرجارٍفانتِ طالق فماالحيلة؟

فقل:۔تخرج ولايحنث لان الماء الذی كانت فيهِ زال بالجريان۔(الاشباہ والنظائر)

{۴} اور اگر شوہر نے بیوی کے کہنے سے اسے تین طلاقیں دیدیں، یا شوہر نے اسے طلاق کا اختیار دیدیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا مثلاً کہا "اختاري" عورت نے کہا "اخترتُ نفسِي" یا عورت نے اس سے خلع کر لیا، پھر شوہر مر گیا اور عورت عدت میں ہے، تو ان تینوں صورتوں میں عورت اس کی وارث نہ ہوگی؛ کیونکہ عورت نے طلاق کا مطالبہ کر کے اپنے حق میراث کے ابطال پر خود رضامند ہو چکی ہے، اور گذشتہ مسئلہ میں طلاق کے عمل کو عدت گذرنے تک مؤخر کر دیا تھا تو وہ بھی عورت کے حق کی وجہ سے تھا، جبکہ اس صورت میں وہ خود اپنے حق کے ابطال پر راضی ہے لہٰذا طلاق کے عمل کو انقضاءِ عدت تک مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

{۵} اور اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ "مجھے ایک رجعی طلاق دیدو" شوہر نے اسے اکٹھی تین طلاقیں دیدیں پھر شوہر عدت گذرنے سے پہلے مر گیا، تو عورت میراث سے محروم نہ ہوگی اب بھی اسے میراث ملے گی؛ کیونکہ اس صورت میں اس نے اپنے حق کے ابطال پر رضامندی ظاہر نہیں کی ہے؛ کیونکہ اس نے تو رجعی طلاق طلب کی تھی اور طلاقِ رجعی نکاح کو زائل نہیں کرتی ہے، لہٰذا عورت طلاقِ رجعی کا مطالبہ کرنے سے اپنے حق کے بطلان پر راضی شمار نہ ہوگی اس لیے وہ میراث سے محروم بھی نہ ہوگی۔

{۶} اور اگر شوہر نے اپنے مرضِ موت میں بیوی سے کہا کہ "میں اپنی صحت کے زمانے میں تجھے تین طلاقیں دے چکا تھا اور تیری عدت بھی گذر گئی" اور بیوی نے اس کی تصدیق کی، اب شوہر نے اپنے ذمہ اس عورت کا قرض ہونے کا اقرار کر لیا کہ اس کا میرے ذمہ اتنا قرض ہے یا اپنے ترکہ میں سے اسے کچھ پیسے دینے کی وصیت کر دی، پھر شوہر مر گیا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس عورت کو وہ ملے گا جو قرض اور میراث یا وصیت اور میراث میں سے کم ہو۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اقرارِ دین اور وصیت دونوں صحیح ہیں خواہ میراث سے کم ہو یا زیادہ ہو وہی دیا جائے۔

{۷} اور اگر شوہر نے اپنے مرضِ وفات میں عورت کے مطالبہ پر عورت کو تین طلاقیں دیدیں، پھر عدت کے دوران عورت کے لیے قرض کا اقرار کیا یا عورت کے لیے کوئی وصیت کی، پھر شوہر مر گیا، تو باتفاق ائمہ ثلاثہ قرض اور میراث یا وصیت اور میراث میں

سے جو کم ہو عورت کے لیے وہی ہو گا۔ البتہ امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک جو کچھ وصیت کی ہے یا جو کچھ اقرار کیا ہے عورت کو وہ پورا ملے گا؛ کیونکہ عورت کے لیے اقرار اور وصیت سے مانع اس کا وارث ہونا تھا، مگر جب پہلے مسئلہ میں شوہر کے قول کی تصدیق کر دینے اور دوسرے مسئلہ میں طلاق کا مطالبہ کرنے سے اس کی میراث باطل ہو گئی، تو اب اس کے لیے اقرار اور وصیت سے کوئی مانع نہیں، لہٰذا شوہر نے اس کے لیے جتنی وصیت کی ہے یا جتنا اقرار کیا ہے وہ پورا اس کو ملے گا خواہ میراث سے کم ہو یا زیادہ ہو۔

اور صاحبینؒ کی دلیل پہلے مسئلہ میں یہ ہے کہ جب زوجین نے طلاق اور عدت گذر جانے پر اتفاق کر لیا تو یہ عورت اس سے اجنبیہ ہو گئی اس لیے اس کی وارث نہ ہو گی، حتی کہ اس کے لیے تو اب اس عورت کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے، لہٰذا زوجہ کو دیگر ورثہ پر ترجیح دینے کی تہمت ختم ہو گئی، آپ دیکھیں کہ اب اس عورت کے حق میں اس مرد کی گواہی قبول کی جائے گی، اور اس مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنی زکوۃ اس عورت کو دیدے، لہٰذا یہ عورت اس مرد سے اجنبیہ ہے اس لیے اس کے حق میں اقرار اور اس کے لیے وصیت بھی درست ہے۔

{۸} برخلافِ دوسرے مسئلہ کے؛ کیونکہ عدت باقی ہے اور عدت ہی اس عورت کو دیگر ورثہ پر ترجیح دینے کا سبب ہے، اور حکم (اقرار اور وصیت کی صحت اور عدمِ صحت) کا مدار ایک وارث کو دوسرے ورثہ پر ترجیح دینے کی تہمت پر ہے مگر یہاں تہمت امر باطن ہے جس پر مطلع ہونا ممکن نہیں ہے اس لیے یہاں دلیلِ تہمت (عدت کا باقی ہونا) پر حکم کا مدار رکھا، لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ عدت کے موجود ہونے سے تہمت موجود ہوتی ہے اور وجودِ تہمت کے وقت اقرار اور وصیت جائز نہیں، لہٰذا وجودِ عدت کے وقت بھی اقرار اور وصیت جائز نہ ہوں گے، چونکہ حکم (اقرار اور وصیت کی صحت اور عدمِ صحت) کا مدار دلیلِ تہمت پر ہے اس لیے نکاح اور قرابت پر اس کو دائر کر دیا یعنی اپنی منکوحہ اور اپنے قریبی رشتہ دار کے لیے وصیت اور اقرار صحیح نہیں اگرچہ مقصود ان کو دیگر ورثہ پر ترجیح دینا نہ ہو۔ اور چونکہ پہلے مسئلہ میں زوجین نے انقضاءِ عدت پر اتفاق کیا ہے اس لیے عدت نہیں، اور جب عدت نہیں تو دلیلِ تہمت بھی نہیں، لہٰذا اس صورت میں عورت کے لیے مرد کا اقرار اور وصیت جائز ہیں۔

{۹} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں مسئلوں میں تہمت موجود ہے دوسرے مسئلہ میں تو بالاتفاق تہمت موجود ہے اور پہلے مسئلہ میں اس لیے کہ عورت کبھی اپنی رضامندی سے طلاق کو اختیار کرتی ہے تاکہ اس کے لیے اقرار اور وصیت کا دروازہ کھل جائے اس طرح اس کو حصہ میراث سے زیادہ ملے، اور زوجین کبھی فرقت اور انقضاءِ عدت پر اس غرض کے لیے اتفاق کر لیتے ہیں تاکہ شوہر اپنے مال کے ساتھ اس پر اس کے حصہ میراث سے زیادہ تبرع اور احسان کر لے، اس لیے ایک وارث (زوجہ) کو دیگر ورثہ پر ترجیح دینے کی تہمت موجود ہے۔ اور تہمت میراث سے زائد مقدار میں موجود ہے اس لیے ہم نے اس زیادتی کو رد کر دیا اور بقدرِ میراث

اقرار اور وصیت میں کوئی تہمت نہیں اس لیے ہم نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ اقرار اور میراث یا وصیت اور میراث میں سے جو کم ہو وہی دلایا جائے۔

﴿۱۰﴾ باقی صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ "عورت اجنبیہ ہو گئی ہے اسی لیے تو شوہر کا اس کو زکوۃ دینا، اس کی بہن سے نکاح کرنا اور اس کے حق میں گواہی درست ہیں لہذا تہمت کا اعتبار نہیں" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اقرار اور وصیت دلانے کے لیے تو عام طور پر زوجین طلاق اور انقضاءِ عدت پر اتفاق کرتے ہیں اس لیے تہمت موجود ہے، مگر ان احکام کے بارے میں عموماً طلاق اور انقضاءِ عدت پر اتفاق نہیں کرتے ہیں؛ کیونکہ یہ تو محض حماقت ہے کہ زوجہ کی بہن سے نکاح کو درست ثابت کرنے کے لیے زوجین طلاق اور انقضاءِ عدت پر اتفاق کرلیں اسی طرح زکوۃ اور شہادت بھی ہیں لہذا ان کے حق میں یہی سمجھا جائے گا کہ طلاق اور انقضاءِ عدت کا اقرار واقعی ہے، پس ان احکام کے حق میں تہمت موجود نہیں اس لیے یہ صحیح ہیں۔

فتویٰ:۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی البحرالرائق: هَذَا حَاصِلُ مَا فِي الْهِدَايَةِ، وَقَرَّرَهُ الشَّارِحُونَ مِنْ غَيْرِ تَعَقُّبٍ، وَهُوَ ظَاهِرٌ فِي أَنَّهُ إذَا أَقَرَّ بِالطَّلَاقِ مُنْذُ زَمَانٍ، وَصَدَّقَتْهُ أَنَّ الْعِدَّةَ تُعْتَبَرُ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ بِدَلِيلِ أَنَّهُمْ اتَّفَقُوا هُنَا أَنَّهُ يَجُوزُ لَهُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إلَيْهَا وَشَهَادَتُهُ لَهَا وَتَزَوُّجُهَا وَهُوَ خِلَافُ مَا صَرَّحُوا بِهِ فِي الْعِدَّةِ مِنْ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى أَنَّ الْعِدَّةَ تُعْتَبَرُ مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ كَمَا فِي الْهِدَايَةِ وَالْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهِمَا فَلَا يَثْبُتُ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ الْأَحْكَامِ ، وَلَا تَزَوُّجُهُ بِأُخْتِهَا وَأَرْبَعٍ سِوَاهَا أَيْضًا فَحِينَئِذٍ ظَهَرَتْ التُّهْمَةُ فِي إقْرَارِهِ وَوَصِيَّتِهِ . (البحرالرائق:۴/۴۵)

﴿۱﴾ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَمَنْ كَانَ مَحْصُورًا أَوْ فِي صَفِّ الْقِتَالِ فَطَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا لَمْ تَرِثْهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ بَارَزَ
فرمایا: اور جو شخص محصور ہو یا لڑائی کی صف میں ہو پس اس نے تین طلاقیں دیں اپنی بیوی کو تو وہ وارث نہ ہوگی اس کی، اور اگر وہ نکلا ہو

رَجُلًا أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ فِي قِصَاصٍ أَوْ رَجْمٍ وَرِثَتْ إنْ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ
کسی شخص سے مقابلہ کے لیے یا پیش کیا گیا ہو تاکہ قتل کیا جائے قصاص یا رجم میں تو وارث ہوگی اگر وہ مر گیا اسی وجہ میں یا قتل کیا گیا،

وَأَصْلُهُ مَا بَيَّنَّا أَنَّ امْرَأَةَ الْفَارِّ تَرِثُ اسْتِحْسَانًا . ﴿۲﴾ وَإِنَّمَا يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِتَعَلُّقِ حَقِّهَا
اور اس کی اصل وہی ہے جو ہم بیان کرچکے کہ بھاگنے والے کی بیوی وارث ہوگی استحساناً، اور ثابت ہوتا ہے حکم فرار جب متعلق ہو جائے عورت کا حق

بِمَالِهِ ، وَإِنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِمَرَضٍ يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ غَالِبًا كَمَا إذَا كَانَ صَاحِبَ الْفِرَاشِ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ
اس کے مال کے ساتھ، اور حق متعلق ہوتا ہے ایسے مرض سے جس سے خوفِ ہلاکت غالب ہو جیسا کہ جب وہ ہو صاحبِ فراش، اور وہ یہ کہ ہو

بِحَالٍ لَا يَقُومُ بِحَوَائِجِهِ كَمَا يَعْتَادُهُ الْأَصِحَّاءُ ، ﴿۳﴾ وَقَدْ يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِمَا
ایسی حالت میں جو پوری نہ کر سکتا ہو اپنی ضروریات جیسا کہ انجام دیتے ہیں عادۃً تندرست لوگ، اور کبھی ثابت ہوتا ہے حکم فرار اس چیز سے

في معنى المَرَضِ فِي تَوَجُّهِ الهَلَاكِ الغَالِبِ، وَمَايَكُونُ الغَالِبُ مِنهُ السَّلَامَةَ لَايَثْبُتُ بِهِ حُكْمُ الفِرَارِ، فَالمَحْصُورُ وَالَّذِي
جو مرض کے معنی میں ہو غالب ہلاکت متوجہ ہونے میں اور جو ہو غالب اس سے سلامتی، ثابت نہیں ہوتا اس سے حکم فرار، پس محصور اور وہ

في صَفِّ القِتَالِ الغَالِبُ مِنهُ السَّلَامَةُ لِأَنَّ الحِصْنَ لِدَفْعِ بَأْسِ العَدُوِّ وَكَذَا المَنَعَةُ فَلَا يَثْبُتُ
جو لڑائی کی صف میں ہو غالب اس سے سلامتی ہے؛ کیونکہ قلعہ دشمن کا ضرر دفع کرنے کے لیے ہوتا ہے، ایسا ہی لشکر ہے، پس ثابت نہ ہوگا

بِهِ حُكْمُ الفِرَارِ، ﴿۴﴾ وَالَّذِي بَارَزَ أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ الغَالِبُ مِنهُ الهَلَاكُ فَيَتَحَقَّقُ بِهِ الفِرَارُ وَلِهَذَا أَخَوَاتٌ
اس سے حکم فرار، اور جو مقابلہ کے لیے نکلا یا آگے کیا گیا تاکہ قتل کیا جائے غالب اس سے ہلاکت ہے پس متحقق ہوگا اس سے فرار، اور اس کے نظائر ہیں

تُخَرَّجُ عَلَى هَذَا الحَرْفِ ﴿۵﴾ وَقَوْلُهُ إِذَا مَاتَ فِي ذَلِكَ الوَجْهِ أَوْ قُتِلَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا
جو نکالے جائیں گے اسی اصل پر۔ اور امام محمدؒ کا قول "جب مرجائے اسی وجہ میں یا قتل کردیا جائے" دلیل ہے اس پر کہ فرق نہیں جب

مَاتَ بِذَلِكَ السَّبَبِ أَوْبِسَبَبٍ آخَرَ كَصَاحِبِ الفِرَاشِ بِسَبَبِ المَرَضِ إِذَاقُتِلَ. ﴿۶﴾ وَإِذَاقَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ وَهُوَ
وہ مرجائے اسی سبب سے یا کسی دوسرے سبب سے جیسے صاحبِ فراش بسببِ مرض جب قتل کردیا جائے۔ اور اگر کہا مرد نے اپنی بیوی سے حالانکہ وہ

صَحِيحٌ إِذَاجَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ أَوْ إِذَادَخَلْتِ الدَّارَ أَوْ إِذَا صَلَّى فُلَانٌ الظُّهْرَ أَوْ إِذَا دَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَ
تندرست ہے "جب مہینے کا شروع آجائے یا جب تو داخل ہوجائے گھر میں، یا جب نماز پڑھے فلاں ظہر کی، یا جب داخل ہوجائے فلاں گھر میں

فَأَنْتِ طَالِقٌ فَكَانَتْ، هَذِهِ الأَشْيَاءُ وَالزَّوْجُ مَرِيضٌ لَمْ تَرِثْ، وَإِنْ كَانَ القَوْلُ فِي المَرَضِ وَرِثَتْ إِلَّا فِي قَوْلِهِ
تو تو طلاق ہے" اور یہ چیزیں پائی گئیں اس حال میں کہ زوج بیمار ہے تو وارث نہ ہوگی، اور اگر شوہر کا قول مرض میں ہو تو وارث ہوگی مگر اس کے قول

إِذَادَخَلْتِ الدَّارَ ﴿۷﴾ وَهَذَاعَلَى وُجُوهٍ: إِمَّاأَنْ يُعَلِّقَ الطَّلَاقَ بِمَجِيءِ الوَقْتِ أَوْبِفِعْلِ الأَجْنَبِيِّ أَوْبِفِعْلِ نَفْسِهِ أَوْبِفِعْلِ المَرْأَةِ،
"إِذَادَخَلْتِ الدَّارَ" میں اور یہ کئی صورتوں پر ہے، یا تو معلق کردے طلاق کو وقت کے آنے پر، یا اجنبی کے فعل پر یا اپنے فعل پر یا عورت کے فعل پر

وَكُلُّ وَجْهٍ عَلَى وَجْهَيْنِ: إِمَّاإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي المَرَضِ أَوْكِلَاهُمَافِي المَرَضِ. أَمَّا الوَجْهَانِ الأَوَّلَانِ
اور ہر ایک صورت کی دو وجہیں ہیں، یا تو ہوگی تعلیق صحت میں اور شرط مرض میں یا دونوں مرض میں، بہر حال پہلی دو وجہیں

وَهُوَمَا إِذَا كَانَ التَّعْلِيقُ بِمَجِيءِ الوَقْتِ بِأَنْ قَالَ إِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بِفِعْلِ الأَجْنَبِيِّ بِأَنْ قَالَ
اور وہ یہ کہ ہو تعلیق کسی وقت کے آنے پر بایں طور کہ کہے "جب آئے مہینے کا شروع تو تو طلاق ہے" یا ہو تعلیق فعلِ اجنبی پر بایں طور کہ کہے

إِذَادَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَأَوْصَلَّى فُلَانٌ الظُّهْرَ، فَإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ وَالشَّرْطُ فِي المَرَضِ فَلَهَاالمِيرَاثُ لِأَنَّ القَصْدَإِلَى الفِرَارِ
"جب فلاں داخل ہوجائے گھر میں یا پڑھے فلاں ظہر" پس اگر ہو تعلیق اور شرط مرض میں تو عورت کے لیے میراث ہوگی؛ کیونکہ قصدِ فرار

قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهُ بِمُبَاشَرَةِ التَّعْلِيقِ فِي حَالِ تَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهِ، ﴿۸﴾ وَإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصِّحَّةِ

متحقق ہو گیا اس کی جانب سے ارتکابِ تعلیق کی وجہ سے ایسی حالت میں کہ متعلق ہو چکا اس کا حق مرد کے مال کے ساتھ، اور اگر ہو تعلیق صحت میں

وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ لَمْ تَرِثْ.وَقَالَ زُفَرُ تَرِثُ لِأَنَّ الْمُعَلَّقَ بِالشَّرْطِ يَنْزِلُ عِنْدَ وُجُودِ الشَّرْطِ كَالْمُنَجَّزِ

اور شرط مرض میں تو وارث نہ ہوگی۔اور فرمایا امام زفرؒ نے وارث ہوگی؛کیونکہ معلق بالشرط اترتا ہے وجودِ شرط کے وقت منجز کی طرح

فَكَانَ إِيقَاعًافِي الْمَرَضِ.وَلَنَا أَنَّ التَّعْلِيقَ السَّابِقَ يَصِيرُ تَطْلِيقًا عِنْدَ الشَّرْطِ حُكْمًا لَا قَصْدًا وَلَا ظُلْمَ

پس ہو گیا ایقاع مرض میں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تعلیق سابق ہو جاتی ہے تطلیق وجودِ شرط کے وقت حکماً نہ قصداً، اور ظلم متحقق نہیں ہوتا

إِلَّاعَنْ قَصْدٍ فَلَايُرَدُّ تَصَرُّفُهُ.{۹}وَأَمَّا الْوَجْهُ الثَّالِثُ وَهُوَمَاإِذَاعَلَّقَهُ بِفِعْلِ نَفْسِهِ فَسَوَاءٌ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصِّحَّةِ

مگر قصد سے پس رد نہ ہوگا اس کا تصرف اور رہی تیسری صورت اور وہ یہ کہ معلق کردے طلاق اپنے فعل پر تو برابر ہے کہ ہو تعلیق صحت میں

وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ أَوْ كَانَا فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهُ مِنْهُ بُدٌّ أَوْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ يَصِيرُ

اور شرط مرض میں یا ہوں دونوں مرض میں اور فعل ایسا ہو کہ شوہر کے لیے اس سے چارہ ہو یا چارہ نہ ہو اس کے لیے اس سے تو ہو جائے گا

فَارًّالِوُجُودِقَصْدِالْإِبْطَالِ،إِمَّابِالتَّعْلِيقِ أَوْبِمُبَاشَرَةِ الشَّرْطِ فِي الْمَرَضِ ،{۱۰}وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مِنْ فِعْلِ الشَّرْطِ بُدٌّ

فار قصدِ ابطال پائے جانے کی وجہ سے یا تعلیق کی وجہ سے یا ارتکابِ شرط کی وجہ سے مرض میں، اور اگر نہ تھا اس کے لیے فعل شرط سے چارہ

فَلَهُ مِنَ التَّعْلِيقِ أَلْفُ بُدٍّ فَيُرَدُّ تَصَرُّفُهُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا .{۱۱}وَأَمَّا الْوَجْهُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا

تو اس کے لیے تعلیق سے ہزار چارے ہیں، پس رد کیا جائے گا اس کا تصرف دفعِ ضرر کے لیے عورت سے۔اور رہی چوتھی صورت اور وہ یہ کہ

إِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِهَا ، فَإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ

جب معلق کردے طلاق کو عورت کے فعل پر، تو اگر ہو تعلیق اور شرط مرض میں اور فعل ایسا ہو کہ عورت کے لیے اس سے چارہ ہو

كَكَلَامِ زَيْدٍ وَنَحْوِهِ لَمْ تَرِثْ لِأَنَّهَا رَاضِيَةٌ بِذَلِكَ ،{۱۲}وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ

جیسے زید کے ساتھ کلام کرنا وغیرہ تو وارث نہ ہوگی؛کیونکہ وہ راضی ہے اس پر اور اگر ہو فعل ایسا کہ چارہ نہ ہو عورت کے لیے اس سے

كَأَكْلِ الطَّعَامِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ وَكَلَامِ الْأَبَوَيْنِ تَرِثُ لِأَنَّهَا مُضْطَرَّةٌ فِي الْمُبَاشَرَةِ لِمَا لَهَا فِي الِامْتِنَاعِ

جیسے کھانا کھانا اور نمازِ ظہر اور والدین سے کلام کرنا تو وارث ہوگی؛کیونکہ عورت مضطر ہے ارتکاب کرنے میں؛کیونکہ اس کو ترک جانے میں

مِنْ خَوْفِ الْهَلَاكِ فِي الدُّنْيَاأَوْفِي الْعُقْبَى وَلَارِضَامَعَ الِاضْطِرَارِ.وَأَمَّاإِذَاكَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصِّحَّةِوَ الشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ

خوفِ ہلاکت ہے دنیا میں یا آخرت میں، اور رضامندی نہیں ہوتی اضطرار کے ساتھ بہر حال اگر ہو تعلیق صحت میں اور شرط مرض میں،

فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ فَلَا إِشْكَالَ أَنَّهُ لَا مِيرَاثَ لَهَا ،{۱۳}وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا بُدَّ لَهَا

تو اگر ہو فعل ایسا کہ عورت کے لیے اس سے چارہ ہو تو کوئی اشکال نہیں کہ میراث نہیں ہے اس کے لیے، اور اگر فعل ایسا ہو کہ چارہ نہ ہو اس کے لیے

مِنْهُ لَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ مِنَ الزَّوْجِ صُنْعٌ بَعْدَمَا تَعَلَّقَ
اس سے تو بھی یہی حکم ہے امام محمدؒ کے نزدیک اور یہ قول ہے امام زفرؒ کا؛ کیونکہ نہیں پایا گیا زوج کی جانب سے کوئی فعل بعد اس کے کہ متعلق ہوا

حَقُّهَا بِمَالِهِ . ﴿۱۴﴾ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَرِثُ لِأَنَّ الزَّوْجَ أَلْجَأَهَا إِلَى الْمُبَاشَرَةِ فَيَنْتَقِلُ
عورت کا حق زوج کے مال کے ساتھ۔ اور شیخینؒ کے نزدیک وارث ہوگی؛ کیونکہ زوج نے مجبور کیا عورت کو ارتکاب کرنے پر پس منتقل ہو جائے گا

الْفِعْلُ إِلَيْهِ كَأَنَّهَا آلَةٌ لَهُ كَمَا فِي الْإِكْرَاهِ .
فعل مرد کی طرف گویا عورت آلہ ہے مرد کے لیے جیسا کہ اکراہ میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے فار ہونے یا نہ ہونے کی بعض صورتوں کا تذکرہ دلائل سمیت کیا ہے۔ اور نمبر۲ میں فار کی تعریف کی ہے۔ اور نمبر۳ میں فرار کا مرض میں منحصر نہ ہونے کو دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور نمبر۴ میں فرار کی دو صورتوں کا تذکرہ کیا ہے، اور نمبر۵ میں متن کے ایک جملے کی وضاحت کی ہے۔ اور نمبر۶ تا ۱۳ میں بعض صورتوں کے بارے میں تحقیق کی ہے کہ شوہر فار ہے یا نہیں، اور بعض صورتوں میں ائمہ کا اختلاف دلائل کے ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر کوئی شخص قلعہ میں محصور ہو دشمن نے قلعہ کا محاصرہ کیا ہو، یا جنگ کی صف میں کھڑا ہو ایسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، پھر یہ شخص مرگیا تو اس کی بیوی اس کی وارث نہ ہوگی۔ اور اگر یہ شخص جنگ میں اپنے سے زیادہ قوی شخص کے مقابلے کے لئے میدان میں اتر آیا (پرانے زمانے کی جنگ کا نقشہ ہے جس وقت کہ لوگ تلواروں اور نیزوں سے لڑتے تھے جبکہ آج کے دور کی جنگ کا یہ نقشہ نہیں)، یا کوئی شخص قصاص میں مارے جانے یا سنگسار کئے جانے کے لئے لایا گیا، اور اس نے اس وقت اپنی بیوی کو طلاق دیدی پس اگر یہ شخص اسی سبب سے مرگیا یا کسی اور وجہ سے اس کو قتل کر دیا گیا، تو اس کی بیوی اس کی وارث ہوگی؛ وجہ وہی ہے جو باب کے شروع میں گذر چکی کہ امرأۃ الفار (وارثِ زوجہ سے راہِ فرار اختیار کرنے والے کی بیوی) استحساناً وارث ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ باقی یہ کہ شوہر فار (راہِ فرار اختیار کرنے والا) کب شمار ہوتا ہے؟ تو صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ متعلق ہو جائے اس وقت اقدام طلاق کرنے سے شوہر فار شمار ہوتا ہے، اور عورت کا حق شوہر کے مال سے اس وقت متعلق ہوتا ہے کہ شوہر کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے جس سے اس کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً شوہر صاحبِ فراش ہو یعنی ایسا مریض ہو کہ وہ اپنی ضروریات (مسجد جانا، بیت الخلاء جانا وغیرہ) کو اس طرح پورا نہ کر سکتا ہو جیسا کہ عام طور پر تندرست لوگ پورا کرتے ہیں، تو ایسا مریض صاحبِ فراش ہے اور اس کے مال کے ساتھ عورت کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔

{۳} یہ بھی یاد رہے کہ فرار کا حکم مرض میں منحصر نہیں بلکہ کبھی ایسی چیز سے بھی فرار کا حکم ثابت ہوتا ہے جو چیز مرض موت کے معنی میں ہے یعنی اس سے ہلاک ہونے کا خوف غالب ہو، اور جس سے ہلاک ہونے کا خوف غالب نہ ہو بلکہ سلامتی غالب ہو اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوتا، پس جو شخص دشمن سے قلعہ میں محصور ہو یا لڑائی کی صف میں کھڑا ہو اس سے غالب سلامتی ہے؛ کیونکہ قلعہ دشمن کے ضرر کو دفع کرنے ہی کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح اپنے لشکر کے ساتھ صف میں کھڑے ہونے میں غالب سلامتی ہے، اس لیے ان دو صورتوں میں حکم فرار ثابت نہ ہوگا۔

{۴} باقی جو شخص اپنے سے قوی مقابل کے مقابلے کے لیے میدان میں اترے، اور وہ شخص جو قتل کے لیے لایا گیا ہو ان دونوں میں ہلاکت غالب ہے، لہٰذا اس سے حکم فرار ثابت ہوگا۔ اور اس مسئلہ کے بہت سے نظائر ہیں جن کی تخریج اسی اصول پر کی جائے گی مثلاً کشتی میں سوار شخص تندرست کے حکم میں ہے اور اگر کشتی موجوں میں گھری ہوئی ہو تو یہ شخص مریض کے حکم میں ہوگا۔

{۵} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کا قول "إِذَا مَاتَ فِي ذَٰلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ" اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر اسی سبب سے مرے یا کسی دوسرے سبب سے دونوں کا حکم ایک ہے یعنی مرض موت میں مبتلا صاحبِ فراش شخص اگر اسی مرض سے نہیں مرا بلکہ کسی نے اس کو قتل کر دیا تب بھی یہ فار شمار ہوگا اور اس کی بیوی اس کی وارث ہوگی۔

{۶} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے حالتِ تندرستی میں کہا "جب مہینے کی شروع تاریخ آئے تو تُو طلاق ہے" یا "اگر تو گھر میں داخل ہو گئی تو تُو طلاق ہے" یا "جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے تو تُو طلاق ہے" یا "جب فلاں گھر میں داخل ہو جائے تو تُو طلاق ہے" تو اگر ان چاروں صورتوں میں شرط (مہینے کی پہلی تاریخ اور دخولِ دار وغیرہ) اس وقت پائی گئی کہ شوہر مرضِ موت میں مبتلا ہے تو یہ شخص فار شمار نہ ہوگا لہٰذا عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر نے مرضِ موت میں طلاق کو ان شرطوں کے ساتھ معلق کر دیا پھر وہ مر گیا تو ایک صورت یعنی "اگر تو گھر میں داخل ہو گئی تو تُو طلاق ہے" کے علاوہ باقی تین صورتوں میں مرد فار شمار ہوگا اور عورت اس کی وارث ہوگی۔

{۷} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ کی چار صورتیں ہیں (۱) کہ شوہر طلاق کو وقت آنے پر معلق کر دے (۲) کسی اجنبی کے فعل پر معلق کر دے (۳) شوہر اپنے کسی فعل پر معلق کر دے (۴) عورت کے کسی فعل پر معلق کر دے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ شوہر نے تعلیق حالتِ صحت میں کی ہو اور شرط مرضِ موت میں پائی جائے، دوم یہ ہے کہ تعلیق اور شرط دونوں مرضِ موت میں پائی جائیں، اور چار کو دو میں ضرب دینے سے کل آٹھ صورتیں بنتی ہیں۔

پھر پہلی دو صورتوں میں یعنی اول یہ کہ تعلیق کسی وقت کے آنے پر ہو مثلاً شوہر نے کہا "جب مہینے کی پہلی تاریخ آئے تو طلاق ہے" اور دوم یہ کہ تعلیق کسی اجنبی شخص کے فعل پر ہو مثلاً شوہر نے کہا "جب فلاں شخص گھر میں داخل ہو یا فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے طلاق ہے" اگر تعلیق اور شرط دونوں مرضِ موت میں ہوں، پھر شوہر مر گیا، تو عورت کے لیے میراث ہوگی؛ کیونکہ شوہر کی طرف سے فرار کا قصد ثابت ہوا اس لیے کہ اس کی طرف سے تعلیق کی مباشرت اس حال میں پائی گئی کہ عورت کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے طلاق دینا فار کی طلاق شمار ہوگی اور فار کی بیوی میراث کی حقدار ہوتی ہے۔

{8} اور اگر تعلیق صحت میں ہو اور شرط مرضِ موت میں پائی گئی، پھر شوہر مر گیا، تو عورت وارث نہ ہوگی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی عورت وارث ہوگی؛ کیونکہ معلّق طلاق وجودِ شرط کے وقت منجز (فی الحال غیر معلّق) کی طرح واقع ہوتی ہے، لہٰذا معلّق بالشرط طلاق واقع کرنا مرضِ موت میں ہوا اور مرضِ موت میں طلاق واقع کرنے سے شوہر فار شمار ہوگا اور فار کی بیوی وارث ہوتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تعلیقِ سابق وجودِ شرط کے وقت حکماً تطلیق (طلاق دینا) شمار ہوتی ہے قصداً تطلیق نہیں ہے جبکہ مرضِ موت میں قصداً طلاق دینے سے عورت کے حق سے فرار اور ظلم ثابت ہوتا ہے حکماً طلاق دینے سے ظلم ثابت نہیں ہوتا ہے لہٰذا شوہر نے جو حالتِ صحت میں معلّق بالشرط طلاق دینے کا تصرف کیا تھا وہ اس پر رد نہیں کیا جائے گا کہ اس سے کہا جائے کہ تیری طلاق چونکہ فار کی طلاق ہے لہٰذا اس کا عمل انقضاءِ عدت تک مؤخر ہوگا اس دوران میں اگر تو مر گیا تو تیری بیوی تیری وارث ہوگی۔

{9} رہی تیسری صورت اور وہ یہ ہے کہ شوہر طلاق کو اپنے کسی فعل پر معلّق کردے تو خواہ تعلیق صحت میں ہو اور شرط مرض میں ہو یا دونوں مرض میں ہوں، اور خواہ شوہر کا معلّق بہ فعل ایسا ہو کہ اس سے اس کو چارہ ہو مثلاً یوں کہے "اگر میں نے زید کے ساتھ کلام کیا تو تُو طلاق ہے" اور یا شوہر کو اس سے چارہ نہ ہو مثلاً اس طرح کہے "اگر میں نے کھانا کھایا تو تو طلاق ہے" پھر شوہر مر گیا تو عورت کے لیے میراث ہوگی؛ کیونکہ یہ شخص فار ہے اس لیے کہ اس نے ابطالِ حق کا قصد کیا ہے بایں طور کہ اس نے تعلیقِ طلاق مرضِ موت میں کی ہے اور مرضِ موت میں تعلیقِ طلاق سے وہ فار شمار ہوتا ہے اس لیے اس کی بیوی وارث ہوگی، یا یہ کہ تعلیق اگرچہ صحت میں ہے مگر فعل کی مباشرت اس نے مرضِ موت میں کی ہے اس لیے یہ شخص فار ہے۔

{10} سوال یہ ہے کہ اگر معلّق بہ فعل ایسا ہو کہ اس سے شوہر کو چارہ نہ ہو جیسے کھانا کھانے پر طلاق کو معلق کرنا تو ایسے فعل کی مباشرت اگرچہ اس نے مرضِ وفات میں کی ہے مگر چونکہ اس کو اس سے چارہ نہیں اس لیے وہ مجبور ہے جس کی وجہ سے وہ ظالم شمار نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کے تصرف کو اس پر رد نہیں کیا جانا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ ایسے فعل سے اگرچہ اس کو چارہ نہیں اس

لیے وہ مجبور ہے مگر ایسے فعل پر طلاق معلّق کرنے سے اس کو ہزار طرح کا چارہ حاصل تھا مثلاً ایسے ہزار افعال ہیں جن سے اس کو چارہ تھا تو ان پر طلاق کو معلق کر دیتا ان سب افعال کو چھوڑ کر ایسے فعل پر معلق کرنا جس سے اب اس کو چارہ نہیں تو یہ اس کی طرف سے ظلم ہے لہٰذا عورت سے دفع ضرر (میراث سے محرومی کا ضرر) کے لیے شوہر کا یہ تصرف اس پر رد کیا جائے گا اور عورت کو میراث کا حقدار قرار دیا جائے گا۔

{۱۱} اور چوتھی صورت میں یعنی کہ طلاق کو عورت کے کسی فعل پر معلّق کیا ہو اگر تعلیق اور شرط دونوں مرض موت میں ہوں اور معلّق بہ فعل ایسا ہو کہ جس سے عورت کو چارہ ہو مثلاً شوہر نے کہا تھا کہ "اگر تو نے زید کے ساتھ کلام کیا تو تجھے طلاق ہے" اب عورت نے زید کے ساتھ کلام کیا، پھر شوہر مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی؛ مشروط بہ فعل کا ارتکاب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے حق وراثت کے بطلان پر خود راضی ہے؛ کیونکہ اس فعل کے ترک کی اس کے لیے گنجائش تھی، پھر بھی اس نے اس کا ارتکاب کیا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ اپنے حق کے بطلان پر خود راضی ہے۔

{۱۲} اور اگر یہ فعل ایسا ہو کہ عورت کے لیے اس فعل کے ارتکاب سے چارہ نہ ہو مثلاً شوہر نے کہا کہ "اگر تو نے کھانا کھایا، یا ظہر کی نماز پڑھی، یا ماں باپ کے ساتھ کلام کیا" جن سے عورت کو چارہ نہیں، تو اس صورت میں اگر شرط پائی گئی پھر شوہر مر گیا تو عورت وارث ہوگی؛ کیونکہ ان افعال کی مباشرت کرنے پر عورت مجبور ہے اس لیے کہ اگر وہ کھانا نہیں کھائے گی تو دنیا میں ہلاکت کا خوف ہے اور اگر نماز نہیں پڑھے گی یا والدین کے ساتھ کلام نہیں کرے گی تو آخرت میں ہلاکت کا خوف ہے اور اضطرار کے ساتھ رضامندی ثابت نہیں ہوتی ہے یعنی ان افعال کے ارتکاب سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عورت اپنے حق وارثت کے ساقط کرنے پر خود راضی ہے، اس لیے وہ وارث ہوگی۔

اور اگر مذکورہ بالا صورت میں شوہر نے تعلیق حالتِ صحت میں کی ہے اور شرط حالتِ مرض میں پائی گئی، تو اگر وہ فعل ایسا ہو جس سے عورت کو چارہ ہو مثلاً دخولِ دار پر طلاق کو معلق کیا ہو تو دخولِ دار سے عورت کو چارہ ہے پھر بھی وہ دار میں داخل ہوگئی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور چونکہ وہ اپنے حقِ میراث کو ساقط کرنے پر خود راضی ہے اس لیے اس کو میراث نہیں ملے گی۔

{۱۳} اور اگر معلّق بہ فعل ایسا ہو جس سے عورت کو چارہ نہ ہو جیسے کھانا کھانا نماز پڑھنا وغیرہ، تو بھی امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک یہی جواب ہے یعنی عورت کو میراث نہیں ملے گی؛ کیونکہ تعلیق کے وقت شوہر کے مال کے ساتھ عورت کا حق متعلق نہیں، اور جس وقت وہ مریض ہوا اور عورت کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو گیا اس وقت شوہر نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا ہے جس سے اس کا فاز ہونا ثابت ہو، اور جب وہ فاز نہیں تو عورت امرأۃ الفاز نہیں، اس لیے وارث نہ ہوگی۔

{۱۲} شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مذکورہ صورت میں فعل ایسا ہو جس سے عورت کو چارہ نہ ہو تو عورت وارث ہوگی کیونکہ شوہر نے عورت کو اس فعل کی مباشرت پر مجبور کیا، اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کو کسی کام پر مجبور کردے وہ کام مجبور کرنے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے لہذا عورت کا یہ فعل مرد کی طرف منسوب ہوگا اور عورت گویا اس فعل میں مرد کا آلہ ہے، جیسا کہ اکراہ کی صورت میں مجبور کا فعل مجبور کرنے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے مثلاً زید نے عمرو کو کسی شخص کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا تو مال کا تلف کرنا زید کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ عمرو کی طرف؛ کیونکہ مکرَہ کا فعل مکرِہ کی طرف منسوب ہوتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی عورت کا فعل مرد کی طرف منسوب ہوگا، اور مرض موت میں معلّق بہ فعل کا ارتکاب کرنے سے شوہر فارّ شمار ہوتا ہے اس لیے اس کی بیوی وارث ہوگی۔

فتویٰ:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے لمافی الدرالمختار: (أَوْ عَلَّقَ بِفِعْلِهَا وَلَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ) طَبْعًا أَوْ شَرْعًا كَأَكْلٍ وَكَلَامِ أَبَوَيْنِ (وَهُمَا فِي الْمَرَضِ أَوْ الشَّرْطِ) فِيهِ فَقَطْ- وقال العلامةُ ابن عابدين: (قَوْلُهُ أَوِ الشَّرْطِ فِيهِ فَقَطْ) فِيهِ خِلَافُ مُحَمَّدٍ؛ فَعِنْدَهُ إذَا كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصِّحَّةِ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا مُطْلَقًا. قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَصَحَّحُوا قَوْلَ مُحَمَّدٍ، وَنَقَلَ فِي النَّهْرِ تَصْحِيحَهُ عَنْ فَخْرِ الْإِسْلَامِ (الدرالمختارمع الشامية:۲/۵۶۹)

{۱}قَالَ وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهُوَ مَرِيضٌ ثُمَّ صَحَّ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَرِثْ وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ :

امام محمدؒ نے فرمایا: اور اگر مرد نے عورت کو تین طلاقیں دیں حالانکہ وہ مریض ہے پھر تندرست ہوا پھر مر گیا تو وارث نہ ہوگی، اور فرمایا امام زفرؒ نے

تَرِثُ لِأَنَّهُ قَصَدَ الْفِرَارَ حِينَ أَوْقَعَ فِي الْمَرَضِ وَقَدْ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ،

وارث ہوگی؛ کیونکہ اس نے قصد کیا فرار کا جس وقت کہ اس نے واقع کردی مرض میں اور حال یہ کہ وہ مر گیا اور عورت عدت میں ہے،

وَلَكِنَّا نَقُولُ:الْمَرَضُ إذَا تَعَقَّبَهُ بُرْءٌ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الصِّحَّةِ لِأَنَّهُ يَنْعَدِمُ بِهِ مَرَضُ الْمَوْتِ فَتَبَيَّنَ

لیکن ہم کہتے ہیں کہ مرض کے بعد جب آئی تندرستی تو وہ بمنزلہ صحت کے ہے؛ کیونکہ معدوم ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے مرض الموت پس ظاہر ہو گیا

أَنَّهُ لَا حَقَّ لَهَا يَتَعَلَّقُ بِمَالِهِ فَلَا يَصِيرُ الزَّوْجُ فَارًّا . {۲}وَلَوْ طَلَّقَهَا فَارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ

کہ کوئی ایسا حق نہیں کہ متعلق ہو مرد کے مال کے ساتھ، پس نہ ہوگا زوج فارّ، اور اگر طلاق دی عورت کو پھر وہ مرتدہ ہو گئی العیاذ باللہ

ثُمَّ أَسْلَمَتْ ثُمَّ مَاتَ الزَّوْجُ مِنْ مَرَضِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْ ،{۳}وَإِنْ لَمْ تَرْتَدَّ بَلْ طَاوَعَتْ

پھر وہ مسلمان ہو گئی پھر مر گیا زوج اسی مرض سے حالانکہ عورت عدت میں ہے تو وارث نہ ہوگی، اور اگر وہ مرتدہ نہ ہوئی بلکہ مطاوعت کی

ابْنَ زَوْجِهَا فِي الْجِمَاعِ وَرِثَتْ .وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّهَا بِالرِّدَّةِ أَبْطَلَتْ أَهْلِيَّةَ الْإِرْثِ إذِ الْمُرْتَدُّ

اپنے شوہر کے بیٹے کی جماع کے سلسلہ میں تو وارث ہوگی، اور وجہ فرق یہ ہے کہ اس نے ردّت کی وجہ سے باطل کردی اہلیتِ میراث؛ کیونکہ مرتد

لَا يَرِثُ أَحَدًا وَلَا بَقَاءَ لَهُ بِدُونِ الْأَهْلِيَّةِ ، وَبِالْمُطَاوَعَةِ مَا أَبْطَلَتِ الْأَهْلِيَّةَ لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ لَا تُنَافِي

وارث نہیں ہوتا کسی کا اور بقاء نہیں وارث ہونے کے لیے اہلیت کے بغیر، اور مطاوعت سے باطل نہیں کی ہے اہلیت کو؛ کیونکہ محرمیت منافی نہیں

الْإِرْثَ وَهُوَ الْبَاقِي ، بِخِلَافِ مَا إِذَا طَاوَعَتْ فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ لِأَنَّهَا تُثْبِتُ الْفُرْقَةَ فَتَكُونُ

وارث ہونے کی اور وہ باقی ہے، بخلاف اس کے جب مطاوعت کرے قیام نکاح کی حالت میں؛ کیونکہ یہ ثابت کر دیتی ہے فرقت کو، پس وہ ہو گی

رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ السَّبَبِ ، ﴿۴﴾وَبَعْدَ الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ لَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِالْمُطَاوَعَةِ لِتَقَدُّمِهَا عَلَيْهَا

راضی بطلان سبب پر، اور تین طلاقوں کے بعد ثابت نہیں ہوتی ہے حرمت مطاوعت سے حرمت کے مقدم ہونے کی وجہ سے مطاوعت پر

فَافْتَرَقَا ﴿۵﴾وَمَنْ قَذَفَ امْرَأَتَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ وَلَاعَنَ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ .وَقَالَ

پس دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا اور جس نے تہمت لگائی اپنی بیوی پر حالانکہ وہ تندرست ہے اور لعان کیا مرض میں تو وارث ہو گی۔ اور فرمایا

مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا تَرِثُ ،وَإِنْ كَانَ الْقَذْفُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ﴿۶﴾وَهَذَا مُلْحَقٌ بِالتَّعْلِيقِ بِفِعْلٍ

امام محمدؒ نے کہ وارث نہ ہو گی، اور اگر ہو تہمت مرض میں تو وہ اس کی وارث ہو گی سب کے قول میں۔ اور یہ ملحق ہے ایسے فعل پر معلق کرنے کے ساتھ

لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ إِذْ هِيَ مُلْجَأَةٌ إِلَى الْخُصُومَةِ لِدَفْعِ عَارِ الزِّنَا عَنْ نَفْسِهَا وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيهِ

کہ چارہ نہ ہو اس کے لیے اس سے؛ کیونکہ عورت مجبور ہے خصومت پر عار زنا کو دفع کرنے کے لیے اپنے نفس سے، اور ہم بیان کر چکے وجہ اس میں

﴿۷﴾ وَإِنْ آلَى وَهُوَ صَحِيحٌ ثُمَّ بَانَتْ بِالْإِيلَاءِ وَهُوَ مَرِيضٌ لَمْ تَرِثْ ، وَإِنْ كَانَ الْإِيلَاءُ أَيْضًا فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ

اور اگر ایلاء کیا حالانکہ وہ تندرست ہے پھر بائنہ ہو گئی ایلاء سے حالانکہ وہ مریض ہے تو وارث نہ ہو گی، اور اگر ایلاء بھی مرض میں ہو تو وارث ہو گی

لِأَنَّ الْإِيلَاءَ فِي مَعْنَى تَعْلِيقِ الطَّلَاقِ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ خَالِيَةٍ عَنِ الْوِقَاعِ فَيَكُونُ مُلْحَقًا بِالتَّعْلِيقِ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ

کیونکہ ایلاء طلاق کو معلق کرنے کے معنی میں ہے ایسے چار ماہ کے گذرنے پر کہ وہ خالی ہوں جماع سے، پس ہو گا ملحق تعلیق کے ساتھ وقت کے آنے پر

وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَهُ ﴿۸﴾قَالَ وَالطَّلَاقُ الَّذِي يَمْلِكُ فِيهِ الرَّجْعَةَ تَرِثُ بِهِ فِي جَمِيعِ الْوُجُوهِ لِمَا

اور ہم ذکر کر چکے اس کی وجہ۔ اور وہ طلاق جس میں مالک ہوتا ہے زوج رجعت کا وارث ہو گی اس کی تمام صورتوں میں اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا يُزِيلُ النِّكَاحَ حَتَّى يَحِلَّ الْوَطْءَ فَكَانَ السَّبَبُ قَائِمًا .قَالَ وَكُلُّ مَا ذَكَرْنَا

جو ہم بیان کر چکے کہ طلاق رجعی زائل نہیں کرتی نکاح کو حتیٰ کہ حلال ہے وطی، پس سبب قائم ہے۔ فرمایا: اور ہر وہ موقع جو ہم نے ذکر کیا

أَنَّهَا تَرِثُ إِنَّمَا تَرِثُ إِذَا مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

کہ عورت وارث ہو گی جب مرد مرا ہو اور عورت عدت میں ہو، اور ہم بیان کر چکے اس کو، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا اپنی بیوی کو بیاری میں تین طلاقیں دینا اور پھر تندرست ہو کر مر جانے کے حکم میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی، اور نمبر ۲ و ۳ میں بیاری میں بائن طلاق دینے اور عورت کا مرتدہ ہو کر پھر مسلمان ہو جانے یا شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قابو دینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں تین طلاقوں کے بعد شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قابو دینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۵ میں تندرستی میں بیوی پر تہمت لگا کر مرض الموت میں لعان کرنے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف، اور تہمت اور لعان دونوں مرض الموت میں ہونے کا حکم ذکر کیا ہے، اور نمبر ۶ میں اس حکم کے ملحق بہ اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں مرض الموت میں ایلاء کرنے کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ میں مرض الموت میں رجعی طلاق دینے کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر شوہر نے بیاری میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر وہ تندرست ہو گیا، پھر عورت کی عدت گذرنے سے پہلے وہ دوبارہ بیمار ہو کر مر گیا، تو عورت وارث نہ ہو گی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ وارث ہو گی؛ کیونکہ مرض موت میں طلاق دے کر شوہر نے راہ فرار اختیار کر لی، اور پھر عدت کے دوران مر بھی گیا، تو شوہر فار ہے اور عورت امرأۃ الفار ہے اس لیے وارث ہو گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بیماری کے بعد جب تندرستی آگئی تو یہ بمنزلہ صحت کے ہے؛ کیونکہ درمیان میں تندرست ہونے سے سابقہ بیماری مرض الموت نہ رہی، اور جب وہ مرض الموت نہیں تو معلوم ہوا کہ طلاق کے وقت عورت کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق نہیں ہوا تھا اس لیے شوہر فار نہیں اور جب شوہر فار نہیں تو عورت وارث نہ ہو گی۔

{۲}اور اگر شوہر نے بیاری میں طلاق بائن دیدی پھر عورت مرتدہ ہو گئی (العیاذ باللہ) پھر دوبارہ مسلمان ہو گئی اب شوہر مطلقہ کی عدت کے دوران میں اسی مرض سے مر گیا، تو یہ عورت وارث نہ ہو گی۔ اور اگر عورت مرتدہ تو نہ ہوئی البتہ عدت میں شوہر کے بیٹے کی مطاوعت کی جماع میں یعنی شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر جماع کے لیے قابو دیدیا اب شوہر کا انتقال ہوا، تو یہ عورت وارث ہو گی۔ ردّت اور مطاوعت میں وجہ فرق یہ ہے کہ مرتد ہو کر عورت نے اہلیتِ میراث کو باطل کر دیا اس لئے کہ مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اہلیتِ میراث کے بغیر میراث باقی نہیں رہتی اس لیے اس صورت میں عورت وارث نہ ہو گی۔

{۳}اور شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دینے سے اس نے اہلیتِ میراث کو باطل نہیں کیا ہے؛ کیونکہ اس نے شوہر کے بیٹے کی مطاوعت کر کے اگرچہ بہت بڑا گناہ کیا جس کی وجہ سے اب وہ شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، مگر محرمیت وراثت کے منافی نہیں بلکہ نکاح کے منافی ہے جیسے ماں اور بہن کے ساتھ محرمیت ہے اور یہ محرمیت نکاح کے منافی ہے مگر ارث کے منافی نہیں

لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی میراث باقی رہے گی۔ البتہ اگر عورت نے حالتِ قیامِ نکاح میں زوج کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دیدی، تو وارث نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں فرقت مطاوعت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے اور مطاوعت خود زوجہ کی جانب سے ہے۔ پس سمجھا جائیگا کہ وہ سببِ ارث یعنی زوجیت کے بطلان پر راضی ہے اس لئے وہ وارث نہ ہوگی۔

﴿۴﴾ اور اگر شوہر نے تین طلاقیں دیدیں پھر عورت نے اس کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دیدی تو اس عورت کا شوہر پر حرام ہونا مطاوعت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ حرمت تو مطاوعت سے پہلے تین طلاقوں سے ثابت ہوئی ہے، لہٰذا یہ حرمت عورت کی جانب سے نہیں آئی ہے بلکہ شوہر کی جانب سے آئی ہے جس سے شوہر فار شمار ہوتا ہے یوں اس صورت میں اور گذشتہ صورت میں فرق ہوگیا اس لیے اس صورت میں عورت وارث ہوگی۔

﴿۵﴾ اور اگر شوہر نے حالتِ صحت میں عورت پر زناکاری کا الزام لگایا پھر مرض الموت میں شوہر نے بیوی سے لعان کیا اور دونوں میں فرقت آئی، اب عورت کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوا، تو یہ عورت وارث ہوگی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وارث نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر نے زنا کا الزام مرض الموت میں لگایا، پھر لعان کیا اور دونوں میں فرقت آئی اور دوران عدت شوہر مر گیا، تو بالاتفاق عورت وارث ہوگی۔

﴿۶﴾ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم لاحق ہے عورت کی طلاق کو عورت کے ایسے فعل کے ساتھ معلق کرنے کے ساتھ جس فعل سے عورت کے لیے چارہ نہ ہو؛ کیونکہ اس صورت میں بھی عورت مجبور ہے کہ قاضی کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کر کے اپنے آپ سے زنا کا عار دور کردے، لہٰذا لعان کے بعد جو تفریق آئے گی اس میں عورت کا دخل نہیں بلکہ شوہر نے اسے اس پر مجبور کیا ہے اس لیے وہ وارث ہوگی، جس کی وجہ ہم سابق میں بیان کر چکے کہ عورت اس طرح فعل کی مباشرت کرنے میں مجبور ہے اس لیے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ خود اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے۔

فتوی:۔ مولانا عبدالحکیم شاہ لیکویؒ نے شیخین رحمہما اللہ کا قول راجح قرار دیا ہے: والظاهر من عبارات المحققين من الشراح والفتاوى ترجيح قول الشيخين والله اعلم بما هو حق عنده (هامش الهداية: ۳۷۳/۲)

﴿۷﴾ اور اگر شوہر نے حالتِ صحت میں اپنی بیوی کے ساتھ ایلاء کیا یعنی قسم کھائی کہ "واللہ میں چار مہینے یا زیادہ تک تجھ سے صحبت نہیں کروں گا" پھر چار مہینے پورے ہو کر عورت اس حال میں بائنہ ہوگئی کہ شوہر مرض الموت میں مبتلا ہے، تو عورت وارث نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر نے ایلاء بھی مرض الموت میں کیا تھا، جس کی وجہ سے عورت بائنہ ہو کر عدت گذار رہی تھی کہ شوہر کا انتقال

ہوا تو عورت وارث ہوگی؛ کیونکہ ایلاء کا معنی ہے طلاق کو ایسے چار ماہ گذرنے پر معلق کرنا جو جماع سے خالی ہوں، لہٰذا یہ طلاق کو وقت آنے پر معلق کرنے کے ساتھ لاحق ہے جس کی وجہ ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں کہ سابقہ تعلیق اب تطلیق ہو جائے گی۔

﴿۸﴾ اور اگر شوہر نے مرض الموت میں بیوی کو رجعی طلاق دیدی، پھر دورانِ عدت شوہر کا انتقال ہو گیا، تو سابقہ تمام صورتوں میں بیوی وارث ہوگی؛ کیونکہ ہم سابق میں بیان کر چکے کہ طلاق رجعی نکاح کو زائل نہیں کرتی ہے حتیٰ کہ شوہر کے لیے اس کے ساتھ جماع کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا سببِ ارث (یعنی نکاح) قائم ہے اس لیے عورت وارث ہوگی۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا جن صورتوں میں ہم نے کہا کہ عورت وارث ہوگی تو یہ جبھی ہے کہ عورت کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوا ہو، ورنہ اگر عدت گزر چکی ہو تو عورت وارث نہ ہوگی، جس کی تفصیل ہم شروعِ باب میں ان الفاظ "وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ، وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا" سے ذکر کر چکے ہیں۔

بَابُ الرَّجْعَةِ

یہ باب رجعت کے بیان میں ہے

"رجعت" راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مگر فتحہ کے ساتھ پڑھنا افصح ہے "رَجَعَ يَرْجِعُ" باب ضرب سے ہے معنی ہے لوٹنا کہا جاتا ہے، "إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكَ" اللہ ہی کی طرف تیرا لوٹنا ہے۔ اور اصطلاحِ شریعت میں ملکِ نکاح (جو دورانِ عدت قائم ہے) کو برقرار رکھنے کو رجعت کہتے ہیں مثلاً شوہر نے اپنی بیوی کو ایک یا دو رجعی طلاقیں دیدیں جس سے عورت عدت گذار رہی تھی عدت ہی میں شوہر نے اسے دوبارہ اپنے پاس رکھنا چاہا، تو چونکہ طلاق رجعی کی وجہ سے مِلکِ نکاح زائل نہیں ہوئی ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا) جس میں طلاق رجعی کے بعد مطلّق کو "بعل" کہا ہے "بعل" زوج کو کہتے ہیں طلاق کے بعد مطلّق کو زوج کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مِلکِ نکاح قائم ہے، اور اسی مِلک کو برقرار رکھنے کا نام شریعت میں رجعت ہے۔

صحتِ رجعت کے لیے پانچ شرائط ہیں (۱) سابق میں گذر چکا کہ طلاق صریح لفظ سے ہو یا ایسے بعض کنایات سے ہو جن سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے (۲) طلاق کے مقابلے میں مال نہ ہو (۳) تین طلاقیں نہ دی ہوں (۴) عورت مدخول بہا ہو (۵) عدت نہ گذری ہو۔

رجعت کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع تینوں سے ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا[1]) (اور ان عورتوں کے شوہران کے (با تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں)، حدیث شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ "مُرْابنک فلیُراجعْها[2]"۔ اور صحتِ رجعت پر امت کا اجماع بھی ہے۔

اس باب کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ چونکہ رجعت طلاق سے طبعاً مؤخر ہے اس لئے وضعاً وذکراً بھی مؤخر کر دی تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے، اور رجعت طلاق سے طبعاً اس لئے مؤخر ہے کہ رجعت سببِ حرمت (یعنی طلاق) کو رفع کرنے کے لئے مشروع ہوئی ہے اور رفع ہمیشہ وقوع کے بعد ہوتا ہے۔

{۱} وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً رَجْعِيَّةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ فَلَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا فِي عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذٰلِكَ أَوْ لَمْ تَرْضَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ } مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلَا بُدَّ مِنْ قِيَامِ الْعِدَّةِ لِأَنَّ الرَّجْعَةَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ سَمَّى إِمْسَاكًا وَهُوَ الْإِبْقَاءُ وَإِنَّمَا يَتَحَقَّقُ الِاسْتِدَامَةُ فِي الْعِدَّةِ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ بَعْدَ انْقِضَائِهَا{۲}وَالرَّجْعَةُ أَنْ يَقُولَ رَاجَعْتُكِ أَوْ رَاجَعْتُ امْرَأَتِي وَهٰذَا صَرِيحٌ فِي الرَّجْعَةِ وَلَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَ الْأَئِمَّةِ .قَالَ أَوْ يَطَأَهَا أَوْ يُقَبِّلَهَا أَوْ يَلْمِسَهَا بِشَهْوَةٍ أَوْ يَنْظُرَ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ {۳}وَهٰذَا عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِ: لَا تَصِحُّ الرَّجْعَةُ إِلَّا بِالْقَوْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ لِأَنَّ الرَّجْعَةَ بِمَنْزِلَةِ ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ حَتَّى يَحْرُمَ وَطْؤُهَا ، وَعِنْدَنَا هُوَ اسْتِدَامَةُ

اور جب طلاق دے مرد اپنی بیوی کو ایک رجعی طلاق یا دو طلاقیں، تو اس کے لیے جائز ہے کہ رجوع کرے اس سے اس کی عدت میں عورت راضی ہو اس پر یا راضی نہ ہو؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "روک لو ان کو دستور کے مطابق" بغیر کسی تفصیل کے اور ضروری ہے قیام عدت کیونکہ رجعت برقرار رکھنا ہے ملک کو؛ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس کا نام رکھا گیا ہے امساک اور وہ باقی رکھنا ہے، اور متحقق ہوتا ہے برقرار رکھنا عدت میں؛ کیونکہ ملک نہیں رہتی عدت گذر جانے کے بعد، اور رجعت یہ کہ کہے مرد "میں نے تجھ سے رجوع کیا، یا میں نے رجوع کیا اپنی بیوی سے" اور یہ صریح لفظ ہے رجعت میں اور کوئی اختلاف نہیں اس میں ائمہ کے درمیان، فرمایا: یا وطی کرلے عورت سے یا بوسہ لے اس کا یا چھولے اس کو شہوت سے یا دیکھ لے اس کی شرمگاہ کو شہوت سے، اور یہ ہمارے نزدیک ہے، اور فرمایا امام شافعی ؒ نے کہ صحیح نہیں رجعت مگر قول سے اس پر قدرت کے ساتھ؛ کیونکہ رجعت بمنزلہ ابتداءِ نکاح کے ہے حتیٰ کہ حرام ہے اس سے وطی کرنا، اور ہمارے نزدیک وہ برقرار رکھنا ہے

([1]) البقرۃ: ۲۲۸۔

([2]) حوالہ گذر چکا ہے۔

النِّكَاحِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ وَسَنُقَرِّرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ،﴿۴﴾وَالْفِعْلُ قَدْ يَقَعُ دَلَالَةً عَلَى الِاسْتِدَامَةِ

نکاح کا اس تفصیل پر جو ہم بیان کر چکے، اور ہم عنقریب ثابت کریں گے اس کو انشاء اللہ تعالیٰ، اور فعل کبھی واقع ہوتا ہے دلیل استدامت پر

كَمَا فِي إِسْقَاطِ الْخِيَارِ ، وَالدَّلَالَةُ فِعْلٌ يَخْتَصُّ بِالنِّكَاحِ وَهَذِهِ الْأَفَاعِيلُ تَخْتَصُّ بِهِ خُصُوصًا فِي الْحُرَّةِ ،

جیسا کہ اسقاطِ خیار میں، اور دلیل ایسا فعل ہوتا ہے جو مختص ہو نکاح کے ساتھ اور یہ افعال مختص ہیں نکاح کے ساتھ خصوصاً آزاد عورت کے حق میں

﴿۵﴾بِخِلَافِ النَّظَرِ وَالْمَسِّ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ لِأَنَّهُ قَدْ يَحِلُّ بِدُونِ النِّكَاحِ كَمَا فِي الْقَابِلَةِ وَالطَّبِيبِ وَغَيْرِهِمَا، وَالنَّظَرُ

بخلاف نظر اور بغیر شہوت چھونے کے؛ کیونکہ یہ کبھی حلال ہوتا ہے بغیر نکاح کے جیسا کہ دایہ اور طبیب وغیرہ کے حق میں، اور دیکھنا

إِلَى غَيْرِ الْفَرْجِ قَدْ يَقَعُ بَيْنَ الْمُسَاكِنَيْنِ وَالزَّوْجُ يُسَاكِنُهَا فِي الْعِدَّةِ، فَلَوْ كَانَ رَجْعَةً لَطَلَّقَهَا

غیر فرج کی طرف کبھی واقع ہوتا ہے دو یکجا رہنے والوں میں اور زوج اس کے ساتھ رہتا ہے عدت میں، تو اگر ہو وہ رجعت تو وہ طلاق دے گا اس کو

فَتَطُولُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا .﴿۶﴾قَالَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ وَقَالَ

پس طویل ہو جائے گی عدت اس پر فرمایا: اور مستحب ہے کہ گواہ بنائے رجعت پر دو گواہ، اور اگر گواہ نہ بنائے تو صحیح ہے رجعت، اور فرمایا

الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ لَا تَصِحُّ ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَأَشْهِدُوا

امام شافعیؒ نے ایک قول میں اس کے دو قولوں میں سے کہ صحیح نہیں اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور تم گواہ بنا دو

ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ } وَالْأَمْرُ لِلْإِيجَابِ. ﴿۷﴾وَلَنَا إِطْلَاقُ النُّصُوصِ عَنْ قَيْدِ الْإِشْهَادِ ، وَلِأَنَّهُ اسْتِدَامَةٌ لِلنِّكَاحِ ،

دو عادل تم میں سے" اور امر ایجاب کے لیے ہے، اور ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے قیدِ اشہاد سے۔ اور اس لیے کہ رجعت استدامتِ نکاح ہے

وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيهِ فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ كَمَا فِي الْفَيْءِ فِي الْإِيلَاءِ، إِلَّا أَنَّهَا تُسْتَحَبُّ لِزِيَادَةِ الِاحْتِيَاطِ كَيْ لَا يَجْرِيَ

اور شہادت شرط نہیں نکاح میں حالتِ بقاء میں جیسا کہ رجوع ایلاء میں، مگر یہ کہ شہادت مستحب ہے زیادتی احتیاط کے لیے تاکہ جاری نہ ہو سکے

التَّنَاكُرُ فِيهَا ،﴿۸﴾وَمَا تَلَاهُ مَحْمُولٌ عَلَيْهِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَرَنَهَا بِالْمُفَارَقَةِ

انکار رجعت میں اور جو آیت امام شافعیؒ نے تلاوت کی ہے وہ محمول ہے اسی پر؛ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ملا دیا ہے شہادت کو مفارقت کے ساتھ

وَهُوَ فِيهَا مُسْتَحَبٌّ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْلِمَهَا كَيْ لَا تَقَعَ فِي الْمَعْصِيَةِ

حالانکہ گواہ مفارقت میں مستحب ہے اور مستحب ہے کہ بتائے اس کو تاکہ واقع نہ ہو معصیت میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں رجعی طلاقوں کے بعد حق رجوع اور اس کی شرط دلیل سمیت ذکر کی ہے۔ رجعت کا قول و فعل دونوں سے ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے، اور فعلی رجعت میں امام شافعیؒ کا اختلاف، اور فریقین کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں مس کرنے اور بغیر شہوت کے عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے رجعت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ تا ۸ میں

نزدیک چونکہ نکاح کو باقی رکھنے کا نام رجعت ہے رجعت از سر نو نکاح کا نام نہیں ہے؛ کیونکہ طلاق رجعی کے بعد بھی نکاح قائم ہے جیساکہ اوپر ہم بیان کر چکے، البتہ اس کو برقرار رکھنے کے لیے رجعت شرط ہے اور عنقریب (اس باب کے آخر میں) ہم اس کو ثابت کریں گے۔

{۴}اور فعل بھی کبھی نکاح کو برقرار رکھنے کی دلیل بن جاتا ہے جیساکہ اسقاطِ خیار میں یعنی کسی نے خیارِ شرط کے ساتھ باندی خریدلی پھر اس نے مدتِ خیار میں اس باندی سے وطی کرلی تو اس کا یہ فعل استدامتِ ملک کی دلیل ہے اس لیے اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔ البتہ یہ یاد رہے ہر فعل نکاح باقی رکھنے کی دلیل نہیں، بلکہ وہ فعل دلیل ہے جو نکاح کے ساتھ خاص ہو اور مذکورہ بالا افعال (وطی اور دواعی وطی) چونکہ نکاح کے ساتھ خاص ہیں بالخصوص آزاد عورت کے حق میں یہ افعال نکاح کے بغیر حلال نہیں ہیں اس لیے یہ افعال نکاح کی دلیل ہیں، پس دورانِ عدت ان افعال کا صدور دوامِ نکاح کی دلیل ہے اس لیے ان سے رجعت ثابت ہوتی ہے۔

{۵}البتہ مس کرنا اور بغیر شہوت کے عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا رجعت کی دلیل نہیں؛ کیونکہ یہ دو افعال تو نکاح کے بغیر بھی کبھی حلال ہوتے ہیں جیساکہ دایہ، طبیب اور گواہ وغیرہ کے لیے یہ افعال بغیر نکاح کے جائز ہیں، اسی طرح غیر فرج کی طرف دیکھنا بھی رجعت کی دلیل نہیں؛ کیونکہ یکجا رہنے والوں سے اس کا صدور کبھی ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ زوج عدت کے دوران عورت کے ساتھ رہتا ہے، تو اگر غیر فرج کی طرف دیکھنے کو بھی رجعت قرار دیا جائے، تو ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد رجعت ثابت ہو جائے گی وہ پھر طلاق دے گا، پھر وہ اس طلاق کی عدت گذارنا شروع کردے گی جس میں طولِ عدت کا ہونا اور عورت کے لیے ضرر کا ہونا ظاہر ہے، لہٰذا غیر فرج کی طرف دیکھنے سے رجعت ثابت نہ ہوگی۔

{۶}زوج کیلئے مستحب ہے کہ رجعت پر دو گواہ بنالے یعنی دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو کہ "میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کرلی ہے" یہ اس لئے تاکہ آگے جاکر انکار کی نوبت نہ آئے۔ اور اگر شوہر نے گواہ نہیں بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے۔ امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ گواہ بنانے کے بغیر رجعت صحیح نہیں اور یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے، ان کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ[1]) (پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں (تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدے کے موافق نکاح میں

(۱) الطلاق: ۲

رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو ۔ اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو) جس میں "اَشْهِدُوْا" امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا گواہ بنانا واجب ہے اس کے بغیر رجوع صحیح نہیں۔

{۷} ہماری دلیل یہ ہے کہ رجعت کے بارے میں منقول نصوص گواہ بنانے کی قید سے خالی ہیں مثلاً باری تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ[1]) (اور ان عورتوں کے شوہران کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس (عدت) کے اندر) (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ[2]) (یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے) اور حضرت عمرؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مُرْ ابْنَكَ فَلْيُرَاجِعْهَا" (اپنے بیٹے کو حکم کر کہ اپنی بیوی سے رجوع کرے) ان نصوص میں گواہ بنانے کی کوئی قید نہیں، لہٰذا گواہ بنانا واجب نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ رجعت نکاح کو برقرار رکھنے کا نام ہے اور نکاح کو برقرار رکھنے کیلئے شہادت شرط نہیں، لہٰذا رجعت کیلئے بھی شہادت شرط نہ ہوگی جیسا کہ ایلاء میں رجوع کرنے کی صورت میں گواہ بنانا شرط نہیں حالانکہ ایلاء میں رجوع کرنا بھی بقاء نکاح کی حالت ہے تو جب ایلاء میں رجوع کرنے کی صورت میں گواہ بنانا شرط نہیں تو رجعت میں بھی شرط نہ ہوگی۔ البتہ مزید احتیاط کے لیے گواہ بنانا مستحب ہوگا تاکہ عدت گذرنے کے بعد لاعلمی میں لوگ انکار اور بدگوئی میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ دونوں بلا رجعت باہم تعلق رکھتے ہیں۔

{۸} اور امام شافعیؒ نے جو آیت پڑھی ہے وہ استحباب پر محمول ہے، کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت (وَّاَشْهِدُوْا) کو مفارقت (اَوْ فَارِقُوْهُنَّ) کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ[3]) (یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو۔ اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو) اور مفارقت میں شہادت بالاتفاق مستحب ہے لہٰذا رجعت اور امساک میں بھی مستحب ہونی چاہیے۔

اور مستحب ہے کہ عورت کو رجعت کی اطلاع دیدے تاکہ وہ معصیت میں نہ پڑ جائے؛ کیونکہ اطلاع دئے بغیر عورت کبھی یہ سمجھ کر کہ میرے شوہر نے رجعت نہیں کی اور عدت گذر گئی، اس لیے وہ کسی دوسرے شخص سے شادی کرنے کے لیے خود کو آراستہ

([1]) البقرة: ۲۲۸۔
([2]) البقرة: ۲۲۹۔
([3]) الطلاق: ۲۔

کر لیتی ہے پھر شادی کر کے دوسرے شوہر سے وطی بھی کر سکتی ہے جس سے عورت گنہگار ہوگی، لیکن اس کے باوجود اگر عورت کو اطلاع نہ دی تو بھی رجعت صحیح ہو جائے گی۔

{۱} وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ ، وَإِنْ

اور جب گذر گئی عدت پس مرد نے کہا میں نے رجوع کیا تھا اس کو عدت میں پس عورت نے تصدیق کی اس کی تو یہ رجعت ہے اور اگر

كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا لِأَنَّهُ أَخْبَرَ عَمَّا لَا يَمْلِكُ إِنْشَاءَهُ فِي الْحَالِ فَكَانَ مُتَّهَمًا

عورت نے تکذیب کی اس کی تو قول عورت کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ مرد نے خبر دی ایسی چیز کی کہ مالک نہیں وہ اس کے انشاء کا فی الحال پس ہوگا وہ متہم

إِلَّا أَنَّ بِالتَّصْدِيقِ تَرْتَفِعُ التُّهْمَةُ ، {۲} وَلَا يَمِينَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الِاسْتِحْلَافِ فِي الْأَشْيَاءِ السِّتَّةِ

مگر یہ کہ تصدیق سے رفع ہو جاتی ہے تہمت، اور قسم نہیں عورت پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور یہ مسئلہ استحلاف ہے چھ چیزوں میں

وَقَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ النِّكَاحِ {۳} وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدْ انْقَضَتْ

اور گذر چکا کتاب النکاح میں۔ اور جب زوج کہے کہ میں رجوع کر چکا ہوں تجھ سے اور عورت نے کہا جواب دیتے ہوئے مرد کو کہ گذر چکی ہے

عِدَّتِي لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا :تَصِحُّ الرَّجْعَةُ لِأَنَّهَا صَادَفَتِ الْعِدَّةَ إِذْ هِيَ

میری عدت، تو صحیح نہ ہوگی رجعت امام صاحب ؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین ؒ نے صحیح ہے رجعت؛ کیونکہ رجعت نے پالیا عدت کو اس لیے کہ عدت

بَاقِيَةٌ ظَاهِرًا إِلَى أَنْ تُخْبِرَ وَقَدْ سَبَقَتْهُ الرَّجْعَةُ ؛ وَلِهَذَا لَوْ قَالَ لَهَا طَلَّقْتُكِ

باقی ہے بظاہر یہاں تک کہ عورت خبر دے اور سبقت کی رجعت نے خبر دینے سے اسی لیے اگر کہا عورت سے "میں تجھے طلاق دے چکا ہوں"

فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي يَقَعُ الطَّلَاقُ {۴} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا صَادَفَتْ

پس عورت نے کہا جواب دیتے ہوئے اس کو کہ "گذر چکی میری عدت" تو واقع ہوگی طلاق اور امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت نے پالیا

حَالَةَ الِانْقِضَاءِ لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ فِي الْإِخْبَارِ عَنِ الِانْقِضَاءِ فَإِذَا أَخْبَرَتْ دَلَّ ذَلِكَ عَلَى سَبْقِ الِانْقِضَاءِ

حالت انقضاء عدت کو؛ کیونکہ عورت امینہ ہے انقضاء عدت کی خبر دینے میں، پس جب اس نے خبر دی تو دلالت کرتا ہے عدت پہلے گذرنے پر

وَأَقْرَبُ أَحْوَالِهِ حَالُ قَوْلِ الزَّوْجِ وَمَسْأَلَةُ الطَّلَاقِ عَلَى الْخِلَافِ، وَلَوْ كَانَتْ عَلَى الِاتِّفَاقِ فَالطَّلَاقُ يَقَعُ بِإِقْرَارِهِ

اور اقرب احوال انقضاء میں سے قول زوج کا حال ہے، اور مسئلہ طلاق مختلف فیہ ہے اور اگر ہو بالاتفاق تو طلاق واقع ہوتی ہے اس کے اقرار سے

بَعْدَ الِانْقِضَاءِ وَالْمُرَاجَعَةُ لَا تَثْبُتُ بِهِ {۵} وَإِذْ قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا : قَدْ كُنْتُ

انقضاء عدت کے بعد اور مراجعت ثابت نہیں ہوتی ہے اس سے۔ اور جب کہے باندی کا شوہر اس کی عدت گذرنے کے بعد "میں

رَاجَعْتُهَا وَصَدَّقَهُ الْمَوْلَى وَكَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

رجوع کر چکا تھا اس سے " اور تصدیق کی اس کی مولیٰ نے اور تکذیب کی اس کی باندی نے تو قول باندی کا معتبر ہو گا امام صاحبؒ کے نزدیک،

وَقَالَا : الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلَى لِأَنَّ بُضْعَهَا مَمْلُوكٌ لَهُ ، فَقَدْ أَقَرَّ بِمَا هُوَ خَالِصُ حَقِّهِ لِلزَّوْجِ

اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ قول مولیٰ کا معتبر ہو گا؛ کیونکہ باندی کا بضع مملوک ہے مولیٰ کا اور مولیٰ نے اقرار کیا اس چیز کا جو خالص حق ہے اس کا زوج کے لیے

فَشَابَهُ الْإِقْرَارَ عَلَيْهَا بِالنِّكَاحِ ، وَهُوَ يَقُولُ حُكْمُ الرَّجْعَةِ يُبْتَنَى عَلَى الْعِدَّةِ وَالْقَوْلُ فِي الْعِدَّةِ قَوْلُهَا،

پس یہ مشابہ ہوا باندی پر نکاح کا اقرار کرنے کے ، اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حکم رجعت مبنی ہے عدت پر اور قول عدت میں باندی کا معتبر ہے،

فَكَذَا فِيمَا يُبْتَنَى عَلَيْهَا، {٦} وَلَوْ كَانَ عَلَى الْقَلْبِ فَعِنْدَهُمَا الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلَى ، وَكَذَا عِنْدَهُ

پس اسی طرح ہے اس چیز میں جو مبنی ہے عدت پر، اور اگر ہو برعکس تو صاحبینؒ کے نزدیک قول مولیٰ کا معتبر ہو گا، اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک

فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّهَا مُنْقَضِيَةُ الْعِدَّةِ فِي الْحَالِ ، وَقَدْ ظَهَرَ مِلْكُ الْمُتْعَةِ لِلْمَوْلَى فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا

صحیح روایت میں؛ کیونکہ باندی پورا کرنے والی ہے عدت کو فی الحال اور ظاہر ہو گئی ملکِ متعہ مولیٰ کے لیے پس قبول نہیں کیا جائے گا باندی کا قول

فِي إِبْطَالِهِ، {٧} بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ الْمَوْلَى بِالتَّصْدِيقِ فِي الرَّجْعَةِ مُقِرٌّ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ عِنْدَهَا وَلَا يَظْهَرُ مِلْكُهُ

اس کے ابطال میں، بخلاف وجہ اول کے؛ کیونکہ مولیٰ تصدیق کرنے سے رجعت میں مقر ہے قیام عدت کا رجعت کے وقت، اور ظاہر نہ ہو گی اس کی ملک

مَعَ الْعِدَّةِ {٨} وَإِنْ قَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَقَالَ الزَّوْجُ وَالْمَوْلَى لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتُكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا

عدت کے ساتھ، اور اگر باندی نے کہا کہ گذر گئی میری عدت اور کہا زوج اور مولیٰ نے نہیں گذری ہے تیری عدت، تو قول باندی کا معتبر ہو گا؛

لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ فِي ذَلِكَ إِذْ هِيَ الْعَالِمَةُ بِهِ

کیونکہ وہ امینہ ہے اس میں اس لیے کہ وہ جاننے والی ہے اس کو۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں عدت کے بعد شوہر کا رجعت کا دعویٰ کرنے کی دو صورتوں کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے اور دوسری صورت میں عورت پر قسم آنے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۳و۴ میں عدت کے بعد سابقہ رجعت کے دعویٰ کی ایک صورت کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں باندی کے شوہر کا عدت کے بعد عدت میں رجعت کا دعویٰ کا، اور مالک کی تصدیق اور باندی کی تکذیب کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور اس کے برعکس صورت کے حکم میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں باندی کا عدت گذرنے کا دعویٰ اور شوہر و مالک کے انکار کرنے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر عدت گذر جانے کے بعد شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھ سے عدت میں مراجعت کر چکا ہوں" اور عورت نے زوج کی تصدیق کر لی تو رجعت ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ دونوں کے تصادق سے نکاح ثابت ہو تا ہے تو رجعت تو بطریقۂ اولی ثابت ہو گی۔ اور اگر عورت نے زوج کی تکذیب کر لی تو عورت کا قول معتبر ہو گا؛ وجہ یہ ہے کہ شوہر نے ایسی چیز (رجعت) کی خبر دی ہے جس کا انشاء اور ایجاد وہ فی الحال نہیں کر سکتا اس لیے کہ فی الحال عدت کا وقت ختم ہو چکا ہے تو وہ اس میں متہم ہو گا کہ شاید بلا رجعت اپنے پاس اس کو رکھنا چاہتا ہے اور متہم کا قول مردود ہے۔ مگر چونکہ عورت کے تصدیق کر دینے سے زوج سے تہمت دور ہو جاتی ہے اس لئے بصورت تصدیق رجعت ثابت ہو جائے گی۔

{۲}عورت کے انکار کی صورت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کو قسم دی جائی گی۔ یہ ان چھ مسائل میں سے ہے جن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استحلاف نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک ہے۔ اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں "نکاح، رجعت، ایلاء میں رجوع، استیلاد، رِق اور وَلاء"۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ "کتاب النکاح" میں گذر چکا ہے حالانکہ وہاں اس کی تفصیل نہیں گذری ہے فقط باکرہ پر سکوت کے دعوی کی صورت میں اتنا کہا ہے "وَهِيَ مَسْأَلَةُ الِاسْتِحْلَافِ فِي الْأَشْيَاءِ السِّتَّةِ" پھر کہا ہے "وَسَتَأْتِيك فِي الدَّعْوَى إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى" ظاہر ہے کہ اس میں رجعت کا کوئی ذکر نہیں لہذا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ گذر چکا ہے درست نہیں۔

فتویٰ:۔ فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے لمافی الدّرالمختار: (وَلَاتَحْلِيفَ فِي نِكَاحٍ) أَنْكَرَهُ هُوَ أَوْهِيَ (وَرَجْعَةٍ) جَحَدَهَا هُوَ أَوْ هِيَ بَعْدَ عِدَّةٍ......الی ان قال، وَالْفَتْوَى عَلَى أَنَّهُ يُحَلَّفُ الْمُنْكِرُ (فِي الْأَشْيَاءِ) السَّبْعَةِ، وَمَنْ عَدَّهَا سِتَّةً أَلْحَقَ أُمُومَةَ الْوَلَدِ بِالنَّسَبِ أَوِ الرِّقِّ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُفْتَى بِهِ التَّحْلِيفُ فِي الْكُلِّ إلَّا فِي الْحُدُودِ (الدّرالمختارعلی هامش ردّالمحتار: ۴/۴۷۲)

{۳}اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھ سے رجعت کر چکا ہوں" عورت نے متصلاً جواب دیتے ہوئے کہا "میری عدت گذر گئی ہے" تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہو گی۔ صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ صورت میں رجعت صحیح ہے؛ اس لیے کہ رجعت نے عدت کے زمانے کو پالیا ہے کیونکہ استصحابِ حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدت باقی ہے جب تک کہ عورت عدت گذرنے کی خبر نہ دے، اور مذکورہ صورت میں عورت نے اب تک عدت گذرنے کی خبر نہیں دی ہے لہذا زوج کی رجعت اس سے مقدم ہے یہی وجہ ہے کہ اگر زوج نے بیوی سے کہا "میں تجھے طلاق دے چکا" بیوی نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ "میری عدت

گذر گئی ہے" تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جب تک عورت عدت گذرنے کی خبر نہ دے عدت باقی ہے لہذا بقاء عدت طلاق دینا صحیح ہے۔

{۴}امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت نے عدت گذرنے کا زمانہ پالیا؛ کیونکہ عورت انقضاء عدت کی خبر دینے میں امین ہے پس جب اس نے عدت گذرنے کی خبر دی تو یہ دلیل ہے کہ انقضاءِ عدت کا زمانہ خبر دینے کے زمانے سے مقدم ہے؛ کیونکہ عموماً خبر سے مقدم ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عدت گذرنا خبر دینے سے کتنا مقدم ہے؟ جواب کہ انقضاء عدت کے احوال میں سب سے قریب تر شوہر کا قول "قَدْ رَاجَعْتُکِ" ہے پس ظاہر یہ ہے کہ انقضاءِ عدت شوہر کے قول کے دوران نہیں ہوا ہے بلکہ اس سے پہلے ہوا ہے، لہذا یہی کہا جائے گا کہ رجعت متصل ہے انقضاءِ عدت کے ساتھ حالانکہ رجعت کا انقضاء عدت سے مقدم ہونا شرط ہے، لہذا رجعت صحیح نہ ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ طلاق کا مسئلہ بھی رجعت کی طرح مختلف فیہ ہے حالانکہ قیاس متفق علیہ پر کیا جاتا ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ طلاق کا مسئلہ متفق علیہ ہے تو جواب یہ ہوگا کہ عدت گذر جانے کے بعد شوہر کے اقرار سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، مگر عدت کے بعد شوہر کے اقرار سے مراجعت ثابت نہیں ہوتی؛ کیونکہ اس میں غیر کے حق پر تصرف ہے اور یہ تہمت ہے پس معلوم ہوا کہ ان دونوں مسئلوں میں فرق موجود ہے لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الھندیۃ: لو قال لھا راجعتک فقالت المرأۃ موصولاً بکلام الزوج انقضت عدتی لم تصح الرجعۃ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وعندھما تصح الرجعۃ کذا فی الخانیۃ والصحیح قول ابی حنیفۃ (الھندیۃ: ۱/۴۷۰)۔

{۵}اگر باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذرنے کے بعد کہا "میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں" باندی کے مولیٰ نے اس کی تصدیق کی، اور خود باندی نے اس کی تکذیب کی۔ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا یعنی رجعت ثابت نہ ہوگی۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مولیٰ کا قول معتبر ہے یعنی رجعت ثابت ہو جائیگی؛ کیونکہ عدت گذر جانے کے بعد باندی کے منافع بضع مولیٰ کے مملوک ہیں پس مولیٰ نے خالص اپنے حق (منافع بضع) کا اقرار شوہر کیلئے کر دیا تو یہ ایسا ہے جیسا کہ مولیٰ اپنی باندی پر نکاح کا اقرار کرے مثلاً یوں کہے "میں نے اپنی باندی کا فلاں سے نکاح کر دیا" تو اس اقرار میں مولیٰ کا قول معتبر ہوگا اسی طرح رجعت میں بھی مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت کا حکم بقاء عدت اور انقضاء عدت پر مبنی ہے یعنی اگر عدت باقی ہے تو رجعت صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں، اور عدت کی بقاء اور عدم بقاء میں عورت کا قول معتبر ہے پس جو چیز اس پر مبنی ہوگی یعنی رجعت اس میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا۔

﴿۶﴾ اور اگر صورتِ مسئلہ اس کے برعکس ہو یعنی باندی نے شوہر کی تصدیق کی اور مولیٰ نے تکذیب کی تو صاحبینؒ کے نزدیک مولیٰ کا قول معتبر ہے، اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک بھی صحیح روایت کے مطابق مولیٰ کا قول معتبر ہے؛ کیونکہ عدت تو فی الحال بالاتفاق گذر چکی ہے اور مولیٰ کے لیے اپنی اس باندی سے فائدہ اٹھانے کی مِلک ظاہر ہو چکی ہے، اب جب باندی شوہر کی تصدیق کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مِلکِ متعہ شوہر کے لیے ثابت کر رہی ہے اور مولیٰ کی مِلک کو باطل کرنا چاہتی ہے حالانکہ محض کسی کے اقرار سے دوسرے کی مِلک باطل نہیں ہوتی لہٰذا یہاں مولیٰ کی مِلک کے ابطال کے بارے میں عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

﴿۷﴾ برخلافِ پہلی صورت کے جس میں مولیٰ شوہر کی تصدیق اور باندی تکذیب کرلے؛ کیونکہ جب مولیٰ نے رجعت میں شوہر کی تصدیق کی، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مولیٰ رجعت کے وقت قیامِ عدت کا اقرار کرنے والا ہے کہ اب تک عدت برقرار ہے ظاہر ہے کہ شوہر کی عدت میں ہونے کے ساتھ مولیٰ کی مِلکِ متعہ ثابت نہ ہوگی، لہٰذا باندی کا قول قبول کرنے سے مِلکِ مولیٰ کا ابطال لازم نہیں آتا ہے اس لیے باندی کا قول معتبر ہوگا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الهندية: اذا قال زوج الامة بعد القضاء عدتها قد كنت راجعتك وصدقه المولىٰ وكذبته الامة فالقول قولها وقالا القول قول المولىٰ، والصحيح قول ابى حنيفة رحمه الله (الهندية: ۱/۴۷۰)

﴿۸﴾ اور اگر باندی نے کہا کہ "میری عدت گذر گئی ہے" اور شوہر اور مولیٰ نے کہا کہ "تیری عدت نہیں گذری ہے" تو قول عورت کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ باندی اپنے اس قول کے سلسلے میں امینہ ہے اس لیے اس کی عدت گذرنے کا علم خود باندی ہی کو ہو سکتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ قول امین کا معتبر ہوتا ہے اس لیے باندی کا قول معتبر ہوگا۔

﴿۱﴾ وَإِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَإِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ ، وَإِنِ انْقَطَعَ

اور جب منقطع ہو جائے خون تیسرے حیض کا دس دن پر تو منقطع ہو جائے گی رجعت اگرچہ غسل نہ کیا ہو، اور اگر منقطع ہوا

لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتَّى تَغْتَسِلَ أَوْيَمْضِيَ عَلَيْهَاوَقْتُ صَلَاةٍ كَامِلٌ لِأَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيدَلَهُ

دس دن سے کم پر تو منقطع نہ ہوگی رجعت یہاں تک کہ غسل کرے یا گذر جائے اس پر کامل وقت نماز کا؛ کیونکہ زیادتی متصور نہیں حیض کے لیے

عَلَى الْعَشَرَةِ، فَبِمُجَرَّدِالِانْقِطَاعِ خَرَجَتْ مِنَ الْحَيْضِ فَانْقَضَتِ الْعِدَّةُوَانْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ، ﴿۲﴾ وَفِيمَادُونَ الْعَشَرَةِيَحْتَمِلُ

دس دن پر، پس فقط انقطاع سے نکل گئی وہ حیض سے، پس گذر گئی عدت اور منقطع ہو گئی رجعت، اور دس سے کم میں احتمال ہے

عَوْدُ الدَّمِ فَلَا بُدَّ أَنْ يُعْتَضَدَ الِانْقِطَاعُ بِحَقِيقَةِ الِاغْتِسَالِ أَوْبِلُزُومِ حُكْمٍ مِنْ أَحْكَامِ الطَّاهِرَاتِ

خون لوٹ آنے کا پس ضروری ہے کہ قوت دی جائے انقطاع کو حقیقتِ اغتسال کے ساتھ یا کسی حکم کے لزوم سے طاہرات کے احکام میں سے

بِمُضِيِّ وَقْتِ الصَّلَاةِ ،بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ كِتَابِيَّةً لِأَنَّهُ لَا يُتَوَقَّعُ فِي حَقِّهَا أَمَارَةٌ زَائِدَةٌ فَاكْتُفِي بِالِانْقِطَاعِ ،

وقتِ نماز گذر جانے سے بخلاف اس کے جب ہو عورت کتابیہ؛ کیونکہ متوقع نہیں اس کے حق میں زائد علامت، پس اکتفا کیا گیا انقطاع پر

﴿۳﴾وَتَنْقَطِعُ إِذَاتَيَمَّمَتْ وَصَلَّتْ عِنْدَأَبِي حَنِيفَةَوَأَبِي يُوسُفَ رحمہما اللہ،وَهَذَااسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ:إِذَا تَيَمَّمَتْ

اور منقطع ہو جائے گی جب تیمم کرے اور نماز پڑھے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اور یہ استحسان ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ جب تیمم کرے

انْقَطَعَتْ ، وَهَذَا قِيَاسٌ لِأَنَّ التَّيَمُّمَ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ حَتَّى يَثْبُتُ بِهِ مِنَ الْأَحْكَامِ مَا

تو منقطع ہو جائے گی، اور یہ قیاس ہے؛ کیونکہ تیمم پانی نہ ہونے کے وقت مطلقاً طہارت ہے حتی کہ ثابت ہو جاتے ہیں اس سے وہ احکام

يَثْبُتُ بِالِاغْتِسَالِ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ .وَلَهُمَا أَنَّهُ مُلَوِّثٌ غَيْرُ مُطَهِّرٍ،

جو ثابت ہوتے ہیں غسل سے پس ہوگا بمنزلۂ غسل کے۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم ملوث کرنے والا ہے پاک کرنے والا نہیں

وَإِنَّمَا اُعْتُبِرَ طَهَارَةً ضَرُورَةَ أَنْ لَا تَتَضَاعَفَ الْوَاجِبَاتُ ، وَهَذِهِ الضَّرُورَةُ تَتَحَقَّقُ حَالَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ

اور مانا گیا ہے طہارت اس ضرورت سے کہ کئی گونہ ہو جائیں واجبات، اور یہ ضرورت متحقق ہوتی ہے نماز ادا کرنے کے وقت

لَا فِيمَا قَبْلَهَا مِنَ الْأَوْقَاتِ ،﴿۴﴾وَالْأَحْكَامُ الثَّابِتَةُ أَيْضًا ضَرُورِيَّةٌ اقْتِضَائِيَّةٌ ،﴿۵﴾ثُمَّ قِيلَ تَنْقَطِعُ

نہ کہ اس سے پہلے اوقات میں، اور تیمم سے ثابت احکام بھی بنا بر ضرورت بتقاضۂ نماز ہوتے ہیں، پھر کہا گیا ہے کہ منقطع ہوگی

بِنَفْسِ الشُّرُوعِ عِنْدَهُمَا ، وَقِيلَ بَعْدَ الْفَرَاغِ لِيَتَقَرَّرَ حُكْمُ جَوَازِ الصَّلَاةِ﴿۶﴾وَإِذَا اغْتَسَلَتْ

نفسِ شروع کرنے سے شیخینؒ کے نزدیک، اور کہا گیا ہے کہ فارغ ہونے بعد تاکہ پختہ ہو جائے جوازِ نماز کا حکم، اور اگر عورت نے غسل کیا

وَنَسِيَتْ شَيْئًامِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ ، فَإِنْ كَانَ عُضْوًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ،وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ

اور بھول گئی کوئی جزء اپنے بدن میں سے کہ نہ پہنچا ہو اس کو پانی، تو اگر ہو وہ عضو یا زیادہ، تو منقطع نہ ہوگی رجعت، اور اگر ہو کم عضو سے

انْقَطَعَتْ قَالَ: وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ .وَالْقِيَاسُ فِي الْعُضْوِ الْكَامِلِ أَنْ لَا تَبْقَى الرَّجْعَةُ لِأَنَّهَا غَسَلَتِ الْأَكْثَرَ

تو منقطع ہو جائے گی۔ فرمایا مصنفؒ نے کہ یہ استحسان ہے، اور قیاس عضوِ کامل میں یہ ہے کہ باقی نہ رہے رجعت؛ کیونکہ اس نے دھولیا اکثر بدن کو

وَالْقِيَاسُ فِيمَا دُونَ الْعُضْوِ أَنْ تَبْقَى لِأَنَّ حُكْمَ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ لَا يَتَجَزَّأُ .﴿۷﴾وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ

اور قیاس عضو سے کم میں یہ ہے کہ باقی رہے؛ کیونکہ جنابت اور حیض کا حکم ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا، اور وجہ استحسان اور وہ فرق ہے

مَا دُونَ الْعُضْوِ يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْجَفَافُ لِقِلَّتِهِ فَلَا يَتَيَقَّنُ بِعَدَمِ وُصُولِ الْمَاءِ إِلَيْهِ ، فَقُلْنَا بِأَنَّهُ
کہ عضو سے کم کی طرف جلدی آتی ہے خشکی اس کے کم ہونے کی وجہ سے پس یقینی نہیں پانی کا نہ پہنچنا اس تک، اس لیے ہم نے کہا کہ
تَنْقَطِعُ الرَّجْعَةُ وَلَا يَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ فِيهِمَا ، بِخِلَافِ الْعُضْوِ الْكَامِلِ لِأَنَّهُ لَا يَتَسَارَعُ
منقطع ہو جائے گی رجعت اور حلال نہ ہوگا عورت کا نکاح کرنا احتیاط کو لیتے ہوئے دونوں میں، بخلاف عضو کامل کے؛ کیونکہ جلدی نہیں آتی ہے
إِلَيْهِ الْجَفَافُ وَلَايَغْفُلُ عَنْهُ عَادَةً فَافْتَرَقَا. {۸} وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ: أَنَّ تَرْكَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ
اس کی طرف خشکی، اور غافل نہیں رہتا ہے اس سے عادۃً، پس دونوں میں فرق ہوا، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ترکِ مضمضہ اور استنشاق
كَتَرْكِ عُضْوٍ كَامِلٍ .وَعَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ : هُوَ بِمَنْزِلَةِ مَا دُونَ الْعُضْوِ لِأَنَّ
عضو کامل کو ترک کرنے کی طرح ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے کہ وہ بمنزلۂ عضو سے کم کے ہے؛ کیونکہ
فِي فَرْضِيَّتِهِ اخْتِلَافًا بِخِلَافِ غَيْرِهِ مِنَ الْأَعْضَاءِ .
اس کی فرضیت میں اختلاف ہے بخلافِ دیگر اعضاء کے۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں تیسرے حیض کا خون پورے دس دن یا کم پر منقطع ہونے کا حکم، اور دلیل، اور کتابیہ عورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ تا ۵ میں دس دن سے کم خون منقطع ہو جانے پر عورت کا عذر کی وجہ سے تیمم کرنے کے حکم میں امام محمدؒ اور شیخینؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور امام محمدؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے، پھر شیخینؒ کے مسلک کے بارے میں علماء کی دو رائے اور ایک رائے کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶، ۷ میں دس دن سے کم پر خون منقطع ہونے اور غسل میں کوئی عضو خشک رہ جانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۸ میں مضمضہ اور استنشاق رہ جانے کے حکم کے بارے میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح: {۱} اگر تیسرے حیض کے پورے دس روز پر خون منقطع ہو گیا تو رجعت منقطع ہو گئی اور عورت کی عدت ختم ہو گئی اگرچہ عورت نے غسل نہیں کیا ہو۔ اور اگر دس روز سے کم پر خون منقطع ہوا، تو محض خون منقطع ہونے سے رجعت منقطع نہیں ہو گی یہاں تک کہ وہ عورت غسل کر لے یا اس پر نماز کا پورا وقت گذر جائے؛ کیونکہ حیض دس دن سے زائد نہیں ہوتا ہے لہٰذا دس دن پر محض خون منقطع ہونے سے عورت حیض سے نکل جاتی ہے اور تیسرے حیض سے نکلنے سے عدت ختم ہو جاتی ہے اور عدت ختم ہونے سے رجعت منقطع ہو جاتی ہے، اس لیے کہا کہ دس پر محض خون منقطع ہونے سے رجعت منقطع ہو گی۔

{۲}اور اگر دس دن سے کم میں تیسرے حیض کا خون منقطع ہو گیا تو چونکہ اس صورت میں خون کے لوٹ آنے کا احتمال ہے اس لئے ضروری ہے کہ انقطاع دم کے حکم کو قوت دی جائے حقیقت میں غسل کر لینے کے ساتھ اور یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کوئی حکم اس پر لازم ہونے کے ساتھ مثلاً جب اس عورت پر نماز کا کامل وقت اس طرح گذر گیا کہ اب اس نماز کی ادائیگی نہ ہو سکے تو یہ نماز اس کے ذمہ دین ہو گئی جس کی قضاء اس پر لازم ہے پس شریعت نے اس کو پاک قرار دیدیا اس لیے اس کی عدت گذر گئی اور رجعت منقطع ہو گئی۔

برخلاف اس کے اگر عورت کتابیہ ہو کہ اس کا خون منقطع ہونے سے عدت ختم ہو جاتی ہے؛ کیونکہ اس کے حق میں کسی زائد علامت کی توقع نہیں ہے یعنی اس سے غسل جنابت یا نماز بطورِ واجب بجالانے کی امید نہیں ہے اس لیے اس کے حق میں فقط خون کے انقطاع پر اکتفا کیا گیا خواہ خون دس دن پر منقطع ہو جائے یا کم پر۔

{۳}اور اگر مذکورہ صورت میں دس دن سے کم پر خون منقطع ہو گیا اور عورت نے بوجہ عذر غسل کے بجائے تیمم کیا اور نماز پڑھی خواہ فرض ہو یا نفل، تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک استحساناً رجعت منقطع ہو گئی یعنی انقطاع رجعت تیمم اور نماز دونوں سے ہو گا۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک محض تیمم کر لینے سے بھی رجعت منقطع ہو گی اور یہی قیاس کا تقاضا ہے؛ کیونکہ بوقتِ عذر تیمم طہارت مطلقہ ہے چنانچہ تیمم سے وہ تمام احکام ثابت ہو جاتے ہیں جو غسل سے ثابت ہوتے ہیں لہٰذا جو حکم غسل کا ہے وہی تیمم کا بھی ہو گا۔

شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم درحقیقت ملوّث ہے نہ کہ مطہّر (پاک کرنے والا) لیکن شریعت نے بناء بر ضرورت اسکے مطہّر ہونے کا اعتبار کیا ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بغیر پانی کے کئی نمازوں کے اوقات اس پر گذر جائیں اس طرح اس کے ذمہ واجبات کئی گنا ہو جائیں گے، پس اس ضرورت کی وجہ سے تیمم کو مطہّر کہا، اور یہ ضرورت اداء صلوٰۃ کے وقت متحقق ہو گی نہ کہ اس سے پہلے اوقات میں، لہٰذا بغیر اداء صلوٰۃ کے اس کے مطہّر ہونے کا اعتبار نہ ہو گا۔

{۴}امام محمدؒ کے قول کہ "جو احکام غسل سے ثابت ہوتے ہیں وہ تیمم سے بھی ثابت ہوتے ہیں" کا جواب یہ ہے کہ تیمم سے وہ احکام بھی نماز کے مقتضیٰ ہونے کی وجہ سے ضرورۃً ثابت ہوتے ہیں مثلاً تیمم سے جوازِ نماز کے لیے ضرورت تلاوتِ قرآن کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ تلاوتِ قرآن نماز میں رکن ہے تو جب نماز تیمم سے جائز ہے تو قراءۃ بھی جائز ہو گی اور تیمم سے دخولِ مسجد کا جواز بھی جوازِ نماز کے تقاضے کی وجہ سے ضرورۃً ثابت ہے؛ کیونکہ مسجد نماز پڑھنے کا محل ہے تو جب نماز پڑھے گا تو مسجد میں بھی داخل ہو گا، لہٰذا اصل نماز ہے، اس لیے بغیر اداءِ صلوٰۃ کے اس کے مطہّر ہونے کا اعتبار نہ ہو گا۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّالمحتار: وَقَالَ مُحَمَّدٌ : تَنْقَطِعُ بِمُجَرَّدِ التَّيَمُّمِ .وَهُوَ الْقِيَاسُ لِأَنَّهُ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ وَرَجَّحَهُ فِي الْفَتْحِ ، وَأَقَرَّهُ فِي الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ (ردّالمحتار:۲/۵۷۹)

﴿۵﴾ پھر شیخینؒ کے مسلک کے مطابق بعض حضرات کے نزدیک رجعت منقطع ہوتی ہے نفسِ نماز میں شروع ہونے سے اور بعض حضرات کے نزدیک نماز سے فارغ ہونے کے بعد منقطع ہوگی تاکہ تیمم سے جوازِ نماز کا حکم پختہ ہوجائے؛ کیونکہ فراغت سے پہلے ممکن ہے کہ پانی پر قادر ہوجائے جس سے اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے یہی قول صحیح ہے لما فی المحیط البرهانی: فإن شرعت في الصلاة لا يحكم بانقطاع الرجعة عندهما ما لم تفرغ من الصلاة، هو الصحيح من مذهبهما،(المحيط البرهانی:۸/۱۴)

﴿۶﴾ اگر دس دن سے کم میں خون منقطع ہونے کے بعد عورت نے غسل کیا اور بدن کا کچھ حصہ بھول گئی جس کو پانی نہیں پہنچا، تو اگر وہ حصہ ایک عضو یا اس سے بڑھ کر ہو تو رجعت منقطع نہیں ہوگی چنانچہ اب بھی اگر شوہر نے رجوع کیا تو صحیح ہے، اور اگر وہ حصہ ایک عضو سے کم ہو تو رجعت منقطع ہوجائے گی اب شوہر کا رجوع کرنا صحیح نہیں۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں یہ حکم استحسانا ہے ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عضو کامل رہ جانے کی صورت میں بھی شوہر کے لیے حقِ رجعت باقی نہ ہو؛ کیونکہ عورت اکثر بدن دھو چکی ہے اور وللاکثر حکم الکل تو گویا اس نے کل بدن دھولیا ہے، لہٰذا شوہر کے لیے حقِ رجعت باقی نہیں رہنا چاہیے۔ اور عضو سے کم خشک رہ جانے کی صورت میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حقِ رجعت باقی ہو؛ کیونکہ جنابت اور حیض کا حکم متجزی اور ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا لہٰذا بدن کے کسی جزء میں حدث کا وجود کل جسم میں حدث کا وجود شمار ہوتا ہے اور جب پورے جسم میں حدث باقی ہے تو عدت باقی ہے اور جب عدت باقی ہے تو حقِ رجعت بھی منقطع نہ ہوگا۔

﴿۷﴾ وجہ استحسان یہ ہے کہ کامل عضو اور اس سے کم میں فرق ہے وہ یہ کہ عضو سے کم اپنی قلت کی وجہ سے اس کی طرف خشکی سبقت کرتی ہے خاص کر جب گرمی شدید ہو، لہٰذا اس حصہ تک پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں کیا سکتا، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس حصہ کو دھویا ہو مگر جلدی خشک ہوگیا ہو اسلئے ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ رجعت منقطع ہوگئی، دوسری طرف احتیاطاً اس عورت کے لیے دوسرے شخص سے نکاح کو بھی جائز قرار نہیں دیا جب تک کہ اس خشک حصہ کو نہ دھولے۔ اسکے برخلاف اگر عضو کامل خشک رہا تو رجعت کا حکم منقطع نہیں ہوگا کیونکہ عضو کامل جلد خشک نہیں ہوتا اور عادتاً عضو کامل سے انسان غافل بھی نہیں رہتا لہٰذا یہی کہا جائیگا کہ ابھی تک اس حصہ کو دھویا نہیں گیا اور جب ایسا ہے تو غسل نامکمل ہونے کی وجہ سے عدت باقی ہے اسی لیے رجعت بھی منقطع نہ ہوگی، یوں عضو کامل اور اس سے کم مقدار میں فرق ہوگیا۔

{۸}امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ مضمضہ چھوڑنا یا استنشاق چھوڑنا کامل عضو کو چھوڑنے کی طرح ہے یعنی جیسا کہ عضو کامل خشک رہنے کی صورت میں رجعت منقطع نہیں ہوتی اسی طرح مضمضہ یا استنشاق ترک کرنے سے بھی رجعت منقطع نہ ہوگی۔"المضمضة والاستنشاق" میں واو بمعنی "أو" ہے یعنی ہر ایک الگ کامل عضو کی طرح ہے نہ یہ کہ دونوں کا مجموعہ کامل عضو کی طرح ہے۔

اور دوسری روایت امام ابو یوسفؒ سے یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق عضو سے کم جزء کی طرح ہے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے؛ کیونکہ مضمضہ اور استنشاق کی فرضیت میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک غسل میں فرض اور وضو میں سنت ہیں اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں سنت ہیں، جبکہ دیگر اعضا کے دھونے میں کوئی اختلاف نہیں بالاتفاق فرض ہیں، اس لیے مضمضہ اور استنشاق رہ جانے کی صورت میں احتیاط انقطاع رجعت میں ہے، یہی روایت راجح ہے لما فی ردّالمحتار:(قَوْلُهُ: لِأَنَّهُمَا عُضْوٌ وَاحِدٌ) أَيْ بِمَنْزِلَتِهِ، وَكُلُّ وَاحِدٍ بِانْفِرَادِهِ بِمَنْزِلَةِ مَادُونَ الْعُضْوِ، وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَرِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ. وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ تَرْكُ كُلٍّ بِانْفِرَادِهِ كَتَرْكِ عُضْوٍ،وَأَشَارَ إلَى تَصْحِيحِ الْأَوَّلِ فِي الْمُلْتَقَى حَيْثُ قَدَّمَهُ ، وَفِي الْهِدَايَةِ حَيْثُ أَخَّرَهُ مَعَ تَعْلِيلِهِ بِأَنَّ فِي فَرْضِيَّتِهِ اخْتِلَافًا بِخِلَافِ غَيْرِهِ مِنَ الْأَعْضَاءِ.(ردّالمحتار:۲/۵۷۹)

{۱} وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَامِلٌ أَوْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَقَالَ لَمْ أُجَامِعْهَا فَلَهُ

اور جس نے طلاق دی اپنی بیوی کو حالانکہ وہ حاملہ ہے یا بچہ جنی ہے اس سے اور شوہر نے کہا کہ میں نے جماع نہیں کیا ہے اس سے تو اس کو اختیار ہے

الرَّجْعَةُ لِأَنَّ الْحَبَلَ مَتَى ظَهَرَ فِي مُدَّةٍ يُتَصَوَّرُ أَنْ يَكُونَ مِنْهُ جُعِلَ مِنْهُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " { الْوَلَدُ

رجعت کا؛ کیونکہ حمل جب ظاہر ہوا اتنی مدت میں کہ متصور ہے کہ ہو شوہر سے تو قرار دیا جائے گا شوہر سے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "بچہ

لِلْفِرَاشِ } وَذَلِكَ دَلِيلُ الْوَطْءِ مِنْهُ وَكَذَا إذَا ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِئًا ، وَإِذَا

تو فراش کا ہے" اور یہ دلیل وطی ہے شوہر سے، اسی طرح جب ثابت ہو جائے بچے کا نسب شوہر سے تو قرار دیا جائے گا وطی کرنے والا، اور جب

ثَبَتَ الْوَطْءُ تَأَكَّدَ الْمِلْكُ وَالطَّلَاقُ فِي مِلْكٍ مُتَأَكِّدٍ يَعْقُبُ الرَّجْعَةَ وَيَبْطُلُ زَعْمُهُ بِتَكْذِيبِ الشَّرْعِ،

ثابت ہو جائے وطی تو مؤکد ہو جائے گی ملک، اور ملک مؤکد میں طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے اور باطل ہو جائے گا اس کا قول شریعت کے جھٹلانے سے

{۲}أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَثْبُتُ بِهَذَا الْوَطْءِ الْإِحْصَانُ فَلَأَنْ تَثْبُتَ بِهِ الرَّجْعَةُ أَوْلَى .وَتَأْوِيلُ مَسْأَلَةِ الْوِلَادَةِ أَنْ

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ثابت ہوتا ہے اس وطی سے احصان تو ثابت ہو جائے گی اس سے رجعت بطریقہ اولی، اور مسئلہ ولادت کی تاویل یہ ہے کہ

تَلِدَ قَبْلَ الطَّلَاقِ ، لِأَنَّهَا لَوْ وَلَدَتْ بَعْدَهُ تَنْقَضِي الْعِدَّةُ بِالْوِلَادَةِ فَلَا تُتَصَوَّرُ الرَّجْعَةُ . {۳}قَالَ : فَإِنْ خَلَا

بچہ جنے طلاق سے پہلے؛ کیونکہ اگر وہ بچہ جنے طلاق کے بعد تو گذر گئی عدت ولادت سے، پس متصور نہیں رجعت۔ فرمایا: اور اگر شوہر نے خلوت کی

بِهَا وَأَغْلَقَ بَابًا أَوْ أَرْخَى سِتْرًا وَقَالَ، لَمْ أُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَمْلِكِ الرَّجْعَةَ

عورت کے ساتھ اور بند کر دیا دروازہ یا چھوڑ دیا پردہ اور کہا کہ میں نے وطی نہیں کی ہے اس سے، پھر طلاق دی اس کو تو مالک نہ ہو گا رجعت کا

لِأَنَّ تَأَكُّدَ الْمِلْكِ بِالْوَطْءِ وَقَدْ أَقَرَّ بِعَدَمِهِ فَيُصَدَّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَالرَّجْعَةُ حَقُّهُ

کیونکہ ملک کا مؤکد ہونا وطی سے ہوتا ہے حالانکہ وہ اقرار کر چکا ہے عدم وطی کا پس تصدیق کی جائے گی اس کے اپنے حق میں، اور رجعت اس کا حق ہے

﴿۴﴾ وَلَمْ يَصِرْ مُكَذَّبًا شَرْعًا، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِأَنَّ تَأَكُّدَ الْمَهْرِ الْمُسَمَّى يَبْتَنِي عَلَى تَسْلِيمِ الْمُبْدَلِ لَا عَلَى الْقَبْضِ،

اور تکذیب نہیں کی گئی ہے شریعت کی جانب سے، بخلاف مہر کے؛ کیونکہ مؤکد ہونا مہر مسمّٰی کا مبنی ہے مبدل سپرد کرنے پر نہ کہ قبض کرنے پر

بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ. ﴿۵﴾ فَإِنْ رَاجَعَهَا مَعْنَاهُ بَعْدَمَا خَلَا بِهَا وَقَالَ لَمْ أُجَامِعْهَا

بر خلاف پہلی صورت کے، پھر اگر رجعت کر لی اس سے یعنی بعد اس کے کہ خلوت کرے اس سے اور کہے کہ میں نے وطی نہیں کی ہے اس سے

ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بِيَوْمٍ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ إِذْ هِيَ لَمْ تُقِرَّ

پھر وہ بچہ جنے دو سال سے ایک دن کم میں تو صحیح ہے یہ رجعت؛ کیونکہ ثابت ہوتا ہے نسب اس سے اس لیے کہ عورت نے اقرار نہیں کیا ہے

بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَالْوَلَدُ يَبْقَى فِي الْبَطْنِ هَذِهِ الْمُدَّةَ فَأُنْزِلَ وَاطِئًا قَبْلَ الطَّلَاقِ دُونَ مَا بَعْدَهُ لِأَنَّ عَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي

انقضاء عدت کا اور بچہ باقی رہ سکتا ہے پیٹ میں اتنی مدت پس قرار دیا جائے گا وطی کرنے والا طلاق سے پہلے نہ کہ طلاق کے بعد؛ کیونکہ دوسرے احتمال پر

يَزُولُ الْمِلْكُ بِنَفْسِ الطَّلَاقِ لِعَدَمِ الْوَطْءِ قَبْلَهُ فَيَحْرُمُ الْوَطْءُ وَالْمُسْلِمُ لَا يَفْعَلُ الْحَرَامَ ﴿۶﴾ فَإِنْ قَالَ لَهَا

زائل ہوتی ہے ملک نفس طلاق سے عدم وطی کی وجہ سے اس سے پہلے، پس حرام ہو گی اور مسلمان نہیں کرتا فعل حرام۔ پس اگر مرد نے کہا بیوی سے

إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ أَتَتْ بِوَلَدٍ آخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ مَعْنَاهُ مِنْ بَطْنٍ آخَرَ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ

"جب تو بچہ جنے تو تُو طلاق ہے" پھر اس نے بچہ جنا پھر لائی دوسرا بچہ تو یہ رجعت ہو گی، مراد یہ ہے کہ دوسرے بطن سے ہو اور وہ یہ ہے کہ ہو

بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ إِذَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِأَنَّهُ وَقَعَ الطَّلَاقُ عَلَيْهَا بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَوَجَبَتِ

چھ مہینے کے بعد اگر چہ زیادہ ہو دو سال سے جب اقرار نہ کرے عورت انقضاء عدت کا؛ کیونکہ واقع ہو گئی طلاق اس پر اول بچے سے اور واجب ہو گئی

الْعِدَّةُ فَيَكُونُ الْوَلَدُ الثَّانِي مِنْ عُلُوقٍ حَادِثٍ مِنْهُ فِي الْعِدَّةِ لِأَنَّهَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيَصِيرُ مُرَاجِعًا

عدت پس ہو گا دوسرا بچہ ایسے حادث علوق سے جو شوہر سے ہے عدت میں؛ کیونکہ عورت نے اقرار نہیں کیا ہے انقضاء عدت کا پس ہو جائے گا رجوع کرنے والا۔

خلاصہ: مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مطلقہ کا حاملہ یا حالتِ نکاح میں بچہ جننے والی عورت کے بارے میں شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے اس کے ساتھ وطی نہیں کی ہے تو شوہر کو رجعت کا اختیار اور اس کے دو دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر ۳ میں خلوتِ صحیحہ کے بعد جماع

سے انکار کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں خلوتِ صحیحہ کے بعد جماع سے انکار کی ایک صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں شوہر کا اپنی بیوی سے "إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ" پھر اس کا بچہ جننا پھر چھ مہینے کے بعد دوسرے حمل سے دوسرا بچہ جننے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور حال یہ کہ اس کی یہ بیوی حاملہ ہے یا طلاق سے پہلے نکاح میں رہتے ہوئے اس نے اس مرد سے بچہ جنا بشرطیکہ نکاح اور ولادت کے درمیان اتنی مدت گذر چکی ہو کہ جس میں اس کا بچہ جننا متصور ہو یعنی کم از کم چھ مہینے گذر چکے ہوں، اب شوہر کہتا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے، تو اس شخص کو رجعت کا اختیار ہے؛ کیونکہ حمل جب اتنی مدت میں ظاہر ہوا کہ شوہر سے اس کا ہونا متصور اور ممکن ہے تو وہ شوہر ہی کا قرار دیا جائیگا؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ"[1] (بچہ فراش کا ہے) پس جب حمل کا نسب اس شوہر سے ثابت ہوا تو یہ دلیل ہے کہ شوہر نے اس عورت کے ساتھ وطی کی ہے۔ اسی طرح جب بچے کا نسب ثابت ہوا تو شوہر کو وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا اور جب وطی ثابت ہوئی تو ملکِ نکاح مؤکد ہوگئی یعنی عورت کا مدخول بہا ہونا ثابت ہوگیا اور ملکِ مؤکد اپنے بعد رجعت لاتی ہے لہذا شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا، باقی شوہر کا یہ کہنا کہ "میں نے جماع نہیں کیا ہے" شریعت کے جھٹلانے کی وجہ سے باطل ہو جائیگا یعنی جب شریعت نے بچے کا نسب اس سے قرار دیا تو اس کے مذکورہ قول کا اعتبار نہیں کیا اس لیے اس کا یہ قول باطل ہوگا۔ فراش بمعنی عقد ہے پس حدیث شریف کا معنی ہے بچہ صاحبِ عقدِ نکاح کے لیے ہے۔

{۲} باقی یہ ملک مؤکد اس لیے بھی ہے کہ اس وطی سے احصان ثابت ہوتا ہے یعنی شادی شدہ ہونا ثابت ہوتا ہے لہذا اگر اس نے زنا کیا تو اس کی حد رجم ہوگی یوں احصان کو عقوبت اور سزا واجب کرنے میں دخل ہے پس وہ رجعت تو اس سے بطریقۂ اولیٰ ثابت ہوگی جس میں عقوبت اور سزا کو کوئی دخل نہیں۔ اور مسئلۂ ولادت کی تاویل اور مطلب یہ ہے کہ عورت طلاق دیئے جانے سے پہلے بچہ جن لے؛ کیونکہ اگر اس نے طلاق کے بعد بچہ جن لیا تو بچہ جنتے ہی اس کی عدت گذر گئی لہذا اب وہ بائنہ ہوگئی جس سے اب رجعت کرنا متصور و ممکن نہیں ہے۔

{۳} اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ (خلوتِ صحیحہ وہ ہے کہ زوجین تنہائی میں مل جائیں اور جماع سے کسی قسم کی رکاوٹ موجود نہ ہو) کرتے ہوئے دروازہ بند کر دیا یا پردہ چھوڑ دیا پھر کہا کہ "میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے" پھر اس کو

---

(۱) سنن الترمذی، ۱، ص: ۲۴۹، رقم: ۱۱۲۰، باب ماجاء ان الولد للفراش، ط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

طلاق دیدی تو اب اس کو رجعت کا اختیار نہ ہوگا؛ کیونکہ مِلک نکاح وطی سے مؤکد ہوتی ہے اور وطی نہ کرنے کا اس نے اقرار کر دیا ہے پس اس کے حق میں اس کے اقرار کی تصدیق کی جائیگی اور رجعت اسی کا حق ہے لہٰذا حقِ رجعت کو باطل کرنے میں اس کا قول معتبر ہوگا۔

﴿۴﴾سوال یہ ہے کہ اس صورت میں بھی تو شریعت نے اس کی تکذیب کی ہے یوں کہ اب اس کے ذمہ کامل مہر لازم ہوگا اور کامل مہر وطی کے بعد لازم ہوتا ہے پس کامل مہر لازم کرتے ہوئے شریعت نے اس کے قول "کہ میں نے جماع نہیں کیا ہے" کی تکذیب کی، لہٰذا مذکورہ بالا صورت کی طرح اس صورت میں بھی اس کو رجعت کا حق ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ شریعت نے اس کی تکذیب نہیں کی ہے؛ کیونکہ مہر مسمّٰی کا مؤکد ہونا عورت کی جانب سے مبدل (بضع) سپرد کرنے سے ہوتا ہے نہ کہ اس پر قبضہ (اس کے ساتھ وطی کرنے) سے، لہٰذا خلوتِ صحیحہ سے اس مرد کا واطی ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے فقط عورت کی جانب سے تسلیم مبدل ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ گذشتہ صورت میں تو شریعت کی تکذیب کی وجہ سے اس مرد کا واطی ہونا ثابت ہوا تھا؛ کیونکہ اس صورت میں حمل اور ثبوتِ نسب وطی کو مستلزم ہیں، اس لیے دونوں صورتوں کے حکم میں فرق کیا گیا۔

﴿۵﴾اور اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد اس نے یہ کہا "کہ میں نے جماع نہیں کیا ہے" پھر بھی اپنی اس بیوی سے مراجعت کر لی (باوجودیکہ اس کو مراجعت کا حق نہیں تھا) پھر اس عورت نے وقتِ طلاق سے دو سال سے ایک دن کم میں بچہ جنا تو شوہر کی یہ رجعت صحیح ہو گئی؛ کیونکہ اس بچہ کا نسب اسی سے ثابت ہوگا اسلئے کہ عورت نے عدت گذرنے کا اقرار نہیں کیا ہے اور بچہ دو سال تک ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے پس یہ شخص قبل الطلاق واطی قرار دیا جائے گا نہ کہ بعد الطلاق؛ کیونکہ دوسرے اعتبار پر (یعنی طلاق کے بعد واطی قرار دینے سے) اس کی مِلکِ نکاح نفسِ طلاق سے زائل ہو جاتی ہے؛ کیونکہ طلاق سے پہلے وطی نہیں کی گئی ہے لہٰذا عورت غیر مدخول بہا ہے اور غیر مدخول بہا کو طلاق دیتے ہی وہ بائنہ ہو جاتی ہے جس کے ساتھ اب وطی جائز نہیں، اور مسلمان حرام کام نہیں کرتا اس لیے یہی کہا جائے گا کہ اس نے طلاق سے پہلے وطی کی ہے نہ کہ طلاق کے بعد، پس ظاہر یہ ہے کہ طلاق کے بعد وہ حاملہ ہے اور حاملہ کی عدت وضعِ حمل سے گذر جاتی ہے پس شوہر نے جو اس سے مراجعت کر لی تو وہ عدت کے دوران ہے اس لیے یہ مراجعت صحیح ہے۔

﴿۶﴾اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ" (اگر تو بچہ جن گئی تو تجھے طلاق ہے) پھر اس نے ایک لڑکا جن لیا، پھر اس نے چھ مہینے کے بعد دوسرے حمل سے دوسرا بچہ جن لیا، تو یہ دوسری مرتبہ ولادت شوہر کی طرف سے رجعت شمار ہوگی بشرطیکہ دوسرا بچہ دوسرے حمل سے ہو اور دوسرے حمل سے ہونے کی صورت یہ ہے کہ دوسری ولادت پہلی ولادت کے چھ ماہ بعد ہو اگرچہ دو سال سے زائد مدت میں پیدا ہو، بشرطیکہ عورت نے عدت گذرنے کا اقرار نہ کیا ہو؛ کیونکہ ولدِ اول کی ولادت سے اس پر طلاق

واقع ہو گئی اس لئے کہ وقوعِ طلاق ولادت کے ساتھ مشروط تھی پس جب ولادت ہو گئی تو طلاق بھی واقع ہو گئی اور اس پر عدت واجب ہو گئی، پس دوسرے بچے کی ولادت دورانِ عدت زوج کی طرف سے وطی کے نتیجے میں نئے علوق سے ہو گئی ہے اور وطی کا دورانِ عدت میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے عدت گذرنے کا اقرار نہیں کیا ہے، اور دورانِ عدت وطی کرنے سے شوہر مراجعت کرنے والا ہو گا۔

{۱} وَإِنْ قَالَ كُلَّمَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثَلَاثَةَ أَوْلَادٍ فِي بُطُونٍ مُخْتَلِفَةٍ فَالْوَلَدُ الْأَوَّلُ طَلَاقٌ وَالْوَلَدُ الثَّانِي رَجْعَةٌ
اور اگر کہا "جب بھی تو بچہ جنے تو تُو طلاق ہے" پھر اس نے جنے تین بچے الگ الگ پیٹ سے، تو ولدِ اول طلاق ہو گا اور ثانی رجعت ہو گا

وَكَذَا الثَّالِثُ لِأَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ بِالْأَوَّلِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَصَارَتْ مُعْتَدَّةً ، وَبِالثَّانِي صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا
اور ایسے ہی تیسرا بچہ؛ کیونکہ وہ جب لائی اول بچہ تو واقع ہو گئی طلاق اور وہ ہو گئی معتدہ، اور دوسرے بچے سے وہ ہو گیا رجوع کرنے والا اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا أَنَّهُ يَجْعَلُ الْعُلُوقَ بِوَطْءٍ حَادِثٍ فِي الْعِدَّةِ وَيَقَعُ الطَّلَاقُ الثَّانِي بِوِلَادَةِ الْوَلَدِ الثَّانِي
جو ہم بیان کر چکے کہ قرار دیا جائے علوق کو ایسی وطی کی وجہ سے جو ہوئی ہے عدت میں اور واقع ہو گی دوسری طلاق دوسرے بچے کی ولادت سے

لِأَنَّ الْيَمِينَ مَعْقُودَةٌ بِكَلِمَةِ كُلَّمَا وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ ، وَبِالْوَلَدِ الثَّالِثِ صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا
کیونکہ یمین منعقد کی گئی ہے کلمہ کلّما سے اور واجب ہو گئی ہے عدت، اور تیسرے بچے سے وہ ہو گیا رجوع کرنے والا اس دلیل کی وجہ سے

ذَكَرْنَا، وَتَقَعُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ بِوِلَادَةِ الثَّالِثِ وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ بِالْأَقْرَاءِ لِأَنَّهَا حَائِلٌ
جو ہم ذکر کر چکے، اور واقع ہو جائے گی تیسری طلاق ولادتِ ثالث سے، اور واجب ہو گی عدت حیضوں سے؛ کیونکہ یہ عورت غیر حاملہ

مِنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ حِينَ وَقَعَ الطَّلَاقُ {۲} وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ لِأَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ إِذِ النِّكَاحُ
ذوات الحیض میں سے ہے وقوعِ طلاق کے وقت۔ اور مطلقہ رجعیہ سنورے اور زینت اختیار کرے؛ کیونکہ وہ حلال ہے زوج کے لیے اس لیے کہ نکاح

قَائِمٌ بَيْنَهُمَا ، ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَالتَّزَيُّنُ حَامِلٌ لَهُ عَلَيْهَا فَيَكُونُ مَشْرُوعًا {۳} وَيُسْتَحَبُّ
قائم ہے ان دونوں کے درمیان، پھر رجعت مستحب ہے اور تزئین ابھارنے والا ہے زوج کو اس پر، پس ہو گا مشروع، اور مستحب ہے

لِزَوْجِهَا أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتَّى يُؤْذِنَهَا أَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ
اس کے زوج کے لیے کہ داخل نہ ہو اس پر حتی کہ باخبر کردے اس کو یا سنائے اس کو اپنے جوتوں کی آہٹ، مطلب یہ ہے کہ جب نہ ہو اس کا قصد

الْمُرَاجَعَةُ لِأَنَّهَا رُبَّمَا تَكُونُ مُتَجَرِّدَةً فَيَقَعُ بَصَرُهُ عَلَى مَوْضِعٍ يَصِيرُ بِهِ مُرَاجِعًا
مراجعت کا؛ کیونکہ عورت بسا اوقات ہوتی ہے ننگی، پس واقع ہو جائے گی اس کی نظر ایسی جگہ پر کہ ہو جاتا ہے اس سے وہ رجوع کرنے والا،

ثُمَّ يُطَلِّقُهَا فَتَطُولُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا {۴} وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِهَا حَتَّى يُشْهِدَ

پھر وہ طلاق دے گا اس کو تو طویل ہو جائے گی عدت اس پر، اور جائز نہیں شوہر کے لیے کہ سفر کرے اس کے ساتھ یہاں تک کہ گواہ بنائے

عَلَى رَجْعَتِهَا وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالَى عَلَيْهِ : لَهُ ذٰلِكَ لِقِيَامِ النِّكَاحِ ، وَلِهٰذَا لَهُ أَنْ يَغْشَاهَا

اس کو رجعت کرنے پر، اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ زوج کے لیے یہ جائے قیام نکاح کی وجہ سے، اسی لیے اس کے لیے جائز ہے کہ جماع کرے اس سے

عِنْدَنَا .وَلَنَا قَوْله تَعَالَى { وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ } الْآيَةَ ، وَلِأَنَّ تَرَاخِيَ عَمَلِ الْمُبْطِلِ

ہمارے نزدیک۔ اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور نہ نکالو ان کو ان کے مسکن سے" اور اس لیے کہ موخر ہونا باطل کرنے والے کا عمل

لِحَاجَتِهِ إِلَى الْمُرَاجَعَةِ ، فَإِذَا لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتَّى انْقَضَتْ الْعِدَّةُ ظَهَرَ أَنَّهُ لَا حَاجَةَ لَهُ

شوہر کی حاجتِ مراجعت کی وجہ سے ہے، پس جب شوہر نے رجوع نہیں کیا اس کو حتی کہ گذر گئی عدت، تو ظاہر ہوا کہ حاجت نہیں اس کو

فَتَبَيَّنَ أَنَّ الْمُبْطِلَ عَمِلَ عَمَلَهُ مِنْ وَقْتِ وُجُودِهِ وَلِهٰذَا تُحْتَسَبُ الْأَقْرَاءُ مِنَ الْعِدَّةِ فَلَمْ يَمْلِكْ الزَّوْجُ الْإِخْرَاجَ

پس واضح ہو گیا کہ مبطل نے اپنا عمل کیا اس کے وجود کے وقت سے، اسی لیے شمار ہوں گے حیض عدت میں سے، پس مالک نہ ہو گا زوج اخراج کا

إِلَّا أَنْ يُشْهِدَ عَلَى رَجْعَتِهَا فَتَبْطُلُ الْعِدَّةُ وَيَتَقَرَّرُ مِلْكُ الزَّوْجِ . وَقَوْلُهُ حَتَّى يُشْهِدَ عَلَى رَجْعَتِهَا

مگر یہ کہ گواہ بنالے اس سے رجعت پر، تو باطل ہو جائے گی عدت اور ثابت ہو جائے گی زوج کی ملک۔ اور امام محمدؒ کے قول "حتی یشہد علی رجعتہا"

مَعْنَاهُ الِاسْتِحْبَابُ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ{۵} وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْءَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يُحَرِّمُهُ،

کا معنی مستحب ہونا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور طلاق رجعی حرام نہیں کرتی ہے وطی کو، اور فرمایا امام شافعیؒ نے حرام کر دیتی ہے وطی کو

لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ زَائِلَةٌ لِوُجُودِ الْقَاطِعِ وَهُوَ الطَّلَاقُ .وَلَنَا أَنَّهَا قَائِمَةٌ حَتَّى يَمْلِكَ

کیونکہ زوجیت زائل ہو گئی ہے وجودِ قاطع کی وجہ سے اور وہ طلاق ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجیت قائم ہے حتی کہ وہ مالک ہے

مُرَاجَعَتَهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهَا لِأَنَّ حَقَّ الرَّجْعَةِ ثَبَتَ نَظَرًا لِلزَّوْجِ لِيُمْكِنَهُ التَّدَارُكُ

رجوع کرنے کا اس سے اس کی رضا کے بغیر؛ کیونکہ حق رجعت ثابت ہے شوہر کی رعایت کے لیے تاکہ ممکن ہو اس کے لیے تدارک

عِنْدَ اعْتِرَاضِ النَّدَمِ، وَهٰذَا الْمَعْنَى يُوجِبُ اسْتِبْدَادَهُ بِهِ ، وَذٰلِكَ يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ اسْتِدَامَةً

ندامت پیش آنے کے وقت، اور یہ معنی واجب کر دیتا ہے شوہر کا استقلال رجعت کے ساتھ، اور شوہر کا استقلال خبر دیتا ہے ملکِ نکاح کے دوام کی

لَا إِنْشَاءً إِذِ الدَّلِيلُ يُنَافِيهِ{۶} وَالْقَاطِعُ أَخَّرَ عَمَلَهُ إِلَى مُدَّةٍ إِجْمَاعًا أَوْ نَظَرًا لَهُ عَلَى مَا تَقَدَّمَ ،وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

نہ کہ از سر نو پیدا کرنے کی؛ کیونکہ دلیل اس کے منافی ہے، اور قاطع نے موخر کر دیا اپنا عمل ایک مدت تک بالاتفاق، یا شوہر کی رعایت کے لیے

جیسا کہ گذر چکا، واللّٰہ أعلم بالصواب.

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا اپنی بیوی سے "كُلَّمَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ" کہنا، پھر اس کا تین حمل سے تین بچے جننے کا حکم دلیل سمیت ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲و۳ میں مطلقۂ رجعیہ کے لیے عدم تزئین کا حکم اور اس کی دلیل، اور اس کے شوہر کے ذمہ اطلاع دینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں مطلقۂ رجعیہ کو سفر میں لے جانے کے حکم میں ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کا اختلاف، ان کی دلیل، پھر ہمارے دو دلائل کو ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵و۶ میں مطلقۂ رجعیہ کے ساتھ وطی کے جواز میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام شافعیؒ کی دلیل جواب ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "كُلَّمَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ" (جب بھی تو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے) اب اس نے علیٰحدہ علیٰحدہ تین حمل سے تین بچے جن لیے، تو پہلے بچے کی ولادت پہلی طلاق ہے، اور دوسرے بچے کی پیدائش پہلی طلاق سے رجعت ہے، اور تیسرے بچے کی پیدائش دوسری طلاق سے رجعت شمار ہوگی؛ کیونکہ شرط کے مطابق پہلا بچہ پیدا ہونے کے بعد ایک طلاق واقع ہوگئی اب وہ معتدہ ہوگی؛ کیونکہ طلاق کے بعد عدت ہوتی ہے، پھر جب دوسرے بچے کا حمل ٹھہر گیا تو اس سے وہ پہلی طلاق سے رجوع کرنے والا شمار ہوگا؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ دوسرے بچے کا علوق (حمل ٹھہرنا) دوران عدت کی گئی نئی وطی سے ہوا ہے اور دوران عدت وطی سے رجعت ثابت ہوتی ہے، پھر جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو شرط کے مطابق دوسری طلاق واقع ہوگئی؛ کیونکہ یمین کلمۂ "كُلَّمَا" سے منعقد کی گئی تھی لہٰذا دوسرا بچہ جننے سے دوسری طلاق واقع ہوگئی اور عدت واجب ہوگئی، اور جب تیسرا حمل ٹھہر گیا تو اس سے وہ دوسری طلاق سے رجوع کرنے والا شمار ہوگا؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ دوسرے بچے کا علوق دوران عدت کی گئی نئی وطی سے ہوا ہے اور دوران عدت وطی سے رجعت ثابت ہوتی ہے، پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اب تیسری طلاق واقع ہونے کی وجہ سے یہ عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی لہٰذا اس کے بعد شوہر رجوع کا حق نہیں رکھتا اور عورت پر حیضوں کے ساتھ عدت گذارنا واجب ہوگا؛ کیونکہ وقوعِ طلاق کے وقت یہ عورت غیر حاملہ اور ذوات الحیض میں سے ہے اس لیے عدت حیضوں سے گذارے گی۔

{۲} جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے زوج کیلئے خود کو آراستہ اور مزین کردے؛ کیونکہ یہ عورت اس کے لیے حلال ہے اس لیے کہ ان کے درمیان اب تک نکاح اور زوجیت قائم ہے، اور رجعت مستحب ہے تزئین اس پر ابھارنے والا ہے؛ کیونکہ کبھی شوہر اس کی زینت کو دیکھ کر اس کی طرف راغب ہو جاتا ہے لہٰذا زینت اختیار کرنا مشروع ہوگا۔ مگر یہ اس وقت ہے کہ مرد کے رجوع کرنے کی امید ہو اور مرد حاضر ہو پس اگر رجعت کی امید نہ ہو یا مرد غائب ہو تو پھر عورت تزئین اختیار نہ کرے۔

{۳} اس کے شوہر کا اگر ارادہ مراجعت کا نہ ہو تو اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ عورت کو اطلاع دیئے بغیر یا جوتوں کی آہٹ سنائے بغیر عورت کے پاس نہ جائے؛ کیونکہ عورت بسااوقات گھر میں برہنہ ہو جاتی ہے تو شوہر کی نظر ایسی جگہ پر پڑھ سکتی ہے جس سے رجعت ثابت ہو جائے گی، اس طرح اسے پھر طلاق دینا پڑیگا جس کے بعد عورت از سر نو عدت گذارے گی تو بلاوجہ عورت کی عدت طویل ہو جائے گی۔

فنتہ علامہ ابن الہمامؒ نے اس وجہ کو بعید قرار دیا ہے؛ کیونکہ رجعت فرج داخل کو دیکھنے سے ثابت ہوتی ہے جبکہ جماع کی حالت کے علاوہ فرج داخل کو دیکھنا ذرا بعید معلوم ہوتا ہے، وَلَمْ يَلْتَفِتْ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ إلَى التَّعْلِيلِ بِاحْتِمَالِ النَّظَرِ الَّذِي يَصِيرُ بِهِ مُرَاجِعًا؛ لِأَنَّهُ لِبُعْدِهِ جِدًّا حَيْثُ كَانَ إنَّمَا هُوَ النَّظَرُ إلَى دَاخِلِ الْفَرْجِ ، وَقَلَّ أَنْ يَقَعَ مَعَ الْخَلْوَةِ ،حَتَّى إنَّ الْإِنْسَانَ يَكُونُ مَعَ زَوْجَتِهِ الَّتِي هِيَ فِي عِصْمَتِهِ سِنِينَ لَا يَقَعُ لَهُ هَذَا النَّظَرُ إلَّا إنْ تَعَمَّدَهُ قَصْدًا حَالَةَ الْجِمَاعِ(فتح القدير: ۴/۲۹)، پس بہتر یہ ہے کہ یہ وجہ بیان کی جائے کہ خلوت میں یہ امکان ہے کہ مرد عورت کو شہوت سے مس کر دے جس سے رجعت ثابت ہوگی اور شوہر کو اسے دوبارہ طلاق دینے کی ضرورت ہوگی جس کی وجہ سے اس کی عدت بلاوجہ طویل ہو جائے گی۔

{۴} اور جب تک کہ مطلقہ رجعیہ سے رجعت کرنے پر گواہ قائم نہ کرے اسے سفر میں نہ لے جائے۔ امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک مطلقہ رجعیہ کو سفر میں لے جانا جائز ہے؛ ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد بھی ان کے درمیان نکاح قائم ہے یہی وجہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کے ساتھ ہمارے نزدیک وطی کرنا جائز ہے، لہٰذا غیر مطلقہ منکوحہ کی طرح اس کو بھی سفر میں لے جانا جائز ہوگا۔ ہماری دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ﴾ (ان عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو) اور یہ آیتِ مبارکہ مطلقہ رجعیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ طلاق نکاح کو باطل کرنے والی ہے لہٰذا چاہیے تھا کہ طلاق دیتے ہی نکاح ختم ہو، مگر کبھی شوہر کو رجعت کی حاجت ہوتی ہے اس وجہ سے مبطل (طلاق) کے عمل ابطال کو مؤخر کر دیا، لیکن اب جبکہ ایک مدت گذر گئی اور اس نے رجوع نہیں کیا ہے تو یہ دلیل ہے کہ اس کو حاجت نہیں اور عدمِ حاجت کی وجہ سے مبطل (طلاق) نے اپنے وجود کے وقت سے انقطاعِ نکاح کا عمل کیا ہے، لہٰذا طلاق کے وقت سے وہ اجنبیہ شمار ہوگی، اور مبطل کا عمل اس کے وجود ہی کے وقت سے ہے اسی لیے عدت گذرنے سے پہلے جو حیض گذرے ہیں وہ عدت میں سے شمار ہوتے ہیں، پس جب مبطل کے وجود کے وقت سے نکاح منقطع ہے تو یہ عورت اجنبیہ کی طرح ہے اس لیے شوہر اسے سفر میں لے جانے کا مالک نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ اس سے رجعت کر لے اور اس پر گواہ قائم کر لے تو عدت باطل

---

(۱) الطلاق: ۱

ہو گئی اور زوج کی ملکیت مستحکم ہو گئی اس لیے اب اس کے لیے جائز ہے کہ اسے سفر میں لے چلے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول "حتی یشہد علی رجعتہا" سے مراد گواہ بنانے کا استحباب ہے وجوب مراد نہیں جیسا کہ باب کے شروع میں گذر چکا کہ رجعت پر گواہ قائم کرنا مستحب ہے۔

{۵} طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلاق رجعی وطی کو حرام کرتی ہے؛ کیونکہ جوازِ وطی کے لئے ملک نکاح کا قائم ہونا شرط ہے حالانکہ ملکِ نکاح وجودِ قاطع یعنی طلاق کی وجہ سے زائل ہو گئی لہٰذا طلاقِ رجعی کے بعد وطی جائز نہ ہو گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاقِ رجعی ملکِ نکاح کو زائل نہیں کرتی یہی وجہ ہے کہ عورت کی رضامندی کے بغیر مرد اس سے مراجعت کر سکتا ہے، کیونکہ شوہر کے لیے رجعت خود اس کے لحاظ اور رعایت کے لیے ثابت ہے تاکہ اگر اس کو طلاق دینے پر ندامت ہو تو وہ رجعت کے ذریعہ اس کا تدارک کر سکے اور یہ وجہ اس بات کو واجب کرتی ہے کہ شوہر رجعت کے ساتھ مستقل ہے اور شوہر کا رجعت کرنے میں مستقل ہونا خبر دیتا ہے کہ رجعت بقاءِ نکاح کا نام ہے نہ کہ ابتداءِ نکاح کا؛ کیونکہ یہ دلیل کہ شوہر رجعت کرنے میں مستقل ہے یہ منافی ہے رجعت کا ابتداءِ نکاح ہونے کے اس لیے کہ شوہر ابتداءِ نکاح میں منفرد اور مستقل نہیں ہوتا ہے پس جب یہ ثابت ہوا کہ رجعت بقاءِ نکاح کا نام ہے اور بقاءِ نکاح کے لیے قیامِ نکاح ضروری ہے اور قیامِ نکاح کے ساتھ وطی ممنوع نہیں اس لیے ہم نے کہا کہ طلاقِ رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی ہے۔

{۶} اور امام شافعی کا یہ کہنا کہ "ملکِ نکاح وجودِ قاطع یعنی طلاق کی وجہ سے زائل ہو گئی" تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاطع نکاح یعنی طلاق وجودِ نکاح کے منافی نہیں؛ کیونکہ بالاتفاق طلاق نے اپنا عمل ایک مدت (انقضاء عدت) تک مؤخر کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ دورانِ عدت وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اور یا شوہر کی رعایت کے پیشِ نظر قاطع (طلاق) نے اپنا عمل مؤخر کر دیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا اس لیے فی الحال نکاح قائم ہے اور قیامِ نکاح کے ساتھ وطی حرام نہیں ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

فَصْلٌ فِيمَا تَحِلُّ بِهِ الْمُطَلَّقَةُ

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے مطلقہ عورت حلال ہوتی ہے۔

مصنف ؒ نے اس سے پہلے مراجعت کی وہ صورتیں بیان فرمائی جن سے طلاق رجعی کا تدارک کیا جاسکتا ہے، اس فصل میں ان صورتوں کو بیان فرماتے ہیں کہ جن کے ذریعہ طلاق رجعی کے علاوہ دوسری طلاقوں کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔

{۱} وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُونَ الثَّلَاثِ فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَ انْقِضَائِهَا لِأَنَّ حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ

اور جب ہو طلاق بائن تین سے کم تو زوج کو اختیار ہے کہ وہ نکاح کرے اس سے عدت میں اور عدت گذرنے کے بعد؛ کیونکہ محلیت کا حلال ہونا

بَاقٍ لِأَنَّ زَوَالَهُ مُعَلَّقٌ بِالطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ فَيَنْعَدِمُ قَبْلَهُ ، {۲} وَمَنْعُ الْغَيْرِ فِي الْعِدَّةِ

باقی ہے؛ اس لیے کہ اس کا زوال معلق ہے تیسری طلاق سے، تو معدوم ہوگا اس سے پہلے، اور دوسرے سے نکاح کی ممانعت عدت میں

لِاشْتِبَاهِ النَّسَبِ وَلَا اشْتِبَاهَ فِي إطْلَاقِهِ {۳} وَإِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحُرَّةِ أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي الْأَمَةِ

اشتباہ نسب کی وجہ سے ہے اور کوئی اشتباہ نہیں شوہر سے نکاح جائز قرار دینے میں، اور اگر طلاق تین ہوں آزاد عورت میں یا دو ہوں باندی میں

لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيحًا وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا

تو حلال نہ ہوگی اس کے لیے یہاں تک کہ نکاح کرے دوسرے زوج سے صحیح نکاح اور وہ دخول کرے اس کے ساتھ پھر وہ طلاق دے اس کو

أَوْ يَمُوتَ عَنْهَا وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْله تَعَالَى { فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ

یا مر جائے اس سے؛ اور اس بارے میں اصل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اگر اس کو طلاق دے تو وہ حلال نہ ہوگی شوہر کے لیے تیسری طلاق کے بعد

حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ } فَالْمُرَادُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ ، {۴} وَالثِّنْتَانِ فِي حَقِّ الْأَمَةِ كَالثَّلَاثِ فِي حَقِّ الْحُرَّةِ ، لِأَنَّ

یہاں تک کہ نکاح کرے دوسرے شوہر سے" اور مراد تیسری طلاق ہے، اور دو باندی کے حق میں ایسی ہیں جیسے تین حرہ کے حق میں؛ کیونکہ

الرِّقَّ مُنَصِّفٌ لِحِلِّ الْمَحَلِّيَّةِ عَلَى مَا عُرِفَ {۵} ثُمَّ الْغَايَةُ نِكَاحُ الزَّوْجِ مُطْلَقًا ، وَالزَّوْجِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ إنَّمَا تَثْبُتُ

کیونکہ رقیت نصف کر دیتی ہے محل کے حلال ہونے کو جیسا کہ معلوم ہوا ہے، پھر انتہا نکاح ہے دوسرے شوہر کا مطلقاً اور زوجیت مطلقہ ثابت ہوتی ہے

بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ ، {۶} وَشَرْطُ الدُّخُولِ ثَبَتَ بِإِشَارَةِ النَّصِّ وَهُوَ أَنْ يُحْمَلَ النِّكَاحُ عَلَى الْوَطْءِ حَمْلًا لِلْكَلَامِ عَلَى الْإِفَادَةِ

نکاح صحیح سے، اور شرطِ دخول ثابت ہوئی ہے اشارۃ النص سے، اور وہ یہ ہے کہ حمل کیا جائے گا نکاح وطی پر حمل کرتے ہوئے کلام کو افادہ پر

دُونَ الْإِعَادَةِ إذْ الْعَقْدُ اُسْتُفِيدَ بِإِطْلَاقِ اسْمِ الزَّوْجِ {۷} أَوْ يُزَادُ عَلَى النَّصِّ بِالْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ ، وَهُوَ قَوْلُهُ ﷺ { لَا تَحِلُّ

نہ کہ اعادہ پر؛ کیونکہ عقد مستفاد ہے لفظ زوج سے یا زیادتی کی جائے گی نص پر حدیثِ مشہور سے اور وہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "حلال نہ ہوگی

لِلْأَوَّلِ حَتَّى تَذُوقَ عُسَيْلَةَ الْآخَرِ } - رُوِيَ بِرِوَايَاتٍ ، {۸} وَلَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِيهِ سِوَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ .

اول کے لیے یہاں تک چکھ لے دوسرے کا مزہ" مروی ہے متعدد روایات سے، اور اختلاف نہیں کسی کا اس میں سوائے سعید بن المسیب کے،

وَقَوْلُهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ حَتَّى لَوْ قَضَى بِهِ الْقَاضِي لَا يَنْفُذُ، ﴿۹﴾ وَالشَّرْطُ الْإِيلَاجُ دُونَ الْإِنْزَالِ لِأَنَّهُ كَمَالٌ وَمُبَالَغَةٌ فِيهِ

اور ان کا قول معتبر نہیں حتی کہ اگر فیصلہ کیا اس پر قاضی نے تو نافذ نہ ہوگا، اور شرط ادخال ہے نہ کہ انزال؛ کیونکہ انزال کمال اور مبالغہ ہے دخول میں

وَالْكَمَالُ قَيْدٌ زَائِدٌ ﴿۱۰﴾ وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيلِ كَالْبَالِغِ لِوُجُودِ الدُّخُولِ فِي نِكَاحٍ صَحِيحٍ وَهُوَ الشَّرْطُ بِالنَّصِّ

اور کمال قید زائد ہے، اور مراہق بچہ تحلیل میں بالغ کی طرح ہے؛ بوجہ موجود ہونے دخول کے نکاح صحیح میں، اور یہی شرط ہے نص سے،

وَمَالِكٌ يُخَالِفُنَا فِيهِ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّاهُ . ﴿۱۱﴾ وَفَسَّرَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَقَالَ : غُلَامٌ

اور امام مالک ہمارے مخالف ہیں اس میں، اور حجت ان پر وہ ہے جو ہم بیان کر چکے۔ اور مراہق کی تفسیر کی ہے جامع صغیر میں، اور فرمایا: کہ وہ لڑکا

لَمْ يَبْلُغْ وَمِثْلُهُ يُجَامِعُ جَامَعَ امْرَأَتَهُ وَجَبَ عَلَيْهَا الْغُسْلُ وَأَحَلَّهَا

جو بالغ نہیں ہوا ہے حالانکہ اس جیسا لڑکا جماع کر سکتا ہو اس نے جماع کیا اپنی بیوی سے تو واجب ہوگا اس عورت پر غسل اور اس نے اس کو حلال کر دیا

عَلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ، وَمَعْنَى هَذَا الْكَلَامِ أَنْ تَتَحَرَّكَ آلَتُهُ وَيَشْتَهِي، ﴿۱۲﴾ وَإِنَّمَا وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَيْهَا لِالْتِقَاءِ الْخِتَانَيْنِ

زوج اول کے لیے، اور معنی اس کلام کا یہ ہے کہ حرکت کرے اس کا آلہ اور خواہش کرے، اور واجب ہوتا ہے غسل عورت پر التقاء ختانین کی وجہ سے

وَهُوَ سَبَبٌ لِنُزُولِ مَائِهَا وَالْحَاجَةِ إِلَى الْإِيجَابِ فِي حَقِّهَا، أَمَّا لَا غُسْلَ عَلَى الصَّبِيِّ وَإِنْ كَانَ يُؤْمَرُ بِهِ تَخَلُّقًا

اور یہی سبب ہے عورت کی منی کے نزول کا اور ضرورت غسل واجب کرنے کی عورت کے حق میں ہے، اور غسل واجب نہیں بچے پر اگرچہ حکم دیا جائے گا اس کو عادت ڈالنے کے لیے۔

خلاصہ:۔ مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا مطلقہ بائنہ کے ساتھ دورانِ عدت نکاح کرنے کا جواز اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۳ تا ۹ میں مطلقہ مغلظہ کا زوجِ اول کے لیے حلال ہونے کی شرائط اور تفصیل دلائل سمیت ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۰ میں مراہق کے نکاح کرنے سے زوجِ اول کے لیے حلال ہونے میں ہمارا اور امام مالک کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام مالک کے خلاف حجت کو ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۱۱ و ۱۲ میں مراہق کی تفسیر، اور مراہق کے جماع سے عورت پر غسل کا وجوب، اور مراہق عدم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر شوہر نے تین سے کم ایک یا دو طلاق بائن دی ہو، تو شوہر کے لیے اس معتدہ سے دورانِ عدت میں بھی نکاح کرنا جائز ہے اور عدت کے بعد بھی؛ کیونکہ حِلتِ محل ابھی تک باقی ہے یعنی عورت انسان ہے اور محرمہ نہیں اس لیے محلِ نکاح ہے؛ کیونکہ

ملت کا زوال تیسری طلاق پر معلق ہے یعنی تیسری طلاق کے بعد وہ محرمہ ہو جاتی ہے اس سے پہلے وہ محرمہ نہیں، پس جب حلت ثابت ہو گئی تو شوہر کیلئے اس سے نکاح کرنا بھی حلال ہوگا۔

{۲} سوال یہ ہے کہ معتدہ سے نکاح کرنے کے سلسلے میں آیتِ مبارکہ میں مطلقاً ممانعت آئی ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ (اور تم تعلق نکاح کا (فی الحال) ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو پہنچ جاوے) اور آپ نے اوپر جو دلیل پیش کی وہ آیتِ مبارکہ کے مقابلے میں حجت نہیں، لہٰذا شوہر کے لیے بھی اپنی معتدہ سے نکاح کرنا جائز نہ ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ میں معتدہ سے نکاح کرنے کی ممانعت شوہر کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے ہے وجہ یہ ہے کہ شوہر کے علاوہ کا معتدہ سے نکاح کرنے سے نسب میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے یوں کہ دو مختلف لوگوں کا پانی اس عورت کے رحم میں جمع ہو جائے گا، جبکہ شوہر سے نکاح کرنے کی اجازت دینے میں اشتباہِ نسب کی خرابی لازم نہیں آتی ہے کیونکہ معتدہ کے رحم میں پہلے سے موجود پانی بھی شوہر ہی کا ہے اس لیے شوہر کا اس سے نکاح کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔

{۳} اگر شوہر نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیں یا منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دیں تو یہ عورت اب شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے صحیح نکاح کرلے اور وہ اس کے ساتھ دخول بھی کرلے، دوسرے شوہر سے صحیح نکاح کرنا اور اس کا اس کے ساتھ دخول کرنا شرط ہے، پھر وہ اسکو طلاق دیدے یا مرجائے اور عورت عدت گذار دے تو اب اس سے اول شوہر کا دوبارہ نکاح کرنا درست ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ (یعنی پھر دو طلاق کے بعد اگر شوہر تیسری طلاق دیدے تو مطلقہ اس شوہر کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے) آیتِ مبارکہ میں طلاق سے اکثر مفسرین کے نزدیک تیسری طلاق مراد ہے، لہٰذا تیسری طلاق کے بعد دوسرے زوج کے پاس جانے سے پہلے اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔

{۴} اور باندی کے حق میں دو طلاقیں ایسی ہیں جیسے آزاد عورت کے حق میں تین طلاقیں یعنی جس طرح کہ آزاد عورت تین طلاقوں سے مغلظہ ہو جاتی ہے اسی طرح باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہو جائے گی؛ کیونکہ رقیت عذاب اور نعمت ہر دو کی تنصیف کرتی ہے اور محل (عورت) کا حلال ہونا نعمت ہے جیسا کہ یہ بات اصول میں معلوم ہو چکی ہے، لہٰذا باندی ایک اور نصف طلاق سے مغلظہ ہونی چاہیئے مگر چونکہ طلاق متجزی نہیں اس لیے پوری دو طلاقوں سے مغلظہ ہو جائے گی۔

---

(۱) البقرۃ:۲۳۵۔
(۲) البقرۃ:۲۳۰۔

{۵} پھر زوج ثانی سے صحیح نکاح کرنا شرط ہے وجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے مذکورہ بالا ارشاد میں حلت کا غایہ مطلقاً دوسرے زوج سے نکاح کرنے کو قرار دیا ہے جس میں زوج ثانی سے نکاح کے صحیح یا فاسد ہونے کی قید نہیں، اور مطلق سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے اور زوجیت کا فردِ کامل نکاح صحیح ہے اس لیے کہا کہ زوجِ اول کے لیے حلال ہونے کی شرط نکاح صحیح ہے۔

{۶} اور زوجِ ثانی کا اس کے ساتھ وطی کرنے کی شرط اشارۃ النص سے ثابت ہے یوں کہ ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ میں نکاح سے مراد وطی ہے نہ کہ عقدِ نکاح؛ کیونکہ عقدِ نکاح تو لفظِ ﴿زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ سے مفہوم ہوتا ہے اس لیے کہ زوج عقدِ نکاح کے بغیر زوج نہیں ہو سکتا ہے تو اگر لفظِ نکاح سے بھی عقدِ نکاح کو مراد لیا جائے تو لفظِ ﴿زَوْجًا﴾ اس کے لیے تاکید ہو جائے گا، اور اگر نکاح سے وطی مراد لی جائے تو پھر تاسیس کے لیے ہوگا، ظاہر ہے کہ تاسیس کی صورت میں کلام ایک نئی بات کا فائدہ دیتا ہے جبکہ تاکید میں تاکید کے سوا کوئی نئی بات نہیں ہوتی، اور قاعدہ ہے کہ افادہ اعادہ سے بہتر ہوتا ہے، اس لیے لفظِ نکاح کا معنیٰ وطی سے کر کے زوجِ ثانی کی وطی کو شرط قرار دیا گیا۔

{۷} یا زوجِ ثانی کی وطی کا شرط ہونا حدیثِ مشہور سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت رفاعہؓ نے حضور ﷺ کے زمانے میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، عدت گذارنے کے بعد اس عورت نے عبد الرحمان بن زبیرؓ سے نکاح کیا، مگر عبد الرحمان کو نامرد پایا اس لیے اس نے واپس رفاعہ کے پاس جانا چاہا حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا "لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَذُوقَ عُسَيْلَةَ الْآخَرِ"[1] (تو حلال نہیں اول کے لیے یہاں تک کہ دوسرے کا مزہ چکھ لے) یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، اور مزہ چکھنے سے مراد وطی ہے لہٰذا زوجِ ثانی کی وطی کا شرط ہونا اس حدیث سے ثابت ہے اور حدیث مشہور ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

{۸} اور زوجِ ثانی کی وطی کے شرط ہونے میں حضرت سعید بن المسیبؒ کے علاوہ کسی کا اختلاف نہیں، ظاہر ہے کہ حدیث مشہور کے مقابلے میں ان کا قول معتبر نہیں، حتی کہ اگر قاضی نے ان کے قول کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ نافذ نہ ہوگا، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا ہے "وَفِي الْمُنْيَةِ أَنَّ سَعِيدًا رَجَعَ عَنْهُ إِلَى قَوْلِ الْجُمْهُورِ، فَمَنْ عَمِلَ بِهِ يُسَوَّدُ وَجْهُهٗ وَيُبْعَدُ، وَمَنْ أَفْتٰى بِهٖ يُعَزَّرُ" (ردّالمحتار: ۲/۵۸۳)

---

(۱) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ ستہ نے اس کو حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ قُلْتُ: رَوَاهُ الْأَئِمَّةُ السِّتَّةُ فِي "كُتُبِهِمْ" مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهٗ، فَدَخَلَ بِهَا، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يُوَاقِعَهَا أَتَحِلُّ لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ؟ قَالَ: "لَا، حَتّٰى يَذُوقَ الْآخَرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ" (نصب الرایۃ: ۳، ص: ۲۳۷).

{۹} اور زوج ثانی کے فقط ذکر کو داخل کرنے سے وہ اول کے لیے حلال ہو جائے گی انزال شرط نہیں ہے؛ کیونکہ انزال سے توادخال میں کمال اور مبالغہ پیدا ہوتا ہے اور کمال ومبالغہ ایک زائد قید ہے جو بغیر دلیل کے ثابت نہ ہو گی۔

{۱۰} تین طلاقوں کے بعد زوج اول کے لیے حلال ہونے کی شرط زوج ثانی کا نکاح ہے اگرچہ وہ دوسرا شخص کوئی مراہق (قریب البلوغ وَهوَ الَّذِی تَتَحَرَّکَ آلَتُهُ وَیَشْتَهِی الْجِمَاعَ وَقَدَّرَه شَمسُ الأئمَةِ بِعَشرِ سِنِینَ) بچہ ہو پس اگر مراہق بچے نے مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ نکاح کر کے وطی کر لی تو یہ زوجِ اول کیلئے حلال کرنے میں بالغ کے حکم میں ہے؛ کیونکہ نکاح صحیح میں وطی پائی گئی اور تحلیل کیلئے مذکورہ بالا نص سے وطی کا شرط ہونا ثابت ہے۔

امام مالکؒ کا اس میں ہمارے ساتھ اختلاف ہے ان کے نزدیک مراہق کے نکاح اور جماع سے وہ زوجِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی؛ کیونکہ ان کے نزدیک ادخال کے ساتھ انزال بھی شرط ہے مراہق میں یہ بات نہیں۔ مگر امام مالکؒ پر وہ دلیل حجت ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے کہ انزال سے ادخال میں فقط کمال اور مبالغہ پیدا ہوتا ہے اور کمال ومبالغہ ایک زائد قید ہے جو بلا دلیل ثابت نہ ہو گی۔

{۱۱} پھر امام محمدؒ نے جامع صغیر میں مراہق کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ "وہ لڑکا جو اب تک بالغ نہ ہوا ہو، اور اس جیسا لڑکا جماع کر سکتا ہو، اور اس طرح لڑکے نے اگر عورت کے ساتھ جماع کر لیا تو عورت پر غسل واجب ہو گا اور یہ عورت زوجِ اول کے لیے حلال ہو گی"۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کے قول کا معنی یہ ہے کہ لڑکا اتنا ہو کہ اس کا عضو تناسل حرکت کرتا ہو اور جماع کی طرف اس کو رغبت ہو؛ یہ شرط اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزہ چکھنے کی شرط لگائی تھی اور مزہ چکھنا جماع کی طرف رغبت کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔

{۱۲} اور عورت پر غسل اس لیے واجب ہو گا کہ التقاءِ ختانین پایا گیا اور التقاءِ ختانین عورت کی منی کے خروج کا سبب ہے مگر خروجِ منی چونکہ ایک خفی امر ہے اس لیے اس کے سببِ ظاہر (التقاءِ ختانین) کو اس کا قائم مقام قرار دیا۔ اور وجوبِ غسل کی حاجت عورت ہی کے حق میں ہے، رہا بچہ تو وہ چونکہ باری تعالیٰ کے حکم کا مخاطب نہیں ہے اس لیے اس پر غسل واجب نہ ہو گا، اگرچہ اس کو بھی غسل کا حکم دیا جائے گا مگر وہ اس لیے نہیں کہ غسل اس پر واجب ہے بلکہ اسے غسل کا عادی بنانے کے لیے حکم دیا جائے گا۔

{۱} قَالَ وَوَطءُ الْمَوْلَى أَمَتَهُ لَايُحِلُّهَا لِأَنَّ الْغَايَةَ نِكَاحُ الزَّوْجِ {۲} وَإِذَاتَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ فَالنِّكَاحُ

فرمایا: اور مولیٰ کی وطی کرنا اپنی باندی سے حلال نہیں کرتا اس کو؛ کیونکہ غایت نکاحِ زوج ہے، اور اگر نکاح کیا اس سے تحلیل کی شرط پر تو یہ نکاح

مَكْرُوهٌ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ { لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ } وَهَذَا هُوَ مَحْمَلُهُ {۳} فَإِنْ طَلَّقَهَا

مکروہ ہے؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ کی لعنت ہو محلّل اور محلّل لہ پر" اور یہ ہی محمل ہے اس حدیث کا۔ پھر اگر طلاق دی اس عورت کو

بَعْدَمَا وَطِئَهَا حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ لِوُجُودِ الدُّخُولِ فِي نِكَاحٍ صَحِيحٍ إِذِ النِّكَاحُ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ
اس سے وطی کرنے کے بعد تو حلال ہو جائے گی اول کے لیے وجودِ دخول کی وجہ سے نکاحِ صحیح میں؛ کیونکہ نکاح باطل نہیں ہوتا ہے شرطوں سے

﴿۴﴾وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَفْسُدُ النِّكَاحُ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمُؤَقَّتِ فِيهِ وَلَا يُحِلُّهَا عَلَى الْأَوَّلِ
اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ فاسد ہو جائے گا نکاح؛ کیونکہ یہ نکاح موقت کے معنی میں ہے اور حلال نہیں کرے گا اس کو اول پر

لِفَسَادِهِ. ﴿۵﴾وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ لِمَا بَيَّنَّا ، وَلَا يُحِلُّهَا
اس کے فاسد ہونے کی وجہ سے، اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ صحیح ہے نکاح اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور حلال نہیں کرے گا اس کو

عَلَى الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ اسْتَعْجَلَ مَا أَخَّرَهُ الشَّرْعُ فَيُجَازَى بِمَنْعِ مَقْصُودِهِ كَمَا
اول پر؛ کیونکہ اس نے اس چیز کو جلدی کیا جس کو مؤخر کیا تھا شریعت نے پس بدلہ دیا جائے گا اس کے مقصود کو روکنے سے جیسا کہ

فِي قَتْلِ الْمُوَرِّثِ﴿۶﴾ وَإِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ آخَرَ ثُمَّ عَادَتْ
مورِّث کو قتل کرنے میں۔ اور جب طلاق دے حرہ کو ایک یا دو طلاق اور گذر جائے اس کی عدت اور نکاح کرلے دوسرے زوج سے، پھر لوٹ آئے

إِلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ عَادَتْ بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي مَا دُونَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثَ
زوجِ اول کی طرف تو لوٹ آئے گی تین طلاقوں کے ساتھ اور منہدم کر دیتا ہے زوجِ ثانی تین سے کم کو جیسا کہ منہدم کر دیتا ہے تین کو،

وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَهْدِمُ مَادُونَ الثَّلَاثِ لِأَنَّهُ غَايَةٌ لِلْحُرْمَةِ
اور یہ امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ منہدم نہیں کرتا ہے تین سے کم کو؛ کیونکہ زوجِ ثانی انتہاء ہے حرمت کی

بِالنَّصِّ فَيَكُونُ مُنْهِيًا ، وَلَا إِنْهَاءَ لِلْحُرْمَةِ قَبْلَ الثُّبُوتِ . ﴿۷﴾وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
نص سے پس ہوگا انتہا کو پہنچانے والا، اور انتہا کو پہنچانا حرمت کو نہیں ہوتا ہے ثبوت سے پہلے۔ اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ } سَمَّاهُ مُحَلِّلًا وَهُوَ الْمُثْبِتُ لِلْحِلِّ﴿۸﴾وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَقَالَتْ
"اللہ کی لعنت ہو محلِّل اور محلَّل لہ پر" نام رکھا ہے اس کا محلِّل اور وہ ثابت کرنے والا ہے حلت کو۔ اور اگر تین طلاقیں دیں بیوی کو پھر اس نے کہا کہ

قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَتَزَوَّجْت وَدَخَلَ بِي الزَّوْجُ وَطَلَّقَنِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ
"گذر گئی میری عدت اور میں نے نکاح کیا اور دخول کیا میرے ساتھ زوج نے اور مجھے طلاق دی اور گذر گئی میری عدت" اور مدت احتمال رکھتی ہے

ذَلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ أَنْ يُصَدِّقَهَا إِذَا كَانَ فِي غَالِبِ ظَنِّهِ أَنَّهَا صَادِقَةٌ .لِأَنَّهُ مُعَامَلَةٌ أَوْ أَمْرٌ دِينِيٌّ
ان باتوں کا تو جائز ہے زوج کے لیے کہ تصدیق کرلے اس کی جب کہ ہو اس کے غالب گمان میں کہ وہ سچی ہے؛ کیونکہ یہ معاملہ یا امر دینی ہے

لِتَعَلُّقِ الْحِلِّ بِهِ ، وَقَوْلُ الْوَاحِدِ فِيهِمَا مَقْبُولٌ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ إِذَا كَانَتِ الْمُدَّةُ تَحْتَمِلُهُ.

دلیل حل کی وجہ سے اس کے ساتھ، اور ایک کا قول ان دونوں میں مقبول ہے، اور عورت کی خبر قابل اثبات نہیں جبکہ مدت احتمال رکھتی ہو اس کا

{۹} وَاخْتَلَفُوا فِي أَدْنَى هَذِهِ الْمُدَّةِ وَسَنُبَيِّنُهَا فِي بَابِ الْعِدَّةِ.

اور فقہاء نے اختلاف کیا ہے ادنیٰ مقدار میں اس مدت کی اور ہم عنقریب بیان کریں گے اس کو باب العدۃ میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مولیٰ کی وطی سے حلالہ نہ ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲ تا ۵ میں نکاح بشرطِ تحلیل کے حکم میں ائمہ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ و ۷ میں زوجِ ثانی کا تین طلاقوں سے کم منہدم کرنے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں مطلقہ مغلظہ کا کچھ مدت گذرنے کے بعد دوسرے زوج سے نکاح، اور اس سے خلاصی اور زوجِ اول کے لیے حلال ہونے کا دعویٰ کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹ میں اس کے لیے کم از کم مدت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف بیان کیا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنی بیوی (جو دوسرے کی باندی ہے) کو دو طلاقیں دیدیں پھر عدت گذر جانے کے بعد اس باندی کے مولیٰ نے اس سے وطی کرلی تو یہ عورت زوجِ اول کیلئے حلال نہیں ہوگی؛ کیونکہ باری تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ میں مطلقہ ثلاثہ کی حرمت کی غایت زوجِ ثانی کا نکاح بتایا ہے یعنی زوجِ ثانی کے نکاح کرنے سے اول کے لیے حرمت ختم ہو جاتی ہے، جبکہ مولیٰ زوج نہیں اس لیے اس سے زوجِ اول کے لیے حرمت ختم نہیں ہوتی ہے۔

الغاز:۔ ای مطلقة ثلاثا دخل بها الثانی ولم تحل؟

فقل:۔ اذا کان العقد فاسداً۔ (الاشباہ والنظائر)

{۲} اگر کسی نے دوسرے کی مطلقہ مغلظہ کے ساتھ بشرطِ تحلیل نکاح کیا یعنی نکاح فقط اس لیے کیا تاکہ یہ عورت زوجِ اول کے لئے حلال ہو جائے اور نکاح کرتے ہوئے یوں کہے کہ "میں نے تجھ سے نکاح کیا تاکہ تجھے زوجِ اول کے لئے حلال کردوں" تو یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ"[۱] (یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لئے حلالہ کیا گیا) اس حدیث شریف کا محمل یہی نکاح بشرطِ تحلیل ہے؛ کیونکہ بغیر شرط مطلق تحلیل بالاجماع اس سے مراد نہیں۔

---

[۱] رواہ ابوداؤد: ۱، ص: ۳۰۰، رقم: ۲۰۷۶، باب فی التحلیل، ط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

{۳} لیکن اگر اس نے اس کے ساتھ وطی کرنے کے بعد اسے طلاق دیدی، تو زوج اول کیلئے حلال ہو جائے گی؛ کیونکہ محلل کا نکاح صحیح بھی ہے اور دخول بھی پایا گیا، باقی اس نکاح میں اگرچہ شرطِ فاسد (تحلیل کی شرط) لگائی گئی ہے مگر شروطِ فاسدہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ نکاح صحیح ہے، اور زوجِ اول کے لئے حلال ہونے کی شرط نکاح صحیح اور دخول ہی ہے اس لیے اس نکاح سے زوجِ اول کے لیے مطلقہ ثلاثہ حلال ہو جائے گی۔

{۴} اور امام ابو یوسف ؒ سے ایک روایت ہے اور یہی امام شافعی ؒ کا مذہب ہے کہ نکاح بشرطِ تحلیل صحیح نہیں، بلکہ فاسد ہے ؛کیونکہ یہ موقت نکاح کے معنی میں ہے گویا اس نے یوں کہا "تَزَوَّجْتُکِ اِلٰی وَقْتِ کَذَا" (میں نے تجھ سے فلاں وقت تک نکاح کیا) اور نکاحِ موقت فاسد ہے تو نکاح بشرطِ تحلیل بھی فاسد ہوگا اور جب نکاح بشرطِ تحلیل فاسد ہے تو ایسے نکاح سے مغلظہ عورت حلال بھی نہ ہوگی کیونکہ حلال ہونے کے لئے نکاح صحیح شرط ہے۔

{۵} اور امام محمد ؒ سے مروی ہے کہ نکاح بشرطِ تحلیل صحیح ہے؛ کیونکہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا ہے، مگر اس نکاح سے وہ زوجِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی؛ کیونکہ شریعت نے جس کو مؤخر کیا تھا زوجِ اول نے اس کو جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی اس لیے کہ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ زوجِ ثانی کا نکاح اس کی پوری زندگی تک ہو، پھر اس کی موت کے بعد یہ عورت زوجِ اول کے لیے حلال ہو جبکہ اس نے تحلیل کی شرط لگا کر اس مقصود کو جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی پس شریعت کے اقتضا کے برعکس شرط لگانے کی وجہ سے اس کے مقصود کو روک کر اس کو بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ کوئی اپنے مورث کو قتل کردے تو قاتل کو میراث سے محروم کیا جائے گا؛ کیونکہ قاتل کو میراث مورث کی طبعی موت کے بعد ملنی تھی اس نے مورث کو قتل کر کے میراث کو جلد حاصل کرنا چاہا اس لیے شریعت نے اس کا بدلہ دیتے ہوئے اس کو میراث سے محروم کر دیا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہ ؒ کا قول راجح ہے لمافی الهندية: رجل تزوج امراةً ومن نيته التحليل ولم يشترط ذالک تحل للاول بهذا ولايكره وليست النية بشيء ،ولو شرطا يكره وتحل عند ابى حنيفة وزفر كذا فى الخلاصةِ ، وهو الصحيح هكذا فى المضمرات (هندية: ۱/۴۷۵)

{۶} اگر کسی نے اپنی آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں عورت نے عدت گذارنے کے بعد دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اور دوسرے شوہر نے بھی طلاق دیدی، اور عورت نے عدت گذار کر پھر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کیا، تو شیخین ؒ کے نزدیک زوجِ ثانی زوجِ اول کی دی ہوئی ایک یا دو طلاقوں کو منہدم کر دیتا ہے، لہٰذا یہ عورت پہلے شوہر کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئیگی یعنی زوج

اول از سر نو تین طلاقوں کا مالک ہو گا، پس زوجِ ثانی تین طلاقوں سے کم اسی طرح منہدم کر دیتا ہے جس طرح کہ تین کو منہدم کر دیتا ہے، یہی حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور اصحابِ ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زوجِ ثانی تین طلاقوں سے کم کو منہدم نہیں کرتا، لہٰذا اگر یہ عورت زوجِ اول کی طرف لوٹ آئی تو وہ الباقی من الثلاث کا مالک رہیگا یہی حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابی ابن کعب، حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت ابو ھریرہؓ کا قول ہے۔امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے ارشاد﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ میں "فَلَا تَحِلُّ لَهُ" سے حرمتِ غلیظہ مراد ہے، اور "حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" سے اسی حرمتِ غلیظہ کی غایت ذکر کی ہے یعنی زوجِ ثانی اس حرمت کو ختم کرنے والا ہے، جبکہ ایک یا دو طلاقوں کی صورت میں حرمتِ غلیظہ ثابت نہیں ہوتی اور ثبوتِ حرمت سے پہلے حرمت کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے ایک یا دو طلاقوں کو زوجِ ثانی منہدم نہیں کرتا ہے۔

﴿۷﴾ شیخینؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد "لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ"[۲] ہے جس میں زوجِ ثانی کو محلِّل کہا ہے اور محلِّل کا معنی ہے حلت کو ثابت کرنے والا، اور زوجِ ثانی جس حلت کو ثابت کرے گا وہ سابقہ حِلّت (ایک یا دو طلاقوں کے بعد والی حِلّت) تو نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ وہ تو پہلے سے حاصل ہے، لہٰذا ایسی حلت مراد ہو گی جو اول کی غیر ہو، اور اول ناقص ہے لہٰذا ثانی ایسی کامل ہو گی جو تین طلاقوں سے رفع ہو سکتی ہو، اور یہ اسی وقت ہو گی کہ زوجِ ثانی ایک یا دو طلاقوں کو بھی منہدم کرے۔

فتویٰ:۔ شیخینؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: (وَالزَّوْجُ الثَّانِي يَهْدِمُ بِالدُّخُولِ.............مَادُونَ الثَّلَاثِ أَيْضًا)........وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَبَاقِي الْأَئِمَّةِ بِمَا بَقِيَ وَهُوَ الْحَقُّ فَتْحٌ ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ كَغَيْرِهِ .(والزوج الثانی یہدم بالدخول ....مادون الثلاث ایضاً)...............وعند محمد وباقی الائمة بما بقي وہو الحق فتح واقرہ المصنف کغیرہ۔قال العلامۃابن عابدین تحت(قَوْلُهُ:وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ كَغَيْرِهِ)أَيْ كَصَاحِبِ الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَالْمَقْدِسِيِّ وَالشُّرُنْبُلَالِي وَالرَّمْلِيِّ وَالْحَمَوِيِّ وَكَذَا شَارِحُ التَّحْرِيرِ الْمُحَقِّقُ ابْنُ أَمِيرِ حَاجٍّ، لَكِنَّ الْمُتُونَ عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ ، وَأَشَارَ فِي مَتْنِ الْمُلْتَقَى إلَى تَرْجِيحِهِ ، وَنَقَلَ تَرْجِيحَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ أَصْحَابِ التَّرْجِيحِ، وَلَمْ يُعَرِّجْ عَلَى مَا قَالَهُ شَيْخُهُ فِي الْفَتْحِ وَكَذَا لَمْ يُعَرِّجْ عَلَيْهِ فِي مَوَاهِبِ الرَّحْمَنِ مِنْ أَنَّهُ كَثِيرًا مَا يَتْبَعُ صَاحِبَ الْفَتْحِ فِي تَرْجِيحِهِ.(الدرالمختارمع الشامیة:۲/۵۸۹)۔وفی الھندیة:وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي الطَّلْقَةَ

---

(۱) [illegible] ۲۳۰۔
(۲) [illegible]

والثلاثين كما يقول الآخر كذا في الإيضاح شرح المختار وهو الصحيح كذا في المضمرات

(الهندية: ۴۷۵/۴)

﴿۸﴾ اگر کسی نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیں، کچھ وقت گذر جانے کے بعد عورت نے کہا کہ "میری عدت گذر گئی اور میں نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور مجھ کو طلاق دیدی اور میری عدت بھی پوری ہو گئی" اور حال یہ ہے کہ یہ عورت جو مدت بیان کرتی ہے یہ مدت ایسی ہے کہ ان سب باتوں کا احتمال بھی رکھتی ہے، تو پہلے شوہر کیلئے جائز ہے کہ وہ اس عورت کی تصدیق کرلے بشرطیکہ شوہر کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ عورت اپنے اس کہنے میں سچی ہے کیونکہ نکاح معاملہ ہے یا امر دینی ہے۔ معاملہ تو اس لئے ہے کہ بضع بملکِ زوج میں دخول کے وقت متقوم (ذی قیمت) ہوتا ہے اور متقوم کا عقد معاملہ ہے۔ اور امر دینی اس لئے ہے کہ نکاح کے ساتھ حلت متعلق ہوتی ہے جو ایک دینی امر ہے، اور ان دونوں (معاملہ اور امر دینی) میں خبر واحد مقبول ہے، اور جب عورت کی بیان کردہ مدت ان سب باتوں کا احتمال رکھتی ہے تو عورت کا قول قابل انکار بھی نہیں اس لیے شوہر کے لیے عورت کی تصدیق کرنا جائز ہے۔

﴿۹﴾ پھر وہ کم از کم مدت کتنی ہے جس میں ان سب باتوں کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ تو اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام صاحب ؒ کے نزدیک زوجِ اول اور زوجِ ثانی میں سے ہر ایک کے حق میں ادنیٰ مدتِ عدت دو مہینے یعنی ساٹھ دن ہیں، امام محمد ؒ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو شروعِ طہر میں طلاق دی اس طرح عورت کی عدت تین طہر اور تین حیض ہوں گے، اور طہر کی اقل مدت پندرہ دن ہیں اور حیض کی درمیانی مدت پانچ دن، پس تین طہر کی مجموعی مدت پینتالیس دن ہوئے اور تین حیض کی مجموعی مدت پندرہ دن، اس طرح دونوں کی مجموعی مدت ساٹھ دن ہوں گے، اور امام محمد ؒ کی تشریح کے مطابق دونوں شوہروں کی ادنیٰ مدت کو ملا کر کل ایک سو بیس دن ہوں گے۔

اور صاحبین ؒ کے نزدیک زوجِ اول اور زوجِ ثانی میں سے ہر ایک کے حق میں ادنیٰ مدتِ عدت انتالیس دن ہیں یوں کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طہر کے آخری حصہ میں طلاق دی تو اس عورت کی عدت دو طہر اور تین حیض ہوں گے اور طہر کی ادنیٰ مدت پندرہ دن ہیں اور حیض کی ادنیٰ مدت تین دن، لہذا دو طہر تیس دن کے ہوں گے اور تین حیض نو دن کے، اس طرح دونوں مل کر انتالیس دن ہو جائیں گے، اور دونوں شوہروں کی ادنیٰ مدت کو ملا کر کل اٹھتر دن ہوں گے۔ صاحب ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کو ہم "باب العدۃ" میں بیان کریں گے۔ مگر وہاں جا کر یہ وعدہ ان کی طرف سے پورا نہیں کیا گیا ہے شاید اپنے اس وعدے کو بھول گئے ہوں۔

یکون: امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: وَأَقَلُّ مُدَّةِ عِدَّةٍ عِنْدَهُ بِحَيْضٍ شَهْرَانِ وَلِلْأَمَةِ أَرْبَعُونَ يَوْمًا مَا لَمْ تَدَّعِ السِّقْطَ ثَمَّنَا مَرَّ. وقال العلامة ابن عابدين: وَزِيَادَةِ طُهْرٍ عَلَى تَخْرِيجِ الْحَسَنِ فَتُصَدَّقُ فِي مِائَةٍ وَخَمْسَةٍ وَثَلَاثِينَ يَوْمًا وَعَلَى تَخْرِيجِ مُحَمَّدٍ فِي مِائَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا ا ھ أفادہ ح. قلت: وَالْمُرَادُ بِزِيَادَةِ الطُّهْرِ هُوَ الطُّهْرُ الَّذِي تَزَوَّجَهَا فِيهِ الثَّانِي وَطَلَّقَهَا فِي آخِرِهِ، لَكِنْ يَلْزَمُ عَلَى هَذَا التَّخْرِيجِ وُقُوعُ الطَّلَاقِ فِي طُهْرٍ وَطِئَهَا فِيهِ إِذْ لَا بُدَّ مِنْ دُخُولِهِ بِهَا تَأَمَّلْ، وَهَذَا يُؤَيِّدُ تَخْرِيجَ مُحَمَّدٍ (الدّرالمختارعلی هامش ردّالمحتار:۲/۵۸۹)

بَابُ الْإِيلَاءِ

یہ باب ایلاء کے بیان میں ہے

"اِیلاء" ماخوذ ہے "آلیٰ یُوْلِیْ اِیلاءً" سے، بمعنی قسم کھانا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں چار ماہ یا چار ماہ سے زائد اپنی منکوحہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کو ایلاء کہتے ہیں۔

"بَابُ الْإِیلَاءِ" کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بیوی کی تحریم چار طریقوں سے ہوتی ہے یعنی طلاق، ایلاء، ظہار اور لعان۔ ان چاروں میں سب سے پہلے طلاق کو ذکر فرمایا کیونکہ طلاق طُرقِ تحریم میں اصل ہے اور اپنے وقت میں مباح ہے۔ پھر ایلاء کو ذکر کیا گیا اسلئے کہ ایلاء اباحت میں طلاق سے قریب تر ہے کیونکہ یہ یمین ہونے کی حیثیت سے مشروع ہے مگر اس میں عورت کے حقِ وطی کو روکنے کی وجہ سے ظلم کا معنی بھی ہے اس وجہ سے طلاق سے مؤخر کر دیا۔

[۱] وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَهُوَ مُولٍ

اور جب کہے مرد اپنی بیوی سے "واللہ میں قربت نہیں کروں گا تجھ سے" یا کہا: واللہ میں قربت نہیں کروں گا تجھ سے چار مہینے" تو یہ ایلاء کرنے والا ہے

لِقَوْلِهِ تَعَالَى { لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ } الْآيَةُ [۲] فَإِنْ وَطِئَهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ

کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان لوگوں کے لیے جو ایلاء کرتے ہیں اپنی بیویوں سے انتظار ہے چار ماہ کا" پس اگر وطی کی اس عورت سے چار ماہ میں

حَنِثَ فِي يَمِينِهِ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ مُوجَبُ الْحِنْثِ وَسَقَطَ الْإِيلَاءُ لِأَنَّ الْيَمِينَ تَرْتَفِعُ بِالْحِنْثِ

تو حانث ہو جائے گا اپنی قسم میں اور لازم ہو گا اس پر کفارہ؛ کیونکہ کفارہ موجَبِ حنث ہے، اور ساقط ہوا ایلاء؛ کیونکہ یمین مرتفع ہو جاتی ہے حنث سے

[۳] وَإِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتَّى مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيقَةٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَبِينُ بِتَفْرِيقِ الْقَاضِي لِأَنَّهُ مَانِعٌ حَقَّهَا فِي الْجِمَاعِ فَيَنُوبُ الْقَاضِي مَنَابَهُ فِي التَّسْرِيحِ كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ.

اور اگر قربت نہ کی اس سے یہاں تک کہ گذر گئے چار ماہ تو بائنہ ہو جائے گی وہ اس سے ایک طلاق سے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ بائنہ ہو جائے گی تفریقِ قاضی سے؛ کیونکہ شوہر روکنے والا ہے عورت کا حقِ جماع پس قائم مقام ہو گا قاضی زوج کا چھٹکارا دینے میں جیسے مجبوب اور عنین میں۔

﴿۴﴾ وَلَنَا أَنَّهُ ظَلَمَهَا بِمَنْعِ حَقِّهَا فَجَازَاهُ الشَّرْعُ بِزَوَالِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ظلم کیا عورت پر اس کا حق روکنے سے پس بدلہ دیا اس کو شریعت نے نعمتِ نکاح کے زوال سے

عِنْدَ مُضِيِّ هَذِهِ الْمُدَّةِ وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَالْعَبَادِلَةِ الثَّلَاثَةِ وَزَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ أَجْمَعِينَ،

اس مدت کے گذر جانے کے وقت اور یہی منقول ہے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور عبادلۂ ثلاثہؓ اور زید بن ثابت سے

وَكَفَى بِهِمْ قُدْوَةً ، وَلِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَحَكَمَ الشَّرْعُ بِتَأْجِيلِهِ إِلَى انْقِضَاءِ الْمُدَّةِ

اور کافی ہے ان کا پیشوا ہونا۔ اور اس لیے کہ ایلا طلاق تھا جاہلیت میں پس حکم کیا شریعت نے اس کو مؤخر کرنے کا مدتِ ایلاء گذرنے تک۔

﴿۵﴾ فَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِينُ لِأَنَّهَا كَانَتْ مُؤَقَّتَةً بِهِ وَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْأَبَدِ فَالْيَمِينُ بَاقِيَةٌ

پس اگر قسم کھائی تھی چار ماہ پر تو ساقط ہو گئی قسم؛ کیونکہ قسم موقت تھی اسی مدت کے ساتھ، اور اگر اس نے قسم کھائی تھی ابد پر تو قسم باقی رہے گی

لِأَنَّهَا مُطْلَقَةٌ وَلَمْ يُوجَدِ الْحِنْثُ لِتَرْتَفِعَ بِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ الطَّلَاقُ قَبْلَ التَّزَوُّجِ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ

کیونکہ قسم مطلق تھی اور نہیں پایا گیا حانث ہونا کہ ختم ہو جائے اس سے، مگر یہ کہ مکرر نہ ہو گی طلاق نکاح کرنے سے پہلے؛ کیونکہ نہیں پایا گیا

مَنْعُ الْحَقِّ بَعْدَ الْبَيْنُونَةِ

منع حق بینونت کے بعد۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں پورے چار ماہ تک صحبت نہ کرنے کی قسم سے مولی ہونے میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، اور ہماری دلیل ذکر کی ہے، اور چار ماہ کے اندر وطی کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ و ۴ میں چار ماہ تک صحبت نہ کرنے کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، ان کی دلیل، پھر ہمارے دو دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور نمبر ۵ میں چار ماہ کی قسم اور ابدی قسم میں سے ہر ایک کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ جب کوئی اپنی بیوی سے اس طرح کہے کہ "واللہ میں تجھ سے صحبت نہیں کروں گا" یا کہے کہ "واللہ چار مہینے میں تیرے قریب نہ جاؤں گا" تو اس کہنے کے بعد یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائیگا۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک چار ماہ سے زائد مدت کی قسم کھانے سے مولی (ایلاء کرنے والا) ہو گا پورے چار ماہ سے مولی نہ ہو گا۔ ہماری دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ[1]﴾ (جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لیے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالیٰ

---

(۱) البقرۃ:۲۲۶۔

سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کرلیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کردینگے رحمت فرمادینگے) جس میں ایلاء کی مدت پورے چار ماہ بتائے ہیں لہذا چار ماہ سے زائد مدت کی شرط لگانا درست نہ ہوگا۔

{2} اگر شوہر نے مدت ایلاء (چار ماہ) کے اندر اندر اس عورت سے وطی کرلی تو اپنی قسم میں حانث ہو جائیگا محلوف منہ فعل کے ارتکاب کی وجہ سے، اور شوہر پر کفارۂ یمین واجب ہوگا؛ کیونکہ ایلاء قسم ہے اور ایلاء کرنے والا اس میں حانث ہوگیا اور حنث کا موجب کفارہ ہے، لہذا کفارہ واجب ہوگا۔ اور ایلاء ساقط ہو جائیگا، سقوطِ ایلاء کا مطلب یہ ہے کہ اگر چار ماہ گذر جائیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ جب مولی حانث ہوا تو یمین باقی نہیں رہتی اور یمین ہی کا نام ایلاء ہے پس جب یمین باقی نہ رہی تو ایلاء بھی باقی نہ رہے گا۔

{3} اگر شوہر مدتِ ایلاء میں بیوی کے قریب نہ گیا حتی کہ چار مہینے گذر گئے تو یہ عورت اس پر ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فقط مدتِ ایلاء گذرنے سے بائنہ نہ ہوگی بلکہ جب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرے تب بائنہ ہو جائے گی؛ کیونکہ شوہر نے عورت کے حق جماع کو روک کر اس پر ظلم کیا اور امساک بالمعروف کو ترک کردیا، پس قاضی تسریح بالاحسان میں شوہر کا قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کردے اور قاضی کی یہ تفریق طلاق بائن ہوگی، جیسا کہ شوہر مجبوب (مقطوع الذکر) یا عنین (نامرد) ہونے کی صورت میں قاضی شوہر کا قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کردیتا ہے۔

{4} ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے عورت کے حق جماع کو روک کر اس پر ظلم کیا حالانکہ شوہر کو عورت کا حق ادا کرنے کی قدرت حاصل ہے پس شریعت نے شوہر کو اس ظلم کا بدلہ اس طرح دیا کہ مدت ایلاء گذر جانے کے بعد نعمتِ نکاح کو زائل کردیا، یہی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبادلہ ثلاثہ (عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پیشوا ہونا ہمارے لیے کافی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ایلاء سے زمانہ جاہلیت والوں کے نزدیک فی الفور طلاق واقع ہوتی تھی، شریعت نے وقوع طلاق کا حکم جاری رکھتے ہوئے اس میں یہ تبدیلی کی کہ فی الفور کے بجائے مدتِ ایلاء گذرنے تک مہلت دیدی کہ مدتِ ایلاء کے بعد طلاق بائن واقع ہوگی، لہذا شریعت نے اس میں مہلت کے علاوہ کوئی اور تبدیلی نہیں کی ہے، اس لیے اب شوہر کے طلاق دینے یا قاضی کے تفریق کرنے پر طلاق موقوف نہ ہوگی۔

{5} اگر شوہر نے چار مہینے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی تو چار مہینے پورے ہونے پر یمین ساقط ہو جائے گی؛ کیونکہ اس صورت میں قسم چار ماہ کی مدت کے ساتھ موقت تھی، لہذا اس مدت کے گذر جانے کے بعد قسم باقی نہیں رہتی بلکہ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے ہمیشہ کے لئے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی مثلاً یوں کہا تھا کہ "واللہ میں کبھی تیرے ساتھ قربت نہیں کروں

گا" تو اگر چار ماہ بلا وطی گذر گئے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گی اور قسم باقی رہے گی؛ کیونکہ اس صورت میں قسم مطلق ہے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں لہذا یہ یمین دائمی ہو گی اور موجب حنث (یعنی وطی) کے نہ پائے جانے کی وجہ سے شوہر حانث بھی نہ ہوا تاکہ یمین مرتفع ہو جاتی، لہذا یمین اپنے حال پر باقی رہے گی۔

البتہ دوبارہ نکاح کرنے سے پہلے اگر اور چار ماہ گذر گئے تو دوسری طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ پہلی طلاق سے جب دونوں کے درمیان بینونت واقع ہو گئی تو شوہر کی جانب سے عورت کا روکنا نہیں پایا گیا؛ کیونکہ بینونت کے بعد عورت کو حق جماع حاصل نہیں، اس لیے شوہر نے کوئی ظلم نہیں کیا، اس کی طرف سے دوسری طلاق واقع کر کے اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔

{۱} . فَإِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْإِيلَاءُ ، فَإِنْ وَطِئَهَا وَإِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ

پھر اگر عود کر کے اس نے نکاح کیا اس عورت سے تو لوٹ آئے گا ایلاء، پس اگر اس نے وطی کی اس سے تو ٹھیک، ورنہ واقع ہو گی چار ماہ گذرنے کے بعد

تَطْلِيقَةٌ أُخْرَى لِأَنَّ الْيَمِينَ بَاقِيَةٌ لِإِطْلَاقِهَا ، وَبِالتَّزَوُّجِ ثَبَتَ حَقُّهَافَيَتَحَقَّقُ الظُّلْمُ

دوسری طلاق؛ کیونکہ یمین باقی ہے اس کے مطلق ہونے کی وجہ سے؛ اور نکاح سے ثابت ہوا اس کا حق، پس متحقق ہو جائے گا ظلم کرنا،

وَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاءُ هَذَا الْإِيلَاءِ مِنْ وَقْتِ التَّزَوُّجِ . فَإِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَالْإِيلَاءُ وَوَقَعَتْ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ

اور معتبر ہو گی ابتداء اس ایلاء کی نکاح کے وقت سے۔ پھر اگر نکاح کیا اس عورت سے تیسری مرتبہ تو لوٹ آئے گا ایلاء اور واقع ہو جائے گی چار ماہ گذرنے پر

أُخْرَى إِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا لِمَا بَيَّنَّاهُ {۲} فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ يَقَعْ

اور طلاق، اگر اس نے اس سے قربت نہ کی ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ پھر اگر نکاح کیا اس سے زوجِ آخر کے بعد تو واقع نہ ہو گی

بِذَلِكَ الْإِيلَاءِ طَلَاقٌ لِتَقَيُّدِهِ بِطَلَاقِ هَذَا الْمِلْكِ وَهِيَ فَرْعُ مَسْأَلَةِ التَّنْجِيزِ الْخِلَافِيَّةِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ

اس ایلاء سے طلاق؛ بوجہ مقید ہونے کے اس ملک کی طلاق کے ساتھ، اور یہ مسئلہ فرع ہے تنجیزی مختلف فیہ مسئلہ کی اور یہ مسئلہ گذر چکا اس سے پہلے،

وَالْيَمِينُ بَاقِيَةٌ لِإِطْلَاقِهَا وَعَدَمِ الْحِنْثِ فَإِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِينِهِ لِوُجُودِ الْحِنْثِ

اور قسم باقی ہے؛ اس کے مطلق ہونے اور عدم حنث کی وجہ سے، پھر اگر وطی کر لی اس سے تو کفارہ ادا کرے اپنی قسم کا وجودِ حنث کی وجہ سے۔

{۳} فَإِنْ حَلَفَ عَلَى أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُولِيًا لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ : لَا إِيلَاءَ فِيمَا دُونَ أَرْبَعَةِأَشْهُرٍ،

اور اگر اس نے قسم کھائی چار ماہ سے کم پر تو نہ ہو گا ایلاء کرنے والا حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کی وجہ سے کہ "ایلاء نہیں چار ماہ سے کم میں"

وَلِأَنَّ الِامْتِنَاعَ عَنْ قُرْبَانِهَا فِي أَكْثَرِ الْمُدَّةِ بِلَا مَانِعٍ وَبِمِثْلِهِ لَا يَثْبُتُ حُكْمُ الطَّلَاقِ فِيهِ

اور اس لیے کہ امتناع اس کی قربت سے اکثر مدت میں بغیر مانع کے ہے اور اس جیسے امتناع سے ثابت نہیں ہوتا ہے حکم طلاق ایلاء میں۔

{۴} وَلَوْ قَالَ وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هَذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ فَهُوَ مُولٍ لِأَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَهُمَا

اور اگر کہا "واللہ میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا دو ماہ اور دو ماہ ان دو ماہ کے بعد" تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہے؛ کیونکہ اس نے جمع کیا دونوں کو

بِحَرْفِ الْجَمْعِ فَصَارَ كَجَمْعِهِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ ﴿۵﴾ وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ

حرف جمع کے ساتھ تو ہو گیا لفظِ جمع کے ساتھ جمع کرنے کی طرح۔ اور اگر ٹھہرا ایک دن پھر کہا "واللہ میں قربت نہیں کروں گا تجھ سے دو ماہ

بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ لَمْ يَكُنْ مُولِيًا لِأَنَّ الثَّانِيَ إِيجَابٌ مُبْتَدَأٌ وَقَدْ صَارَ مَمْنُوعًا بَعْدَ الْيَمِينِ الْأُولَى شَهْرَيْنِ وَبَعْدَ الثَّانِيَةِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

جو اول دو ماہ کے بعد ہیں" تو نہ ہوگا ایلاء کرنے والا؛ کیونکہ ثانی نیا ایجاب ہے حالانکہ وہ ہو گیا ممنوع پہلی قسم کے بعد دو ماہ، اور ثانی کے بعد چار ماہ

إِلَّا يَوْمًا مَكَثَ فِيهِ فَلَمْ تَتَكَامَلْ مُدَّةُ الْمَنْعِ ﴿۶﴾ وَلَوْ قَالَ وَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ سَنَةً إِلَّا يَوْمًا

مگر ایک دن جس میں وہ ٹھہرا تھا پس پوری نہیں ہوئی مدتِ منع۔ اور اگر کہا "واللہ میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا ایک سال مگر ایک دن"

لَمْ يَكُنْ مُولِيًا خِلَافًا لِزُفَرَ، هُوَ يَصْرِفُ الِاسْتِثْنَاءَ إِلَى آخِرِهَا اعْتِبَارًا بِالْإِجَارَةِ فَتَتِمُّ

تو نہ ہوگا ایلاء کرنے والا، اختلاف ہے امام زفرؒ کا، وہ پھیر دیتے ہیں استثناء کو سال کے آخر کی طرف قیاس کرتے ہوئے اجارہ پر، پس پوری ہو جاتی ہے

مُدَّةُ الْمَنْعِ. ﴿۷﴾ وَلَنَا أَنَّ الْمُولِيَ مَنْ لَا يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ إِلَّا بِشَيْءٍ يَلْزَمُهُ وَهَاهُنَا يُمْكِنُهُ

مدتِ منع، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مولی وہ ہے کہ ممکن نہ ہو اس کے لیے قربت چار ماہ مگر ایسی چیز کے ساتھ جو اس کو لازم ہو اور یہاں اس کے لیے قربت ممکن ہے

لِأَنَّ الْمُسْتَثْنَى يَوْمٌ مُنَكَّرٌ، بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْآخِرِ لِتَصْحِيحِهَا فَإِنَّهَا لَا تَصِحُّ

کیونکہ مستثنیٰ دن منکر ہے، بخلافِ اجارہ کے؛ کیونکہ پھیرنا آخرِ سال کی طرف اجارہ کو صحیح کرنے کے لیے ہے؛ کیونکہ اجارہ صحیح نہیں ہوتا

مَعَ التَّنْكِيرِ وَلَا كَذَلِكَ الْيَمِينُ وَلَوْ قَرِبَهَا فِي يَوْمٍ وَالْبَاقِي أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ أَوْ أَكْثَرُ صَارَ مُولِيًا

غیر معین ہونے کے ساتھ، اور اس طرح نہیں ہے قسم، اور اگر قربت کی اس سے کسی دن اور باقی چار ماہ یا زیادہ ہیں تو ہو جائے گا ایلاء کرنے والا

لِسُقُوطِ الِاسْتِثْنَاءِ. ﴿۸﴾ وَلَوْ قَالَ وَهُوَ بِالْبَصْرَةِ وَاللهِ لَا أَدْخُلُ الْكُوفَةَ وَامْرَأَتُهُ بِهَا لَمْ يَكُنْ

سقوطِ استثناء کی وجہ سے۔ اور اگر کہا اس حال میں کہ وہ بصرہ میں ہے "واللہ میں داخل نہ ہوں گا کوفہ میں" اور اس کی بیوی کوفہ میں ہے تو نہ ہوگا

مُولِيًا لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ يَلْزَمُهُ بِالْإِخْرَاجِ مِنَ الْكُوفَةِ ﴿۹﴾ قَالَ: وَلَوْ حَلَفَ بِحَجٍّ أَوْ بِصَوْمٍ

ایلاء کرنے والا؛ کیونکہ ممکن ہے اس کے لیے قربت بغیر ایسی چیز کے جو اس پر لازم ہو کوفہ سے نکال کر۔ فرمایا: اور اگر قسم کھائی حج کی یا صوم کی

أَوْ بِصَدَقَةٍ أَوْ عِتْقٍ أَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُولٍ لِتَحَقُّقِ الْمَنْعِ بِالْيَمِينِ وَهُوَ ذِكْرُ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ، وَهَذِهِ الْأَجْزِيَةُ مَانِعَةٌ

یا صدقہ کی یا عتق کی یا طلاق کی تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا؛ کیونکہ متحقق ہوا منع یمین کی وجہ سے اور وہ ذکر ہے شرط اور جزاء کا، اور یہ جزائیں مانع ہیں

لِمَا فِيهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ. ﴿۱۰﴾ وَصُورَةُ الْحَلِفِ بِالْعِتْقِ أَنْ يُعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا عِتْقَ عَبْدِهِ، وَفِيهِ خِلَافُ

کیونکہ ان میں مشقت ہے۔ اور صورتِ قسم عتق کی یہ ہے کہ معلق کر دے اس کی قربت کو اپنے غلام کے عتق پر، اور اس میں اختلاف ہے

أَبِي يُوسُفَ فَإِنَّهُ يَقُولُ : يُمْكِنُهُ الْبَيْعُ ثُمَّ الْقُرْبَانُ فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ وَهُمَا يَقُولَانِ
امام ابو یوسفؒ کا؛ اس لیے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اس کے لیے فروخت کرنا پھر قربت کرنا، پس لازم نہ ہوگی اس پر کوئی چیز، اور طرفین کہتے ہیں

الْبَيْعُ مَوْهُومٌ فَلَا يَمْنَعُ الْمَانِعِيَّةُ فِيهِ ،﴿۱۱﴾وَالْحَلِفُ بِالطَّلَاقِ أَنْ يُعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا
کہ بیع امر موہوم ہے پس پائی جائے گی مانعیت جزاء میں، اور طلاق کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ معلق کردے اپنی بیوی کی قربت پر

طَلَاقَهَا أَوْ طَلَاقَ صَاحِبَتِهَا وَكُلُّ ذَلِكَ مَانِعٌ .
اسی کی طلاق یا اس کی سوتن کی طلاق اور ہر ایک ان میں سے مانع ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ہمیشہ کے لیے بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانے سے تین مرتبہ نکاح کرنے اور مدت گذرنے سے عورت کے مغلظہ ہونے کا حکم اور اس کی دلیل، پھر زوج ثانی سے حلالہ کرا کر دوبارہ نکاح کرنے کی صورت میں حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۳ میں چار ماہ سے کم مدت کے لیے وطی نہ کرنے کی قسم کھانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۴ میں شوہر کے قول "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هَذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ" کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۵ میں شوہر کا "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ" کہنے اور کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأُولَيَيْنِ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۶،۷ میں شوہر کا "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ سَنَةً إِلَّا يَوْمًا" کہنے کے حکم میں ہمارا اور امام زفرؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب، اور مذکورہ صورت میں سال کے کسی بھی دن جماع کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۸ میں شوہر کا بصرہ اور بیوی کا کوفہ میں ہونے کی صورت میں شوہر کا "وَاللّٰهِ لَا أَدْخُلُ الْكُوفَةَ" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۹ میں حج، صوم، صدقہ، عتق اور طلاق میں سے کسی ایک کی قسم کھانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۱۰ میں عتق کی قسم کھانے کی صورت اور اس میں امام ابو یوسفؒ اور طرفینؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر۱۱ میں طلاق کی قسم کھانے کی صورت ذکر کی ہے۔

تشریح:۔﴿۱﴾اگر شوہر نے ہمیشہ کے لئے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی تو ایک مرتبہ بینونت اور عدت گذر جانے کے بعد اگر ایلاء کرنے والے نے پھر اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو ایلاء بھی لوٹ آئیگا، پس اگر اس نے مدت ایلاء میں وطی کر لی تو لعبا یعنی ایلاء ختم ہوا، اور اس کی قسم ٹوٹ گئی اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا، اور اگر وطی نہ کی تو چار ماہ گذر جانے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی؛ دلیل سابق میں گذر چکی کہ قسم مطلق عن الوقت ہونے کی وجہ سے ابھی باقی ہے اور نکاح کر لینے سے عورت کا حق جماع میں ثابت ہو گیا لہذا زوج کی طرف سے جماع سے رکنے کی وجہ سے ظلم متحقق ہوگا پس بینونت کے ساتھ اس کو سزا دی جائے گی لہذا دوسری طلاق

واقع ہو جائے گی۔ اور اس دوسرے ایلاء کی مدت کی ابتداء نکاح کے وقت سے ہو گی خواہ نکاح اس نے گذشتہ طلاق کی عدت کے دوران کیا ہو یا عدت گذرنے کے بعد کیا ہو۔ اور اگر شوہر نے تیسری مرتبہ اس عورت سے نکاح کیا تو پھر ایلاء لوٹ کر آئے گا پس اگر اس نے مدتِ ایلاء میں وطی نہ کی تو چار ماہ گذرنے پر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی؛ دلیل وہی ہے جو ابھی ذکر کی گئی۔ اور تیسری مرتبہ میں طلاق واقع ہو کر یہ عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی۔

{۲} اب چونکہ عورت تین طلاقوں کی وجہ سے مغلظہ ہو گئی تو اگر زوجِ ثانی سے حلالہ کرانے کے بعد پھر مُولی (ایلاء کرنے والے) نے اس کے ساتھ نکاح کیا، تو سابقہ ایلاء باطل ہو گیا لہٰذا اس کی وجہ سے اب طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیونکہ ایلاء صرف پہلی مِلک کی طلاق کے ساتھ مقید تھا۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تنجیزی مختلف فیہ مسئلہ کی فرع ہے جو "بَابُ الْأَيْمَانِ فِيْ الطَّلَاقِ" میں گذر چکا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کر لیا پھر اسے تنجیزاً (فی الحال) تین طلاقیں دیں، تو ہمارے نزدیک ایلاء باطل ہوا، اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوا ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں جب تین بار کے ایلاء سے وہ مغلظہ ہو جائے اور دوسرے شوہر سے حلالہ کرانے کے بعد پہلے شوہر کے پاس آئے تو ہمارے نزدیک ایلاء باطل ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باطل نہیں۔

اور مذکورہ صورت میں یمین باقی رہے گی؛ کیونکہ یمین مطلق عن الوقت ہے اور وطی نہ کرنے کی وجہ سے حانث ہونا بھی نہیں پایا گیا۔ پس اگر زوجِ آخر کے بعد اس عورت سے اس نے وطی کر لی تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے کیونکہ اب قسم توڑنا پایا گیا۔

{۳} اگر کسی نے چار ماہ سے کم مدت کے لیے اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی مثلاً کہا "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْراً أَوْ شَهْرَيْنِ" (واللہ میں تجھ سے ایک ماہ یا دو ماہ صحبت نہیں کروں گا) تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہو گا؛ کیونکہ حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے "لَا إِيْلَاءَ فِيْمَا دُوْنَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ"[1] (یعنی چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک دو مہینے کی قسم کھانے کی صورت میں اب بھی اکثر مدتِ ایلاء (چار ماہ) تک وقت باقی ہے جس میں وہ بلا کسی مانع وروک ٹوک کے جماع کر سکتا ہے اور اکثر مدت سے کم میں وہ باز رہا ہے اور ایسے باز رہنے میں طلاق کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے، اس لیے چار ماہ سے کم مدت کے لیے قسم کھانے سے ایلاء کرنے والا نہ ہو گا۔

(1) علامہ زیلعی نے بحوالہ بیہقی ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ وَأَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ إِيْلَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، وَأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، فَوَقَّتَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ، فَلَيْسَ بِإِيْلَاءٍ. (نصب الرایۃ:۳، ص:۲۴۳)

ف:۔ مصنفؒ کی عبارت میں لفظ "اکثر" بقیہ عبارت کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا ہے لہٰذا یہ لفظ زائد ہے، بلکہ زیادہ بہتر ہوتا کہ عبارت اس طرح ہوتی "ولِأَنَّ الامْتِنَاعَ عَنْ قِرْبَانِهَا فِي بَعْضِ الْمُدَّةِ بِلا مَانِعٍ" یعنی بعض مدتِ ایلاء میں جماع سے رُکنا بغیر کسی مانع (ایلاء) کے ہے اس لیے اس رُکنے سے طلاق کا حکم اس مدت میں ثابت نہ ہوگا۔

{۴} اور اگر شوہر نے کہا "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ" (واللہ میں تیرے قریب نہ جاؤں گا دو مہینے تک اور ان دو مہینے کے بعد اور دو مہینے تک) تو یہ ایلاء ہے؛ کیونکہ اس نے دو مدتوں کو حرفِ جمع (یعنی واو) کے ساتھ جمع کر دیا پس یہ ایسا ہے جیسے اس نے لفظِ جمع کے ساتھ جمع کیا ہو لہٰذا یہ چار مہینے شمار ہیں اگرچہ ان کو دو دفعہ کرکے کہا گیا پس گویا زوج نے کہا "واللہِ لا اَقرَبُکِ اَربعۃَ اَشھُرٍ" (واللہ میں چار مہینے تک تیرے قریب نہ جاؤں گا)۔

{۵} اور اگر شوہر نے کہا "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ" (واللہ میں تیرے قریب نہ جاؤں گا دو مہینے) پھر ایک دن یا کچھ دیر ٹھہر کر کہنے لگا "وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ" (واللہ میں تیرے قریب نہ جاؤں گا دو مہینے پہلے دو مہینوں کے بعد) تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا؛ کیونکہ دو مہینے جو اس نے مزید بڑھائے یہ از سر نو ایجاب ہے یوں پہلی قسم کے بعد دو مہینوں تک ایلاء کی وجہ سے جماع سے ممنوع ہوا، ظاہر ہے کہ دو مہینے مدتِ ایلاء (چار ماہ) سے کم ہیں جس کی وجہ سے یہ شخص مولی نہیں، اور دوسری قسم کے بعد اول کی طرف منسوب کرتے ہوئے وہ ایک دن کم چار ماہ وطی سے ممنوع ہوا؛ کیونکہ وہ دن اس دوسری قسم کی مدت میں شامل نہیں جس دن وہ ٹھہرا رہا اس طرح کل مدت ایک دن کم چار ماہ ہے اس لیے جماع سے ممنوع ہونے کی مدت کامل نہیں لہٰذا یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں، اور اس کا کلام مستقل دو قسمیں ہیں پس ایک مرتبہ وطی کرنے سے اس کے ذمہ دو کفارے واجب ہوں گے۔

ف:۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر حالف نے حرفِ عطف کے بعد حرفِ نفی اور اسم باری تعالیٰ کو نہیں لوٹایا تو یہ ایک ہی قسم ہے مذکورہ کل مدت اسی کے لئے ہے مثلاً کسی نے کہا "واللّٰهِ لا اُكَلِّمُ زيداً يومَيْنِ ويَومَيْنِ" تو یہ ایک قسم شمار ہوگی اور اس کی مدت چار دن ہوگی۔ اور اگر حرفِ عطف کے بعد حرفِ نفی اور اسم باری تعالیٰ کو لوٹا دیا تو یہ دو قسمیں ہوں گی اور دونوں کی مدت میں تداخل ہوگا مثلاً کسی نے کہ "وَاللّٰهِ لا اُكَلِّمُ زَيْداً يَومَيْنِ وَلَا يَوْمَيْنِ" یا کہا "واللّٰهِ لا اُكَلِّمُ زَيْداً يَومَيْنِ واللّٰهِ لا اُكَلِّمُ زيداً يَومَيْنِ" تو ان دونوں صورتوں میں دو دو قسمیں ہوں گی اور دونوں قسموں کے لئے ایک مدت ہوگی حتیٰ کہ اگر اس نے پہلے یا دوسرے دن بات کی تو اس کے ذمہ دو کفارے لازم ہوں گے اور اگر تیسرے دن بات کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ مدتِ یمین گذر گئی (ردّالمحتار: ۵۹۶/۲)۔

{۶}اور اگر شوہر نے کہا "وَاللّٰہِ لَا اَقْرَبُکِ سَنَۃً اِلَّا یَوْمًا" (واللہ میں ایک روز کم سال بھر تیرے قریب نہ جاؤں گا) تو یہ شخص ایلاء کرنے والا شمار نہ ہوگا۔ امام زفر ؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا؛ امام زفر ؒ استثناء (اِلَّا یَوْمًا) کو سال کے آخر کی طرف پھیر دیتے ہیں یوں وہ سال کے آخری دن کے علاوہ بقیہ پورے سال میں جماع سے ممنوع ہوا ظاہر ہے کہ اس طرح وہ چار ماہ سے زیادہ جماع سے ممنوع ہوا اس لیے یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا، امام زفر ؒ صورتِ ایلاء کو اجارہ پر قیاس کرتے ہیں مثلاً کسی نے ایک دن کم سال بھر کے لیے دکان کرایہ پر دیدی تو مستثنیٰ کیا ہوا یہ ایک دن سال کا آخری دن ہوگا، اسی طرح صورتِ ایلاء میں بھی استثناء کو سال کے آخر کی طرف پھیر دیا جائے گا اور بقیہ دنوں میں جماع سے ممنوع ہونے کی مدت پوری ہو جاتی ہے اس لیے یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا۔

{۷}ہماری دلیل یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا وہ ہوتا ہے جس کے لیے چار ماہ تک اپنی بیوی سے قربت ممکن نہ ہو مگر ایسی چیز (کفارۂ یمین) کے ساتھ جو اس کو لازم ہو یعنی چار ماہ کے اندر کفارۂ یمین کے بغیر اس کے لیے اپنی بیوی سے وطی کرنا ممکن نہ ہو، جبکہ یہاں یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بیوی سے قربت کرلے اور کفارہ لازم نہ ہو؛ کیونکہ جو دن اس نے مستثنیٰ کیا ہے وہ نکرہ ہے جس کا یہی مطلب ہے کہ سال کے کسی بھی دن وہ جماع کر سکتا ہے، لہٰذا یہ شخص سال کے ہر چار ماہ میں سے جس دن بھی چاہے وطی کر سکتا ہے، اس استثنیٰ کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، لہٰذا مدتِ ایلاء پوری نہیں اس لئے یہ شخص مولی نہ ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اجارہ میں مدتِ اجارہ کی جہالت کے ساتھ اجارہ صحیح نہیں ہوتا تو صحتِ اجارہ کے لئے مستثنیٰ دن کو سال کے آخری دن کی طرف پھرایا جائیگا تاکہ مدتِ اجارہ معلوم ہو جائے بخلاف یمین کے کہ وہ جہالتِ مدت کے باوجود صحیح ہے پس اس میں مستثنیٰ دن کو سال کے آخری دن کی طرف پھرانے کی ضرورت نہیں۔

پھر اگر مذکورہ صورت میں اس شخص نے سال کے کسی دن جماع کر لیا، تو دیکھا جائے گا کہ اگر سال کے بقیہ دن چار ماہ یا زیادہ ہوں تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا؛ کیونکہ مستثنیٰ دن تو ساقط ہو گیا اور بقیہ دنوں سے مدتِ ایلاء پوری ہو جاتی ہے اس لیے یہ شخص مولی ہوگا۔

{۸}اور اگر شوہر مثلاً بصرہ میں ہو اور اس کی بیوی کوفہ میں ہو شوہر نے کہا "وَاللّٰہِ لَا اَدْخُلُ الْکُوْفَۃَ" (واللہ میں کوفہ داخل نہ ہوں گا) تو بھی یہ شخص مولی نہ ہوگا؛ کیونکہ مدت کے اندر لزومِ کفارہ کے بغیر اس شخص کا اس عورت سے وطی کرنا ممکن ہے یوں کہ عورت کو وکیل یا اپنے نائب کے ذریعہ کوفہ سے باہر نکال دے اور اس سے صحبت کرلے، اس لیے یہ شخص مولی نہ ہوگا۔

{۹} اگر کسی نے حج کی قسم کھائی مثلاً کہا "اِنْ قَرَبْتُکِ فَعَلَیَّ حَجُّ البَیْتِ" (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر حج بیت اللہ لازم ہے) یا روزہ کی قسم کھائی یعنی کہا "اِنْ قَرَبْتُکِ فَعَلَیَّ صَوْمُ سَنَةٍ" (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر ایک سال کے روزے لازم ہیں) اور یا صدقہ کی قسم کھائی مثلاً کہا "اِنْ قَرَبْتُکِ فَعَلَیَّ صَدَقَةٌ" (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر صدقہ لازم ہے) یا عتق رقبہ کی قسم کھائی مثلاً کہا "اِنْ قَرَبْتُکِ فَعَبْدِیْ حُرٌّ" (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو میرا غلام آزاد ہے) یا طلاق کی قسم کھائی مثلاً کہا "اِنْ قَرَبْتُکِ فضَرَّتُکِ طَالِقٌ" (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو تیری سوتن کو طلاق ہے) تو ان تمام صورتوں میں یہ شخص مولی شمار ہوگا؛ کیونکہ قسم یعنی شرط وجزاء کے ذکر کی وجہ سے وطی سے رکنا متحقق ہو گیا اور یہ جزائیں یعنی حج، روزہ وغیرہ شرط کے ارتکاب سے مانع بھی ہیں؛ کیونکہ ان تمام جزاؤں میں مشقت ہے اس لئے کہ جب شرط کا ارتکاب کریگا تو جزاء یقیناً واقع ہوگی اور وقوع جزاء میں مشقت ہے لہذا جزاء مانع عن الشرط ہوگی پس ان تمام صورتوں میں عورت کے ساتھ وطی کرنے سے رکنا متحقق ہو گیا اور بیوی کی وطی سے رکنے کا نام ہی ایلاء ہے لہذا ان تمام صورتوں میں ایلاء متحقق ہوگا۔

{۱۰} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ عتق کی قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ اپنے غلام کی آزادی کو اپنی بیوی سے صحبت کرنے پر معلق کیا جائے۔ مگر اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اس صورت میں یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا؛ کیونکہ اس شخص کے لیے ممکن ہے کہ پہلے اپنے غلام کو فروخت کردے پھر اپنی بیوی سے صحبت کرلے، یوں نہ اس پر غلام کی آزادی لازم ہوگی اور نہ قسم کا کفارہ لازم ہوگا تو چونکہ جزاء ارتکاب شرط سے مانع نہیں اس لیے ایلاء متحقق نہ ہوگا۔

طرفین رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ غلام کو فروخت کرنا ایک موہوم امر ہے یعنی فروخت اور عدم فروخت دونوں محتمل ہیں اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی خریدار نہ ملے، لہذا جزاء (غلام کی آزادی) میں جماع سے مانعیت پائی جاتی ہے یعنی جزاء ارتکابِ شرط سے مانع ہے اس لیے یمین منعقد ہو جاتی ہے، لہذا اس سے ایلاء ثابت ہو جائے گا۔ "فَلَا یَمْنَعُ الْمَانِعِیَّةَ فِیْهِ" کا معنی ہے "یُوْجَدُ الْمَانِعِیَّةُ فِی الْجَزَاءِ"۔

فتویٰ:۔ طرفین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی القول الراجح: القول الراجح ہو قول الطرفین: قال العلامة ابن الهمام بعد تفصیل المسئلة واذا کان موهوماً فلا یمنع المانعیة الکائنة فی الجزاء وهو عتق العبد بالقربان (القول الراجح: ۱/۳۴۳)

{۱۱} اور طلاق کی قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ صحبت کرنے پر خود اسی کی طلاق یا اس کی سوتن کی طلاق معلق کیا جائے، جیسا کہ اوپر اس کی صورت لکھی گئی، اور یہ دونوں امور (خود بیوی کی طلاق اور اس کی سوتن کی طلاق) ایقاع شرط سے مانع ہیں اس لیے ان سے یمین منعقد ہو جاتی ہے، لہٰذا ایلاء ثابت ہو جائے گا۔

{۱} وَإِنْ آلَى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُولِيًا، وَإِنْ آلَى مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُولِيًا لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَائِمَةٌ فِي الْأُولَى

اور اگر ایلاء کیا مطلقہ رجعیہ سے تو ہو گا ایلاء کرنے والا، اور اگر ایلاء کیا بائنہ سے تو نہ ہو گا ایلاء کرنے والا؛ کیونکہ زوجیت قائم ہے پہلی میں

دُونَ الثَّانِيَةِ، وَمَحَلُّ الْإِيلَاءِ مَنْ تَكُونُ مِنْ نِسَائِنَا بِالنَّصِّ، فَلَوِ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَبْلَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْإِيلَاءِ سَقَطَ

نہ کہ دوسری میں، حالانکہ محل ایلاء وہ ہے جو ہماری زوجات میں سے ہو بنص قرآنی، پس اگر گذر گئی عدت مدت ایلاء گذرنے سے پہلے تو ساقط ہو جائے گا

الْإِيلَاءُ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّيَّةِ {۲} وَلَوْ قَالَ لِأَجْنَبِيَّةٍ وَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ أَوْ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي

ایلاء محل ایلاء فوت ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر کہا اجنبی عورت سے "واللہ میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا یا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے"

ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَكُنْ مُولِيًا وَلَا مُظَاهِرًا لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي مَخْرَجِهِ وَقَعَ بَاطِلًا لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ

پھر نکاح کیا اس سے، تو نہ ہو گا ایلاء کرنے والا اور نہ ظہار کرنے والا؛ کیونکہ کلام اپنے نکلنے کے وقت واقع ہوا باطل عدم محلیت کی وجہ سے

فَلَا يَنْقَلِبُ صَحِيحًا بَعْدَ ذَلِكَ {۳} وَإِنْ قَرِبَهَا كَفَّرَ لِتَحَقُّقِ الْحِنْثِ إِذِ الْيَمِينُ مُنْعَقِدَةٌ فِي حَقِّهِ

پس پلٹ کر صحیح نہ ہو گا اس کے بعد۔ اور اگر قربت کی اس سے تو کفارہ دے تحقق حنث کی وجہ سے؛ کیونکہ یمین منعقد ہو گئی ہے اس کے حق میں،

{۴} وَمُدَّةُ إِيلَاءِ الْأَمَةِ شَهْرَانِ لِأَنَّ هَذِهِ مُدَّةٌ ضُرِبَتْ أَجَلًا لِلْبَيْنُونَةِ فَتَتَنَصَّفُ بِالرِّقِّ كَمُدَّةِ الْعِدَّةِ.

اور باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے؛ کیونکہ یہ مدت مقرر کی گئی ہے میعاد بائنہ ہونے کے لیے پس وہ آدھی ہو جائے گی رقیت کی وجہ سے جیسے مدت عدت،

{۵} وَإِنْ كَانَ الْمُولِي مَرِيضًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ أَوْ كَانَتْ مَرِيضَةً أَوْ رَتْقَاءَ أَوْ صَغِيرَةً لَا تُجَامَعُ أَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا

اور اگر ہو ایلاء کرنے والا ایسا مریض کہ قادر نہ ہو جماع پر یا عورت مریضہ ہو یا رتقاء ہو یا ایسی چھوٹی بچی ہو جس سے جماع نہ کیا جا سکتا ہو یا ہو دونوں کے درمیان

مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهَا فِي مُدَّةِ الْإِيلَاءِ فَفَيْؤُهُ أَنْ يَقُولَ بِلِسَانِهِ فِئْتُ إِلَيْهَا

اتنی دوری کہ قادر نہ ہو کہ پہنچ جائے عورت تک مدت ایلاء میں، تو مرد کا رجوع یہ ہے کہ وہ کہے زبان سے "میں نے رجوع کیا اس عورت کی طرف"

فِي مُدَّةِ الْإِيلَاءِ، فَإِنْ قَالَ ذَلِكَ سَقَطَ الْإِيلَاءُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا فَيْءَ إِلَّا بِالْجِمَاعِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ

مدت ایلاء میں، پس اگر اس نے یہ کہا تو ساقط ہو جائے گا ایلاء۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ رجوع نہیں مگر جماع سے اور اسی کی طرف ذہاب کیا ہے

الطَّحَاوِيُّ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فَيْئًا لَكَانَ حِنْثًا. {۶} وَلَنَا أَنَّهُ آذَاهَا بِذِكْرِ الْمَنْعِ

امام طحاویؒ نے؛ کیونکہ اگر زبانی رجوع ہوتا تو ہو جاتا حنث۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے اذیت دی تھی اپنی بیوی کو انکار وطی کے ذکر سے،

فَيَكُونُ إِرْضَاؤُهَا بِالْوَعْدِ بِاللِّسَانِ ، وَإِذَا ارْتَفَعَ الظُّلْمُ لَا يُجَازَى بِالطَّلَاقِ {7} وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الْجِمَاعِ فِي الْمُدَّةِ

پس ہوگا اس کو راضی کرنا زبانی وعدہ سے اور جب رفع ہوا ظلم تو بدلہ نہیں دیا جائے گا طلاق سے۔ اور اگر قادر ہو اجماع پر مدتِ ایلاء میں

بَطَلَ ذَلِكَ الْفَيْءُ وَصَارَ فَيْئُهُ بِالْجِمَاعِ لِأَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْخَلِيفَةِ {8} وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ

تو باطل ہوا زبانی رجوع، اور ہوگا اس کا رجوع جماع سے؛ کیونکہ وہ قادر ہوا اصل پر حصولِ مقصود سے پہلے خلیفہ کے ذریعہ۔ اور اگر کہا اپنی بیوی سے

أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهِ ، فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكَذِبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ لِأَنَّهُ نَوَى

"تو مجھ پر حرام ہے" تو دریافت کی جائے گی اس کی نیت تو اگر کہا کہ میں نے جھوٹ کا قصد کیا تھا تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسا وہ کہتا ہے؛ کیونکہ اس نے نیت کی

حَقِيقَةَ كَلَامِهِ ، {9} وَقِيلَ لَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ يَمِينٌ ظَاهِرًا {10} وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ

اپنے کلام کی حقیقت کی، اور کہا گیا ہے تصدیق نہیں کی جائے گی قضاءً؛ کیونکہ یہ یمین ہے ظاہر میں۔ اور اگر کہا کہ میں نے قصد کیا تھا طلاق کا

فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الثَّلَاثَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْكِنَايَاتِ وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظِّهَارَ

تو ایک بائن طلاق ہوگی مگر یہ کہ نیت کرے تین کی، اور ہم ذکر کر چکے اس کو کنایاتِ طلاق میں۔ اور اگر کہا کہ میں نے قصد کیا تھا ظہار کا

فَهُوَ ظِهَارٌ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَيْسَ بِظِهَارٍ لِانْعِدَامِ التَّشْبِيهِ بِالْمُحَرَّمَةِ وَهُوَ الرُّكْنُ فِيهِ

تو یہ ظہار ہوگا اور یہ شیخین ؒ کے نزدیک ہے اور فرمایا امام محمد ؒ نے کہ یہ ظہار نہیں محرمہ کے ساتھ تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے حالانکہ تشبیہ رکن ہے ظہار میں

وَلَهُمَا أَنَّهُ أَطْلَقَ الْحُرْمَةَ وَفِي الظِّهَارِ نَوْعُ حُرْمَةٍ وَالْمُطْلَقُ يَحْتَمِلُ الْمُقَيَّدَ {11} وَإِنْ قَالَ

اور شیخین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مطلق ذکر کی حرمت، اور ظہار میں ایک طرح حرمت ہے، اور مطلق احتمال رکھتا ہے مقید کا۔ اور اگر کہا کہ

أَرَدْتُ التَّحْرِيمَ أَوْ لَمْ أُرِدْ بِهِ شَيْئًا فَهُوَ يَمِينٌ يَصِيرُ بِهِ مُولِيًا لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي تَحْرِيمِ الْحَلَالِ

میں نے قصد کیا تھا تحریم کا یا ارادہ نہیں کیا تھا اس سے کچھ، تو وہ یمین ہے ہو جائے گا اس سے ایلاء کرنے والا؛ کیونکہ اصل حلال کو حرام کرنے میں

إِنَّمَا هُوَ يَمِينٌ عِنْدَنَا وَسَنَذْكُرُهُ فِي الْأَيْمَانِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ . {12} وَمِنَ الْمَشَايِخِ مَنْ يَصْرِفُ لَفْظَةَ التَّحْرِيمِ إِلَى الطَّلَاقِ

یہ ہے کہ وہ یمین ہے ہمارے نزدیک اور عنقریب ہم ذکر کریں گے ایمان میں انشاء اللہ، اور مشائخ میں سے بعض پھیر دیتے ہیں لفظِ تحریم طلاق کی طرف

مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ بِحُكْمِ الْعُرْفِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

بغیر نیت کے حکم عرف کی وجہ سے، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 2 میں اجنبیہ سے اور جعیہ سے ایلاء کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 2 میں اجنبیہ سے "وَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ" کہنے یا "أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي" کہنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر 3 میں ایلاء کی صورت میں عورت سے صحبت کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر 4 میں ایسی بیوی

جو غیر کی باندی ہو کی مدتِ ایلاء میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۵ و ۶ میں بعض عذروں کی وجہ سے ایلاء بالقول کے جواز میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور نمبر ۷ میں ایلاء بالقول کے بعد ایلاء بالفعل پر قادر ہونے کا حکم اور دلیل اور نظیر ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ تا ۱۱ میں بتایا ہے کہ شوہر کا اپنی بیوی سے "أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ" کئی احتمال رکھتا ہے، ہر ایک احتمال کا حکم، دلیل اور بعض میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۱۲ میں بلا نیت لفظِ حرام کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنی مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا، اور اگر اس نے مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا، تو یہ شخص ایلاء کرنے والا شمار نہ ہوگا؛ کیونکہ پہلی صورت (مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کرنے کی صورت) میں زوجیت قائم ہے، اور دوسری صورت (مطلقہ بائنہ کی صورت) میں زوجیت قائم نہیں ہے، اور نص سے ثابت ہے کہ ایلاء کا محل وہ عورت ہے جو ہماری زوجات میں سے ہو؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ جس میں "مِنْ نِسَائِهِمْ" سے مسلمانوں کی زوجات مراد ہیں لہٰذا جس صورت میں زوجیت قائم ہو اس صورت میں ایلاء صحیح ہوگا اور جس میں قائم نہ ہو اس میں ایلاء بھی صحیح نہ ہوگا، پس اگر مطلقہ رجعیہ کی عدت پہلے پوری ہوگئی ایلاء کی مدت سے، تو ایلاء ساقط ہو جائے گا؛ کیونکہ عدت گذرنے کے بعد یہ عورت بائنہ ہوگئی اور بائنہ میں زوجیت باقی نہیں رہتی اس لیے وہ محل ایلاء بھی نہ ہوگی۔

{۲} اور اگر کسی نے اجنبیہ عورت سے کہا "وَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ" (واللہ میں تیرے ساتھ صحبت نہیں کروں گا) یا کہا "أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي" (تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے) پھر اس شخص نے اس عورت سے نکاح کیا تو پہلی صورت میں یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں اور دوسری صورت میں ظہار کرنے والا نہیں؛ کیونکہ یہ کلام اپنے نکلنے کے وقت باطل واقع ہوا اس لیے کہ اس کلام کے وقت یہ عورت ایلاء اور ظہار کا محل نہیں؛ کیونکہ اوپر گذر چکا کہ ایلاء وغیرہ کا محل وہ عورت ہے جو ہماری زوجات میں سے ہو جبکہ یہ اجنبیہ ہے، اس لیے نہ یہ شخص مولی ہے اور نہ مظاہر ہے، اور جو کلام ایک مرتبہ باطل واقع ہو جائے وہ پھر پلٹ کر صحیح نہیں ہوتا ہے اس لیے بعد میں اگرچہ اس شخص نے اس عورت سے نکاح کیا مگر یہ کلام پلٹ کر اب صحیح نہ ہوگا۔

(۱) البقرۃ: ۲۲۶.

{۳} لیکن اگر اس شخص نے پہلی صورت (ایلاء کی صورت) میں اس عورت سے صحبت کرلی تو اس پر کفارہ واجب ہوگا؛ کیونکہ وطی کرنے سے اس کا حانث ہونا پایا گیا لہذا کفارہ بھی واجب ہوگا، اور حانث ہونا اس لیے پایا گیا کہ یہ یمین اگرچہ طلاق کے حق میں منعقد نہیں ہوئی ہے مگر حنث کے حق میں منعقد ہو گئی ہے۔

{۴} اگر کسی کی بیوی باندی ہو تو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں؛ کیونکہ مدت ایلاء (چار ماہ) بائنہ ہونے کیلئے مقرر کی گئی پس رقیت کی وجہ سے آدھی رہ جائے گی جیسے باندی کی عدت کی مدت آزاد عورت کی عدت کی مدت کا نصف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک باندی کے ایلاء کی مدت بھی چار ماہ ہیں کیونکہ یہ مدت شوہر کے ظلم کے اظہار کے لئے مقرر کی گئی ہے جس میں آزاد اور باندی دونوں برابر ہیں۔

{۵} اگر ایلاء کرنے والا شخص بوجہ بیماری جماع کرنے پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا رتقاء ہو (جس کی شرمگاہ ہڈی وغیرہ ابھرنے کی وجہ سے بند ہو) یا اتنی چھوٹی ہو کہ جس سے جماع نہ کیا جا سکتا ہو، اور یا زوجین میں اتنی دوری ہو کہ شوہر ایلاء کی مدت (چار ماہ) میں اس تک نہ پہنچ سکتا ہو، تو ان تمام صورتوں میں شوہر کو رجوع بالقول کرنے کا اختیار ہے یعنی مدتِ ایلاء میں زبان سے اس طرح کہے "فِئْتُ إِلَيْهَا" (میں نے اسکی طرف رجوع کیا) پس جب شوہر اس طرح کہے تو ایلاء ساقط ہو گیا اب مدتِ ایلاء گذرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایلاء سے رجوع فقط جماع سے ہو سکتا ہے رجوع بالقول کے وہ قائل نہیں ہیں، احنافؒ میں سے امام طحاویؒ کی بھی یہی رائے ہے؛ ان کی دلیل یہ ہے کہ زبان سے رجوع کرنا اگر رجوع ہوتا تو اس سے قسم بھی ٹوٹ جاتی، حالانکہ زبانی رجوع سے قسم نہیں ٹوٹتی ہے اس لیے زبانی رجوع، رجوع بھی نہ ہوگا۔

{۶} ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے زبانی ایلاء کر کے عورت کو تکلیف پہنچائی یعنی زبان سے اس کے حق جماع کو روکنے کا ذکر کیا اور چونکہ توبہ بحسب الجنایت ہوتی ہے لہذا اب عورت کی تکلیف کو دور کرنے اور اسے راضی کرنے کی صورت بھی یہی ہوگی کہ اس کے ساتھ زبانی طور پر اس کے حق جماع کی ادائیگی کا وعدہ کر کے اسے راضی کیا جائے اور جب زبانی وعدے سے ظلم مرتفع ہو گیا تو عورت پر طلاق واقع کر کے شوہر کو سزا نہیں دی جائے گی۔

{۷} پھر اگر یہ شخص مدتِ ایلاء (یعنی چار ماہ کے اندر اندر) میں جماع پر قادر ہو گیا، تو اسکا زبانی رجوع باطل ہو جائیگا، اب اس کا رجوع حقیقۃً جماع کرنے سے ہوگا؛ کیونکہ مقصود (رجوع) کو خلیفہ سے حاصل کرنے سے پہلے یہ شخص اصل پر قادر ہو گیا اس لیے

اصول منصوص بالکلیہ جائز نہیں، اس لیے کہ یہ اب ایسا ہے جیسا کہ کوئی تیمم کرنے والا شخص نماز پڑھنے سے پہلے وضوء پر قادر ہو جائے تو اس کا تیمم باطل ہو جاتا ہے۔

{۸} اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "انتِ عَلَيَّ حَرَامٌ" (تو مجھ پر حرام ہے) تو اس شخص سے نیت دریافت کی جائے گی؛ کیونکہ اس کا یہ کلام کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے کسی ایک معنی کو متعین کرنے کیلئے قائل کی نیت معلوم کی جائے گی، چنانچہ اگر قائل نے کہا کہ "میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا تھا" تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ کہتا ہے؛ کیونکہ اس نے اپنے کلام سے حقیقی معنی کا ارادہ کیا ہے؛ کیونکہ یہ عورت اس کیلئے حلال تھی پھر "انتِ علىَّ حرام" کہنا واقع کے مطابق نہیں لہٰذا جھوٹ ہوگا اور کلام کے حقیقی معنی کی نیت کرنا شرعاً معتبر ہوتا ہے۔

{۹} لیکن بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ اس نے حلال کو حرام کیا ہے اس لیے ظاہر یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور قاعدہ ہے کہ جو خلافِ ظاہر کی نیت کرے قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اگرچہ دیانۃً تصدیق کی جائے گی، یہی صحیح ہے لما فی الشامیۃ: فَكَانَ الصَّوَابُ مَا قَالَهُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ مِنْ أَنَّهُ لَا يُصَدَّقُ قَضَاءً وَلَكِنْ حَمْلُهُ عَلَى الْإِيلَاءِ لَيْسَ هُوَ الصَّوَابَ فِي زَمَانِنَا ، بَلِ الصَّوَابُ حَمْلُهُ عَلَى الطَّلَاقِ لِأَنَّهُ الْعُرْفُ الْحَادِثُ الْمُفْتَى بِهِ (ردالمحتار: ۲/۶۰۱)

{۱۰} اگر قائل نے کہا کہ "میں نے طلاق کی نیت کی تھی" تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی، اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو تین واقع ہوں گی کیونکہ "انتِ عَلَيَّ حَرَامٌ" الفاظ کنایات میں سے ہے جس سے ایک بائن طلاق کی نیت کرنا بھی صحیح ہے اور تین طلاقوں کی نیت کرنا بھی صحیح ہے جس کی تفصیل "بَابُ الْكِنَايَاتِ" میں گذر چکی ہے۔

اور اگر قائل نے کہا کہ "میں نے ظہار کی نیت کی تھی"، تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ظہار ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا؛ کیونکہ ظہار حلال عورت کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں لہٰذا ظہار میں تشبیہ دینا رکن ہے اور یہاں حرف تشبیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ موجود نہیں اسلئے ظہار بھی نہیں ہوگا۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قائل نے اپنے کلام میں لفظ حرمت مطلق ذکر کیا ہے اور ظہار میں بھی حرمت کی ایک نوع ہے اور مطلق میں مقید کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا جب قائل نے محتمل (معنی) ظہار کی نیت کی ہے تو اسکی تصدیق کی جائے گی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ طلاق ہے ایلاء نہیں لما فی الشامیۃ: وَلَكِنْ حَمْلُهُ عَلَى الْإِيلَاءِ لَيْسَ هُوَ الصَّوَابَ فِي زَمَانِنَا ، بَلِ الصَّوَابُ حَمْلُهُ عَلَى الطَّلَاقِ لِأَنَّهُ الْعُرْفُ الْحَادِثُ الْمُفْتَى بِهِ (ردالمحتار: ۲/۶۰۱)

{۱۱}اور اگر قائل نے کہا کہ میں نے عورت کو حرام کر لینے کی نیت کی تھی، یا میں نے اس سے کچھ بھی ارادہ نہیں کیا تو تو یہ یمین ہے جس سے یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا؛ کیونکہ حلال کو حرام کرنے میں ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ وہ یمین ہو؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآاَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌرَّحِيْمٌ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰيكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ[۱]﴾(اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ قسم کھا کر اس کو اپنے اوپر کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرمادیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے) جس سے معلوم ہوا کہ حلال کو حرام کرنا یمین ہے، اور جب یہ ثابت ہوا کہ قائل کا قول یمین ہے تو اس کی وجہ سے وہ مُولی ہو جائیگا پس چار ماہ کے اندر اگر وطی کرلی تو قسم کا کفارہ دیگا ورنہ چار مہینے کے بعد عورت ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تفصیل ہم انشاء اللہ "كِتَابُ الْاَيْمَانِ" میں ذکر کریں گے۔

{۱۲}مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ بلانیت لفظِ تحریم کو طلاق کی طرف پھیر دیتے ہیں، پس اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ" (تو مجھ پر حرام ہے) تو عرف کے لحاظ سے اس لفظ سے طلاق واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ آج کل لوگوں کا عرف یہی ہے کہ طلاق واقع کرنے کے لئے یہی جملہ کہتے ہیں کہ "تو مجھ پر حرام ہے" یہی قول مفتی بہ ہے لمافی الدرالمختار: (وَتَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ إِنْ نَوَى الطَّلَاقَ وَثَلَاثٌ إِنْ نَوَاهَا وَيُفْتَى بِأَنَّهُ طَلَاقٌ بَائِنٌ (وَإِنْ لَمْ يَنْوِهِ) لِغَلَبَةِ الْعُرْفِ (الدرالمختار: على هامش ردالمحتار: ۲/۶۰۱) واللهُ تعالىٰ أعلمُ بالصواب

(۱) تحریم: ۱-۲۔

بَابُ الْخُلْعِ

یہ باب خلع کے بیان میں ہے

"خلع" بضم الخاء لغۃً بمعنی لنعل، اتارنا اور زائل کرنا۔ کہا جاتا ہے "خلع نعلہ اذا نزعہ" اور اسم ہے "خالعت المرأۃ زوجها واختلعت منه بمالها" کا۔ اور شرعاً عورت سے لفظ خلع کے ساتھ نکاح کے مقابلے میں مال لینے کو کہتے ہیں۔

اس باب کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ایلاء مال سے خالی ہونے کی وجہ سے اقرب الی الطلاق ہے اور خلع میں عورت کی جانب سے مال ہوتا ہے اسلئے طلاق کے متصل بعد ایلاء اور پھر خلع کو ذکر فرمایا ہے۔ نیز ایلاء کا سبب زوج کی طرف سے نشوز اور نفرت کا اظہار ہے اور خلع کا سبب غالباً عورت کی طرف سے نشوز ہے۔

{۱} وَإِذَا تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَخَافَا أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَفْتَدِيَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ }{۲}فَإِذَا فَعَلَا ذَلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ

اور جب جھگڑا کریں زوجین باہم اور دونوں کو خوف ہو کہ قائم نہیں رکھ سکتے اللہ تعالیٰ کی حدود کو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت فدیہ دے اپنی جان کا شوہر کو ایسے مال کے ذریعہ کہ شوہر الگ کردے اس کو اس کے عوض، کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس مال میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے" پس جب وہ دونوں یہ کرلے تو واقع ہوجائے گی خلع کی وجہ سے ایک بائن طلاق، اور لازم ہوگا عورت پر مال

لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ { الْخُلْعُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ } وَلِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ حَتَّى صَارَ مِنَ الْكِنَايَاتِ، وَالْوَاقِعُ بِالْكِنَايَةِ بَائِنٌ{۳}إِلَّا أَنَّ ذِكْرَ الْمَالِ أَغْنَى عَنِ النِّيَّةِ هُنَا ، وَلِأَنَّهَا لَا تُسَلِّمُ الْمَالَ إِلَّا لِتَسْلَمَ لَهَا نَفْسُهَا وَذَلِكَ بِالْبَيْنُونَةِ .

کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خلع ایک طلاق بائن ہے" اور اس لیے کہ خلع احتمال رکھتا ہے طلاق کا حتیٰ کہ وہ ہوگیا کنایہ طلاقوں میں سے، اور کنایہ سے واقع ہونے والی بائن طلاق ہے مگر یہ کہ ذکر مال نے بے نیاز کردیا نیت سے یہاں، اور اس لیے کہ عورت مال نہیں دیتی مگر اس لیے تاکہ قبضہ میں ہوجائے اس کے اس کی جان اور یہ بائنہ ہونے سے ہوتا ہے۔

{۴} وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهِ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ } إِلَى أَنْ قَالَ { فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا } وَلِأَنَّهُ أَوْحَشَهَا بِالِاسْتِبْدَالِ فَلَا يَزِيدُ فِي وَحْشَتِهَا بِأَخْذِ الْمَالِ{۵}وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ

اور اگر ہو سرکشی شوہر کی جانب سے تو مکروہ ہے اس کے لیے کہ لے عورت سے عوض، کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور اگر تم بدلنا چاہو ایک بیوی کو دوسری بیوی سے" یہاں تک کہ فرمایا "تو نہ لو اس میں سے کچھ" اور اس لیے کہ شوہر نے وحشت میں ڈال دیا بیوی کو بدل دینے سے تو اضافہ نہ کرے اس کی وحشت میں مال لے کر۔ اور اگر ہو سرکشی

مِنْهَا كَرِهْنَا لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا وَفِي رِوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ

عورت کی جانب سے تو ہم مکروہ سمجھتے ہیں شوہر کے لیے کہ لے عورت سے زیادہ اس سے جو اس کو دیا ہے، اور جامع صغیر کی روایت میں

طَابَ الْفَضْلُ أَيْضًا لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا بَدْءًا {۶} وَوَجْهُ الْأُخْرَى قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

کہ جائز ہے زائد بھی بوجہ مطلق ہونے اس آیت کے جو ہم تلاوت کر چکے شروع میں، اور دوسری کی وجہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

فِي امْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ {أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا} وَقَدْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْهَا {۷} وَلَوْ أَخَذَ الزِّيَادَةَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ

ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے بارے میں "بہر حال زیادتی تو نہیں" حالانکہ تھی سرکشی عورت کی جانب سے، اور اگر لے لیا زیادہ تو جائز ہے قضاءً

وَكَذَلِكَ إِذَا أَخَذَ وَالنُّشُوزُ مِنْهُ لِأَنَّ مُقْتَضَى مَا تَلَوْنَا شَيْئَانِ الْجَوَازُ حُكْمًا وَالْإِبَاحَةُ، وَقَدْ تُرِكَ الْعَمَلُ

اسی طرح جب لے حالانکہ سرکشی شوہر کی جانب سے ہو؛ کیونکہ مقتضیٰ اس آیت کا جو ہم تلاوت کر چکے دو چیزیں ہیں جواز حکماً اور اباحت، اور ترک کر دیا گیا

فِي حَقِّ الْإِبَاحَةِ لِمُعَارِضٍ فَبَقِيَ مَعْمُولًا فِي الْبَاقِي {۸} وَإِنْ طَلَّقَهَا عَلَى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ

عمل اباحت کے حق میں معارض کی وجہ سے، پس باقی رہا معمول دوسرے میں۔ اور اگر طلاق دی بیوی کو مال پر پس اس نے قبول کیا تو واقع ہو جائے گی

الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ لِأَنَّ الزَّوْجَ يَسْتَبِدُّ بِالطَّلَاقِ تَنْجِيزًا وَتَعْلِيقًا وَقَدْ عَلَّقَهُ بِقَبُولِهَا

طلاق اور لازم ہوگا عورت پر مال؛ کیونکہ زوج مستقل ہے طلاق کے ساتھ خواہ تنجیزاً ہو یا تعلیقاً اور حال یہ کہ اس نے معلق کر دی عورت کے قبول کرنے پر

وَالْمَرْأَةُ تَمْلِكُ الْتِزَامَ الْمَالِ لِوِلَايَتِهَا عَلَى نَفْسِهَا، وَمِلْكُ النِّكَاحِ مِمَّا يَجُوزُ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَالًا

اور عورت کو اختیار ہے مال لازم کرنے کا بوجہ اس کی ولایت کے اپنے نفس پر، اور ملکِ نکاح ایسی چیز ہے کہ جائز ہے عوض لینا اس کا اگرچہ نہ ہو مال

كَالْقِصَاصِ {۹} وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا لِمَا بَيَّنَّا وَلِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِالنَّفْسِ وَقَدْ مَلَكَ

جیسے قصاص، اور ہو گی طلاق بائن اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور اس لیے کہ یہ عوض دینا ہے مال سے نفس کا اور حال یہ کہ مالک ہوا ہے

الزَّوْجُ أَحَدَ الْبَدَلَيْنِ فَتَمْلِكُ هِيَ الْآخَرَ وَهِيَ النَّفْسُ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ .

زوج بدلین میں سے ایک کا، پس مالک ہو گی عورت دوسرے کی اور وہ ذات ہے برابری ثابت کرنے کے لیے۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بوقتِ ضرورت خلع کا جواز اور دلیل ذکر کی ہے، اور خلع کے نتیجہ میں عورت پر بائن طلاق پڑنے کا حکم اور اس کے دو دلائل ذکر کیے ہیں۔ اور نمبر ۳ میں ایک سوال اور اس کے دو جواب ذکر کیے ہیں۔ اور نمبر ۴ میں بتایا ہے کہ اگر نشوز مرد کی جانب سے ہو تو اس کا عوض لینا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے دو دلائل ذکر کیے ہیں۔ اور نمبر ۵، ۶ میں بتایا ہے کہ اگر نشوز عورت کی جانب سے ہو تو بقدرِ مہر یا جامع صغیر کی روایت کے مطابق زیادہ لینے کا بلا کراہت جواز اور اس کی دلیل، اور مبسوط کی روایت کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں نشوز مرد کی جانب سے ہونے کی صورت میں مہر سے زیادہ لینے کا جواز اور دلیل ذکر کی

ہے اور نمبر۸ میں بعوضِ مال طلاق سے طلاق کا وقوع اور دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر۹ میں بتایا ہے کہ طلاق بھی بائن ہوگی اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر زوجین باہم جھگڑا کرنے لگیں اور یہ محسوس کرلیں کہ اب اللہ کے حدود(یعنی ایک دوسرے کے حقوقِ زوجیت)ادا نہیں کرسکیں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنی جان کا اپنے شوہر کو فدیہ دیدے اور شوہر اس مال کے بدلے اس کے ساتھ خلع کرلے؛کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[۱]﴾(اگر تم لوگوں کو یہ خوف ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کرسکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس مال کے لینے دینے میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑالے۔یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے بالکل باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں)۔

{۲}جب شوہر فدیہ لے کر خلع دیدے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور عورت پر مال لازم ہوگا؛طلاق بائن واقع ہونے کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے"اَلْخُلْعُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ[۲]"(خلع ایک طلاق بائن ہے)۔دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظِ خلع طلاق کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا لفظِ خلع کنایاتِ طلاق میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ بنیتِ طلاق "خَالَعْتُکِ" کہنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے،اور الفاظِ کنایہ کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

{۳}سوال یہ ہے کہ لفظِ خلع جب کنایات میں سے ہے تو اس میں نیت لازمی ہونی چاہیے حالانکہ بلانیت اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟جواب یہ ہے کہ نیت تو لفظ کے متعدد معانی میں سے ایک کی تعیین کے لیے ہوتی ہے،جبکہ خلع میں عوض اور مال کا تذکرہ طلاق کو متعین کردیتا ہے لہٰذا یہاں نیت سے طلاق کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔نیز اس لیے بھی کہ عورت مال سپرد نہیں کرتی ہے مگر اس لیے کہ اس کا نفس کلی طور پر اس کے سپرد کیا جائے اور عورت کو اس کے نفس کی کلی طور پر سپردگی اسی وقت ہوسکتی ہے کہ وہ بائنہ ہو ورنہ رجعی کی صورت میں تو شوہر کو عورت کی رضامندی کے بغیر عورت سے رجوع کا حق ہوتا ہے اس لیے رجعی کی صورت میں عورت کا نفس کلی طور پر اس کے سپرد نہیں ہوتا ہے،لہٰذا خلع میں طلاق بائن ہی واقع ہوگی۔

---

(۱)البقرۃ:۲۲۹۔

(۲)نحوہ فی السنن الکبریٰ للبیہقی:۷،ص۵۱۸،رقم:۱۴۸۶۵ط دار الکتب العلمیۃ۔

﴿۴﴾ پھر اگر نشوز اور نفرت کا اظہار شوہر کی طرف سے ہو تو شوہر کیلئے عورت سے خلع کا کچھ عوض لینا مکروہ تحریمی ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا[1]﴾ (اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ناحق الزام اور صریح گناہ کے ذریعے وہ مال واپس لینا چاہتے ہو) جس میں عورت سے کچھ لینے کی صریح ممانعت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے اس بیوی کے بدلے دوسری لانے کی وجہ سے اس کو وحشت میں ڈال دیا پس اس سے مال لے کر اسے مزید وحشت میں نہ ڈالے تاکہ وہ دو طرح کا ضرر نہ اٹھائے۔ علامہ شامیؒ نے حرام قرار دیا ہے فرماتے ہیں (قَوْلُهُ : وَكُرِهَ تَحْرِيمًا أَخْذُ الشَّيْءِ) أَيْ قَلِيلًا كَانَ ، أَوْ كَثِيرًا . وَالْحَقُّ أَنَّ الْأَخْذَ إذَا كَانَ النُّشُوزُ مِنْهُ حَرَامٌ قَطْعًا - { فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا } - إلَّا أَنَّهُ إنْ أَخَذَ مَلَكَهُ بِسَبَبٍ خَبِيثٍ ، وَتَمَامُهُ فِي الْفَتْحِ (ردّالمحتار:۲/۶۰۹)

﴿۵﴾ اور اگر نافرمانی اور نفرت کا اظہار عورت کی جانب سے ہو تو بقدرِ مہر فدیہ لینا شوہر کیلئے بلا کراہت جائز ہے اور مہر سے زائد لینے کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور جامع صغیر کی روایت میں مہر سے زائد کو بھی جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ شروع میں ہم اس آیتِ مبارکہ کو تلاوت کر چکے ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ[2]﴾ (اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑالے) اور آیتِ مبارکہ مطلق ہے جس میں کم و بیش کی کوئی قید نہیں، اس لیے مہر سے زیادہ لینا بھی جائز ہوگا۔

﴿۶﴾ اور مبسوط کی روایت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کی بیوی نے ثابت بن قیس سے خلع کرنا چاہا تو پیغمبر ﷺ نے ان سے کہا کہ کیا تو اس کا عوض واپس کرتی ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں! کچھ مزید بھی دیدیتی ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا "أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا"[3] (بہر حال زیادتی تو وہ نہ دو) حالانکہ نافرمانی ثابت بن قیس کی بیوی کی طرف سے تھی، لہٰذا یہ حدیث مہر سے زائد مقدار لینے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے۔

([1]) النساء:۲۰۔

([2]) البقرۃ:۲۲۹۔

([3]) اس مضمون کی حدیث سنن ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: عن ابن عباس - أن جميلة بنت سلول أتت النبي صلى الله عليه و سلم فقالت والله ما أعتب على ثابت في دين ولا خلق . ولكني أكره الكفر في الإسلام . لا أطيقه بغضا . فقال لها النبي صلى الله عليه و سلم (أتردين عليه حديقته ؟) قالت نعم . فأمره رسول الله صلى الله عليه و سلم أن يأخذ منها حديقته ولا يزداد (سنن ابن ماجة، ص:۲۶۵ برقم:۲۰۵۶، باب المختلعة يأخذ ما أعطاها، ط مكتبه رحمانيه)

کو ترک کر دیا تو دوسری پر عمل باقی رہے گا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مباح نہ ہو وہ جائز بھی نہ ہو؛ کیونکہ اباحت کی ضد کراہت ہے اور کراہت جواز کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز مکروہ بھی ہو اور جائز بھی ہو، لہٰذا دوسری چیز یعنی مہر سے زیادہ مقدار لینے کا جواز برقرار ہے۔

فت: علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کراہت سے کراہتِ تحریمی مراد ہے: وَأَرَادَ بِالْكَرَاهَةِ كَرَاهَةَ التَّحْرِيمِ الْمُنْتَهِضَةَ سَبَبًا يُعَاقَبُ، وَالْحَقُّ أَنَّ الْأَخْذَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ حَرَامٌ قَطْعًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا } وَلَا يُعَارِضُهُ الْآيَةُ الْأُخْرَى { فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ } لِأَنَّ تِلْكَ فِيمَا إذَا كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهِ فَقَطْ ، وَالْأُخْرَى فِيمَا إذَا خَافَا أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَيْسَ مِنْ قِبَلِهِ فَقَطْ نُشُوزٌ عَلَى أَنَّهُمَا لَوْ تَعَارَضَا كَانَتْ حُرْمَةُ الْأَخْذِ ثَابِتَةً بِالْعُمُومَاتِ الْقَطْعِيَّةِ فَإِنَّ الْإِجْمَاعَ عَلَى حُرْمَةِ أَخْذِ مَالِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ ، وَفِي إمْسَاكِهَا لَا لِرَغْبَةٍ بَلْ إضْرَارًا ، وَتَضْيِيقًا لِيَقْتَطِعَ مَالَهَا فِي مُقَابَلَةِ خَلَاصِهَا مِنْ الشِّدَّةِ الَّتِي هِيَ مَعَهُ فِيهَا ذَلِكَ ، وَقَالَ تَعَالَى { وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ } فَهَذَا دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ عَلَى حُرْمَةِ أَخْذِ مَالِهَا كَذَلِكَ فَيَكُونُ حَرَامًا إلَّا أَنَّهُ لَوْ أَخَذَ جَازَ فِي الْحُكْمِ أَيْ يُحْكَمُ بِصِحَّةِ التَّمْلِيكِ ،وَإِنْ كَانَ بِسَبَبٍ خَبِيثٍ،وَتَمَامُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ،(البحرالرائق:۴/۷٦)

{8} اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو بعوضِ مال طلاق دے دی مثلاً کہا "اَنتِ طَالِقٌ عَلَى اَلفِ دِرهَمٍ" (تجھے طلاق ہے بعوضِ ہزار درہم) اور عورت نے اسکو قبول کیا، تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمہ مال لازم ہوگا؛ کیونکہ یہ تصرفِ معاوضہ ہے اور تصرفِ معاوضہ میں متعاوضین میں اہلیت اور محل کا قابل ہونا ضروری ہے، اور یہاں شوہر میں اہلیت موجود ہے؛ کیونکہ اس کو فی الحال اور معلق دونوں طرح کی طلاق دینے کا اختیار بالاستقلال حاصل ہے، اور یہاں اس نے طلاق کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کر دیا اس لیے یہ طلاق واقع ہوگی۔ اور عورت میں بھی اہلیت موجود ہے کہ وہ اپنے اوپر مال کو لازم کر دینے کی مالک ہے؛ کیونکہ اس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اس لیے اس پر مال لازم ہوگا، اور محل اس لیے قابلِ عوض ہے کہ ملکِ نکاح اگرچہ مال نہیں مگر اس کا عوض لینا جائز ہے جیسا کہ قصاص اگرچہ مال نہیں مگر اس کا عوض لینا جائز ہے۔

{9} اور مذکورہ بالا صورت میں طلاق بائن ہوگی؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ عورت مال اسی وقت سپرد کرے گی جس وقت کہ اس کا نفس اس کے سپرد کیا جائے، اور نفس کی سپردگی طلاقِ بائن سے ہوگی نہ کہ رجعی سے، اس لیے طلاق بائن واقع ہوگی۔ نیز یہاں بدلین میں سے ایک مال ہے اور دوسرا عورت کا اپنے نفس کا مالک ہونا ہے، اور زوج بدلین میں سے ایک (مال) کا مالک ہو گیا، تو زوجہ دوسرے بدل یعنی اپنے نفس کی مالکہ ہوگی؛ کیونکہ دونوں میں برابری ضروری ہے، اور عورت اپنے نفس کی مالکہ تب ہوگی کہ اس کو بائن طلاق ملے ورنہ رجعی طلاق میں تو وہ اپنے نفس کی مالکہ نہیں ہوتی ہے۔

معاوضہ ہے اور تصرفِ معاوضہ میں متعاقدین میں اہلیت اور محل کا قابل ہونا ضروری ہے، اور یہاں شوہر میں اہلیت موجود ہے؛ کیونکہ اس کو فی الحال اور معلق دونوں طرح کی طلاق دینے کا اختیار بالاستقلال حاصل ہے، اور یہاں اس نے طلاق کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کر دیا اس لیے یہ طلاق واقع ہوگی۔ اور عورت میں بھی اہلیت موجود ہے کہ وہ اپنے اوپر مال کو لازم کر دینے کی مالک ہے؛ کیونکہ اس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اس لیے اس پر مال لازم ہوگا، اور محل اس لیے قابل عوض ہے کہ ملکِ نکاح اگرچہ مال نہیں مگر اس کا عوض لینا جائز ہے جیسا کہ قصاص اگرچہ مال نہیں مگر اس کا عوض لینا جائز ہے۔

{۹} اور مذکورہ بالا صورت میں طلاق بائن ہوگی؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ عورت مال اسی وقت سپرد کرے گی جس وقت کہ اس کا نفس اس کے سپرد کیا جائے، اور نفس کی سپردگی طلاقِ بائن سے ہوگی نہ کہ رجعی سے، اس لیے طلاق بائن واقع ہوگی۔ نیز یہاں بدلین میں سے ایک مال ہے اور دوسرا عورت کا اپنے نفس کا مالک ہونا ہے، اور زوج بدلین میں سے ایک (مال) کا مالک ہوگیا، تو زوجہ دوسرے بدل یعنی اپنے نفس کی مالکہ ہوگی؛ کیونکہ دونوں میں برابری ضروری ہے، اور عورت اپنے نفس کی مالکہ تب ہوگی کہ اس کو بائن طلاق ملے ورنہ رجعی طلاق میں تو وہ اپنے نفس کی مالکہ نہیں ہوتی ہے۔

{۱} قَالَ وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلَ أَنْ يُخَالِعَ الْمُسْلِمُ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَيْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ،

فرمایا: اور اگر باطل ہوا عوض خلع میں جیسے خلع کرے مسلمان شراب پر یا خنزیر پر یا مردار پر تو کچھ نہ ہوگا شوہر کے لیے اور فرقت بائنہ ہوگی۔

وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا فَوُقُوعُ الطَّلَاقِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِلتَّعْلِيقِ بِالْقَبُولِ {۲} وَافْتِرَاقُهُمَا فِي الْحُكْمِ

اور اگر باطل ہوا عوض طلاق میں تو طلاق رجعی ہوگی پس وقوعِ طلاق دونوں صورتوں میں بوجہ تعلیق ہے قبول کرنے پر، اور دونوں کا فرق حکم میں

لِأَنَّهُ لَمَّا بَطَلَ الْعِوَضُ كَانَ الْعَامِلُ فِي الْأَوَّلِ لَفْظَ الْخُلْعِ وَهُوَ كِنَايَةٌ، وَفِي الثَّانِي الصَّرِيحُ وَهُوَ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ

اس لیے ہے کہ جب باطل ہوا عوض، تو ہوگا عمل کرنے والا اول میں لفظِ خلع ہے اور وہ کنایہ ہے، اور ثانی میں صریح ہے اور اس کے بعد رجعت ہوتی ہے

{۳} وَإِنَّمَا لَمْ يَجِبْ لِلزَّوْجِ شَيْءٌ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مَا سَمَّتْ مَالًا مُتَقَوِّمًا حَتَّى تَصِيرَ غَارَّةً لَهُ، وَلِأَنَّهُ

اور واجب نہ ہوا زوج کے لیے کچھ عورت پر؛ کیونکہ عورت نے نہیں بیان کیا ہے مالِ متقوم حتی کہ ہو وہ دھوکہ دینے والی مرد کو، اور اس لیے کہ

لَا وَجْهَ إِلَى إِيجَابِ الْمُسَمَّى لِلْإِسْلَامِ وَلَا إِلَى إِيجَابِ غَيْرِهِ لِعَدَمِ الِالْتِزَامِ، {۴} بِخِلَافِ مَا إِذَا خَالَعَ

کوئی صورت نہیں مسمّٰی واجب کرنے کی اسلام کی وجہ سے اور نہ غیر مسمّٰی واجب کرنے کی عدم التزام کی وجہ سے، بخلافِ اس کے جب خلع کرے

عَلَى خَلٍّ بِعَيْنِهِ فَظَهَرَ أَنَّهُ خَمْرٌ لِأَنَّهَا سَمَّتْ مَالًا فَصَارَ مَغْرُورًا، {۵} وَبِخِلَافِ مَا إِذَا كَاتَبَ

متعین سرکہ پر پھر ظاہر ہو جائے کہ وہ شراب ہے؛ کیونکہ عورت نے ذکر کیا تھا مال، پس ہوگیا شوہر دھوکہ شدہ، اور بخلافِ اس کے جب مکاتب کرے

أَعْتَقَ عَلَى خَمْرٍ حَيْثُ تَجِبُ قِيمَةُ الْعَبْدِ لِأَنَّ مِلْكَ الْمَوْلَى فِيهِ مُتَقَوِّمٌ وَمَا رَضِيَ بِزَوَالِهِ مَجَّانًا، أَمَّا

اور آزاد کرے شراب پر کہ واجب ہوگی غلام کی قیمت؛ کیونکہ ملکِ مولیٰ اس میں متقوم ہے اور وہ راضی نہیں ہوا اس کے مفت زوال پر، رہی

مِلْكُ الْبُضْعِ فِي حَالَةِ الْخُرُوجِ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ عَلَى مَا نَذْكُرُ، ﴿٦﴾ وَبِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّ الْبُضْعَ فِي حَالَةِ الدُّخُولِ مُتَقَوِّمٌ،

ملکِ بضع حالتِ خروج میں تو وہ غیر متقوم ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے، اور بخلاف نکاح کے؛ کیونکہ بضع حالتِ دخول میں متقوم ہے،

وَالْفِقْهُ أَنَّهُ شَرِيفٌ فَلَمْ يَشْرَعْ تَمَلُّكَهُ إِلَّا بِعِوَضٍ إِظْهَارًا لِشَرَفِهِ ، فَأَمَّا الْإِسْقَاطُ فَنَفْسُهُ

اور بھید یہ ہے کہ بضع ایک شریف چیز ہے پس مشروع نہیں اس کا مالک ہونا مگر بعوض ظاہر کرتے ہوئے اس کی شرافت کو، رہا اسقاطِ ملک تو وہ بذاتہ

شَرَفٌ فَلَا حَاجَةَ إِلَى إِيجَابِ الْمَالِ. ﴿٧﴾ قَالَ ﴿وَمَا جَازَ أَنْ يَكُونَ مَهْرًا جَازَ أَنْ يَكُونَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ﴾ لِأَنَّ مَا يَصْلُحُ

شریف ہے پس حاجت مال واجب کرنے کو فرمایا: اور جو چیز کہ جائز ہو اس کا مہر بننا جائز ہے کہ ہو بدل خلع میں؛ کیونکہ جو چیز صلاحیت رکھتی ہو

عِوَضًا لِلْمُتَقَوِّمِ أَوْلَى أَنْ يَصْلُحَ عِوَضًا لِغَيْرِ الْمُتَقَوِّمِ . ﴿٨﴾ فَإِنْ قَالَتْ لَهُ خَالِعْنِي

عوض بننے کا متقوم کے لیے بدرجہ اولیٰ صلاحیت رکھتی ہے عوض بننے کی غیر متقوم کے لیے۔ پس اگر کہا عورت نے شوہر سے "مجھے خلع دیدو

عَلَى مَا فِي يَدِي فَخَالَعَهَا فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهُ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا

اس چیز پر جو میرے ہاتھ میں ہے" پس شوہر نے خلع دیا اس کو حالانکہ نہ تھی عورت کے ہاتھ کوئی چیز، تو کچھ نہ ہوگا شوہر کے لیے عورت پر؛ کیونکہ عورت

لَمْ تَغُرَّهُ بِتَسْمِيَةِ الْمَالِ ﴿٩﴾ وَإِنْ قَالَتْ خَالِعْنِي عَلَى مَا فِي يَدِي مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا

نے دھوکہ نہیں دیا ہے مرد کو مال کا نام لے کر، اور اگر عورت نے کہا "مجھے خلع دیدو اس مال پر جو میرے ہاتھ میں ہے" پس اس نے خلع دیا اس کو

فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا لِأَنَّهَا لَمَّا سَمَّتْ مَالًا لَمْ يَكُنِ الزَّوْجُ رَاضِيًا بِالزَّوَالِ

حالانکہ نہ تھی اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تو رد کرے گی عورت اس پر اپنا مہر؛ کیونکہ عورت نے جب ذکر کیا مال تو نہ ہوا زوج راضی ملکِ نکاح کے زوال پر

إِلَّا بِعِوَضٍ ، وَلَا وَجْهَ إِلَى إِيجَابِ الْمُسَمَّى وَقِيمَتِهِ لِلْجَهَالَةِ وَلَا إِلَى قِيمَةِ الْبُضْعِ : أَعْنِي مَهْرَ الْمِثْلِ لِأَنَّهُ

مگر بعوض اور کوئی صورت نہیں مسمّٰی اور اس کی قیمت واجب کرنے میں جہالت کی وجہ سے اور نہ قیمتِ بضع کی یعنی مہر مثل کی وجہ ہے؛ کیونکہ بضع

غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ حَالَةَ الْخُرُوجِ فَتَعَيَّنَ إِيجَابُ مَا قَامَ بِهِ عَلَى الزَّوْجِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ

غیر متقوم ہے حالتِ خروج میں، پس متعین ہوا واجب کرنا اس مقدار کو جس کے عوض پڑا ہے شوہر کو دفع کرتے ہوئے ضرر کو شوہر سے،

﴿١٠﴾ وَلَوْ قَالَتْ خَالِعْنِي عَلَى مَا فِي يَدِي مِنْ دَرَاهِمَ أَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ

اور اگر عورت نے کہا "خلع دیدو مجھ کو ان دراہم کے عوض جو میرے ہاتھ میں ہیں" پس شوہر نے دیدیا مگر نہیں تھی اس کے ہاتھ میں کوئی چیز،

فَعَلَيْهَا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ لِأَنَّهَا سَمَّتِ الْجَمْعَ وَأَقَلُّهُ ثَلَاثَةٌ ، وَكَلِمَةُ مِنْ هَاهُنَا لِلصِّلَةِ دُونَ

تو عورت کے ذمہ واجب ہوں گے تین دارہم؛ کیونکہ عورت نے ذکر کیا صیغۂ جمع اور اقل جمع تین ہیں، اور کلمۂ مِن یہاں بیان کے لیے ہے نہ کہ

التَّبعِيضِ لِأَنَّ الْكَلَامَ يَخْتَلُّ بِدُونِهِ . {۱۱} فَإِنِ اخْتَلَعَتْ عَلَى عَبْدٍ لَهَا آبِقٍ عَلَى أَنَّهَا بَرِيئَةٌ

تبعیض کے لیے؛ کیونکہ کلام مختل ہوتا ہے اس کے بغیر۔ اور اگر عورت نے خلع کیا اپنے ایسے غلام پر جو بھاگا ہوا ہے اس شرط پر کہ وہ بری ہے

مِنْ ضَمَانِهِ لَمْ تَبْرَأْ وَعَلَيْهَا تَسْلِيمُ عَيْنِهِ إِنْ قَدَرَتْ وَتَسْلِيمُ قِيمَتِهِ إِنْ عَجَزَتْ لِأَنَّهُ

اس کی ضمانت سے، تو بری نہ ہوگی اور اس پر واجب ہوگا عین غلام کو تسلیم کرنا اگر وہ قادر ہو، اور اس کی قیمت کو تسلیم کرنا اگر وہ عاجز ہو؛ کیونکہ یہ

عَقْدُ الْمُعَاوَضَةِ فَيَقْتَضِي سَلَامَةَ الْعِوَضِ، وَاشْتِرَاطُ الْبَرَاءَةِ عَنْهُ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَيَبْطُلُ إِلَّا أَنَّ الْخُلْعَ لَا يَبْطُلُ

عقدِ معاوضہ ہے پس تقاضا کرتا ہے عوض کی سلامتی کا، اور براءت کی شرط لگانا اس سے شرطِ فاسد ہے پس باطل ہوگی مگر یہ کہ خلع باطل نہیں ہوتا

بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ ، وَعَلَى هَذَا النِّكَاحِ

شروطِ فاسدہ سے اور اسی پر قیاس کیا جائے نکاح کو۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں بدلِ خلع باطل ہونے کی صورت میں عورت پر کچھ واجب نہ ہونا اور فرقت کا بائنہ ہونا ذکر کیا ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر عورت مدخول بہا ہو تو طلاق رجعی ہوگی، وقوعِ طلاق کی وجہ اور دونوں صورتوں میں فرق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۳ میں دونوں صورتوں میں شوہر کے لیے کچھ واجب نہ ہونے کی وجہ ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں معین مٹکہ سرکہ پر خلع کرنے کی صورت میں اس کا شراب نکل آنے کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۵ میں مولیٰ کا اپنے غلام کو شراب کے عوض مکاتب کرنے یا آزاد کرنے کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں شراب پر نکاح اور خلع کرنے کے حکم میں فرق اور وجہ فرق کو بیان کیا ہے۔ اور نمبر ۷ میں بتایا ہے کہ جو چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ خلع میں بدل بن سکتی ہے، اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں بتایا ہے کہ اگر عورت نے کہا "جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس پر مجھ سے خلع کر" شوہر نے خلع کیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں، تو اس کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹ میں عورت کے مذکورہ قول پر "مِنْ مَالٍ" بڑھانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۰ میں "مِنْ دَرَاهِمَ" یا "مِنَ الدَّرَاهِمِ" بڑھانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۱ میں بھگوڑے غلام پر خلع کرانے کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے

تشریح:۔ {۱} اگر خلع میں عوض باطل ہو امثلاً مسلمان مرد نے اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر یا مردار کے عوض خلع کر لیا تو شوہر کیلئے عورت پر کوئی چیز بدلِ خلع کے طور پر واجب نہیں ہوگی، اور دونوں میں فرقت بائنہ ہوگی۔ اور اگر شوہر نے مدخول بہا عورت کو بعوض طلاق دیدی اور عوض باطل ہوا، تو طلاق رجعی واقع ہوگی، اور شوہر کے لیے عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ دونوں صورتوں میں طلاق اس

لیے واقع ہوگی کہ شوہر نے عورت کی طلاق کو اس کے قبول کرنے پر معلق کیا ہے اور عورت نے اس کو قبول کرلیا تو شرط پائی گئی اس لیے طلاق واقع ہوگی۔

{۲} البتہ دونوں صورتوں کا حکم الگ ہے یعنی ایک صورت میں بائن طلاق واقع ہوگی اور دوسری صورت میں رجعی، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عوض باطل ہوا تو پہلی صورت میں عمل کرنے والا لفظ خلع ہے اور لفظِ خلع کنایات میں سے ہے اور پہلے گذر چکا کہ کنائی الفاظ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اور دوسری صورت میں عمل کرنے والا لفظ صریح طلاق ہے اور صریح طلاق اپنے پیچھے رجعت لاتی ہے اس لیے اس سے رجعی طلاق واقع ہوگی۔

{۳} اور دونوں مسئلوں میں شوہر کے لیے عورت پر کوئی چیز اس لیے واجب نہ ہوگی کہ عورت نے خلع یا طلاق لیتے وقت کسی مالِ متقوم کا نام نہیں لیا ہے کہ ہم اسے شوہر کو دھوکہ دینے والی شمار کرلیں اور جب اس نے شوہر کو دھوکہ نہیں دیا ہے تو اس پر کوئی چیز واجب بھی نہ ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عوض واجب کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تو عورت پر شئ مسمّیٰ (جس چیز کا ذکر کیا گیا ہے یعنی شراب، خنزیر اور مردار) کو واجب کردیا جائے، یہ تو نہیں ہوسکتا ہے؛ کیونکہ شوہر مسلمان ہے اور مسلمان شراب وغیرہ نہ کسی کو سپرد کرسکتا ہے اور نہ اپنے لیے اس پر قبضہ کرسکتا ہے۔ اور یا غیر مسمّیٰ (یعنی شراب وغیرہ کے علاوہ کسی چیز) کو واجب کیا جائے، یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے؛ کیونکہ عورت نے غیر مسمّٰی کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے اس لیے یہ بھی لازم نہیں کیا جاسکتا۔

{۴} اس کے برخلاف اگر سرکہ کے معین مٹکے پر خلع ہوا پھر معلوم ہوا کہ وہ تو سرکہ نہیں شراب ہے، تو امام صاحبؒ کے نزدیک عورت پر مقدارِ مہر واجب ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک معین مٹکہ شراب کے مثل سرکہ واجب ہوگا؛ کیونکہ عورت نے مال کا ذکر کیا حالانکہ وہ مال نہیں ہے، تو عورت نے مرد کو دھوکہ دیا اور مرد دھوکہ شدہ ہوا اس لیے عورت پر ضمان واجب ہوگا۔

{۵} اور برخلاف اس کے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو شراب کے عوض مکاتب بنایا، یا شراب کے عوض آزاد کیا، تو اس صورت میں غلام پر اپنی قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ مولیٰ کی مِلک غلام میں متقوّم ہے یعنی غلام قیمت دار چیز ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اس کو غصب کیا تو غاصب پر قیمت واجب ہے، اور مولیٰ اپنی اس مِلک کے مفت زائل ہونے پر راضی نہیں ہے، پس جب غلام کو بدل (شراب) کی سپردگی پر قدرت نہیں اس کے متقوّم نہ ہونے کی وجہ سے تو مبدل (رقبہ) کی قیمت لازم ہوگی۔ رہی مِلکِ بضع تو وہ طلاق وغیرہ کے ذریعہ حالتِ خروج میں متقوّم نہیں ہے بلکہ غیر قیمت دار ہے اس لیے شراب اس کا عوض مقرر کرنے کی صورت میں شراب واجب نہ ہوگی، جس کو آگے ہم لفظِ "والفقه" سے بیان کریں گے۔

{۶}اور برخلافِ نکاح کے یعنی خلع اور نکاح میں فرق ہے لہٰذا اگر شراب پر نکاح کیا تو نکاح صحیح ہے اور مہر مثل واجب ہوگا، اور اگر خلع شراب پر کیا تو خلع صحیح ہے اور کچھ واجب نہ ہوگا؛ وجہ فرق یہ ہے کہ بضع حالتِ دخول (نکاح میں آنے کے وقت) میں متقوّم ہے اور حالتِ خروج (خلع وغیرہ) میں متقوّم نہیں ہے، اور حالتِ دخول میں متقوّم اور حالتِ خروج میں غیر متقوّم ہونے میں راز یہ ہے کہ بضع شریف اور ذی حیثیت چیز ہے اور ذی حیثیت چیز کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے بلا عوض اس کا مالک بننا شروع نہیں کیا گیا ہے، اس لیے مِلک میں آنے کی حالت میں اسے متقوّم قرار دیا۔ رہا بضع سے مالک کی مِلک کو ساقط کرنا تو چونکہ اس سے مِلک کو ساقط کرنا فی نفسہ شریف ہے اس لیے بوقتِ خروج اس کے عوض مال واجب کرنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا بوقتِ خروج متقوّم بھی نہ ہوگا۔

{۷}جو چیز عقدِ نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بالاتفاق عقدِ خلع میں بدلِ خلع بن سکتی ہے؛ کیونکہ عقدِ نکاح کے وقت بضع متقوّم ہے اور خلع کے وقت غیر متقوم ہے، لہٰذا جو چیز بضع کی حالتِ تقوّم میں عوض بن سکتی ہے وہ بضع کی غیر متقوّم حالت میں بدرجہ اولیٰ عوض ہو سکتی ہے۔

{۸}اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا "جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس پر مجھ سے خلع کر" پس شوہر نے خلع کر دیا اور حال یہ ہے کہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں، تو عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی؛ کیونکہ عورت نے اپنے قول میں مال کا ذکر نہیں کیا ہے لہٰذا جب ہاتھ میں کچھ نہیں تو شوہر کو دھوکہ دینے والی شمار نہ ہوگی تو کسی شئ کی ضامن بھی نہ ہوگی۔

{۹}اور اگر عورت نے اپنے قول میں "مِنْ مَالٍ" کا اضافہ کیا یعنی عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ "میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس پر مجھ سے خلع کر" پس شوہر نے خلع کر دیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا، تو اس صورت میں عورت شوہر کو مقدارِ مہر واپس کرے گی؛ کیونکہ عورت نے اپنے قول میں مال ذکر کیا ہے اسلئے شوہر بغیر عوض مِلکِ نکاح زائل کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔ پھر شوہر کو عوض دینے کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) مسمّیٰ (یعنی جو کچھ عورت کے ہاتھ میں ہے)۔ (۲) اس کی قیمت۔ (۳) بضع کی قیمت یعنی مہر مثل۔ (۴) مقدارِ مہر جو عورت اپنے شوہر سے لے چکی ہے۔ اول تین احتمال باطل ہیں کیونکہ مسمّیٰ اور اسکی قیمت میں سے ہر ایک مجہول ہے۔ اور بضع کی قیمت یعنی مہر مثل اس وجہ سے واجب نہیں کی جاسکتی ہے کہ حالت خروج میں مِلکِ بضع کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، لہٰذا چوتھا احتمال یعنی جس مقدار کے عوض میں مرد کو بضع پڑا ہے اس کو واجب کرنا متعین ہو گیا تاکہ شوہر کے ضرر کو دفع کیا جاسکے۔

{۱۰}اور اگر عورت نے اپنے قول میں "مِنْ دَرَاهِمَ" یا الف لام کے ساتھ "مِنَ الدَّرَاهِمِ" کا اضافہ کر کے کہا "مجھ سے خلع کر ان دراہم پر جو میرے ہاتھ میں ہیں"، اور شوہر نے خلع کر دیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس صورت میں عورت پر تین دراہم واجب ہوں گے؛ کیونکہ عورت نے دراہم صیغہ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اقل جمع تین ہے اسلئے تین دراہم واجب ہوں گے۔ صاحب

فرماتے ہیں کہ "مِنْ دَرَاهِمَ" میں لفظ "مِنْ" ما قبل کے "مَافِيْ يَدِيْ" کے صلہ اور بیان کے لیے ہے کہ میرے ہاتھ میں موجود دراہم پر خلع کر، تبعیض کے لیے نہیں کہ میرے ہاتھ میں موجود بعض دراہم پر خلع کر۔ اور "مِنْ" بیانیہ اور تبعیضیہ کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جہاں اس لفظ کے بغیر عبارت صحیح نہ ہو وہاں لفظِ "مِنْ" بیان کے لیے ہوگا اور جہاں اس کے بغیر بھی عبارت صحیح ہو وہاں لفظِ "مِنْ" تبعیض کے لیے ہوگا، چونکہ یہاں "مِنْ" کے بغیر عبارت صحیح نہیں؛ کیونکہ یہ بیان کا موقع ہے اس لیے مِن بیانیہ کے بغیر عبارت کا مفہوم صحیح نہ ہوگا۔

{۱۱} اگر عورت نے اپنے شوہر سے ایسے غلام پر خلع کرایا جو غلام بھاگا ہوا ہے اس شرط پر کہ عورت اس غلام کے ضمان سے بری ہے یعنی یوں کہتی ہے "کہ غلام کو پکڑ کر شوہر کے حوالہ کرنے سے میں بری ہوں" تو وہ ذمہ داری سے بری نہ ہوگی بلکہ اگر غلام سپرد کرنے پر وہ قادر ہے تو عینِ غلام سپرد کرنا اس پر لازم ہے اور اگر وہ غلام سپرد کرنے سے عاجز ہے تو غلام کی قیمت تسلیم کرنا لازم ہوگا؛ کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے جو عوض کی سلامتی کا مقتضی ہے کہ صحیح سالم عوض سپرد کیا جائے، لہٰذا عورت کا صحیح سالم عوض سپرد کرنے سے براءت کی شرط لگانا شرطِ فاسد ہے اس لیے یہ شرط لگانا باطل ہے، البتہ خلع شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ خود شرط باطل ہو جاتی ہے اس لیے بطلانِ شرط کے باوجود خلع صحیح رہا تو عورت پر مسمّٰی غلام واجب ہوگا اور اگر اس کی قدرت نہیں تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اور یہی تفصیل نکاح میں ہے کہ اگر بھاگے ہوئے غلام پر نکاح کیا اور سپردگی سے براءت کی شرط لگائی تو بری نہ ہوگا بلکہ اگر قدرت ہے تو غلام سپرد کرنا لازم ہے ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی۔

{۱} وَإِذَا قَالَتْ طَلِّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ لِأَنَّهَا لَمَّا

اور اگر عورت نے کہا "مجھے تین طلاقیں دو ہزار کے عوض" پس اس نے ایک طلاق دی اس کو، تو عورت پر ثلث ہزار ہوگا؛ کیونکہ عورت نے جب

طَلَبَتْ الثَّلَاثَ بِأَلْفٍ فَقَدْ طَلَبَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ بِثُلُثِ الْأَلْفِ، وَهَذَا لِأَنَّ حَرْفَ الْبَاءِ يَصْحَبُ الْأَعْوَاضَ وَالْعِوَضُ

طلب کیا تین کو ہزار کے عوض تو اس نے طلب کیا ہر ایک کو ثلث ہزار کے عوض، اور یہ اس لیے کہ حرفِ باء داخل ہوتا ہے عوضوں پر اور عوض

يَنْقَسِمُ عَلَى الْمُعَوَّضِ وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِوُجُوبِ الْمَالِ {۲} وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِي ثَلَاثًا عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً

منقسم ہوتا ہے معوض پر، اور طلاق بائن ہوگی وجوبِ مال کی وجہ سے۔ اور اگر عورت نے کہا "مجھے تین طلاق دیدو ہزار پر" پس شوہر نے اسے ایک طلاق دی

فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ . وَقَالَا هِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ بِثُلُثِ الْأَلْفِ

تو کوئی چیز نہ ہوگی عورت پر امام صاحبؒ کے نزدیک، اور شوہر مالک ہوگا رجعت کا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایک بائن طلاق ہوگی ثلث ہزار کے عوض

لِأَنَّ كَلِمَةَ عَلَى بِمَنْزِلَةِ الْبَاءِ فِي الْمُعَاوَضَاتِ، حَتَّى أَنَّ قَوْلَهُمْ احْمِلْ هَذَا الطَّعَامَ بِدِرْهَمٍ أَوْ عَلَى دِرْهَمٍ سَوَاءٌ.

؛ کیونکہ کلمۂ علی بمنزلہ باء کے ہے معاوضات میں، حتی کہ ان کا قول " اِحْمِلْ هَذَا الطَّعَامَ بِدِرْهَمٍ " اور " عَلَى دِرْهَمٍ " برابر ہیں،

{۳}وَلَهُ أَنَّ كَلِمَةَ عَلَى لِلشَّرْطِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى { يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا } وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ تَدْخُلِي الدَّارَ كَانَ شَرْطًا ،وَهَذَا لِأَنَّهُ لِلُّزُومِ حَقِيقَةً ، وَاسْتُعِيرَ لِلشَّرْطِ لِأَنَّهُ يُلَازِمُ الْجَزَاءَ،وَإِذْ كَانَ لِلشَّرْطِ فَالْمَشْرُوطُ لَا يَتَوَزَّعُ عَلَى أَجْزَاءِ الشَّرْطِ ، بِخِلَافِ الْبَاءِ لِأَنَّهُ لِلْعِوَضِ عَلَى مَا مَرَّ ، وَإِذَا لَمْ يَجِبْ الْمَالُ كَانَ مُبْتَدَأً فَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ

اورامام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ کلمۂ علی شرط کے لیے ہے باری تعالی کا ارشاد ہے "بیعت کریں وہ عورتیں آپ سے اس شرط پر کہ شریک نہیں کریں گی اللہ کے ساتھ کسی شئی کو" اور جس نے کہا اپنی بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ تَدْخُلِي الدَّارَ" تو یہ شرط ہے۔ اور یہ اس لیے کہ علی لزوم کے لیے ہے حقیقۃً اور مستعار لیا گیا ہے شرط کے لیے؛ کیونکہ شرط لازم ہے جزاء کو، اور جب ہے شرط کے لیے تو مشروط منقسم نہیں ہوتا اجزاء شرط پر، بخلاف باء کے کیونکہ وہ عوض کے لیے آتی ہے جیسا کہ گذر چکا، اور جب واجب نہیں ہوا مال تو ہو گی یہ طلاق ابتداءً پس واقع ہو جائے گی طلاق اور زوج مالک ہو گا رجعت کا۔

{۴} وَلَوْقَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا بِأَلْفٍ أَوْعَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّ الزَّوْجَ مَا رَضِيَ بِالْبَيْنُونَةِ إلَّا لِتَسْلَمَ لَهُ الْأَلْفُ كُلُّهَا ، بِخِلَافِ قَوْلِهَا طَلِّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ لِأَنَّهَا لَمَّا رَضِيَتْ بِالْبَيْنُونَةِ بِأَلْفٍ كَانَتْ بِبَعْضِهَا أَرْضَى

اور اگر کہا زوج نے "طلاق دو تو اپنے نفس کو تین ہزار کے عوض یا ہزار پر" پس اس نے ایک طلاق دی تو واقع نہ ہو گی کوئی چیز؛ کیونکہ زوج راضی نہیں بینونت پر مگر یہ کہ سپرد کر دے شوہر کو پورے ہزار، بخلافِ عورت کے قول "طلاق دو مجھے تین ہزار کے عوض"؛ کیونکہ وہ جب راضی ہے بینونت پر ہزار کے عوض تو ہو گی اس کے بعض پر زیادہ راضی۔

{۵} وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَلْفٍ فَقَبِلَتْ طَلُقَتْ وَعَلَيْهَا الْأَلْفُ وَهُوَ كَقَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ بِأَلْفٍ وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبُولِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ بِأَلْفٍ بِعِوَضِ أَلْفٍ يَجِبُ لِي عَلَيْك،وَمَعْنَى قَوْلِهِ عَلَى أَلْفٍ عَلَى شَرْطِ أَلْفٍ يَكُونُ لِي عَلَيْك ، وَالْعِوَضُ لَا يَجِبُ بِدُونِ قَبُولِهِ ، وَالْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ لَايَنْزِلُ قَبْلَ وُجُودِهِ .وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِمَا قُلْنَا .

اور اگر شوہر نے کہا "تو طلاق ہے ہزار پر" پس عورت نے قبول کیا تو طلاق ہو جائے گی اور اس پر ہزار ہوں گے، اور یہ جیسا کہ شوہر کا قول "تو طلاق ہے ہزار پر" اور ضروری ہے قبول کرنا دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ شوہر کے قول "بِأَلْفٍ" کا معنی ہے بعوض ہزار جو واجب ہیں میرے تجھ پر اور شوہر کے قول "عَلَى أَلْفٍ" کا معنی ہے بشرطِ ہزار جو لازم ہیں میرے تجھ پر۔ اور عوض واجب نہیں ہوتا بغیر قبول کرنے کے، اور معلق بالشرط نہیں اترتا وجودِ شرط سے پہلے، اور طلاق بائن ہو گی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے۔

{۶} وَلَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ أَلْفٌ فَقَبِلَتْ،اَوقَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ حُرٌّ وَعَلَيْكَ

اور اگر کہا اپنی بیوی سے "تو طلاق ہے اور تجھ پر ہزار ہیں" پس عورت نے قبول کیا، یا کہا اپنے غلام سے "تو آزاد ہے اور تجھ پر

أَلْفٍ فَقَبِلَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَطَلُقَتِ الْمَرْأَةُ ، وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَكَذَا إِذَا

ہزار ہیں "پس اس نے قبول کیا تو آزاد ہو گا غلام اور طلاق ہو گی عورت، اور کچھ لازم نہ ہو گا ان دونوں پر امام صاحب کے نزدیک، اسی طرح جب

لَمْ يَقْبَلَا وَقَالَا عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْأَلْفُ إِذَا قَبِلَ وَإِذَا لَمْ يَقْبَلْ لَا يَقَعُ

وہ دونوں اس کو قبول نہ کرے، اور صاحبین نے فرمایا ہر ایک پر ان دونوں میں ہزار ہیں جب کہ اس نے قبول کیا ہو، اور اگر قبول نہ کیا ہو تو واقع نہ ہو گی

الطَّلَاقُ وَالْعَتَاقُ . لَهُمَا أَنَّ هَذَا الْكَلَامَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُعَاوَضَةِ ، فَإِنَّ قَوْلَهُمْ احْمِلْ هَذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ

طلاق اور عتاق صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام استعمال ہوتا ہے معاوضہ کے لیے؛ کیونکہ ان کا قول "احْمِلْ هَذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ"

بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِمْ بِدِرْهَمٍ . ﴿۷﴾وَلَهُ أَنَّهُ جُمْلَةٌ تَامَّةٌ فَلَا تَرْتَبِطُ بِمَا قَبْلَهُ إِلَّا بِدَلَالَةٍ ، إِذِ الْأَصْلُ

بمنزلہ ان کے قول "بِدِرْهَمٍ" ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملۂ تامہ ہے پس مربوط نہ ہو گا ما قبل کے ساتھ مگر دلیل سے؛ کیونکہ اصل

فِيهَا الِاسْتِقْلَالُ وَلَا دَلَالَةَ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ وَالْعَتَاقَ يَنْفَكَّانِ عَنِ الْمَالِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ لِأَنَّهُمَا

جملہ میں استقلال ہے اور یہاں کوئی دلیل نہیں؛ کیونکہ طلاق اور عتاق جدا ہو جاتے ہیں مال سے، بخلاف بیع اور اجارہ کے؛ کیونکہ وہ دونوں

لَا يُوجَدَانِ دُونَهُ . ﴿۸﴾ وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَلْفٍ عَلَى أَنِّي بِالْخِيَارِ أَوْ عَلَى أَنَّكِ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

نہیں پائے جاتے ہیں مال کے بغیر۔ اور اگر کہا "تو طلاق ہے ہزار پر اس شرط پر کہ مجھے اختیار ہو گا یا اس شرط پر کہ تجھے اختیار ہو گا تین دن تک"

فَقَبِلَتْ فَالْخِيَارُ بَاطِلٌ إِذَا كَانَ لِلزَّوْجِ ، وَهُوَ جَائِزٌ إِذَا كَانَ لِلْمَرْأَةِ ، فَإِنْ رَدَّتِ الْخِيَارَ فِي الثَّلَاثِ

پس اس نے قبول کیا تو خیار باطل ہے جب ہو زوج کے لیے، اور وہ جائز ہے جب ہو عورت کے لیے، پس اگر عورت نے رد کر دیا خیار کو تین دن میں

بَطَلَ ، وَإِنْ لَمْ تَرُدَّ طَلُقَتْ وَلَزِمَهَا الْأَلْفُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا:

تو طلاق باطل ہو گی اور اگر رد نہیں کیا تو طلاق ہو جائے گی اور لازم ہوں گے اس پر ہزار، اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، اور فرمایا صاحبین نے

الْخِيَارُ بَاطِلٌ فِي الْوَجْهَيْنِ ،وَالطَّلَاقُ وَاقِعٌ وَعَلَيْهَا أَلْفُ دِرْهَمٍ لِأَنَّ الْخِيَارَ لِلْفَسْخِ بَعْدَ الِانْعِقَادِ

کہ خیار باطل ہے دونوں صورتوں میں اور طلاق واقع ہے اور عورت پر ہزار درہم ہوں گے؛ کیونکہ خیار فسخ کے لیے ہوتا ہے منعقد ہونے کے بعد

لَا لِلْمَنْعِ مِنَ الِانْعِقَادِ ،وَالتَّصَرُّفَانِ لَا يَحْتَمِلَانِ الْفَسْخَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ لِأَنَّهُ فِي جَانِبِهِ يَمِينٌ وَمِنْ جَانِبِهَا

نہ کہ منع کے لیے انعقاد سے، اور دونوں تصرف احتمال نہیں رکھتے فسخ کا دونوں جانب سے؛ کیونکہ خلع مرد کی جانب میں یمین ہے اور عورت کی جانب سے

شَرْطُهَا . ﴿۹﴾وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْخُلْعَ فِي جَانِبِهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ حَتَّى يَصِحَّ رُجُوعُهَا ، وَلَا يَتَوَقَّفُ

شرط ہے اس کی۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ خلع عورت کی جانب میں بمنزلہ بیع کے ہے حتی کہ صحیح ہے اس کا رجوع کرنا، اور موقوف نہیں ہوتا

عَلَى مَاوَرَاءِ الْمَجْلِسِ فَيَصِحُّ اشْتِرَاطُ الْخِيَارِ فِيهِ، أَمَّا فِي جَانِبِهِ يَمِينٌ حَتَّى لَا يَصِحُّ رُجُوعُهُ وَيَتَوَقَّفُ عَلَى مَاوَرَاءِ الْمَجْلِسِ،

مابعد مجلس پر پس صحیح ہے اشتراطِ خیار اس میں، رہا شوہر کی جانب میں تو وہ یمین ہے حتیٰ کہ صحیح نہیں اس کا رجوع اور موقوف ہوگا مابعد مجلس پر

وَلَا خِيَارَ فِي الْأَيْمَانِ، وَجَانِبُ الْعَبْدِ فِي الْعَتَاقِ مِثْلُ جَانِبِهَا فِي الطَّلَاقِ.

اور خیار نہیں قسموں میں، اور جانبِ غلام عتاق میں جیسے عورت کی جانب طلاق میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں عورت کے قول "مجھے تین طلاقیں ایک ہزار درہم کے عوض دیدو" کے جواب میں شوہر نے ایک طلاق دیدی تو اس کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲و۳ میں "بِأَلْفٍ" کے بجائے "عَلَى أَلْفٍ" کہنے اور جواب میں شوہر کا ایک طلاق دینے کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں شوہر کے قول "طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلَاثاً بِأَلْفٍ" کے جواب میں عورت کا ایک طلاق واقع کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں شوہر کا "أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَلْفٍ" کہنا اور عورت کا اسے قبول کرنے کا حکم مع دلیل و تفصیل ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۶و۷ میں شوہر کا بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ أَلْفٌ" کہنا اور عورت کا اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے، اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۸و۹ میں بشرطِ خیار ہزار پر طلاق دینے کے حکم میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر عورت نے شوہر سے کہا "مجھے تین طلاقیں ایک ہزار درہم کے بدلے دیدو" مگر شوہر نے اسکو ایک طلاق دیدی تو عورت پر ہزار درہم کا ایک ثلث (یعنی تین سو تینتیس درہم اور ایک ثلثِ درہم) واجب ہوگا؛ کیونکہ جب عورت نے ایک ہزار کے بدلے تین طلاقوں کا مطالبہ کیا تو گویا ہر ایک طلاق کو ایک ہزار کے ثلث کے عوض طلب کیا، اور یہ اس لیے کہ لفظ باء عوض پر داخل ہوتی ہے لہذا "الف" عوض ہے اور عوض معوّض عنہ کے اجزاء پر منقسم ہوتا ہے اور چونکہ معوّض عنہ تین طلاقیں ہیں لہذا ہزار کو تین پر تقسیم کرکے ثلثِ ہزار لازم کیا جائیگا۔ اور طلاق بائن واقع ہوگی؛ کیونکہ یہ طلاق بعوضِ مال ہے اور طلاق بعوضِ مال بائن ہوتی ہے۔

{۲} اور اگر مذکورہ صورت میں عورت نے "بِأَلْفٍ" کے بجائے "عَلَى أَلْفٍ" کہا، اور شوہر نے اسکے جواب میں اسے تین کے بجائے ایک طلاق دیدی، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ہزار درہم کی ایک تہائی کے عوض ایک طلاق بائن واقع ہوگی؛ کیونکہ طلاق علی مال عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں کلمۂ "علی" کلمۂ "باء" کے حکم میں ہے حتیٰ کہ ایک شخص کا دوسرے سے یہ کہنا "اِحْمِلْ هٰذَا الطَّعَامَ بِدِرْهَمٍ" (یہ اناج بعوض

ایک درہم اٹھاؤ) اور یہ کہنا "اِحْمِلْ هٰذَا الطَّعَامَ عَلٰى دِرْهَمٍ" (یہ اناج ایک درہم پر اٹھاؤ) دونوں حکم میں برابر ہیں۔ اور "با" کا حکم سابقہ میں گذر گیا۔

{۳} امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ "عَلٰى" شرط کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا﴾ (اے نبی! جب مؤمن عورتیں بیعت کرنے کیلئے آپ کے پاس آئیں تو ان سے ان شرائط پر بیعت لو کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی) جس میں "عَلٰى" شرط کے لیے استعمال ہوا ہے، اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ عَلٰى أَنْ تَدْخُلِي الدَّارَ" (تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ تو گھر میں داخل ہو جائے) تو دخولِ دار طلاق کے لیے شرط ہوگا۔ دراصل اصولِ باغت والوں کے نزدیک "عَلٰى" لزوم کے لیے استعمال ہوتا ہے اور شرط بھی اپنی جزاء کے ساتھ لازم ہوتی ہے یعنی دونوں یکجا پائی جاتی ہیں اس مناسبت سے "عَلٰى" کو استعارۃً شرط کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، پس جب یہ ثابت ہوا کہ "عَلٰى" شرط کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ مشروط شرط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتا، بخلاف "باء" کے کہ وہ عوض پر داخل ہوتی ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا، لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔ پس جب شوہر کے ایک طلاق دینے کی وجہ سے عورت کے ذمہ مال واجب نہ ہوا تو شوہر کی طرف سے دی ہوئی یہ ایک طلاق وہ طلاق نہ ہوگی جس کا مطالبہ عورت نے کیا تھا بلکہ یہ شوہر کی طرف سے از سر نو طلاق ہوگی اور چونکہ شوہر نے صریح لفظِ طلاق سے طلاق دی ہے جس سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اس لئے یہ طلاق رجعی ہوگی۔

فتویٰ: صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے لما فی البحرالرائق: وَذَكَرَ فِي التَّحْرِيرِ مَا يُرَجِّحُ قَوْلَهُمَا بِمَنْعِ قَوْلِهِ فِي دَلِيلِهِ ، وَلَا نُرَجِّحُ بَلْ فِيهِ مُرَجِّحُ الْعِوَضِيَّةِ ، وَهُوَ أَنَّ الْأَصْلَ فِيمَا عُلِمَتْ مُقَابَلَتُهُ الْعِوَضِيَّةُ (البحرالرائق: ۸۱/۴)

{۴} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا بِأَلْفٍ" (تو اپنے آپ کو ہزار کے عوض تین طلاق دو) یا کہا "طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا عَلٰى أَلْفٍ" (تو اپنے آپ کو ہزار پر تین طلاق دو) پس عورت نے اپنے نفس پر ایک طلاق واقع کی تو کچھ واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ شوہر اپنی بیوی کی بینونت پر راضی نہیں مگر یہ کہ شوہر کو پورے ایک ہزار سپرد کر دئے جائیں، تو اگر ہم ثلثِ ہزار کے عوض ایک طلاق کے وقوع کا حکم کر دے تو یہ شوہر کے حق میں مضر ہے اس لیے کچھ واقع نہ ہوگا۔ برخلاف عورت کے اس کہنے کے کہ "طَلِّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ" (مجھے ہزار کے عوض تین طلاقیں دو) جس کے جواب میں مرد نے اسے ایک طلاق دیدی تو وہ ایک ہزار کے

(۱) الممتحنۃ: ۱۲۔

ثلث پر بائنہ ہو جائے گی؛ کیونکہ اس صورت میں جب وہ ایک ہزار کے عوض بائنہ ہونے پر راضی ہے تو ثلثِ ہزار کے عوض بائنہ ہونے پر بطریقہ اولیٰ راضی ہوگی۔

{۵} اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا "انتِ طالِقٌ علَی الفٍ" (تجھے ایک ہزار پر طلاق ہے) عورت نے اس کو قبول کر لیا تو وہ طلاق ہو جائے گی اور اس پر ایک ہزار دینا لازم ہوگا، اور یہ عورت کے قبول کرنے پر اس طرح موقوف ہے جیسا کہ مرد عورت سے اس طرح کہے "انتِ طَالِقٌ بِالفٍ" (تو طلاق ہے ہزار کے عوض) کہ عورت کے قبول کرنے پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ دونوں صورتوں میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ "انتِ طالِقٌ بِالفٍ" کا معنیٰ ہے "تو طلاق ہے ایسے ایک ہزار کے عوض جو میرے تجھ پر لازم ہیں" اور "انتِ طالِقٌ علَی الفٍ" کا معنیٰ ہے "تو طلاق ہے ایسے ایک ہزار کی شرط پر جو میرے تجھ پر لازم ہیں"۔ پس پہلی صورت میں ہزار عوض ہیں اور عوض قبول کئے بغیر لازم نہیں ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں ہزار شرط ہیں اور طلاق اس شرط پر معلق ہے اور معلق بالشرط نزولِ شرط کے بغیر موجود نہیں ہوتا ہے لہٰذا ہزار کی ادائیگی پر طلاق واقع ہوگی اور ہزار کی ادائیگی اسے قبول کرنے سے ضروری ہوتی ہے بغیر قبول کئے ضروری نہ ہوگی۔ اور طلاق بائن واقع ہوگی؛ کیونکہ یہ طلاق بعوضِ مال ہے اور طلاق بعوض مال بائن ہوتی ہے۔

{۶} اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ اَلفٌ" (تو طلاق ہے اور تجھ پر ایک ہزار ہیں) عورت نے اس کو قبول کیا، یا مالک نے اپنے غلام سے کہا "اَنتَ حُرٌّ وَعَلَيْكَ اَلفٌ" (تو آزاد ہے اور تجھ پر ایک ہزار ہیں) غلام نے قبول کیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام آزاد ہو جائے گا اور عورت پر طلاق واقع ہو جائیگی اور دونوں پر کچھ عوض لازم نہ ہوگا، اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ عورت اور غلام اس کو قبول نہ کریں۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک عورت اور غلام میں سے ہر ایک پر ہزار لازم ہیں بشرطیکہ وہ ان کو قبول کرلیں اور اگر انہوں نے قبول نہیں کیا تو طلاق اور عتاق واقع نہ ہوں گے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام "عَلَيْكَ اَلفٌ" معاوضہ کے لئے استعمال ہوتا ہے پس کسی کا یہ کہنا "احمِلْ هٰذَا المَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ" (یہ سامان اٹھاؤ اور تیرے لیے ایک درہم ہوگا) ایسا ہے جیسا کہ وہ یوں کہے "احمِلْ هٰذَا المَتَاعَ بِدِرْهَمٍ" (یہ سامان اٹھاؤ ایک درہم کے عوض) یعنی دونوں معاوضہ ہیں اور معاوضات میں حکم قبول کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور معوض کا استحقاق بعوض ہوتا ہے بغیر عوض کے نہیں ہوتا ہے اس لیے عورت اور غلام کے قبول کرنے کے بعد طلاق اور عتاق واقع ہوں گے اور دونوں پر عوض لازم ہوگا۔

{۷}امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ "وَعَلَيْكِ أَلْفٌ" تام اور مستقل جملہ ہے اور تام جملہ بلا دلیل ماقبل کے ساتھ مربوط نہیں ہوتا ہے اور یہاں ماقبل کے ساتھ مربوط ہونے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ عام طور پر طلاق اور عتاق مال کے بغیر اور مال سے الگ ہوتے ہیں اس لیے اس جملے کا ماقبل کے ساتھ ربط نہیں بلکہ یہ زوج اور مالک کی طرف سے عورت اور غلام پر ہزار کا مستقل دعویٰ ہے، لہذا طلاق صرف "أَنْتِ طَالِقٌ" سے واقع ہوگی اور "أَنْتِ طَالِقٌ" سے مفت طلاق واقع ہوتی ہے اس لیے عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ باقی صاحبینؒ نے جو اسے بیع کی طرح عقدِ معاوضہ قرار دیا اور اسے اجارہ (احْمِلْ هٰذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ) پر قیاس کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیع اور اجارہ بغیر مال کے نہیں ہوتے ہیں لہذا یہ دلیل ہے کہ "وَلَكَ دِرْهَمٌ" کا ماقبل کے ساتھ ربط ہے اس لیے بیع اور اجارہ کا حکم الگ ہے، طلاق اور عتاق کا حکم الگ ہے۔

فتویٰ:۔ صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ ہے لما فی الدّرالمختار:(أَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ أَلْفٌ، أَوْ أَنْتَ حُرٌّ وَعَلَيْكَ أَلْفٌ طَلُقَتْ وَعَتَقَ مَجَّانًا) وَإِنْ لَمْ يَقْبَلَا، وَ"عَلَيْكَ أَلْفٌ" جُمْلَةٌ تَامَّةٌ. وَقَالَا: إِنْ قَبِلَا صَحَّ وَلَزِمَ الْمَالُ عَمَلًا بِأَنَّ الْوَاوَ لِلْحَالِ، وَفِي الْحَاوِي وَبِقَوْلِهِمَا يُفْتَى. (الدّرالمختار علی ھامش ردّالمحتار: ۲/۶۱۱)

{۸}اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ "تجھے طلاق ہے ہزار پر اس شرط پر کہ مجھے تین دن اختیار ہے یا اس شرط پر کہ تجھے تین دن تک اختیار ہے"، دونوں صورتوں میں عورت نے اس کو قبول کیا، تو شوہر کے لیے خیار ہونے کی صورت میں تو خیار باطل ہے، اور عورت کے لیے خیار ہونے کی صورت میں خیار جائز ہے، پس اگر عورت نے تین دن کے اندر خیار کو رد کر دیا تو طلاق باطل ہوگی اور اگر اس سے خیار کو رد نہیں کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمہ ہزار لازم ہوں گے۔ یہ تفصیل امام صاحب ؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک جس طرح کہ مرد کے لئے خیار شرط باطل ہے اسی طرح عورت کے لئے بھی خیار باطل ہوگا، لہذا دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمہ ہزار لازم ہوں گے؛ وجہ یہ ہے کہ خیار تو انعقاد عقد کے بعد اسے فسخ کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ عقد کو انعقاد سے روکنے کے لیے، اور یہاں یہ دونوں تصرف (شوہر کا ایجاب اور عورت کا قبول) دونوں (مرد اور عورت) کی جانب سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں؛ کیونکہ شوہر نے معنیٰ شرط اور جزاء کو ذکر کیا ہے لہذا یہ شوہر کی جانب سے یمین ہے اور یمین منعقد ہونے کے بعد فسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے، اور عورت کی جانب سے اس لیے فسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے کہ شوہر کی یمین کی تکمیل عورت کے قبول کرنے سے ہوتی ہے لہذا عورت کا قبول کرنا انعقاد یمین کے لیے شرط ہے اس لیے عورت کے

قبول نے عدم فسخ میں یمین کا حکم لے لیا، اس لیے عورت کا قبول کرنا بھی فسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور جب دونوں جانب سے فسخ کا احتمال نہیں تو دونوں جانب سے خیارِ شرط بھی باطل ہو گا۔

{۹} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع عورت کی جانب میں بیع کے مرتبہ میں ہے؛ کیونکہ اس میں بعوضِ بضع شوہر کو مال کا مالک بنانا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت کا اپنے قول سے رجوع کرنا صحیح ہے اور ماوراء مجلس پر موقوف نہیں بلکہ اگر وہ مجلس سے کھڑی ہو گئی تو باطل ہو جائے گی جیسا کہ بیع سے رجوع کرنا صحیح ہے اور مابعدِ مجلس پر موقوف نہیں ہوتی بلکہ مجلس سے اٹھ جانے سے باطل ہوتی ہے ، لہٰذا بیع کی طرح خلع میں بھی عورت کی جانب سے خیارِ شرط صحیح ہے، لہٰذا اگر عورت نے ایامِ خیار میں خلع کو رد کر دیا تو طلاق واقع نہ ہو گی اور اگر قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو گی۔ اور شوہر کے حق میں خلع چونکہ یمین ہے؛ کیونکہ اس کی جانب سے خلع طلاق کو قبولیتِ مال پر معلق کرنا ہے لہٰذا یہ یمین ہے اسی وجہ سے اس سے رجوع صحیح نہیں اور ماوراءِ مجلس پر موقوف رہتا ہے، اور یمین میں خیارِ شرط نہیں ہوتا ہے اس لیے خلع میں شوہر کے لیے خیارِ شرط ہونا باطل ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ عتاق میں غلام کا وہی حکم ہے جو طلاق میں عورت کا ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک مالک کے لیے خیار کی شرط لگانا باطل ہو گا اور غلام کے لیے جائز ہو گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں خیارِ شرط باطل ہو گا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی البحرالرائق:(قَوْلُهُ وَصَحَّ خِيَارُ الشَّرْطِ لَهَا لَا لَهُ)لِمَا قَدَّمْنَا أَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ مِنْ جِهَتِهَا ، وَيَمِينٌ مِنْ جِهَتِهِ،وَلِذَاصَحَّ رُجُوعُهَا قَبْلَ الْقَبُولِ،وَلَاتَصِحُّ إضَافَتُهَا،وَتَعْلِيقُهَا بِالشَّرْطِ،وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ ، وَانْعَكَسَتِ الْأَحْكَامُ مِنْ جَانِبِهِ، وَهُمَا مَنَعَاهُ مِنْ جَانِبِهَا أَيْضًا نَظَرًا إلَى جَانِبِ الْيَمِينِ،وَالْحَقُّ مَا قَالَهُ الْإِمَامُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَطْلَقَهُ فَشَمِلَ الْخُلْعَ وَالطَّلَاقَ عَلَى مَالٍ،(البحرالرائق:۸۵/۴)

{۱} وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ طَلَّقْتُك أَمْسِ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِي فَقَالَتْ قَبِلْت فَالْقَوْلُ

اور جس نے کہا اپنی بیوی سے "میں نے تجھے طلاق دی گذشتہ کل ہزار دراہم پر مگر تو نے قبول نہ کی" اور عورت نے کہا میں نے قبول کرلی، تو قول

قَوْلُ الزَّوْجِ ، وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ بِعْت مِنْك هَذَا الْعَبْدَ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ أَمْسِ فَلَمْ تَقْبَلْ

زوج کا معتبر ہو گا، اور جو شخص کہے دوسرے سے "میں نے فروخت کیا تیرے ہاتھ یہ غلام گذشتہ کل ہزار دراہم کے عوض مگر تو نے قبول نہیں"

فَقَالَ :قَبِلْت فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي {۲}وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الطَّلَاقَ بِالْمَالِ يَمِينٌ مِنْ جَانِبِهِ فَالْإِقْرَارُ بِهِ لَا يَكُونُ

اور مشتری نے کہا "میں نے قبول کر لیا" تو قول مشتری کا معتبر ہو گا اور وجہ فرق یہ ہے کہ بالمال یمین ہے مرد کی جانب سے پس اقرار کرنا یمین کا نہ ہو گا

إقْرَارًا بِالشَّرْطِ لِصِحَّتِهِ بِدُونِهِ ،{۳}أَمَّا الْبَيْعُ فَلَا يَتِمُّ إلَّا بِالْقَبُولِ وَالْإِقْرَارُ بِهِ إقْرَارٌ بِمَا لَا يَتِمُّ

اقرار شرط کا بوجہ صحیح ہونے یمین کے بغیر شرط کے، رہی بیع تو وہ تام نہیں ہوتی مگر قبول سے اور اقرار اس کا اقرار ہے اس چیز کا جو تام نہیں ہوتی ہے

إلاَّ بِهِ فَإِنْكَارُهُ الْقَبُولَ رُجُوعٌ مِنْهُ. [۴] قَالَ وَالْمُبَارَأَةُ كَالْخُلْعِ كِلَاهُمَا

مگر اس سے، پس بائع کا انکار قبول سے رجوع ہوگا اس کی جانب سے۔ فرمایا: اور زوجین کا ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کی طرح ہے دونوں

يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ:

ساقط کردیتے ہیں ہر اس حق کو جو ایک کا ہے زوجین میں سے دوسرے پر جو متعلق ہے نکاح کے ساتھ امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ نے

لَا يَسْقُطُ فِيهِمَا إِلَّا مَا سَمَّيَاهُ، وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِي الْخُلْعِ وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْمُبَارَأَةِ.

کہ ساقط نہیں ہوتا ہے دونوں میں مگر وہ جس کا نام لیا ہو، اور امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں خلع میں اور امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں مبارأۃ میں،

لِمُحَمَّدٍ أَنَّ هَذِهِ مُعَاوَضَةٌ وَفِي الْمُعَاوَضَاتِ يُعْتَبَرُ الْمَشْرُوطُ لَا غَيْرُهُ. [۵] وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمُبَارَأَةَ

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ معاوضہ ہے اور معاوضات میں اعتبار ہوتا ہے مشروط کا نہ کہ غیر کا۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبارأۃ

مُفَاعَلَةٌ مِنَ الْبَرَاءَةِ فَتَقْتَضِيهَا مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَأَنَّهُ مُطْلَقٌ قَيَّدْنَاهُ بِحُقُوقِ النِّكَاحِ لِدَلَالَةِ الْغَرَضِ

باب مفاعلہ براءۃ سے ہے پس یہ تقاضا کرتا ہے براءۃ کا جانبین سے اور یہ مطلق ہے ہم نے مقید کیا اس کو حقوق نکاح کے ساتھ غرض کی دلالت کی وجہ سے،

أَمَّا الْخُلْعُ فَمُقْتَضَاهُ الِانْخِلَاعُ وَقَدْ حَصَلَ فِي نَقْضِ النِّكَاحِ وَلَا ضَرُورَةَ إِلَى انْقِطَاعِ الْأَحْكَامِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ

رہا خلع تو اس کا مقتضی انخلاع ہے اور وہ حاصل ہوگیا نکاح ٹوٹنے سے اور ضرورت نہیں دوسرے احکام کے منقطع ہونے کی۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ الْخُلْعَ يُنْبِئُ عَنِ الْفَصْلِ وَمِنْهُ خَلْعُ النَّعْلِ وَخَلْعُ الْعَمَلِ وَهُوَ مُطْلَقٌ كَالْمُبَارَأَةِ فَيُعْمَلُ بِإِطْلَاقِهِمَا

کہ خلع خبر دیتا ہے جدائی کی اور اسی سے "خَلْعَ النَّعْلَ" اور "خَلْعَ الْعَمَلَ" ہے اور وہ مطلق ہے جیسے مبارأۃ تو عمل کیا جائے گا دونوں کے اطلاق پر

فِي النِّكَاحِ وَأَحْكَامِهِ وَحُقُوقِهِ. [۶] قَالَ وَمَنْ خَلَعَ ابْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا

نکاح اور اس کے احکام اور حقوق میں فرمایا: اور جو شخص خلع کرائے اپنی بیٹی کا حالانکہ وہ صغیرہ ہے اس کے مال کے عوض تو جائز نہ ہوگا اس پر

لِأَنَّهُ لَا نَظَرَ لَهَا فِيهِ إِذِ الْبُضْعُ فِي حَالَةِ الْخُرُوجِ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ، وَالْبَدَلُ مُتَقَوِّمٌ بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّ الْبُضْعَ مُتَقَوِّمٌ عِنْدَ الدُّخُولِ

کیونکہ رعایت نہیں اس کا خلع میں؛ کیونکہ بضع حالت خروج میں غیر متقوم ہے، اور بدل متقوم ہے، بخلاف نکاح کے؛ کیونکہ بضع متقوم ہے دخول کے وقت

[۷] وَلِهَذَا يُعْتَبَرُ خُلْعُ الْمَرِيضَةِ مِنَ الثُّلُثِ وَنِكَاحُ الْمَرِيضِ بِمَهْرِ الْمِثْلِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، [۸] وَإِذَا لَمْ يَجُزْ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ

اسی لیے معتبر ہوگا مریضہ کا خلع ثلث مال سے، اور مریض کا نکاح مہر مثل پر کل مال سے، اور جب خلع جائز نہیں تو ساقط نہ ہوگا مہر،

وَلَا يَسْتَحِقُّ مَالَهَا، ثُمَّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي رِوَايَةٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَقَعُ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّهُ تَعْلِيقٌ

اور نہ شوہر مستحق ہوگا اس کے مال کا پھر واقع ہوگی طلاق ایک روایت میں اور دوسری روایت میں واقع نہ ہوگی، اور اول اصح ہے؛ کیونکہ یہ تعلیق ہے

بِشَرْطِ قَبُولِهِ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّعْلِيقِ بِسَائِرِ الشُّرُوطِ﴿٩﴾وَإِنْ خَالَعَهَا عَلَى أَلْفٍ عَلَى أَنَّهُ

باپ کے قبول کرنے کی شرط پر پس قیاس کیا جائے دیگر شرط کے ساتھ معلق کرنے پر، اور اگر خلع دیدیا عورت کو ہزار پر اس شرط پر کہ وہ باپ

ضَامِنٌ فَالْخُلْعُ وَاقِعٌ وَالْأَلْفُ عَلَى الْأَبِ لِأَنَّ اشْتِرَاطَ بَدَلِ الْخُلْعِ عَلَى الْأَجْنَبِيِّ صَحِيحٌ فَعَلَى الْأَبِ أَوْلَى.وَلَا يَسْقُطُ

ضامن ہے تو خلع واقع ہو گا اور ہزار باپ پر ہوں گے؛ کیونکہ بدل خلع کا اشتراط اجنبی پر صحیح ہے تو باپ پر بطریقۂ اولی صحیح ہو گا، اور ساقط نہ ہو گا

مَهْرُهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وِلَايَةِ الْأَبِ﴿١٠﴾وَإِنْ شَرَطَ الْأَلْفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلَى قَبُولِهَا إِنْ كَانَتْ مِنْ أَهْلِ الْقَبُولِ،

اس کا مہر؛ کیونکہ داخل نہیں ولایت باپ کے تحت، اور اگر شرط کیا ہزار کو صغیرہ پر تو موقوف ہو گا اس کے قبول کرنے پر اگر ہو وہ اہل قبول،

فَإِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِوُجُودِ الشَّرْطِ وَلَا يَجِبُ الْمَالُ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْغَرَامَةِ

پس اگر صغیرہ نے قبول کیا تو واقع ہو جائے گی طلاق؛ وجود شرط کی وجہ سے، اور واجب نہ ہو گا مال؛ کیونکہ صغیرہ نہیں ہے اہل تاوان میں سے،

فَإِنْ قَبِلَهُ الْأَبُ عَنْهَا فَفِيهِ رِوَايَتَانِ﴿١١﴾وَكَذَا إِنْ خَالَعَهَا عَلَى مَهْرِهَا وَلَمْ يَضْمَنِ الْأَبُ الْمَهْرَ

اور اگر قبول کیا باپ نے صغیرہ کی جانب سے تو اس میں دو روایتیں ہیں، اسی طرح اگر خلع کیا صغیرہ سے اس کے مہر پر، اور ضامن نہ ہوا باپ مہر کا

تَوَقَّفَ عَلَى قَبُولِهَا،فَإِنْ قَبِلَتْ طَلَقَتْ وَلَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ وَإِنْ قَبِلَ الْأَبُ عَنْهَا

تو موقوف ہو گا اس کے قبول کرنے پر، پس اگر اس نے قبول کیا تو طلاق ہو جائے گی اور ساقط نہ ہو گا مہر، اور اگر قبول کیا باپ نے اس کی جانب سے

فَعَلَى الرِّوَايَتَيْنِ ﴿١٢﴾وَإِنْ ضَمِنَ الْأَبُ الْمَهْرَ وَهُوَ أَلْفُ دِرْهَمٍ طَلَقَتْ لِوُجُودِ قَبُولِهِ وَهُوَ الشَّرْطُ

تو دو روایتیں ہیں اور اگر ضامن ہوا باپ مہر کا اور وہ ہزار درہم ہیں تو طلاق ہو جائے گی، باپ کے قبول کرنے کی وجہ سے اور یہی شرط ہے،

وَيَلْزَمُهُ خَمْسُمِائَةٍ اسْتِحْسَانًا.وَفِي الْقِيَاسِ يَلْزَمُهُ الْأَلْفُ،وَأَصْلُهُ فِي الْكَبِيرَةِ إِذَا اخْتَلَعَتْ قَبْلَ الدُّخُولِ عَلَى أَلْفٍ

اور لازم ہوں گے باپ پر پانچ سو استحساناً، اور قیاس میں لازم ہوں گے ہزار، اور اس کی اصل بالغہ میں جب وہ خلع لے دخول سے پہلے ہزار پر

وَمَهْرُهَا أَلْفٌ فَفِي الْقِيَاسِ عَلَيْهَا خَمْسُمِائَةٍ زَائِدَةٌ ، وَفِي الِاسْتِحْسَانِ لَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ عَادَةً

حالانکہ اس کا مہر ہزار ہے تو قیاس میں اس پر پانچ سو زائد ہیں، اور استحسان میں کچھ نہیں اس پر؛ کیونکہ مراد ہوتا ہے اس خلع سے عادۃً

حَاصِلُ مَا يَلْزَمُ لَهَا .

اس چیز کا حاصل ہونا جو لازم ہو عورت کے لیے

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کے قول "طَلَّقْتُكِ أَمْسِ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِي" کے جواب میں عورت کا اسے قبول کرنے کے دعوے کا حکم ذکر کیا ہے، اور یہی صورت مولیٰ اور غلام کے درمیان پیش آنے کا حکم ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۲ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۳ میں بیع کی اس طرح کی صورت کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴و۵ میں خلع اور مبارات کے

نکاح سے متعلق حقوق کے ساقط ہونے میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں مال کے بدلے نابالغہ کے خلع کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں عورت کا مرض وفات میں خلع لینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے اور مرد کا مرض وفات میں مہر مثل پر نکاح کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں بعوض مال صغیرہ کا خلع جائز نہ ہونے پر تفریع ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹ میں باپ کا صغیرہ کے خلع کا بدل اپنے ذمہ لینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۰ میں بدلِ خلع صغیرہ پر شرط کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۱ میں بعوض مہر خلع دینے اور باپ کے ضامن نہ ہونے کی صورت میں حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۲ میں باپ کے ضامن ہونے کی صورت کا حکم، دلیل اور اس مسئلہ کی اصل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "طَلَّقْتُكِ أَمْسِ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِي" (میں نے تجھے ہزار کے بدلے کل کے دن طلاق دی تھی مگر تو نے قبول نہیں کی تھی)، عورت نے جواباً کہا "میں نے قبول کرلی تھی" تو اس صورت میں شوہر کے قول کی تصدیق کی جائیگی۔ اور اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ "میں نے یہ غلام ہزار کے عوض کل تیرے ہاتھ فروخت کردیا تھا مگر تو نے قبول نہیں کیا تھا" اس نے کہا کہ "میں نے قبول کیا تھا" تو اس صورت میں قول مشتری کا معتبر ہوگا بائع کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

{۲} سوال یہ ہے کہ پہلی صورت میں قائل (طلاق دینے والا) کا قول معتبر ہے مگر دوسری صورت میں قائل (فروخت کرنے والا) کا قول معتبر نہیں ہے تو دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟ صاحبِ ہدایہؒ نے جواب دیا ہے کہ دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ طلاق بالمال زوج کی جانب سے یمین ہے؛ کیونکہ اس میں زوج کی جانب سے طلاق کو معلق کرنا ہے عورت کے مال قبول کرنے پر، اور معلق کرنا ہی یمین ہے اور یمین فقط حالف سے پوری ہو جاتی ہے لہٰذا زوج کی طرف سے یمین کا اقرار وجودِ شرط (عورت کی طرف سے مال قبول کرنے) کا اقرار نہیں ہے اس لیے کہ یمین تو بغیر شرط کے بھی صحیح ہے تو زوج کا یہ کہنا کہ "تو نے قبول نہیں کیا تھا" اپنے قول (تعلیق طلاق بالمال) سے رجوع نہیں ہے، لہٰذا عورت اپنے قبول کرنے پر گواہ پیش کردے ورنہ شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

{۳} باقی بیع کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ بیع مشتری کے قبول کرنے کے بغیر تام نہیں ہوتی ہے پس جب اس نے کہا کہ "میں نے یہ غلام ہزار کے عوض کل تیرے ہاتھ فروخت کردیا تھا" تو یہ اس کی طرف سے بیع کا اقرار ہے اور بیع کا اقرار اس چیز کا اقرار ہے جس کے بغیر بیع تام نہیں ہوتی ہے یعنی مشتری کے قبول کرنے کا بھی اقرار ہے، پھر اس کا یہ کہنا کہ "تو نے قبول نہیں کیا تھا" یہ بائع کا اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے اور اقرار سے رجوع کرنا درست نہیں اس لیے بائع کا قول نہیں سنا جائے گا بلکہ مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

{۴} مبارات کا معنی ایک دوسرے کو بری الذمہ کر دینا، اور فقہاء کے یہاں یہ لفظ خلع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کہ عورت اس رعایت کے ساتھ مرد سے طلاق کا مطالبہ کرنے کہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے جملہ مالی وغیر مالی حقوق سے بری ہو جائیں گے۔

اور مبارات خلع کی طرح ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مبارات اور خلع میں سے ہر ایک نکاح سے متعلق ہر اس حق کو ساقط کر دیتا ہے جو زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے پر ہے مثلاً مہر اور نفقہ ماضیہ وغیرہ۔ امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ حق جس کو زوجین بیان کرے ساقط ہو گا اسکے علاوہ نہیں۔ امام یوسف رحمہ اللہ خلع میں امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور مبارات میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات میں سے ہر ایک عقدِ معاوضہ ہے اور معاوضات میں مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ غیر مشروط کا، یعنی معاوضات میں جو چیز ذکر کی جائے وہی معتبر ہوتی ہے جس کو ذکر نہ کیا جائے اس کا اعتبار نہیں، لہذا خلع اور مبارات میں وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کو زوجین بیان کریں اور جن کو بیان نہ کریں وہ ساقط نہ ہوں گے۔

{۵} امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبارأت بابِ مفاعلہ سے ہے برأت سے ماخوذ ہے اور بابِ مفاعلہ جانبین سے براءت کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو بری کر دے، پھر یہ براءت مطلق ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ہر طرح کے حقوق سے بری کر دے، مگر یہاں ہم نے غرض (نکاح سے پیدا شدہ جھگڑا ختم کرنا) کے پیشِ نظر حقوقِ نکاح سے بری کر دینے کے ساتھ مقید کر دیا، لہذا زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے نکاح سے متعلق حقوق سے بری ہو گا۔ باقی رہا خلع تو اس کا مقتضی انخلاع یعنی الگ ہونا ہے اور الگ ہونے کا معنی فقط نکاح ٹوٹنے سے حاصل ہو جاتا ہے لہذا نکاح کے دیگر احکام اور حقوق کو منقطع کرنے کی ضرورت نہیں جب تک کہ زوجین ان کے انقطاع کو بیان نہ کریں۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ خلع جُدا کرنے اور الگ کرنے کی خبر دیتا ہے اسی سے "خَلَعَ النَّعْلَ" (پاؤں سے جوتے کو الگ کر دیا) اور "اور" خَلَعَ الْعَمَلَ" (کام کرنے والا کام سے الگ ہوا)، اور چونکہ یہاں خلع بھی مبارأت کی طرح مطلق ذکر ہے پس نکاح، احکام نکاح اور حقوقِ نکاح میں ان دونوں کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا یعنی دونوں میں زوجین خواہ حقوقِ نکاح کو بیان کریں یا نہ کریں سب ساقط ہو جائیں گے۔

فتویٰ:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال العلامۃ ابن عابدین الشامی: أَقُولُ: وَبِهِ عُلِمَ أَنَّ الْمَذْكُورَ فِي الْفَتَاوَى رِوَايَةٌ زَائِدَةٌ، وَالصَّحِيحُ مَا نَقَلْنَاهُ عَنْ هَذِهِ الشُّرُوحِ وَالْمُتُونِ مِنْ بَرَاءَةِ كُلٍّ مِنْهُمَا مُطْلَقًا بِلَا رُجُوعٍ لِأَحَدٍ عَلَى الْآخَرِ بِشَيْءٍ مِنَ الْمَهْرِ خِلَافًا لِمَا اسْتَظْهَرَهُ الْمُؤَلِّفُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (منحۃ الخالق علی ھامش البحرالرائق:۴/۸۸)

﴿۶﴾اگر کسی نے اپنی نابالغ لڑکی کے مال کے بدلے اس کے شوہر سے خلع کر دیا تو یہ خلع لڑکی پر جائز نہ ہوگا یعنی لڑکی پر مقرر مال لازم نہ ہوگا؛ کیونکہ باپ کی ولایت نظر اور شفقت پر مبنی ہے جبکہ اس خلع میں صغیرہ پر کوئی شفقت نہیں اس لیے کہ بضع حالتِ خروج (ملکِ شوہر سے نکلنے کے وقت) میں متقوّم (قیمت دار چیز) نہیں، اور لڑکی کی طرف سے بدلِ خلع (مال) متقوّم ہے، لہٰذا لڑکی کو غیر متقوّم بعوضِ متقوّم حاصل ہو رہا ہے جس میں اس کا فائدہ نہ ہونا ظاہر ہے۔ باقی نکاح اس کے برخلاف ہے یعنی اگر کسی نے اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح بعوضِ مہر مثل کر دیا تو یہ صحیح ہے؛ کیونکہ بضع شوہر کی ملک میں داخل ہونے کے وقت متقوّم ہے، لہٰذا اس کے عوض میں مہر مثل دینا غیر متقوّم بعوضِ متقوّم حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ متقوّم بعوضِ متقوّم حاصل کرنا ہے اس لیے یہ نظر اور شفقت کے خلاف نہیں۔

﴿۷﴾بضع کی حالتِ خروج اور حالتِ دخول میں اسی فرق کی وجہ سے اگر کسی عورت نے اپنے مرض وفات میں اپنے شوہر سے خلع کیا تو خلع کا یہ عوض عورت کے ترکہ کے ثلث سے دیا جائے گا؛ کیونکہ بضع شوہر کی ملک سے نکلنے کے وقت غیر متقوّم ہے پس عورت کی طرف سے اس کے عوض میں مال دینا تبرع ہوگا اور تبرع کا نفاذ ثلثِ ترکہ سے ہوتا ہے نہ کہ کل ترکہ سے۔ اور اگر کسی مرد نے اپنے مرض وفات میں کسی عورت سے بعوضِ مہر مثل نکاح کیا، تو یہ مہر مثل مرد کے کل ترکہ سے دیا جائے گا؛ کیونکہ بضع شوہر کی ملک میں آنے کے وقت متقوّم ہے پس یہ متقوّم بعوضِ متقوّم ہے اس لیے تبرع نہیں، اور جب تبرع نہیں تو کل ترکہ سے نافذ ہوگا۔

﴿۸﴾پس جب باپ کا کیا ہوا خلع جائز نہیں ہے تو صغیرہ کا مہر ساقط نہ ہوگا اور نہ شوہر بدلِ خلع کے طور پر صغیرہ کے مال کا مستحق ہوگا۔ اور وقوعِ طلاق کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک کے مطابق طلاق واقع ہوگی، اور دوسری کے مطابق واقع نہ ہوگی۔ صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلی روایت زیادہ صحیح ہے؛ کیونکہ شوہر نے طلاق کو معلق کر دیا ہے صغیرہ کے باپ کے قبول کرنے پر، پس دیگر شرطوں پر طلاق کو معلق کرنے پر قیاس کیا جائے گا یعنی جس طرح کہ دیگر شرطوں پر معلق کرنے کی صورت میں وجودِ شرط کے وقت طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح صغیرہ کے باپ کے قبول کرنے پر معلق کرنے کی صورت میں بھی اس کے قبول کرنے پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

{۹} اور اگر کسی نے اپنی نابالغ بچی کا ایک ہزار پر خلع کر دیا اس شرط پر کہ اس ایک ہزار کا میں (باپ) ضامن ہوں تو خلع ہو جائے گا، اور ایک ہزار باپ کے ذمہ واجب ہوں گے؛ کیونکہ بدل خلع کی شرط کسی اجنبی پر قصورِ شفقت کے باوجود صحیح ہے تو باپ پر وفورِ شفقت کے ساتھ بطریقہ اولی صحیح ہوگا۔ اور صغیرہ کا مہر ساقط نہ ہوگا اگرچہ خلع مہر کو ساقط کر دیتا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ باپ کی ولایت شفقت کی بنیاد پر ہے جبکہ اسقاطِ مہر میں کوئی شفقت نہیں لہذا مہر ساقط کرنا باپ کی ولایت کے تحت داخل نہ ہوگا۔

{۱۰} اور اگر شوہر نے خلع کے ہزار درہم کو صغیرہ پر شرط کر دیا، تو یہ خلع خود اس صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا، بشرطیکہ وہ قبول کرنے کی اہل ہو یعنی یہ سمجھتی ہو کہ خلع کر کے نکاح سے خلاصی ملتی ہے اور مال لازم ہوتا ہے، پس اگر اس نے خلع کو قبول کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ وقوعِ طلاق کی شرط (صغیرہ کا قبول کرنا) پائی گئی، اور صغیرہ پر مال واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ صغیرہ اپنے اوپر تاوان کا بوجھ لینے کی اہل نہیں ہے۔ اور اگر صغیرہ کی طرف سے اس کے باپ نے بدلِ خلع کو قبول کیا، تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہ قبول کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ یہ صغیرہ کے لیے محض نفع ہے اس لیے کہ صغیرہ نے بلا مال ذمہ داری سے خلاصی پائی، اور دوسری روایت میں ہے کہ صحیح نہیں؛ کیونکہ یہ قبول کرنا یمین کو قبول کرنے کے معنی میں ہے جو نیابت کا احتمال نہیں رکھتا ہے، یہی روایت راجح ہے لما فی البحر الرائق: وَإِنْ قَبِلَ الْأَبُ عَنْهَا صَحَّ فِي رِوَايَةٍ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ لِأَنَّهَا تَتَخَلَّصُ بِلَا مَالٍ ، وَلَا يَصِحُّ فِي أُخْرَى لِأَنَّ قَبُولَهَا بِمَعْنَى شَرْطِ الْيَمِينِ ، وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ النِّيَابَةَ ، وَهَذَا هُوَ الْأَصَحُّ اھ. (البحر الرائق: ۹۱/۴)

{۱۱} اسی طرح اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی کو اس کے مہر کے بدلے خلع دیا، اور باپ مہر کا ضامن نہ ہوا تو یہ اس صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا، پس اگر صغیرہ نے اس کو قبول کیا تو وہ طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ شرط پائی گئی، اور مہر ساقط نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ اپنے اوپر تاوان لینے کی اہل نہیں۔ اور اگر صغیرہ کی طرف سے باپ نے قبول کیا تو اس میں اوپر والی دو روایتیں ہیں یعنی ایک روایت کے مطابق صحیح ہوگا اور دوسری روایت کے مطابق صحیح نہ ہوگا۔

{۱۲} اور اگر باپ نے مہر کو اپنے ذمہ لے لیا جو کہ ہزار درہم ہیں، تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ باپ کی طرف سے قبول کرنا پایا گیا اور یہی شرط ہے۔ اور چونکہ عورت صغیرہ ہے لہذا یہ طلاق اس کے مدخولہ ہونے سے پہلے واقع ہوئی اس لیے نصف مہر واجب ہوا، لہذا باپ کی طرف سے ضمانت بھی اسی قدر ہوگی اگرچہ مہر ہزار درہم ہیں، پس باپ پر استحساناً پانچ سو درہم لازم ہوں گے، جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہزار درہم لازم ہوں؛ کیونکہ باپ نے ہزار درہم اپنے ذمہ لے لیے ہیں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی اصل بالغہ عورت کے حق میں ہے جبکہ وہ مدخولہ ہونے سے پہلے ہزار درہم پر شوہر سے خلع لے حالانکہ اس کا مہر بھی ہزار درہم ہو، تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت پر نصف مہر سے زائد پانچ سو واجب ہوں؛ کیونکہ مہر کے ہزار میں سے پانچ سو تو طلاق قبل الدخول کی وجہ سے ساقط ہو گئے اور بقیہ پانچ سو شوہر کے ذمہ رہے اور عورت نے خلع کر کے اپنے اوپر ہزار کا التزام کیا جن میں سے پانچ سو کا اس کے نصف مہر (جو شوہر کے ذمہ ہیں) کے ساتھ ادلا بدلہ ہوا، لہٰذا ہزار میں سے باقی پانچ سو عورت پر لازم ہوں گے۔ جبکہ استحسان یہ ہے کہ عورت پر کچھ واجب نہ ہو؛ کیونکہ مال پر خلع دینے سے عادۃً اس چیز کا ارادہ کیا جاتا ہے جو چیز عورت کی مرد کے ذمہ لازم ہو یعنی کل مہر، پس جب زوج کے ذمہ سے نصف مہر طلاق قبل الدخول کی وجہ سے ساقط ہوا اور بقیہ نصف مہر خلع کی وجہ سے ساقط ہوا اور زوج کا مقصود بھی کل مہر کا سقوط ہی ہے جو حاصل ہو گیا لہٰذا عورت پر مزید کچھ لازم نہ ہو گا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بَابُ الظِّهَارِ

یہ باب ظہار کے بیان میں ہے

"ظِہَار" لغۃً مصدر ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ اور شرعاً منکوحہ عورت کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں جو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جیسے ماں، بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ اور خواہ یہ حرمت ابدی نسبی ہو یا رضاعی ہو یا بوجہ مصاہرت کے ہو۔

"بَابُ الظِّهَارِ" کی "خُلع" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ظہار اور خلع میں سے ہر ایک کی وجہ بظاہر نشوز اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے پھر خلع کو ظہار پر اسلئے مقدم کیا ہے کہ خلع میں تحریم زیادہ ہے کیونکہ خلع کی صورت میں نکاح منقطع ہو کر تحریم ثابت ہوتی ہے، اور ظہار میں نکاح باقی رہتے ہوئے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

ظہار کے لئے شرط یہ ہے کہ مشبہہ عورت نکاحِ صحیح کے ساتھ منکوحہ ہو پس ام الولد، مدبرہ، قنہ اور مبانہ سے ظہار صحیح نہیں۔ اور ظہار کا اہل وہ شخص ہے جو کفارہ کا اہل ہو حتی کہ ذمی، مجنون اور بچے کا ظہار صحیح نہیں۔

{۱} وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا

اور جب کہے مرد اپنی بیوی سے "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے" تو وہ حرام ہو گئی اس پر حلال نہ ہو گا اس کے لیے اس سے وطی کرنا

وَلَا مَسُّهَا وَلَا تَقْبِيلُهَا حَتَّى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ }

اور نہ اسے چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے اپنے ظہار کا؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "جو لوگ ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے"

إلَى أَنْ قَالَ {فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا}. {۲} وَالظِّهَارُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَرَّرَ الشَّرْعُ أَصْلَهُ وَنَقَلَ
یہاں تک کہ فرمایا "تو آزاد کرنا ہے رقبہ کا باہم اختلاط سے پہلے" اور ظہار طلاق تھا جاہلیت میں پھر برقرار رکھا شریعت نے اس کی اصل کو اور نقل کیا

حُكْمَهُ إلَى تَحْرِيمٍ مُوَقَّتٍ بِالْكَفَّارَةِ غَيْرِ مُزِيلٍ لِلنِّكَاحِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ جِنَايَةٌ
اس کا حکم ایسی تحریم کی طرف جو موقت ہے کفارہ کے ساتھ دراں حالیکہ وہ زائل کرنے والا نہیں نکاح کو اور یہ اس لیے کہ ظہار جنایت ہے

لِكَوْنِهِ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا فَيُنَاسِبُ الْمُجَازَاةَ عَلَيْهَا بِالْحُرْمَةِ، وَارْتِفَاعُهَا بِالْكَفَّارَةِ. {۳} ثُمَّ الْوَطْءُ إذَا حَرُمَ
کیونکہ یہ فحش قول اور جھوٹ ہے پس مناسب ہے بدلہ دینا اس پر حرمت سے اور اس کا دور ہونا کفارہ سے ہے۔ پھر وطی جب حرام ہو جائے

حَرُمَ بِدَوَاعِيهِ كَيْ لَا يَقَعَ فِيهِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ، بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالصَّائِمِ لِأَنَّهُ يَكْثُرُ
تو وہ حرام ہو گی دواعی وطی کے ساتھ تاکہ واقع نہ ہو جائے وطی میں جیسا کہ احرام میں ہے، بخلاف حائضہ اور صائم کے کیونکہ بکثرت ہوتا ہے

وُجُودُهُمَا، فَلَوْ حَرُمَ الدَّوَاعِي يُفْضِي إلَى الْحَرَجِ وَلَا كَذَلِكَ الظِّهَارُ وَالْإِحْرَامُ. {۴} فَإِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ
ان دونوں کا وجود، پس اگر حرام ہو جائے دواعی تو مفضی ہو گا حرج کو اور اس طرح نہیں ظہار اور احرام۔ پھر اگر وطی کر لی اس سے کفارہ دینے سے پہلے

اسْتَغْفَرَ اللَّهَ تَعَالَى وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرَ الْكَفَّارَةِ الْأُولَى وَلَا يَعُودُ حَتَّى يُكَفِّرَ
تو استغفار کرے اللہ تعالیٰ سے، اور کچھ واجب نہیں اس پر کفارۂ اولیٰ کے علاوہ، اور عود نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے

{ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّذِي وَاقَعَ فِي ظِهَارِهِ قَبْلَ الْكَفَّارَةِ اسْتَغْفِرْ اللَّهَ وَلَا تَعُدْ حَتَّى
کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اس کو جس نے جماع کیا تھا ظہار میں کفارہ دینے سے پہلے "استغفار کرو اللہ تعالیٰ سے، دوبارہ نہ کر یہاں تک کہ

تُكَفِّرَ } وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ آخَرُ وَاجِبًا لَنَبَّهَ عَلَيْهِ. قَالَ: وَهَذَا اللَّفْظُ لَا يَكُونُ إلَّا ظِهَارًا لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ
کفارہ دیدے" تو اگر کوئی اور چیز واجب ہوتی تو حضور ﷺ تنبیہ فرماتے اس پر۔ فرمایا: اور یہ لفظ نہ ہو گا مگر ظہار؛ کیونکہ یہ صریح ہے ظہار میں۔

وَلَوْ نَوَى بِهِ الطَّلَاقَ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْإِتْيَانِ بِهِ {۵} وَإِذَا قَالَ
اور اگر نیت کی اس سے طلاق کی تو صحیح نہ ہو گی؛ کیونکہ اس کا طلاق ہونا منسوخ ہے پس اختیار نہ ہو گا شوہر کو اس کے لانے کا۔ اور جب شوہر کہے

أَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ أُمِّي أَوْ كَفَخِذِهَا أَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ لِأَنَّ الظِّهَارَ لَيْسَ
"تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے یا اس کی ران کی طرح یا اس کی شرمگاہ کی طرح" تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو گا؛ کیونکہ ظہار نہیں ہے

إلَّا تَشْبِيهُ الْمُحَلَّلَةِ بِالْمُحَرَّمَةِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَتَحَقَّقُ فِي عُضْوٍ لَا يَجُوزُ النَّظَرُ إلَيْهِ {۶} وَكَذَا إذَا شَبَّهَهَا
مگر تشبیہ دینا محللّہ کو محرّمہ کے ساتھ، اور یہ معنی محقق ہوتا ہے ایسی عضو میں کہ جائز نہ ہو دیکھنا اس کی طرف۔ اسی طرح جب تشبیہ دے اس کو

بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إلَيْهَا عَلَى التَّأْبِيدِ مِنْ مَحَارِمِهِ مِثْلِ أُخْتِهِ

ایسی عورت کے ساتھ کہ حلال نہ ہو اس کے لیے شہوت سے دیکھنا اس کی طرف ہمیشہ کے لیے اس کے محارم میں سے جیسے اس کی بہن

أَوْ عَمَّتِهِ أَوْ أُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ لِأَنَّهُنَّ فِي التَّحْرِيمِ الْمُؤَبَّدِ كَالْأُمِّ{۷}وَكَذَلِكَ إِذَا قَالَ رَأْسُكِ عَلَيَّ

یا اس کی پھوپھی یا اس کی رضاعی ماں؛ کیونکہ یہ عورتیں ابدی حرمت میں ماں کی طرح ہیں، اسی طرح جب کہے "تیرا سر مجھ پر

كَظَهْرِ أُمِّي أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ أَوْ رَقَبَتُكِ أَوْ نِصْفُكِ أَوْ ثُلُثُكِ أَوْ بَدَنُكِ لِأَنَّهُ يُعَبَّرُ بِهَا

میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا تیرا ثلث یا تیرا بدن" کیونکہ تعبیر کیا جاتا ہے ان اعضاء سے

عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ ، وَيَثْبُتُ الْحُكْمُ فِي الشَّائِعِ ثُمَّ يَتَعَدَّى كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الطَّلَاقِ{۸} وَلَوْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ

تمام بدن کو، اور ثابت ہوتا ہے حکم جزءِ شائع میں پھر متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس کو طلاق میں۔ اور اگر کہا "تو مجھ پر

مِثْلُ أُمِّي أَوْ كَأُمِّي يُرْجَعُ إلَى نِيَّتِهِ لِيَنْكَشِفَ حُكْمُهُ فَإِنْ قَالَ أَرَدْت

میری ماں کی طرح ہے یا جیسے میری ماں" تو رجوع کیا جائے گا اس کی نیت کی طرف تاکہ ظاہر ہو اس کا حکم، پس اگر کہا کہ میں نے ارادہ کیا تھا

الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ لِأَنَّ التَّكْرِيمَ بِالتَّشْبِيهِ فَاشٍ فِي الْكَلَامِ وَإِنْ قَالَ أَرَدْت الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ

کرامت کا تو یہ ویسا ہو گا جیسا کہ اس نے کہا؛ کیونکہ اکرام کرنا تشبیہ کے ذریعہ عام ہے کلام میں۔ اور اگر کہا کہ میں نے ارادہ کیا تھا ظہار کا تو یہ ظہار ہو گا

لِأَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِجَمِيعِهَا ، وَفِيهِ تَشْبِيهٌ بِالْعُضْوِ لَكِنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيحٍ فَيَفْتَقِرُ إلَى النِّيَّةِ{۹}وَإِنْ قَالَ

کیونکہ یہ تشبیہ ہے ماں کے کل بدن سے، اور اس میں تشبیہ ہے عضو کے ساتھ لیکن یہ صریح نہیں پس محتاج ہو گا نیت کی طرف، اور اگر کہا کہ

أَرَدْت الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ لِأَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِالْأُمِّ فِي الْحُرْمَةِ فَكَأَنَّهُ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ وَنَوَى الطَّلَاقَ،

میں نے ارادہ کیا تھا طلاق کا تو یہ طلاق بائن ہو گی؛ کیونکہ یہ تشبیہ ہے ماں کے ساتھ حرمت میں گویا اس نے کہا "تو مجھ پر حرام ہے" اور نیت کی طلاق کی

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لِاحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَى الْكَرَامَةِ.

اور اگر نہ ہو اس کی کچھ نیت تو یہ کلام کچھ نہیں امام صاحب اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک؛ کیونکہ احتمال ہے حمل کرنے کا کرامت پر،

وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَكُونُ ظِهَارًا لِأَنَّ التَّشْبِيهَ بِعُضْوٍ مِنْهَا لَمَّا كَانَ ظِهَارًا فَالتَّشْبِيهُ بِجَمِيعِهَا

اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ ظہار ہو گا؛ کیونکہ تشبیہ دینا ماں کے ایک عضو کے ساتھ جب ظہار ہوتا ہے تو تشبیہ دینا اس کے پورے بدن کے ساتھ

أَوْلَى . {۱۰}وَإِنْ عَنَى بِهِ التَّحْرِيمَ لَا غَيْرُ ؛ فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ هُوَ إيلَاءٌ لِيَكُونَ الثَّابِتُ بِهِ أَدْنَى الْحُرْمَتَيْنِ.

بدرجہ اولیٰ ظہار ہو گا، اور اگر مراد لیا اس سے حرام کرنا نہ غیر، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ایلاء ہو گا تاکہ ہو اس سے ثابت دو حرمتوں میں سے ادنیٰ

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ لِأَنَّ كَافَ التَّشْبِيهِ تَخْتَصُّ بِهِ .

اور امام محمدؒ کے نزدیک ظاہر ہے؛ کیونکہ کافِ تشبیہ مختص ہے ظہار کے ساتھ۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ظہار کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔اور نمبر۲ میں ظہار کا تاریخی پس منظر ذکر کیا ہے۔اور نمبر۳ میں ظہار سے وطی، دواعی وطی دونوں کی حرمت اور وجہ ذکر کی ہے،اور حیض وصوم سے وطی کی حرمت اور دواعی وطی کی عدم حرمت ذکر کی ہے۔اور نمبر۴ میں کفارہ سے پہلے وطی کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے،اور " أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي "کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔اور نمبر۵ میں پیٹ وغیرہ کا پیٹھ کے حکم میں ہونا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر۶ میں بیوی کو ابدی محرمات کے ساتھ تشبیہ دینے کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر۷ میں بیوی کے بعض اعضاء کو ماں کی پیٹھ سے تشبیہ دینے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر۸تا۱۰ میں "أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي "یا"أَنْتِ عَلَيَّ كَأُمِّي "کہنے کی صورت میں شوہر کی نیت دریافت کی جائے گی اور اس کی نیت کے مطابق اس کا حکم،اور ایک دو صورتوں میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف،اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا مثلاً زوج نے کہا"أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي "(تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے)تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اب اس مرد کیلئے نہ اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اور نہ چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا حلال ہے۔اور عورت پر بھی مرد کو اپنے اوپر قدرت دینا حرام ہے۔یہاں تک کہ شوہر اپنے ظہار کا کفارہ دیدے؛کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا[۱]﴾(اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس کہی ہوئی بات سے پھرنا چاہیں تو ایک غلام ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے آزاد کر دیں)جس میں ظہار کے بعد کفارہ ادا کرنے کا حکم ہے۔

{۲}صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ظہار زمانۂ جاہلیت میں طلاق شمار ہوتا تھا جس سے نکاح ختم ہو جاتا تھا،پھر شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اس کو ختم نہیں کیا،البتہ اس کے حکم کو بدل دیا کہ ظہار سے ایسی حرمت ثابت ہوتی ہے جو کفارہ کی ادائیگی کے ساتھ موقت ہے یعنی کفارہ ادا کرنے سے یہ حرمت ختم ہو جاتی ہے،اور نکاح کو ختم نہیں کرتا ہے اور حرمت موقت بالکفارہ اس لیے ثابت ہوتی ہے کہ ظہار جنایت ہے اسلئے کہ یہ ایک ناز یبا اور جھوٹ بات ہے پس اس پر اس شخص کو یہ سزا دینا مناسب ہوگا کہ اسکی بیوی کو اس پر حرام کر دیا جائے تاوقتیکہ کفارہ ادا کر دے اور یہ جرم کفارہ سے دور ہو جاتا ہے؛کیونکہ کفارہ نیکی ہے اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ[۲]﴾(بیشک نیک کام نامۂ اعمال سے مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو)۔

([۱])المجادلۃ:۳۔

([۲])ھود:۱۱۴۔

{۳} صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ جب ظہار کی وجہ سے وطی کرنا حرام ہوا تو وہ تمام چیزیں حرام ہوں گی جو وطی کی داعی ہیں مثلاً عورت کو چھونا، اس کا بوسہ لینا وغیرہ تاکہ ان کی وجہ سے وہ وطی میں مبتلا نہ ہو جائیں جیساکہ حالتِ احرام میں وطی کے ساتھ ان چیزوں کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ البتہ حائضہ اور روزہ دار عورت کے ساتھ وطی تو حرام ہے مگر یہ چیزیں حرام نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض اور روزہ بکثرت آتے رہتے ہیں تو اگر ان میں دواعی وطی کو حرام قرار دیا جائے تو یہ مفضی الی الحرج ہوگا، جبکہ ظہار اور احرام کا وقوع کبھی کبھار ہوتا ہے اس لیے ان میں وطی کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو حرام قرار دینے میں کوئی حرج نہیں۔

{۴} اور اگر مظاہر (ظہار کرنے والے) نے ظہار کے بعد کفارہ دینے سے پہلے اس عورت کے ساتھ وطی کرلی تو یہ شخص استغفار کرے اور اس پر کفارہ اولیٰ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہوگا۔ اور اب دوبارہ وطی نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے؛ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص جس نے ظہار کرکے کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرلی تھی سے فرمایا تھا "اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَلَا تَعُدْ حَتّٰى تُكَفِّرَ"[۱] (یعنی اپنے رب سے مغفرت طلب کر اور یہ حرکت دوبارہ نہ کرنا یہاں تک کہ کفارہ دیدے) تو اگر استغفار کے سوا کوئی اور چیز واجب ہوتی تو حضور ﷺ ضرور اس کو بیان فرماتے، پس کسی اور چیز کو بیان نہ کرنا دلیل ہے کہ کوئی اور چیز واجب نہیں۔

صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس لفظ (أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي) سے فقط ظہار ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ ظہار کے معنی میں صریح ہے، پس اگر اس نے اس سے طلاق کی نیت کی تو صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ اس کا طلاق ہونا منسوخ ہو گیا ہے لہٰذا بندہ کو ایسا کرنے کا اختیار نہ ہوگا اس لیے کہ اس میں تغییر مشروع ہے جس کا بندہ کو اختیار نہیں۔

{۵} عورت کا پیٹ، اور اس کی ران اور شرمگاہ اس کی پیٹھ کے حکم میں ہے یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ أُمِّي" یا "كَفَخِذِ أُمِّي" یا "كَفَرْجِ أُمِّي" (یعنی تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے یا اسکی ران یا اس کی فرج کی طرح ہے) تو یہ ایسا ہے جیساکہ شوہر اپنی بیوی سے کہے "أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي" (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ) پس ان تمام صورتوں میں یہ شخص مظاہر ہو جائیگا؛ کیونکہ ظہار کہتے ہیں اپنی بیوی کو محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا اور یہ معنی مذکورہ اعضاء اور ہر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینے میں متحقق ہو جائیگا جس کی طرف دیکھنا ناجائز ہو۔

---

[۱] رواہ ابوداؤد: ۱، ص: ۳۲۱، رقم: ۲۲۲۱، ط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

﴿۶﴾اسی طرح شوہر کا اپنی بیوی کو اپنی ایسی محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے سے بھی ظہار ثابت ہو جائے گا جس کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا ابدی حرام ہو جیسے اس کی بہن، پھوپھی اور رضاعی ماں وغیرہ؛ کیونکہ یہ عورتیں دائماً حرام ہونے میں ماں کی طرح ہیں، لہٰذا جو حکم ماں کے ساتھ تشبیہ دینے کا ہے وہی حکم ان کے ساتھ تشبیہ دینے کا بھی ہوگا۔

﴿۷﴾اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "رَاسُکِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی "(یعنی تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)یا کہا "فَرجُکِ عَلَیَّ کَظَھْرِاُمِّی "(تیری فرج مجھ پر میری ماں کی طرح ہے)، یا کہا "وَجْھُکِ عَلَیَّ کَظَھْرِاُمِّی "(تیرا چہرہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)یا کہا "رَقَبَتُکِ عَلَیَّ کَظَھْرِاُمِّی "(تیری گردن مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)یا کہا "نِصفُکِ عَلَیَّ کَظَھْرِاُمِّی "(یعنی تیرا نصف مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)، یا کہا "ثُلُثُکِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی "(تیرا ثلث مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)تو یہ تمام صورتیں ایسی ہیں جیسا کہ کوئی اپنی بیوی سے کہے "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی "(تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ)لہٰذا مذکورہ تمام صورتوں میں یہ شخص مظاہر ہو جائیگا کیونکہ ان اعضاء میں سے ہر عضو کے ساتھ پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے، پس حکم اولاً جزءِ شائع (نصف، ثلث) میں ثابت ہوگا پھر اس سے پورے بدن کی طرف سرایت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے طلاق میں اس کو بیان کیا، لہٰذا بیوی کے ان اعضاء کو اپنی ماں کے ساتھ تشبیہ دینا پوری عورت کو تشبیہ دینے کی طرح ہے اس لیے ان صورت میں یہ شخص مظاہر ہوگا۔

﴿۸﴾اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنتِ عَلَیَّ کَاُمِّی "یا کہا" اَنْتِ عَلَیَّ مِثْلُ اُمِّی "(یعنی تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے)تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے گی تاکہ اسکا حکم ظاہر ہو، پس اگر اس نے کہا کہ "میرا ارادہ یہ تھا کہ تو اعزاز و اکرام کے مستحق ہونے میں میرے نزدیک میری ماں کی طرح ہے" تو یہ ایسا ہی ہوگا یعنی یہ کلام اس کی تعظیم ہی کے لیے شمار ہوگا اس لیے اس شخص پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ تشبیہ کے ذریعہ کلام میں تعظیم عام رواج ہے۔ اور اگر کہا کہ "میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا "تو یہ ظہار ہو جائیگا؛ کیونکہ اس میں پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس میں ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا بھی موجود ہے، لہٰذا اس سے ظہار ثابت ہو جائے گا۔ مگر چونکہ یہ کلام ظہار میں صریح نہیں لہٰذا نیت کی طرف محتاج ہوگا بغیر نیت کے ظہار نہ ہوگا۔

﴿۹﴾اور اگر کہا کہ "میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا "تو طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کلام میں بیوی کو ماں کے ساتھ حرمت میں تشبیہ دی ہے تو یہ ایسا ہے گویا کہ شوہر نے اپنی بیوی سے "اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ "(تو مجھ پر حرام ہے)کہا اور طلاق کی نیت کی ،اور پہلے گذر چکا ہے کہ "اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ" الفاظِ کنایہ میں سے ہے اور لفظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اس لیے مذکورہ صورت

میں بائن طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر اس شخص نے اس کلام سے کوئی نیت نہ کی ہو تو یہ کلام شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک لغو ہوگا؛ کیونکہ اس کلام کو تعظیم پر حمل کیا جاسکتا ہے پس مجمل ہونے کی وجہ سے اس سے متعین طور پر طلاق یا ظہار مراد نہیں لیا جاسکتا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام عدم نیت کی صورت میں ظہار ہوگا؛ کیونکہ ماں کے ایک عضو کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینا بطریقۂ اولیٰ ظہار ہوگا۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لمافی البحرالرائق: وَإِذَا نَوَى الطَّلَاقَ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ كَانَ بَائِنًا كَالْمَدْلِ الْحَرَامِ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا كَانَ بَاطِلًا وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِنِيَّةِ الْإِيلَاءِ بِهِ لِلِاخْتِلَافِ فَأَبُو يُوسُفَ جَعَلَهُ إيلَاءً ، لِأَنَّهُ أَدْنَى مِنَ الظِّهَارِ وَمُحَمَّدٌ جَعَلَهُ ظِهَارًا نَظَرًا إلَى أَدَاةِ التَّشْبِيهِ وَصُحِّحَ أَنَّهُ ظِهَارٌ عِنْدَ الْكُلِّ ، لِأَنَّهُ تَحْرِيمٌ مُؤَكَّدٌ بِالتَّشْبِيهِ (البحرالرائق: ۹۸/۴)

{۱۰} اور اگر شوہر نے "أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي" اور "أَنْتِ عَلَيَّ كَأُمِّي" سے تحریم کی نیت کی یعنی بیوی اپنے اوپر حرام کرنے کی نیت کی، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ایلاء ہے ظہار نہیں؛ کیونکہ ایلاء اور ظہار میں سے ایلاء کی حرمت ادنیٰ ہے ظہار کی حرمت سے، اس لیے کہ ایلاء کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور ظہار کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، اور ظہار کا کفارہ دو مہینے مسلسل روزے ہیں اور ایلاء کا کفارہ تین دن مسلسل روزے ہیں، پس ادنیٰ حرمت کو لیتے ہوئے اس کو ایلاء قرار دیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ظہار ہے؛ کیونکہ اس میں حرفِ تشبیہ (مثل) اور کافِ تشبیہ موجود ہے جو ظہار کے ساتھ مختص اور ظہار میں بکثرت مستعمل ہے اس لیے اس سے ظہار مراد ہوگا۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لمافی الشامیة: قَالَ الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ : وَإِذَا قُلْنَا بِصِحَّةِ نِيَّةِ التَّحْرِيمِ يَكُونُ إيلَاءً عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ، وَظِهَارًا عِنْدَ مُحَمَّدٍ .وَعَلَى مَا صُحِّحَ فِيمَا تَقَدَّمَ .يَكُونُ ظِهَارًا عَلَى قَوْلِ الْكُلِّ ، لِأَنَّهُ تَحْرِيمٌ مُؤَكَّدٌ بِالتَّشْبِيهِ وَإِنَّمَا ذَكَرْنَا ذَلِكَ لِكَثْرَةِ وُقُوعِهِ فِي دِيَارِنَا .ا ھ .(ردّالمحتار: ۶۲۷/۲)

{۱} وَلَوْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَأُمِّي وَنَوَى ظِهَارًا أَوْ طَلَاقًا

اور اگر کہا "تو مجھ پر حرام ہے جیسے میری ماں" اور نیت کی ظہار یا طلاق کی

فَهُوَ عَلَى مَا نَوَى لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْوَجْهَيْنِ .الظِّهَارُ لِمَكَانِ التَّشْبِيهِ وَالطَّلَاقُ لِمَكَانِ التَّحْرِيمِ وَالتَّشْبِيهُ تَأْكِيدٌ

تو یہ موافق ہوگا اس کی نیت کے؛ کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے دونوں کا، ظہار کا تو تشبیہ کی وجہ سے اور طلاق کا تحریم کی وجہ سے اور تشبیہ تاکید ہے

لَهُ {۲} وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ ، فَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ إيلَاءٌ ، وَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ ، وَالْوَجْهَانِ بَيَّنَّاهُمَا

تحریم کے لیے، اور اگر نہ ہو اس کی کوئی نیت تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر ایلاء ہے اور امام محمدؒ کے قول پر ظہار ہے اور دونوں وجہیں ہم بیان کرچکے

﴿۲﴾ وإن قال أنت علي حرام كظهر أمي ونوى به طلاقا أو إيلاء لم يكن إلا ظهارا عند أبي حنيفة،

اور اگر کہا کہ "تو مجھ پر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ" اور نیت کی اس سے طلاق کی یا ایلاء کی تو نہ ہو گا مگر ظہار امام صاحب کے نزدیک

وقالا : هو على ما نوى لأن التحريم يحتمل كل ذلك على ما بينا ، غير أن عند محمد

اور صاحبینؒ نے فرمایا یہ موافق ہو گا اس کی نیت کے؛ کیونکہ تحریم احتمال رکھتی ہے ہر ایک کا جیسا کہ ہم بیان کر چکے، مگر یہ کہ امام محمدؒ کے نزدیک

إذا نوى الطلاق لا يكون ظهارا ، وعند أبي يوسف يكونان جميعا وقد عرف موضعه.

جب نیت کرے طلاق کی تو نہ ہو گا ظہار، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہو جائے گا ظہار اور طلاق دونوں، اور یہ معلوم ہو چکا ہے اپنے موقع پر

﴿۳﴾ ولأبي حنيفة أنه صريح في الظهار فلا يحتمل غيره ، ثم هو محكم فيرد التحريم إليه.

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ صریح ہے ظہار میں پس محتمل نہیں اس کا غیر، پھر وہ محکم ہے پس رد کی جائے گی تحریم اسی کی طرف۔

﴿۴﴾ قال ولا يكون الظهار إلا من الزوجة، حتى لو ظاهر من أمته لم يكن مظاهرا لقوله تعالى {من نسائهم}

فرمایا: اور ظہار نہیں ہوتا ہے مگر بیوی سے، حتی کہ اگر ظہار کیا اپنی باندی سے تو نہ ہو گا ظہار؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اپنی بیویوں سے"

ولأن الحل في الأمة تابع فلا تلحق بالمنكوحة ، ولأن الظهار منقول عن الطلاق ولا طلاق

اور اس لیے کہ حل باندی میں تابع ہے پس ملحق نہ کی جائے گی منکوحہ کے ساتھ؛ اور اس لیے کہ ظہار منقول ہے طلاق سے اور طلاق نہیں ہوتی

في المملوكة . ﴿۵﴾ فإن تزوج امرأة بغير أمرها ثم ظاهر منها ثم أجازت النكاح فالظهار باطل

مملوکہ میں۔ اور اگر نکاح کیا کسی عورت سے اس کی اجازت کے بغیر پھر ظہار کیا اس سے پھر اس نے اجازت دی نکاح کی تو ظہار باطل ہو گا

لأنه صادق في التشبيه وقت التصرف فلم يكن منكرا من القول، والظهار ليس بحق من حقوقه حتى يتوقف،

کیونکہ وہ سچا ہے تشبیہ میں تصرف کے وقت، پس نہ ہو گا فحش قول، اور ظہار نہیں ہے کوئی حق اس کے حقوق میں سے یہاں تک کہ موقوف رہے

﴿۶﴾ بخلاف إعتاق المشتري من الغاصب لأنه من حقوق الملك . ﴿۷﴾ ومن قال لنسائه أنتن علي

بخلاف آزاد کرنا غاصب سے خریدنے والے کا؛ کیونکہ اعتاق حقوق ملک میں سے ہے۔ اور جو شخص کہے اپنی بیویوں سے "تم مجھ پر

كظهر أمي كان مظاهرا منهن جميعا لأنه أضاف الظهار إليهن فصار

میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو" تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو گا ان سب سے؛ کیونکہ اس نے منسوب کیا ہے ظہار کو ان سب کی طرف پس ہو گیا

كما إذا أضاف الطلاق ﴿۸﴾ وعليه لكل واحدة كفارة لأن الحرمة تثبت في حق كل واحدة والكفارة

جیسا کہ جب منسوب کرے طلاق، اور اس پر واجب ہے ہر ایک کے لیے کفارہ؛ کیونکہ حرمت ثابت ہوتی ہے ہر ایک کے حق میں اور کفارہ

لإنهاء الحرمة فتتعدد بتعددها ، بخلاف الإيلاء منهن لأن الكفارة فيه لصيانة

حرمت کو ختم کرنے کے لیے ہے پس متعدد ہوگا تعدد حرمت سے، بخلاف ایلاء کرنے کے ان سے؛ کیونکہ کفارہ ایلاء میں برائے حفاظت ہے

حُرْمَةِ الْاِسْمِ وَلَمْ يَتَعَدَّدْ ذِكْرُ الْاِسْمِ.

اسم باری تعالیٰ کی حرمت کی حالانکہ متعدد نہیں ہوا اسم باری تعالیٰ کا ذکر۔

خلاصہ:۔ مصنف ؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں شوہر کا "اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَاُمِّي" کہنا اور اس کی نیت کے مطابق اس کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۲و۳ میں شوہر کا "اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ اُمِّي" کہنا اور اس سے طلاق یا ایلاء کی نیت کرنے کے حکم میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔اور نمبر ۴ میں بتایا ہے کہ غیر منکوحہ سے ظہار نہیں ہو سکتا اور اس کے دو دلائل ذکر کئے ہیں۔اور نمبر ۵ میں اس پر تفریع ذکر کی ہے۔اور نمبر ۶ میں ایک سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔اور نمبر ۷و۸ میں متعدد بیویوں سے "اَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّي" کہنے کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ایلاء کا حکم اس کے برخلاف ہے اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔

تشریح:۔{۱} اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَاُمِّي" (تو مجھ پر حرام ہے میری ماں کی طرح) اور اس کہنے سے اس نے ظہار یا طلاق کی نیت کی، تو اس نے جو نیت کی ہو وہی مراد ہوگی یعنی اگر ظہار کی نیت کی ہو تو ظہار ہوگا اور اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ یہ کلام ان دونوں کا احتمال رکھتا ہے، ظہار تو اس لیے کہ اس نے اپنی بیوی کو حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ ظہار ہی ہے۔اور طلاق اس لیے کہ اس نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کیا ہے جو کہ طلاق ہے اور لفظ "كَاُمِّي" اسی حرمت کی تشبیہ کے لیے ہے۔اور اگر شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو امام ابو یوسف ؒ کے قول کے مطابق یہ ایلاء ہے اور امام محمد ؒ کے نزدیک ظہار ہے، اور دونوں حضرات کی دلیلیں ہم اس سے پہلے بیان کر چکے۔

{۲} اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ اُمِّي" (تو مجھ پر حرام ہے میری ماں کی پشت کی طرح) اور اس کہنے سے اس نے طلاق یا ایلاء کی نیت کی، تو یہ امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک ظہار ہی ہوگا۔صاحبین ؒ کے نزدیک اس نے جو نیت کی ہو وہی ہوگا یعنی اگر ظہار کی نیت کی ہو تو ظہار ہوگا اور اگر طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق ہوگی اور اگر ایلاء کی نیت کی ہو تو ایلاء ہوگا اور اگر کچھ نیت نہ ہو تو بھی ظہار ہوگا کیونکہ لفظِ تحریم ان سب کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے۔

البتہ امام محمد ؒ کے نزدیک اگر مذکورہ کلام سے طلاق کی نیت کی ہو تو فقط طلاق واقع ہوگی ظہار نہ ہوگا؛ کیونکہ طلاق واقع ہونے سے وہ بائنہ ہو جاتی ہے اور بائنہ سے ظہار نہیں ہوتا ہے۔اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک یہ کلام طلاق اور ظہار دونوں ہوگا؛ کیونکہ طلاق

اس کی نیت سے واقع ہوگی، اور اس کا قول "کَظَهْرِ أُمِّی" ظہار میں صریح ہے جس سے وہ بلانیت مظاہر ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں اس کی تفصیل اپنے موقع (مبسوطِ شمس الائمہ) میں مذکور ہے۔

{۳} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ "کَظَهْرِ أُمِّی" ظہار میں صریح ہے اسی لیے اس پر دلالت کرنے میں نیت کی احتیاج نہیں لہٰذا غیر کا احتمال نہیں رکھتا، پھر ظہار محکم ہے؛ کیونکہ اس میں کسی اور معنیٰ کا احتمال نہیں، جبکہ لفظ حرام ظہار، طلاق وغیرہ کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ گذر چکا، لہٰذا محتمل (حرام) کو محکم (ظہار) کی طرف رد کیا جائیگا جیسا کہ محتمل اور محکم میں یہی قاعدہ ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف رد کیا جاتا ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: (وَبِأَنْتِ عَلَيَّ) حَرَامٌ (كَظَهْرِ أُمِّي ثَبَتَ الظِّهَارُ لَا غَيْرُ) لِأَنَّهُ صَرِيحٌ ۔قال العلامۃ ابن عابدین: (قَوْلُهُ: لِأَنَّهُ صَرِيحٌ) لِأَنَّ فِيهِ التَّصْرِيحَ بِالظِّهَارِ، فَكَانَ مُظَاهِرًا سَوَاءٌ نَوَى الطَّلَاقَ، أَوِ الْإِيلَاءَ، أَوْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ بَحْرٌ. (الدّرالمختار مع الشامیۃ: ۶۲۷/۲)

{۴} ظہار بیوی کے سوا کسی اور عورت سے نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر کسی نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ شخص مظاہر نہیں ہوگا؛ کیونکہ ﴿وَالَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ[1]﴾ (اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں) میں "نِّسَائِهِمْ" سے مراد ازدواجات ہیں اور مملوکہ باندی زوجہ نہیں کہلاتی ہے لہٰذا اس سے ظہار بھی صحیح نہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باندی میں مقصود ملکِ رقبہ ہے اس کی حلت ملکِ رقبہ کا تابع ہے جبکہ آزاد عورت کی حلت کسی شئی کی تابع نہیں اس لیے باندی منکوحہ کے ساتھ لاحق نہیں ہو سکتی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ظہار دورِ جاہلیت میں طلاق تھا پھر اس کو موقت بالکفارہ تحریم کی طرف نقل کر دیا گیا، لہٰذا جس کو طلاق دی جاسکتی ہے اس سے ظہار بھی کیا جاسکتا ہے، اور باندی کو طلاق نہیں دی جاسکتی لہٰذا اس سے ظہار بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

{۵} یہ ماقبل پر تفریع ہے یعنی اگر کسی نے کسی اجنبی عورت کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پھر اس کی اجازت سے پہلے اس سے ظہار کر لیا بعد از ظہار اس عورت نے نکاح کی اجازت دیدی تو اجازت سے پہلے اس شخص نے جو ظہار کیا وہ باطل ہے؛ کیونکہ ظہار کے وقت تک چونکہ عورت نے اجازت نہیں دی تھی تو نکاح نہیں ہوا تھا اس لیے بوقتِ ظہار عورت اجنبیہ تھی اور اجنبیہ عورت کو اپنی محرمہ کے ساتھ تشبیہ دے کر یہ کہنا "کہ تو میری ماں کی طرح مجھ پر حرام ہے" صحیح ہے وہ اپنے اس قول میں سچا ہے لہٰذا یہ کوئی نازیبا بات نہیں ہے کہ اس کو طلاق کے ساتھ اس کا بدلہ دیا جائے۔

---

(۱) المجادلۃ:۳

{۶}سوال یہ ہے کہ ظہار موقوف ہے مِلکِ نکاح پر اور نکاح موقوف ہے عورت کی اجازت پر، تو ظہار بھی عورت کی اجازت پر موقوف ہونا چاہیے، پس جب عورت نے نکاح کی اجازت دیدی تو ظہار صحیح ہونا چاہیے، جیسا کہ ایک شخص کسی کا غلام غصب کردے اور آگے فروخت کردے، اور مشتری اس کو آزاد کردے، تو یہ آزادی مغصوب منہ (اصل مالک) کی اجازت پر موقوف ہے اگر اس نے غاصب اور مشتری کی بیع کی اجازت دیدی تو غلام آزاد ہوجائے گا اسی طرح یہاں بھی عورت کی اجازتِ نکاح سے ظہار صحیح ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ ظہار نکاح کے حقوق اور لوازم میں سے نہیں؛ کیونکہ نکاح سے حلت اور ظہار سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس لیے دونوں میں منافات ہے، پس نکاح کا عورت کی اجازت پر موقوف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظہار بھی عورت کی اجازت پر موقوف ہو، اس لیے نکاح کی اجازت دینے سے ظہار صحیح نہ ہوگا۔ باقی غاصب سے خریدے ہوئے غلام کی آزادی اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ غلام کی آزادی مِلک کے حقوق میں سے ہے؛ اس لیے کہ حق شی وہ ہے جس سے شی مؤکد ہو اور آزاد کرنے سے مِلک مؤکد ہوجاتی ہے؛ کیونکہ آزاد کرنے سے مِلک انتہا کو پہنچ کر تام ہوجاتی ہے، پس اس فرق کی وجہ سے ظہار کی صورت کو اعتاق کی صورت پر قیاس کرنا درست نہیں۔

{۷}اگر کسی نے اپنی متعدد بیویوں سے کہا "أَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي" (یعنی تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہیں) تو یہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہوجائیگا؛ کیونکہ اس نے سب کی طرف ظہار کو منسوب کیا ہے لہٰذا تمام سے ظہار ثابت ہوگا جیسے اگر یہ شخص اپنی تمام بیویوں کی طرف طلاق منسوب کرتے ہوئے کہتا "أَنْتُنَّ طَوَالِقُ" (تم طلاق ہوں) تو سب پر طلاق واقع ہوجاتی۔

{۸}اور مذکورہ بالا مظاہر پر ہر ایک کیلئے کفارہ واجب ہوگا؛ کیونکہ ظہار کی وجہ سے ہر ایک عورت کے حق میں حرمت ثابت ہوتی ہے اور کفارہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ ظہار کی وجہ سے ثابت شدہ حرمت کو ختم کردے، لہٰذا حرمتوں کے تعدد سے کفارے بھی متعدد ہوں گے یعنی جتنی حرمتیں ہوں گی اسی قدر کفارے واجب ہوں گے۔

باقی ایلاء کا حکم ظہار کے برخلاف ہے یعنی اگر کسی نے اپنی متعدد بیویوں سے ایلاء کیا اور پھر مدتِ ایلاء کے اندر سب کے ساتھ وطی کرلی، تو اس پر فقط ایک کفارہ واجب ہوگا؛ کیونکہ ایلاء میں وہ کہتا ہے "واللہ میں تم سے چار ماہ تک صحبت نہیں کروں گا" پھر چار ماہ کے اندر صحبت کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہوجاتی ہے اس لیے کفارہ واجب ہوتا ہے، مگر چونکہ سب عورتوں سے ایک ایلاء کرنے میں اللہ تعالیٰ کا نام متعدد بار مذکور نہیں ہوتا اس لیے بے حرمتی بھی ایک بار اللہ کے نام کی ہوگی، لہٰذا کفارہ بھی ایک ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فَصْلٌ فِي الْكَفَّارَةِ

یہ فصل کفارہ کے بیان میں ہے

مصنفؒ نے اس سے پہلے حکم ظہار یعنی حرمت وطی و دواعی وطی کو بیان فرمایا اب اس فصل میں اس چیز کو بیان فرمائیں گے جس سے مذکورہ حرمت ختم ہو جاتی ہے یعنی ظہار کا کفارہ۔

{۱}قَالَ وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ

فرمایا: اور کفارۂ ظہار آزاد کرنا ہے رقبہ کا، پھر اگر رقبہ نہیں پایا تو دو مہینے مسلسل روزے ہیں، پھر اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کھانا کھلانا ہے

سِتِّينَ مِسْكِينًا لِلنَّصِّ الْوَارِدِ فِيهِ فَإِنَّهُ يُفِيدُ الْكَفَّارَةَ عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ . {۲}قَالَ وَكُلُّ ذَلِكَ قَبْلَ الْمَسِيسِ

ساٹھ مسکینوں کو اس نص کی وجہ سے جو وارد ہے کفارۂ ظہار میں؛ کیونکہ وہ فائدہ دیتی ہے کفارہ کا اسی ترتیب پر۔ فرمایا: اور ہر ایک وطی سے پہلے ہے

فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِهَا عَلَى الْوَطْءِ لِيَكُونَ الْوَطْءُ حَلَالًا {۳}قَالَ وَتُجْزِي فِي الْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْكَافِرَةُ وَالْمُسْلِمَةُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى

پس ضروری ہے اس کی تقدیم وطی پر تاکہ ہو وطی حلال۔ فرمایا: اور کافی ہے عتق میں کافر رقبہ اور مسلمان اور مذکر اور مؤنث

وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ لِأَنَّ اسْمَ الرَّقَبَةِ يَنْطَلِقُ عَلَى هَؤُلَاءِ إذْ هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الذَّاتِ الْمَرْقُوقِ الْمَمْلُوكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَالشَّافِعِيُّ

اور صغیر اور کبیر؛ کیونکہ اسم رقبہ بولا جاتا ہے ان سب پر اس لیے کہ رقبہ عبارت ہے ایسی ذات سے جو مرقوق مملوک ہو من کل وجہ، اور امام شافعیؒ

يُخَالِفُنَا فِي الْكَافِرَةِ وَيَقُولُ : الْكَفَّارَةُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهُ إلَى عَدُوِّ اللَّهِ كَالزَّكَاةِ،

ہماری مخالفت کرتے ہیں رقبۂ کافرہ میں اور فرماتے ہیں کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے پس جائز نہیں اس کا صرف کرنا دشمن خدا کی طرف جیسے زکوۃ

وَنَحْنُ نَقُولُ : الْمَنْصُوصُ عَلَيْهِ إعْتَاقُ الرَّقَبَةِ وَقَدْ تَحَقَّقَ ، وَقَصْدُهُ مِنَ الْإِعْتَاقِ التَّمَكُّنُ مِنَ الطَّاعَةِ

اور ہم کہتے ہیں کہ منصوص علیہ رقبہ آزاد کرنا ہے اور وہ متحقق ہوا اور اس کا قصد آزاد کرنے سے قدرت دینا ہے اللہ تعالیٰ کی طاعت پر

ثُمَّ مُقَارَنَتُهُ الْمَعْصِيَةَ يُحَالُ بِهِ إلَى سُوءِ اخْتِيَارِهِ {۴}وَلَا تُجْزِئُ الْعَمْيَاءُ وَلَا الْمَقْطُوعَةُ الْيَدَيْنِ أَوِ الرِّجْلَيْنِ

پھر اس کا اتصال معصیت کے ساتھ محمول کیا جائے گا اس کے سوءِ اختیار پر۔ اور کافی نہیں اندھا اور نہ مقطوع الیدین یا مقطوع الرجلین

لِأَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ وَهُوَ الْبَصَرُ أَوِ الْبَطْشُ أَوِ الْمَشْيُ وَهُوَ الْمَانِعُ ، أَمَّا إذَا اخْتَلَّتِ الْمَنْفَعَةُ فَهُوَ غَيْرُ مَانِعٍ، {۵}حَتَّى يَجُوزَ

کیونکہ فوت ہے جنس منفعت اور وہ بینائی یا گرفت یا چلنا ہے اور یہی مانع ہے۔ اور اگر خلل واقع ہوا منفعت میں تو وہ غیر مانع ہے حتی کہ جائز ہے

الْعَوْرَاءُ وَمَقْطُوعَةُ إحْدَى الْيَدَيْنِ وَإِحْدَى الرِّجْلَيْنِ مِنْ خِلَافٍ لِأَنَّهُ مَا فَاتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ بَلِ اخْتَلَّتْ، بِخِلَافِ مَا إذَا

کانا اور ایک ہاتھ اور ایک پاؤں دوسری طرف کا کٹا ہوا؛ کیونکہ نہیں زائل ہوئی ہے جنسِ منفعت بلکہ مخل ہو گئی ہے بخلافِ اس کے

كَانَتَا مَقْطُوعَتَيْنِ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ حَيْثُ لَا يَجُوزُ لِفَوَاتِ جِنْسِ مَنْفَعَةِ الْمَشْيِ إذْ هُوَ عَلَيْهِ مُتَعَذِّرٌ، {۶}وَيَجُوزُ الْأَصَمُّ

جب دوں وہ دونوں کٹے ہوئے ایک جانب سے کہ یہ جائز نہیں بوجہ فوت ہونے جنس منفعت چلنے کی کیونکہ چلنا اس پر متعذر ہے اور جائز ہے بہرہ

وَالقِيَاسُ أَنْ لَايَجُوزَ وَهُوَ رِوَايَةُ النَّوَادِرِ، لِأَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ ، إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَّا الْجَوَازَ لِأَنَّ أَصْلَ الْمَنْفَعَةِ

اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہیں اور یہی ایک روایت ہے نوادر کی؛ کیونکہ فوت ہو گئی جنس منفعت۔ مگر ہم نے استحساناً جائز قرار دیا؛ کیونکہ اصل منفعت

بَاقٍ ، فَإِنَّهُ إِذَا صِيحَ عَلَيْهِ سَمِعَ حَتَّى لَوْ كَانَ بِحَالٍ لَا يَسْمَعُ أَصْلًا بِأَنْ وُلِدَ أَصَمَّ وَهُوَ الْأَخْرَسُ لَا يَجْزِيه

باقی ہے؛ کیونکہ جب زور سے بات کی جائے اس پر تو سن لیتا ہے حتی کہ اگر ایسا ہو کہ نہ سنتا ہو بالکل بایں طور پیدا ہوا ہو بہرہ اور وہ گونگا ہو تو جائز نہیں

﴿۷﴾ وَلَا يَجُوزُ مَقْطُوعُ إِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ لِأَنَّ قُوَّةَ الْبَطْشِ بِهِمَا فَبِفَوَاتِهِمَا يَفُوتُ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ

اور جائز نہیں دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹا ہوا؛ کیونکہ پکڑنے کی قوت انگوٹھوں سے ہے تو ان دونوں کے فوت ہونے فوت ہوتی ہے جنس منفعت

﴿۸﴾ وَلَا يَجُوزُ الْمَجْنُونُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالْجَوَارِحِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِالْعَقْلِ فَكَانَ فَائِتَ الْمَنَافِعِ

اور جائز نہیں ایسا مجنون جس میں عقل نہ ہو؛ کیونکہ فائدہ اٹھانا اعضاء سے نہیں ہو سکتا مگر عقل سے پس وہ ہو گیا منفعت فوت کرنے والا

وَالَّذِي يُجَنُّ وَيُفِيقُ يَجْزِيه لِأَنَّ الِاخْتِلَالَ غَيْرُ مَانِعٍ ،﴿۹﴾ وَلَا يُجْزِئُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ؛ لِاسْتِحْقَاقِهِمَا الْحُرِّيَّةَ

اور وہ جو کبھی مجنون ہوتا ہو اور کبھی اس کو افاقہ ہو جاتا ہو کافی ہے کیونکہ اختلال مانع نہیں اور کافی نہیں مدبر اور ام ولد کو آزاد کرنا ان دونوں کے استحقاق حریت کی وجہ سے

بِجِهَةٍ فَكَانَ الرِّقُّ فِيهِمَا نَاقِصًا وَكَذَا الْمُكَاتَبُ الَّذِي أَدَّى بَعْضَ الْمَالِ؛ لِأَنَّ إِعْتَاقَهُ يَكُونُ بِبَدَلٍ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ يَجْزِئُه

ایک جہت سے، پس ہو گی رقیت ان دونوں میں ناقص، اسی طرح وہ مکاتب ہے جس نے ادا کیا ہو بعض مال؛ کیونکہ اس کا اعتاق بعوض ہے، اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ کافی نہیں

لِقِيَامِ الرِّقِّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَلِهَذَا تَقْبَلُ الْكِتَابَةُ الِانْفِسَاخَ بِخِلَافِ أُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ وَالتَّدْبِيرِ لِأَنَّهُمَا لَايَحْتَمِلَانِ الِانْفِسَاخَ ،﴿۱۰﴾ فَإِنْ

قیام رق کی وجہ سے ہر اعتبار سے اور اسی لیے قبول کرتا ہے کتابت انفساخ کو، بخلاف ام ولد اور مدبر کرنے کے؛ کیونکہ یہ دونوں احتمال نہیں رکھتے ہیں انفساخ کے، پس اگر

أَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ .لَهُ أَنَّهُ اسْتَحَقَّ الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ فَأَشْبَهَ

آزاد کر دیا ایسا مکاتب جس نے نہ ادا کیا ہو کچھ مال تو یہ جائز ہے، اختلاف ہے امام شافعیؒ کا؛ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مستحق حریت ہے جہت کتابت سے پس مشابہ ہو گیا

الْمُدَبَّرَ . ﴿۱۱﴾ وَلَنَا أَنَّ الرِّقَّ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ عَلَى مَا بَيَّنَّا ، وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

مدبر کے ساتھ، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رقیت قائم ہے من کل وجہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے، اور اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

"الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ" ﴿۱۲﴾ وَالْكِتَابَةُ لَا تُنَافِيه فَإِنَّهُ فَكُّ الْحَجْرِ

"مکاتب غلام ہے جب تک کہ باقی ہو اس پر ایک درہم" اور کتابت منافی نہیں آزادی کے اس لیے کہ کتابت دور کرتا ہے پابندی کو

بِمَنْزِلَةِ الْإِذْنِ فِي التِّجَارَةِ إِلَّا أَنَّهُ بِعِوَضٍ فَيَلْزَمُ مِنْ جَانِبِهِ ،﴿۱۳﴾ وَلَوْ كَانَ مَانِعًا يَنْفَسِخُ مُقْتَضَى الْإِعْتَاقِ

اور بمنزلہ اذن فی التجارۃ کے ہے مگر یہ کہ بعوض ہے پس لازم ہو گی مولی کی جانب سے، اور اگر ہو تا مانع تو فسخ ہو جاتا ہے مقتضی اعتاق کی وجہ سے

إذْ هُوَ يَحْتَمِلُهُ ، ﴿١٤﴾ إلَّا أنَّهُ تُسَلَّمُ لَهُ الْأَكْسَابُ وَالْأَوْلَادُ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي حَقِّ الْمَحَلِّ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ ، أوْ لِأَنَّ

کیونکہ وہ احتمال رکھتا ہے فسخ کا مگر یہ کہ سپرد کی جائے گی اس کو اس کی کمائی اور اولاد؛ کیونکہ عتق محل کے حق میں کتابت کی وجہ سے ہے یا اس لیے کہ

الْفَسْخَ ضَرُورِيٌّ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْوَلَدِ وَالْكَسْبِ

فسخ ضرورۃً ثابت ہے ظاہر نہ ہوگا اولاد اور کمائی کے حق میں۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں کفارۂ ظہار کی تفصیل اور دلیل ذکر کی ہے، اور کفارہ کو جماع سے پہلے ادا کرنے کا وجوب اور دلیل ذکر کی ہے، اور کفارہ میں ہر قسم کے غلام کی آزادی کا کفایت کرنا اور کافر غلام کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۴ میں بتایا ہے کہ جس غلام کی جنس منفعت فوت ہوگئی ہو وہ کفایت نہیں کرتا اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں بتایا ہے کہ منفعت میں فقط خلل آنا مانع نہیں اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں بہرے غلام کو آزاد کرنے کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۷ میں دونوں انگوٹھے کٹے غلام کو آزاد کرنے کا حکم مع دلیل ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۸ میں مجنون غلام کو آزاد کرنے کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۹ میں مدبر اور ام الولد کو آزاد کرنے کا حکم دلیل سمیت ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۱۰ میں امام صاحبؒ سے ایک روایت اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۱ و ۱۲ میں ایک قسم کے مکاتب کو آزاد کرنے کے حکم میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۳ میں ایک سوال کا جواب ذکر کیا ہے اور نمبر ۱۴ میں تسلیمی جواب اور پھر ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ کفارۂ ظہار یہ ہے کہ مظاہر بنیتِ کفارہ غلام آزاد کردے، اور اگر غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو، تو پھر مسلسل ساٹھ روزے رکھے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے؛ کیونکہ کفارۂ ظہار کے بارے میں جو نص وارد ہے وہ اسی ترتیب کا فائدہ دیتی ہے وہ نص باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا[1]﴾ (اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو انکے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے، پھر جس کو غلام لونڈی میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پیاپے دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو

(1) المجادلۃ: ۳-۴

اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے) جس میں باری تعالیٰ نے تینوں کفاروں کو حرفِ فاء کے ساتھ ذکر کیا ہے اور فاء مفید ترتیب ہے، لہٰذا تینوں میں ترتیب لازمی ہے۔

{۲} اور ان تینوں میں سے ہر ایک قسم کے کفارے کو جماع سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے اور یہ اعتاق اور روزہ رکھنے میں تو ظاہر ہے؛ کیونکہ نص (مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا) میں ان کا جماع سے پہلے ہونے کی تصریح موجود ہے، اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا جماع سے پہلے ہونا اس لیے ضروری ہے کہ ظہار میں کفارہ حرمت کو ختم کرنے والا ہے، لہٰذا اس کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے تاکہ بعد میں وطی حلال واقع ہو؛ کیونکہ کھانا کھلانے سے پہلے وطی کی حرمت برقرار ہے۔

{۳} پھر غلام کفایت کرتا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، مذکر ہو یا مؤنث، بالغ ہو یا نابالغ؛ کیونکہ قرآن مجید میں مطلق رقبہ کا ذکر ہے جو کافر، مسلمان، مذکر، مؤنث اور نابالغ وبالغ سب کو شامل ہے؛ اس لیے کہ رقبہ کہتے ہیں اس ذات کو جو ہر طرح سے مرقوق (غلام) اور مملوک ہو، لہٰذا کافر کو آزاد کرنا بھی کافی ہوگا۔

امام شافعیؒ کا کافر کے بارے میں ہمارے ساتھ اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک کافر غلام کو آزاد کرنا کافی نہیں؛ کیونکہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے پس اس کو اللہ کے دشمن یعنی کافر کی طرف صرف کرنا جائز نہ ہوگا جیسے کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ احنافؒ کہتے ہیں کہ نص میں اعتاقِ رقبہ کی تصریح ہے اور رقبہ کافر کو بھی شامل ہے لہٰذا کافر کو آزاد کرنے سے بھی اعتاقِ رقبہ ثابت ہوگا اس لیے کافر کو آزاد کرنا کافی ہے۔ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ کافر کو آزاد کرنے سے بھی مقصود مولیٰ کی خدمت سے آزاد کرنا اور باری تعالیٰ کی طاعت پر قدرت دینا ہے، ظاہر ہے کہ یہ مقصود قبیح نہیں، باقی رہا آزادی کے بعد اس کا کفر اور معصیت کے ساتھ مقارن رہنا تو اسے خود اس (کافر) کے بداختیاری پر حمل کیا جائے گا، لہٰذا یہ کفارہ ادا کرنے والے کے مقصود کے لیے مخل نہیں۔

{۴} قاعدہ یہ ہے کہ غلام میں ہر ایسا عیب جس سے جنسِ منفعت فوت ہو کفارۂ ظہار میں اسے آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا اور صرف کسی عضو میں خلل آنا ادائیگی کفارہ کے لیے مانع نہیں، پس کفارۂ ظہار میں اندھے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں، اسی طرح جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوں اس کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں؛ کیونکہ ان عیوب کی وجہ سے اس کی منفعت کی جنس فوت ہو جاتی ہے اور انسان کی منفعت بینائی، پکڑنا اور چلنا ہے، اور یہ اس لیے کہ انسان کی بقاء اس کے منافع کی بقاء سے ہے تو جس غلام کی منفعت کی جنس فوت ہو گئی وہ غلام معنیً وحکماً ہلاک شدہ شمار ہوتا ہے اس لیے ایسے غلام کو آزاد کرنا کفارہ کی ادائیگی کے لیے مانع ہے۔

{۵} مگر جس غلام کے منافع میں فقط خلل آیا ہو فوت نہ ہوئے ہوں ایسے غلام کی آزادی کفارہ کی ادائیگی کے لیے مانع نہیں، حتی کہ یک چشم غلام کو آزاد کرنا یا ایسا غلام جس کا ایک ہاتھ ایک جانب سے کٹا ہو اور ایک پاؤں دوسری جانب سے کٹا ہو آزاد کرنا جائز ہے؛ کیونکہ اس کی جنس منفعت فوت نہیں ہوئی ہے اب بھی کسی قدر دیکھنا، پکڑنا اور چلنا اس کا باقی ہے، البتہ جنس منفعت میں بے شک کچھ نقصان واقع ہوا ہے جو کفارہ کی ادائیگی کے لیے مانع نہیں۔ اوذا اگر ایک ہاتھ اور ایک پاؤں دونوں ایک جانب سے کٹے ہوں تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ اس کے چلنے کی جنس منفعت فوت ہوئی ہے اس لیے کہ ایسے شخص کے لیے چلنا متعذر ہے۔

{۶} اور بہرے غلام کو آزاد کرنا جائز ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو، اور یہی نوادر کی روایت ہے؛ کیونکہ اس کی بھی جنس منفعت (سننا) فوت ہوئی ہے، مگر ہم نے استحساناً اس کو جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ اصل منفعت اب بھی اس کی باقی ہے اس لیے کہ اگر اسے چلا کر پکارا جائے تو وہ سن لیتا ہے، ہاں اگر وہ ایسے حال میں ہو کہ بالکل نہ سنتا ہو بایں طور کہ بہرہ ہی پیدا ہوا ہو اور ایسا بہرہ گونگا ہوتا ہے، تو ایسے غلام کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کی منفعت کی جنس فوت ہوگئی ہے۔

{۷} اور اگر کسی غلام کے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو کفارۂ ظہار میں اس کو آزاد کرنا جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ پکڑنے کی قوت انگوٹھوں سے حاصل ہوتی ہے پس انگوٹھوں کے کٹنے سے قوتِ گرفت نہیں رہتی جس کی وجہ سے جنس منفعت زائل ہوجاتی ہے اور جس کی جنس منفعت زائل ہو اس کا آزاد کرنا جائز نہیں۔

{۸} وہ مجنون غلام جس کی عقل بالکل نہ ہو اس کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ اعضاء سے فائدہ اٹھانا بغیر عقل کے ممکن نہیں لہٰذا یہ بھی فائت المنفعت ہوا اس لئے اس کا آزاد کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر کبھی جنون اور کبھی افاقہ ہوتا ہو تو اس کو حالتِ افاقہ میں آزاد کرنا جائز ہے؛ کیونکہ یہ فائت المنفعت نہیں بلکہ مختل منفعت ہے اور اختلال مانع نہیں۔

{۹} کفارۂ ظہار میں مدبر اور ام الولد کو آزاد کرنا کافی نہیں؛ کیونکہ یہ دونوں ایک جہت سے حریت کے مستحق ہوگئے ہیں یعنی مدبر تدبیر کی وجہ سے اور ام الولد استیلاد کی وجہ سے مستحق حریت ہے پس ان میں رقیت ناقص ہے اس لئے ان کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے مکاتب کو آزاد کرنا بھی کافی نہیں جس نے کچھ مال بطورِ بدلِ کتابت ادا کیا ہو اور خود کو عاجز نہیں قرار دیا ہو؛ کیونکہ اس کی آزادی بدلِ کتابت کے عوض ہوگی اور بدل قربت اور عبادت کے معنی کو باطل کردیتا ہے اس لئے اس کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں۔

اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایسے مکاتب کو آزاد کرنا بھی کافی ہے؛ کیونکہ مکاتب جب تک کہ کل بدل ادانہ کرے اس وقت تک وہ ہر طرح سے غلام شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کتابت فسخ کو قبول کرتی ہے یعنی غلام اپنا عقدِ کتابت فسخ کر سکتا ہے، جبکہ ام ولد اور مدبر اس کے برخلاف ہے کہ ان کو کفارہ میں آزاد کرنا کافی نہیں؛ کیونکہ ام ولد ہونا اور مدبر ہونا فسخ کو قبول نہیں کرتے ہیں، لہٰذا ان میں رقیت ناقص ہے اور ناقص کو کفارہ میں ادا کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ صحیح یہ ہے کہ جس مکاتب نے بعض مال کو ادا کیا ہو اس کو آزاد کرنا صحیح نہیں لماقال الشیخ عبد الحکیم الشہید: هذا رواية الحسن بن زیادعنه في غیرروایة الاصول والراجح روایة الاصول بعدم جواز الا بعد عجزہ وردہ الی الرقة فحينئذ يصح اجماعاً(هامش الهداية:۲/۳۹۱)

{۱۱}اور اگر مظاہر نے ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے اب تک کچھ مالِ کتابت ادا نہیں کیا ہے تو یہ جائز ہے۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ایسے مکاتب کو کفارہ میں آزاد کرنا کافی نہیں؛ ان کی دلیل یہ ہے کہ مکاتب عقدِ کتابت کی جہت سے حریت کا مستحق ہو گیا ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ مدبر جہتِ تدبیر سے آزادی کا مستحق ہو جاتا ہے، تو جس طرح کہ اے احنافؒ تمہارے نزدیک مدبر کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں اسی طرح مکاتب کو بھی کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہ ہوگا۔

{۱۲}ہماری دلیل یہ ہے کہ مکاتب کتابت سے پہلے رقیق ہے اور کتابت کی وجہ سے اس کی رقیت زائل نہیں ہوتی بلکہ رقیت ہر طرح سے اب بھی قائم ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ کتابت انفساخ کو قبول کرتی ہے اور کتابت فسخ ہونے کی صورت میں وہ پھر غلام رہے گا اس لیے کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہے۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ"[۱] (مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس کے ذمہ ایک درہم باقی ہو) لہٰذا جس مکاتب نے اب تک کچھ ادا نہیں کیا ہے تو وہ غلام ہے۔ نیز رقیت اس لیے بھی قائم ہے کہ شئی اپنے منافی سے زائل ہوتی ہے اور کتابت رقیت کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ عقدِ کتابت اس رکاوٹ اور پابندی کو دور کرنے کا نام ہے جو غلام پر رقیق ہونے کی وجہ تھی اور رکاوٹ کو دور کر کے بھی غلام رقیق ہی رہتا ہے جیسا کہ مولیٰ اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دے کر رکاوٹ اور پابندی کو ختم کر دے تو اس کی رقیت ختم نہیں ہوتی۔

{۱۳}سوال یہ ہے کہ اگر کتابت رکاوٹ دور کرنے کا نام ہے جیسا کہ اذن فی التجارۃ رکاوٹ دور کرنے کا نام ہے تو عقدِ کتابت فسخ کرنے میں مولیٰ کو مستقل ہونا چاہیے جیسا کہ ماذون فی التجارۃ کو معزول کرنے میں مولیٰ مستقل ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دونوں میں

(۱)رواه ابوداؤد:۲،ص:۱۹۱،رقم:۳۹۲۸،ط مكتبه رحمانيه لاهور.

فرق ہے وہ یہ کہ کتابت بعوض رکاوٹ کو دور کرنے کا نام ہے جبکہ اذن فی التجارۃ بغیر عوض رکاوٹ دور کرنے کا نام ہے اس لیے اول مولیٰ کے حق میں لازم ہے اور ثانی لازم نہیں، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

﴿۱۴﴾ اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ عقدِ کتابت کفارہ میں آزاد کرنے کے لیے مانع ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ جب مکاتب کو کفارہ میں آزاد کردیا تو یہ اعتاق (آزاد کرنا) مقتضی ہے کہ عقدِ کتابت آزادی سے پہلے فسخ ہو؛ کیونکہ عقدِ کتابت فسخ ہونے کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا اعتاق سے پہلے عقدِ کتابت کو فسخ قرار دیا جائے گا، اور جب عقدِ کتابت آزادی سے پہلے فسخ ہوا تو یہ غیر مکاتب کو آزاد کرنا ہوا، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس تسلیمی جواب کے مطابق جب کتابت فسخ ہوگئی تو چاہیے کہ اس مکاتب کا مال اور اس کی اولاد اس کے مولیٰ کے لیے ہوں جیسا کہ ماذون فی التجارۃ غلام کو آزاد کرنے سے اس کے ہاتھ میں موجود مال اس کے مولیٰ کے لیے ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں عتق مولیٰ کے حق میں تو بجہتِ کفارہ ہے، مگر محل (یعنی مکاتب) کے حق میں بجہتِ کتابت ہے پس یہی کہا جائے گا کہ مکاتب بجہتِ کتابت آزاد ہوا ہے، اور مکاتب کی کمائی اور اس کی اولاد مکاتب ہی کے لیے ہوتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں فسخ کتابت صحتِ اعتاق کے لیے ضرورۃً ثابت ہے اور جو چیز ضرورۃً ثابت ہو وہ بقدرِ ضرورت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا کفارہ میں صحتِ آزادی کی حد تک تو کتابت فسخ ہوگی، مگر اولاد اور کمائی کے حق میں فسخ کتابت ظاہر نہ ہوگا، اس لیے اس کی اولاد اور کمائی خود اسی کے لیے ہوگی نہ کہ مولیٰ کے لیے۔

﴿۱﴾ وَإِنْ اشْتَرَى أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ يَنْوِي بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ جَازَ عَنْهَا

اور اگر خرید لیا اس نے اپنا باپ یا اپنا بیٹا نیت کرے خرید سے کفارہ کی تو جائز ہے کفارہ سے

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَجُوزُ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ وَالْمَسْأَلَةُ تَأْتِيك فِي كِتَابِ الْأَيْمَانِ إنْ شَاءَ اللَّهُ

اور فرمایا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جائز نہیں، اور اسی اختلاف پر کفارۂ یمین ہے، اور یہ مسئلہ آئے گا کتاب الایمان میں انشاء اللہ

﴿۲﴾ فَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَهُوَ مُوسِرٌ وَضَمِنَ قِيمَةَ بَاقِيهِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيَجُوزُ

پس اگر آزاد کر دیا مشترک غلام کا نصف اور وہ غنی ہے اور ضامن ہوا باقی کی قیمت کا تو جائز نہیں امام صاحبؒ کے نزدیک اور جائز ہے

عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ يَمْلِكُ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالضَّمَانِ فَصَارَ مُعْتِقًا كُلَّ الْعَبْدِ عَنِ الْكَفَّارَةِ

صاحبینؒ کے نزدیک؛ کیونکہ وہ مالک ہو جاتا ہے اپنے شریک کے حصہ کا ضمان دے کر، پس ہو گیا آزاد کرنے والا پورے غلام کو کفارہ سے

وَهُوَ مِلْكُهُ بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا لِأَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ السِّعَايَةُ

اس حال میں کہ وہ غلام اس کی ملک ہے، بخلاف اس کے جب ہو آزاد کرنے والا تنگ دست؛ اس لیے کہ واجب ہے غلام پر کمائی کرنا

فِي نَصِيبِ الشَّرِيكِ فَيَكُونُ إِعْتَاقًا بِعِوَضٍ. ﴿۳﴾ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ نَصِيبَ صَاحِبِهِ يَنْتَقِصُ عَلَى مِلْكِهِ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ

شریک کے حصہ کے لیے پس ہوگا آزاد کرنا بعوض۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک کا حصہ ناقص ہو جاتا ہے اس کی ملک پر پس پھر جاتا ہے

إِلَيْهِ بِالضَّمَانِ وَمِثْلُهُ يَمْنَعُ الْكَفَّارَةَ ﴿۴﴾ وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ عَنْهَا جَازَ

معتق کی طرف ضمان سے، اور ایسا ہونا مانع ہے کفارہ سے۔ اور اگر آزاد کر دیا اپنے غلام کا نصف کفارہ سے پھر آزاد کر دیا اس کا باقی کفارہ سے تو جائز ہے

لِأَنَّهُ أَعْتَقَهُ بِكَلَامَيْنِ وَالنُّقْصَانُ مُتَمَكِّنٌ عَلَى مِلْكِهِ بِسَبَبِ الْإِعْتَاقِ بِجِهَةِ الْكَفَّارَةِ وَمِثْلُهُ غَيْرُ مَانِعٍ ،

کیونکہ اس نے آزاد کر دیا غلام کو دو کلاموں سے اور نقصان جو پیدا ہوا اس کی ملک میں اعتاق کی وجہ سے جہتِ کفارہ سے ہے اور ایسا نقصان مانع نہیں

كَمَنْ أَضْجَعَ شَاةً لِلْأُضْحِيَّةِ فَأَصَابَ السِّكِّينُ عَيْنَهَا، ﴿۵﴾ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ النُّقْصَانَ تَمَكَّنَ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيكِ

جیسے کوئی پچھاڑ دے بکری قربانی کے لیے پس پہنچی چھری اس کی آنکھ کو، بخلاف اس نقصان کے جو گزر چکا؛ کیونکہ نقصان پیدا ہوا شریک کی ملک میں

وَهَذَا عَلَى أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ . أَمَّا عِنْدَهُمَا فَالْإِعْتَاقُ لَا يَتَجَزَّأُ ، فَإِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَلَا يَكُونُ إِعْتَاقًا

اور یہ امام صاحبؒ کی اصل پر ہے، باقی صاحبینؒ کے نزدیک اعتاق متجزی نہیں ہوتا ہے پس نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہے، لہٰذا نہ ہوگا اعتاق

بِكَلَامَيْنِ. ﴿۶﴾ وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ لَمْ يَجُزْ

دو کلاموں سے۔ اور اگر آزاد کیا اپنا نصف غلام اپنے کفارہ سے پھر جماع کیا اس سے جس سے ظہار کیا پھر آزاد کیا اس کا باقی حصہ تو جائز نہیں

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ ، وَشَرْطُ الْإِعْتَاقِ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ الْمَسِيسِ بِالنَّصِّ،

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک؛ کیونکہ اعتاق متجزی ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور شرطِ اعتاق یہ ہے کہ ہو جماع سے پہلے نص سے ثابت ہے،

وَإِعْتَاقُ النِّصْفِ حَصَلَ بَعْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا إِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَحَصَلَ الْكُلُّ قَبْلَ الْمَسِيسِ.

اور اعتاق نصف کا حاصل ہوا جماع کے بعد، اور صاحبینؒ کے نزدیک نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہے پس حاصل ہوا کل جماع سے پہلے۔

﴿۷﴾ وَإِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يُعْتِقُ فَكَفَّارَتُهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيهِمَا

اور اگر نہ پائے ظہار کرنے والا ایسا غلام جسے آزاد کرے تو اس کا کفارہ روزہ رکھنا ایسے دو مسلسل مہینے کہ نہ ہو ان دونوں میں

شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَمَّا التَّتَابُعُ فَلِأَنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ ﴿۸﴾ وَشَهْرُ رَمَضَانَ لَا يَقَعُ

رمضان کا مہینہ اور نہ یوم فطر اور نہ یوم نحر اور نہ ایام تشریق، بہر حال تتابع تو وہ اس لیے کہ وہ منصوص علیہ ہے، اور شہر رمضان واقع نہیں ہوتا ہے

عَنِ الظِّهَارِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ مَا أَوْجَبَهُ اللَّهُ وَالصَّوْمُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَلَا يَنُوبُ عَنِ الْوَاجِبِ الْكَامِلِ.

ظہار سے؛ کیونکہ اس میں ابطال ہے اس کا جس کو واجب کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور روزہ ان دنوں میں ممنوع ہے تو نائب نہ ہوگا واجب کامل کا۔

{۹}فَإِنْ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَمِنْهَا فِي خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا أَوْ نَهَارًا نَاسِيًا اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور اگر جماع کیا اس سے جس سے ظہار کیا ہے مذکورہ دوماہ کے درمیان رات کو قصداً یا دن کو بھول کر تو روزہ رکھے از سر نو امام صاحب ؒ

وَمُحَمَّدٍ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يَسْتَأْنِفُ لِأَنَّهُ لَا يَمْنَعُ التَّتَابُعَ ، إِذْ لَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ

اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے از سر نو روزہ نہ رکھے؛ کیونکہ یہ جماع مانع تتابع نہیں اس لیے کہ فاسد نہیں ہوتا ہے اس سے روزہ

وَهُوَ الشَّرْطُ،{۱۰}وَإِنْ كَانَ تَقْدِيمُهُ عَلَى الْمَسِيسِ شَرْطًا فَفِيمَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ تَقْدِيمُ الْبَعْضِ وَفِيمَا

اور وہ شرط ہے، اور اگر ہو روزوں کی تقدیم وطی پر شرط تو اس صورت میں جس کی طرف ہم نے ذہاب کیا ہے تقدیم ہے بعض کی اور جو صورت

قُلْتُمْ تَأْخِيرُ الْكُلِّ عَنْهُ . {۱۱}وَلَهُمَا أَنَّ الشَّرْطَ فِي الصَّوْمِ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ الْمَسِيسِ وَأَنْ يَكُونَ خَالِيًا عَنْهُ

تم کہتے ہو اس میں تاخیر ہے کل کی وطی سے، اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شرط صوم میں یہ ہے کہ ہو وطی سے پہلے، اور یہ کہ ہوں خالی وطی سے

ضَرُورَةً بِالنَّصِّ ، وَهَذَا الشَّرْطُ يَنْعَدِمُ بِهِ فَيَسْتَأْنِفُ{۱۲}وَإِنْ أَفْطَرَ مِنْهَا يَوْمًا بِعُذْرٍ

یہ بالضرورہ نص سے ثابت ہے، اور یہ شرط معدوم ہوتی ہے وطی سے پس از سر نو روزہ رکھے، اور اگر افطار کیا ان میں سے ایک دن عذر کی وجہ سے

أَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ اسْتَأْنَفَ لِفَوَاتِ التَّتَابُعِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَيْهِ عَادَةً{۱۳}وَإِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يَجْزِ فِي الْكَفَّارَةِ

یا بغیر عذر کے تو از سر نو روزہ رکھے؛ تتابع کے فوت ہونے کی وجہ سے، اور وہ قادر ہے اس پر عادۃً، اور اگر ظہار کیا غلام نے تو جائز نہ ہوگا کفارہ میں

إِلَّا الصَّوْمُ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ التَّكْفِيرِ بِالْمَالِ وَإِنْ أَعْتَقَ الْمَوْلَى أَوْ أَطْعَمَ

مگر روزہ؛ کیونکہ غلام کے لیے کوئی ملک نہیں پس نہ ہوگا وہ مال سے کفارہ دینے والوں میں سے، اور اگر آزاد کر دیا مولیٰ نے یا کھانا کھلایا

عَنْهُ لَمْ يَجْزِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْمِلْكِ فَلَا يَصِيرُ مَالِكًا بِتَمْلِيكِهِ. {۱۴}وَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ أَطْعَمَ

اس کی طرف سے تو جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ نہیں ہے اہل ملک پس نہ ہوگا مالک مولیٰ کے مالک کرنے سے۔ اور اگر قادر نہ ہو مظاہر روزہ پر تو کھانا کھلائے

سِتِّينَ مِسْكِينًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا } وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِينٍ

ساٹھ مسکینوں کو؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "جو شخص طاقت نہ رکھتا ہو روزہ رکھنے کی تو کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو" اور دیدے ہر مسکین کو

نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّأَوْصَاعًامِنْ تَمْرٍأَوْشَعِيرٍ أَوْقِيمَةَ ذَلِكَ لِقَوْلِهِ ﷺ فِي حَدِيثِ أَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ وَسَهْلِ بْنِ صَخْرٍ:

نصف صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اوس بن الصامت اور سہل بن صخر کی حدیث میں

{لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ}{۱۵}وَلِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَفْعُ حَاجَةِ الْيَوْمِ لِكُلِّ مِسْكِينٍ فَيُعْتَبَرُ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ،

"ہر مسکین کے لیے نصف صاع گندم کا" اور اس لیے کہ معتبر دفع کرنا ہے ہر مسکین کی ایک دن کی حاجت کو، پس قیاس کیا جائے گا صدقۂ فطر پر

وَقَوْلُهُ أَوْ قِيمَةُ ذَلِكَ مَذْهَبُنَا وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الزَّكَاةِ{۱۶} فَإِنْ أَعْطَى مَنًّا مِنْ بُرٍّ وَمَنَوَيْنِ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ

اور ماتن کا قول "أَوْ قِيمَةُ ذٰلِكَ" ہمارا مذہب ہے اور ہم اس کو ذکر کر چکے کتاب الزکوۃ میں۔ پس اگر دیدیا ایک مَن گندم اور دو مَن کھجور یا جو

جَازَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ إِذِ الْجِنْسُ مُتَّحِدٌ

تو جائز ہے؛ حصولِ مقصود کی وجہ سے کیونکہ جنس ایک ہے۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں کفارۂ ظہار میں اپنے باپ یا بیٹے کو آزاد کرنے میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۲ و ۳ میں کفارۂ ظہار میں مشترک نصف غلام کو آزاد کرنے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۴ میں اپنا غلام دو دفعہ میں آزاد کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں سابقہ دو مسئلوں میں فرق بیان کیا ہے، اور صاحبینؒ کے مسلک کی وضاحت کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں آدھا غلام آزاد کرنے کے بعد وطی کرنے اور پھر بقیہ غلام آزاد کرنے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف، اور ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں غلام آزاد کرنے پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں پے در پے ساٹھ روزوں کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ میں رمضان، عیدین اور ایام تشریق کے روزوں کی عدم کفایت اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۹ تا ۱۱ میں روزوں کے درمیان مظاہر منہا سے وطی کرنے کے حکم میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف، امام ابو یوسفؒ کی دلیل، ایک سوال کا جواب، پھر طرفینؒ کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۲ میں درمیان میں ایک دن افطار کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۳ میں غلام کے ظہار کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۴ و ۱۵ میں روزوں پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دو دلائل سمیت ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۱۶ میں گندم، جو اور کھجور سے کفارہ ادا کرنے کی ایک صورت کا حکم اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر مظاہر نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو کفارۂ ظہار کی نیت سے خرید ا، تو اس سے کفارہ ادا ہو جائیگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ سے کفایت نہیں کرے گا۔ اور یہی اختلاف کفارۂ یمین میں بھی ہے کہ ہمارے نزدیک حالف کا اپنے باپ یا بیٹے کو کفارہ کی نیت سے خریدنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک ادا نہ ہوگا۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ تفصیل "کتاب الأیمان" کے "باب الیمین فی الطلاق والعتاق" میں آئے گی انشاء اللہ۔

{۲} اگر مظاہر نے مشترک غلام کا نصف حصہ بنیتِ کفارہ آزاد کیا اس حال میں کہ آزاد کرنے والا غنی ہے اور باقی ماندہ نصف کی قیمت کا اپنے شریک کیلئے ضامن ہو گیا، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے کفارۂ ظہار ادا نہیں ہوگا، اور صاحبین رحمہا اللہ کے نزدیک اگر معتِق (آزاد کرنے والا) غنی ہو تو ادا ہو جائیگا اور اگر تنگ دست ہو تو ادا نہ ہوگا۔

صاحبین رحمہا اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نصف غلام کا تو وہ مالک تھا اور ضمان دیکر اپنے شریک کے حصہ کا بھی مالک ہو گیا تو وہ پورے غلام کو آزاد کرنے والا ہوا اس حال میں کہ وہ غلام اس کی مِلک میں ہے اس لیے اس کا کفارہ ادا ہو گیا۔ البتہ اگر معتِق غنی ہے تو یہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہو گا تو یہ عتق بلاعوض ہوا یعنی غلام پر آزادی کا کوئی عوض نہیں آیا، لہٰذا یہ کفارہ سے کفایت کرتا ہے اور اگر معتِق تنگ دست ہے تو غلام دوسرے شریک کے حصے کے بقدر کما کر کے اس کو دیدے گا تو یہ گویا غلام سے آزادی کا عوض لے لیا گیا پس یہ عتق بعوض ہونے کی وجہ سے کفارہ سے کفایت نہیں کریگا؛ کیونکہ کفارہ کے لئے آزادی رقبہ بلاعوض ضروری ہے۔

{۳} امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مظاہر نے اپنا حصہ آزاد کیا تو شریک کا حصہ اسکی ملک میں ناقص رہ گیا (کیونکہ اب اس کو غلام رکھنا محال ہے یہ آزاد ہو کر رہیگا) اب جب بذریعہ ضمان مظاہر کی ملک میں آئیگا تو ناقص ہو کر آئیگا اور ناقص کی آزادی ادائیگی کفارہ کیلئے مانع ہے، اس لیے اس سے کفارۂ ظہار ادا نہ ہو گا۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار: (وَلَا) يُجْزِئُ ....إِعْتَاقُ نِصْفِ عَبْدٍ) مُشْتَرَكٍ (ثُمَّ بَاقِيهِ بَعْدَ ضَمَانِهِ) لِتَمَكُّنِ النُّقْصَانِ (الدّرالمختار علی ھَامش ردّالمحتار:۲/ ۶۳۰)

{۴} اگر مظاہر نے اپنا نصف غلام کفارہ میں آزاد کیا پھر باقی غلام کو بھی آزاد کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ مظاہر نے دو دفعہ کلام کر کے کامل غلام کو آزاد کیا ہے تو جو نقصان نصف اخر میں واقع ہوا ہے وہ اس کی ملک میں رہتے ہوئے کفارہ میں آزاد کرنے ہی کی جہت سے پیدا ہوا ہے کسی اور جہت سے پیدا نہیں ہوا ہے لہٰذا اس قسم کا نقصان ادائے کفارہ کیلئے مانع نہیں، پس یہ ایسا ہے جیسے کوئی قربانی کے لیے بکری زمین پر گرائے اور اس کی آنکھ کو چھری لگے تو اس عیب کے باوجود اس کی قربانی جائز ہے، حاصل یہ کہ جیسا کہ فعلِ تضحیہ سے آیا ہوا نقصان قربانی کے لیے مانع نہیں اسی طرح فعلِ کفارہ سے آیا ہوا نقصان ادائے کفارہ کے لیے مانع نہ ہو گا۔

{۵} برخلافِ گذشتہ مسئلہ کے کہ اس میں تو نقصان مِلکِ شریک میں پیدا ہوا اس لیے اس نقصان کو کفارہ کی طرف نہیں پھرایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ معتِق اس وقت اس حصہ کا مالک نہیں ہے، پس دونوں صورتوں میں اس فرق کی وجہ سے دونوں کا حکم بھی مختلف ہے، یہ تفصیل تو امام صاحبؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک آزاد کرنا چونکہ متجزی (ٹکڑے) نہیں ہوتا اس لیے جب معتِق نے اپنے نصف حصہ کو آزاد کیا تو وہ پورا غلام آزاد ہوا پس یہ دو دفعہ کلام کر کے آزاد نہیں ہوا ہے بلکہ ایک ہی کلام سے آزاد ہوا ہے، اس لیے ان کے نزدیک گذشتہ صورت میں بھی غلام کی آزادی ادائے کفارہ کے لیے مانع نہ تھی۔

فتوی:۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لماقال الشیخ عبد الحکیم الشھید: وھذا الخلاف مبنی علی اختلافھم فی تجزئ الاعتاق وعدمه وسیاتی تفصیله فی موضعه ونقل فی بدرالمنتقی ھناک ان الصحیح قوله کذافی القھستانی والمضمرات(ھامش الھدایة: ۲/۳۹۲)

{٦}اگر مظاہر نے آدھا غلام کفارہ میں آزاد کیا پھر مظاہر منہا عورت کے ساتھ وطی کرلی پھر باقی ماندہ غلام کو آزاد کر دیا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اعتاق کافی نہیں، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کافی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق میں تجزی ہوسکتی ہے(یعنی اگر غلام تھوڑا تھوڑا آزاد کیا تو جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا)اور اعتاق کا جماع سے پہلے ہونا نص سے ثابت ہے یعنی باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ......... فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا[1]﴾(یعنی جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں....تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں میاں بیوی باہم اختلاط کریں)جبکہ یہاں نصف کا آزاد کرنا جماع کے بعد پایا گیا لہذا یہ جائز نہ ہوگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ اعتاق متجزی نہیں ہوتا اسلئے آدھے غلام کو آزاد کرنا پورے کو آزاد کرنا ہے، لہذا صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پورے غلام کی آزادی جماع سے پہلے پائی گئی اسلئے جائز ہوگا۔

فتوی:۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّرالمختار:(وَلَا يُجْزِئُ ....نِصْفُ عَبْدِهِ عَنْ تَكْفِيرِهِ ثُمَّ بَاقِيهِ بَعْدَ وَطْءِ مَنْ ظَاهَرَ مِنْهَا) لِلْأَمْرِ بِهِ قَبْلَ التَّمَاسِّ .قال العلامة ابن عابدین:(قَوْلُهُ : لِلْأَمْرِ بِهِ قَبْلَ التَّمَاسِّ) فَالشَّرْطُ لِلْحِلِّ مُطْلَقًا إعْتَاقُ كُلِّ الرَّقَبَةِ قَبْلَ التَّمَاسِّ وَلَمْ يُوجَدْ فَتَقَرَّرَ الْإِثْمُ بِذَلِكَ الْوَطْءِ(الدّرالمختارعلی ھامش ردّالمحتار:۲/۶۳۰)

{٧}اگر مظاہر نے کفارۂ ظہار ادا کرنا چاہا مگر غلام کی آزادی پر قادر نہ ہو تو پے درپے ساٹھ روزے رکھے۔اور شرط یہ ہے کہ ان دوماہ کے دوران ماہ رمضان نہ ہو، اسی طرح ان دوماہ کے دوران ایام منہیہ نہ ہوں یعنی یوم عید الفطر نہ ہو اور یوم النحر نہ ہو اور تین دن ایام تشریق کے نہ ہوں۔پھر ان ساٹھ روزوں کا پے درپے ہونا تو اس لیے ضروری ہے کہ باری تعالیٰ کے ارشاد﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا[2]﴾(پھر جس کو (غلام لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پیاپے(یعنی لگاتار) دو مہینے

---

(۱)المجادلۃ:۳
(۲)المجادلۃ:۴

کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں) میں ان روزوں کے پے درپے ہونے کی تصریح ہے، لہٰذا اسے پے درپے رکھنا ضروری ہے۔

﴿۸﴾اور رمضان کے روزے اس لیے کفارۂ ظہار سے واقع نہ ہوں گے کہ ان روزوں کو ظہار سے قرار دینے میں ابطال لازم آتا ہے اس کا جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو واجب کیا ہے پس اسے ظہار کے روزے قرار دینے میں اس واجب کو باطل کرنا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔اور عیدین اور ایام تشریق کے روزے اس لیے کفارہ کے لیے کافی نہیں کہ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے اور ممانعت کے باوجود ان دنوں میں روزہ رکھنا ناقص ہوگا اور ناقص ادائیگی کامل واجب کی قائم مقام نہیں ہو سکتی ہے۔

ف:۔اور یہ دو ماہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھے تو بہر صورت جائز ہے اگرچہ دونوں مہینے انتیس دن کے ہوں۔اور اگر درمیان مہینے سے شروع کیا تو ساٹھ روزے پورے کرنا ضروری ہے اگر انسٹھ روزے رکھنے کے بعد افطار کیا تو از سر نو روزے رکھنا ضروری ہوگا لما فی ردّالمحتار: وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ إِذَا ابْتَدَأَ الصَّوْمَ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ كَفَاهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ تَامَّيْنِ، أَوْ نَاقِصَيْنِ، وَكَذَا لَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا تَامًّا وَالْآخَرُ نَاقِصًا(قَوْلُهُ :وَإِلَّا) أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ صَوْمُهُ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بِأَنْ غُمَّ ، أَوْ صَامَ فِي أَثْنَاءِ شَهْرٍ فَإِنَّهُ يَصُومُ سِتِّينَ يَوْمًا .وَفِي كَافِي الْحَاكِمِ وَإِنْ صَامَ شَهْرًا بِالْهِلَالِ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ وَقَدْ صَامَ قَبْلَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَبَعْدَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَجْزَأَهُ۔(ردّالمحتار:۲/۶۳۱)

﴿۹﴾اگر مظاہر نے مظاہر منہا سے ان دو ماہ کے درمیان وطی کی خواہ رات میں عمداً ہو یا دن میں سہواً ہو، تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ شخص از سر نو روزے رکھے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک از سر نو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عمداً اور دن میں سہواً وطی کرنا مفسدِ صوم نہیں، لہٰذا یہ وطی روزوں کے پے درپے ہونے سے مانع نہیں اور کفارۂ ظہار میں تتابع ہی شرط ہے اور یہ شرط پائی گئی لہٰذا اعادہ ضروری نہیں۔

﴿۱۰﴾مگر سوال یہ ہے کہ روزوں کا وطی سے پہلے ہونا نص سے ثابت ہے جو یہاں نہیں پایا گیا اس لیے کفارہ ادا نہ ہونا چاہیے؟امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا ہے کہ چونکہ جماع روزوں کے درمیان میں ہوا ہے اور میں از سر نو روزے رکھنے کا حکم نہیں کرتا ہوں یوں میرے قول کے مطابق بعض روزے جماع سے مقدم اور بعض مؤخر ہیں، جبکہ تمہارے قول کے مطابق تو تمام روزے جماع کے بعد ہوں گے اور بعض کی تاخیر اہون ہے کل کی تاخیر سے،اس لیے بہتر یہ ہے از سر نو روزے نہ رکھے۔

{۱۱} طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نص (مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا) سے لازمی طور پر دو شرطیں ثابت ہیں، ایک یہ کہ روزے وطی سے پہلے ہوں، دوم یہ کہ یہ روزے وطی سے خالی ہوں؛ کیونکہ جب کہا کہ روزے وطی سے پہلے ہوں تو یہ مستلزم ہے کہ وطی روزوں کے درمیان میں بھی نہ ہوں ورنہ تو روزوں کا وطی سے پہلے ہونا نہیں پایا جائے گا، اب جب اس نے روزوں کے درمیان میں وطی کرلی تو شرطِ ثانی نہیں پائی گئی اسلئے مشروط یعنی کفارہ بھی باطل ہوا، لہٰذا از سر نو روزے رکھنا ضروری ہے؛ کیونکہ ایک شرط (قبل الجماع روزے رکھنے) سے عجز شرطِ ثانی (اخلاء الصیام عن الجماع) کے سقوط کو واجب نہیں کرتا ہے۔

فتویٰ:۔ طرفین کا قول راجح ہے لمافی الشَّامِيَةِ: وَقَالَ فِي الْفَتْحِ وَالْعِنَايَةِ :إنَّ جِمَاعَهُمَا لَيْلًا عَامِدًا ،أَوْ نَاسِيًا سَوَاءٌ لِأَنَّ الْخِلَافَ فِي وَطْءٍ لَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ ا ھ أَيْ الْخِلَافَ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَالطَّرَفَيْنِ ؛ فَعِنْدَهُ جِمَاعُ الْمُظَاهِرِ مِنْهَا إنَّمَا يَقْطَعُ التَّتَابُعَ إنْ أَفْسَدَ الصَّوْمَ وَعِنْدَهُمَا مُطْلَقًا لِأَنَّ تَقَدُّمَ الْكَفَّارَةِ عَلَى التَّمَاسِّ شَرْطٌ بِالنَّصِّ ،وَتَمَامُ تَقْرِيرِهِ فِي الْفَتْحِ ،وَلِذَا قَالَ فِي الْحَوَاشِي الْيَعْقُوبِيَّةِ : إنَّ عَدَمَ الْفَرْقِ بَيْنَ السَّهْوِ وَالْعَمْدِ هُوَ الظَّاهِرُ لِأَنَّهُ مُقْتَضَى دَلِيلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ (ردّالمحتار:۲/۶۳۲)

{۱۲} اسی طرح اگر مظاہر نے دوماہ کے درمیان ایک دن افطار کیا خواہ عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے ہو بہر دو صورت یہ شخص از سر نو روزے رکھے گا؛ کیونکہ روزوں میں تتابع شرط ہے جو کہ فوت ہو گیا حالانکہ یہ مرد ہے جو عادۃً تتابع پر قادر ہے، ہاں البتہ عورت کفارۂ رمضان وغیرہ میں بے شک حیض کی وجہ سے تتابع پر قادر نہیں، مگر چونکہ اس کے حق میں یہ عذر ہے اس لیے اس عذر کی وجہ سے عدم تتابع اس کے کفارہ کی صحت کے لیے مانع نہیں۔

{۱۳} اگر کسی غلام نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا تو اسکا کفارہ صرف روزوں سے ادا ہوگا؛ کیونکہ غلام کو کسی شئی پر ملکیت حاصل نہیں لہٰذا یہ نہ غلام کو آزاد کر کے کفارہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کھانا کھلا کر کفارہ ادا کر سکتا ہے، اس لیے اس کے لئے روزہ رکھنا ہی متعین ہے۔ اور اگر اس کے مولیٰ نے اسکی طرف سے غلام آزاد کیا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیدیا، تو بھی کافی نہیں ہوگا، اسلئے کہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں، پس مولیٰ کے مالک کرنے سے بھی وہ مالک نہیں ہوتا ہے لہٰذا غلام تکفیر بالمال کا بھی اہل نہ ہوگا اس لیے روزہ ہی رکھنا پڑے گا۔

{۱۴} اگر مظاہر بوجہ مرض یا کبر سنی کے روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیدے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا[1]﴾ (پھر جس سے یہ بھی نہ ہوسکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ

([1]) المجادلۃ:۴۔

مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)۔ پھر کھانا دینے کی صورت یہ ہوگی کہ فطرہ کی طرح ہر مسکین کو آدھا صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دیدے اور یا اس کی قیمت دیدے۔ نصف صاع گندم دینے کی دلیل حضرت اوس بن صامت، اور حضرت سہل بن صخر (صحیح سلمہ بن صخر ہیں) کی حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ"[1] (ہر مسکین کے لیے گندم کا آدھا صاع ہے)۔

﴿۱۹۵﴾ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ معتبر ہر مسکین کی ایک دن کی حاجت پوری کرنا ہے لہٰذا اس کو مقدار میں صدقۂ فطر پر قیاس کیا جائے گا یعنی جتنی مقدار صدقۂ فطر میں ادا کی جاتی ہے اتنی مقدار یہاں بھی ہے البتہ یہ فرق ہے کہ وہاں مسکینوں کی تعداد ضروری نہیں یہاں تعداد یعنی ساٹھ مسکینوں کو دینا ضروری ہے وہاں ایک مسکین کو کئی فطرے دینا صحیح ہے یہاں ہر ایک مسکین کو نصف صاع دینا ہوگا اس سے زائد یا کم دینا درست نہیں۔ اور قیمت دینا اس لیے جائز ہے کہ مقصود مسکین کی حاجت کو دفع کرنا ہے اور یہ مقصود قیمت ادا کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ کا قول "أَوْ قِيمَةُ ذٰلِكَ" کہ قیمت دینا بھی جائز ہے یہ ہمارا مذہب ہے، امام شافعیؒ قیمت کے قائل نہیں، تفصیل "کتاب الزکوۃ" میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔

﴿۱۹۶﴾ چار مَن ایک صاع کے برابر ہوتے ہیں گویا مَن صاع کا ایک ربع ہے، پس اگر کسی نے ایک مسکین کو ایک مَن (ربع صاع) گندم اور دو مَن (نصف صاع) کھجوریں یا جو دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ مقصود (مسکین کی حاجت دور کرنا) پایا گیا اور گندم و جو یا گندم و کھجور کی جنس بھی ایک ہے یعنی دونوں سے مقصود کھانا دینا اور بھوک کو دور کرنا ہے لہٰذا ایک کو دوسرے سے مکمل کرنا جائز ہے، یوں کہ گندم کے نصف نصاب (ربع صاع) کو جَو کے نصف نصاب (نصف صاع) سے مکمل کیا جائے گا یا اسی طرح جَو کے نصاب کو گندم کے نصاب سے مکمل کیا جائے گا۔

---

[1] علامہ زیلعیؒ نے اس حدیث پر اس طرح تبصرہ کیا ہے: رَوَى أَبُو دَاوُدَ مِنْ طَرِيقِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ خُوَيْلَةَ بِنْتِ مَالِكِ بْنِ ثَعْلَبَةَ، قَالَتْ: ظَاهَرَ مِنِّي زَوْجِي أَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ فَجِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْكُوهُ إِلَيْهِ، وَهُوَ يُجَادِلُنِي فِيهِ، وَيَقُولُ: اتَّقِي اللّٰهَ، فَإِنَّمَا هُوَ ابْنُ عَمِّكِ، فَمَا بَرِحْتُ حَتَّى أَنْزَلَ الْقُرْآنَ {قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا} الآية، فقال عليه السلام: يُعْتِقُ رَقَبَةً، قالت: لا يجد، قال: فَيَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، قالت: إِنَّهُ شَيْخٌ كَبِيرٌ لا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَصُومَ، قال: يُطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا، قالت: لَيْسَ عِنْدَهُ شَيْءٌ يَتَصَدَّقُ بِهِ، قال: فَإِنِّي أُعِينُهُ بِعَرَقٍ مِنَ التمر، قالت: يا رسول اللّٰه، وأنا أُعِينُهُ بِعَرَقٍ آخَرَ، قال: أَحْسَنْتِ، اذْهَبِي فَأَطْعِمِي بِهَا عَنْهُ سِتِّينَ مِسْكِينًا، وَارْجِعِي إِلَى ابْنِ عَمِّكِ، قال: وَالْعَرَقُ: سِتُّونَ صَاعًا، انتهى. ثم أخرج عن ابن إسحاق بهذا الإسناد، نحوه، إلا أنه قال: والعرق: مكتل يسع ثلاثين صاعا، ثم أخرج عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، قال: العرق زنبيل، يأخذ خمسة عشر صاعا، انتهى. وهذه الرواية الثانية شاهدة لنا. (نصب الراية:۳، ص:۲۴۷)

{۱} وَإِنْ أَمَرَ غَيْرَهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظِهَارِهِ فَفَعَلَ

اور اگر امر کیا غیر کو کہ کھانا دیدے میری طرف سے میرے ظہار کا اور اس نے دیدیا

أَجْزَأَهُ لِأَنَّهُ اسْتِقْرَاضٌ مَعْنًى وَالْفَقِيرُ قَابِضٌ لَهُ أَوَّلًا ثُمَّ لِنَفْسِهِ فَتَحَقَّقَ تَمَلُّكُهُ

تو کافی ہوگا اس کو؛ کیونکہ یہ قرض لینا ہے معنیً اور فقیر قبض کرنے والا ہے اس کے لیے پہلے پھر اپنے لیے پس متحقق ہوا اس کا مالک ہونا

ثُمَّ تَمْلِيكُهُ {۲} فَإِنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيلًا كَانَ مَا أَكَلُوا أَوْ كَثِيرًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يُجْزِئُهُ

پھر فقیر کو مالک بنانا، پھر اگر فقیروں کو صبح کا کھانا دیا اور شام کا تو جائز ہے خواہ کم ہو جو انہوں نے کھایا یا زیادہ ہو، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ کافی نہ ہوگا

إِلَّا التَّمْلِيكُ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ ، وَهَذَا لِأَنَّ التَّمْلِيكَ أَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ فَلَا يَنُوبُ مَنَابَهُ الْإِبَاحَةُ.

مگر مالک کر دینا قیاس کرتے ہوئے زکوۃ اور صدقۂ فطر پر، اور یہ اس لیے کہ مالک بنانا زیادہ دفع کرتا ہے حاجت کو پس اس کا قائم مقام نہ ہوگی اباحت

{۳} وَلَنَا أَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ هُوَ الْإِطْعَامُ وَهُوَ حَقِيقَةٌ فِي التَّمْكِينِ مِنَ الطُّعْمِ وَفِي الْإِبَاحَةِ ذَلِكَ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ منصوص علیہ اطعام ہے اور اطعام کی حقیقت قدرت دینا ہے کھا لینے پر، اور اباحت میں یہ بات پائی جاتی ہے

كَمَا فِي التَّمْلِيكِ ، أَمَّا الْوَاجِبُ فِي الزَّكَاةِ الْإِيتَاءُ وَفِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ الْأَدَاءُ وَهُمَا لِلتَّمْلِيكِ حَقِيقَةً

جیسا کہ تملیک میں ، باقی واجب زکوۃ میں دیدینا ہے اور صدقۃ الفطر میں ادا کرنا ہے اور یہ دونوں تملیک کے لیے ہیں حقیقۃً

{۴} وَلَوْ كَانَ فِيمَنْ عَشَّاهُمْ صَبِيٌّ فَطِيمٌ لَا يُجْزِئُهُ لِأَنَّهُ لَا يَسْتَوْفِي كَامِلًا ، وَلَا بُدَّ مِنَ الْإِدَامِ

اور اگر ہو ان لوگوں میں جن کو شام کا کھانا کھلایا شیر خوار بچہ تو یہ کافی نہ ہوگا؛ کیونکہ بچہ وصول نہیں کر سکتا پورا کھانا، اور ضروری ہے سالن کا ہونا

فِي خُبْزِ الشَّعِيرِ لِيُمْكِنَهُ الِاسْتِيفَاءُ إِلَى الشِّبَعِ، وَفِي خُبْزِ الْحِنْطَةِ لَا يُشْتَرَطُ الْإِدَامُ. {۵} وَإِنْ أَطْعَمَ مِسْكِينًا وَاحِدًا سِتِّينَ يَوْمًا

جو کی روٹی کے ساتھ تا کہ ممکن ہو وصولی سیر ہونے تک، اور گندم کی روٹی میں شرط نہیں ہے سالن کا ہونا۔ اور اگر کھلایا ایک مسکین کو ساٹھ دن

أَجْزَأَهُ ، وَإِنْ أَعْطَاهُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا عَنْ يَوْمِهِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ وَالْحَاجَةُ

تو یہ کافی ہوگا، اور اگر ایک کو دیدیا ایک دن میں تو کافی نہ ہوگا مگر اسی ایک دن سے؛ کیونکہ مقصود دفع کرنا ہے محتاج کی حاجت، اور حاجت

تَتَجَدَّدُ فِي كُلِّ يَوْمٍ ، فَالدَّفْعُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي كَالدَّفْعِ إِلَى غَيْرِهِ ، {۶} وَهَذَا فِي الْإِبَاحَةِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ.

نئی پیدا ہوتی ہے ہر روز، پس دیدینا اس کو دوسرے دن جیسے دیدینا اس کے غیر کو ، اور یہ اباحت میں بلا خلاف جائز ہے۔

وَأَمَّا التَّمْلِيكُ مِنْ مِسْكِينٍ وَاحِدٍ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ بِدَفَعَاتٍ، فَقَدْ قِيلَ لَا يُجْزِئُهُ، وَقَدْ قِيلَ يُجْزِئُهُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى التَّمْلِيكِ

رہا مالک بنانا ایک مسکین کو ایک دن میں کئی دفعہ، تو کہا گیا ہے کہ یہ کافی نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ کافی ہے؛ کیونکہ حاجتِ تملیک

تَتَجَدَّدُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ ، لِأَنَّ التَّفْرِيقَ وَاجِبٌ بِالنَّصِّ.

کی پیدا ہوتی ہے ایک دن میں، بخلاف اس کے جب دیدے ایک دفعہ؛ کیونکہ متفرق کرکے دیدینا واجب ہے نص قرآنی سے۔

﴿۷﴾ وَإِنْ قَرُبَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلَالِ الْإِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ لِأَنَّهُ تَعَالَى مَا شَرَطَ فِي الْإِطْعَامِ أَنْ يَكُونَ

اور اگر وطی کی اس سے جس سے ظہار کیا ہے درمیانِ اطعام میں تو از سر نو طعام نہ دے؛ کیونکہ باری تعالیٰ نے شرط نہیں لگائی ہے اطعام میں کہ ہو

قَبْلَ الْمَسِيسِ، إِلَّا أَنَّهُ يُمْنَعُ مِنَ الْمَسِيسِ قَبْلَهُ لِأَنَّهُ رُبَّمَا يَقْدِرُ عَلَى الْإِعْتَاقِ أَوِ الصَّوْمِ فَيَقَعَانِ

وطی سے پہلے، مگر یہ کہ روکا جائے گا وطی سے طعام دینے سے پہلے؛ کیونکہ بسا اوقات وہ قادر ہو جاتا ہے اعتاق یا صوم پر تو یہ دونوں واقع ہو جائیں گے

بَعْدَ الْمَسِيسِ، وَالْمَنْعُ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهِ لَا يُعْدِمُ الْمَشْرُوعِيَّةَ فِي نَفْسِهِ. ﴿۸﴾ وَإِذَا أَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ سِتِّينَ مِسْكِينًا

وطی کے بعد، اور ممانعت معنی فی غیرہ کی وجہ سے معدوم نہیں ہوتی ہے مشروعیت فی ذاتہ، اور جب کھانا دے دو ظہاروں کا ساٹھ مسکینوں کو

كُلَّ مِسْكِينٍ صَاعًا مِنْ بُرٍّ لَمْ يَجْزِهِ إِلَّا عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ

ہر مسکین کو ایک صاع گندم کا تو کافی نہ ہوگا مگر دو میں سے ایک کی طرف سے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ نے

يُجْزِئُهُ عَنْهُمَا، وَإِنْ أَطْعَمَ ذَلِكَ عَنْ إِفْطَارٍ وَظِهَارٍ أَجْزَأَهُ عَنْهُمَا ﴿۹﴾ لَهُ أَنَّ

کہ کافی ہوگا دونوں کی طرف سے، اور اگر کھانا دیا اتنا ہی افطار اور ظہار کے کفارہ سے تو کافی ہوگا دونوں کی طرف سے، امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ

بِالْمُؤَدَّى وَفَاءٌ بِهِمَا وَالْمَصْرُوفُ إِلَيْهِ مَحَلٌّ لَهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُمَا كَمَا لَوِ اخْتَلَفَ

اداشدہ مقدار میں کفایت ہے دونوں کی طرف سے اور مصروف الیہم محل ہیں دونوں کے لیے پس واقع ہو جائے گا دونوں کی طرف سے جیسا کہ مختلف ہو

السَّبَبُ أَوْ فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ. ﴿۱۰﴾ وَلَهُمَا أَنَّ النِّيَّةَ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ لَغْوٌ وَفِي الْجِنْسَيْنِ مُعْتَبَرَةٌ، وَإِذَا لَغَتِ النِّيَّةُ

سبب یا متفرق کرکے دے، اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نیت جنس واحد میں لغو ہے اور دو جنسوں میں معتبر ہے، اور جب لغو ہو جائے نیت

وَالْمُؤَدَّى يَصْلُحُ كَفَّارَةً وَاحِدَةً لِأَنَّ نِصْفَ الصَّاعِ أَدْنَى الْمَقَادِيرِ فَيَمْنَعُ النُّقْصَانَ

اور اداشدہ مقدار صلاحیت رکھتی ہے ایک کفارہ کی؛ کیونکہ نصف صاع سب سے ادنیٰ مقدار ہے پس مانع ہوگا نصف صاع سے کم کے لیے

دُونَ الزِّيَادَةِ فَيَقَعُ عَنْهَا كَمَا إِذَا نَوَى أَصْلَ الْكَفَّارَةِ بِخِلَافِ مَا إِذَا فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ

نہ کہ زیادہ کے لیے، پس واقع ہوگا ایک کی طرف سے جیسا کہ جب نیت کرے اصل کفارہ کی، بخلاف اس کے جب متفرق کرکے دیدے

لِأَنَّهُ فِي الدَّفْعَةِ الثَّانِيَةِ فِي حُكْمِ مِسْكِينٍ آخَرَ ﴿۱۱﴾ وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ

کیونکہ دوسری مرتبہ دینے میں دوسرے مسکین کے حکم میں ہے۔ اور جس پر واجب ہو جائے دو کفارے ظہار کے پس اس نے آزاد کردئے دو غلام

لَا يَنْوِي عَنْ إِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا، وَكَذَا إِذَا صَامَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَعِشْرِينَ

حالانکہ نیت نہیں کی ان دونوں میں سے متعین ایک کی تو جائز ہوگا دونوں کی طرف سے، اسی طرح جب روزہ رکھے چار ماہ یا کھانا دے ایک سو بیس

مِسْكِينًا جَازَ لِأَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ فَلَا حَاجَةَ إِلَى نِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ ﴿۱۲﴾ وَإِنْ أَعْتَقَ عَنْهُمَا رَقَبَةً وَاحِدَةً

مسکینوں کو تو جائز ہے، کیونکہ جنس ایک ہے پس حاجت نہیں متعین کرنے والی نیت کو، اور اگر آزاد کر دیا دونوں کی طرف سے ایک غلام

أَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ عَنْ أَيِّهِمَا شَاءَ، وَإِنْ أَعْتَقَ عَنِ الظِّهَارِ وَالْقَتْلِ لَمْ يَجُزْ

یا روزہ رکھا دو ماہ، تو اس کو اختیار کہ کر دے یہ کہ دونوں میں سے جس کی طرف سے چاہے، اور اگر آزاد کر دیا ظہار اور قتل کی طرف سے تو جائز نہیں

عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَقَالَ زُفَرُ: لَا يُجْزِيهِ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:

کسی ایک کی طرف سے دونوں میں سے، اور فرمایا امام زفرؒ نے کہ جائز نہیں کسی ایک کی طرف سے دونوں صورتوں میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ

لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّ الْكَفَّارَاتِ كُلَّهَا بِاعْتِبَارِ اتِّحَادِ الْمَقْصُودِ جِنْسٌ وَاحِدٌ.

کو اختیار ہے اس کو کہ کر دے یہ کسی ایک کی طرف سے دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ تمام کفارات باعتبار اتحاد مقصود کے ایک جنس ہیں،

﴿۱۳﴾ وَجْهُ قَوْلِ زُفَرَ أَنَّهُ أَعْتَقَ عَنْ كُلِّ ظِهَارٍ نِصْفَ الْعَبْدِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ عَنْ أَحَدِهِمَا

اور امام زفرؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آزاد کیا ہے ہر ایک ظہار سے نصف غلام، اور اس کو اختیار نہیں کہ کر دے کسی ایک کی طرف سے

بَعْدَمَا أَعْتَقَ عَنْهُمَا لِخُرُوجِ الْأَمْرِ مِنْ يَدِهِ. وَلَنَا أَنَّ نِيَّةَ التَّعْيِينِ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّحِدِ غَيْرُ مُفِيدٍ

دونوں کی طرف سے آزاد کرنے کے بعد بوجہ نکل جانے معاملہ کے اس کے ہاتھ سے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نیتِ تعیین جنس متحد میں مفید نہیں

فَتَلْغُو، وَفِي الْجِنْسِ الْمُخْتَلِفِ مُفِيدَةٌ، ﴿۱۴﴾ وَاخْتِلَافُ الْجِنْسِ فِي الْحُكْمِ وَهُوَ الْكَفَّارَةُ هَاهُنَا بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ.

پس لغو ہو گی اور جنس مختلف میں مفید ہے، اور اختلافِ جنس حکم میں اور وہ کفارہ ہے یہاں اختلافِ سبب کی وجہ سے ہے۔

﴿۱۵﴾ نَظِيرُ الْأَوَّلِ إِذَا صَامَ يَوْمًا فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ عَنْ يَوْمَيْنِ يُجْزِيهِ عَنْ قَضَاءِ يَوْمٍ وَاحِدٍ.

اول کی نظیر یہ ہے کہ جب روزہ رکھے ایک دن قضاءِ رمضان کے دو دنوں کی طرف سے تو یہ کافی ہو گا ایک دن کی قضاء سے، اور ثانی کی نظیر یہ ہے

وَنَظِيرُ الثَّانِي إِذَا كَانَ عَلَيْهِ صَوْمُ الْقَضَاءِ وَالنَّذْرِ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ فِيهِ مِنَ التَّمْيِيزِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

کہ جب ہو کسی پر صوم قضاء اور نذر کا تو ضروری ہے اس میں تمیز کرنا، واللہ أعلم۔

خلاصہ:۔ مصنفؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مظاہر کے حکم سے دوسرے شخص کا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۲و۳ میں ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلانے کے حکم میں احنافؒ اور شوافع کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل، اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ذکر کیا ہے۔ اور نمبر ۴ میں بتایا ہے کہ ساٹھ مسکینوں میں شیر خوار بچے کا اعتبار نہیں اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۵ میں ایک مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلانے کی کفایت، اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۶ میں ایک دن میں ایک مسکین کے لیے آٹھ مرتبہ کھانا مباح کرنے کا حکم اور دلیل، اور ایک دن میں ساٹھ مرتبہ ایک مسکین کو مالک بنانے [illegible] کی

دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۷ میں کھانا کھلانے کے درمیان جماع کرنے کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۸ تا ۱۰ میں دو کفاروں کے لیے ساٹھ صاع گندم ساٹھ مسکینوں کو دینے کے حکم میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۱ میں ظہار کے دو کفاروں کے لیے بلا تعین بقدرِ دو کفارے ادائیگی کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۲ میں ایک جنس کے دو کفاروں کے لیے بقدرِ ایک کفارہ ادائیگی کا حکم اور دلیل ذکر کی ہے، اور دو مختلف الجنس کفاروں کی جانب سے بقدرِ ایک کفارہ ادائیگی کے حکم میں احنافؒ، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف، ہر ایک فریق کی دلیل ذکر کی ہے۔ اور نمبر ۱۴ میں ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اور نمبر ۱۵ میں جنس واحد اور جنسِ مختلف میں سے ہر ایک کی نظیر پیش کی ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے دوسرے شخص کو امر کیا کہ "میری طرف سے ساٹھ مسکینوں کو میرے ظہار کے کفارے کا کھانا کھلا دو" اس نے کھلا دیا تو یہ بھی کافی ہو جاتا ہے؛ اسلئے کہ ظہار کرنے والے کا اپنی طرف سے کھانا دینے کا حکم دینا معنیً مامور سے قرض طلب کرنا ہے اور فقیر جب اس کھانے پر قبضہ کرتا ہے تو اولاً ظہار کرنے والے کی طرف سے نائب بن کر اس کے واسطے اس کھانے پر قبضہ کریگا پھر اپنے لئے قبضہ کریگا پس مظاہر کا پہلے خود مالک ہونا پھر فقیر کو مالک بنانا متحقق ہو گیا، اور فقیر کو مالک بنانا ہی کفارہ ہے اس لیے کفارہ ادا ہو گیا۔

{۲} اور ظہار کرنے والے نے اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح اور شام کا کھانا کھلایا تو یہ بھی جائز ہے خواہ مسکین اس میں سے کم کھائے یا زیادہ کھائے؛ کیونکہ مقصود ایک دن کی حاجت کو دور کرنا ہے جو حاصل ہو گیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ساٹھ مسکینوں کے لیے صبح اور شام کا کھانا مباح کرنا کافی نہیں بلکہ ان کو اس کھانے کا مالک بنانا ضروری ہے، وہ کفارے کو زکوٰۃ اور صدقۂ فطر پر قیاس کرتے ہیں کہ ان میں مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے فقط اباحت کافی نہیں، یہی حکم کفارے کا بھی ہے؛ کیونکہ مالک بنانے سے مسکین کی حاجت اچھی طرح سے دور ہوتی ہے لہٰذا فقط اباحت اس کی قائم مقام نہیں ہو سکتی ہے۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ نص (فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا) میں اطعام کا لفظ آیا ہے اور اطعام کا حقیقی معنی کھا لینے پر قدرت دینا ہے اور کھا لینے پر قدرت دینے کا معنی جس طرح کہ مالک بنانے میں پایا جاتا ہے اسی طرح مسکین کے لیے کھانا مباح کرنے میں بھی پایا جاتا ہے، اس لیے اباحت بھی کافی ہے۔

اور امام شافعیؒ کا زکوٰۃ اور صدقۂ فطر پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ زکوٰۃ کے بارے میں نص میں لفظ "ایتاء" (دینا) آیا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَآتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور صدقۂ فطر کے بارے میں لفظ "اداء" (ادا کرنا) آیا ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے"

أَدُّوا صَاعًا مِنْ قَمْحٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ بُرٍّ"(جن کی تم کفالت کرتے ہو ان کی طرف سے ادا کرو) اور دینا اور ادا کرنے کا حقیقی معنی مالک بنانا ہے نہ کہ فقط قدرت دینا، پس اس فرق کی وجہ سے کفارے کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر پر قیاس کرنا درست نہیں۔

ف:۔ تمام کفارات میں اباحت صحیح ہے خواہ کفارہ ظہار کا ہو یا روزے کا یا قسم وغیرہ کا، اباحت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ساٹھ فقیروں کے سامنے کھانا رکھ کر کھانے کی اجازت دے تو انہوں نے جتنا کھایا وہ کافی ہو جاتا ہے فقیروں کو مالک بنانا ضروری نہیں۔ یہی حکم حج کی جنایات اور شیخ فانی کے روزے کے فدیہ کا بھی ہے۔ اباحت اور تملیک میں فرق یہ ہے کہ اباحت میں فقیر کے لئے مباح کی ہوئی چیز میں فقیر کے لیے اسے آگے ہبہ کرنا، فروخت کرنا وغیرہ تصرفات کا اختیار نہیں ہوتا جبکہ تملیک کی صورت میں فقیر کو مملوک چیز میں مذکورہ تمام تصرفات کا اختیار ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ جن ساٹھ مسکینوں کو صبح اور شام کا کھانا کھلایا اگر ان میں کوئی شیر خوار بچہ بھی ہو تو اس سے کفارہ ادا نہ ہوگا؛ کیونکہ شیر خوار بچہ پورا کھانا نہیں کھا سکتا ہے اس لیے کہ وہ تو کچھ کھانا کھاتا ہے اور کچھ دودھ پیتا ہے، لہٰذا کچھ کھانے سے اس کے پورے دن کی حاجت دور نہ ہوئی۔ پھر اگر مسکینوں کو جَو کی روٹی کھلائی تو اس کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے لیے سیر ہونے تک کھانا ممکن ہو، اس لیے کہ جَو کی روٹی کی طرف رغبت کم ہوتی ہے۔ اور اگر گندم کی روٹی ہو تو پھر سالن شرط نہیں، فقط صبح شام روٹی کھلانا بھی کافی ہوگا۔

﴿۵﴾ اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو بھی کفارہ ادا ہو جائیگا؛ وجہ یہ ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے مقصود محتاج کی حاجت کو دور کرنا ہے اور حاجت ہر روز نئی پیدا ہوتی ہے پس دوسرے دن اسی مسکین کو دینا ایسا ہوگا جیسا کہ دوسرے مسکین کو دیدیا ہو لہٰذا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو کھانا دینا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کی طرح ہوگا، اس لیے یہ جائز ہے۔ اور اگر ایک مسکین کو ایک ہی روز میں سارا کھانا دیا تو ساٹھ دنوں کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ صرف ایک دن کیلئے کافی ہوگا؛ کیونکہ متفرق کرکے دینا نص قرآن سے ثابت ہے جو مذکورہ صورت میں نہیں پایا گیا اس لیے یہ کافی نہ ہوگا۔

﴿۶﴾ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ایک مسکین کے لیے ایک دن میں ساٹھ مرتبہ کھانا مباح کرنا بالاتفاق کفارے کے لیے کافی نہیں؛ کیونکہ ساٹھ مختلف مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری ہے خواہ حقیقۃً مختلف ہوں یا حکماً۔ اور مذکورہ صورت میں حقیقۃً مختلف نہ ہونا تو ظاہر ہے حکماً بھی مختلف نہیں کیونکہ انسان کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ کھانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ باقی ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ طعام کا مالک بنانے کی صحت میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ صورت بھی کافی نہیں؛ کیونکہ مقصود مسکین

(۱) رواه أحمد في "مسنده" ص ۴۳۲ ج ۵۔

کی حاجت کو دور کرنا ہے اور ایک مرتبہ کھانا وصول کرلے سے اس کی اس دن کی حاجت دور ہو گئی اس لئے اب دوبارہ اسے دینا جائز نہیں، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے؛ کیونکہ کسی کو ایک چیز کے مالک کرنے کی ضرورت ختم نہیں ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے کہ یکمشت ساٹھ مسکینوں کا کھانا ایک مسکین کو دیدیا جائے تو یہ بالاتفاق جائز نہیں ایک تو متفرق کرکے دینے کا وجوب نص قرآنی (فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا) (ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا) سے ثابت ہے۔

فتویٰ:۔ راجح یہ ہے کہ ایک دن میں ایک مسکین کو ساٹھ مرتبہ طعام کا مالک بنانا بھی صحیح نہیں ہے لما فی الدرالمختار: (وَكَذَا إِذَا مَلَّكَهُ الطَّعَامَ بِدَفَعَاتٍ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ عَلَى الْأَصَحِّ) ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ ، لِفَقْدِ التَّعَدُّدِ حَقِيقَةً وَحُكْمًا .(الدرالمختار علی امش ردالمحتار: ۲/۶۳۳)

ف:۔ اور اباحتِ طعام میں شرط یہ ہے کہ فقیر کو دو صبح یا دو شام یا ایک صبح اور ایک شام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے؛ کیونکہ معتبر ایک دن کی حاجت کو دفع کرنا ہے اور عام عادت یہ ہے کہ دن میں کھانے کی دو مرتبہ حاجت ہوتی ہے پھر دو صبح یا دو شام پیٹ بھر کر کھانا ایسا ہے جیسے ایک فقیر کی دن میں دو مرتبہ حاجت طعام کو پورا کرنا۔

{۷} اگر مظاہر نے کفارہ کا کھانا دینے کے درمیان مظاہر منہا عورت کے ساتھ وطی کر لی تو از سر نو کھانا دینے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ باری تعالیٰ نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے میں ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ کی شرط نہیں لگائی ہے یعنی یہ شرط نہیں کہ کھانا وطی سے پہلے ہو۔ البتہ مظاہر کو طعام دینے سے پہلے جماع سے روکا جائے گا؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کھانا دینے کا حکم پورا ہونے سے پہلے یہ شخص غلام آزاد کرنے پر قادر ہو جائے یا روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے، ظاہر ہے کہ اب وہ اعتاق یا روزہ سے کفارہ ادا کرے گا یوں اعتاق اور روزہ جماع کے بعد ہو جائے گا حالانکہ باری تعالیٰ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اعتاق اور روزہ جماع سے پہلے ہو۔ پس ثابت ہوا کہ کھانا دینے سے پہلے جماع کرنے کی ممانعت غیر (کفارہ بالاعتاق والصوم کے امکان) کی وجہ سے ہے اور ممانعت لغیرہ لذاتہ مشروعیت کو معدوم نہیں کرتی ہے، لہٰذا کھانا دینے سے پہلے یا درمیان میں جماع کرنا فسادِ طعام کا مقتضی نہیں ہے۔

{۸} اگر کسی پر ظہار کے دو کفارے واجب ہوئے اس نے دونوں کی طرف سے ساٹھ فقیروں کو ساٹھ صاع گندم دیا ایک فقیر کو گندم کا ایک صاع دیدیا، تو یہ شیخینؒ کے نزدیک ایک کفارے کی طرف سے صحیح ہو جائیگا دونوں کے لئے کافی نہ ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔ اور اگر کسی کے ذمہ ایک کفارہ ظہار کا اور دوسرا رمضان کا روزہ توڑنے کا لازم ہوا اس نے ان دونوں کی نیت کرکے ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو ایک صاع گندم دیدیا تو یہ بالاتفاق دونوں کفاروں کی طرف سے کفایت کرے گا۔

﴿۱۴﴾ اختلافی صورت میں امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ گندم کی جو مقدار ادا کی گئی ہے وہ دونوں کفاروں کے لئے کافی ہے؛ کیونکہ ہر ایک کفارے میں ہر ایک مسکین کے لیے نصف صاع واجب ہے اور دو کفاروں میں دو نصف صاع واجب ہیں جن کا مجموعہ ایک صاع ہے اس لیے یہ مقدار دونوں کے لیے کافی ہے، اور جن فقیروں کو دیا گیا ہے وہ فقیر ہونے کی وجہ سے کفاروں کا محل بھی ہیں؛ کیونکہ فقیر ایک کفارے کا نصف صاع لینے سے مصرفِ کفارہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا، لہٰذا یہ مقدار دونوں کفاروں کی طرف سے واقع ہوگی جیسا کہ اختلافِ سبب کی صورت میں دو کفاروں کے لیے مذکورہ مقدار صحیح ہے یعنی جس طرح کہ ظہار اور رمضان کا روزہ توڑنے کی وجہ سے واجب دو کفاروں کے لیے یہ مقدار صحیح ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی صحیح ہے۔ یا جیسا کہ متفرق طور پر دینا صحیح ہے مثلاً پہلے ایک مسکین کو ایک کفارے کا نصف صاع دیدیا پھر دوسرے کفارے کا نصف صاع دیدیا تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح مذکورہ صورت بھی جائز ہوگی۔

﴿۱۵﴾ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ واجب تو دو کفاروں کی وجہ سے ایک سو بیس فقیروں کو کھانا کھلانا تھا انہوں نے ایک سو بیس کے بجائے ساٹھ فقیروں کو ایک جنس دگنی دیدی اور ایک جنس میں دو کفاروں کی نیت کرنا لغو ہے البتہ دو جنسوں میں نیت معتبر ہے؛ کیونکہ نیت اجناسِ مختلفہ کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے ہوتی ہے اور جنس واحد میں یہ بات نہیں پائی جاتی لہٰذا مطلق ظہار کی نیت باقی رہی اور اس نے جو کچھ ادا کیا ہے وہ ایک ظہار کا کفارہ بن سکتا ہے؛ کیونکہ جو مقدار مقرر کی جاتی ہے وہ اس سے کم کے لئے تو مانع ہوتی ہے زیادہ کے لئے مانع نہیں ہوتی، لہٰذا کفارہ کے لئے نصف صاع سے کم جائز نہیں، نہ یہ کہ نصف صاع سے زیادہ بھی جائز نہیں لہٰذا اس سے ایک کفارہ ادا ہو جائیگا جیسا کہ اگر مظاہر نے اصل کفارے کی نیت سے مذکورہ مقدار ادا کرلی تو بالاتفاق یہ ایک کفارے سے واقع ہو جائے گی۔ برخلاف اس کے کہ متفرق کرکے ایک مسکین کو نصف نصف صاع دو دفعہ میں دیدیا جائے؛ کیونکہ دوسری مرتبہ اسی مسکین کو دینا حکماً دوسرے مسکین کو دینا شمار ہوتا ہے اس لیے یہ صورت صحیح ہے۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّرالمختار:(أَطْعَمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا كُلًّا صَاعًا) بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ (عَنْ ظِهَارَيْنِ) كَمَا مَرَّ (صَحَّ عَنْ وَاحِدٍ)كَذَا فِي نُسَخِ الشَّرْحِ وَنُسَخِ الْمَتْنِ لَمْ يَصِحَّ: أَيْ عَنْهُمَا، خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ. قال العلامة ابن عابدين(قَوْلُهُ : وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ) وَكَذَا الْأَتْقَانِيُّ فِي غَايَةِ الْبَيَانِ(الدّرالمختار مع الشامية:۲/۶۳۴)

﴿۱۶﴾ اگر کسی پر ظہار کے دو کفارے واجب ہوئے اس نے دونوں کی طرف سے دو غلام آزاد کر دئے اور دونوں میں سے کسی ایک کو دو کفاروں میں سے کسی ایک کے لئے معین نہیں کیا تو یہ دونوں کی طرف سے صحیح ہے۔ اسی طرح اگر بلا تعیین چار ماہ روزے

رکھ لئے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا دیدیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ تینوں صورتوں میں سببِ کفارہ (ظہار) کی جنس ایک ہے اس لیے معین کرنے والی نیت کی ضرورت نہیں۔

{۱۲} اگر کسی پر ایک جنس کے دو کفارے واجب ہوں اس نے دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ لگاتار روزے رکھے تو یہ ایک کفارے کی طرف سے صحیح ہو جائیگا لہٰذا اس شخص کو اختیار ہے کہ ان دونوں کفاروں میں سے جس ایک کی طرف سے چاہے مقرر کر دے۔ اور اگر کسی کے ذمہ دو کفارے ہوں ایک ظہار کا دوسرا قتلِ خطاء کا اس نے کسی ایک کے لئے متعین کئے بغیر ایک غلام آزاد کیا تو اس صورت میں دونوں کفاروں میں سے ایک بھی ادا نہ ہوگا۔

امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں (متحد الجنس ومختلف الجنس) میں کسی ایک کی طرف سے ادا نہیں ہوگا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں وہ جس ایک کی طرف سے بھی چاہے مقرر کر سکتا ہے؛ کیونکہ تمام کفارات اتحادِ مقصود (گناہ کا اثر زائل کرنا) کے اعتبار سے ایک جنس ہیں اور جنسِ واحد میں نیت لغو ہے لہٰذا اصل کفارہ کی نیت باقی رہی اور اصل کفارہ کی نیت کی صورت میں اس کو اختیار ہے کہ وہ کسی ایک کے لیے اسے مقرر کر دے تو مذکورہ دونوں صورتوں میں بھی اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اسے کسی ایک کے لیے مقرر کر دے۔

{۱۳} امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ہر ایک کفارے کی طرف سے آدھا غلام آزاد کیا ہے اور کفارے میں آدھا غلام آزاد کرنا صحیح نہیں اس لئے یہ آزاد کرنا اس کی طرف سے تبرع ہوگا لہٰذا اب کسی ایک کے لئے مقرر کرنے کا اختیار بھی اس کو نہ ہوگا؛ کیونکہ تبرع واقع ہو جانے کے بعد معاملہ اس کے اختیار سے نکل گیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جنسِ واحد میں تعیین کی نیت غیر مفید ہے؛ کیونکہ نیت اجناسِ مختلفہ میں امتیاز کے لیے ہوتی ہے، لہٰذا یہ نیت لغو ہوگی اور جب نیت لغو ہو گئی تو اسے اختیار ہے کہ جس کے لیے چاہے مقرر کر دے۔ اور مختلف الجنس کفاروں میں نیت مفید ہے تو جب اس نے دو مختلف الجنس کفاروں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا تو یہ ہر ایک کی طرف سے آدھا غلام ہوا اور آدھا غلام آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ جائز نہیں۔

{۱۴} سوال یہ ہے کہ قتلِ خطاء اور ظہار دونوں کا حکم ایک ہے یعنی رقبہ آزاد کرنا، اور جب دونوں کا حکم ایک ہے تو یہ مختلف الجنس بھی نہ ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ حکم (حکم یہاں کفارہ ہے) میں جنس کا مختلف ہونا سببِ کفارہ کے اختلاف کی وجہ سے ہے؛ کیونکہ قتل اور ظہار دو مختلف چیزیں ہیں، پس جس حکم کا سبب ایک ہو وہ حکم ایک شمار ہوگا اور جس کا سبب مختلف ہو وہ حکم مختلف شمار ہوگا، پس اختلافِ سبب کی وجہ سے جنسِ کفارہ مختلف ہے متحد نہیں۔ پس دوسرے مسئلہ میں جنس مختلف ہے؛ کیونکہ سبب (قتل اور ظہار) مختلف

ہے لہذا اس میں نیت مفید ہے یوں ہر ایک کفارے کی طرف سے نصف غلام آزاد ہوگا جس سے کفارہ ادا نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ صورت جائز نہیں۔

{۱۵} صاحب ہدایہؒ نے اول (جنس واحد) اور ثانی (جنس مختلف) دونوں کی نظیر پیش کی ہے، فرماتے ہیں کہ جنس واحد کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی رمضان کے دو قضاء روزوں کی طرف سے ایک روزہ رکھے تو یہ ایک دن کی قضاء کی طرف سے صحیح ہوگا؛ کیونکہ یہاں جنس متحد ہے اس لیے نیت توزیع لغو ہے۔ اور جنس مختلف کی نظیر یہ ہے کہ کسی کے ذمہ دو روزے واجب ہوں ایک قضاء کا اور دوسرا نذر کا تو چونکہ یہ مختلف الجنس ہیں اس لیے یہاں دونوں میں سے ایک کو متعین کرنا ضروری ہے ایک روزہ دونوں کی طرف سے رکھنا صحیح نہیں؛ کیونکہ جنس مختلف ہے جس میں نیت مفید ہے پس ایک روزہ دونوں کی طرف سے رکھنا ایسا ہے جیسا کہ ہر ایک کی طرف سے نصف روزہ رکھنا اور نصف روزہ رکھنے سے روزہ ادا نہیں ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحقّ حَقًّا وارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَه، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعُيُوْبَنَاواغْفِرْذُنُوْبنَا، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَابِتَرْکِ الْمَعَاصِي، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِخَلْقِهٖ مُحَمَّدٍوَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن۔